سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

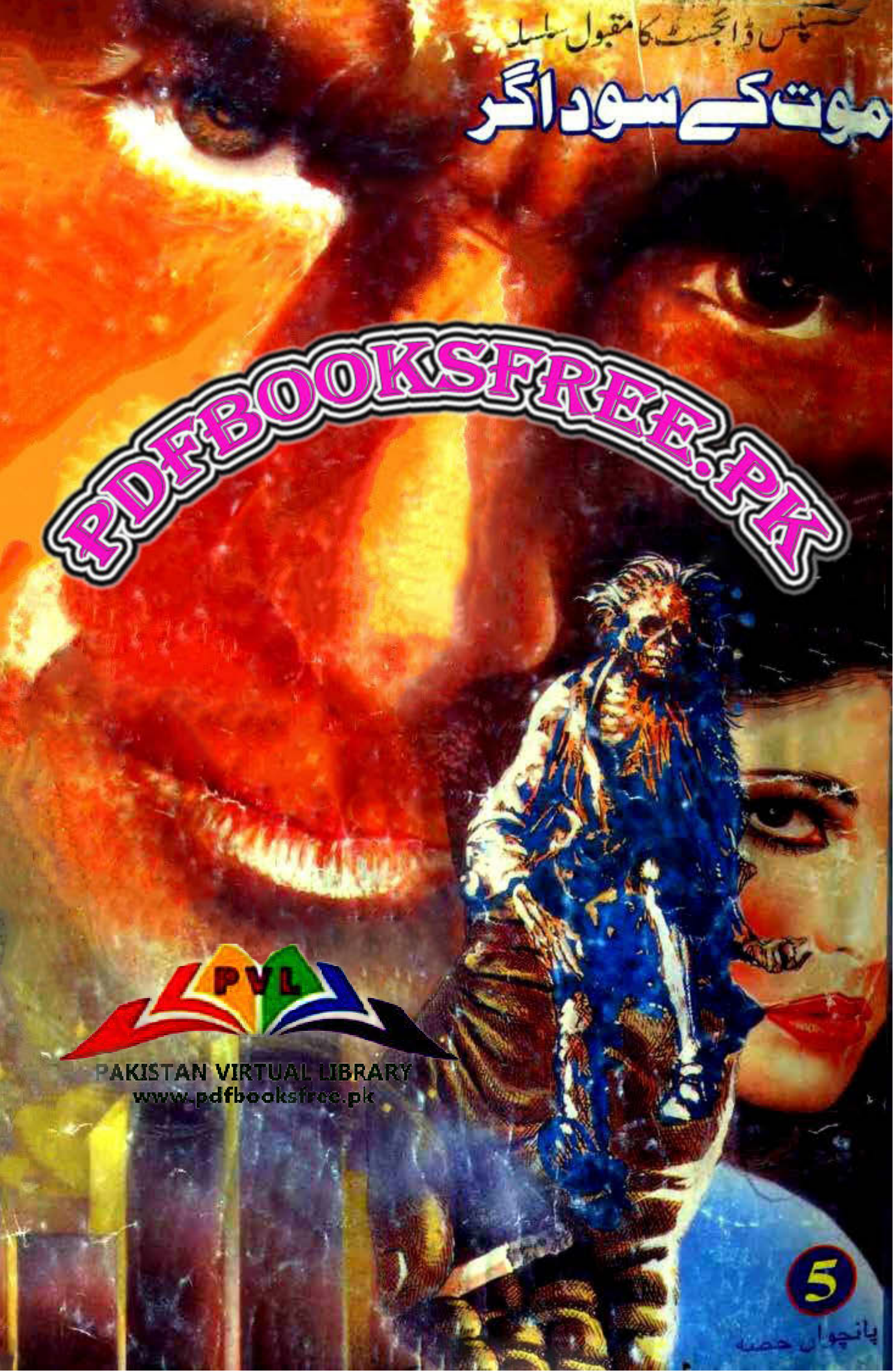

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

5

پانچواں حصہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مدہوشوں کی کہانی، ہوش مندوں کے لئے

ایک نوجوان کی خود نوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ ان زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔ موت کے ان سوداگروں کا ماجرا جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

مقبول ترین کہانی کار اقلیم علیم کے قلم سے

موت کے سوداگر

پانچواں حصہ

ترتیب و پیشکش: سعید خان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر 23 رمضان چیمبرز بلموریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

فون: 2628517 فیکس: 2637960

15-10-98

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خودنوشت۔ اُس نے منشیات کے عالمی سمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے اُن ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر شہر، ملک ملک اور برّاعظم برّاعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لیے خاک اُڑانا اُس نوجوان کا شغل ہو گیا۔ مگر موت کے سوداگر بھی تو اُس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جنگ جو ابھی تک جاری ہے۔

حقیقت سے زیادہ فکرانگیز سسپنس کا ایک تعمیری سلسلہ

میں نے رُکے بغیر جیب سے بیم گن نکالی، پلٹ کر سفاکانہ انداز میں ایک نگاہ لوسیلا کے دہشت زدہ چہرے پر ڈالی پھر اُس کے کچھ سمجھنے سے پہلے بیم گن کی نال اُس کے بائیں پہلو سے لگا کر ٹرائیگر دبا دیا۔ سیاہ مخمل کے ساتھ دودھیا بدن جلنے کی چراندسی پیدا ہوئی۔ میرا نشانہ بے خطا تھا لہٰذا وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اچانک فرش پر ڈھیر ہو گئی اور میں نے بیم گن واپس جیب میں ڈال لی۔

اُسے کسی نے گرتے دیکھا بھی ہوگا تو توجہ نہیں دی۔ دہشت سے وہاں کئی خواتین بے ہوش ہو گئی تھیں یا لڑکھڑا کر گری تھیں پھر اُنھیں اُٹھنا نصیب نہ ہو سکا کیونکہ پیچھے آنے والے اُنھیں بے رحمی کے ساتھ روندتے ہوئے گزر گئے تھے۔ میں کسی بھی مزاحمت سے دوچار ہوئے بغیر اپنے پیچھے ہال میں سسکیوں اور کراہوں کی ماتمی فضا چھوڑ کر باہر فٹ پاتھ پر آگیا، جہاں ایک مرتبہ پھر لوگ جمع ہونے لگے تھے اور ان میں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔

میرے دل میں تجسس تو ضرور پیدا ہوا کہ اس بھیڑ میں مل کر اس واقعے کی نوعیت معلوم کروں جس کے نتیجے میں مجھے ایک یقینی عذاب سے نجات ملی تھی لیکن اس وقت میں بھی لوسیلا کو قتل کر کے آیا تھا اس کے مددگار خوف زدہ تماشائیوں کی بھیڑ میں کہیں آس پاس ہی موجود تھے لہٰذا میں فٹ پاتھ پر آ کر سیدھا ایک طرف بڑھتا چلا گیا اس افراتفری میں ایلی نور کو تلاش کرنے کی کوشش بھی وقت کے زیاں سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ حالات اعتدال پر آنے کے بعد جب وہ مجھے موجود نہ پائے گی تو خود ہی واپس ہوٹل چلی آئے گی۔

ٹیکسی اسٹینڈ سے میں براہِ راست ہوٹل نہیں جانا چاہتا تھا تاکہ میری نشاندہی کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور شہر میرے لیے اجنبی تھا لہٰذا میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو ایئرپورٹ چلنے کی ہدایت کی جس پر فوری طور پر عمل شروع ہو گیا۔

گاڑی سڑک پر ڈالنے کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے فرنچ میں مجھ سے کچھ کہا اور میں نے ”سوری، نو فرنچ“ کہہ کر معذرت کر لی۔ وہ بے چارہ شاید انگریزی کے بارے میں پیدائشی یتیم تھا کیونکہ اُس نے در جوابِ آں غزل کچھ کہنے کے بجائے صرف شانے اچکانے پر اکتفا کیا اور اپنی گاڑی کی رفتار کچھ بڑھا دی۔

میں نے سگریٹ سلگا کر تھکے ہوئے انداز میں پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ چند ثانیے قبل میں اپنی زندگی کے چند بدترین لمحات سے گزرا تھا جن سے بچ کر میرا نکل آنا ٹیکسی میں سفر کرتے ہوئے بھی ناقابلِ یقین محسوس ہو رہا تھا۔ لوسیلا نے مجھے اس قدر مہارت اور خوب صورتی کے ساتھ اپنے دام میں پھنسایا تھا کہ میں آخر تک اس کے عزائم کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر رہا لیکن اب یہ بات صاف ہو چکی تھی کہ جبی لائیڈ فرانس میں میری سرگرمیوں سے باخبر ہوتے ہی میرا ذہن پڑھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ میں لیون کا رُخ کروں

گا اور اگر ایلی نور بروقت مجھے لیون میں کنگ لائنز کے دفاتر کی موجودگی سے آگاہ نہ کرتی تو میں بعد میں ضرور اس ٹھکانے پر طبع آزمائی کرتا۔ جمی کی کنگ لائنز میں مجرم نہیں بلکہ معزز پیشہ ور لوگ ملازم تھے لہٰذا انھیں میری طرف سے ہوشیار کرنے کے لیے اس نے اپنے نامعلوم جانی دشمنوں کا اسکینڈل کھڑا کیا اور لوسیلا تو مرتے دم تک یہی سمجھتی رہی کہ وہ اپنے آقا کے ایک جانی دشمن کو پکڑنے میں کامیاب ہوگئی۔ یہ اور بات ہے کہ میں کنگ لائنز کے نہیں بلکہ شی کے حوالے سے جمی لائیڈ کے لہو کا پیاسا تھا۔ کافی ہاؤس سے لوسیلا کی لاش کی برآمدگی اور اس کے دونوں مددگاروں کے بیانات کے بعد جمی لائیڈ کے لیے یہ سمجھنا ذرا بھی دشوار نہ ہوگا کہ میں اس کی توقعات کے عین مطابق اس کے مقامی دفتر کے ذریعے لوسیلا تک پہنچا اور خطرہ بھانپتے ہی اس کے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار ہوگیا۔

باہر ہونے والی فائرنگ اور بھگدڑ کی وجہ سے میرے فرار کے وقت کسی نے لوسیلا کی طرف توجہ نہیں دی تھی کیونکہ ہیم گن ایک خاموش مہلک ہتھیار تھا جو شکار کے بدن سے لہو کی ایک بوند بھی گرائے بغیر اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا تھا لیکن اس کی موت کا راز زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ جوں ہی پولیس اور رضاکار امدادی پارٹیاں زخمی اور بے ہوش ہونے والوں کی طرف متوجہ ہوتیں، لوسیلا کے جلے ہوئے مخملیں لباس کے نیچے اس کے بائیں پہلو میں وہ مہیب غار دریافت کر لیا جاتا جس سے اتر کر جہنمی شعلوں نے اس کے دل کو خاک کر دیا تھا۔ اس طرح کنگ لائنز کے عملے میں ضرور جمی لائیڈ کے دشمنوں کی دہشت پھیل جاتی لیکن جمی لائیڈ کو لیون میں میری موجودگی کا سراغ مل جاتا اور پورے شہر کے طول و عرض میں شی کے گرگے میری تلاش کی مہم شروع کر دیتے۔

یہ خیال آتے ہی میری طبیعت بے چین ہوگئی۔ سلطان شاہ ہوٹل میں تنہا اور اس مخدوش صورت حال سے بالکل بے خبر تھا جب کہ ایلی نور بھی کافی ہاؤس سے باہر ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں تھی اس لیے ضروری ہوگیا تھا کہ میں جلد از جلد ہوٹل پہنچ کر ان دونوں کو بدلی ہوئی صورت حال کے بارے میں اعتماد میں لیتا۔

ایئرپورٹ پر ٹیکسی رکتے ہی میں کرایہ ادا کر کے سیدھا ٹرمینل کی عمارت میں گھستا چلا گیا۔ پہلے میں نے ٹوائلٹ میں جا کر آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا اور پھر عمارت میں ایک طویل چکر کاٹ کر اس رخ پر نکل گیا جدھر شہر جانے والی بسیں نظر آ رہی تھیں۔ پہلی بس سے شہر کے ایک بارونق علاقے میں اتر کر میں نے دوبارہ ایک ٹیکسی کا سہارا لیا اور ہوٹل روانہ ہوگیا۔ اس دوران میں میں نے اس امر کی پوری احتیاط رکھی تھی کہ غیر ضروری طور پر تیز روشنی میں یا زیادہ لوگوں کے سامنے نہ آؤں اور آخرکار میں بخیر و عافیت اپنے ہوٹل میں واپس پہنچ گیا۔

مجھے تنہا دیکھتے ہی سلطان شاہ چونکا تھا۔ "اپنی بھتیجی کو کہاں چھوڑ آئے؟"

"آدمیوں کی طرح بات کرو۔" میں نے جوتوں سمیت بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ "ہماری بازی الٹ گئی ہے۔ اگر ہم نے فوری طور پہ یہ شہر نہ چھوڑا تو پھر یہاں سے زندہ نہ نکل سکیں گے . . . ایلی نور ایک ہنگامے میں بچھڑ گئی، وہ بھی بس تھوڑی دیر میں واپس آتی ہوگی۔ اس کے پہنچتے ہی ہم اپنا اگلا پروگرام طے کریں گے۔"

پھر میں نے سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگاتے ہوئے اسے من و عن پوری کہانی سنا دی جس کے دوران میں اس کے چہرے کے تاثرات لمحہ بہ لمحہ بدلتے رہے لیکن اس نے درمیان میں کہیں بھی دخل اندازی نہیں کی۔

"مجھ پر تم بلاوجہ ناراض ہوتے رہتے ہو۔" وہ میرے خاموش ہونے پر سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "دراصل تم ہر لڑکی اور عورت کے ساتھ جذباتی طور پر کسی نہ کسی حد تک ملوث ہو جاتے ہو اس لیے اس کے بارے میں صحیح فیصلہ نہیں کر پاتے لیکن میں نے فون پر اس کے ساتھ تمھاری بے تکلفانہ بات چیت سے ہی بھانپ لیا تھا کہ وہ کچھ پوشیدہ عزائم رکھتی ہے ورنہ مغرب میں بھی عزت دار عورتیں یوں پہلے فون پر اجنبیوں کو وقت نہیں دے بیٹھتی ہوں گی۔"

"بہرحال اس پر لعنت بھیجو — اس نے مجھے کراس کرنا چاہا اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ مجھے خود اپنی غلطی کا احساس ہے۔ اگر میں احتیاطاً ہیم گن ساتھ نہ لے گیا ہوتا تو اس سے پیچھا چھڑانا محال ہو جاتا۔ خوف زدہ ہونے کے باوجود وہ کسی جونک کی طرح میرے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ تمھیں یہ سب بتانے سے میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تمھیں کسی ناصحانہ تقریر کی دعوت دوں۔ اس بارے میں میں نے اب خود محتاط رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اور یہ ایلی نور تو بہت ہی عجیب عورت ہے۔" وہ ایک ثانیے کے توقف کے بعد بولا۔ "پہلی فرصت میں اس کا بھی پتا کاٹنا پڑے گا ورنہ یہ ہم دونوں میں نفاق ڈلوا دے گی۔"

"ہم رفتہ رفتہ اپنی منزل سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اٹلی پہنچنے کے بعد ایلی نور کی افادیت بھی ختم ہو جائے گی۔"

"تم تو اس طرح منزل کا ذکر کر رہے ہو جیسے اٹلی ہی میں غزالہ بھابی کے ملنے کی امید ہو۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اس وقت ہم دو سمتوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ جمی لائیڈ کی بیخ کنی کے ساتھ ہی ہمیں بھابی کو بھی تلاش کرنا ہے۔"

"نہ جانے کیوں میں اس بارے میں ویرا کی طرف سے پرامید ہوں۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "اسی نے غزالہ کو کراچی سے اغوا کرا کے برطانیہ بھیجا تھا۔ غزالہ کی گمشدگی پر وہ ہمیشہ ہی نادم نظر آئی ہے۔"

”اور اس سے رقابت بھی محسوس کرتی ہے، کیا پتا کہ ابھی تک وہ خود ہی اُسے دوڑاتی آئی ہو۔“

”یہ سب باتیں ہم بعد میں بھی سوچ سکتے ہیں۔“ میں نے اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ”فی الحال مجھے پیرس کا تجربہ یاد آ رہا ہے۔ اُنھوں نے ہمارے پارک ہوٹل پہنچنے سے پہلے ہی سارے ہوٹلوں کی ایسی ناکابندی کرائی تھی کہ ہم فوراً اُن کی نگاہوں میں آ گئے تھے۔ یہاں بھی وہی صورتِ حال دُہرائی جا سکتی ہے۔“

”خطرات اپنی جگہ ہیں لیکن پیرس بڑا شہر ہے، وہاں شی کی تنظیم بھی بڑی تھی اس لیے اُنھوں نے فوری طور پر اتنی منظم کارروائی کر ڈالی، لیکن لیون میں ایسا ہونا مشکل ہے۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھا اور ایک گوشے سے ایک بیگ اُٹھا لایا۔ ”تمھارے جانے کے بعد میں نے نیچے ہوٹل کے اسٹور سے یہ ہائیکنگ کِٹ بیگ خرید لیا تھا۔ ساری رقم اس میں بھر لی ہے، اسے پُشت سے باندھ کر ہم اپنے ہاتھ آزاد رکھ سکیں گے۔“

میں اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا کہ اچانک فون کی تیز گھنٹی نے ہمیں چونکا دیا اور ہم دونوں تحیّر آمیز، مستفسرانہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی شکلیں تکنے لگے۔

وہ صبح کے ناشتے اور اخبار وغیرہ کے سلسلے میں استقبالیہ کلرک یا روم سروس والوں کی اندرونی کال بھی ہو سکتی تھی لیکن اس وقت ہم جن خطرناک حالات سے دوچار تھے ان کی وجہ سے ہر معمولی بات بھی اپنی اصلیت سے کئی گنا بڑی ہو کر ہمیں نظر آتی تھی۔

”اس شہر میں ہمارا کون شناسا نکل آیا؟“ سلطان شاہ کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

”تم خاموش رہنا، میں دیکھتا ہوں۔“ میں نے مسلسل بجتی ہوئی گھنٹی کے شور میں کہا اور لپک کر ریسیور اُٹھا لیا۔

ریسیور میں ہوٹل کے کلرک نے کمرہ نمبر دُہرا کر ایک بیرونی کال کی اطلاع دیتے ہوئے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر لائن ملا دی۔ دوسری طرف سے ایک سنجیدہ اور بھاری آواز سنائی دی تھی۔

”مجھے افسوس ہے انسپکٹر ڈُوشے کہ میں فرنچ نہیں جانتا۔“ میں نے معنی خیز نگاہوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ حقیقت تھی کہ بولنے والے کے پورے فقرے میں صرف انسپکٹر ڈُوشے ہی میرے پلّے پڑ سکا تھا۔

”تمھارے ساتھ اس ہوٹل میں اور کون رہتا ہے؟“ انسپکٹر ڈُوشے نے اپنے ابتدائی فقرے کو دُہرانے کی زحمت کیے بغیر انگریزی میں براہِ راست سوال کر ڈالا۔

اوّل تو انسپکٹر کے عہدے کے کسی پولیس افسر کا یوں براہِ راست ہمیں فون کرنا ہی غیر معمولی تھا، پھر اس کے لہجے میں بھی کچھ سنگینی موجود تھی لہٰذا میں نے سنبھل کر کہا۔ ”صرف میں اور میری فرنچ گرل فرینڈ۔“

”تمھاری گرل فرینڈ اس وقت کہاں ہے؟“ انسپکٹر کا لہجہ سرد اور سپاٹ ہو گیا۔

”وہ باہر کسی سے ملنے گئی ہوئی ہے۔“ میں نے بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ”آخر بات کیا ہے۔ تم اس قدر رازدارانہ انداز کیوں اختیار کیے ہوئے ہو؟“

”پہلے سوالات کے جواب دیتے رہو، مناسب مرحلے پر سب کچھ بتا دیا جائے گا۔“ اس بار لہجہ تحکم آمیز ہو گیا۔ ”وہ کس رنگ کے لباس میں گئی تھی اور اُس کا حُلیہ کیا ہے؟“

میں نے اپنی یادداشت کے مطابق مطلوبہ تفصیلات ماؤتھ پیس میں دہرا دیں۔

”خاتون کا نام کیا ہے؟“ اگلا سوال کیا گیا۔

”ماڈلین۔“ میں نے وہی نام بتایا جو ایلی نور نے ہوٹل کے رجسٹر میں درج کرایا تھا۔

”اور تمھارا نام کیا ہے؟“ لہجہ اس بار مزید سخت ہو گیا۔

”آندرے رونکا۔“

”شناخت کی کارروائی میری دانست میں فون پر مکمل ہو گئی ہے۔“ اس بار انسپکٹر نے نسبتاً لمبا اسٹارٹ لیا تھا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ مادام ماڈلین کو کچھ لوگوں نے ہوٹل ڈی وائل ڈی لیون کے سامنے سے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کی مزاحمت پر بھرے مجمع میں اُسے گولیاں مار کر اسلحہ لہراتے ہوئے فرار ہو گئے۔ متوفیہ کی جیب سے تمھارے ہوٹل کے کارڈ کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے شناخت ہو سکے۔ کارڈ پر بال پین سے تمھارے کمرے کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ اب تم ہماری اجازت کے بغیر ہوٹل نہیں چھوڑو گے۔ میں پولیس کار میں ایک افسر کو بھیج رہا ہوں تاکہ مردہ خانے میں لاش کی شناخت کی رسمی کارروائی قانونی تقاضوں کے مطابق پوری ہو سکے۔ مجھے اُمید ہے کہ ایک امن پسند شہری کی حیثیت سے تم قتل کی اس سفّاکانہ واردات کی تفتیش میں قانون کا پورا ساتھ دو گے۔“

میرے لیے وہ انکشاف کسی بم کے دھماکے سے کم نہیں تھا۔ ایلی نور کے اغوا کی ناکام کوشش کا مطلب یہ تھا کہ جمی لائیڈ نے اپنے فرضی دشمن کا نام لے کر نہ صرف کنگ لائنز والوں کو چوکنا کیا ہوا تھا بلکہ شی کے ہرکارے بھی لیون میں حرکت میں آ چکے تھے۔ ایلی نور چونکہ گن لوٹ پر شی سے وابستہ رہی تھی لہٰذا اُسے اُن میں سے کسی نے پہچان لیا اور آخرکار اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس خبر پر میرے اعصاب سُن ہو کر رہ گئے۔ کیونکہ میں تو اس وقت نہایت اعتماد کے ساتھ اس کی زندہ و سلامت واپسی کا منتظر تھا۔

”تم مطمئن رہو انسپکٹر!“ میں نے قدرے توقف کے بعد ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”میں اپنے فرائض سے بخوبی واقف ہوں، میری ذات سے تمھیں

کوئی مایوسی نہیں ہوگی۔"

"کیا ہوا؟" میں فون سے فارغ ہو کر مڑا تو سلطان شاہ میرے چہرے کے گمبھیر تاثرات دیکھ کر چونک پڑا۔ "فون پر شاید تم ایلی نور کے بارے میں کسی انسپکٹر ڈورشے سے بات کر رہے تھے۔"

"تمھیں مبارک ہو سلطان شاہ! وہ ماری جا چکی ہے۔" اس وقت تک جذباتی تلاطم کے تحت میری آواز بھرا گئی تھی۔ "تمھیں جن لوگوں سے نفرت ہو جاتی ہے اُنھیں موت بڑی رحمی سے اندھی وادیوں میں دھکیل دیتی ہے۔ کافی ہاؤس میں ہڑبونگ کا سبب باہر کی فٹ پاتھ پر ایلی نور کا بے رحمانہ قتل تھا جسے میں نے دیکھنا تک گوارا نہیں کیا۔ تم دیکھو کہ اُس نے مرتے مرتے بھی مجھے ایک ایسی خوف ناک صورتِ حال سے نکالنے کا بہانہ پیدا کر دیا جس کا انجام شاید میری موت کی شکل میں ہی رونما ہوتا۔"

"موت برحق ہے... کسی کو بھی اور کہیں بھی آ سکتی ہے لیکن وہ واقعی دردناک انجام سے دوچار ہوئی ہے۔ اَب یہ انسپکٹر ڈورشے اس بارے میں تم سے کیا کہہ رہا تھا؟"

"وہ سب اُلجھنوں سے آزاد ہو گئی اور ہمارے لیے دشواریوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہم پولیس کی اجازت کے بغیر ہوٹل نہیں چھوڑ سکیں گے۔ جمی لائیڈ بھی پسِ پردہ رہ کر اپنے چیلوں کے ذریعے پولیس کی مدد کرے گا۔ بل ایتھی اور لوسیلا کے، لادہ پارک ہوٹل کی تین لاشیں بھی ہمارے حساب میں جوڑی جائیں گی۔" میں نے کرب آلود مایوسی کے ساتھ کہا۔

"ایلی نور کی یاد میں آنسو بہاتے رہے تو ضرور ایسا ہی ہوگا۔ پولیس یہاں تک پہنچنے میں کچھ وقت لے گی کیوں نہ ہم اُن کے آنے سے پہلے ہی نکل جائیں؟"

"کوشش کر دیکھو، کامیاب ہو جاؤ تو مجھے خبر کر دینا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "انسپکٹر ڈورشے نے مجھ سے بات کرنے سے پہلے ہوٹل کی انتظامیہ کو ہدایات دے دی ہوں گی کیونکہ ایلی نور کی لاش سے ہوٹل کا کارڈ برآمد ہوتے ہی یہ کمرہ اور اس سے تعلق رکھنے والا ہر شخص پولیس کی نظروں میں مشکوک ہو گیا ہوگا۔ میرے کچھ نہ بتانے کی صورت میں بھی انسپکٹر کی ہدایات میں کوئی فرق نہ آتا۔"

وہ تیر کی طرح سوئچ بورڈ کی طرف گیا اور روشنیاں گل کر کے اندھیرے میں عقبی کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی پیش قدمی دیکھتے ہی میری کھوپڑی سے بھی برف پگھلنے لگی اور میں بھی عقبی کھڑکی پر پہنچ گیا۔

اس کھڑکی پر فرن شیشے کے پٹ لگے ہوئے تھے جن پر دبیز پردے جھول رہے تھے۔ سلطان شاہ نے پردے سرکا کر کھڑکی کے تینوں پٹ کھول دیے تھے اور سر باہر نکال کر آس پاس کی دیواروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہوٹل کی اس عقبی سمت میں تاریکی کا راج تھا، بس کہیں کہیں اسٹریٹ لیمپ روشن تھے جو تاریکی دور کرنے کے بجائے خود اس کا ایک دھندلا جز معلوم ہو رہے تھے۔

سلطان شاہ جانے کس فراق میں تھا لیکن مجھے کھڑکی سے سر با نکالتے ہی فریم سے چند انچ کے فاصلے پر دیوار کے ساتھ موٹا ڈرین پائپ نیچے جاتا ہوا نظر آ گیا۔ میں نے گردن مزید لمبی کر کے دیکھا کہ اس پائپ کے سہارے کسی رکاوٹ سے دوچار ہوئے بغیر زمین پر پہنچا جا سکتا تھا۔

میں فوراً ہی کھڑکی سے پیچھے ہٹ آیا۔ "تم ڈرین پائپ سے نیچے اُتر سکو گے؟" میں نے سلطان شاہ سے سوال کیا اور وہ بھی چونک کر کھڑکی سے ہٹ گیا۔

"نیچے اُترنے میں کچھ پتا نہیں کہ کس سے سامنا ہو جائے۔ اُدھر ہوٹل کا سیکیورٹی اسٹاف بھی ہو سکتا ہے؟" وہ تفکر آمیز لہجے میں بولا۔

"اُوپر چڑھنا تمھارے بس سے باہر ہے ورنہ بہتر تو وہی رہتا۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہہ ڈالا۔ "ہم چوتھی منزل پر مقیم ہیں اور نگرانی کا سارا زور اسی فلور پر ہوگا۔ ہمارے اُوپر کھلی چھت ہے کوئی سوچ بھی نہ سکے گا کہ ہم نیچے اترنے کے بجائے اوپر گئے ہوں گے، وہاں سے ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر زینوں کی مدد سے نیچے آ سکتے ہیں۔"

"آئیڈیا لاجواب ہے.... بس میں ہو یا نہ ہو جان بچانے کے لیے کوشش تو کرنا ہی ہوگی۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔ "بلکہ چھت پر تو ہم بے فکری کے ساتھ رات بھی گزار سکتے ہیں۔ پولیس ہر طرف جھک مار کر بے نیل و مرام واپس لوٹ جائے گی لیکن چھت کا رُخ نہیں کرے گی۔ یہ سوچنا ہی ناممکن ہے کہ فرار ہونے کے لیے کوئی اُلٹی راہ اختیار کرے گا۔"

"لیکن میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔" میں نے اٹل لہجے میں کہا۔ "اس ہوٹل میں اب ہمارا ایک لمحے کے لیے بھی رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ پولیس نہیں تو شی والے اس امکان پر غور کریں گے، ہمیں نہایت سرعت کے ساتھ اسی وقت فرار ہونا پڑے گا۔"

اچانک دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور پھر میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ سلطان شاہ نے کھڑکیوں کے پٹ بند کر کے پردے برابر کر دیے اور میں بلب آن کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"کون ہے؟" دوسری تیز دستک کے جواب میں میں نے دریافت کیا۔

"منیجر موتسیور!" باہر سے آواز آئی۔ "دروازہ کھولو، مجھے ایک ضروری کام ہے۔"

میں نے ہتمی قفل میں اندر سے چابی گھما کر تالا کھول دیا اور منیجر دروازے کو دھکیلتا ہوا یوں اندر آیا کہ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ "کیا تم لوگ کسی پولیس کیس میں ملوث ہو گئے ہو؟" اس نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بوکھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ ہمارے لیے ایک انکشاف ہے۔" میں نے تیوریاں چڑھا کر ناگواری کے ساتھ کہا۔

"مجھے خود یقین نہیں آتا کہ میرے مہمان ایسے ہو سکتے ہیں لیکن حکمِ حاکم مجھ جیسے مجبور لوگوں کے لیے مرگِ مفاجات سے کم نہیں ہو

مجھے حکم ملا ہے کہ تم لوگ پولیس کی کلیئرنس کے بغیر ہوٹل نہیں چھوڑ سکو گے۔ تھوڑی دیر میں پولیس کا عملہ اس بارے میں قانونی احکام بھی تم تک پہنچا دے گا اور میں بری الذمہ ہو جاؤں گا۔"

"اور اگر ہم ابھی باہر یا اپنے وکیل سے ملنے کے لیے جانا چاہیں؟" میں نے تند لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ایسا نہ ہو سکے گا کیونکہ پولیس کے آنے تک تمھیں روکے رکھنا میری ذمے داری ہے اور میں نے اپنا سارا عملہ اسی فلور پر مامور کر دیا ہے، وہ تمھیں کسی قیمت پر نہیں نکلنے دے گا۔ تم چاہو تو فون کر کے اپنے وکیل کو یہاں طلب کر سکتے ہو۔ مجھے اس کا پتا بتا دو تو میں اپنا آدمی اس تک بھیج دوں گا۔"

"عجیب زبردستی ہے۔" میں نے کندھے اُچکا کر تلخ لہجے میں کہا۔ "خیر ہم تھوڑی دیر ان کا انتظار کیے لیتے ہیں لیکن اپنے عملے سے کہہ دو کہ پولیس کی آمد سے پہلے ہمیں بالکل ڈسٹرب نہ کیا جائے تاکہ ہم اس ذہنی جھٹکے سے سنبھل کر اپنے دفاع اور قانونی حقوق کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔"

"یہ میں کر سکتا ہوں۔" وہ سعادت مندانہ انداز میں بولا۔ "مجھے اُمید ہے کہ تم میری مجبوریوں کو سمجھ رہے ہو گے۔ میں ان کے اس غیر قانونی حکم کی تعمیل سے انکار کر سکتا تھا لیکن وہ کوئی نہ کوئی بہانہ پیدا کر کے کل ہی اس ہوٹل میں تالے ڈلوا دیں گے۔ ان کی مخاصمت مول لے کر ہم لوگ ایک دن بھی نہیں پنپ سکتے۔"

"ہم سب سمجھتے ہیں.... اب تم جاؤ اور ہمیں تنہا چھوڑ دو۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ تیزی کے ساتھ باہر نکل گیا۔ میں نے چابی گھما کر دروازہ نہ صرف مقفل کر دیا بلکہ بولٹ بھی چڑھا دیا تاکہ دروازہ گرائے بغیر کوئی اندر داخل نہ ہو سکے۔

صورتِ حال بہت تیزی کے ساتھ ایک خاص رُخ اختیار کر چکی تھی اور ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ دوسری طرف بدحواس منیجر نے یہ خوش خبری بھی سنا دی تھی کہ اس نے عارضی طور پر سارے محاذ خالی کر کے اپنا تمام لشکر ہمارے فلور پر جھونک دیا تھا لہٰذا میں نے پھرتی کے ساتھ رقم سے بھرا ہوا کِٹ بیگ اپنی پشت پر لاد لیا تاکہ اس کی وجہ سے سلطان شاہ کو کوئی دشواری نہ ہو اور کمرے کی واحد بتّی گُل کر کے ہم دونوں ایک مرتبہ پھر کمرے کی عقبی سمت میں کُھلنے والی کھڑکی کی طرف بڑھ گئے۔

جب سلطان شاہ ڈرین پائپ کی سمت والا پٹ کھول کر چوکھٹ پر چڑھا تو لمحہ بھر کے لیے مجھے لالچ آیا کہ اپنا پروگرام بدل دوں، براہِ راست نیچے اُتر کر ہم کافی وقت بچا سکتے تھے لیکن امکانی خطرات کے پیشِ نظر میں نے نظرِ ثانی کا ارادہ اسی وقت منسوخ کر دیا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے سلطان شاہ نے آہنی ڈرین پائپ پر اپنی گرفت کی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور پھر وہ جھولتا ہوا کھڑکی کے فریم سے پہلو میں روپوش ہو گیا۔

میں نے کھلی ہوئی کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر دیکھا تو وہ کسی دشواری کے بغیر ہتھیلیوں اور پنجوں کے بل کسی بندر کی طرح چھت کی طرف جا رہا تھا۔ اپنا دل مضبوط کر کے میں بھی اسی لمحے چوکھٹ پر چڑھ گیا۔ اس وقت تک ہوٹل کے عقب میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی تھی نہ نیچے سے کسی نے سلطان شاہ کو دیوار سے چپکے دیکھ کر للکارا تھا اگر اس طرف ہوٹل کا کوئی محافظ موجود تھا تو وہ یقیناً عمارت سے اتنا قریب رہا ہو گا کہ اس کے لیے اندھیرے میں کھڑی دیوار پر اوپر کی طرف رینگتے ہوئے کسی ہیولے کو دیکھنا ناممکن تھا۔

سلطان شاہ کے اوپر پہنچ کر غائب ہونے سے پہلے میں بھی کھڑکی کے راستے کمرہ چھوڑ کر ڈرین پائپ پر آ چکا تھا اس وقت پہلی بار مجھے خوف لاحق ہوا کہ اگر میرے ہاتھ پھسل جائیں تو پچاس فٹ کی مسافت کے بعد زمین سے آتنا شدید تصادم ہو کہ ساری ہڈیاں بکھر کر رہ جائیں پھر فوراً ہی ایک دوسری افتاد شروع ہوئی تو بے اختیار مجھے اپنی عجلت اور حماقت پر غصہ آ گیا۔ اوپر سلطان شاہ کی نقل و حرکت کے نتیجے میں زنگ اور زنگ کی پپڑیاں، آہنی پائپ اور دیوار سے ٹوٹ کر براہِ راست میرے اُوپر آ رہی تھیں۔ اس وقت مشکل یہ تھی کہ میں نہ اپنے کمرے میں واپس لوٹ سکتا تھا نہ اُوپر سر اُٹھا کر سلطان شاہ کی پوزیشن دیکھ سکت تھا۔ اس وقت اگر میری آنکھ میں ذرا سا بھی کنکر گر جاتا تو میرے لیے پائپ پر اپنی گرفت برقرار رکھنا محال ہو کر رہ جاتا۔

میں کئی ثانیوں تک یوں ہی بے حس و حرکت پائپ پر ایک ہی جگہ چپکا رہا جب اوپر سے آنے والی آخری بوچھاڑ کے بعد کئی سیکنڈ تک سکون رہا تو میں نے سر اُٹھایا۔ اوپر پائپ خالی تھا اور سلطان شاہ بحفاظت چھت پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اپنے ڈالروں سے بھرے ہوئے تھیلے سمیت آہستہ آہستہ اوپر بڑھنا شروع کر دیا۔

بظاہر وہ چودہ پندرہ منٹ کی مسافت تھی لیکن جسم اور اعصاب کے لیے وہ فاصلہ قیامت سے کم نہیں تھا۔ چھت کی تین فٹ اونچی منڈیر کے پار سلطان شاہ میرا منتظر تھا لیکن وہاں پہنچتے ہی چند بڑے بڑے پنکھوں اور مشینوں کے ہلکے سے شور نے مجھے چونکا دیا اور پھر مجھے چھت پر مختلف مشینوں اور بھانت بھانت کے پتلے موٹے پائپوں پر مشتمل وہ جال بھی نظر آ گیا جو عمارت کو مرکزی طور پر گرم یا ٹھنڈا رکھنے کے لیے چھت پر پھیلایا گیا تھا۔

'بُرے پھنسے۔' میں نے دل ہی دل میں سوچا اور سلطان شاہ سے پوچھا۔ "پلانٹ کے کسی اٹینڈنٹ سے تو سامنا نہیں ہوا؟"

"مجھے بھی اُوپر آتے ہی یہی فکر لاحق ہو گئی تھی۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "تمھارے پہنچنے سے پہلے میں پوری چھت کا جائزہ لے چکا ہوں، یہاں ہمارے سوا چڑیا کا بچّہ بھی نہیں ہے لیکن ایک بُری خبر ہے کہ زینوں والا دروازہ مقفل ہے۔"

میں نے اپنے کالر اور لباس سے کچرا جھاڑا اور پھر ہم دونوں محتاط چھاپا ماروں کی طرح پائپوں اور ڈکٹس کو عبور کرتے ہوئے اس طرف

چل دیے جدھر سلطان شاہ نے زینوں والا دروازہ دیکھا تھا۔

چوبی دروازہ نہ صرف مقفل بلکہ کافی مضبوط تھا۔ چھت پر سینٹرل ہیٹنگ اور کولنگ پلانٹ نصب ہونے کی وجہ سے جگہ جگہ خاصا کاٹھ کباڑ جمع تھا۔ مَیں نے اسی میں سے ایک موٹا سا تار تلاش کیا اور اس کا سرا قدرے موڑ کر ہضمی قفل کے کی ہول میں داخل کر دیا۔

ابھی مَیں تالے کے ایک آدھ ہی لیور کو ہلا پایا تھا کہ خفیف سے کھٹکے کے ساتھ تار میری گرفت کے ساتھ ہی سوراخ سے نکل کر فرش پر گر پڑا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتا ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا پھر شاید آنے والا ہمیں دیکھ کر چیخنے ہی والا تھا کہ سلطان شاہ نے ایک ہاتھ سے اس کی وردی کا گریبان تھام کر دوسرا ہاتھ اس کے دہانے پر جما دیا۔ اس اثنا میں مَیں ہیم گن نکال چکا تھا جسے دیکھتے ہی آنے والے کے اوسان خطا ہو گئے۔

"یہ بے آواز ہتھیار ہے ... چیخنا چاہا تو تمھیں بھی ہمیشہ کے لیے خاموش کر دے گا۔" مَیں نے غراتے ہوئے کہا اور سلطان شاہ نے اسے گریبان سے اُوپر کھُلی چھت پر گھسیٹ لیا۔

"مَیں ایک غریب مکینک ہوں۔" وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں گھگھیاتے ہوئے بولا۔ "شام کی شفٹ کے لیے کل پُرزوں کی آخری ریڈنگ لینے آیا تھا ... گیارہ بجے رات والوں کے آنے سے پہلے یہ میرا معمول ہے۔ .... مجھے تم سے کوئی تعرض نہیں ہے۔ مَیں اپنی زبان بند رکھوں گا۔"

وہ ایک غریب محنت کش تھا جو اپنے فرائض کی بجا آوری میں اتفاقاً ہی ہماری زد میں آ گیا تھا اور پھر اس نے دروازے کا قفل کھول کر ہماری ایک مشکل بھی آسان کی تھی لہٰذا مَیں نے ہیم گن کو فضا میں اُچھال کر اس کی نال اپنی گرفت میں لے لی اور اس کا آہنی دستہ نپے تُلے انداز میں اس کی کنپٹی پہ بجا دیا۔

سلطان شاہ نے اس وقت اس کا دہانہ پوری قوت سے دبوچا ہوا تھا لہٰذا وہ مجبور و بے کس قیدی کوئی اضطراری آواز بھی نہ نکال سکا اور خاموشی کے ساتھ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ جب تک اسے ہوش آئے یا رات کی شفٹ والے اسے دریافت کریں، ہم ہوٹل کی حدود سے بہت دور نکل چکے ہوں گے۔

زینوں پر رہنمائی میں نے سنبھال لی۔ ہیم گن میرے ہاتھ میں تھی سلطان شاہ بھی ایکسپلوڈر کے استعمال کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ دو سیڑھیاں طے کر کے میں نے اوپر ہی سے اسٹیئر ہال میں جھانکا لیکن وہاں نیچے سے اوپر تک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چوتھی منزل تک کے زینے ہم نے بہت احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر طے کیے کیوں کہ منیجر کی زبانی ہمیں چوتھی منزل پر ہونے والے غیر ضروری اجتماع کی اطلاع مل چکی تھی۔ جب وہاں تک میدان صاف ملا تو بقیہ زینے ہم نے دوڑتے ہوئے عبور کیے اور دوسری منزل کا دروازہ کھول کر رہائشی کمروں والی ایک راہداری میں داخل ہو گئے۔

راہداری حسبِ توقع ویران پڑی ہوئی تھی آگے چل کر داہنی سمت والے کوریڈور کے آخری سرے پر شیشے کے ایک دروازے پہ فائر ایگزٹ کے الفاظ سرخ رنگ میں چمک رہے تھے ہم تیز تیز قدموں سے اسی طرف ہو لیے۔ اس وقت ہماری کامیابی کا سارا دار و مدار اسی ایک امر پر تھا کہ راستے میں ہماری کسی سے مڈبھیڑ نہ ہو اور محض اسی احساس کے تحت ہم نے ہنگامی اخراج کا راستہ اختیار کیا تھا۔

ہنگامی اخراج کے دروازے کی دوسری جانب چند فٹ کی راہداری کے اختتام پر کشادہ گردشی زینے نظر آئے جو اوپری منزلوں سے براہِ راست عمارت کے باہر ہی باہر نیچے آنے کے لیے استعمال کیے جا سکتے تھے۔ ان آہنی زینوں پر احتیاط سے نیچے اُترتے ہوئے میں نے یہ جائزہ لے لیا تھا کہ اس وقت وہ علاقہ بالکل ویران پڑا ہوا تھا مسافروں کے لیے ادھر کوئی کشش نہیں تھی اور نہ ہی ہوٹل والوں نے اس طرف کسی چوکیدار وغیرہ کی ضرورت محسوس کی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ گاڑی ہوٹل کی پارکنگ لاٹ سے ہی اٹھائی جائے۔ اس وقت وہی جگہ سب سے بہتر رہے گی۔" سلطان شاہ نے آخری چند زینے عبور کرتے ہوئے کہا اور میں سر ہلا کر رہ گیا۔

ہوٹل سے نکل کر ہم عمارت کے پہلو میں احاطے کی دیوار کے ساتھ پارک کی ہوئی گاڑیوں کی طرف بڑھے تو راستے میں ایک آہنی زنجیر کے سوا کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی البتہ آگے گاڑیوں کی نکاسی کے راستے پر دربان کی چوکی نظر آ رہی تھی جو غالباً غیر آباد نہیں تھی۔

پاکستان میں کاروں کی چوری کا اتنا رواج ہو گیا ہے کہ گاڑی کو مقفل کرنے کے بعد بھی مالک کو ہر لمحے اس کے غائب ہونے کا دھڑکا لگا رہتا ہے لیکن فرانس میں غالباً یہ مرض زور پکڑ کر آخر کار دم توڑ چکا تھا کیوں کہ دُھندلائی ہوئی روشنی میں نیچے جھک کر جب ہم نے کاروں کے دروازوں پر طبع آزمائی شروع کی تو چوتھی کار کا دروازہ غیر مقفل مل گیا اور ہم دونوں اطمینان سے اس میں داخل ہو گئے۔

اگنیشن میں چابی بھی موجود تھی۔ میری دانست میں اس کا تعلق کسی مقامی رواج سے نہیں تھا بلکہ وہ قدرت کی طرف سے ہم دونوں کے لیے ایک انعام تھا۔ اگلے ہی لمحے جاپانی ساخت کی ایک سیاہ ٹویوٹا کراؤن کا انجن اسٹارٹ ہوا اور میں نے کار ریورس میں قطار سے باہر نکال لی اور جب ہم نکاسی کے راستے کی طرف روانہ ہوئے تو نگراں نے دور ہی سے ہیڈ لیمپس کی روشنی دیکھ کر رکاوٹ والی زنجیر ڈال دی

بات پھر وہیں آ گئی کہ لیون میرے لیے ایک اجنبی شہر تھا جس کے راستوں سے میں بالکل لاعلم تھا جب کہ ہم زیادہ دیر تک شہر میں بھٹکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے اس لیے میں نے ذرا بھی توقف کیے بغیر کار داہنی طرف موڑ دی۔ مجھے اتنا یاد تھا کہ میں کچھ دیر قبل اسی طرف سے ہوٹل واپس آیا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم ہوٹل سے خیریت کے ساتھ نکل آئے شاید ابھی

تک پولیس کی نفری وہاں نہیں پہنچی ورنہ بھاگ دوڑ کے کچھ آثار ضرور نظر آتے۔" سلطان شاہ بولا۔

"پولیس آچکی ہوگی۔" میں نے پُر یقین لہجے میں کہا۔ "جب تک وہ بند دروازہ توڑ کر اندر داخل نہیں ہوں گے انھیں اصل صورتِ حال کا اندازہ ہی نہیں ہو سکے گا۔"

"اب پولیس جانے اور ہوٹل کی انتظامیہ جانے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں؟"

"سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے خود کچھ علم نہیں۔" میں نے اپنی پشت سے رقم کا تھیلا الگ کرتے ہوئے کہا کیوں کہ وہ میرے لیے ڈرائیونگ میں رکاوٹ کا سبب بن رہا تھا۔ "میری کوشش یہ ہے کہ ہم کسی بس اسٹینڈ کی طرف جا نکلیں تو اس کار سے گلو خلاصی ہو جائے گی۔ بس کے ذریعے سفر کرنے میں ہم راستوں کی فکر سے بھی بچ جائیں گے۔"

"ایلی نور زندہ ہوتی تو اس وقت ہم اسی کار سے فرار ہو سکتے تھے۔" سلطان شاہ نے میری پشت سے رقم کا تھیلا لیتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

ایلی نور کا نام آتے ہی میں اداس ہوگیا۔ اس کا کردار بُرا بھلا جیسا بھی رہا ہو، وہ ایک مخلص لڑکی تھی اور گن بوٹ پر مجھ سے پہلی ملاقات کے بعد سے اس کے رویّے میں ایک قابلِ احترام تسلسل پایا جاتا تھا۔ میں اس سے شی کے ایک آئی مین کی حیثیت سے متعارف ہوا تھا لیکن بعد میں ڈینی کی حیثیت کا اعتراف کر لینے کے بعد بھی میں اس کے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی محسوس نہ کر سکا۔ وہ ہر مرحلے پر دل و جان کی گہرائیوں سے ہمارا ساتھ دیتی رہی اور آخر کار تعاون کے اسی جذبے کی بھینٹ چڑھ گئی لیکن اس کی موت رائیگاں نہیں گئی تھی۔ اس نے اپنے آخری سانسوں سے مجھ کو ایک نئی زندگی عطا کی تھی ورنہ اس وقت میں لیون کی سڑکوں پر سفر کرنے کے بجائے کسی حوالات کی آہنی سلاخوں کے پیچھے قید ہوتا اور لوسیلا اپنے آقا سے اپنی کارکردگی کا خراج وصول کر رہی ہوتی۔

ابھی ہم اس سڑک پر کچھ ہی دور گئے تھے کہ اچانک مخالف سمت سے پولیس کی دو گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی برق رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئیں اور آناً فاناً میں ہمارے قریب سے گزر کر ہوٹل کی طرف چلی گئیں۔

"شاید انھیں اصل صورتِ حال کا علم ہوگیا ہے۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

"ان سے زیادہ مجھے اب اپنی فکر لاحق ہو رہی ہے۔" میں نے عقب نما آئینے میں پیچھے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "پتا نہیں کہ ہمیں لیون سے نکلنا نصیب بھی ہوتا ہے یا نہیں۔"

"کیا بات ہے؟ تم ایک دم ہی مایوس نظر آنے لگے ہو؟" سلطان شاہ نے چونک کر سوال کیا۔

"تم ڈرائیونگ سیٹ پر ہوتے تو تمھارا ردِ عمل بھی مختلف نہ ہوتا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ہوٹل سے نکلنے کے چند ثانیوں بعد ہی ایک کار ہمارے پیچھے لگ گئی تھی جو کسی بھی قیمت پر آگے نکلنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ بس اسی کی طرف سے فکر لاحق ہو رہی ہے۔"

سلطان شاہ نے مڑ کر پیچھے کا جائزہ لیا پھر بولا۔ "یہ شی والے تو ہرگز نہیں ہو سکتے۔"

"کیا ان کے ہیڈ لیمپس سے ہی اندازہ لگا لیا تم نے؟" میں نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "ایسے مواقع پر شتر مُرغ کی طرح خوش فہمی میں مبتلا ہونا بہت نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔"

"وہ لوگ لیون میں پچھلے چند گھنٹوں میں پے در پے تین بار زک اٹھا چکے ہیں۔ تمھیں گھیرنے کے چکر میں لوسیلا ماری گئی، ایلی نور کے اغوا کی کوشش ناکام ہوئی اور اب ہم ان کی ساری بندشوں کے باوجود اپنے ہوٹل سے نکل بھاگے ہیں۔ وہ جارحانہ مزاج کے قاتلوں اور مجرموں کا ٹولہ ہے۔ اس وقت وہ سخت اشتعال کے عالم میں ہوں گے۔ ان سے میں یہ امید نہیں رکھ سکتا کہ وہ ٹھنڈے ماتھے سے ہمارا تعاقب کرتے رہیں گے۔ وہ ہوتے تو اب تک ہمارا راستہ روک کر چاند ماری کا آغاز کر چکے ہوتے بلکہ ہمیں ہوٹل سے زیادہ دور بھی نہ نکلنے دیتے۔"

عملی لحاظ سے اس کی بات میں وزن تھا لیکن اپنی تمام تر آتش مزاجی کے باوجود وہ لوگ احکام کے پابند تھے۔ اگر انھیں صرف تعاقب کا حکم دیا گیا تھا تو وہ اپنے اشتعال کو فراموش کر کے ہمارا پیچھا کرنے پر مجبور تھے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس طرح وہ لوگ ہماری نئی منزل کا سراغ لگا کر ہمارے مقامی مددگاروں تک رسائی حاصل کرنے کی فکر میں ہوں۔ ان کا مدّعا کچھ بھی رہا ہو، یہ بات طے تھی کہ اُنھوں نے چھُپ کر تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ آغاز ہی سے ہمیں یہ احساس دلا دیا تھا کہ ہم کسی کی نظروں میں آچکے ہیں۔

مجھے یہ خیال بھی آیا کہ کہیں وہ سادہ پوش پولیس والوں کی کوئی جماعت نہ ہو جسے ہوٹل سے نکلنے والوں کی نگرانی پر مامور کیا گیا ہو، لیکن یہ نظریہ بالکل ہی بے وزن تھا۔ اگر وہ اسی طرح ہر کار کا تعاقب کرتے تو ہوٹل پر سیکڑوں کی نفری بھی کم پڑ سکتی تھی۔ اگر وہ پولیس والے ہوتے تو اس امر کے مجاز تھے کہ ہوٹل سے نکلتے ہوئے ہمیں روک کر چیکنگ کرتے۔ اُنھیں چوروں کی طرح ہمارا پیچھا کرنے کی بظاہر کوئی مجبوری لاحق نہیں تھی۔

اچانک اُنھوں نے ایک نئی حرکت کی اور پیچھے سے تین بار ڈِپر مارے۔ تیسری بار اُن کے ہیڈ لیمپس کی روشنی تیز ہو کر مدّھم ہوتے ہی ان کی رفتار بڑھی اور وہ گاڑی یک بیک ہمارے بہت قریب آ پہنچی۔

"یہاں سڑک خالی پڑی ہے۔ وہ شرارت پر آمادہ نظر آتے ہیں۔" سلطان شاہ نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"آگے نکلنے کے بجائے عقب سے اتنے قریب آکر وہ حماقت کر رہے ہیں۔" میں نے اُلجھن محسوس کرتے ہوئے جواب دیا۔ "شرارت کرنا ہوتی تو وہ ہمارا پچھلا ٹائر ناکارہ کر چکے ہوتے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ غیر مسلح ہوں۔" سلطان شاہ کے منہ سے نکلا۔

"ہمارے ہوٹل میں ریوڑیاں نہیں بٹ رہی تھیں... اگر وہ شرارت پر آمادہ ہیں تو مسلح ضرور ہوں گے۔"

اچانک ایک بار پھر پچھلی کار کا فاصلہ بڑھنے لگا اور اُنھوں نے دوبارہ تین ڈپر دینے کے بعد رفتار بڑھائی اور ہماری کار سے بمشکل چند گز دور رہتے ہوئے بار بار ڈپر دینے شروع کر دیے۔

معاً مجھے خیال آیا کہ وہ بدخواہ ہوتے تو اب تک نہ جانے کیا کچھ کر گزرے ہوتے۔ ان کی تمام حرکتوں میں قدرے دوستانہ انداز نمایاں تھا اور وہ شاید ہمیں رُکنے کا اشارہ دے رہے تھے۔

"تم رُک کر حماقت کرو گے۔" سلطان شاہ میری بات سنتے ہی بولا۔ "روکنا چاہتے تو وہ آگے آکر بڑی آسانی سے ہمارا راستہ مسدود کر سکتے تھے، اس آنکھ مچولی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

"انہیں ہم سے خطرہ ہے، آگے نکلنے کی کوشش میں وہ ہمارے ہتھیاروں کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ وہ ہماری ذہنی اور اعصابی کیفیت سے پوری طرح باخبر ہیں اس لیے ہم سے دور رہ کر اپنے دوستانہ جذبات کا یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ رُک کر ہم خسارے میں نہیں رہیں گے۔"

ڈیش بورڈ کی روشنیوں کے انعکاس میں اس کے چہرے پہ گہری تشویش کے آثار نظر آئے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا اور میں نے رفتار کم کرتے ہوئے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔ پیچھے لگی ہوئی گاڑی بھی اسی انداز میں ہم سے چند گز دور رُک گئی۔

"میں ویرا ہوں۔" انجن کی آواز معدوم ہوتے ہی پچھلی کار سے بلند آہنگ آواز آئی اور میں دیوانہ وار اسٹیرنگ چھوڑ کر نیچے اُتر گیا۔ دوسری کار کی ڈرائیونگ سیٹ سے ویرا اُتری اور پھر والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گئی۔ سلطان شاہ ہم سے چند قدم دور سر جھکائے بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم نے عقل سے کام لیا۔" وہ مجھ سے الگ ہوتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم مرنے مارنے پر نہ تُل جاؤ... یہ کار تو شاید چوری کی ہوگی۔"

"ظاہر ہے... یہ بتاؤ کہ تم اچانک ہم تک کیسے پہنچ گئیں؟" ان سنگین لمحات میں ویرا کو اپنے رُوبرو دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ چیتھام میں اسٹیوارٹ سلائٹ کے حوالے کرنے کے بعد ہم سے اس کا رابطہ مفقود تھا اور اب وہ اچانک ہی لیون کی اس شاہراہ پر ہم سے آملی تھی۔

"جلدی سے میری گاڑی میں آجاؤ۔" وہ اپنے گلے سے جھولتی ہوئی دوربین سے کھیلتے ہوئے بولی۔ "راستے میں باتیں ہوتی رہیں گی۔ مجھے ڈر تھا کہ آج رات تم ہوٹل سے نہیں نکل سکو گے لیکن تم دونوں نے واقعی کمال کر دکھایا ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ تم پائپ سے نیچے اُترو گے لیکن تم نے مشکل مگر محفوظ راستہ اپنایا تھا۔"

اس کی زبان سے وہ تفصیل سن کر میں حیران رہ گیا، ویسے تو حیران کن بات یہ بھی تھی کہ اس کے جسم پر پوری فوجی وردی موجود تھی جس میں وہ بہت شاندار لگ رہی تھی لیکن اس سے اس بارے میں کوئی بات کیے بغیر ہم دونوں اس کی کار میں سوار ہو گئے اور سیاہ ٹویوٹا کراؤن کو وہیں لاوارث چھوڑ کر ہمارا کارواں آگے بڑھ گیا۔

"بریسٹ کے بحری اڈے کی تباہی کی خبر سے مجھے تمھارا پہلا سراغ ملا تھا۔" چند ثانیوں کے خوش گوار سکوت کے بعد وہ بولی۔ "لندن میں شی کے قریبی حلقوں میں یہ خبر عام تھی کہ فرنچ گن بوٹ کے عملے نے روزالی نامی جہاز سے کھلے سمندر میں چند قیدی پکڑے تھے جنھوں نے کسی طرح گن بوٹ پر قبضہ کر کے بریسٹ کے بیس اسٹیشن کو تباہ کر دیا اور خود گن بوٹ سمیت گہرے پانیوں کی طرف فرار ہو گئے۔ اس سنگین حادثے پر شی میں ریڈ الرٹ کے احکام جاری کر دیے گئے۔ روزالی کا نام آنے کی وجہ سے میرا ذہن لا تمھاری طرف گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اب تمھارے خلاف ساری مہم فرانس میں بل ایتھی کی نگرانی میں زور پکڑے گی۔ اس لیے میں فوری طور پہ پیرس پہنچ گئی۔ لیکن میرے وہاں پہنچنے سے قبل ہی بل ایتھی کے آدمیوں سے تمھارے تصادم کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسی اثنا میں گن بوٹ کا سراغ مل گیا جو شاید تم نے ابوالبحر والوں کے ہاتھ پرل بیچ پر فروخت کر دی تھی۔ شی والوں نے گن بوٹ پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہا لیکن کھلے سمندر میں ایک خونریز تصادم کے بعد ابوالبحر والوں نے خود ہی اس نادر الوجود جنگی کشتی کو غرقاب کر دیا۔ ابوالبحر والوں کے ساتھ تمھارے سودے کی تصدیق گن بوٹ کے اس عملے نے کی تھی جو پیرس پہنچنے پر پکڑا گیا تھا لیکن بل ایتھی نے مجھے اُن میں سے کسی کے قریب نہ جانے دیا۔ بڑی جدوجہد کے بعد جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم پیرس کے پارک ہوٹل میں مقیم ہو تو میں وہاں پہنچی لیکن تم اس سے پہلے ہی وہاں سے نکل گئے تھے۔ بعد میں ہوٹل کی نگرانی کرنے والے کی لاش نے یہ ثابت کر دیا کہ تم روپوش ضرور تھے مگر پیرس میں ہی مقیم تھے۔"

وہ گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں اپنی معلومات کا خلاصہ دہرا رہی تھی اور میں حیرت سے اس کی کہانی سن رہا تھا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے ہمیں سمندر میں ہانکنے کے بعد ہمارے بارے میں اس حد تک باخبر رہنے کی کوشش کی ہوگی لیکن اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ اس کی صداقت کا آئینہ دار تھا۔

"کل رات گئے تم نے پیرس میں جو ہولناک کھیل شروع کیا، وہ اب تک ایک ڈراؤنے خواب کی طرح شی والوں کے اعصاب پر سوار ہے۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "پارک ہوٹل کی نگرانی کرنے والے ٹیکسی ڈرائیور کی لاش کے بعد فلیٹ سے تین لاشیں ملیں، تین

افسر مارے گئے اور بل ایتھی بھی بے رحمی کے ساتھ مار ڈالا گیا۔ تم یقین کرو کہ اب شی پر تمہارے نام کی دہشت بیٹھ گئی ہے۔ ریلوے اسٹیشن کی پارکنگ لاٹ سے بل ایتھی کی لینڈ روور دریافت ہونے پر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس قدر سنگین تصادم کے بعد تم پیرس سے دور نکلنے کے بجائے دوبارہ شہر میں داخل ہوئے تھے۔ ٹرین کے ذریعے تمہارے فرار کی خبر پاتے ہی جمی لائیڈ نے شی کے بڑوں کو بتا دیا تھا کہ تمہاری اگلی منزل لیون ہوگی کیونکہ ایلی نور تمہارے ساتھ تھی اور وہ اسی علاقے کی رہنے والی تھی۔ ان اطلاعات کے بعد میں جہاز سے لیون آگئی۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ تمھیں اپنے جنون سے باز رکھ سکوں۔ اس وقت شی کے کُتے تمہارے لہو کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ پچھلے تین دن سے ساری کاروباری مصروفیات ترک کرکے ہر شخص تمھیں تلاش کرتا پھر رہا ہے اور تم اُن کے مقابلے میں بالکل تنہا ہو۔ تمہارا ذہن اور اعصاب تھک سکتے ہیں اور اپنی کسی غلطی کے نتیجے میں تم بے موت مارے جاؤ گے۔"

"تو تم چاہتی ہو کہ میں ہاتھ پیر چھوڑ کر کسی ڈربے میں محبوس ہو جاؤں۔ تاکہ تمہارے چہیتے جب چاہیں میرے گلے میں رسّی کا پھندا ڈال کر مجھے لے جائیں۔" میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔" وہ پُرزور لہجے میں بولی۔ "تمھیں مسلسل بھاگتے بھاگتے کافی مدّت گزر گئی ہے اور تمھیں آرام کی ضرورت ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم دو تین ہفتوں کے لیے اپنی تمام تر سرگرمیوں کو خیرباد کہہ کر سوئٹزرلینڈ چلے جاؤ اور وہاں آرام کرو۔ سرحد میں عبور کرا دوں گی، میرے کچھ دوست بھی ہیں جو وہاں تمہاری خبرگیری کریں گے۔"

"یہ باتیں بعد میں بھی سوچی جا سکتی ہیں۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ ہم تک رسائی کیسے حاصل ہوئی؟" میں نے پُرتجسّس لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

"میں یہاں آئی تو ہر طرف سنّاٹا تھا البتہ شی والوں کو تمہاری طرف سے چوکنّا کر دیا گیا تھا پھر شام ڈھلے اچانک خبر آئی کہ کافی ہاؤس کے سامنے ایلی نور ماری گئی ہے۔ میں فوراً جائے واردات پر پہنچی جہاں کافی ہاؤس میں لوسیلا نامی ایک لڑکی کی لاش بھی دریافت ہوئی تھی پھر میرے ہی سامنے پولیس حکّام نے ایلی نور کی جامہ تلاشی لے کر اس کے ہوٹل کا پتا برآمد کیا۔ اور فوری کارروائی کا فیصلہ کر لیا۔ اس مرحلے پر تمھیں فون کرنا خطرناک ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے ہوٹل پہنچ کر تمہارے کمرے کا محلِ وقوع دیکھا اور پچھلی سمت سے دوربین کی مدد سے جائزہ لیا تو تم دونوں بندروں کی طرح دیوار سے لپٹے اوپر جا رہے تھے۔ تم دونوں کے غائب ہوتے ہی میں ایک طویل چکّر کاٹ کر ہوٹل کے سامنے آئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اب تم کوئی کار چُراؤ گے لیکن مجھے چند ثانیوں کی تاخیر ہوگئی۔ میں پہنچی تو تم پارکنگ لاٹ سے وہ سیاہ کار باہر سڑک پر نکال رہے تھے لہٰذا میں تمھیں چھیڑے بغیر تمہارے پیچھے ہولی کیونکہ اس وقت تک ہوٹل پر پولیس دھاوا بول چکی تھی۔"

"قسمت کی بات ہے کہ تم یوں اچانک ہم سے ٹکرا گئیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ورنہ ہمیں تو فکر تھی کہ اس اجنبی شہر سے نکلنے کے لیے کون سا راستہ اختیار کریں۔"

"یہ بتاؤ کہ ایلی نور وہاں کس کے ساتھ تھی؟"

"میرے ہی ساتھ گئی تھی اور باہر میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ دراصل وہ شی کے لیے کام کرنے سے پہلے جمی لائیڈ کی کنگ لائنز میں ملازمت کرتی رہی تھی اور اسی کے مشورے پر میں کافی ہاؤس میں جمی لائیڈ کی سیکرٹری سے ملنے گیا تھا جسے میرے بارے میں پہلے سے ہدایات ملی ہوئی تھیں اور وہ مجھے پولیس کے حوالے کرنے پر تُلی ہوئی تھی۔ ایلی نور کے دیدہ دلیرانہ قتل پر کافی ہاؤس میں بھگدڑ مچی تو میں بمشکل اُسے ٹھکانے لگا کر وہاں سے زندہ نکل سکا ورنہ اس وقت کسی حوالات کی ہوا کھا رہا ہوتا۔"

"تمھیں یہ گن کہاں سے ملی؟" اس کا لہجہ تجسّس آمیز تھا۔ "یہ ہتھیار تو ابھی تک مجھے بھی نہیں دیا گیا۔"

"گن بوٹ کے کپتان سے حاصل کی تھی۔۔۔۔ چیتھام سے لیون تک کی اس طویل بھاگ دوڑ کے نتیجے میں یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ کنگ لائنز کا مالک اور شی کا سربراہ ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں۔" میں نے کہا۔ "اور اب جمی لائیڈ کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے ہمیں براہِ راست کنگ لائنز کو نشانہ بنانا پڑے گا۔"

"لیکن کچھ آرام کے بعد۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

"آرام بھی کر لیا جائے گا لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہارے بدن پر یہ فوجی وردی کیسی نظر آ رہی ہے؟"

"نیم فوجی کہہ سکتے ہو۔ فرانس کی اینٹی نارکوٹکس ریزرو فورس میں میں اعزازی میجر کے عہدے پر فائز ہوں۔ اس وردی کی وجہ سے مجھے بہت سے قانونی اختیارات اور رعایتیں مل جاتی ہیں۔ اسی وردی کی وجہ سے میں بروقت تم سے آملی ہوں ورنہ عام لوگوں کو تو پولیس والوں نے ایلی نور کی لاش کے قریب تک نہیں جانے دیا تھا جبکہ میں کارڈ برآمد ہونے تک تفتیش میں پوری طرح شامل تھی۔ میں محض اپنا شناختی کارڈ دکھا کر یورپ کے کسی بھی ملک میں داخل ہو سکتی ہوں، یہ شی کے رسوخ کا ایک ادنیٰ کمال ہے۔"

"اس وردی میں نام کیا ہوتا ہے تمہارا؟" میں نے اُسے چھیڑنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"میجر دیبرا لائیڈ۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔ "میں تمہاری طرح نام بدلنے کی عادی نہیں ہوں!" پھر چونک کر بولی۔ "ارے ہاں، روزالی کا کیا انجام ہوا تھا؟ بے چارا سلائٹ آج تک اُس کی طرف سے فکرمند ہے کہ اُسے کیا حادثہ پیش آیا تھا؟"

"تو اُسے حادثے کی خبر مل گئی تھی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ بولی۔ "کئی روز بعد روزالی کے عملے کی پھولی ہوئی لاشیں ساحل سے لگیں تو اندازہ لگا لیا گیا کہ وہ بدنصیب جہاز کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہوگا۔"

"گن بوٹ والوں نے اُسے ریموٹ کنٹرولڈ ڈائنا مائیٹ چارج سے اڑایا تھا۔" میں نے قیامت کے اُن لمحات کا تصوّر کرتے ہوئے کہا۔ "اس طرح وہ کھلے سمندروں میں اپنی مَن مانی کارروائیوں کی پردہ پوشی برقرار رکھنا چاہ رہے تھے۔"

"پھر تم نے اُن سب کو کیسے رام کر لیا؟ سُنا ہے کہ گن بوٹ کئی دن تمھارے چارج میں رہی ہے؟"

"سلور آئی۔" میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "تمھیں یاد ہے کہ میں نے ڈیلٹا کیمپ سے روانہ ہوتے ہی وہ جادوئی سکّہ تم سے کسی بُرے وقت کے لیے لے لیا تھا۔ قید ہونے کے بعد وہی میرے کام آیا اور میں بلا مزاحمت اُن کا آئی مین بن بیٹھا۔"

"کمال ہے کہ اس کا ذکر کہیں سننے میں نہیں آیا!" وہ حیرت سے بولی۔

"شاید اب بات پھیل جائے کیونکہ بل ایتھی مارا جا چکا ہے۔ دراصل گن بوٹ کا سارا عملہ اس کی نجی قید میں تھا اور وہی اصل واقعات سے واقف تھا۔ وہ خود بھی آئی مین تھا اس لیے ایک سکّے کی چوری کے راز سے واقف تھا۔ اُس نے دوسروں کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔"

"بل ایتھی کے قتل کے بعد اب تمھارے پاس دو سکّے ہو گئے ہوں گے؟" وہ پُراشتیاق لہجے میں بولی۔

"اُمید یہی تھی لیکن بل ایتھی کو اپنے اثر و رسوخ پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ سلور آئی اپنے ساتھ نہیں رکھتا تھا۔ مرنے کے بعد اس کی جامہ تلاشی میں بھی سلور آئی نہ مل سکی۔ ویسے وہ مردود بھی حقیقی معنوں میں ایلی نور کا ہی شکار ہوا تھا۔ میں نے تو بس اس کی رسمی کارروائیوں کو پورا کیا تھا۔"

ویرا کے استفسار پر میں اُسے بل ایتھی کے جہنّم واصل ہونے کا قصّہ سنانے لگا۔

ویرا سے ہماری وہ ملاقات ایک طویل وقفے کے بعد ہوئی تھی اور اس دوران میں نہایت تیز رفتاری کے ساتھ متعدد ایسے اہم واقعات رونما ہو چکے تھے جن کی تفصیلات جاننے کے لیے وہ بہت زیادہ مضطرب تھی اس لیے ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ کُرید کُرید کر مجھ سے سوالات کرتی رہی اور میں اُسے گزرے ہوئے واقعات سے آگاہ کرتا رہا۔

"ہم جا کدھر رہے ہیں؟" ہماری گفتگو میں وقفہ آتے ہی سلطان شاہ اپنی طویل خاموشی سے اُکتا کر آخرکار بول ہی پڑا کیونکہ اس وقت تک کار ریون کی روشن سڑکوں کو پیچھے چھوڑ کر ایک ویران اور تاریک شاہراہ پر کافی دُور آ چکی تھی۔

"ارادہ مونٹ بلانک کے سرحدی علاقے کا تھا جو یہاں سے مشرق میں سوئس سرحد پر ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے لیکن اب اسے ملتوی کر کے ہم جنوب میں مارسیلز کی بندرگاہ کی طرف جا رہے ہیں۔" ویرا نے کہا۔

"وقت کی بات کرو۔ اگر سفر طویل ہے تو میں اسی سیٹ پر سو لوں۔" ہماری مسلسل گفتگو سے سلطان شاہ اکتاہٹ کا شکار ہونے لگا تھا ورنہ وہ اس کے سونے کا وقت نہیں تھا۔

"ہمیں تین چار گھنٹے بھی لگ سکتے ہیں، تم چاہو تو اطمینان سے سو سکتے ہو۔" ویرا نے اُسے جواب دیا اور پھر مجھ سے مخاطب ہو گئی۔ یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے ساتھ پیش آنے والے ہر واقعے کی جزئیات جاننا چاہتی ہو۔

"ابھی تک تو تمھاری ہی جرح چل رہی ہے۔ اب کچھ میرے بھی سوال ہیں۔" میں نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم کیا پوچھو گے۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ "میں اُس گھڑی کو کوستی ہوں جب میں نے غزالہ کو کراچی سے لندن بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ابھی تک میرے ہاتھ نہیں آسکی، لیکن اس کا موہوم سا بالواسطہ سُراغ ضرور ملا ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے اشتیاق اور اضطرار کے عالم میں سوال کیا۔

"لندن، اس کے مضافات اور لیک ڈسٹرکٹ میں منشیات کا کاروبار کرنے والے آج کل بہت زیادہ ہراساں ہیں کیونکہ ایک عورت نے اُن کے اڈّوں پر تباہی نازل کی ہوئی ہے۔ شاید غزالہ نے تمھارے مشن کو عملی طور پر اپنا لیا ہے۔ شی کے تین آدمی بھی اُس کا نشانہ بنے ہیں، وہ سیاہ نقاب میں نمودار ہوتی ہے، خود کو بلیک کوئین کہتی ہے اور تباہی مچا کر کسی نقصان سے دوچار ہوئے بغیر چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتی ہے۔"

"شاید یہ کہانی تم نے مجھے دلاسا دینے کے لیے تراشی ہے۔" میں نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "یہ مار دھاڑ غزالہ جیسی نازک اندام دس بار مر کر بھی نہ کر سکے گی۔ وہ اپنا دفاع کرتی رہے تو اسی کو اس کی بڑی کامیابی سمجھوں گا۔"

"یہ میرا ایک موہوم سا خیال ہے۔ یہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ جن لوگوں کا اس سے براہِ راست سامنا ہوا ہے، اُن کا خیال ہے کہ وہ سیاہ فام نسل کی کوئی باغی لڑکی ہے جس کا لب و لہجہ بہت زیادہ تند ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے لیے میں کیا کروں، اسے کہاں تلاش کروں؟" میں نے بے بسی اور مایوسی کے ساتھ کہا۔

"تم یقین کرو کہ میرے بہتیرے آدمی شب و روز اُس کی تلاش میں مصروف ہیں۔ شی میں اپنے اختیارات بحال ہونے کے بعد میں نے تنظیم کے کئی آدمیوں کو بھی اس کام میں لگا دیا ہے لیکن نتیجہ حاصل کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"میرے نزدیک اہمیت صرف نتیجے کی ہوتی ہے... میں

پیتھام سے پیرس پھر وہاں سے لیون آیا۔ کچھ کشت و خون ہوا اور اب میں بحفاظت باہر نکل آیا ہوں لیکن میری نگاہوں میں یہ ساری بھاگ دوڑ اور خون ریزی رائیگاں گئی کیونکہ اس دوران میں میں جمی لائیڈ کو براہ راست کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔"

"اس خیال میں نہ رہنا کہ تم لیون سے بحفاظت نکل آئے ہو، یہاں پولیس کے مواصلاتی ذرائع قابلِ رشک حد تک ترقی یافتہ ہیں کچھ پتا نہیں کہ کہاں چیکنگ کا سامنا کرنا پڑ جائے۔" میری دانست میں اُس نے نہایت خوب صورتی کے ساتھ موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی جسے میں نے دانستہ کامیاب ہونے دیا۔

"چیکنگ کے وقت تمھاری وردی کس کام آئے گی؟"

"وردی تو ضرور کام آئے گی لیکن میں بیم گن اور ایکسپلوڈر جیسے اسلحے کی موجودگی کا کوئی جواب نہیں دے سکوں گی۔ کسی سے سامنا ہوگیا تو کوشش کرنا ہوگی کہ تلاشی کے بغیر گلو خلاصی ہو جائے۔ ویسے سلطان کے تھیلے میں کیا ہے؟"

"گن بوٹ۔" میں نے بے ساختہ کہا اور وہ چونک پڑی جس پر میں نے ہنستے ہوئے اپنی بات کی وضاحت کی۔ "گن بوٹ ہم نے دستاویزات کے بغیر محض قبضے کی بنیاد پر فروخت کی تھی۔ اس تھیلے میں بچی ہوئی وہی رقم موجود ہے جو لاکھوں ڈالرز پر مشتمل ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس پوری مشق میں جمی لائیڈ کو ہم سے بس یہی ایک زک پہنچی ہے۔"

"زک تو تم اُسے بار بار دیتے رہے ہو— لیون کے ہوٹل سے تمھارے یوں فرار ہونے پر بھی وہ اپنے بال نوچتا رہ گیا ہوگا۔ ہر انا پرست کی طرح وہ بھی ہر بات کو ذاتی سطح پر لیتا ہے۔ اسے تم اُس کی تنگ نظری بھی کہہ سکتے ہو۔"

"یہ نقصانات تو شی کے لامحدود اثاثوں کے مقابلے میں کوئی بھی وقعت نہیں رکھتے۔ تم تصور نہیں کرسکتیں کہ کراچی میں شی نے مجھے کیسے کیسے چرکے لگائے ہیں۔ میری فیکٹری کو آگ لگوا دی گئی، عالی شان مکان تباہ کر دیا گیا۔ ان لوگوں نے مجھے کوڑی کوڑی کا محتاج بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"اتنا اختیار تو مجھے بھی ہے۔ تم پاکستان پہنچ گئے تو میں شی کے وسائل سے ہی تمھارے سارے نقصانات کا ازالہ کر دوں گی۔ تمھیں اس پر ملال نہیں کرنا چاہیے۔"

"تم مجھے اور میرے مشن کو بد دعا دے رہی ہو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور اس کے استفسار پر بولا۔ "میں اپنے ملک سے شی کی تباہی کے مشن پر نکلا ہوں اور تم یہ سوچ رہی ہو کہ میری واپسی پر شی کے دھندے اسی طرح چلتے رہیں گے۔"

"سچ پوچھو تو مجھے نہ تمھارے مشن سے دلچسپی ہے نہ شی کے مفادات سے۔" وہ دو ٹوک انداز میں بولی۔ "میں تو صرف اپنے باپ تک رسائی کی خواہاں ہوں تاکہ اس کا گریبان تھام کر اس سے سوال کر سکوں کہ اس میں اور ایک گندے سؤر میں کیا فرق ہے جو دن میں دس نئی ماداؤں کے پاس جاتا ہے لیکن اپنی اولاد کو کبھی نہیں اپناتا۔"

"صرف اس لیے پریشان ہو رہی تھیں تو اس کا جواب مجھ سے سن لو۔ وہ مان لے گا کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں اور تم اپنے ہونٹ چباتی رہ جاؤ گی۔"

"ایسا ہوا تو تم لکھ کر رکھ لو کہ وہ میرے ہی ہاتھوں مارا جائے گا اور پھر شی واقعی شی بن جائے گی کیوں کہ اسے میں چلاؤں گی اور اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو بے رحمی سے قلم کر دوں گی تاکہ دوسرے اس سے عبرت حاصل کر سکیں۔"

اس لمحے اچانک ہی مجھے ایک روح فرسا خیال آگیا جو ویرا سے ملاقات کی خوشی میں اس وقت تک مجھے نہیں سوجھا تھا۔ "تم بتا رہی تھیں کہ اسی وردی میں تم ایلی نور کی لاش کے آس پاس موجود تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شی والے لیون میں تمھاری موجودگی سے اچھی طرح نہ صرف واقف ہیں بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تم ریزرو فورس کی وردی استعمال کر رہی ہو۔"

"ٹھیک ہے لیکن تم کیا کہنا چاہ رہے ہو، ذرا کھل کر بات کرو۔"

"بات بالکل کھلی اور سامنے کی ہے۔ جمی لائیڈ ہمارے ساتھ تمھاری ہمدردیوں سے بڑی حد تک واقف ہے بلکہ شاید مجھے تمھارا عاشق سمجھتا ہے۔ ہوٹل سے ہمارے غائب ہونے کے بعد جب لیون میں تمھارا سراغ نہیں ملے گا تو وہ واقعات کی کڑیاں ملا لے گا۔ یہ سمجھ لو کہ ہزاروں عورتوں کی بھیڑ میں تم جیسی باوردی عورت الگ پہچان لی جائے گی اور تمھاری وجہ سے ہم بھی بے موت مارے جائیں گے۔ تمھاری یہ طرح دار یونیفارم ہمارے لیے جال ثابت ہو سکتی ہے۔"

"تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ جمی لائیڈ لیون کے اطراف میں اپنے لوگوں کو میجر ویرا لائیڈ کے پیچھے لگا دے گا؟"

"نہیں، بلکہ یہ کہے گا کہ میجر ویرا لائیڈ کے دونوں ساتھیوں کو پکڑ لیا جائے اور میجر کی ایک نہ سنی جائے۔"

"تو تمھارا خیال ہے کہ میں یہ وردی اُتار دوں۔ واقعی عجیب سچویشن پیدا ہوگئی ہے۔ قانون کے محافظوں کو چکما دینے کے لیے وردی ضروری ہے اور انہوں سے بچنے کے لیے وردی اُتارنا پڑ رہی ہے۔ میرے پاس تو کوئی دوسرے کپڑے بھی نہیں ہیں جو وردی کی جگہ پہن سکوں۔ اس اہم نکتے کو میں بھی ابھی تک بھولی ہوئی تھی۔"

"اب یہی ہو سکتا ہے کہ تم ٹوپی اور سارے شناختی نشانات اتار کر اپنا کوٹ سلطان شاہ سے بدل لو۔ پولیس والوں سے سامنا ہوا تو تم اپنا شناختی کارڈ استعمال کر سکو گی۔"

ویرا نے سختی سے بریک لگاتے ہوئے کار سڑک کے کنارے روک دی۔ سلطان شاہ بیدار رہتا لہٰذا ناچار اس کو اپنا کوٹ بدن سے اتارنا پڑ گیا۔ "چاہو تو پتلون ڈینی سے بدل لو، تم دونوں کے سائز خاصے ملتے جلتے ہیں۔" اس نے اپنا کوٹ ویرا کی گود میں اُچھالتے ہوئے تنداسی آواز میں کہا۔

"یہ تو خاصا بولنے لگا ہے۔" ویرا نے اپنا کوٹ اُتار کر سلطان شاہ کا کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں کی آب و ہوا راس آگئی ہے۔"

خلاف توقع سلطان شاہ کچھ نہ بولا۔ اس نے سیٹ پر دراز ہو کر ویرا کا گرم کوٹ کمبل کی طرح اپنے بدن پر ڈال لیا تھا۔

اس مختصر سے وقفے کے بعد سفر دوبارہ شروع ہوا تو ماحول کافی بوجھل ہو چکا تھا۔ سلطان خاموشی کے ساتھ سونے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھا اور ہم دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گُم تھے۔ وقت گزاری کے لیے میں نے سگریٹ سلگائی تو وہ ویرا نے مانگ لی اور میں نئی سگریٹ سلگانے کے بجائے کسلمندانہ انداز میں پشت گاہ سے سر ٹکا کر اونگھنے لگا اور پھر رفتہ رفتہ میرے ذہن پر غنودگی طاری ہوتی چلی گئی۔

ویرا کے جھنجوڑنے پر میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو ہماری کار سڑک پر ایک بڑا موڑ کاٹ رہی تھی اور آگے اندھیرے میں سڑک کے کنارے کوئی پٹرولنگ کار کھڑی ہوئی تھی جس کی پارکنگ لائٹس کے ساتھ ہی چھت پر لگی ہوئی گردشی بتی بھی روشن تھی۔ وہیں سڑک کے تقریباً وسط میں بڑے بڑے سُرخ شیشوں والی ایک بتی بھی رکھی ہوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی چیک پوسٹ تھی جہاں رُکنا لازمی تھا۔

ہماری کار کو دیکھتے ہی انھوں نے ثانیے بھر کے لیے اپنے ہیڈ لیمپس جھپکا کر ہمیں گویا اپنی موجودگی اور مدّعا کا احساس دلایا اور ویرا نے کار کی رفتار کم کرنا شروع کر دی۔

شی کے کارندے لاکھ بے خوف اور قانون شکن سہی لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ یوں کوئی مین سڑک بلاک کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے اطمینان تھا کہ ہمارا واسطہ پولیس سے پڑنے والا تھا جسے ویرا اپنے ریزرو فورس والے شناختی کارڈ سے مرعوب کر سکتی تھی۔

ویرا نے اپنی کار آہستہ آہستہ پٹرول کار کے سامنے روک دی اور ہیڈ لیمپس بُجھا دیے۔ اس کار کی طرف سے فوراً ہی دو باوردی پولیس افسر دونوں طرف سے ہماری سمت میں آئے اور ہم نے اپنے شیشے اتار دیے۔

"میجر ویرا لائیڈ!" ویرا نے اپنی سمت والے افسر سے باوقار لہجے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنا شناختی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ میجر!" افسر کے منہ سے تحیر آمیز آواز نکلی اور میں بے آرامی سے اپنی نشست پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ میں بھانپ چکا تھا کہ اس وقت کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو چکی تھی۔

افسر نے ٹارچ کی روشنی میں ویرا کا کارڈ دیکھا اور پھر اس کا دروازہ کھولتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں بولا۔ "افسوس ہے میجر کہ تمھیں نیچے اُترنا ہوگا۔ دراصل یہاں ہمیں تمھارا ہی انتظار تھا۔ کار کی تفصیلی تلاشی لی جائے گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے احتیاطاً اپنا داہنا ہاتھ ہولسٹر میں اڑسے ہوئے ریوالور کے آہنی دستے پر رکھ لیا تھا۔

میں اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ پولیس افسر کا حکم سنتے ہی میری کھوپڑی بھق سے اُڑ گئی تھی کیوں کہ وہ صورتِ حال ہمارے اندازوں کے بالکل برعکس تھی اور میرے خیال میں اس وقت ان کی حکم عدولی کی کوئی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی۔

پولیس افسر نے اپنے ارادوں کو اخلاق اور خوش کلامی کی آڑ میں چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ اپنے تند لہجے کے ذریعے اپنے عزائم کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ اس نے ویرا کو کار سے نیچے اترنے کا حکم دیتے ہوئے جلتی ہوئی ٹارچ کی روشنی میرے چہرے پر ڈالی اور میری آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔

"یہ روشنی میری آنکھوں سے ہٹاؤ آفیسر!" میں نے اپنا چہرہ دوسری طرف گھماتے ہوئے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں کیبن لائٹ جلائے دیتا ہوں تاکہ تم آسانی سے اندر کا جائزہ لے سکو۔" انگریزی میں وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میں نے لب و لہجہ تبدیل کیے بغیر اچانک اردو میں کہا۔ "یوں ہی بیمار بنے نشست پر پڑے رہو۔"

"یہ آخر میں کیا کہا تم نے؟" اُس افسر نے چونک کر سوال کیا۔ اس اثنا میں روشنی میرے چہرے سے ضرور ہٹالی گئی تھی لیکن میرے ہی جسم پر مرکوز تھی۔

"کیا کہے گا؟" مجھ سے پہلے ویرا انگریزی میں بول پڑی۔ "بے چارہ اپنے مقدر کو کوس رہا ہے۔ کیونکہ اس کا بیمار ساتھی اب مزید تاخیر سے اپنی منزل پر پہنچے گا اور راستے میں اس کی جان کھاتا رہے گا۔"

یہ کہتے ہوئے ویرا اپنی سیٹ چھوڑ کر سرد اور کھلی ہوا میں نیچے اُتر گئی۔ میں نے بھی اُس کی تقلید کی اور اُسی لمحے سلطان شاہ کی بیماری زور پکڑ گئی اور اُس نے عجیب دردناک آواز میں کراہنا شروع کر دیا۔

"اوہ تو کوئی پیچھے بھی ہے۔" اُسی افسر نے تجسس آمیز لہجے میں وہ الفاظ کرتے ہوئے روشن ٹارچ سمیت اپنا سر ڈرائیونگ سیٹ کے کھلے ہوئے دروازے میں داخل کر دیا۔ ساتھ ہی اُس کی بڑبڑاہٹ بھی جاری رہی۔ وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ "میری بھی کھوپڑی سردی سے شاید جم گئی ہے۔ اطلاع یہی ملی تھی کہ میجر کے ساتھ غالباً دو غیر ملکی بھی ہوں گے اور مجھے دراصل انہی دونوں کو روکنا تھا۔" اس سے آگے وہ اپنی مادری زبان پہ آگیا جو میری سمجھ سے باہر تھی۔

سلطان شاہ نے اپنے قریب اس کی موجودگی بھانپ کر تسلسل کے ساتھ ناک کے بل کراہنا شروع کر دیا تھا۔

"اے۔ ۔ ۔ باہر نکلو، گاڑی کی تلاشی لی جائے گی۔" افسر نے شاید سلطان شاہ کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ کے دہانے سے ایک ہلکی سی اضطراری چیخ بلند ہوئی جس نے لمحہ بھر کے لیے مجھے سہما دیا۔ پھر وہ اپنی گوراشاہی انگریزی میں بولا تھا۔ "خدا کے لیے مجھے تنگ نہ کرو۔ ۔ ۔ میری جان نکلی جا رہی ہے۔ میں اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا۔ جو کچھ کرنا ہے، وقت ضائع کیے اور مجھے اُتارے بغیر ہی کر لو۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ افسر سخت لہجے میں بولا۔ "کار کی تلاشی کے ساتھ تمھاری بھی تفصیلی جامہ تلاشی لی جائے گی جس کے لیے تمھارا نیچے اُترنا ضروری ہے۔"

"یہ سراسر زیادتی ہے۔" ویرا نے احتجاج کیا۔ "تم لوگ جو چاہو کر لو، لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمھاری وجہ سے اس مریض کو ذرا بھی نقصان پہنچا تو میں تم دونوں کو عدالت میں گھسیٹ لاؤں گی۔ ہم اس وقت قانون سے آزاد کسی جنگل میں نہیں بلکہ فرانس کی سرزمین پر موجود ہیں۔ ۔ ۔"

"آخر اسے تکلیف کیا ہے؟" باہر موجود دوسرے افسر نے دخل اندازی کرتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں ویرا سے سوال کیا۔

"یہ دردِ زہ میں مبتلا ہے۔" ویرا کے لب کشا ہونے سے پہلے ہی میں بول پڑا اور وہ افسر چونک پڑا۔ اس اثنا میں ٹارچ والا بھی کار سے باہر نکل آیا تھا اور مجھے خشمناک نگاہوں سے گھورنے لگا تھا۔

"ذمّے دار سرکاری افسروں سے گھٹیا مذاق کرتے ہو۔" وہ تلخ اور ملامت آمیز لہجے میں بولا۔ "یہ نہ بھولو کہ فرانس میں اگر شہریوں کو کچھ حقوق حاصل ہیں تو سرکاری اہل کاروں کو بھی بہتیرے اختیارات ملے ہوئے ہیں۔ تمھاری اس ہرزہ سرائی پر میں تمھیں قانون کا مضحکہ اُڑانے کے جرم میں گرفتار کر سکتا ہوں۔"

"اختیارات کی فراوانی نے تمھیں کچھ زیادہ ہی حسّاس بنا دیا ہے آفیسر!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "ورنہ میں نے صرف حقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔"

"تم اب بھی مُصر ہو کہ میں تمھاری بات مان لوں؟" وہ غصّے میں غرّایا۔ "یہ تسلیم کر لوں کہ اب مرد بھی بچّے جننے لگے ہیں اور انھیں بھی عورتوں کی طرح دردِ زہ جیسے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔"

"اوہ! تم میری بات کے لفظی مفہوم میں اُلجھ گئے۔" میں نے مایوسانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "وہ الفاظ میں نے محض اپنے ساتھی کی اذیت کی شدت واضح کرنے کے لیے استعمال کیے تھے ورنہ درحقیقت اس کی صرف ناف گری ہوئی ہے اور ناف چلے جانے پر درد اور درد کی شدت ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، اچھا بھلا آدمی کسی زچہ کی طرح اٹھنے بیٹھنے بلکہ اپنی خواہش کے مطابق ہلنے جلنے سے بھی معذور ہو جاتا ہے۔"

"یہ اس سے بھی عجیب بات ہے۔" وہ میرا مضحکہ اُڑاتے ہوئے بے رحمانہ لہجے میں بولا۔ "نومولود بچوں کی ناف کا ذکر ضرور سنا جاتا ہے، لیکن اتنے پلے ہوئے مُسٹنڈوں کی ناف میری سمجھ سے باہر ہے — اور ہاں، یہ چلی کہاں جاتی ہے؟"

"میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ کاش تم بھی کبھی اس تکلیف سے گزرو۔" میں نے اُداسی کے ساتھ کہا۔ "ناف بس پیٹ میں اپنی جگہ سے کھسک جاتی ہے، کبھی کبھار کسی نلے میں گُھس جاتی ہے۔ ۔ ۔"

"اوہو، یہ وہی تکلیف ہے نا جو بعض لوگوں کو بوجھ وغیرہ اُٹھانے سے لاحق ہو جاتی ہے۔" اچانک ویرا مجھ سے مخاطب ہو گئی۔ اس کے لہجے میں بلا کی دلچسپی عود کر آئی تھی۔ "ایشیا کے ملکوں میں میں نے عموماً اس بیماری کا ذکر سنا ہے لیکن جدید میڈیکل سائنس تو سرے سے اسے تسلیم ہی نہیں کرتی۔ پھر اس کا علاج کس طرح ہوتا ہے؟"

"اس کا علاج بڑا مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ کوئی دائی یا پہلوان جب تک مریض کے سینے پر سوار ہو کر مریض کے پیٹ کے بعض مخصوص عُضلات کی مالش نہ کرے، ناف اپنی جگہ واپس نہیں لوٹتی۔ ۔ ۔"

"فرانس میں دائیاں نہیں ہوتیں اور پیرا میڈیکل اسٹاف ایسے جسمانی تشدد پر یقین نہیں رکھتا۔ ہمارے پہلوان بھی بس میدان میں ریسلنگ کرتے ہیں۔ ٹوٹ پھوٹ کی صورت میں ایلوپیتھک ماہرین سے ہی رجوع کرتے ہیں۔ پھر بھلا تم اس کا علاج کہاں کراؤ گے؟" ویرا نے دونوں پولیس افسران کی موجودگی کو بری طرح نظر انداز کرتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"پھر مجھ ہی کو شیشے کے ایک گلاس کے اندر اسپرٹ کی پھُریری پھیر کر اسے دیا سلائی دکھانا ہو گی پھر شعلہ بھڑک کر معدوم ہوتے ہی گلاس اس کے پیٹ پر اوندھا کرنا ہو گا۔ اس طرح گلاس میں پیدا ہونے والا خلا، پیٹ کی جلد کو گلاس میں کھینچ لے گا۔ اس عضلاتی تناؤ میں ناف اپنی جگہ لوٹ آئے گی۔" میں نے پوری سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ ویرا کو متبادل طریقۂ علاج سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اور گلاس یوں ہی مریض کے پیٹ سے چپکا ہوا رہ جائے گا؟" دوسرا پولیس افسر غیر ارادی طور پر سوال کر بیٹھا۔

"نہیں، شیشے کے گلاس کی افادیت یہی ہوتی ہے کہ چند منٹ بعد اسے ہلکی سی ضرب لگا کر مریض کو زخمی کیے بغیر احتیاط سے توڑا جا سکتا ہے اور پیٹ نارمل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یہی عمل مریض کے ساتھ کئی بار دہرانا پڑتا ہے تب کہیں ناف اپنی جگہ واپس لوٹنے پر آمادہ ہوتی ہے۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"یہ تم کن خرافات میں اُلجھ گئے!" ٹارچ والا بھنّا کر اپنے ساتھی پر برس پڑا۔ "یہ سب بکواس ہے۔ یہ لوگ ہمارا وقت برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور تم نادانستگی میں ان سے تعاون کے مرتکب ہو رہے ہو

بات صرف اتنی ہے کہ اطلاع کے مطابق میجر ویرا الائیڈ یہاں آگئی ہے اور ہمیں گاڑی سمیت اس کے دونوں ساتھیوں کو حراست میں لینا ہے۔"

"اور میرے بارے میں کیا حکم ملا ہے؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تمھارا نام مجرموں کی شناخت کی حد تک لیا گیا تھا۔ اس سے آگے اگر تم قانون کی مدد کرنا چاہو تو ہمیں خوشی ہو گی ورنہ مجرموں کے ساتھ ہونے کے باوجود ہمارے نزدیک تم اینٹی نارکوٹکس ریزرو فورس کی ایک محترم اور ذمّے دار آفیسر ہو۔"

"ان لوگوں کا جرم کیا ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"جُرم گرفتاری کے احکامات جاری کرنے والے افسران کو معلوم ہوگا۔ ویسے سُنا گیا ہے کہ یہ دونوں سنگین جرائم میں لیون کی پولیس کو مطلوب ہیں۔ انھیں وہیں بھیجا جائے گا۔"

"گاڑی کے بغیر میں بھی مفلوج ہو جاؤں گی۔ میرا مطالبہ ہے کہ تم مجھے بھی گرفتار کرلو تب ہی گاڑی ساتھ لے جاسکو گے، کیونکہ یہ میرے ایک دوست کی ملکیت ہے۔ اس کا ان دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" ویرا نے کہا۔

"میرا مشورہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ ایک مہمان کی حیثیت سے کوتوالی چلو۔ وہاں ہمارا انچارج اس بارے میں فیصلہ صادر کر سکے گا۔ ہم نہ گاڑی چھوڑنے کے مجاز ہیں، نہ تمھیں گرفتار کرنے کے۔" ویرا سے بات کرتے ہوئے ٹارچ والے پولیس افسر کا لب و لہجہ مصالحانہ اور نرم ہو گیا تھا۔

"میجر کی مصروفیات اہم اور ناگزیر ہیں۔" میں نے ایک فوری فیصلے کے تحت دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی گاڑی کے وائرلیس پر کوتوالی کے انچارج سے میجر کی بات کیوں نہیں کرا دیتے؟"

"ضرور کرا دیتا لیکن ہمارے وائرلیس کے ٹرانسمیٹنگ بٹن میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ پیغامات موصول ہو رہے ہیں لیکن ہم کوئی پیغام نہیں بھیج سکتے۔" اُس افسر نے میرے بجائے ویرا سے ہی مخاطب ہو کر میری بات کا جواب دیا۔ "کوتوالی یہاں سے چند منٹ کی مسافت پر ہے، تمھارا زیادہ وقت خراب نہیں ہو گا۔ تمھاری گاڑی نہ بھی چھوڑی گئی تب بھی تم شہر سے کوئی ٹیکسی وغیرہ کرائے پر لے کر اپنا سفر جاری رکھ سکو گی، یہاں تمھیں صرف لفٹ پر انحصار کرنا ہوگا۔"

"لیکن بیمار کے بارے میں کوئی فیصلہ ہونا ضروری ہے۔" میں نے اصرار کیا۔ "ایلو پیتھ ناف اور اس کے متعلقہ مسائل کو نہیں سمجھتے لیکن وہ اذیّت میں ہے۔ کسی اسپتال میں اُس کے درد کا کچھ نہ کچھ علاج تو ہو ہی سکے گا۔"

"کوتوالی انچارج کی صوابدید پر اس کا بھی فیصلہ ہو جائے گا۔ فی الحال تو اسے کوتوالی ہی چلنا ہو گا۔" وہ بولا۔ اس دوران میں ویرا کی کار سے سلطان شاد مسلسل بھانت بھانت کی دردناک آوازیں نکال کر اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہا تھا۔ شاید وہ ہماری تمام گفتگو بھی سُن رہا تھا۔ وہ ملک سے باہر اتنے دن گزارنے کے بعد کافی حد تک انگریزی میں ہونے والی گفتگو کا مفہوم سمجھ لیتا تھا لیکن بولنے میں روانی پر قادر نہیں تھا البتہ اپنی بات مخاطب تک پہنچا دینے میں کامیاب ہو جاتا تھا اسی وجہ سے اس کے مکالموں کی غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے میں رواں الفاظ میں اس کا متن دہرانے پر ہی اکتفا کیا کرتا تھا۔ اس سے یہ ظاہر کرنا کبھی بھی مقصود نہیں رہا تھا کہ سلطان شاہ بتدریج شیکسپیئر کا ہم پلّہ ہوتا جا رہا تھا۔

کوتوالی یا اسپتال جانے کے بارے میں مَیں نے ویرا کے تعاون سے بحث کو اتنا طول دیا کہ اس معاملے میں ٹارچ والے افسر کی اَنا ملوّث ہوگئی اور وہ ہماری جامہ تلاشی یا کار کی تلاشی بھول کر ہمیں ہر قیمت پر کوتوالی لے جانے پر تُل گیا۔ جب مَیں نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا کہ جھلاہٹ میں وہ ہماری تلاشی کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا تو مَیں نے ناچاری کا اظہار کرتے ہوئے اُس کے افسرانہ اختیارات کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح دراصل مَیں نے بیم گن، ایکسپلوڈر اور اس پستول کو بچانے کی کوشش کی تھی جو ہماری تحویل میں تھا۔ بالکل غیر مسلح ہو جانے کے بعد ہمارے لیے فرار کے امکانات بالکل ہی مفقود ہو کر رہ جاتے۔

ہم دونوں کے ساتھ گاڑی بھی کوتوالی لے جانی تھی۔ اس طرح اس واردات کے جملہ عناصر جوڑیوں میں سمٹ گئے تھے۔ دو پولیس افسران دو گاڑیوں میں دو مجرموں کو لے جانا چاہتے تھے۔ ویرا علاً اس کھیل میں شریک ہوتے ہوئے بھی ایک معزز افسر قرار دی جا چکی تھی، لہٰذا طے یہ ہوا کہ سلطان شاہ کو چھیڑے بغیر ایک افسر اُسے ویرا کی کار سمیت کوتوالی لے جائے۔ ٹارچ والے نے مجھے پولیس کار میں اپنے ساتھ سوار ہونے کا حکم دیا اور ویرا بھی اسی طرف آگئی۔

مجھے ٹارچ والے افسر نے ایک بار تیز نظروں سے دیکھا پھر بولا۔ "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میجر ویرا کی ہمدردیاں کسی حد تک تمھارے ساتھ ہیں لیکن مجھے اُمید ہے کہ تم راستے میں کوئی گڑبڑ نہیں کرو گے۔"

"تم بے فکر رہو، میری ذات سے تمھیں مایوسی نہیں ہو گی۔" مَیں نے بے پروائی سے کہا۔

"اور سنو آفیسر!" ویرا نے عقبی نشست سے زبان کھولی۔ "اگر یہ دونوں مجرم ہیں تو مجھے ان سے ذرا بھی ہمدردی نہیں، مَیں نے صرف اس کے بیمار ساتھی پر ترس کھا کر انھیں لفٹ دی تھی۔ راستے میں باتوں باتوں میں پتا چلا کہ یہ دونوں ایشیائی ہیں اور ان کا ملک میرا دیکھا ہوا ہے۔ اس سے زیادہ ان دونوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھے صرف اپنی کار سے دلچسپی ہے۔ تم اسے میرے حوالے کر دو تو میں ابھی آگے روانہ ہو جاؤں گی۔"

اُسی لمحے پیچھے سے ایک دبی دبی سی چیخ کی آواز سنائی دی جو بہت موہوم ہونے کے باوجود میری سماعت سے نہ بچ سکی لیکن میرے ساتھ والا آفیسر غالباً وہ آواز نہیں سُن سکا تھا جس پر مَیں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ میری دانست میں پیچھے معمول سے ہٹ کر کوئی بات

ہوئی تھی تو وہ لازماً سلطان شاہ کی پہل کا نتیجہ ہو سکتی تھی۔ یہ امکان کہ پولیس افسر نے ویرا کی کار کا انجن اسٹارٹ کرنے سے پہلے سلطان شاہ کو بے ہوش کرنا چاہا ہو، بہت موہوم تھا۔

”کار کا فیصلہ کوتوالی میں ہی ہو گا۔“ اُس نے یہ کہتے ہوئے پولیس کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ ابھی تک نہ دوسرے کار کے انجن کی آواز سنائی دی تھی نہ اس کے ہیڈ لیمپس روشن ہوئے تھے اور میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

جوں ہی پولیس کار نے آگے رینگنا شروع کیا معاً ویرا والی کار کے ہیڈ لیمپس روشن ہوئے۔ ہمارے ساتھ والے پولیس افسر نے آنکھوں پر تیز روشنی پڑتے ہی بھنا کر فرنچ میں کچھ کہا اور پھر اپنی بھی پوری روشنیاں کھول دیں۔ اس اثناء میں ویرا والی کار تیزی کے ساتھ سڑک پر ہمارے پہلو میں سے گزر کر پولیس کار کے عقب میں آ چکی تھی۔

”تمہارا ساتھی بہت چھچھورا اور بدتمیز معلوم ہوتا ہے۔“ ویرا نے اُسے سلگانے کی نیّت سے تبصرہ کیا۔ ”تم نے پارکنگ لائٹس تک روشن نہیں کی تھیں اور اُس نے تمہاری آنکھوں پر ہیڈ لیمپس آن کر دیے۔“

”خاموش رہو میجر!“ وہ دُرشت لہجے میں بولا۔ ”مجھے اس کی حماقت کا احساس دلا کر تم کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکو گی۔“

”مجھے کسی فائدے کی ضرورت نہیں۔ . . . میں نیم فوجی ماحول میں کام کرنے کی عادی ہوں اس لیے کسی ماتحت کی بدتمیزی مشکل ہی سے نظر انداز کر پاتی ہوں۔“ اِس وقت ویرا کا لب و لہجہ بہت زیادہ پُروقار ہو گیا تھا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ روانی میں وہ دونوں اپنی مادری زبان کے بجائے انگریزی ہی بولے جا رہے تھے اور میں بھی اُن کی گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا۔

شاید اُس نے میرا ذہن پڑھ لیا کیونکہ رفتار پکڑنے سے پہلے ہی اس نے فرنچ میں بڑبڑاتے ہوئے اچانک بریک لگاتے ہوئے اپنی گاڑی دوبارہ سڑک سے کچے میں اتار لی۔

”واقعی اِس کا دماغ چل گیا ہے۔“ ویرا نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ ”اب بلاوجہ کار روک کر کھڑا ہو گیا ہے۔ پتا نہیں اِس ویرانے میں کیا کرنا چاہ رہا ہے؟“

میرے لیے وہ اشارہ کافی تھا۔ ہلکی سی چیخ کے بعد گاڑی کا یوں رُک جانا خالی از علت نہیں تھا۔ جوں ہی پولیس آفیسر گاڑی سے اُترا، میں نے تاریکی میں ہیم گن اپنی جیب سے نکال لی اور ٹارچ والے پولیس افسر کے پیچھے ہو لیا۔

ہم تینوں تقریباً ایک ساتھ ہی ویرا کی کار کے قریب پہنچے تھے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کار دور سے خالی نظر آ رہی تھی۔ سینئر پولیس افسر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ٹارچ روشن کی تو اُس کا ساتھی پسنجر سیٹ کے پائیدان میں بے حس و حرکت پڑا نظر آیا۔ پچھلی سیٹ خالی پڑی ہوئی تھی۔

ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی اور میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ میں نے دبی دبی چیخ کی جو آواز سنی تھی وہ بلا سبب نہیں تھی۔ شاید سلطان شاہ نے بیماری کی اداکاری کرتے کرتے اچانک ہی عقب سے اس پر وار کر کے اسے بے ہوش کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اس وقت دونوں گاڑیاں تھوڑے فاصلے پر آمنے سامنے کھڑی ہوئی تھیں۔ لہٰذا سلطان شاہ نے خود کو پولیس کار کے ہیڈ لیمپس کی زد سے بچانے کے لیے ویرا کی کار کی روشنیاں جلا کر گاڑی پولیس کار کے پیچھے لے لی اور چند گز کی مسافت طے کرنے کے بعد ہی رُک گیا۔

ابھی میں اس سچویشن کا اِدراک کرتے ہوئے اپنا رول ادا کرنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ سلطان شاہ کسی آسیبی سائے کی طرح ویرا کی کار کی دوسری سمت سے کسی چوپائے کی طرح چلتا ہوا نمودار ہوا اور پھر اُس نے پشت سے اپنے ایکسپلوڈر کی نال سینئر پولیس افسر کی پسلیوں سے لگا دی۔

”ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“ سلطان شاہ نے ہانک لگائی۔ ”اور ہاں میجر ویرا . . تم بھی۔ تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو یہ افسر ناحق میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔“

پولیس افسر نے اپنے دونوں ہاتھ ضرور اٹھا لیے مگر غصّے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”قانون سے ٹکرا کر تم اپنے بھیانک انجام کو دعوت دے رہے ہو . . . یہ بتاؤ کہ چارلس زندہ ہے یا تم نے اسے مار دیا ہے؟“

”آہستہ بولو آفیسر!“ سلطان شاہ بولا۔ ”ابھی تک وہ زندہ ہے، کہیں تمہاری اونچی آواز سے اس کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔ تم لوگوں کے دل عموماً کمزور ہوتے ہیں۔“

”میں ہاتھ گرا رہی ہوں۔“ ویرا نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”یہ تم میرے احسان کا صلہ دے رہے ہو؟ تم دونوں ہی پکّے پاجی اور بدمعاش معلوم ہوتے ہو۔ ابھی درد سے مر رہے تھے اور اب مرنے مارنے پر تُلے ہوئے ہو۔“

”تم جو چاہو گرا لو لیکن تمہیں ہم ساتھ لے جائیں گے۔“ میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔

”میں ہرگز تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“ ویرا تنک کر بولی۔ ”اب تو تم کھل کر سامنے آ گئے ہو۔“

”ابھی کہاں، کُھل کر تو بعد میں سامنے آئیں گے۔ تم جیسی حسین و جمیل عورت کے ساتھ جب تک کُھل کر کچھ وقت نہ گزارا جائے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔“

”تم ان کتوں . . . ملیشیائیوں کی بکواس سُن رہے ہو!“ ویرا نے روایتی نسوانی ہتھیار کا سہارا لیتے ہوئے روہانسی آواز میں پولیس افسر کی قومی غیرت کو للکارا۔ ”میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گی لیکن اِن کے گندے عزائم کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالوں گی چاہے یہ میرے چیتھڑے ہی کیوں نہ اڑا دیں۔“

”تمہارے چیتھڑے دھیمی آنچ پر سینک کر کباب پُرشباب بنائیں گے۔“ میں نے لذّت آمیز سفاکانہ لہجے میں کہا اور پولیس افسر کی قوتِ برداشت

جواب دے گئی۔ وہ اپنی پسلیوں میں اَڑی ہوئی نال کی پروا کیے بغیر پلٹا تھا۔ میں نے بلند آواز میں سلطان شاہ کو فائر کرنے سے منع کرتے ہوئے جست لگائی اور پولیس افسر کے سینے پر وحشیانہ ٹکر رسید کرتے ہوئے اُسے خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

زمین پر گرتے ہی اُس کے بدن میں بجلی سی سرایت کر گئی اور اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اُس نے اپنے ہولسٹر سے پستول نکال لینا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی میں اس کے سینے پر چڑھ گیا اور داہنی کھڑی ہتھیلی سے اس کی بائیں کنپٹی پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ ہلکی سی کراہ کے ساتھ اسی لمحے ساکت ہو گیا اور میں ہاتھ جھاڑتے ہوئے اُس کے سینے پر سے اُتر گیا۔

"سردی ناقابلِ برداشت ہے!" ویرا نے آہستگی سے کہا۔ "اب یہاں سے جلد از جلد نکلنے کی کوشش کرو ورنہ حوالات میں ٹھٹھرنا پڑے گا۔"

"وہ واقعی زندہ ہے نا؟" میں نے سلطان شاہ سے دوسرے پولیس افسر کے بارے میں پوچھا۔ درحقیقت میں ہمیشہ اور ہر ملک میں قانون کے نگہبانوں کا پورا پورا احترام کرتا تھا جس کا ثبوت یہ تھا کہ فرانس میں داخل ہونے سے پہلے گو میرے ہاتھوں متعدد بدمعاش، خونی اور منشیات فروش موت کے گھاٹ اتر چکے تھے لیکن قانون کے محافظوں سے کبھی میرا تصادم نہیں ہوا تھا لیکن فرانس میں داخل ہوتے ہی پیرس کے نواح میں تین پولیس افسر ہمارے ہاتھوں مارے جا چکے تھے اور دو اس وقت بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ المیہ یہ تھا کہ فرانس میں شی بہت بارسوخ تھی۔ اہم سرکاری اہل کاروں پر اس کی گرفت مضبوط تھی اور نادانستگی میں قانون کے محافظ مجرموں اور موت کے سوداگروں کی تنظیم 'شی' کے آلۂ کار بن گئے تھے اور محض شی کے ذمّے داروں کی خواہشات کے احترام میں ان کی فراہم کی ہوئی ہدایات پر ہمیں گھیرنے پر تُل گئے تھے اور یوں افسوس ناک انداز میں ہمیں ناچار ان کے مقابلے پر تُل جانا پڑا تھا مگر پھر بھی میری دلی خواہش یہی تھی کہ ہم غیر ضروری طور پر ان اہلکاروں کے ساتھ خون ریزی میں ملوث نہ ہوں۔

"زندہ ہے۔ میں نے بھی اس کی کنپٹی ہی چٹخائی تھی۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا پھر تلخ لہجے میں بولا۔ "مجھے بیمار بنا کر تم نے دردِ زہ کا کیا چکر شروع کر دیا تھا؟"

"سچ پوچھو تو اس وقت میں انھیں بس اُلجھانا چاہ رہا تھا اس لیے تمھاری دردناک کراہیں سُن کر ذہن میں جو تصوّر پیدا ہو رہا تھا وہ بے اختیار زبان پر آ گیا . . . وہ تو بعد میں ناف ٹلوں کی سوجھ گئی ورنہ بات نباہنا مشکل ہو جاتی۔" میں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"میرا خیال تھا کہ تم سلطان شاہ کے لیے کوئی ایسی بیماری ایجاد کرنے کی فکر میں تھے جسے پولیس اسپتال کے ماہرین بھی نہ سمجھ سکیں اسی لیے گفتگو میں دخل انداز ہوئی تھی۔" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا، پھر پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ میرے بارے میں تم اس سے جو کچھ کہہ رہے تھے وہ کہاں تک درست تھا؟"

"درست ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "وہ تو نری خرافات تھیں۔ میں تو بس یہ چاہ رہا تھا کہ پولیس والے تمھیں ہمارا مددگار نہ سمجھنے پائیں اس لیے تمھارے اغوا کی داغ بیل ڈال رہا تھا۔"

"سمجھ میں بھی گئی تھی لیکن کاش تم میرا دل رکھنے کے لیے ہی اس وقت ذرا سا جھوٹ بول لیتے۔" وہ اُداس مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"دل تو تمھارا میرے دل میں رکھا ہوا ہے . . ." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی وقت سلطان شاہ نے ویرا کی کار کی طرف سے مجھے پکارا تھا۔ "ادھر تشریف لے آیئے . . . یہ دوزخی سانڈ میرے اکیلے کے بس کا روگ نہیں ہے۔"

"یہ ہمیں اکٹھا دیکھ کر کس قدر جلتا ہے۔" ویرا تلخ لہجے میں بولی۔ "اچھا ہے تو کالر سے پکڑ کر اسے بہ آسانی باہر گھسیٹ سکتا ہے لیکن وہ تمھیں ایک پل بھی میرے پاس نہیں چھوڑ سکتا۔"

"یہ نہ کہو — ہم نے بارہا اکٹھے وقت گزارا ہے۔" میں نے سلطان شاہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔

"اس کی لاعلمی میں تم جو چاہو کرتے پھرو، جانتے بوجھتے وہ تمھیں ایک پل کے لیے بھی سُکھ کا سانس نہیں لینے دے گا۔" اُس کی آواز میرے کان میں آئی مگر میں اسے نظرانداز کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

سلطان شاہ پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولے میرے انتظار میں کھڑا ہوا تھا۔ نشست کے سہارے پائیدان میں پڑے ہوئے پولیس افسر کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سلطان شاہ نے اُسے چھیڑنے کی ذرا بھی زحمت کی ہوتی تو وہ اپنے زور میں خود ہی باہر آ گرا ہوتا۔ مجھے دیکھتے ہی سلطان شاہ نے اس کا ایک بازو تھام کر ہلکا سا زور لگایا اور میری کسی مدد کے بغیر وہ باہر آ گرا۔ سلطان شاہ نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ بے ہوش افسر کی کھوپڑی پر مزید کوئی ضرب نہ آنے پائے۔ پھر اُسے کار کے پہیوں سے ذرا دور گھسیٹ لیا۔

"جب خود ہی اسے اُتار سکتے تھے تو مجھے بلانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے غصیلی مگر دھیمی آواز میں سوال کیا کیونکہ ویرا اردو بہت اچھی طرح سمجھ اور بول لیتی تھی۔

"تمھاری موجودگی سے ذرا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولا۔ "اس حرّافہ کو یقیناً میری مداخلت ناگوار گزری ہو گی۔ وہ جب تم سے ملتی ہے، تم پر چھا جانے کی کوشش میں لگی رہتی ہے۔"

"تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ وہ ہمیشہ بدترین وقت پر ہمارے کام آئی ہے . . . اب آج ہی کا واقعہ لے لو، اگر وہ ہمیں تلاش کرتی ہوئی ہم سے نہ آ ٹکراتی تو ہم ابھی تک لیون میں ہی پولیس کے بچھائے ہوئے کسی جال میں پھنس چکے ہوتے۔" میں نے ویرا کا دفاع کرتے ہوئے مڑ کر دیکھا تو وہ سینئر پولیس افسر پر جھکی ہوئی غالباً اس کی جیبوں میں اپنا میجر کے عہدے والا شناختی کارڈ تلاش کر رہی تھی جو اسے واپس نہیں

لوٹایا گیا تھا۔

"میں صرف اتنا تسلیم کر سکتا ہوں کہ ابھی اس کا ضمیر کسی حد تک زندہ ہے اور اس پر یہ بوجھ سوار ہے کہ عزالہ بھابی اسی کی سازش کی وجہ سے اندوہناک حالات کا شکار ہوئی ہے، وہ تمہارے ساتھ جو کچھ کر رہی ہے، اسی دباؤ اور احساس کے تحت کر رہی ہے ورنہ عود تمہیں کسی کنویں میں گرا چکی ہوتی۔" اُس کا لہجہ تُرش ہو گیا تھا۔

"وہ آ رہی ہے!" میں نے جلدی سے کہا "پیچھے بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔"

"تمہارے بتائے بغیر ہی میں اپنے مقام سے واقف ہوں۔" اُس نے موقع پاتے ہی پھر چوٹ کی۔ "اگر تم پیچھے بیٹھ گئے تو وہ سارے راستے کیبن لائٹ جلا کر عقب نما آئینے میں تمہارا دیدار کرتی رہے گی اور کوئی سنگین حادثہ کر بیٹھے گی۔"

"تم بہت گستاخ اور سوُر ہو گئے ہو سلطان شاہ!" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "دشمنوں کی بھیڑ میں اگر کسی بھی وجہ سے ہمیں اس کا تعاون حاصل ہے تو ہمیں اس کی قدر کرنا چاہیے۔"

"تم اس کی اتنی قدر کرتے رہتے ہو پھر میری کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔" وہ دروازہ کھول کر عقبی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ویسے بھی ایک عورت کے اگر دو قدردان پیدا ہو جائیں تو کہیں نہ کہیں تصادم ضرور ہوتا ہے۔ . . مجھے تمہاری دوستی زیادہ عزیز ہے، میں ایسی قدردانی سے باز آیا۔"

میں اس پر غصہ آنے کے باوجود کچھ نہ کہہ سکا اور خفت مٹانے کے لیے ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا، جو قریب آ چکی تھی۔ "کیوں جامہ تلاشی لے رہی تھیں اُس بے چارے کی؟"

"اینٹی نارکوٹکس ریزرو فورس کا کارڈ اُسی کے پاس رہ گیا تھا۔ میرے لیے موجودہ حالات میں یہ کارڈ بہت اہم ہے۔ اس کی موجودگی میں کوئی غیر فوجی ایجنسی مجھے براہِ راست گرفتار کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یہ دونوں پولیس والے میری طرف سے بے پروائی برت رہے تھے۔"

"ڈرائیونگ تم ہی کرو گی۔" میں نے اُسے پسنجر سیٹ کی طرف آتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "اور ہاں۔ ذرا سفر کی سمت کے بارے میں بھی نظرِ ثانی کر لینا — یہ دونوں صرف بے ہوش ہوئے ہیں، مناسب طبّی امداد مل گئی تو ایک آدھ گھنٹے میں ہی ہوش میں آ کر پورے محکمے کو ہماری موجودہ سمت سے آگاہ کر دیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو — ہم بدستور مارسیلز کی طرف ہی سفر جاری رکھیں گے۔" اُس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا "اب کوئی ہماری راہ نہیں روکے گا۔"

"اگر تمہیں اس کی جامہ تلاشی کے دوران میں جادوئی ٹوپی مل گئی ہے تو ضرور ایسا ہی ہو گا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ پولیس افسر ہونے کے ساتھ ہی شی کا تنخواہ دار بھی ہے۔ اس کے شناختی کاغذات میں شی کا کارڈ بھی موجود تھا جو میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔" وہ میری کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

"اور پولیس کا محکمہ اس کارڈ کی اصلیت سے لاعلم ہے؟"

"چھوٹا سا تصویری کارڈ ہے جس پر ایک نابینا کی صرف آنکھیں فوکس کی گئی ہیں۔ بظاہر نابیناؤں کی کسی تنظیم کا تعارفی کارڈ لگتا ہے جس پر کوئی تحریر نہیں ہے۔ یہ کارڈ شی کے تنخواہ دار سرکاری اہلکاروں کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ ہمارے گرفتار ہونے والے کارندوں کو اپنی شناخت کرا کے حقائق معلوم کر سکیں۔" اُس نے گاڑی واپس مارسیلز کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

"پھر تو وہ ہوش میں آتے ہی زیادہ شدّت سے تمہیں تلاش کرے گا کیونکہ محکمے کے ساتھ ہی اسے تنظیم کو جواب دہی کی فکر بھی لاحق ہو جائے گی۔ . ."

"اب تمہیں یہ چُٹکلا بھی بتانا پڑے گا۔" وہ میری بات کاٹ کر ہنستے ہوئے بولی۔ "مجھے نہیں معلوم کہ اُس کا ماتحت تنظیم کا وفادار ہے یا قانون کا لیکن میں اس کارڈ کے سرے پر ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے تین مخصوص دائرے بنا آئی ہوں، جس کا مطلب ہے کہ وہ اب اس معاملے کو بالکل بھول جائے کیونکہ اس سے بڑے لوگ براہِ راست اس معاملے کو دیکھ رہے ہیں۔ اگر وہ اپنے ماتحت سے پہلے ہوش میں آ گیا تو یقین کرو کہ ہمارے یہاں سے گزرنے کا قصّہ ہی ان دونوں کے سوا کسی تیسرے کے علم میں نہ آ سکے گا۔ کوئی اور صورت پیش آئی تو وہ حقائق کو اس قدر مسخ کر کے پیش کرے گا کہ سب بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہ جائیں گے۔"

"تو تمہیں پہلے سے معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ تمہارا ہی آدمی ہے؟"

"شی چند آدمیوں کا گروہ نہیں، ایک عالمگیر تنظیم ہے جس کے مفادات کے تحفّظ کے لیے بیک وقت ہزاروں افراد کام کرتے رہتے ہیں۔" وہ کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے بولی۔ "اسی وجہ سے باہمی شناخت کے لیے سلور آئی اور بلائنڈ کارڈ جیسی چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔ اگر مجھے اس کی اصلیت کا ذرا بھی اندازہ ہو جاتا تو اُسے ریزرو فورس کے کارڈ کے بجائے سلور آئی دکھاتی اور وہ بھیگے ہوئے چوہے کی طرح اپنی سرکاری گاڑی کی حفاظت میں ہمیں مارسیلز پہنچاتا۔ یہ صرف ڈسپلن ہی ہے جو اتنی بڑی تنظیم کامیابی سے چل رہی ہے۔"

"کیا پیرس کے واقعات کے بعد بھی سلور آئی کی کوئی افادیت باقی ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تم بل ایتھی کو بھول جاؤ کیونکہ اتفاقاً وہ خود آئی مین تھا اور اسے ایک سکّہ گم ہو جانے کی تفصیلات معلوم تھیں ورنہ اس سے نچلے درجے کا کوئی رکن سلور آئی کی توہین نہیں کر سکتا۔ شی میں سلور آئی کی بہت زبردست ساکھ ہے۔ کارندوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت آئی مین کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی، وہ جو چاہتا ہے، ہر صورت میں ہو کر رہتا ہے۔ اب تم خود ہی سوچو کہ اس لیجنڈ

کو شی کے بڑے کیسے تباہ کر سکتے ہیں؟ جس دن کارندوں کو پتا چلا کہ ایک سلور آئی دشمن کے قبضے میں ہے، طاقت اور عظمت کے اس نشان کی ساکھ مٹی میں مل جائے گی اور خود تنظیم میں بہتیرے لوگ کسی آئی مین کو ہلاک کر کے سلور آئی حاصل کرنے کے خواب دیکھنے شروع کر دیں گے۔ ان کو بھوکے اور خونخوار کتّوں کی طرح لڑنے سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ سلور آئی کی چوری کا راز ہر قیمت پر چھپایا جائے جس کے افشا ہوتے ہی سارا ڈسپلن آنِ واحد میں تباہ ہو جائے گا اور کوئی آئی مین ذاتی محافظوں کے گھیرے کے بغیر اپنے لوگوں میں نہ جا سکے گا جو ہر روپ میں انسانی لہو کی ہولی کھیلنے کے عادی ہیں۔"

"یہ گفتگو شاید ہماری اس ملاقات کا نچوڑ ہے۔" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے پرخیال لہجے میں کہا۔ "بل ایتھی کے تلخ تجربے کے بعد میں نے سلور آئی کو بھلا دیا تھا لیکن تمہاری باتیں قابلِ فہم ہیں۔ شی کی پوری عمارت ساکھ کی بنیادوں پر کھڑی ہوئی ہے جس دن جمی لائیڈ کی گمنام یا دُہری شخصیت کا راز افشا ہوا تنظیم ہی میں سے کوئی طالع آزما قاتل اسے کنگ لائنز کے مرکزی دفاتر میں ہلاک کر کے اُس کی جانشینی اختیار کرنے کے ارادے سے چل پڑے گا۔ یہی حال سلور آئی کا بھی ہے اب میں اس طلائی سکّے کی اصل اہمیت سے واقف ہوا ہوں اور میرا خیال ہے کہ چند گنے چُنے آئی مین کے علاوہ کوئی میرے اختیار کو چیلنج نہیں کر سکے گا۔"

"شی کا سربراہ کون ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔" ویرا بولی۔ "یورپ اور امریکا میں جمی لائیڈ کے بارے میں صرف افواہیں ہی افواہیں ملتی ہیں۔ اس سے ملاقات کا دعویدار آج تک پیدا نہیں ہو سکا۔ میں نے شی کے ساتھ رہتے ہوئے اس طویل مدّت میں صرف لاہور کا لائیڈز کا رنج ہی دیکھا تھا جو جمی لائیڈ سے موسوم تھا ورنہ تنظیم کا کوئی ٹھکانا یا جائداد اُس کے نام پر نہیں ہے۔ ہم سب کے لیے وہ بس ایک مفروضہ نام ہے۔"

"یہ تو ناممکن ہے کہ وہ کبھی اپنے لوگوں کے سامنے نہ آیا ہو!" میں نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"وہ اہم اجلاسوں کی صدارت بھی کرتا ہے مگر سر سے پیر تک سیاہ نقاب میں ملبوس ہوتا ہے۔ جہاں اس کی آمد متوقع ہوتی ہے وہاں روشنیاں دھیمی رکھی جاتی ہیں۔ وہ عین مقررہ وقت پر آتا ہے اور اپنا کام نمٹا کر سب سے پہلے واپس چلا جاتا ہے اسی وجہ سے ہر درجے کے کارکنوں پر اس کی دہشت بیٹھی ہوئی ہے۔"

"لیکن یہ کیسے پتا چلتا ہے کہ سیاہ لباس اور نقاب میں شی کا اصل سربراہ موجود ہوتا ہے؟"

"ساکھ اور ڈسپلن۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔ "شی کا ہر عہدیدار اپنے ماتحتوں میں نام اور صورت سے زیادہ اپنے کوڈ سے پہچانا جاتا ہے اور جمی لائیڈ مسلسل اپنا کوڈ استعمال کرتا چلا آرہا ہے۔" وہ توجہ کے ساتھ ڈرائیونگ کرتے ہوئے بولی۔ "دراصل تنظیم کا سربراہ ایک اعتبار سے سپر آئی مین ہے کیونکہ وہ بیک وقت تین سلور آئیز رکھتا ہے آج اگر تم ایک خارش زدہ کتّے کے گلے میں تین نقرئی سکوں کا ہار ڈال کر اُسے سڑک پر ہانک دو تو تنظیم کے ارکان سینوں پر ہاتھ باندھ کر تعظیماً اس کے پیچھے ہو لیں گے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر میں مزید دو نقرئی سکّے حاصل کر لوں تو بے خوف ہو کر جمی لائیڈ کے مقابل آ سکتا ہوں بہت سے لوگ مجھے اپنا سربراہ تسلیم کر لیں گے۔"

"صرف نچلے درجے کے آدمی متاثر ہو سکیں گے۔ ان کے لیے تو اکلوتی سلور آئی بھی کافی ہے لیکن شی کے بڑوں کو ایک سکّے کی چوری کا علم ہے۔ مزید دو سکّے حاصل کر کے بھی تم انھیں اپنا ہم نوا نہ بنا سکو گے۔ بڑوں کا ٹولہ شی کے ہر اچھے بُرے راز سے واقف ہوتا ہے اس کا اندازہ تمھیں بل ایتھی سے تصادم میں ہو گیا ہوگا۔"

"تم دونوں مفروضات میں اپنا سر کھپا رہے ہو۔" سلطان شاہ عقبی نشست سے بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ شی اور کنگ لائنز، دونوں کا سربراہ جمی لائیڈ ہے اور وہی ہمارا نشانہ ہے وہ ہم سے واقف ہے اسے ہم تین کیا تیس سکوں سے بھی دھوکا نہیں دے سکیں گے۔ رہے دوسرے کارندے تو اُن کے لیے ایک سلور آئی ہی کافی ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن میں شی کا طریقہ کار سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا۔ "میں کراچی میں مدت دراز تک شی میں اہم عہدے پر فائز رہا لیکن ویرا کی باتیں مجھے آج بھی اجنبی اور تجسس انگیز محسوس ہو رہی ہیں ایک تہ اترتی ہے تو دوسری تہ سامنے آجاتی ہے۔ اندر کا بھید نہیں کھلتا۔"

"ہمارا سفر بہ صحیح سمت میں جاری ہے۔" ویرا پرخیال لہجے میں بولی۔ "ہم دن بہ دن شی کے مرکز سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم نے سلور آئی کو احتیاط سے استعمال کرنا شروع کر دیا تو ہماری سرکوبی کے لیے مجبوراً جمی لائیڈ کو خود میدان میں آنا پڑے گا۔"

"بے پناہ وسائل پر دسترس رکھتے ہوئے اُسے کیا مجبوری لاحق ہو سکتی ہے؟ وہ کیوں میدان میں آئے گا؟" میں نے اُلجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم اپنا گن بوٹ والا تجربہ بھول رہے ہو۔" وہ طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولی۔ "کارکن اپنے آئی مین کے احکام پر دل و جان سے عمل کرتے ہیں اگر تم انھیں رازداری کی تاکید کر دو تو وہ شی میں کسی کو تمہارے وجود کی ہوا بھی نہ لگنے دیں گے اور تمہارے لیے کام کرتے رہیں گے۔"

"لیکن گن بوٹ کے عملے نے تو بل ایتھی کو سب کچھ بتا دیا تھا۔"

"تمھاری بدقسمتی کہ بل ایتھی خود آئی مین تھا۔ پھر بھی وہ اُسے کچھ بھی نہ بتاتے کیونکہ منصب میں وہ تمہارے برابر تھا۔ وہ تو بل ایتھی نے اپنے شبہات کی بنا پر ان سب کو اپنا قیدی بنا لیا اور اس کے تشدد کے سامنے ان لوگوں کی قوتِ برداشت جواب دے گئی ورنہ ایک سکّے والے کے

بارے میں عموماً تین سکّوں والا یعنی جمی لائیڈ ہی بازپُرس کا حق رکھتا ہے' اسی لیے میرا اندازہ ہے کہ اب اسے خود میدان میں آنا پڑے گا۔“

”کاش کہ تمھارے قیاسات درست ہوں۔“ میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”یہ معاملہ میری توقع سے کہیں زیادہ طول پکڑ گیا ہے' اسے اب کہیں نہ کہیں ختم ہونا ہی چاہیے۔“

”کیا یہ ممکن نہیں کہ جمی لائیڈ خود میدان میں آنے کے بجائے اپنے اعتماد کے کسی آدمی کو تین سکّے سونپ کر میدان میں اُتار دے۔“ اس مرحلے پر سلطان شاہ بھی ذہنی طور پر ہماری گفتگو کی طرف متوجہ تھا جو اردو میں ہی ہو رہی تھی۔

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی۔ ”بہت بھولے بادشاہ ہو... کرسی بہت ظالم چیز ہوتی ہے' اسے بھلا کون کسی کو سونپتا ہے۔ زیرِ زمین دنیا میں اقتدار کا معاملہ امرانہ حکومتوں سے زیادہ حسّاس اور خطرناک ہوتا ہے۔ جسے بھی ایک بار تین نقرئی سکّے مل گئے' وہ دوبارہ جمی لائیڈ کا تابع نہیں ہو سکے گا۔ اقتدار میں تو سگے خون تک پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا یہ گاڑی جب تک چل رہی ہے' اسی طرح چلتی رہے گی۔ جس دن کسی اور نے جمی لائیڈ کے اختیارات پر عارضی تصرّف اختیار کر لیا، اسی دن شی میں سازش اور بغاوت کی داغ بیل پڑ جائے گی۔“

”تم مارسیلز میں شی کے طریقۂ کار سے باخبر ہو؟“ میں نے سوال کیا۔

”فرانس میں لی ہاروے کی بندرگاہ کے بعد مارسیلز ہمارا اہم ترین آپریٹنگ سینٹر ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”وہاں ملاّحوں اور دوسرے بحری عملے کی بھیڑ بھاڑ میں باہر سے بآسانی ہمارا مال اندر آتا ہے اور ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہو جاتا ہے۔ ہیروئن کی تجارت کا زیادہ زور اسی شہر پر ہے اور بدقسمتی سے وہاں کا مقامی سربراہ میرا دیرینہ حریف ہے جس سے میری کبھی نہیں بن سکی' اس لیے میں پس پردہ رہ کر تمھاری مدد ضرور کرتی رہوں گی لیکن کھل کر سامنے نہیں آ سکوں گی۔ عملاً سارے معاملات تم ہی کو نمٹانے ہوں گے ورنہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔“

”اگر تم ہی آئی وومن بن جاؤ۔“ سلطان شاہ نے کہا۔ ”پھر تو تمھارا دیرینہ حریف بھی تمھارے احکام سے سرتابی کی جرأت نہ کر سکے گا۔“

”شی میں آئی مین کی اصطلاح رائج ہے۔ یہ اعزاز آج تک کسی عورت کو نہیں دیا گیا۔ اس تبدیلی کو لوگ آسانی سے ہضم نہیں کر سکیں گے اور ان کے ذہنوں میں شبہات پروان چڑھتے رہیں گے۔“

”پھر تم ڈیلٹا کیمپ میں سلور آئی میرے حوالے کرنے سے کیوں ہچکچا رہی تھیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”لوگوں کے ذہنوں میں شبہات ضرور پیدا ہوں گے لیکن میرے پاس سلور آئی ہونے کی صورت میں وہ میرے احکام کی تعمیل سے اس وقت تک انکار نہیں کر سکیں گے جب تک کہیں سے اُن کے شبہات کی تصدیق نہ ہو جائے۔ اسی امکان کی وجہ سے کسی ہنگامی ضرورت کے لیے میں سلور آئی اپنے پاس رکھنا چاہ رہی تھی۔“

اس وقت اس سے ہونے والی گفتگو بہت اہم اور خیال انگیز تھی۔

میں خاموشی کے ساتھ مارسیلز میں اپنے امکانی طریقۂ کار پر غور کرنے میں مصروف ہو گیا اور ویرا نے اپنے لبوں سے نئی سگریٹ لگا لی۔

کار رات کے اندھیرے اور سرد موسم میں تیزی سے مارسیلز کی طرف اُڑی جا رہی تھی۔

مونٹیگون تک ہمارا سفر موٹر وے پر جاری رہا پھر ویرا نے کار اس سے ملحقہ ایک دوسری شاہراہ پر ڈال دی۔ ہمیں تو شاید اس تبدیلی کا علم بھی نہ ہو پاتا لیکن ویرا نے ہمیں خود ہی آگاہ کیا کہ وہ مارسیلز جانے والے سیدھے راستے کو چھوڑ کر دانستہ پُرپیچ راستہ اختیار کر رہی تھی تاکہ کسی امکانی مزاحمت کو ٹالا جا سکے۔ اس طرح مونٹیگوں سے گزرنے کے بعد بہت سی دیہی آبادیوں کے علاوہ ایوگنون، تاراسکون، سینٹ ریمی اور مارٹیگوئیس نامی خوب صورت قصبات سے گزرتے ہوئے صبح کے تین بجے مارسیلز کی حدود میں داخل ہوئے۔ اس وقت شہر پر ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ اور مشقت کے بعد اس شہر کے باسی شہر کی سرد اور کہر آلود فضا سے بچ کر اپنی گرم خواب گاہوں میں نرم اور آرام دہ بستروں کی آغوش میں دبکے ہوئے تھے۔ ملاّحوں اور سیّاحوں کے لیے انسانی کٹھ پُتلیوں کے ہیجان انگیز ناچ تماشے دکھانے والے شبینہ کلب بھی اپنے گاہکوں کی جیبیں نچوڑ کر اگلی شام کے انتظار میں بند ہو چکے تھے۔

ویرا شاید مارسیلز میں قیام کے بارے میں راستے میں ہی فیصلہ کر چکی تھی کیونکہ شہر میں وہ کہیں ٹھٹکے یا بھٹکے بغیر تیز رفتاری کے ساتھ شہر کی روشن مگر ویران سڑکوں پر گاڑی ڈرائیو کرتی رہی اور آخر کار شہر کے ایک آسودہ حال علاقے میں اس نے اپنی کار ایک وسیع و عریض مکان کے بند آہنی پھاٹک کے سامنے روک دی۔

ویرا نے پھاٹک پر کار روکتے ہی ہیڈ لیمپس آف کر کے انجن بند کر دیا تھا لیکن اسی قلیل سے عرصے میں اندر والوں نے اپنے دروازے پر کسی کی آمد نوٹ کر لی تھی کیونکہ ویرا کے کار سے اترتے ہی ذیلی دروازہ کھلا تھا اور اس میں سے ایک مسلح اور چاق و چوبند دربان اپنی وردی درست کرتا ہوا نمودار ہوا تھا۔ اس کی مستعدی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنے مالکان کے سو جانے کے باوجود وہ پوری طرح بیدار رہ کر اپنے فرائض ذمّے داری کے ساتھ ادا کر رہا تھا۔

اس نے ویرا پر نگاہ پڑتے ہی فرنچ میں کوئی سوال کیا تھا۔ شاید ویرا اس کے لیے اجنبی تھی۔ ویرا نے فرنچ میں کئی ثانیوں تک شاید اپنی آمد کا مدعا ظاہر کیا اور وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے واپس ذیلی دروازے میں غائب ہو گیا۔ اس اثنا میں مَیں نے کار سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تھا لیکن دروازہ کھلتے ہی چہرے سے ٹکرانے والے سرد ہوا کے جھونکے نے فوری طور پر ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا اور میں کار کی حرارت آمیز فضا میں دبکا رہ گیا۔

مسلح دربان کے اندر لوٹتے ہی ویرا بھی پھریریاں لیتی ہوئی کار میں آگئی۔

”یہ کہاں لے آئی ہو؟“ میں نے اپنے وجود پر چھائی ہوئی کھولت جھاڑنے کی نیت سے رسماً سوال کر ڈالا۔

”یہ چارلس میراندے کا مکان ہے۔“ وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”آج سردی کے ساتھ ہی ہوائیں بھی چل رہی ہیں۔ کار میں ہیٹر نہ چل رہا ہوتا تو ہم راستے میں ہی جم کر رہ جاتے۔“

”اچھا ہوتا۔ کم از کم نیند تو پوری ہو جاتی۔“ پیچھے سے سلطان شاہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”اب دیکھو کہ یہاں رات کیسے گزرتی ہے۔“

”رات نہیں برخوردار! اب دن شروع ہو چکا ہے۔ صبح کے سوا تین بج رہے ہیں۔“ میں نے اسے چڑانے والے لہجے میں کہا۔

”تمھیں رُخِ زیبا کی وجہ سے دن نظر آ رہا ہوگا۔ ادھر میں اکیلا ہوں اس لیے رات ہی رات ہے۔“ اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ”جگہ بدل لو تو شاید میری رائے بھی بدل جائے گی۔“

میں فراخ دلی کے ساتھ ہنسنے لگا اور ویرا غصیلی آواز میں بولی۔ ”تم نے اسے حد سے زیادہ سر چڑھا رکھا ہے۔ سچ کہہ رہی ہوں کہ اس کی بدتمیزیاں جاری رہیں تو کسی وقت اسے مار بیٹھوں گی۔“

”مارنے کی اجازت ہے لیکن بیٹھنے سے پہلے ہوشیار کر دینا تاکہ میں اپنی ہڈیاں پسلیاں بچا سکوں۔“ راستے میں ستا لینے کی وجہ سے سلطان شاہ کا دماغ اس وقت حیرت ناک طور پر حاضر تھا۔

”میں اتنی بھاری اور بے ہنگم ہوں؟“ ویرا غراتے ہوئے اس کی طرف پلٹ پڑی اور میں بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے سمجھانے میں مصروف ہو گیا ورنہ اس وقت بات بڑھ سکتی تھی۔

اسی وقت ذیلی دروازہ پھر کھلا اور وہی محافظ ہمیں اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ہمارے لیے مین پھاٹک نہیں کھولا گیا تھا۔

”کوئی چکر معلوم ہوتا ہے؟“ میں نے تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”میراندے بد دماغ اور تُند خو آدمی ہے، ذرا مشکل ہی سے قابو میں آئے گا۔“ ویرا بولی۔ اس بار وہ گاڑی سے نہیں اتری تھی۔ بلکہ شیشہ قدرے گرا کر محافظ کا انتظار کر رہی تھی جو اپنے وزنی اوور کوٹ کے کھڑے ہوئے کالر میں اپنی گردن چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے آگے آ رہا تھا۔

محافظ نے قریب آ کر سپاٹ لہجے میں ویرا کو کوئی پیغام دیا اور پھر ان دونوں کے درمیان ایک مذاکرے کا آغاز ہو گیا۔ محافظ کے یکساں اور پُرسکون لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ایک مؤقف پر ڈٹا ہوا تھا جو یقینی طور پر اندر سے ملنے والی ہدایت کے مطابق رہا ہوگا جب کہ ویرا شاید متبادل راستے تجویز کر رہی تھی۔ کئی منٹ کی بحث و تمحیص کے بعد ویرا میری طرف متوجہ ہو گئی۔

”میراندے مارسیلز کے کاروبار میں مقامی سربراہ کا نائب ہے۔“ وہ اردو میں بولی۔ ”میں نے اپنا نام بدل کر اسے پیغام بھجوایا تھا کہ میں بیرونِ شہر سے اس سے ملنے آئی ہوں لیکن اس نے اس وقت کسی بھی مہمان سے ملنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے، اس وقت اس کی سگی ماں بھی آئی ہو تو وہ صبح آٹھ بجے سے پہلے اسے اندر نہیں آنے دے گا جب کہ میرا مفروضہ نام اس کے لیے سرے سے اجنبی ہے، چوکیدار اپنے مالک کے غصے سے بہت خائف ہے اور بمشکل اس بات پر راضی ہو سکا ہے کہ انٹرکام پر میراندے سے براہِ راست ہماری بات کرا دے۔ میرا خیال ہے کہ تم میرے ساتھ محافظ کے کیبن میں چلو۔“

ہم دونوں ہی گاڑی سے اتر گئے۔ محافظ سر جھٹک کر فرنچ میں کچھ بڑبڑائے جا رہا تھا۔ لیکن وہ کسی گھاگ عقاب کی طرح ہماری ایک ایک نقل و حرکت بھانپ رہا تھا۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ضرورت پیش آنے پر وہ اپنا آتشیں اسلحہ نکالنے اور استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

اپنے کیبن میں پہنچ کر محافظ نے ایک بار پھر ویرا کو کچھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس کے اصرار پر ریسیور اس کے ہاتھ میں دے کر بائیس نمبر سوئچ خفیف سا دبا کر انگلی ہٹا لی۔

”آہستہ بولو میراندے! میں ویرا بول رہی ہوں۔“ انٹرکام کے ریسیور پر ابھرنے والی آواز کی گونج میرے کانوں تک بھی پہنچی تھی

شگفتہ سیریز
اردو کے تفریحی ادب کا ایک نیا رُخ
طنز و مزاح سے بھرپور ہلکے پھلکے رومانی ناول
آپ کے جانے پہچانے مشہور ادیب اثر نعمانی کے قلم سے
قہقہے ہی قہقہے
گھر کی مُرغی قیمت ۳۰ روپے
حکیمی ٹیکسی قیمت ۳۰ روپے
آپ کے سر پر قیمت ۲۰ روپے
بے وقوف قیمت ۳۰ روپے
شرارت قیمت ۳۰ روپے
بی وی کی تلاش قیمت ۲۰ روپے
مسٹر بیداری قیمت ۳۰ روپے
اُلّو کی دُم قیمت ۳۰ روپے
اور سہی... قیمت ۳۰ روپے
یہ کتابیں اس وقت پڑھیے جب آپ بور ہو رہے ہوں
بور ہونا چھوڑیں، مسکرانا سیکھیں
تمام کتابیں آج ہی منگا لیں
۲۳ ۲۵۰
کتابیات پبلی کیشنز۔ پوسٹ بکس ۲۳ رمضان چیمبرز بلیو یا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

لیکن ویرا نے انگریزی میں بڑا نرم لہجہ اختیار کیا تھا۔

”تم درست کہہ رہے ہو“ چند ثانیوں تک توقف کر کے دوسری طرف کی بات سننے کے بعد وہ بولی ”میں نے اپنا فرضی نام بتایا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم مہمانوں کے ساتھ اس قدر سخت گیر ہو گے۔ دراصل میں تو صرف قاصد ہوں‘ تمہارا اصل مہمان میرے ساتھ ہے‘ وہ صرف انگریزی جانتا ہے‘ اسی لیے میں تمہاری فرنچ کے جواب میں انگریزی بول رہی ہوں‘ اس طرح تمہارا دربان بھی یہ گفتگو نہیں سمجھ سکے گا...“

وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی اور چند ثانیوں بعد بولی ”یہ دلالی میرے بس کی نہیں ہے‘ جو کہنا ہے خود ہی کہہ دو۔ میں ریسیور تمہارے مہمان کو دے رہی ہوں۔ پھر کہے دے رہی ہوں کہ تمہارا یہ مہمان وی آئی پی ہے جو کچھ کہو سوچ سمجھ کر کہنا ورنہ بعد میں پچھتانے کا موقع نہیں ملے گا۔“

یہ کہتے ہوئے ویرا نے ریسیور مجھے دے دیا۔ شاید اس کے آخری فقرے کارگر ہوئے تھے کیونکہ دوسری طرف لائن پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔

”میں آئی مین بول رہا ہوں میراندے!“ میں نے محافظ پر نگاہ رکھتے ہوئے دھیمی مگر غراتی ہوئی آواز میں براہِ راست اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ”کیا بات ہے؟ ناوقت نیند خراب کیے جانے پر بہت زیادہ برہم معلوم ہو رہے ہو؟“

”نن... نہیں سر... ہرگز نہیں۔“ ریسیور میں اس کی نقاہت آلود آواز سنائی دی جس میں خوف کا عنصر نمایاں تھا۔ ”ساری غلطی مادام ویرا کی ہے۔ وہ اپنا نام بھی لے دیتی تو میرا رویہ مختلف ہوتا۔ میرے پاس بڑے بڑے گھرانوں کی عورتیں اکثر اسی طرح رات گئے آ جاتی ہیں اور اپنا سب کچھ مجھے سونپ کر منہ مانگے داموں پر براؤن شوگر کی طلب گار ہوتی ہیں۔ ابتدا میں میرے لیے ایسے تجربات دلچسپ اور سنسنی خیز ہوتے تھے مگر اب میں اکتا گیا ہوں۔ میں بے وقت ملاقاتیوں اور خاص طور پر اجنبی عورتوں کو دروازے سے ہی دھتکار دیتا ہوں۔“

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر میں اندر سے کانپ کر رہ گیا۔ ہیروئن واقعی بدترین لعنت تھی‘ اگر مارسیلز کی معزز عورتیں بدنامی سے بچنے کے لیے رات کے اندھیرے میں میراندے کی نیند خراب کر کے اپنا نشہ خریدنے آتی تھیں تو وہ شاید اتنا شرمناک نہیں تھا جتنا ان کا محض خوشامد کے لیے خود سپردگی کا جذبہ۔

اب تک جو کچھ خونریزی ہوتی رہی تھی وہ زیادہ تر دفاعی تھی اور بڑی حد تک ناگزیر بھی لیکن اس بار ویرا نے مجھے ایک ایسے گھناؤنے مجرم کے دروازے پر لا کھڑا کیا تھا جو زندہ رہ کر زندگیوں کے لیے روگ پھیلا رہا تھا لیکن اس کے عذاب یافتہ اسے اپنا محسن سمجھ کر اپنا سب کچھ اسے سونپ دینے پر تلے رہتے تھے۔

”پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے موسیو میراندے؟“ لحظہ بھر کے معنی خیز سکوت کے بعد میں نے اپنے وجود میں ابھرنے والی قہر اور انتقام کی لہر کو دباتے ہوئے طنزیہ لہجے میں دریافت کیا۔

”اجازت ہو تو انٹر کام بند کر کے میں پیشوائی کے لیے خود گیٹ پر حاضر ہوتا ہوں۔“ دوسری طرف سے گھگھیاتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا گیا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ مادام ویرا کی غلطی کی وجہ سے تم کو اتنی دیر انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی مگر میری ایک عاجزانہ التجا ہے۔“

اس کی خاموشی اجازت طلب تھی۔ ”کہو کہو میں سن رہا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”میں حاضر ہو رہا ہوں اور تمہاری میزبانی کا اعزاز قبول کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے اس مقدس طلائی سکے کی زیارت کرنا چاہوں گا جو ہم میں طاقت اور جبروت کی علامت ہے۔“ اس کا لہجہ عاجزانہ اور الفاظ شاعرانہ تھے لیکن مفہوم بہت واضح اور دو ٹوک تھا کہ سلور آئی دیکھے بغیر وہ مجھے آئی مین تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور اس کا وہ مطالبہ تنظیم کے مروجہ ضابطوں کے عین مطابق تھا۔

”تمہارا انداز پسند آیا میراندے!“ میں نے جواب دیا۔ ”تمہارا مطالبہ پورا کیا جائے گا۔“

”ارے میری کہاں یہ مجال کہ تم سے کوئی مطالبہ کر سکوں۔ میں تو تمہارے قدموں کی خاک بھی نہیں ہوں جسے تمہارے جوتوں کے تلے چھو لیں تو وہ سونا بن جاتی ہے...“ اس کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”بس بس‘ اداکاری کی ضرورت نہیں۔“ میں نے اسے وہیں ٹوک کر خاموش کر دیا۔ ”مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے ذہن اور صلاحیتوں سے کام لینا جانتے ہو۔ آج سردی کے ساتھ تیز ہوائیں بھی چل رہی ہیں‘ جلدی گیٹ پر آؤ۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“ یہ کہہ کر میں نے انٹر کام کا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

چند ثانیوں بعد ہی اس عمارت کے برآمدے اور سامنے والے بیرونی حصے میں بتیاں روشن ہونے لگیں پھر برآمدے میں نصب بلند و بالا چوبی دروازہ کھلا جس میں سے ایک دراز قامت سفید فام شب خوابی کے لبادے پر گاؤن کی ڈوریاں کستا ہوا نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے اس کی دو خادمائیں موجود تھیں جو بہت زیادہ خائف اور پریشان نظر آ رہی تھیں۔ شاید ان کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ اس وقت کون سا ایسا مہمان آ گیا تھا جس کے استقبال کے لیے ان کا آقا خلافِ معمول بستر چھوڑ کر خود پھاٹک کی طرف دوڑا جا رہا تھا۔

اس کے قریب آنے پر میں نے دیکھا کہ وہ سفید فام انتہائی کریہہ اور خوف آور شخصیت کا مالک تھا۔ کسی بلڈاگ کی طرح لٹکے ہوئے بھاری جبڑوں کے ساتھ اس کی پیشانی پر متعدد شکنیں موجود تھیں.... جو اس کے موٹے موٹے ہونٹوں پر موجود جبری مسکراہٹ سے ذرا بھی میل نہیں کھا رہی تھیں۔ اپنے قد و قامت کے علاوہ جسم کے اعتبار سے وہ مار دھاڑ کا شائق اور اذیت پرست معلوم ہوتا تھا۔ مجموعی طور

پر وہ پیرس والے بل ایتھی کا رشتے دار معلوم ہو رہا تھا۔

کچھ فاصلے سے جب اس نے دربان کے کیبن میں ہم تینوں کو دیکھا تو لمحہ بھر کے لیے اس کے چہرے پر تحیر کے آثار نمودار ہوئے جو فوراً ہی غائب ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت اگر میراندے کو سوال جواب یا کسی باز پرس کا ذرا بھی موقع دیا تو وہ میری مصنوعی شخصیت سے مناسب طور پر مرعوب نہیں ہو سکے گا لہٰذا میں نے اپنی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر سلور آئی اپنی مٹھی میں نکال لی۔ میری توقع کے عین مطابق ہمارے قریب پہنچنے تک میراندے کے چہرے پر استفسار کی علامات ابھر آئی تھیں لیکن اس سے قبل کہ وہ کیبن میں داخل ہو کر ہم سے کوئی سوال کرتا میں نے دروازے پر پہنچ کر روشنی میں اپنی مٹھی اس کے آگے کھول دی۔

اس سکے پر ابھری ہوئی خواب ناک آنکھ دیکھتے ہی وہ اسی مقام پر میرے سامنے رکوع کی حالت میں جھکتا چلا گیا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے سلور آئی پر نظر پڑتے ہی اس کے وجود کی کوئی کل خود کار نظام کے تحت حرکت میں آ گئی ہو۔

یوں ہی رکوع کی حالت میں آگے بڑھ کر میراندے نے ادب اور احترام سے میرے گھٹنے چھو کر میری ذات سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا۔ اگر معاملہ اپنے جیسے کسی عام انسان کا ہوتا تو میں ہرگز اس رویے کو پسند نہ کرتا لیکن اس وقت میں انا پرستوں کے خود سر غول کے ایک وحشی کے روبرو موجود تھا جسے عملاً اپنا تابع بنانے کے لیے سب سے پہلے اس کی انا پر کاری ضرب لگانا ضروری تھا لہٰذا میں نے پُرغرور انداز میں داہنے پیر کی جنبش سے اسے سیدھا ہونے کا اشارہ کیا اور وہ مشینی انداز میں اس طرح سیدھا کھڑا ہوا کہ مجھ سے نگاہیں چار نہیں کر رہا تھا بلکہ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

”یہ میری عزت افزائی ہے کہ تم نے مجھے اپنی میزبانی کے قابل سمجھا ہے۔“ وہ ممنون اور مشکور لہجے میں بولا۔ ”میں ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں کہ تمھیں یہاں انتظار کی زحمت سے گزرنا پڑا۔ میں مادام ویرا سے تو بخوبی واقف ہوں لیکن تمھارا یہ ساتھی میرے لیے اجنبی ہے۔“ آخری فقرہ اس نے سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ادا کیا تھا جو اس دوران میں کار سے اتر کر کیبن میں آ چکا تھا۔

”اسے میری ذات کا پرتو کہہ لو۔“ میں نے گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ ”اس جیسا وفادار اور جاں نثار دوست اس دور میں روئے زمین پر ملنا مشکل ہے۔ اس کا نام جوزف ہے۔“

میراندے نے بڑھ کر بڑے تپاک سے جوزف سے ہاتھ ملایا۔ اس کے بعد ویرا سے بھی خاموشی کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ اس وقت اس کی نگاہوں میں عجیب سے تاثرات تھے جیسے ویرا سے کچھ پوچھنا چاہتا ہو لیکن کسی وجہ سے خود میں زبان کھولنے کی ہمت نہ پا رہا ہو۔

”رات گزر چکی ہے میراندے!“ میں نے تحکمانہ لہجے میں اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ ”سورج طلوع ہونے تک کا وقت ہم بستروں میں گزارنا چاہتے ہیں۔“

”اوہ ضرور۔ آؤ، آؤ، میرے ساتھ آؤ۔ اس وقت شاید میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے اپنی زندگی میں کوئی ایسی مبارک رات بھی نصیب ہو سکے گی کہ ایک آئی مین میری چھت کے نیچے موجود ہو گا۔“ بوکھلائے ہوئے انداز میں مجھ سے یہ کہہ کر میراندے اپنی خادماؤں کی طرف متوجہ ہو کر تیز لہجے میں فرنچ میں کچھ ہدایات دینے لگا اور وہ دونوں تقریباً دوڑتی ہوئی عمارت کی طرف چلی گئیں۔

ان میں سے ایک معصومانہ حسن کی مالک جوان لڑکی تھی جب کہ دوسری ادھیڑ عمر عورت تھی۔ عمر کے اس حصے میں باقی رہ جانے والے کھنڈرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اپنے دنوں میں وہ بھی خوش رو اور خوش ادا رہی ہو گی لیکن میراندے کے مکان کے چوکیدار کی طرح وہ دونوں بھی انگریزی سے بالکل ہی نابلد نظر آتی تھیں کیونکہ میری اور میراندے کی گفتگو کے دوران وہ سپاٹ چہروں کے ساتھ لاتعلقانہ انداز میں ایک ایک کے چہرے کو تکتی رہی تھیں۔

خادماؤں کے پیچھے ہم تینوں بھی بڑھے مگر ویرا ٹھٹک گئی۔ ”کیا ہماری کار باہر ہی کھڑی رہے گی؟“

”اوہ!“ میراندے نے خفت آمیز انداز میں اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”چابی کہاں ہے؟ میں گاڑی برآمدے کے سامنے لاتا ہوں۔ تم لوگ وہیں پہنچو۔ پہلے ہم ڈرائنگ روم میں گرم گرم کافی کی ایک پیالی پئیں گے۔“

”چابی اگنیشن میں موجود ہے۔“ ویرا نے اسے بتایا۔ ”گاڑی پورٹیکو کے بجائے گیراج میں رکھ دو تو بہتر ہو گا۔ اس کا یہاں دیکھا جانا ہمارے موجودہ مشن کے لیے مناسب نہ ہو گا۔“

میری بات اور تھی کیونکہ میں آئی مین تھا لیکن ویرا کی آخری ہدایت پر میراندے کے چہرے پر ناگواری کی لہر آ کر گزر گئی۔ ”فی الحال تو میں گاڑی اندر کیے لیتا ہوں پھر میرے ڈرائیوروں میں سے کوئی اسے گیراج میں ڈال دے گا۔“

ویرا اس سے مزید کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن میں نے اشارے سے اسے خاموش کرا دیا کیونکہ میں اس قلیل سی مدت میں ہی میراندے کا ٹائپ سمجھ چکا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے بالادستوں کے جوتے بھی خوش بلکہ فخر کے ساتھ چاٹتے ہیں لیکن برابر والوں اور زیردستوں کو بری طرح دبا کر رکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔

وہ پھاٹک کھلوا کر گاڑی اندر لانے کے لیے واپس ہو گیا اور ہم تینوں سرسبز لان سے گزرتے ہوئے برآمدے کی طرف ہو لیے۔

”پہلے تو تم بالکل ہی پس منظر میں رہنا چاہ رہی تھیں اور اب ہمارے ساتھ یہاں تک آ گئی ہو۔“ چند قدم دور نکلنے کے بعد میں نے اردو

میں دیرا سے سوال کیا۔

"پس منظر تم سے ذرا دور ہو جاتا اس لیے ارادہ بدل لیا ہو گا۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے لقمہ دیا۔

"سنجیدگی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشمناک لہجے میں کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ اس وقت ہم شیر کے دہانے میں داخل ہو چکے ہیں۔ اگر ہم اپنی توانائیاں گرد و پیش پر مرکوز رکھنے کے بجائے آپس کی نوک جھونک میں برباد کرتے رہے تو کسی بھی لمحے بے خبری میں مار لیے جائیں گے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے اس بکھیڑے کو پٹا ڈال دیا۔" دیرا ابھی باز نہ آئی پھر جلدی سے موضوع بدلتے ہوئے بولی۔ "مارسیلز کا سربراہ میرا دیرینہ حریف ہے میں اس سے دور رہنا چاہتی تھی لیکن چارلس میراندے کا خیال آتے ہی میں نے اسکیم بدل دی۔ میراندے یہاں بہت بارسوخ اور طاقتور ہے۔ کئی بار ہم ساتھ کام بھی کر چکے ہیں۔ جب تک یہ تمھیں آئی مین سمجھتا رہے گا دل و جان سے تمھارے اشاروں پر ناچتا رہے گا اور اپنے باس کو تمھاری موجودگی کی ہوا بھی نہ لگنے دے گا بس بلکہ ذرا اس کے مقامی معاملات میں دلچسپی کا اظہار ضرور کرنا کیونکہ پچھلے دنوں میراندے کا ایک آدمی درمیان سے آدھا مال غائب کر کے ملاوٹ سے مقدار پوری کرتا رہا تھا۔ میراندے نے بڑی ہوشیاری سے اس مسئلے کو نمٹایا ہے۔" وہ بولی۔

"لیون والوں نے جب بوکھلا کر ہمیں پکڑوانے کے لیے پولیس کا سہارا لیا ہے تو کیا مارسیلز والوں کو مخبر ویرا لائیڈ اور اس کے دو مشتبہ ساتھیوں کے بارے میں ہوشیار نہیں کیا گیا ہو گا؟" میں نے دھیمے لہجے میں اپنے ذہن میں کلبلاتے والا وہ سوال پوچھ ہی لیا جو مجھے کافی دیر سے پریشان کر رہا تھا۔

"مجھے امید نہیں۔" وہ سر کو جنبش دیتے ہوئے بولی۔ "گفتگو کے دوران اس پہلو کا بھی اندازہ لگا لیں گے۔ میرا خیال ہے کہ تمھارے بارے میں شی کے بڑوں کی خود اعتمادی رخصت ہو گئی ہے وہ سمجھنے لگے ہیں کہ اپنے وسائل سے تمھیں گھیرنا ان کے بس سے باہر ہے اس لیے اب تم پر دوسری سمتوں سے جال ڈالے جائیں گے جن میں پولیس کا محکمہ سرِفہرست ہے۔"

"لیکن تمھارے لیے اب خطرات بڑھ گئے ہیں۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "پولیس کے ذریعے ہماری گرفتاری کی کوشش میں تمھارا نام جس حوالے سے لیا گیا ہے اس کی روشنی میں یہ سوچنا پڑے گا کہ جمی لائیڈ تمھیں کب تک نظرانداز کرتا رہے گا۔ اس واقعے سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ وہ میرے ساتھ تمھاری بڑھتی ہوئی ہمدردیوں سے پوری طرح باخبر ہے۔"

"جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی۔ "میں بس اتنا جانتی ہوں کہ وہ مجھے مروانے کی کوشش ہرگز نہیں کرے گا۔ اس بارے میں ڈیلٹا کیمپ والے واقعہ کے بعد ہم تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ اس کے ضمیر میں یہ خلش باقی ہے کہ اس نے باپ ہوتے ہوئے بھی مجھے ہمیشہ اپنی شفقت سے محروم رکھا ہے اور اب وہ مجھے [illegible] چھوٹ دے کر اس کا ازالہ کر رہا ہے۔ وہ تمھاری سرگرمیوں کی وجہ سے تمھارا دشمن ضرور ہو گیا ہے مگر اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ شاید میں تمھیں اپنا جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔" وہ رک کر استہزائیہ انداز میں ہنسی پھر بولی۔ "کاش اسے عزالہ کی کہانی کا علم ہو گیا ہوتا۔"

"تمھاری بات اور ہے ناجائز ہی سہی مگر تم اس کی بیٹی ہو [illegible] وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔ لوگ شریف دامادوں کو معاف نہیں کرتے جب کہ تمھاری منطق کے مطابق میں تو جمی لائیڈ کی نظروں میں محض [illegible] کا امیدوار اور نہایت سرکش انسان ہوں۔ ڈیلٹا کیمپ کا عقدہ بعد میں ہی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہاں اس نے مجھے محض اس امید میں زندہ رکھا تھا کہ مجھ سے براہِ راست مطالبہ کیے بغیر ردا ردی میں گم شدہ سلور آئی کا سراغ لگا سکے جس لمحے اسے سلور آئی مل جاتی وہ نہایت بے رحمی کے ساتھ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ صادر کر دیتا۔"

"پتا نہیں کیوں تم ہمیشہ جائز اور ناجائز کا ذکر کر کے میری تحقیر کرنے کی کوشش کرتے ہو؟" وہ یک بیک اداس ہو گئی۔ "میں اس دنیا میں اپنی مرضی سے نہیں آئی جو گناہ میری ماں سے جمی لائیڈ کی تحریص اور ترغیب پر سرزد ہوا ہو آخر اس کا الزام میرے وجود پر کیسے تھوپا جا سکتا ہے اور پھر میں تنہا تو نہیں ہوں۔ مشرق نہ سہی مغرب میں سنگل پیرنٹ فیملی کو قانونی تحفظ اور مراعات حاصل ہیں کسی سے کوئی ولدیت نہیں پوچھتا ہر جگہ خاندانی نام کافی ہوتا ہے۔ انگلینڈ اور فرانس میں ہزاروں بن بیاہی مائیں کسی احساسِ جرم کے بغیر اپنے بچوں کی پرورش کر رہی ہیں۔ ولی برانڈ کا باپ کون تھا؟ عدم ولدیت اسے جرمنی کا چانسلر بننے سے نہیں روک سکی پھر تم میری تحقیر کیوں کرتے ہو.....؟"

"تم جذباتی ہو رہی ہو دیرا!" میں نے نرمی سے کہا۔ "قصور میرا نہیں میرے جغرافیائی وجود کا ہے جو مشرق کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے وہاں اخلاقی جرائم شاید مغرب سے زیادہ ہوتے ہوں مگر انھیں قانونی تحفظ کہیں نہیں مل سکا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں نیک نیتی سے کہتا ہوں جس میں تمھاری تحقیر کا ذرا بھی شائبہ نہیں ہوتا۔"

"قانون کبھی جرائم کی راہ کا روڑا نہیں بنتے۔ پہلا امتناعی حکم آسمانوں سے آدم کے لیے جاری ہوا تھا لیکن نتیجہ کیا ہوا؟" اس وقت ویرا بہت زیادہ سنجیدہ اور دل گرفتہ نظر آنے لگی تھی۔ "اور میری بات چھوڑو، ان کے بارے میں کیا کہو گے جو شوہروں والیاں ہو کر بھی [illegible] کی مرتکب ہوتی ہیں۔ دوسروں کے بچے اپنے شوہروں سے [illegible] ہیں کیا تم پورے یقین سے کہہ سکتے ہو کہ جس طرح تم اپنی ماں کو جانتے

سی طرح اپنے حقیقی باپ سے بھی باخبر ہو......؟"

" اپنی وجہ سے دنیا کی تمام سچائیوں کو الزام نہ دو مس ویرا...!" لان شاہ نے تلخ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی" بات کا دائرہ ھانے کی کوشش کروگی تو بدمزگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ڈینی نے نہ کر بات ختم کردی ہے کہ اس کی تمہاری تحقیر کرنے کی نیت نہیں ی۔ آئندہ ہم اس بارے میں محتاط رہیں گے۔"

" تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت نہیں' نہ مجھے تم سے کوئی شکایت یں جو کچھ کہہ رہی تھی وہ ایک عام سی بات تھی' بعض لوگ محض میری ل کرنے کی نیت سے ایسی باتیں کرتے ہیں' اس وقت میرا دل تا ہے کہ سامنے آنے والی ہر زندہ اور بے جان چیز کے جیتھڑے دوں۔" وہ برآمدے میں پہنچ کر رکتے ہوئے بولی۔

اسی وقت میراندے ویرا کی کار وہاں لے آیا اور وہ ناخوشگوار وع وہیں ختم ہوگیا۔

" الیکٹرونکس نے زندگی عذاب کردی ہے۔" میراندے کار سے تے ہوئے اونچی آواز میں بڑبڑایا۔" اگنیشن ہی آن نہیں ہو رہا تھا۔ ی کو چلانا تو درکنار' اب انجن اسٹارٹ کرنے کے لیے بھی حفاظتی باندھنا ضروری ہے' بعض اوقات تو زندگی مضحکہ خیز نظر آنے ہے۔"

برآمدے میں مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح چونکا تھا اور ناک سرعت کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات میں نمایاں لی رونما ہوئی تھی۔ شاید گاڑی اسٹارٹ نہ کرسکنے کی جھنجلاہٹ ہ وقتی طور پر آئی مین کی حیثیت سے میری موجودگی کو فراموش ا تھا ورنہ اس کی بڑبڑاہٹ بلند آہنگ نہ ہونے پاتی۔

" میں معذرت خواہ ہوں سر!" وہ اپنے سر کو قدرے خم دے کر دراصل میں اپنی ناکامی پر جھلا گیا تھا' میرے پاس بھی جدید ترین کی کئی گاڑیاں ہیں لیکن بدقسمتی سے کسی میں اگنیشن کا تعلق سیفٹی بیلٹ یں ہے۔"

" ڈرائنگ روم کی طرف چلو میراندے!" میں نے اس کی بات کو ملاز کرتے ہوئے خشک لہجے میں کہا اور وہ ایک جھٹکے سے اونچے ش چوبی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میراندے کا ڈرائنگ روم نہایت پرتعیش اور بیش قیمت سے سجا ہوا تھا اور سجاوٹ میں خاصے لطیف ذوق سے کام تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ میراندے کا رسیلز کے رؤسا میں ضرور ہوتا ہوگا۔ جیب میں پیسہ موجود ہو تو نہیں پوچھتا کہ وہ ہیروئن کے دھندے سے آیا ہے یا کڑی ندے سے حاصل کیا گیا ہے' اس صف میں محمود و ایاز سب برابر تے ہیں۔

" مجھے خوشی ہے کہ ہمارے آدمی زندگی گزارنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔" میں نے ایک کشادہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔" پیسہ ڈھنگ سے خرچ کرنا بھی ایک فن ہے جس سے بہت کم لوگ واقف ہوتے ہیں ورنہ کمانا تو طوائفیں بھی خوب جانتی ہیں۔"

" واہ' کیا بات کہی ہے۔" میراندے خوشامدانہ انداز میں اپنی نشست سے اچھل پڑا۔" حالانکہ لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ پیسہ کمانا بہت مشکل ہوتا ہے مگر حقیقت وہی ہے جو تم نے کہہ دی ہے۔"

" مارسیلز کے کاروباری حالات کیسے چل رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

" بہت اچھے۔" اس کی نیند کافور ہوچکی تھی اور اب وہ نائٹ گاؤن میں بے آرامی سی محسوس کر رہا تھا۔" یہ منڈی بہت زرخیز ہے۔ موجودہ بارہ ہفتوں کا سیل ٹارگٹ ہم ساڑھے دس ہفتوں میں پورا کرچکے ہیں' اس عرصے میں ہم نے ریکارڈ کامیابی حاصل کی ہے۔ یہاں کی عورتیں ذاتی اور خانگی مسائل کی وجہ سے عام طور پر ذہنی دباؤ میں رہتی ہیں۔ اعلیٰ طبقے کی عورتوں میں ہیروئن کی مقبولیت کے بارے میں میں تمہیں انٹرکام پر بتا ہی چکا ہوں۔ اگر قلت کے دنوں میں ان عورتوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ شہر میں کسی بھی فرد سے حسب ضرورت دس بیس گرام ہیروئن مناسب قیمت پر ملتی رہے گی تو وہ بلا مبالغہ اس کی ہر خواہش پوری کرکے اس کی خوشنودی حاصل کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہیں' اس تجربے سے متاثر ہوکر پچھلے دنوں میں نے چند پیشہ ور لڑکیوں کی خدمات حاصل کی تھیں جو عورتوں کی تنظیموں اور خاص کلبوں میں گھس کر نمایاں کام کر رہی ہیں۔ ان کی ترغیب پر مال کی کھپت بڑھی ہے۔ اگر ہماری کوششیں اسی رفتار سے جاری رہیں تو مجھے یقین ہے کہ اگلے ایک ڈیڑھ سال میں مارسیلز کی کم از کم چوتھائی نسوانی آبادی ہمارے مستقل گاہکوں کی صف میں شامل ہوجائے گی۔"

ایک مقبول ترین سلسلہ
شاطر
قیمت فی حصہ ۵۰
دو حصے مکمل
ڈاک خرچ ۲۵
کتابی شکل میں شائع ہوگئی ہے
شاطر کو مشہور انعام یافتہ مصنف شکیل انجوئے نے خاص انداز میں تحریر کیا ہے
ایک ایسی دلچسپ ہنگامہ آرا اور سنسنی خیز داستان ہے جس میں قدم قدم سسپنس اور سطر سطر قیامت آرائی ہے
آج ہی طلب فرمائیں
کتابیات پبلیکیشنز۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۳ کراچی ۱

اس کا انکشاف لرزہ انگیز تھا۔ وہ لوگ بہت منظم پیمانے پر معاشرے کے ہر قابلِ ذکر گروہ کو موت کے بھیانک جال میں پھانس رہے تھے جس کی بندشوں میں اسیر ہونے کے بعد پاکبازی، عزتِ نفس اور اخلاقی اقدار کا ہر وہ احساس مٹ جاتا ہے جو ویرا جیسی مجرمہ کے دل میں بھی باقی تھا۔ ہیروئن کے ذہنی اور جسمانی نقصانات سے قطع نظر معاشرہ حیوانی اقدار سے مغلوب ہوتا جارہا تھا۔ اس اعتبار سے میراندے ایک بہت بڑا مجرم تھا لیکن اس وقت میں ڈپٹی نہیں بلکہ آئی مین کے روپ میں اس سے مخاطب تھا، اسی لیے اسے داد دینے کے سوا کچھ نہ کرسکا۔ "میں تمھاری کارکردگی کے تذکرے سُنتا رہا ہوں اور شی کے سربرآوردہ لوگوں میں سے کئی تمھاری صلاحیتوں کا دل سے اعتراف کرتے ہیں، اسی وجہ سے میں مارسیلز میں شی کے مقامی چیف کے بجائے تمھارے پاس آیا ہوں۔" میرے ان الفاظ پر اس کا سینہ فخر سے پھول گیا اور چہرے پر سُرخی پھیل گئی۔ جب کہ میں نے اس کی تعریف کی آڑ میں یہ وضاحت بھی کردی کہ میں اس کے باس کے بجائے اس کے پاس کیوں آیا تھا۔ اس مرحلے پر ویرا بس تحسین آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ کر رہ گئی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "پچھلے دنوں تم نے چوری کا کوئی کیس بھی پکڑا تھا، میں اس سے بھی بے خبر نہیں ہوں۔"

"وہ واقعی عجیب قصّہ تھا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "اور مجرم آج بھی اسی مکان کے تہ خانے میں موت کی آرزو میں میری قید کی سزا بھگت رہا ہے۔ ہم شہر کے میڈیکل اور جنرل اسٹورز کو کیپسولوں میں ہیروئن فراہم کرتے ہیں، یہ کیپسول گاہکوں میں ٹرائی اسٹار کے نام سے مقبول ہیں۔ مال پہنچانے والے نے ان کیپسولوں میں سے آدھی مقدار نکال کر اس میں ایک ہم رنگ سفوف کی ملاوٹ شروع کی ہوئی تھی۔ جس کا خریداروں کو کوئی اندازہ نہیں ہوسکا، لیکن میں نے ایک اتفاق کے تحت یہ چوری پکڑ لی۔ اب وہ شخص میری نجی قید میں ہے، مگر اس واقعے سے ہمیں بھی فائدہ ہوا ہے۔ مارسیلز شہر میں ہماری سپلائی میں پچیس فیصد ملاوٹ کی جارہی ہے۔ جب کہ دام پرانے چل رہے ہیں۔ وہ سفوف ہیروئن کے مقابلے میں کئی ہزار گُنا سستا اور بے ضرر ہے۔"

بے ضرر کی اصطلاح پر میں دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا، جو لوگ ہیروئن جیسے موذی نشے کو مالی منفعت کے لیے شیرِ مادر کی طرح فروخت کررہے ہوں، ان کے نزدیک تو سنکھیا بھی بے ضرر ہی قرار پاتی۔

"وقت ملا تو میں اس چور سے ضرور ملوں گا۔ میری تو رائے ہے کہ اسے عبرت کا مرقع بنا کر شہر کی کسی شارعِ عام پر پھنکوا دیا جائے تاکہ کوئی دوسرا تنظیم کے خلاف سوچنے کی جراُت بھی نہ کرسکے۔" میں نے کہا۔

"میں کل ہی اس پر عمل کرگزروں گا۔" اس نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔ "دراصل کیپسولوں میں ملاوٹ کا کام میں نے اسی کے سپرد کیا ہوا ہے تاکہ ہمارا کوئی آدمی ان ہی خطوط پر سوچنا نہ شروع کردے۔ ہمارے آدمیوں میں ایک سے ایک چھٹا ہوا ولد الحرام موجود ہے، اس لیے ملاوٹ کا کام میں ان سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور پوشیدہ رکھو۔ باہر سے کوئی ملازم رکھ لو لیکن [illegible] پھر واپس لوٹنا ضروری ہے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔" میں نے [illegible] زور دیتے ہوئے کہا۔ "اور ہاں دیکھو، شہر میں میری یا میرے [illegible] سے کسی کی موجودگی کی بھنک بھی دوسروں کو نہ ملے۔ میں اپنا [illegible] سرانجام دینا چاہتا ہوں۔ اسی لیے ویرا نے اپنی کار کی گیراج میں [illegible] کی ہدایت کی تھی تاکہ وہ یہاں پہچانی نہ جا سکے۔"

"کار کے لیے میں نے چوکیدار کو ہدایت دے دی تھی۔ [illegible] میں کسی کو تمھاری موجودگی کی ہوا بھی نہ لگنے دوں گا، گردن کٹوا لوں گا [illegible] نہیں کھولوں گا۔"

"شاباش مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔"

پھر میراندے کی جواں سال خادمہ ٹرالی پر کافی اور دیگر لوازمات [illegible] آئی اور میراندے نے موقع ملتے ہی جگہ چھوڑ دی۔ "اجازت ہو تو [illegible] لباس بدل آؤں۔ ان کپڑوں میں تمھارے سامنے بیٹھتے ہوئے شرم [illegible]" میرا اشارہ پاکر وہ چلا گیا اور ملازمہ معصوم مسکراہٹ کے [illegible] سرو کرنے لگی۔

"تم نے ہر بات بہت خوبصورتی سے واضح کردی۔" اس کے [illegible] جانے کے بعد ویرا اُردو میں بولی۔ "اسے ابھی سے مارسیلز لوٹنے کی [illegible] کے خواب آنے شروع ہوجائیں گے۔"

"واپس آئے تو ذرا کُریدنا کہ پیرس اور لیونز کے معاملات کے بارے میں یہ کس حد تک باخبر ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے اسے مشورہ دیا۔ "یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہم کب تک اس پر اعتماد کرسکیں گے۔"

"میں کچھ اور بھی سوچ رہی ہوں۔" وہ پُرخیال انداز میں میری [illegible] میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "اسی شہر میں کہیں شی کا ایک بہت بڑا اسلحہ [illegible] ہے جو حکومت کے درپردہ ایما پر بظاہر غیر قانونی طور پر بعض [illegible] دشمن تحریکوں کو فراہم کیا جاتا ہے۔ یہاں اکثر اسلحہ کی جدید [illegible] جاتی رہتی ہیں۔ کیوں نہ میں میراندے سے اس کا سراغ لگانے کی [illegible] کروں؟"

"بہت نیک خیال ہے۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل میں شی کو ایسے ہی نقصانات پہنچانا چاہتا ہوں، جو اس [illegible] تنظیم کی کمر توڑ کر رکھ دیں۔ اس ڈپو سے اسلحہ پاکستان بھی بھیجا جاتا ہوگا۔ پاکستان تو آج کل اسلحہ کا ایک گڑھ بن گیا ہے۔" وہ جواب [illegible] ہوتی کافی کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ "میں سیاست میں [illegible] لیتی لیکن یہ موٹی سی بات ہر شخص جانتا ہے کہ افغانستان میں روس کی موجودگی کی وجہ سے امریکا اور اس کی حلیف مغربی حکومتیں بے دریغ [illegible] مدد کررہی ہیں۔ مجاہدین خود بھی اسلحہ خریدتے ہیں، مگر جنگ اور [illegible] امدادی اسلحے سے چل رہی ہے۔ ہر ملک یہ جانتا ہے کہ بہت سے [illegible] مفت میں ملنے والا اسلحہ اور میگزین روسیوں کے خلاف استعمال کرنے کے بجائے اونے پونے داموں پاکستان میں ہی فروخت کردیتے [illegible]

کی وجہ سے پاکستان کی سرحدی منڈیوں میں غیر قانونی اسلحے کے دام ناقابلِ یقین حد تک گرے ہوئے ہیں، مگر امداد پھر بھی جاری ہے۔ لائیڈز کاٹیج کے زیرِ زمین گودام میں بہتیری پیٹیوں پر فرانسیسی فیکٹریوں کے نام درج تھے، ہو سکتا ہے کہ وہ سب مارسیلز کے ڈپو سے ہی بھیجا گیا ہو۔"

"لیکن امدادی اسلحہ تو حکومت ہی کے توسط سے مجاہدین تک پہنچتا ہے، پھر لائیڈز کاٹیج میں اس کے انبار جمع کرنے میں کیا مصلحت پوشیدہ تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"حکومتِ پاکستان سے اختلافِ رائے کی صورت میں ایسے ذخائر حکومت کے مخالفین کو سونپے جا سکتے ہیں، پھر بعض ہتھیار ایسے ہیں، جو حکومتِ پاکستان غیر منظم مجاہدین کی تحویل میں دینا اپنی بقا کے لیے خطرناک سمجھتی ہے، ہر سمجھ دار ملک اپنی سرزمین پر بے لگام اور طاقتور لشکروں کی موجودگی کو اپنے لیے خطرہ تصوّر کرتا ہے۔ اس لیے ایسے ممنوعہ ہتھیار چور راستوں سے مجاہدین تک پہنچائے جاتے ہیں۔ شی دُنیا میں نجانے کہاں کہاں ایسے معاہدوں کے تحت اسلحہ کی ترسیل کر رہی ہے جس کے لیے اسے بھاری معاوضے موصول ہوتے ہیں۔"

"مارسیلز کی عورتوں کو ہیروئن کا عادی بنانے سے اسلحہ کی اسمگلنگ تک، شی کے سارے ہی جرائم بھیانک اور ناقابلِ معافی ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ جمی لائیڈ کس لیے ان گھناؤنے کاموں میں ملوّث ہے۔ ایک طرف اسے کاروباری دنیا میں باعزّت مقام حاصل ہے اور دوسری طرف وہ شی جیسے مکروہ اور مذموم گروہ کی سربراہی میں فخر محسوس کرتا ہے۔"

"انسان بڑی عجیب مخلوق ہے مسٹر آئی مین!" ویرا نے تلخ لہجے میں کچھ کہنا شروع کیا تھا لیکن فوراً ہی خاموش ہو گئی کیونکہ میراندے نفیس لباس زیبِ تن کیے ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں آ کر وہ بھی ہمارے ساتھ کافی نوشی میں مشغول ہو گیا اور اس بار میری ہدایت کے مطابق ویرا نے گفتگو کی ذمّے داری سنبھالتے ہوئے شی کے حوالے سے پیرس کا ذکر چھیڑ دیا۔

میراندے فرانس کے جنوبی ساحل پر ہونے کے باوجود پیرس والے واقعات سے بخوبی واقف تھا۔ وہاں ہونے والے کشت و خون میں بل ایتھی کی ہلاکت اس کے لیے تعجب انگیز تھی، لیکن وہ اس خون ریزی کے اسباب سے یکسر لاعلم تھا' اس کا قیاس تھا کہ بل ایتھی نے اپنی عیّاشیوں اور بے پروائیوں کی وجہ سے پیرس میں کسی سرپھرے کی رقابت مول لے لی تھی، جس نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ بل ایتھی اور اس کے حواریوں سے انتقام لے لیا تھا۔ گن بوٹ والے معاملے کو وہ پیرس کے واقعات سے منسلک نہیں کر سکا تھا۔ البتہ لیونز کے واقعات کے بارے میں اسے تنظیم کی طرف سے کوئی معلومات فراہم نہیں کی گئی تھیں لیکن پھر بھی اسے وہاں ہونے والی گڑبڑ کا اس طرح سے علم تھا کہ لیونز میں بے امنی کی زد میں آ کر ایلی نور ماری گئی تھی۔ دوسری مرنے والی کا تعلق چونکہ کنگ لائنز سے تھا' اس لیے میراندے نے اسے قابلِ توجہ نہیں سمجھا تھا۔

"ایسا تو نہیں کہ پیرس اور لیونز کے واقعات میں کوئی تسلسل ہو؟" ویرا نے اسے راہ دیتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ہو سکتا ہے۔" وہ کافی کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے بولا۔ "لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم گن بوٹ کی تباہی اور پیرس کے واقعات کو ایک سلسلے کی کڑیاں تسلیم کر لیں۔ پھر بل ایتھی کی رقابت کی کہانی ختم ہو جائے گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔ "یہ گن بوٹ کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

"لیونز میں ماری جانے والی ایلی نور آخر تک گن بوٹ پر مامور تھی، وہ لیونز میں نظر آتے ہی مار ڈالی گئی۔ جبکہ گن بوٹ کا باقی عملہ ابھی تک لاپتا ہے۔ اگر لیونز کے واقعات کا تعلق پیرس کی خونریزی سے تھا تو وہ خونریزی لازماً گن بوٹ کی تباہی کا نتیجہ تھی۔ بل ایتھی آئی مین بھی تھا' اسے ہم لوگوں سے زیادہ معلومات رہی ہوں گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے گن بوٹ تباہ کرنے والوں کو ڈھونڈ نکالا ہو' اور ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوششوں میں خود مارا گیا ہو۔" میراندے مدلل اور منطقی گفتگو کرنے کے فن سے بخوبی واقف تھا۔

"لیکن گن بوٹ کی تباہی سے تو یہ ہمارے خلاف فوجی کارروائی معلوم ہوتی ہے.....؟"

میراندے نے ویرا کی بات کاٹ دی۔ "تنظیم میں بہت سوں کو گن بوٹ کے وجود کا علم نہیں تھا۔ اس کی کہانیاں اس کی تباہی کے بعد عام ہوئی ہیں، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ گن بوٹ کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کھوج لگا کر تباہ کیا گیا ہے۔"

بے چارہ اتنا باخبر ہونے کے باوجود اس حقیقت سے لاعلم تھا کہ گن بوٹ کھلے سمندر سے چُرا کر ابوالبحر والوں کے ہاتھ بیچ دی گئی تھی پھر شی اور ابوالبحر والوں میں گن بوٹ پر قبضے کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہونے پر تباہ ہو کر سمندر کی تہ میں غرق ہو گئی تھی۔ اس بیش قیمت اور حسین جنگی کشتی کی تباہی کے لیے نہ سراغ رسی کی گئی تھی اور نہ ہی کوئی پیشگی منصوبہ تیار کیا گیا تھا' بلکہ وہ اپنی بدنصیبی سے حالات کا شکار ہوئی تھی۔

"آخر گن بوٹ سے کس کو اتنی پرخاش ہو سکتی تھی؟" ویرا نے سوال کیا۔

"جن جن کے ملکوں میں ہم باغیوں کو اسلحہ کی کمک پہنچاتے ہیں' ان میں سے کوئی بھی ہو سکتا ہے۔" وہ ویرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ

بے چارہ ویرا کے جال میں بڑی آسانی سے پھنس گیا تھا۔

"پھر تو تمہارا اسلحہ ڈپو بھی خطرے میں ہے۔" ویرا نے موقع پاتے ہی بات اپنے موضوع پر موڑ لی۔

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ابھی تک اس بارے میں اوپر سے

کوئی خصوصی ہدایت نہیں ملی ہے۔" وہ ترش لہجے میں بولا۔

"لڑنے اور الجھنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے موقع مناسب سمجھتے ہوئے ناصحانہ انداز میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ وہاں آج کل اسلحے کی کیا پوزیشن ہے؟"

"زمین سے زمین اور فضا میں سو کلو میٹر تک مار کرنے والے میزائلوں سمیت دستی مشین گنوں، میگزین، بارود اور آتش گیر بموں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ دراصل تین اسلحہ ساز فیکٹریوں کی ساری پیداوار براہِ راست اسی ڈپو میں آتی ہے، جس کے لیے وہاں وسیع و عریض زیرِ زمین اور بالائے زمین ذخیرہ گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ فائر کیمپ میں کسی اجنبی کا داخل ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ کیونکہ چند ماہ پہلے اسپین میں آرمی کے ایک آرڈیننس ڈپو میں تخریبی کارروائی کے نتیجے میں ہونے والی تباہی کے بعد سے فائر کیمپ کے حفاظتی انتظامات بالکل بدل دیے گئے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" اس کی زبان سے اتنا کچھ سن لینے کے بعد میرے لیے باوقار انداز میں بات جاری رکھنا ممکن ہو گیا تھا۔ "لیکن حفاظتی نظام انسان تخلیق کرتے ہیں اور انسان ہی ان میں نقب لگاتا ہے۔ فائر کیمپ کے بارے میں مارسیلز والوں کی محنت کے بارے میں میں نے بہت کچھ سن رکھا ہے، مگر جب تک خود وہاں کا دورہ نہ کر لوں، کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔"

"تو تم وہاں بھی جاؤ گے!" میراندے اپنی بے ساختہ حیرت پر قابو نہ پا سکا۔

"یہ موضوع سامنے آ ہی گیا ہے تو میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔" میں نے بُردباری کے ساتھ کہا۔ "مجھے اپنی مصروفیات میں سے کچھ نہ کچھ وقت نکالنا ہی پڑے گا۔"

"میں تمہیں صرف فائر کیمپ دور سے دکھا سکوں گا۔" اس کی آواز یک بیک پژمردہ ہو گئی۔ "میرے لیے وہ کیمپ شجرِ ممنوعہ ہے۔ مارسیلز کا چیف براہِ راست اس کا نگراں ہے۔"

"ہوا کرے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "لیکن تم میرے ساتھ چلو گے اور تمہیں کوئی نہیں روک سکے گا۔ فائر کیمپ شی سے ماورا کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے اسی میں ہے۔"

اس کا چہرہ کِھل اُٹھا۔ "یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت ہوگی۔ فائر کیمپ ہم سب کے لیے ایک خواب بنا ہوا ہے۔ وہاں کے نئے حفاظتی انتظامات کی کہانیاں سُن سُن کر وہاں جانے کا اشتیاق ہوتا ہے۔"

"کاش، میں وہاں جانے کا وقت نکال سکوں۔" میں نے مربیانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے کیا سُنا ہوا ہے؟"

"احاطے کی دیواریں بلند کر کے ان پر باہر کی طرف جُھکے ہوئے آہنی بریکٹ لگائے گئے ہیں، جن کے ساتھ انسولیٹرز کی مدد سے خاردار تاروں کی تین باڑھیں لگائی گئی ہیں۔ ان میں دن رات گیارہ ہزار وولٹ کی برقی رو دوڑتی رہتی ہے۔ کسی بھی تار سے چھوتے ہی ہر شے آناً فاناً میں جل کر راکھ ہو سکتی ہے۔" وہ سحر زدہ لہجے میں بتانے لگا۔ "اس طرح چار دیواری پھاند کر اندر داخل ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ داخلے کے واحد راستے پر دن رات دس مسلح محافظوں کا پہرہ رہتا ہے اور اندر بارہ ایکڑ کے پورے رقبے پر خونخوار کتوں کا راج ہوتا ہے۔ اسلحہ لانے یا لے جانے کی صورت میں پہلے رکھوالی کے ان کتوں کو کٹہروں میں بند کیا جاتا ہے، پھر الیکٹرونک آلات سے گاڑیوں اور ڈرائیوروں کی تلاشی لے کر ان میں پہلے سے بارود نہ ہونے کا یقین کیا جاتا ہے، تب کہیں اندر جانے کی نوبت آتی ہے۔"

"یعنی ان مراحل سے گزر کر کوئی بھی اندر جا سکتا ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"احمقانہ بات کرتی ہو۔" میراندے چڑ کر بولا، پھر سنبھل کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "سوری سر! میں یہ بتانا بھول گیا کہ ہر ٹرک یا ٹریلے کے لیے مقامی چیف علیحدہ اجازت نامہ جاری کرتا ہے جو صرف ایک پھیرے کے لیے کارآمد ہوتا ہے۔ اس کے اجازت نامے کے بغیر میں بھی وہاں نہیں پھٹک سکتا۔"

بارہ ایکڑ کوئی ننھا سا رقبہ نہیں ہوگا۔ اگر فائر کیمپ اتنے رقبے پر قائم تھا تو مقامی انتظامیہ اور حکومت کسی بھی طرح اس کے وجود سے لاعلم نہیں ہو سکتی تھی، لیکن اسے نظر انداز کرنے پر مجبور تھی۔ کیونکہ اس کیمپ سے غیر سرکاری سطح پر سرکاری مفادات کے تحفظ کے لیے عالمی پیمانے پر کارروائیاں کی جاتی تھیں۔

"فائر کیمپ کا کمانڈنٹ کون ہے؟"

"فرنچ آرمی کا ایک ریٹائرڈ بریگیڈیئر ہے، جو براہِ راست مقامی چیف کو جواب دہ ہے۔" وہ بولا۔ "کبھی کبھی تو مجھے گمان ہوتا ہے کہ کہیں بریگیڈیئر اور اس کا سارا عملہ تنظیم کے ضابطوں سے الگ اکائی نہ ہو۔ ایسا ہوا تو وہ بدنصیب سلور آئی کو بھی نہ پہچان سکیں گے۔"

"اتنا نہ سوچو۔" میں نے ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "کون کیا ہے، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر میں دوسروں کے مشوروں کا محتاج ہوتا تو آج آئی مین نہیں، تمہارا دربان ہوتا۔"

میرا لہجہ نسبتاً نرم لیکن الفاظ کاٹ دار تھے، وہ سہم کر میرے قدموں میں گر گیا اور کسی وفادار کتے کی طرح اپنا چہرہ میری پنڈلیوں سے رگڑتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں بولا۔ "مجھے معاف کر دو، میں تمہارے مقام و مرتبے سے خوب واقف ہوں، لیکن تمہاری شفقت سے مغلوب ہو کر اپنی حیثیت فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں تو تمہارا پشتینی غلام ہوں، میری کیا مجال کہ تمہیں کوئی مشورہ دے سکوں۔"

"اٹھو!" میں نے اپنے پیر جھٹکتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "دوستی کر لینے کی عادت اپنالو تو یوں جوتیوں میں لوٹنے سے بچے رہو گے، ورنہ کسی دن اپنے موجودہ مقام سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔"

وہ صوفے پر واپس لوٹا تو اس کا سر جھکا ہوا تھا اور ویرا کے
ٹوں پر بیٹھی سی طنزیہ مسکراہٹ رقصاں تھی جو شاید میرانڈے کو
گانے کے لیے تھی۔

سب لوگ کافی ختم کر چکے تھے اور صبح کے ساڑھے چار بج
ے تھے اس لیے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی میرے ساتھ ہی وہ تینوں
ں اٹھ گئے۔

ہو سکتا ہے کہ صبح میں دیر سے بیدار ہوں، لیکن جاگتے ہی
ے ڈرائیور سمیت گاڑی کی ضرورت ہو گی۔" میں نے کہا۔ "بہتر ہو گا کہ
ائیور انگریزی سے واقف ہو۔"

میں خود گھر پر موجود رہ کر تمہارے بیدار ہونے کا انتظار کروں
یرے ملازمین صرف فرنچ سمجھتے ہیں البتہ ایک ڈرائیور پیدائشی گونگا
ر بہرہ ہے جو تمہارے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا ہے اس لیے
ں ہی تمہارے ڈرائیور کی خدمات سرانجام دوں گا۔" اس نے منکرانہ
ے میں کہا۔

میری موجودگی کو اپنے معمولات پر اثر انداز نہ ہونے دو۔" میں
ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تم گاڑی چھوڑ دینا۔ جوزف یا ویرا میں سے کوئی
ڈرائیو کر لے گا۔"

میرانڈے نے خود ہی خواب گاہوں تک ہماری رہنمائی کی تھی۔
ا کا مکان ایک چھوٹے سے محل سے کم نہیں تھا جہاں ایک راہداری
ایک دوسرے سے ملحقہ تین صاف ستھرے اور آراستہ کمرے
ے لیے تیار تھے جن میں پہلے سے ہیٹر جلا دیے گئے تھے، ہمیں ہماری
ش کے مطابق ایک کمرے میں چھوڑ کر میرانڈے اپنی خواب گاہ میں
یا اور ہم تینوں ہی بیک وقت وسیع دُہرے بستر پر گر گئے۔

"ہم مارسیلز کیوں آئے تھے؟" سلطان شاہ نے تھکی ہوئی آواز
اردو میں سوال کیا۔

"فی الحال تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ کہیں رُک کر تھکن اُتارنے کے
آئے تھے۔" میں نے جوتے اُتارتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب یہاں
دلچسپ مصروفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس دوران میں لیونز کے
ات کی گرد بھی ذرا دب جائے گی پھر ہم اطمینان سے اپنی نئی منزل
ے میں کوئی فیصلہ کر سکیں گے۔"

"فائر کیمپ کے بارے میں مجھے میرانڈے کا خیال درست
س ہو رہا ہے۔" ویرا نے آہستہ سے کہا۔ "وہاں داخلے کے لیے
سلور آئی کسی کام نہ آ سکے۔"

"یہ شبہ مجھے بھی ہو رہا ہے لیکن میرانڈے سے میں یہ اعتراف
کر سکتا تھا کہ آئی مین ہوتے ہوئے بھی میں فائر کیمپ کے پروٹوکول
نا واقف ہوں۔"

"پھر تم دلچسپ مصروفیت کسے کہہ رہے تھے؟" سلطان شاہ
سوال کیا۔ "اگر سلور آئی کام نہیں آ سکتی تو ہمیں فائر کیمپ کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ اُدھر کا رُخ کرنا خودکشی کے مترادف ہو گا۔"

"مشکل یہ ہے کہ میں شی کے بہتیرے رازوں سے واقف ہونے کے باوجود سلور آئی رکھنے والوں کی حدود اور اختیارات سے پوری طرح باخبر نہیں ہوں...." ویرا پُرتشویش لہجے میں بولی۔ "اگر ہم میرانڈے کے ساتھ فائر کیمپ گئے اور وہاں کے محافظوں نے سلور آئی کو شناخت کرنے سے انکار کر دیا تو بہت سُبکی ہو گی اور میرانڈے تمہاری اصلیت کی طرف سے شبہات کا شکار ہو جائے گا، پھر اس سے پیچھا چھڑانا دشوار ہو جائے گا۔"

"فی الحال اس موضوع کو یہیں چھوڑ دو، شاید تازہ دم ہونے کے بعد کوئی تدبیر سوجھ جائے... یہ بتاؤ کہ اس کمرے میں کون سوئے گا؟" میں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"میرانڈے نے ہمیں اس کمرے میں لایا ہے اس لیے اصولاً تمہیں یہیں سونا چاہیے، ہم برابر والے کمروں میں چلے جاتے ہیں۔" سلطان شاہ نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"تم جاؤ، میں تو یہیں رکوں گی۔" ویرا مجھے آنکھ مارتے ہوئے سلطان شاہ سے بولی۔ "اکیلے سونے کے تصوّر سے آج مجھے خوف آ رہا ہے۔"

"اور مجھے تم دونوں کی یکجائی سے خوف آ رہا ہے اس لیے تم رکیں تو پھر مجھے اس کمرے سے دنیا کی کوئی طاقت باہر نہیں نکال سکے گی۔" سلطان شاہ اسے گھورتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"اچھا بابا! تم دونوں یہیں رُکو، میں دوسری خواب گاہ میں چلا جاتا ہوں۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا اسی لمحے ویرا بے اختیار ہنس پڑی اور سلطان شاہ اس کی شرارت بھانپ کر خفّت آمیز انداز میں اس خواب گاہ سے نکلتا چلا گیا۔

◆

بستر بہت نرم اور آرام دہ تھا اور کمرے میں گیس ہیٹر جلنے کی وجہ سے خواب گاہ کا درجۂ حرارت بھی بہت خوشگوار تھا لیکن رات بھر کے سفر کی تکان کے باوجود طبیعت پر بے چینی طاری تھی، آنکھوں میں نیند کا دور تک پتا نہیں تھا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ ذہن پر غنودگی طاری ہوتی ہوئی محسوس ہوئی، پلکیں بھی بوجھل ہوئیں لیکن پھر اچانک وہی بے چینی خمار پر غالب آ گئی اور رفتہ رفتہ میرے ذہن میں مضحکہ خیز حد تک ڈراؤنے خیالات سر اُبھارنے لگے جن کا کوئی سر پیر ہی نہیں تھا۔

کمرے کی تاریک فضا میں گیس ہیٹر کی وجہ سے روشنی کا اتنا انعکاس موجود تھا کہ میں نے نائٹ لیمپ جلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میں نے بستر سے اُتر کر ایک بار نیم روشن کمرے میں نرم قالین پر ننگے پاؤں چکر لگایا اور دروازے کے قریب سے گزرتے ہوئے

جب اضطراری طور پر میں نے دروازے کو اندر سے بولٹ کرتے ہوئے اپنی ذہنی کیفیت کا تجزیہ کیا تو پتا چلا کہ وہ میری چھٹی حِس کی کوئی للکار تھی جو نیند کو میرے اعصاب پر طاری ہونے سے پوری قوت سے روک رہی تھی۔

وہاں مجھے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا؟ میں نے بستر پر دراز ہو کر سوچنا شروع کیا تو سلیٹ بالکل صاف تھی۔ ہم قانون اور اس کے محافظوں سے بچتے ہوئے اس طرح مارسیلز پہنچے تھے کہ پیچھے کوئی سراغ باقی نہیں رہا تھا۔ ویرا نے شی کے تنخواہ دار پولیس افسر کے بلائنڈ کارڈ پر تین دائرے بنا کر ایک امکانی دشواری کا بھی سدّباب کر لیا تھا اور ہم کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر مارسیلز میں میراندے کے مکان پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے جو سلور آئی دیکھتے ہی پورے خلوص کے ساتھ وفاداری کے اظہار پر تل گیا تھا اور بظاہر بالکل بے ضرر نظر آ رہا تھا۔ اس مکان میں اس کے ذاتی ملازمین اور ایک قیدی کے علاوہ کوئی ایسا فرد موجود نہیں تھا جس کی جانب سے ہمیں کوئی حقیقی خطرہ لاحق ہوتا۔ پھر آخر چھٹی حِس کی وہ للکار کیسی تھی اور مجھے کس سمت میں لے جانا چاہ رہی تھی۔

میرے پاس اپنے دفاع کے لیے ہیم گن تھی جو میرے تکیے کے نیچے موجود تھی، سلطان شاہ ایکسپلوڈر اور ایک خودکار پستول سے مسلح تھا اور ویرا کے پاس اپنا اسلحہ موجود تھا۔ اس طرح ہم تینوں کے آسانی سے مارے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ شرط صرف ایک ہی تھی کہ بُرا وقت آنے پر ہم سوتے ہی نہ رہ جاتے۔

سوچ بچار میں غلطاں میں اسی بے یقینی اور سنسنی کے عالم میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا پھر ایک دم ہی میں ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ بیٹھا کیوں کہ کمرے کی فضا میں رقصاں گیس ہیٹر کا سُرخی مائل انعکاس یکلخت معدوم ہو گیا تھا اور کمرے میں اندھیرے کی مہیب چادر پھیل گئی تھی۔

وہ صورتِ حال اس قدر غیر متوقع اور اچانک تھی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے حالاں کہ عام سالات میں گیس ہیٹر کا بجھ جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اس وقت میرے سارے حواس پوری شدت کے ساتھ حرکت میں آ گئے تھے۔ گیس ہیٹر کا برقی پنکھا آگ معدوم ہونے کے باوجود دھیمی آواز اور پوری رفتار سے چل رہا تھا لیکن فضا میں گیس کی ذرا بھی بُو نہیں تھی جب کہ شعلے بجھنے کی صورت میں بغیر جلی ہوئی گیس کا مسلسل اخراج ضروری تھا جو پنکھے سے پیدا ہونے والی تیز ہوا کے ساتھ پورے کمرے میں گیس کی بُو پھیلا دیتا۔

لمحہ بھر کے لیے مجھے یاد آیا کہ میں پاکستان میں نہیں فرانس میں تھا، شاید وہاں کی گیس بے بُو ہوتی ہو مگر تعجب اس بات پر تھا کہ نوزل سے گیس کے اخراج کی ہلکی سی آواز بھی معدوم تھی۔ میں بستر سے اُتر کر اندھیرے میں اندازہ قائم کر کے گیس ہیٹر کی طرف بڑھتے رہا۔ بند کمرے میں اگر پنکھے کی آواز میری رہنمائی نہ کر رہی ہوتی تو شاید میں نے کوئی بلب روشن کر لیا ہوتا لیکن اپنی طبیعت کی بے چینی اور چھٹی حس کی للکار کے بعد میں گیس ہیٹر کے چولھے بُجھنے کے اس واقعے کو غیر ضروری اہمیت دینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

میں ہیٹر سے ذرا ہی دور تھا کہ اچانک نوزل سے سیٹی کی مدھم سی آواز کے ساتھ کمرے میں گیس کی میٹھی میٹھی تیز بُو پھیلنے لگی۔ میرے قدم زمین میں جم کر رہ گئے اور ذہن پر جمی ہوئی برف پگھلنا شروع ہو گئی۔

میں نے دل ہی دل میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ میں بستر پر گرتے ہی سویا نہیں تھا بلکہ میری چھٹی حِس پہلے ہی خطرے کی بُو سونگھ چکی تھی۔ یقینی طور پر باہر سے کسی نے گیس کا والو بند کر کے ہیٹر کو گیس کی سپلائی منقطع کر کے اتنی دیر تک انتظار کیا تھا کہ ہیٹر کی آہنی باڈی میں کہیں بھی چنگاری یا آتنی حرارت باقی نہ رہ جائے کہ دوبارہ گیس کھولنے پر چولھا جل اٹھے اور وہ وقفہ گزارنے کے بعد گیس کا والو دوبارہ کھول دیا گیا۔

اس طرح چاروں طرف سے بند خواب گاہ میں سوئے ہوئے لوگوں پر گیس چھوڑ دی گئی تھی جو تیزی کے ساتھ کمرے میں پھیلتی اور بھرتی جا رہی تھی۔ وہ کارروائی باہر سے کی گئی تھی جس کا مطلب تھا کہ آگ سرد کرنے کے لیے مین والو سے کام لیا گیا تھا اور پوری عمارت کی زیرِ تصرف خواب گاہیں یکساں خطرے سے دوچار تھیں۔

سائنس کی عمومی تعلیم اور معلومات کی بنیاد پر میں یہ جانتا تھا کہ کوئلے اور پٹرول سے گیس تک ہر ایندھن مختلف اقسام کے ہائیڈرو کاربن پر مشتمل ہوتا ہے جو اپنی اصل حالت میں انسانی صحت کے لیے مضر ہوتا ہے۔ خواب گاہوں میں وہ گیس بھرنے کے نتیجے میں بے خبر سوئے ہوئے لوگ گیس پھیپھڑوں کے ذریعے دورانِ خون میں شامل ہونے کی وجہ سے بے ہوشی سے گزرتے ہوئے بہ آسانی موت کی آغوش میں جا سکتے تھے۔

میرے کمرے میں گیس کی بُو لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے بڑھ کر ہیٹر کا گیس والو بند کر دیا۔ اسی کے ساتھ مجھے ویرا، سلطان اور میراندے کی فکر لاحق ہو گئی۔ ان میں سے جو بھی سویا ہوا تھا وہ اس وقت براہِ راست موت کی بھیانک زد میں آیا ہوا تھا اور میں اپنی خواب گاہ میں مقیّد ہونے کی وجہ سے کسی کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ گیس منقطع اور پھر جاری ہونے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ باہر ہماری جانوں کے کچھ دشمن موجود تھے لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ صرف احاطے میں داخل ہوئے تھے یا عمارت میں گھس کر راہداریوں میں پھیل چکے تھے۔ ایسی غیر یقینی صورت میں اگر میں بولٹ گرا کر اپنی خواب گاہ کا دروازہ کھولتا تو عین

ھاکہ خود کئی دشمنوں کے نرغے میں آجاتا۔

میں اپنی خواب گاہ کی صورتِ حال پر قابو پا چکا تھا اس لیے میرے حق میں بہتر یہی تھا کہ خود اس تاریک خواب گاہ کے کسی وشے میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر دبک کر باہر والوں کو یہ باور کرنے کا موقع دوں کہ ان کا حربہ کارگر رہا تھا تاکہ وہ بے خوفی کے ساتھ کھل کر سامنے آسکیں۔

میرے لیے دوسری صورت ہی قابلِ عمل تھی۔ اس وقت سلطان شاہ یا ویرا کی فکر میں پڑ کر میں ان کی کوئی مدد کرنے کے بجائے اپنے لیے وشواریاں کھڑی کر سکتا تھا۔ پیروں کے نیچے دبیز قالین ہونے کے باوجود میں محتاط انداز میں گیس ہیٹر کے سامنے سے اٹھا اور دروازے کے قریب دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔

عمارت میں ہر طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا جس میں اپنے ہیٹر کے پنکھے کی آواز مجھے کسی تیز گونج کی طرح سنائی دے رہی تھی اور وقت بہت دھیمے دھیمے سرک رہا تھا۔ اس وقت مجھے سگریٹ کی بہت شدید طلب محسوس ہو رہی تھی مگر اس میں دو خطرات پوشیدہ تھے۔ ویاسلائی کے شعلے کا انعکاس کسی بھی زاویے یا دروازے کی جھری سے باہر دیکھا جا سکتا تھا اور کمرے کی فضا میں موجود گیس بھی دھماکے سے اگ پکڑ سکتی تھی لہٰذا اس خواہش کو میں نے دل ہی دل میں کچل دیا۔

سات منٹ گزرنے کے بعد میں نے دوبارہ ہیٹر کا گیس والو کھول کر دیکھا تو نوزل سے گیس کا اخراج جاری تھا۔ میرے وجود کی گہرائیوں میں درد کی لہریں انگڑائیاں لینے لگیں۔ اگر سلطان شاہ گہری نیند سویا ہوا تھا تو کمرے میں گیس کی اتنی بھاری مقدار داخل ہونے کے بعد کوئی معجزہ ہی اسے زندہ بچا سکتا تھا۔ مجھے مارسیلز کی وہ ہلکی پھلکی مہم یکلخت بہت بھاری پڑتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

دروازے کے قریب سے لوٹنے کے بجائے میں مزید دو منٹ تک وہیں کھڑا رہا اور وہ وقفہ گزرنے کے بعد میں نے پھر نوزل کھولا تو اس بار گیس خارج نہیں ہوئی۔ باہر والوں نے اپنی کارگزاری پر مطمئن ہو کر آخرکار گیس بند کر دی تھی تاکہ جب وہ خود ہماری خواب گاہوں میں داخل ہوں تو انھیں گیس سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ دوبارہ گیس بند ہونے کی وجہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ میرے اندیشے بے بنیاد نہیں تھے۔ آنے والے اپنی دانست میں اپنی کارروائی کا پہلا حصہ بخیر و خوبی مکمل کر چکے تھے، اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ ظاہر ہونے کے لیے کس مقام کا انتخاب کرتے۔

میں نے ہیم گن اپنی تحویل میں لی اور دوبارہ دروازے کے قریب دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔

چند ثانیوں بعد کمرے کی فضا میں گھنٹی کی تیز آواز گونجی اور میں چونک پڑا۔ دوسری گھنٹی بجی تو معاً مجھے یاد آیا کہ اس کمرے میں مسہری کے سرہانے انٹرکام بھی موجود تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں وہ سلطان یا ویرا میں سے کسی کی کال نہ ہو۔ اس خیال کے تحت پیش قدمی کرنے کا ارادہ کرتے ہی میں نے ترک کر دیا۔ اتنی زیادہ گیس میں اتنا وقت گزارنے کے بعد ان میں سے کسی کو انٹرکام استعمال کرنے کا ہوش ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ آنکھ کھلنے پر گھٹن محسوس کرتے ہی ان کا پہلا اور فطری ردِعمل یہ ہونا چاہیے تھا کہ دروازہ کھول کر باہر کھلی فضا میں پہنچنے کی کوشش کرتے۔ وہ یقیناً سازشیوں میں سے کسی کی کال تھی اور وہ انٹرکام کا بٹن دبا کر یہ یقین کرنا چاہ رہے تھے کہ کمرے والا بے ہوش ہو چکا تھا۔

وقفے وقفے سے چھ بار انٹرکام کا بزر بولا لیکن میں نے اسے اٹھانے کی حماقت نہیں کی۔ آخرکار وہ سلسلہ موقوف ہو گیا لیکن چند ہی ثانیوں کے بعد میری خواب گاہ کے دروازے پر آہٹ ہوئی پھر اس کے ہینڈل کو گھما کر دروازے پر زور آزمائی کی گئی جو اندر سے دروازہ بولٹ ہونے کی وجہ سے ناکام رہی۔ باہر والے نے جھلاہٹ میں ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر بے دردی سے پورے دروازے کو ہلا کر رکھ دیا کہ شاید ان ہی جھٹکوں سے اندر کا بولٹ گر جائے مگر دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخرکار وہ کوششیں ترک کر دی گئیں۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کرنے میں مصروف تھا۔

دروازے پر طبع آزمائی بہت بے خوفی اور دیدہ دلیری کے ساتھ کی گئی تھی جیسے باہر والوں کو کسی بھی مداخلت کا کوئی خوف نہ ہو لیکن اس کے باوجود کوئی انسانی آواز نہیں سنائی دی تھی جو جھلاہٹ اور ناکامی کی صورت میں اور کچھ نہیں تو بے مقصد گالیوں پر ہی مشتمل ہوتی یا اگر وہ زیادہ افراد ہوتے تو تبصرے اور رائے زنی کی آوازیں ابھرتیں لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شخص تنہا ہو۔ وہ جو کوئی بھی تھا، بہت مستقل مزاج اور دُھن کا پکا تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ زیادہ دیر تک چین سے نہیں بیٹھے گا بلکہ کہیں نہ کہیں سے اندر گھسنے کی کوشش کرے گا۔

اس وقت مجھے خواب گاہ کی عقبی کھڑکیاں یاد آئیں جن پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کھڑکیاں عمارت کے کس حصے میں کھل رہی تھیں اور پردوں کے پیچھے ٹھوس چوبی پٹ تھے یا صرف شیشے کی کھڑکیاں؟

لیکن وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت میں اپنا مورچا نہیں چھوڑ سکتا تھا جہاں سے خواب گاہ کے ہر حصے پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ دروازے پر ناکامی کے بعد آنے والا یقینی طور پر پردوں کے پیچھے چھپی ہوئی کھڑکیوں پر طبع آزمائی کرے گا اس لیے میرے کان پوری توجہ کے ساتھ ہر آہٹ پر مرکوز تھے لیکن، فضا میں ہیٹر کے پنکھے کی ہلکی سی گونج کے علاوہ ہر آواز مفقود تھی۔

اس وقت میرے اوپر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا کہ اچانک قدرے بلندی سے کسی کے فرش پر کودنے کی دھمک سنائی دی کھڑکیوں کے پردے میری نگاہوں کے سامنے بدستور ساکت تھے۔ میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں دشمن کے نئے محاذ کا اندازہ کر لیا میری توقع کے برعکس وہ خواب گاہ سے ملحقہ باتھ روم کی کسی کھڑکی یا روشندان سے اندر کودا تھا اور کسی بھی لمحے باتھ روم کا دروازہ کھول کر خواب گاہ میں داخل ہو سکتا تھا۔

میرے لیے وہ بت نازک لمحات تھے۔ مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ وہیں رک کر اپنے حریف کا مقابلہ کروں یا دروازے کا بولٹ گرا کر خاموشی سے راہداری میں نکل جاؤں۔

اس وقت میرے شعور کی سطح پر بس وہی دو امکانات تھے لیکن میرا فیصلہ لاشعوری اور اضطراری تھا۔ میں جہاں تھا، وہیں قالین پر سینے کے بل بے آواز اوندھا لیٹ گیا۔ اپنا داہنا ہاتھ میں نے اس طرح سینے کے نیچے دبا لیا تھا کہ آنے والے کو اس میں دبا ہوا ایکسپلوڈر نظر نہ آ سکے۔ میری کوشش یہ تھی کہ آنے والا مجھے گیس کے زیرِ اثر کسی اندھے کی طرح کمرے میں بھٹک کر بے ہوش ہونے والا شکار تصور کرے۔

اندھیرے میں میری نظریں باتھ روم کی بغلی دیوار پر مرکوز تھیں، جس میں دروازہ نصب تھا۔ مجھے مطلق بھی اندازہ نہ ہو سکا کہ بے آواز قبضوں والا دروازہ کب کھولا گیا۔ سانسوں کی رفتار اس وقت تیز اور ناہموار ہو گئی جب کھلے ہوئے دروازے کے خلاء سے ایک دراز قامت انسانی ہیولا کسی بن مانس کی طرح تاریک کمرے میں داخل ہوا اور وہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔

باتھ روم سے کمرے میں آتے ہی اس کی نگاہیں خالی بستر کی طرف گئیں۔ اور وہاں سے پھسلتی ہوئی میرے جسم پر مرکوز ہو گئیں اور وہ میری طرف بڑھنے لگا۔

اس وقت تک میں نے تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی آنکھیں پوری طرح کھول رکھی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے اور پہلوؤں میں جھول رہے تھے۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ اپنی کامیابی کے بارے میں سو فیصد پُریقین تھا اس لیے اُس نے جیب سے اسلحہ نکالنے کی ضرورت تک محسوس نہیں کی تھی مگر مجھے یہ یقین تھا کہ وہ غیر مسلح نہیں ہوگا۔ اس کی جیب میں کوئی نہ کوئی بھرا ہوا ہتھیار ضرور موجود تھا۔

اسے اپنی طرف پیش قدمی کرتے دیکھ کر میں نے اپنی آنکھیں یوں موند لیں کہ جھریوں میں سے اس پر نگاہ رکھ سکوں۔ وہ بڑھتا رہا جب کہ میں اُسے فریب دینے کے لیے بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس لیے کمرے کے وسط میں اُس کا چہرہ میری نگاہوں کی زد سے نکل گیا۔ پھر رفتہ رفتہ اس کا پورا وجود معدوم ہو کر صرف اُس کے قدم نظر آنے لگے جو بتدریج میرے قریب آتے جا رہے تھے۔

میرے قریب آ کر وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھہرا پھر اُس نے داہنی ٹھوکر میری بائیں پسلیوں میں اڑا کر میرے جسم کو پلٹنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا پسلیوں میں چبھتی ہوئی جوتے کی نوک ہٹالی گئی۔ پھر وہ میرے اوپر جھکا اُس کی مضبوط گرفت میں نے اپنی بائیں کلائی پر محسوس کرتے ہوئے اُس چہرے کی اپنے جسم سے بلندی کا اندازہ لگایا اور پھر جونہی اُس نے ہاتھ گھسیٹ کر مجھے پلٹنا چاہا، میں نے بجلی کی سی سرعت سے پلٹ کر داہنے ہاتھ سے اس کے چہرے پر ضرب لگائی۔ غنیمت تھا کہ میرا اندازہ درست ثابت ہوا اور بیم گن اور میرے ہاتھ کی مشترکہ ضرب نے اس کا کلیجا ہلا رکھ دیا۔ وہ ایک کریہہ چیخ مار کر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا، میرا ہاتھ اُس گرفت سے آزاد ہو گیا اور میں اس پر بیم گن تانے پھرتی کے ساتھ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

اٹھنے کے ساتھ ہی میں نے بائیں ہاتھ سے قریبی دیوار میں نصب سوئچ بورڈ کے بٹن دبا کر کمرہ منور کر دیا۔

"ہاتھ اٹھاؤ ذلیل انسان!" میں نے غصے سے دانت پیستے ہوئے اُسے حکم دیا۔ "اور یہ بتاؤ کہ اب تم کیسی موت مرنا پسند کرو گے؟"

مجھے زندہ اور متحرک دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا تھا اور اُس کا بلڈاگ کی تھوتھنی جیسا چہرہ خوف اور دہشت سے تاریک پڑ گیا تھا۔ "م... مجھے معاف کر دو۔ . . مجھے معاف کر دو، حرص اور لالچ میں میری عقل سلب ہو گئی تھی۔ میں بہت ذلیل، مکار اور خود غرض ہوں مگر تم عظیم آدمی ہو، مجھے معاف کر دو۔" رحم کی فریاد کرتے ہوئے اُس کے دونوں ہاتھ ملتجیانہ انداز میں سر سے اوپر اٹھتے چلے گئے تھے۔

"تم ناقابلِ معافی جرم کے مرتکب ہوئے ہو۔ آئی مین کو اپنا مہمان بنا کر اُس کی جان لینے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا کہ میرے ساتھیوں کا بال بھی بیکا ہوا تو تمھیں دونوں ٹانگوں سے اپنی کار کے پچھلے بمپر سے باندھ کر میں اس وقت تک مارسیلز کے بازاروں میں گھسیٹتا پھروں گا جب تک تمھاری ہڈیاں تک سڑکوں پر گھس کر فنا نہ ہو جائیں۔ تم نے آئی مین کی مہربانی دیکھی ہے اب اس کا قہر بھی دیکھ لو گے۔"

میری سزا سن کر میرانڈے سر سے پیر تک لرز اٹھا اور دہشت سے اُس کی آنکھیں اُس کی شکن آلود پیشانی پر جا چڑھیں اور وہ بے اختیار سے کر رو پڑا۔ "صرف ایک بار معاف کر دو اور جلدی کرو، خدا کرے کہ ساتھی ابھی زندہ ہوں۔ اے خداوندا تو اِن پر سایہ کر اور انھیں موت سے محفوظ فرما تاکہ میں بازاروں میں گھسیٹے جانے والے عذاب سے محفوظ رہ سکوں۔" آخری فقرے اُس نے روتے ہوئے اپنا چہرہ چھت کی طرف اٹھا کر ادا کیے تھے۔

مجھے ان دونوں کی طرف سے تشویش لاحق تھی لیکن اسی کے ساتھ گرفت میں آئے ہوئے میرانڈے کی طرف سے بھی کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا اگر وہ کسی بھی طرح ہماری گرفت سے نکل جاتا تو ہمارے

لیے ناقابلِ تصور دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں جن کا توڑ ہمارے بس سے باہر ہوتا۔

"ولدالحرام!" میں نے غرّا کر اسی کا کہا ہوا پرانا لفظ دُہرایا۔ "عورتوں جیسا یہ ڈھونگ بند کرو اور دیوار کی طرف منہ کر لو۔ یہ یاد رکھنا کہ میرے ہاتھ میں پستول نہیں، لیزر گن ہے جس سے نکلنے والی شعاع جہاں پڑ جائے، جسم کے پار نکلتی ہے۔"

اُس نے پوری طاقت سے اپنے چہرے پر دو ہتڑ رسید کیا اور دوبارہ ہاتھ بلند کر کے دیوار کی طرف گھوم گیا۔ اُس نے مجھ سے اپنی بے پناہ وفاداری کا اظہار کر کے جس طرح ہم تینوں کو ہلاک کرنے کی مکارانہ کوشش کی تھی اس کی روشنی میں اب وہ میری نگاہوں میں محض بہروپیا رہ گیا تھا ورنہ جہاں تک حقیقی تاثرات کا تعلق تھا، رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد دہشت سے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی اور وہ اپنے بھاری بھرکم وجود اور بدہیبت چہرے کے باوجود کسی کیچوے سے بھی بدتر نظر آ رہا تھا۔

میں نے اس کی پشت سے بیم گن کا نوزل لگا کر اس کی جامہ تلاشی لی اور اس کی داہنی جیب سے اعشاریہ تین دو کا بھرا ہوا پستول برآمد کر لیا۔

"اب آگے آگے چلو اور باری باری ان دونوں کی خواب گاہوں کے دروازے کھولو۔" میں نے اس کی گدی پر بائیں کلائی سے بھرپور ضرب لگاتے ہوئے کہا اور وہ محض ہائے کر کے رہ گیا۔

روتا اور کراہتا ہوا وہ میری خواب گاہ سے ملحقہ کمرے کے دروازے پر پہنچا اور اُسے کھول دیا۔ کمرہ تاریک پڑا ہوا تھا اور بستر خالی تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کمرے میں گیس کی بہت زیادہ بُو نہیں تھی۔

میرے روشنی کرتے ہی بستر کی آڑ سے سلطان شاہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ایکسپلوڈر کی نال ہم دونوں کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور نگاہوں میں قہر کے کوندے لپک رہے تھے۔

"تو یہ اس کی حرکت تھی۔" وہ غصے سے پھنکارتے ہوئے اُردو میں بولا۔ "میں سو گیا تھا لیکن گیس کی تیز بُو سے میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے شروع ہی سے اس پر اعتماد نہیں تھا کیونکہ اپنی فطری خودسری کے برعکس یہ تمہاری حد سے زیادہ چاپلوسی کر رہا تھا، لیکن اس کا مقصد کیا تھا؟ کیا اسے تم پر شبہ ہو گیا تھا؟"

"یہ بھی معلوم کر لیں گے، پہلے ویرا کی خبر لو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا اور سلطان شاہ نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"چاروں ہاتھ پیر پھیلا کر قالین پر اندھے مُنہ لیٹ جاؤ۔" میں نے میرانڈے کو حکم دیا۔ اُس نے اس قدر عجلت میں میرے حکم کی تعمیل کی تھی کہ اندھے مُنہ گرتے ہوئے اُسے چوٹیں بھی آئی تھیں۔ قالین پر اپنا سینہ ٹکاتے ہی اُس نے اپنے دونوں ہاتھ جسم سے نوّے درجے کا زاویہ بناتے ہوئے پھیلا لیے تھے۔

چند ثانیوں بعد ہی سلطان شاہ بوکھلایا ہوا واپس آیا تھا۔ "اس کے کمرے میں بُری طرح گیس بھری ہوئی ہے اور وہ بے ہوش ہے۔ نبضیں سست چل رہی ہیں اور دہانے سے کف بہہ رہا ہے۔"

"تم اس پر نگاہ رکھو، میں ویرا کو دیکھتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں سلطان شاہ کی خواب گاہ سے نکل گیا۔

ویرا کی خواب گاہ میں اس قدر گیس بھری ہوئی تھی کہ وہاں سانس لینا دشوار تھا۔ میں نے بس ایک نظر دیکھا کہ اس کے چہرے پر شدید کرب کے آثار تھے اور اسے سانس لینے میں بھی دقت ہو رہی تھی۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اسے اپنے کندھے پر لادا اور سیدھا سلطان شاہ کے کمرے میں لے آیا۔

نسبتاً ہلکی فضا میسر آتے ہی ویرا کے تنفس کی رفتار میں قدرے تیزی اور بے ترتیبی رونما ہوئی اور میں نے بڑھ کر پردے ہٹا کر خواب گاہ کی کھڑکیاں بھی کھول دیں اور یخ بستہ ہواؤں کے جھونکے کمرے میں آنے لگے۔ ہمارے لیے وہ ہوائیں تکلیف دہ تھیں لیکن ویرا کو اس وقت صرف تازہ ہوا کی کثرت ہی بچا سکتی تھی۔ ساتھ ہی میں نے اس کے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے بھی دینے شروع کر دیے۔

"میں سمجھ گیا ہوں، اب اس کی دیکھ بھال میں کر لوں گا۔ تم بازپُرس کر کے اس خبیث کا قصہ پاک کرو۔ ایسی چوکڑی بھولا ہے کہ اب منحوس آواز میں مسلسل رٹے جا رہا ہے۔"

میں پانی کا جگ سلطان شاہ کے حوالے کر کے بستر سے اٹھ گیا اور میرانڈے کے قریب پہنچ کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ بلبلا کر دُہرا ہو گیا۔ ویرا کی ابتر حالت دیکھنے کے بعد میرے لیے اپنے غصے پر قابو پانا دشوار ہو گیا تھا۔

"خاموش!" میں نے اس کی پنڈلی پر دوسری ٹھوکر مارتے ہوئے کہا اور اس کی ساری آوازیں یکلخت معدوم ہو گئیں۔

"تیری یہ جرأت کیسے ہوئی؟ ہمیں مار کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا تو؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ میرا دماغ چل گیا تھا۔ میں نے ایک خواب دیکھا تھا جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ مجھے معاف کر دو، میں تمہارے پیر چاٹ لوں گا، مجھے میری زندگی بخش دو۔ میں نے اونچا اُڑنے کی کوشش کی تھی لیکن اس طرح گرا ہوں کہ اپنے پیر تڑوا بیٹھا ہوں۔ بس تم مجھے معاف کر دو۔"

"کیا تھا وہ خواب؟ کیا چاہتا تھا تو؟" میں نے ڈپٹ کر غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"میں۔۔۔ میں سلور آئی پر قابض ہونا چاہتا تھا۔" اس نے جھجکتے اور سسکتے ہوئے اعتراف کیا اور میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ "اس میں سارا قصور صرف میرا نہیں ہے، خود تم نے بھی میرے جنون کو ہوا

دی تھی۔ تم نے بتایا تھا کہ تم رازداری کے ساتھ میرے پاس آئے ہو اور کسی کو اپنی یہاں موجودگی کی خبر نہیں دینا چاہتے۔ میں نے سوچا کہ... میرے منہ میں خاک، میں تم تینوں کو مار کر لاشیں ٹھکانے لگا دوں تو کسی کو پتا نہیں چلے گا کہ تم لوگ کہاں غائب ہو گئے اور میں سلور آئی پر قابض ہو جاؤں گا۔ پھر میں اپنی اس موذی خواہش پر قابو نہ پا سکا۔ میں نے سوچا کہ تمھیں مارسیلز میں کسی سے ملنے کا موقع دیے بغیر فوراً اپنا کام کر گزروں۔ تم تینوں تھکے ہوئے اور آرام کے طلبگار تھے۔ میرا خیال تھا کہ میرا منصوبہ کسی رکاوٹ کے بغیر آسانی سے کامیاب ہو جائے گا مگر میں یہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ جعلی آئی مین بننے کے لیے میں اصلی آئی مین کے خلاف سازش کر رہا تھا جو سوتے ہوئے بھی ہزاروں آنکھوں کے ساتھ بیدار رہتا ہے۔"

اس کی کہانی سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ اسے میرے آئی مین ہونے پر شبہ نہیں ہوا تھا۔ ورنہ ابتدا میں تو مجھے یہی فکر تھی کہ کہیں میرا راز فاش نہ ہو گیا ہو۔ میں نے ویرا کا جائزہ لیا تو اس کی حالت دھیمے سدھر رہی تھی، اگر چند منٹ اور وہ اسی زہریلی فضا میں پڑی رہ جاتی تو شاید دیکھ بھال کے سارے بکھیڑوں سے بے نیاز ہو جاتی لیکن اب اس کے زندہ بچ جانے کی آس بندھتی نظر آ رہی تھی۔

"تمھارا جرم اپنی نوعیت کا پہلا اور بہت سنگین جرم ہے" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا "قاتلانہ حملہ تو بڑی بات ہے شی کی تاریخ میں آج تک کوئی کسی آئی مین کے سامنے اونچی آواز میں بولنے کی ہمت نہیں کر سکا، اس لیے تمھیں زندہ چھوڑنا دوسروں کے حوصلے بڑھانے کے برابر ہو گا۔ تمھیں اب موت کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ بڑے کھیل میں ایسا ہی ہوتا ہے، تم کامیاب ہو جاتے تو جعلی آئی مین بن جاتے، اب ہار گئے ہو تو تمھیں اپنی موت پر افسوس نہ ہونا چاہیے۔"

"میں ہر سزا کے لیے تیار ہوں لیکن مجھے میری زندگی کی بھیک دے دو۔" وہ قالین پر پڑے پڑے ایک مرتبہ پھر بلک کر رو پڑا۔ زندگی کی محبت نے اسے بالکل ہی بودا اور نکما بنا کر رکھ دیا تھا۔

"ہر سزا...؟" میں نے چیلنج کرنے والے انداز میں پوچھا۔

"تمھاری زبان کٹوا دی جائے گی۔ ایک ہاتھ اور ایک پیر سے بھی معذور کر دیے جاؤ گے۔ اسی کے ساتھ سارے اثاثوں سے شی کے حق میں دستبردار ہونا پڑے گا۔ تمھیں کسی خیراتی محتاج خانے میں داخل کرا دیا جائے گا جہاں تم اپنی باقی زندگی سکھ کے ساتھ گزار سکو گے۔"

"مجھے زندگی کی اتنی بھیانک تصویر نہ دکھاؤ۔" وہ کانپتے ہوئے بولا۔ "میں نے اپنا گھر آباد کیے بغیر اپنی جوانی کے لہو سے شی کی بنیادوں کو سینچا ہے۔ مجھے اسی کا کچھ فائدہ دے دو۔"

"جوانی کے لہو سے تم نے گناہوں کی آبیاری کی ہے میراندے! شہر کی خوبصورت اور جوان امیرزادیوں کو نشے کا عادی بنا کر اپنی خلوت میں محفلیں سجاتے رہے ہو۔ اپنا انعام تو تم خود لیتے رہے ہو۔ اس لیے اپنی آخری غلطی کا انعام بھی تمھیں خوشی کے ساتھ قبول کر لینا چاہیے۔"

"یہ میری پہلی بھول تھی جو بدنصیبی سے آخری غلطی بنتی نظر آ رہی ہے۔ تم مجھے بس ایک موقع دے دو۔"

وہ اصرار کرتا رہا اور میں انکار پر اڑا رہا۔ وہ بدبخت یہ بھول رہا تھا کہ اگر ہم ہوشیار نہ ہوتے تو اس نے اپنی بے داغ منصوبہ بندی سے ایک ہی وار میں تینوں کا صفایا کر دیا ہوتا لیکن اس کے ساتھ معاملے کا ایک اہم پہلو اور بھی تھا کہ ہم تینوں ہی مارسیلز میں اجنبی تھے بلکہ ویرا جو کسی حد تک شہر آشنا تھی، ایک طرف گیس کا شکار ہو گئی تھی اور دوسری طرف شہر میں اسے شی کے مقامی چیف کی مخاصمت کا خطرہ تھا۔ جب کہ ہمیں شہر میں ایک محفوظ ٹھکانے کی شدید ضرورت تھی۔

میراندے کا مکان ہمارے لیے ایک بہترین ٹھکانا تھا جہاں سواری سے لے کر رہائش تک ساری آسائشیں میسر تھیں۔ اگر ہم اسے ٹھکانے لگا دیتے تو اس کے ملازمین ہماری طرف سے شبہات میں مبتلا ہو جاتے اور ہمارا وہاں مقیم رہنا دشوار ہی نہیں خطرناک بھی ہو سکتا تھا جب کہ میں فائر کیمپ کا معاملہ سامنے آنے کے بعد کم از کم اس وقت تک مارسیلز میں مقیم رہنا چاہتا تھا جب تک میں اس بارودی گودام کی تباہی کے اپنے منصوبے پر عمل نہ کر لوں۔ اس کا بہتر علاج یہ تھا کہ چند روز کے لیے میراندے کو زندہ رکھا جاتا تاکہ اس کی آڑ میں ہم اس کے مکان پر اپنا تصرف برقرار رکھ سکیں اور جب جانے کا ارادہ ہوتا تو اسے مار کر اس کی لاش وہیں کسی کمرے میں بند کر جاتے۔

لیکن آخری صورت میں خرابی یہ تھی کہ میراندے موقع پا کر فرار ہو سکتا تھا یا باہر اپنے ہمدردوں سے رابطہ قائم کر کے ہمارے لیے کچھ دشواریاں کھڑی کر سکتا تھا۔

میں اسے باتوں میں الجھا کر ان ہی امکانات پر غور کر رہا تھا کہ معاً مجھے میراندے کا قیدی یاد آیا جو اسی مکان کے کسی تہ خانے میں قید تھا اور مجھے ایک اچھوتا خیال سوجھ گیا۔

"تم صرف زندگی نہیں بلکہ بھرپور زندگی گزارنے کا حق چاہتے ہو۔" آخر کار میں نے کہا۔ "لیکن میری نگاہوں میں تم اپنا اعتبار کھو چکے ہو۔ میں جب تک یہاں ہوں تمھیں زندہ رکھوں گا لیکن اس دوران میں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ تمھیں چون و چرا کیے بغیر میری ہدایات کے مطابق گزارنا ہو گا۔ اگر تم اطاعت کے اس معیار پر پورے اترے تو زندہ رہو گے ورنہ میرا فیصلہ بحال رہے گا۔"

"میں تیار ہوں۔" وہ تشکر سے لبریز لہجے میں بول پڑا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم آئی مین ہو اور عام انسانوں سے بہت بلند مقام رکھتے

ہو، اس احسان پر زندگی بھر میرا رُواں رُواں تمھارا احسان مند رہے گا۔" کہتے ہوئے اس نے قالین پر سرک کر میرے پیر تھام لیے اور عقیدت ے انھیں چومنے لگا۔

"تہ خانے کا راستہ کہاں سے ہے؟" چند ثانیوں کے بعد میں نے سوال کیا۔

"میری خواب گاہ میں راستہ ہے۔" وہ اپنا آنسوؤں سے بھیگا ہوا ہرہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

"چلو، میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ یاد رہے کہ تمھاری زمائش کا آغاز ہو چکا ہے، اگر اب تم بہکے تو میں وارننگ دیے بغیر ھیں گولی مار دوں گا۔"

"تم مجھے کسی غلام سے زیادہ وفادار پاؤ گے۔" اس کے لہجے یں پہلی بار قدرے اعتماد بحال ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

اس کی خواب گاہ اسی راہداری میں آخری سرے پر واقع تھی۔ ندر قدم رکھتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں راجہ اِندر کے اکھاڑے یں آ گیا ہوں۔ بیش قیمت قلمی تصاویر سے ایرانی قالینوں تک ہر چیز پرشکوہ تھی لیکن اس خواب گاہ میں سونے والا اس وقت میرے سامنے ایک بھکاری بنا ہوا تھا۔

میراندے نے اپنی خواب گاہ کی ایک دراز سے دو چابیوں والا ایک کِی رنگ نکالا اور پھر ایک دیوار گیر الماری کی طرف بڑھ گیا۔ وزنی اور منقش چوبی دروازے کا پٹ کھلتے ہی تہ خانے میں جانے والا راستہ ہمارے سامنے آ گیا جو خود بخود روشن ہو گیا تھا۔

میرے ایما پر میراندے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا اور میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ آٹھ زینوں کے بعد لینڈنگ سے زینے واپس مڑ گئے تھے جن کے اختتام پر دس فٹ بلند اور تقریباً اتنی ہی چوڑی ایک لمبی سی راہداری تھی جس کا اختتام ایک کشادہ ہال میں ہوا تھا جہاں فضا میں سیلن کے ساتھ ہی بدبو رچی ہوئی تھی۔

اس وسیع زیرِ زمین ہال میں صرف ایک بلب روشن تھا جو اس رقبے کے لیے ناکافی تھا۔ میراندے مزید روشنی کرنے کے لیے بڑھا تو ہال کے انتہائی سرے سے آہنی جھنکار کے ساتھ کسی کی کمزور آواز سنائی دی اور میں اسی طرف بڑھ گیا۔ میراندے بھی بتّیاں روشن کر کے میرے یچھے آ گیا۔

قیدی کی حالت دیکھ کر میرا دل لرز اٹھا۔ اس کی داڑھی وحشتناک انداز میں بڑھی ہوئی تھی، آنکھوں میں ورم کے ساتھ ویرانی رچی ہوئی تھی، لباس پھٹ کر تار تار ہو چکا تھا۔ بکھرے ہوئے بالوں اور بڑھے ہوئے گندے ناخنوں کے ساتھ وہ انسان کے بجائے دو پیروں والا کوئی درندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کی گردن میں آہنی طوق پڑا ہوا تھا جو ایک فٹ لمبی آہنی سلاخ کے ذریعے داہنی پنڈلی میں پڑے ہوئے ایک کڑے سے منسلک تھا۔ ڈنڈا بیڑی نما اس آلے کی وجہ سے گردن اور داہنی ٹانگ کے سہارے وہ شخص کمان بنا ہوا تھا۔ پنڈلی اور گردن والے دونوں وزنی آہنی حلقے مقفّل تھے اس طرح وہ شخص آزادانہ نقل و حرکت سے معذور ہو کر رہ گیا تھا۔

"اس کی چابیاں کہاں ہیں؟" میں نے میراندے کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا اور اس نے کی رنگ کی چھوٹی چابی تھام کر دو چابیوں والا رنگ میری طرف بڑھا دیا۔

"آج کا دن تمھیں اس طوق میں گزارنا ہو گا۔" میں نے بیم گن سے کھیلتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"مم... میں!" حیرت اور خوف سے اس کی زبان سے نکلا پھر وہ گڑبڑا کر خود ہی سنبھل گیا۔ "بالکل گزاروں گا لیکن اسے آزاد نہ کرنا ورنہ یہ دن بھر میرے جوتے لگاتا رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی آنے جانے والے پر حملہ بھی کر بیٹھے۔"

"پھر تمھارے لیے یہ آلات کہاں سے مہیّا ہوں گے؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"میں لاتا ہوں۔" وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "یہاں چار جوڑیاں ہیں جو سب ایک ہی چابی سے کھلتی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی لے آؤں گا۔"

اسے ذرا دیر قبل مجھ سے کیا ہوا معاہدہ یاد تھا اور وہ میرے ہاتھ میں بیم گن بھی دیکھ رہا تھا لہٰذا خود ہی ایک طرف دوڑ گیا اور اپنے لیے وزنی آہنی زیور لے آیا۔

قیدی نے حلق سے مسرّت آمیز چیخ کے ساتھ کچھ اور آوازیں بھی نکالیں جو میرے پلّے نہ پڑ سکیں۔

"یہ خوش ہو رہا ہے۔ میرے کان کھا جائے گا۔" میراندے نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "اعتراض نہ ہو تو مجھے دوسرا کونا دے دو۔ جہاں میں اس سے محفوظ رہ سکوں۔"

میں اسے ساتھ لے کر زینوں کے مقابل والے گوشے میں پہنچ گیا اور میری ہدایت پر میراندے نے اپنی گردن میں خود ہی آہنی طوق پہن لیا۔ گردن والے حصّے کو مقفل کر کے میں نے اس کی ٹانگ اوپر اٹھائی اور پھر آہنی سلاخ کے دوسرے سرے والا کڑا اس کی پنڈلی کے گرد بیٹھ گیا۔ اس حالت میں میراندے بس مختصر سے دائرے میں لڑھک یا گھوم ہی سکتا تھا۔

اس نے فرش پر گھسٹ کر اپنی پوزیشن درست کی اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

"بس تو پھر آرام کرو، میں جا رہا ہوں۔" میں نے سفّاکانہ سرد مہری کے ساتھ کہا۔

"لل... لیکن پھر کب آؤ گے؟" اس نے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔

"جب وقت مل گیا۔ ویسے میں نے قیدی کے پاس سوکلی

روٹیاں اور پانی کا پیالہ دیکھ لیا ہے۔ ضرورت کی یہ چیزیں تمہیں بھی بھجوا دوں گا۔“

”میرے کسی ملازم کو نہ بھیجنا۔“ وہ دھیمی آواز میں گڑگڑایا اور میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے ملازمین کو تو میں ہوا بھی نہ لگنے دیتا کہ ان کا آقا کہاں آرام کر رہا تھا۔

عارضی طور پر میراندے کا مسئلہ حل ہوتے ہی میرے ذہن پر ویرا کی فکر سوار ہونے لگی تھی۔

تہ خانے سے نکاسی کے لیے زینے طے کرتے ہوئے میرے ذہن میں مسلسل میراندے کا واقعہ فلم کی طرح بار بار چل رہا تھا۔ وہ بہت مکار اور خود غرض شخص تھا کہ اس نے پہلا موقع میسر آتے ہی سلور آئی پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی بھرپور کوشش کر ڈالی تھی جو محض ہماری خوش قسمتی کی وجہ سے ناکام ہو گئی تھی۔ اگر اس رات کے باقی حصے میں ہم سو جاتے تو شاید دوبارہ قیامت کے دن ہی آنکھ کھلتی۔ میرا اندازہ تھا کہ گیس ہیٹر کے ذریعے ہم تینوں کو بے ہوش کرنے والے اقدامات کی تکمیل کے بعد میراندے براہِ راست میرے کمرے کی طرف آیا تھا کیونکہ اسے میری تحویل سے سلور آئی نکالنا تھی۔ اپنی کارروائی کی کامیابی کے بارے میں وہ اتنا پُریقین تھا کہ اس نے ویرا اور سلطان شاہ کی خواب گاہوں میں جھانکنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔

مجھے ویرا کی گیس خورانی کا دلی افسوس تھا لیکن خدا کا شکر تھا کہ وہ عین وقت پر موت کے بھیانک جبڑوں سے نکال لی گئی تھی۔ اسی کے ساتھ مجھے سلطان شاہ کی ہوشیاری پر خوشی تھی کہ میری ہی طرح اس نے بھی اپنی خواب گاہ میں میراندے کی سازش ناکام بنا دی تھی ورنہ میرے تنہا کے لیے میراندے کے ساتھ ویرا اور سلطان شاہ کو سنبھالنا دشوار ہو جاتا۔ میں ان ہی خیالات میں غلطاں اوپر میراندے کی خواب گاہ سے گزر کر سلطان شاہ کے کمرے میں پہنچا تو وہاں فضا پراگندہ تھی اور سلطان شاہ بہت زیادہ بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

”اس کا بچنا مشکل نظر آ رہا ہے۔“ مجھے دیکھتے ہی وہ اضطراری انداز میں میری طرف لپکا تھا۔ ”ابھی ابھی اسے بہت بڑی قے ہوئی ہے جس میں زیادہ تر نیلا پانی ہی پانی تھا.... بستر اور اس کا سارا لباس گندا ہو گیا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بے چاری کے لیے کیا کروں... وہ مرنے کے قریب پہنچی ہوئی نظر آ رہی ہے۔“

اس کا تبصرہ سن کر میں خاموشی سے مسہری کے قریب پہنچ گیا حالانکہ قے کے بارے میں سن کر مجھے قدرے اطمینان ہوا تھا۔ اس طرح جسم میں پہنچی ہوئی گیس کی خاصی مقدار غالباً زائل ہو چکی تھی اور وہ ویرا کی حالت میں بہتری کی علامت تھی۔

میں نے ویرا کے پپوٹے الٹ کر اس کی آنکھوں کی پتلیاں دیکھیں، نبض کی رفتار کا جائزہ لیا اور بستر کی وسیع و عریض چادر کے فالتو حصے سے اس کا لباس خشک کرنے میں مصروف ہو گیا۔

”یہ اتنی آسانی سے نہیں مرے گی۔“ میں نے ویرا کے جسمانی نظام میں مثبت تبدیلیاں محسوس کرنے کے بعد خوش دلی کے ساتھ کہا۔ ”اس وقت قے ہونا بہت ضروری تھا۔ اب یہ جلد ہی ہوش میں آ جائے گی۔“

”اسے کہاں چھوڑ آئے؟“ سلطان شاہ نے دور ہی سے ویرا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”قریب آ کر میری مدد کرو، یہ تمہیں کھا نہیں جائے گی۔“ میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ ”تازہ ہوا اپنا کام دکھا چکی ہے۔ اب کمرے میں آنے والی سرد ہوائیں تکلیف دہ ہوتی جا رہی ہیں۔ پہلے عقبی کھڑکیاں بند کرو پھر میرے پاس آ جاؤ۔“

اس نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ کیے بغیر عقبی کھڑکیاں بند کر کے دبیز پردے ان پر اچھی طرح پھیلا دیے، اس طرح دوسری طرف سے کسی کو اتفاقاً بھی کمرے کے اندر کی صورتِ حال کا پتا نہیں چل سکتا تھا۔ ادھر سے نمٹ کر وہ خاموشی کے ساتھ میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر عجیب سی مردنی چھائی ہوئی تھی۔

”دوسری طرف جا کر اس کا بایاں ہاتھ آستین سے نکالو۔“ میں نے گیلے لباس سے ویرا کا داہنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے سلطان شاہ کو حکم دیا لیکن وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس تک نہ ہوا۔

”تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے؟“ اس کی ڈھٹائی پر میں نے برہمی سے غراتے ہوئے کہا۔

”سن لیا ہے لیکن اللہ کے لیے اس کام میں مجھے ملوث نہ کرو۔“ وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ ”اس جیسی زندہ اور صحت مند عورتوں کے لمس ہی سے اب مجھے خوف آنے لگا ہے۔ یہ مر رہی ہوتی یا مر گئی ہوتی تو میں تم سے پہلے اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر جہاں چاہتے پہنچا دیتا لیکن تم بتا رہے ہو کہ ویرا اب ٹھیک ہے، اس لیے مجھے اس سے دور ہی رہنے دو۔“

مجھے خیال آیا کہ وہ ایک بار تنہائی میں ایلی نور کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو چکا تھا۔ شاید اس وقت اسے کسی کم زور سی عورت کی لرزہ خیز صلاحیتوں کا پہلی بار ادراک ہوا تھا۔ اس روز ہوٹل میں میری بروقت واپسی پر سلطان شاہ نے یوں گہرے اطمینان کا اظہار کیا تھا جیسے میں نے اسے موت کے جنگل میں جانے سے بال بال بچایا ہو۔

سلطان شاہ کی خوابیدہ حیوانی جبلت کو اُکسا کر اسے یادگار سبق پڑھانے والی ایلی نور اپنی بدقسمتی سے اجل کی تاریک وادیوں میں دھکیل دی گئی تھی جبکہ ویرا زندہ اور زندگی کے لیے ہماری مدد کی طلب گار تھی۔ اس لیے میں نے سلطان کی اس اضطراری جھجک کا پس منظر جانتے بوجھتے ہوئے بھی اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا اور کہا۔ ”تم لعنتی

بہت تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔ قے کی بُو میرے لیے ناقابل برداشت ہے اور تمھیں نخرے سوجھ رہے ہیں۔ اس وقت تم نے میرا ہاتھ نہیں بٹایا تو یاد رکھنا کہ آئندہ اپنے کسی کام میں تمھیں ہاتھ نہیں لگانے دوں گا۔"

اس کے چہرے پر یک بیک ایسے تاثرات ابھر آئے جیسے اس کے حلق میں کوئی چیز اٹک گئی ہو۔ اس کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور وہ نڈھال قدموں سے مسہری کے دوسری جانب ویرا کے بائیں پہلو میں پہنچ گیا۔

دیرا کی مسہری سے قالین پر منتقلی سے اس کے بدن کی صفائی اور لباس کی تبدیلی تک سلطان شاہ کسی ایسی نوخیز دوشیزہ کی طرح بوکھلاتا اور شرماتا رہا جس سے اوڑھنی چھین کر اسے اوباش نامحرموں کی بھیڑ میں دھکیل دیا گیا ہو لیکن اس کے اس ردِ عمل میں تصنّع کا کوئی دخل نہیں تھا دراصل اس کی پرورش ہی ایسے سنگلاخ قبائلی ماحول میں ہوئی تھی جہاں مائیں بلوغت کی عمر کو پہنچنے تک اپنے بیٹوں کو ہر حیلے اور بہانے سے نامحرم عورتوں کے سائے تک سے محفوظ رکھتی تھیں اور اس مقصد کے لیے حسین بہروپ بدل لینے والی چڑیلوں تک کے قصّوں کا سہارا لینے سے گریز نہیں کرتی تھیں اس خلا میں وہ مائیں جن لڑکیوں کو اپنی بہو بنا کر لے آتی تھیں ان کے بیٹے بسروچشم اُنھیں اپنی بیویوں کے طور پر قبول کر لیتے تھے۔ یہی کچھ سلطان شاہ کا معاملہ نظر آرہا تھا کہ بیوی کی دریافت تک وہ اپنی کتابِ حیات کا وہ ورق بالکل سادہ رکھنا چاہتا تھا جس پر زندگی میں بس ایک ہی عورت کا نام درج کیا جاتا ہے۔

اپنے طبعی میلان کے برعکس وہ دیر تک میری مدد کرتا رہا آخرکار ہماری کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور ویرا نے چند ثانیوں تک نقاہت آلود آوازوں کے ساتھ کسمسانے کے بعد آنکھیں کھول دیں۔

"میں کہاں ہوں؟" اس نے ویران نظروں سے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے تھکی ہوئی نحیف آواز میں سوال کیا۔

"تم محفوظ ہو دیرا!" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "ہم تینوں ایک خطرناک سازش سے بال بال بچے ہیں۔ رفتہ رفتہ ہی تمھاری حالت اعتدال پر آئے گی۔"

"ڈینی!" وہ میرا ہاتھ اپنے چہرے سے لگا کر اچانک رو پڑی۔ "تم.... تم میرا کتنا دھیان رکھتے ہو... کاش اس کے صلے میں میں بھی تمھارے کسی کام آسکتی۔"

"خود پر قابو رکھو۔" میں نے اس سے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "تمھارے معدے اور خون میں جلائی جانے والی زہریلی گیس کی بھاری مقدار شامل ہو چکی ہے جس کا ایک حصہ قے کی صورت میں خارج ہو چکا ہے۔ اس سے پوری طرح نجات حاصل کرنے کی بس یہی ایک

مشہور ماہرینِ نفسیات کی آرا پر مشتمل کتاب

اس کتاب کا مطالعہ آپ کو بتائے گا کہ :—
- احساسِ کمتری سے کس طرح نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔
- کامیاب زندگی گزارنے کے اصول کیا ہیں۔
- کیا آپ واقعی احساسِ کمتری کا شکار ہیں یا صرف یہ آپ کا خیال ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صرف اس کتاب کے مطالعہ سے ہی آپ کا یہ احساس ختم ہو جائے

اسباب
تدارک
علاج

قیمت ۲۵ روپے
ڈاک خرچ ۲۳ روپے

مکتبہ نفسیات پوسٹ بکس ۹۳۴، کراچی ۱

صورت ہے کہ تم دیر تک پھیپھڑوں کی پوری قوت سے گہرے گہرے سانس لیتی رہو۔"

"تو کیا یہ میراندے کی حرکت تھی؟ وہ ہمیں کیوں مارنا چاہتا ہے؟" ابتدائی اور اضطراری ردِ عمل کے فوراً بعد ہی وہ پوری طرح سنبھالا لینے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہم نے اسے تاثر دیا تھا کہ ہم نہایت رازدارانہ طور پر اس کے پاس آئے ہیں، اس لیے وہ ہمیں کسی سے ملنے کا موقع دیے بغیر خاص طور پر مجھے ٹھکانے لگا کر سلور آئی حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ حسبِ ضرورت آئی مین کی حیثیت سے بھرپور فائدہ اٹھاتا رہے۔ اس کا منصوبہ بہت جاندار اور مکمل تھا جو ہماری خوش نصیبی سے ناکام ہو گیا اور اب وہ مردود ہمارا قیدی ہے۔" میں نے مختصر ترین الفاظ میں پوری صورتِ حال بیان کر دی۔

"میراندے بہت جذباتی اور عملی آدمی ہے۔ اسی وجہ سے آج تک کسی یونٹ کا سربراہ نہ بن سکا۔" وہ قالین پر پڑے پڑے متاسفانہ لہجے میں بولی "دھن کا پکا ہے اور جو سوچ لیتا ہے وہ ہر قیمت پر کر گزرتا ہے۔ مصلحت اور دور اندیشی اسے چھو کر بھی نہیں گزری۔ شاید اس کی یہی عجلت پسندی ہماری زندگی کا بہانہ بن گئی لیکن تم نے اسے کہاں قید کیا ہوا ہے؟ کہیں وہ ہمارے لیے مسائل نہ کھڑے کر دے۔"

"تمھاری حالت سنبھل جائے تو یہ سب بھی سوچ لیں گے...."

اس نے میری بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔ "میری فکر نہ کرو۔ جب تک میں بے ہوش یا سوئی ہوئی تھی، تمھارے لیے بے کار تھی لیکن اب نقاہت کے احساس کے علاوہ میں ذہنی طور پر پوری طرح ٹھیک ٹھاک ہوں اس لیے ہمیں وقت برباد کیے بغیر اپنا لائحۂ عمل فوری طور پر طے کر لینا چاہیے۔"

اس کے اصرار پر میں نے گزرے ہوئے واقعات کی پوری تفصیل دہرانا شروع کر دی۔

"اگر اس نے گیس کے مین والو کے ذریعے یہ ساری شرارت کی تھی تو اس کی ملازماؤں پر بھی زہریلی گیس اثر انداز ہوئی ہو گی۔" میری کہانی سن کر سلطان نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"اس کا امکان کم ہی ہے۔" ویرا نے کہا۔ "یہاں گیس کے نرخ بہت زیادہ ہیں اور فرانس کے رؤسا اپنے ملازمین کو عام طور پر بہت زیادہ آسائشیں فراہم کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ملازمین کے لیے گیس ہیٹر سرے سے فراہم ہی نہ کیے گئے ہوں لیکن اس کی تصدیق کرنا ہو گی۔"

"ان یخ بستہ راتوں میں تو ہیٹر کے بغیر سونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔" سلطان شاہ تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ لکڑیاں یا کوئلے جلاتے ہوں۔" ویرا بولی۔ "لیکن تمھیں ان کے کمروں کا جائزہ لینا ہو گا جو ایک اعتبار سے ہمارے حق میں خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ وہ میراندے جیسے آدمی کے ملازمین ہیں۔ اس کی غیر موجودگی میں ہماری کوئی بھی غیر معمولی حرکت انھیں ہماری طرف سے شبہات میں مبتلا کر سکتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر ان کے کمروں میں بھی گیس کے چولھے تھے تو وہ اب تک مر چکے ہوں گے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہم انھیں کسی قیمت پر دوبارہ زندہ نہیں کر سکیں گے اور اگر وہ گیس خورانی سے محفوظ ہیں تو تھوڑی دیر میں انھیں بیدار ہو کر اپنے روزمرہ معمولات میں مصروف ہو جانا چاہیے کیونکہ اس وقت صبح کے سات بج رہے ہیں۔"

طے یہ پایا کہ اُن کا انتظار ہی ہمارے لیے سودمند تھا لیکن درمیان میں ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا۔ مارسیلز میں چارلس میراندے کا مکان ہمارے لیے ہر اعتبار سے محفوظ اور آرام دہ تھا جسے ہم فوری طور پر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ چارلس میراندے کی دو چار گھنٹوں کی غیر حاضری میں شاید اس کے ملازمین پر کوئی اثر نہ ہوتا لیکن اس کی طویل غیر حاضری ان میں خطرناک رجحانات کی پرورش کا سبب بن سکتی تھی۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ رات کو سارے ملازمین نے اپنے آقا کو مکان میں موجود دیکھا ہو پھر اس کی مکان سے روانگی کا کوئی گواہ نہ ہونے کی صورت میں ان کے تمام تر شبہات ہماری ہی طرف مرکوز ہو جاتے۔ عین ممکن تھا کہ مسلح محافظوں وغیرہ کو ہم تینوں کو قید کرنے پر اکسایا جاتا اور ہم بے خبری میں مار دیے جاتے۔

سلطان شاہ نے فوری طور پر مشورہ دیا کہ ہمیں چارلس میراندے کو ہلاک کر کے ملازمین میں اس کی قدرتی موت کا اعلان کر دینا چاہیے جسے میں نے مسترد کر دیا۔ چارلس کی موت کی خبر کو کسی بھی طرح محدود نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اس کے ملازمین اس کے قریبی دوستوں اور اعزا و اقارب کو ضرور مطلع کرتے، اس طرح تدفین کی رسومات میں شہر کے مقامی اہل کار بھی پہنچ جاتے اور ویرا کی وجہ سے ہم بہ آسانی شناخت کر لیے جاتے۔

چارلس میراندے کو رنگے ہاتھوں میں نے پکڑا تھا۔ اس لیے ان دونوں کے مقابلے میں اس کی اعصاب زدہ حالت سے میں زیادہ واقف تھا۔ آئی مین بننے کی ہوس میں وہ ہمارے خلاف مکار بھیڑیا بن گیا تھا لیکن پکڑے جانے کے بعد وہ کسی چوہے سے زیادہ بدتر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے مزاحمت یا مقابلے کے بجائے خود کو مکمل طور پر میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا اور زندگی کی امید میں اس نے میرے احکام پر بے چون و چرا عمل کرنے کا نہ صرف وعدہ کر لیا تھا بلکہ میری ہدایت پر اس نے خود ہی اپنے گلے میں آہنی طوق پہن کر اپنے تہ خانے میں بدحال قیدی کے ساتھ رہنا منظور کر لیا تھا۔

"میں اسے تہ خانے سے نکال کر لاتا ہوں۔" میں نے چند ثانیوں

تک سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے سوچنے کے بعد کہا۔ "میں نے اسے بتا دیا ہے کہ اس نے میری کسی بھی ہدایت پر کوئی سوال کیا تو میں بے دریغ اسے گولی مار دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ اوپر آنے کے بعد وہ اتنا ہی کرے گا جو اسے بتا دیا جائے گا۔"

"اس نے حالات سے سمجھوتا ضرور کر لیا ہے لیکن تم اس کی فطرت نہیں بدل سکتے۔" ویرا نے کہا۔ "وہ کسی بھی لمحے موقع پا کر نکل بھاگے گا یا اپنے ملازمین کے ذریعے اپنے کسی ہمدرد کو کوئی پیغام بھجوانے کی کوشش کرے گا۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ صرف ناشتے تک ہمارے ساتھ ہماری نگرانی میں رہے گا اور اس دوران میں اپنے ملازمین کو ہدایت دے گا کہ اگر کسی اچانک ضرورت کے تحت اسے چند دنوں کے لیے کہیں جانا پڑ جائے تو وہ ہمارے آرام اور تواضع کا پورا خیال رکھیں۔ اس کے بعد اسے دوبارہ تہ خانے میں پہنچا دیا جائے گا۔ میں اس پر ایک لمحے کے لیے بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے ذرا سے فائدے کے لیے آنکھیں بدلنے والوں میں سے ہے۔"

"اس کے چہرے وغیرہ پر تشدّد کے نشانات تو نہیں آئے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"بیم گن کی ضرب سے اس کا چہرہ زخمی ہوا تھا لیکن وہ نباہ لیا جائے گا... یہ بتاؤ کہ اب تمھاری حالت کیسی ہے؟" میں نے ویرا کا غور سے جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"بہت بہتر ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنی بائیں کہنی کے سہارے قالین پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "بس نقاہت بہت زیادہ ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہاتھ پیروں کا دم نکلا جا رہا ہو۔"

"تمھیں کچھ دیر یہاں تنہا رہنا ہوگا۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ تہ خانے میں جا رہا ہوں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"رہ لوں گی۔ لیکن تمھارا اصل پروگرام کچھ اور ہی معلوم ہو رہا تھا۔"

"ہاں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا۔ "میں تمھیں تہ خانے میں لے جانا چاہ رہا تھا تاکہ دوسرے قیدی سے تم یہ معلوم کر سکو کہ قید کیے جانے کے بعد میرانڈے کیا بکواس کرتا رہا ہے۔ اس کا قیدی فرنچ کے سوا شاید کوئی اور زبان نہیں جانتا۔ تم اس سے آسانی سے بات کر سکو گی۔"

"میں کوشش کرتی ہوں۔" وہ اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بہ دقت تمام کھڑی ہوئی اور کمرے میں چلنے کی کوشش کرنے لگی۔ ابتدا میں وہ لڑکھڑائی تھی لیکن سلطان شاہ کے سہارے سے دس پندرہ قدم چلنے کے بعد اس قابل ہو گئی تھی کہ کسی سہارے کے بغیر چہل قدمی جاری رکھ سکے۔

چند منٹ کے بعد میں ویرا کو ساتھ لے کر اس خواب گاہ سے نکل گیا۔ خواب گاہ میں چند قدم ٹہل لینا اور بات تھی لیکن کچھ فاصلہ طے کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ راہداری میں میرانڈے کی خواب گاہ کی طرف چند قدم چل کر ہی ویرا لڑکھڑانے لگی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرانڈے کے ملازمین اسے ایسی خستہ حالت میں دیکھیں لہٰذا میں ویرا کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اپنے سہارے میرانڈے کی پُرشکوہ خواب گاہ میں لے گیا۔ ویرا ستانے کے لیے مسہری پر دراز ہو گئی اور میں نے دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔

"بدن سے بالکل ہی جان نکل گئی ہے... شاید برانڈی سے کچھ تقویت مل جائے۔" ویرا نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا اور میں خواب گاہ کے ایک گوشے میں وائن کیبنٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ویرا کو برانڈی کا گلاس دیتے ہوئے اچانک ہی میں نے محسوس کیا کہ اس خواب گاہ کا گیس ہیٹر آن تھا۔ اس وقت تک وہ اہم نکتہ میں نے سرے سے فراموش کیا ہوا تھا۔ اگر اس کھیل میں گیس کے مین والو سے کام لیا گیا تھا تو وہ ہیٹر بھی آف ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے اس بارے میں ویرا کے ذہن پر بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔

کونیاک کا دوسرا لارج پیگ معدے میں خالی کرتے ہوئے ویرا کی آنکھوں میں زندگی کی حرارت آ گئی۔ چمک دوبارہ عود کر آئی تھی۔ پھر اسے تیسرے پیگ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس اثنا میں میں نے دیوار گیر الماری کے وزنی اور منقش چوبی دروازے کا قفل کھول کر تہ خانے کا خفیہ راستہ ظاہر کر دیا تھا اس لیے ویرا بستر سے اٹھ کر خود ہی ادھر بڑھ گئی تھی۔ میں نے لپک کر اسے سہارا دینا چاہا لیکن اس نے نرمی سے مجھے

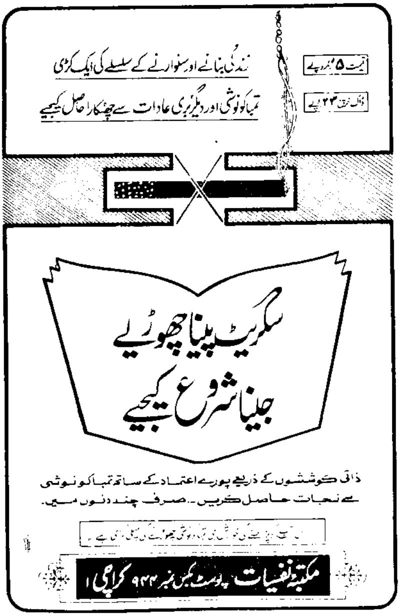

قیمت ۵۰ روپے
ڈاک خرچ ۲۳ روپے
زندگی بنانے اور سنوارنے کے سلسلے کی ایک کڑی
تمباکو نوشی اور دیگر بری عادات سے چھٹکارا حاصل کیجیے
سگریٹ پینا چھوڑیے
جینا شروع کیجیے
ذاتی کوششوں کے ذریعے پورے اعتماد کے ساتھ تمباکو نوشی سے نجات حاصل کریں۔ صرف چند دنوں میں۔
مکتبۂ نفسیات، پوسٹ بکس نمبر ۹۴۴ کراچی ۱

روک دیا۔ "اب مجھے سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔ میں لڑکھڑائے بغیر سیڑھیاں اتر سکتی ہوں۔"

سیڑھیاں طے کر کے ہم دونوں راہداری میں پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے تہ خانے کے سیلن زدہ، بدبودار ماحول میں پہنچے تو سامنے ہی میراندے آہنی زیور میں فرش پر کمان بنا ہوا ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہمارے قدموں کی گونج محسوس کرتے ہی دور افتادہ گوشے سے دوسرے قیدی نے وحشت زدہ کلکاری مار کر فرنچ میں کچھ کہا تھا جو میرے پلّے نہ پڑ سکا۔

"کیا کہہ رہا ہے وہ؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"میراندے کے بارے میں اپنے ناشائستہ عزائم کا اظہار کر رہا ہے۔" ویرا نے انگریزی میں مجھے بتایا۔ "اسے کھول دو تو یہ ابھی کسی بھوکے بھیڑیے کی طرح میراندے کے ٹکڑے اڑا دے گا۔"

"کُتّے بھونکتے رہتے ہیں مادام ویرا۔" میراندے مجبور و معتوب ہونے کے باوجود اپنی کھوپڑی پر قابو نہ رکھ سکا۔ "وہ پیدا اسی لیے ہوتے ہیں لیکن ان کے بھونکنے سے تم نے کبھی کوئی گاڑی رکتی نہ دیکھی ہوگی.... میں اپنے عظیم المرتبت آئی مین کا لحاظ کر رہا ہوں ورنہ جواب میں اپنے قیدی کو ایسی ایسی شاہکار گالیاں سُنا سکتا ہوں کہ اس کے بزرگوں کے مُردے اپنی قبروں میں شرما جائیں گے۔"

"تمھیں لحاظ کرنا ہی چاہیے۔" میں نے اس کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے مربیانہ لہجے میں کہا۔ "کیونکہ تم مجھ سے عہد کر چکے ہو جس کی پابندی پر تمھاری زندگی کا انحصار ہے... میں نے رائے قائم کی ہے کہ تم انتہا پسند طبیعت کے مالک ہو۔ بدنیتی پر اُتر آؤ تو اپنے محسنوں کو بھی ہلاک کر سکتے ہو اور وفاداری پر آمادہ ہو جاؤ تو اپنی گردن تک کٹوا سکتے ہو۔"

"میری خطا معاف کر دو۔" وہ جھرجھری لے کر بولا۔ "میرے لہو میں اب تمھارے لیے وفا ہی وفا رہ گئی ہے۔ مجھے تم ہر لمحے اپنا بے دام غلام پاؤ گے۔"

"میں نے تمھیں تھوڑی سی چھوٹ دینے کا فیصلہ کیا ہے جو تمھاری آزمائش کا ایک حصہ ہے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد ڈرامائی لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "پُرتکلف مکان سے اس گندے قید خانے کا مزہ تم نے چکھ لیا ہے اور دوبارہ یہاں ڈالے جا سکتے ہو لیکن فی الحال میں نے تمھیں اوپر لے جانے کا فیصلہ کیا ہے لیکن تم ویرا کے ساتھ تحکمانہ نہیں بلکہ محکومانہ رویّہ اختیار کیے رہو گے کیونکہ تمھارے ذاتی مراسم سے قطع نظر اس وقت وہ میری معاون ہے۔"

"بالکل کروں گا۔" اس نے اپنے آہنی زیورات کی جھنکار میں پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "یہ تو پھر مادام ویرا ہے۔ تم چاہو تو مجھے کسی خارش زدہ کُتیا کی خدمت پر بھی مجبور کر سکتے ہو۔"

آخری زہریلا فقرہ اس کے مزاج کا ترجمان تھا جو وہ بلا سوچے سمجھے کہہ گیا تھا مگر میں نے اُلجھنے کے بجائے اسے بھی نظر انداز کر دیا کیونکہ میں اس سے کوئی خاص کام لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس اثنا میں وہ آگے بڑھ کر قیدی کے ساتھ نیچی آواز میں گفتگو میں مصروف ہو چکی تھی۔

میں نے جھک کر چھوٹی چابی سے میراندے کے گلے اور پنڈ کے دونوں طوق کھول دیے اور وہ اتنی پھُرتی کے ساتھ پیروں وزن دور پھینک کر سیدھا کھڑا ہوا جیسے اسے دوبارہ اپنے اسیر ہو جانے کا رہا ہو۔

"تم واقعی بہت عظیم ہو، اس قدر عظیم کہ تمھیں دیکھنے سے پہلے میں بڑائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔" وہ میرے قریب آ کر ممنونیت سے لہجے میں بولا۔ "دل چاہتا ہے کہ تمھیں اپنے کندھوں پر اُٹھا کر میں مار گلی کوچوں کے چکر لگاؤں اور لوگوں کو بتاؤں کہ عظمت اور بڑائی کی ہوتی ہے..."

شاید وہ خوشامدانہ جوش اور جذبے میں بولتا ہی چلا جاتا لیکن نے وہیں اس کی بات کاٹ دی۔ "میں تمھیں پھر وارننگ دے رہا ہوں ابھی تک تم نے میری ذات کا صرف مہربان پہلو ہی دیکھا ہے لیکن جس تم نے اپنا عہد فراموش کیا، تم دیکھو گے کہ میرا رویّہ بالکل مختلف او ہوگا۔ اپنے دشمنوں کو میں ایک ہی وار میں موت کے گھاٹ اتار دینے قائل ہوں لیکن نافرمانوں اور غدّاروں کو سسکا سسکا کر مارنا میرا مشغلہ ہے۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بھاری جبڑوں پر تھپڑ اور بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم نے میری موت اور زندگی کا اختیار خود سونپ دیا ہے۔ مجھ سے کہیں لغزش نہیں ہوگی۔ میرا مقدّر خراب تھا کہ گھڑی میرے سر پر چھپکلی سوار ہو گئی ورنہ اوپر والوں کے لیے میں سے غلام رہا ہوں۔"

اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہوا دیکھ کر ویرا قیدی کو وہیں چھ ہماری طرف آ گئی اور میراندے سے مخاطب ہو کر بولی۔ "تمھیں کس انتظار ہے یا وہ کون سی اُمید ہے جو تم بڑے وثوق سے اپنی آزاد دعوے کرتے رہے ہو؟"

"سمجھا کرو مادام!" وہ ڈھٹائی کے ساتھ کھسیائے ہوئے لہجے "کل تک وہ میرا قیدی تھا۔ آج مجھے بندھا ہوا دیکھ کر مجھ پر بار بار کس رہا تھا اور میرا مضحکہ اڑا رہا تھا۔ اس کی زبان کو لگام دینے لیے مجھے کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا اور تم دیکھ لو کہ میں جھوٹا نہیں تھا۔ آ کی عظمت کو میرا سلام کہ اس نے پھر مجھے آزاد کر دیا ہے۔"

"اچھا۔ اب یہاں سے نکلو۔" میں نے اُکتائے ہوئے لہجے

"اب شاید ناشتا بھی تم ہی کو تیار کر کے سرو کرنا ہوگا۔"

"کیوں؟" حیرت سے میراندے کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھ

"میرے ملازمین کہاں مر گئے ہیں؟ کیا انھوں نے تمھیں بیڈ ٹی سرو

"میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ شاید گیس سے وہ سب اپنی خواب گ

میں مر چکے ہیں۔" میں نے راہداری میں بڑھتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "زندہ ہیں تو ابھی تک سو رہے ہوں گے۔"

"ہیٹروں سے ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا ہوگا۔ اس مکان کے سارے ہیٹرز میں گیس کی لائن پر تھرمواسٹیٹک والو لگے ہوئے ہیں جو ہیٹر اور پائلٹ برنر بند ہونے پر خود بخود گیس کی سپلائی منقطع کر دیتے ہیں۔ جب تک والو کو ہاتھ سے دبا کر چند سیکنڈ تک دوبارہ پائلٹ برنر نہ جلایا جائے گیس سپلائی بحال نہیں ہوتی۔" اس نے کہا۔

"پھر ہماری خواب گاہوں میں کیا ہوا تھا؟" میں نے ترش لہجے میں پوچھا۔

اس نے پھر اپنے رخساروں پر تھپڑ لگائے اور گھگھیاتے ہوئے بولا۔ "پانچ کمروں میں سے میں نے وہ خود کار والو نکلوائے ہوئے ہیں رات میں نے تم لوگوں کو ان ہی میں سے تین خواب گاہوں میں ٹھہرایا تھا۔ شاید میرا مقدر خراب تھا کہ میں نے تم جیسے زیرک اور ہوشیار لوگوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کی تھی۔"

"پھر تمھاری خواب گاہ کا ہیٹر کیسے روشن رہا؟" میں نے رُکے بغیر اگلا سوال کر ڈالا۔

"میں نے اپنی دانست میں مکمل کام کیا تھا۔" وہ شرمسار لہجے میں بتانے لگا۔ "گیس کھولنے اور بند کرنے کے شغل سے فارغ ہو کر میں نے اپنے کمرے میں دوبارہ ہیٹر جلا دیا تھا تاکہ سلور آئی حاصل کرنے کے بعد آرام سے اپنی خواب گاہ میں سو سکوں۔ ایسے ہی مواقع کے لیے میرے کمرے میں گیس کی دُہری سپلائی لائن ہے۔ دوسری لائن مین والو سے پہلے براہِ راست میری خواب گاہ میں آتی ہے تاکہ لاں کی کسی خرابی سے میرے آرام میں خلل واقع نہ ہو۔"

"پھر تو واقعی حیرت ہے کہ انھوں نے بیڈ ٹی کیوں سرو نہیں کی؟" ویرا نے کہا۔ "اُنھیں آئی مین کے رُتبے کا علم یقیناً نہیں ہے لیکن وہ اتنا تو جانتے ہیں کہ ان کی چھت کے نیچے کچھ ایسے اہم مہمان مقیم ہیں جن کی پیشوائی کے لیے ان کا آقا مُنہ اندھیرے گاؤن پہنے پھاٹک پر پہنچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

"چھوڑو یہ خرافات۔" میں نے ناگواری کے ساتھ کہا۔ "بیڈ ٹی نہ ملنے سے کوئی قیامت نہیں آ گئی۔"

سیڑھیاں طے کر کے ہم تہ خانے سے میراندے کی خواب گاہ کی فرحت انگیز فضا میں پہنچے تو وہ خود میرے اور ویرا کے درمیان موجود تھا۔ کونیاک نے ویرا کی کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنے میں حیرت ناک اثر دکھایا تھا اور اسے دیکھ کر یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ گیس کی خاصی مقدار ہضم کر چکی تھی۔

"سارا تنازعہ میرے اور تمھارے درمیان ہے۔" میں نے دیوار گیر الماری کا پٹ مقفل کرتے ہوئے میراندے سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ تمھارے خانگی ملازمین کے سامنے تمھاری سُبکی ہو۔ اس لیے تمھیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم محتاط رہنا۔ اگر تم نے کسی بھی وقت میری نگاہوں سے اوجھل ہونے کی کوشش کی تو میرے عتاب سے نہ بچ سکو گے۔"

میراندے اپنے انجام اور میرے عزائم سے بے خبر، اس وقت سراپا عجز و انکسار بنا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ورنہ وہ میرے چرنوں میں دھرنا دے کر بیٹھ جاتا۔ اس نے میری آخری ہدایت کو بسروچشم قبول کر لیا اور ہم اس کے کمرے سے نکلنے کے بعد سلطان شاہ کی خواب گاہ میں پہنچ گئے جہاں ایک عجیب تماشا ہمارا منتظر تھا۔

اس کمرے میں سلطان شاہ کے ساتھ میراندے کی جواں سال اور خوش شکل ملازمہ موجود تھی۔ وہ دونوں ایسے زاویے سے لڑاکا مرغوں کی طرح پھولے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے کہ آخری لمحے تک وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے۔ وہ دونوں بیک وقت بول رہے تھے اور کوئی کسی کا مفہوم نہیں سمجھ رہا تھا کیونکہ ملازمہ فرنچ بول رہی تھی اور سلطان شاہ اُردو گالیوں کی لطیف آویزش کے ساتھ اپنی شکستہ انگریزی میں روانی پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا مدّعا صرف اتنا تھا کہ وہ سفید چڑیل کچھ دیر کے لیے اس کمرے سے دفع ہو جائے اور اس وقت وہاں حاضر ہو جب اسے طلب کیا جائے لیکن وہ معصوم صورت خادمہ سلطان شاہ کی انگریزی سمجھنے کی کوشش کیے بغیر فرنچ میں کچھ بکے جا رہی تھی۔

ہم میں میراندے کے علاوہ ویرا ہی دونوں زبانوں سے واقف تھی۔ میراندے میرا اسیر تھا اس لیے دبا دبا سا تھا لیکن ویرا ان دونوں کے مکالمات سُن کر اونچی آواز میں ہنسی تو وہ دونوں ہی اپنے مکالمات بھول کر شرمسارانہ انداز میں ہمیں دیکھنے لگے۔ اس وقت ان کے بُشرے قابلِ دید ہو گئے تھے۔

قبل اس کے کہ ویرا ان دونوں کے مضحکہ خیز مکالمات کے بارے میں کوئی تبصرہ شروع کرتی، میں اُردو میں اس سے مخاطب ہو گیا۔ "میراندے کو بتاؤ کہ یہ صورتِ حال مجھے پسند نہیں آئی۔ اسے اپنے ملازمین کو ہدایت کرنا چاہیے کہ وہ موجود ہو یا نہ ہو، انھیں ہر حال میں ہماری ضروریات اور ترجیحات کا خیال رکھنا چاہیے۔"

ویرا موقع کی نزاکت بھانپتے ہی یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔

"تم سُن رہے تھے کہ یہاں کیا ہو رہا تھا۔" ویرا انگریزی میں میراندے سے کہہ رہی تھی۔ "ہمارا ساتھی اسے یہاں سے ٹالنا چاہ رہا تھا اور وہ خود بھی یہاں سے جانے کے لیے اجازت کی طلب گار تھی لیکن تمھاری ملازمہ کے تیور جارحانہ تھے۔ آئی مین کو اس کا انداز پسند نہیں آیا۔ اس چھت کے نیچے ہم تینوں کی بالادستی کا اعلان کیے بغیر تمھاری رعایتیں

زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکیں گی۔"

"تم خود ہی بتاؤ کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ بے چارگی کے ساتھ بولا۔" میں نہ اپنی ملازمہ کو انگریزی سکھا سکتا ہوں نہ تمھارے ساتھی کو فرنچ۔"

"تمھیں اس تنک مزاج نوکرانی کو بتانا چاہیے کہ تمھارے ملازمین تمھارے لیے مہمانوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اُنھیں ہر حال میں ہمارے سامنے نیچ نوائی سے کام لینا ہوگا۔"

"میں تمھارے سامنے ان سب کو جمع کر کے ان کی گوشمالی کیے دیتا ہوں۔" وہ ویرا کے بجائے مجھ سے مخاطب ہو کر بولا اور میں اسے نظر انداز کرتے ہوئے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ ویرا ہی میری بات مؤثر انداز میں اسے سمجھا سکتی تھی اس لیے اسے ویرا سے بات کرنا چاہیے تھی۔

"صرف گوشمالی کافی نہیں ہوگی۔" ویرا نے کہا۔" اُنھیں بتاؤ کہ تمھارے موجود ہونے یا نہ ہونے سے ان کے رویے میں فرق نہیں آنا چاہیے بلکہ میرا تو خیال ہے کہ تم اپنی اچانک غیر حاضری کے بارے میں بھی ان کو بتا دو۔"

"میری غیر حاضری!" وہ چونک کر بولا۔" اس کا کیا امکان پیدا ہو گیا؟"

"امکان پیدا نہیں ہوا بلکہ مسلسل موجود ہے۔ تمھاری ذرا سی لغزش تمھیں دوبارہ تہ خانے میں پہنچا سکتی ہے۔ اس کے لیے تمھیں اپنے ملازمین کو پیشگی مطمئن کرنا ہوگا۔ تم ان سے باہر کسی اہم اور غیر متوقع کام کا بہانہ بھی کر سکتے ہو۔ ویسے میری دعا ہے کہ تم ثابت قدم رہو اور آئی مین کے کسی عتاب کا نشانہ نہ بنو۔"

میراندے کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر اس کے لب کشا ہونے سے پہلے مجھے بولنا پڑ گیا۔" ویرا عقل کی باتیں کر رہی ہے میراندے۔ وہ میری مزاج آشنا ہے اور میں تم کو بس یہی مشورہ دے سکتا ہوں کہ اپنی سلامتی چاہتے ہو تو وہی کچھ کرو جو ویرا تجویز کر رہی ہے ورنہ خسارے میں رہو گے۔"

میرے سخت اور دوٹوک لہجے کے بعد میراندے کے لیے کوئی گنجائش نہ رہی اور وہ فرنچ میں اپنی ملازمہ سے مخاطب ہو گیا۔ اس کے لہجے سے برہمی اور خفگی صاف ظاہر تھی۔ خادمہ نگاہیں نیچی کیے اس کی تقریر سنتی رہی پھر اس کے خاموش ہوتے ہی عجلت کے ساتھ اس خوابگاہ سے رخصت ہو گئی۔

"چند منٹ انتظار کرنا ہوگا۔" ویرا نے میراندے کی نگاہ بچا کر مجھے آنکھ مارتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔" وہ میراندے کی ہدایت پر سارے ملازمین کو بلانے کے لیے گئی ہے۔"

"یعنی ابھی کچھ پتا نہیں کہ چائے کب ملے گی؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں بنا کر لاتا ہوں۔" میراندے نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" میں نے سختی سے اُسے ڈانٹ دیا۔" جزا اور سزا کی بات دوسری ہے لیکن میں یہ ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ مارسیلز کا نمبر دو آدمی حقیر ملازموں کے سے کام کرتا پھرے۔ اُنھیں سرزنش کرو اور فوری طور پر ہمارے لیے چائے طلب کرو۔ مٹھاس کم اور دودھ زیادہ ہونا چاہیے۔"

"اجازت ہو تو دیہاتیوں والی لذیذ چائے بنوا لوں؟" میراندے نے سراپا انکسار بن کر سوال کیا۔" مضافاتی ڈیری فارموں پر کام کرنے والے اپنی چائے میں عموماً پانی استعمال نہیں کرتے بلکہ دودھ میں پتی اور شکر اُبال کر اسے چھان لیتے ہیں۔ بہت لذیذ چائے ہوتی ہے وہ۔ پورے یورپ میں صرف یہیں دیہی علاقوں میں اس کا رواج ہے۔"

"دودھ پتی!" سلطان اُردو میں بڑبڑایا۔" یہ وبا یہاں بھی پہنچی ہوئی ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ یہ اپنی طرف کا خاصہ ہے جو کہیں اور نہیں ملے گا۔"

"تم نے سُنا نہیں کہ یہ مارسیلز کے گوالوں کی پسند ہے۔" میں نے اردو میں کہا پھر انگریزی میں میراندے سے مخاطب ہو گیا۔" جو چاہو بنوالو لیکن بنواؤ۔ مجھے تو حیرت ہے کہ تمھاری ملازمہ بیڈ ٹی کی ٹرے کے بغیر یہاں داخل کیسے ہوئی۔"

انکا
اپنے وقت کی مقبول ترین کہانی
ماہنامہ سب رنگ میں شائع ہونے والی اپنے وقت کی مقبول ترین کہانی
ازل سے جاری خیر و شر کی کشمکش میں ایک حیرت انگیز معرکہ آرائی
۲۵
کتابیات پبلی کیشنز

"یہ اس ملازمہ کے دیہی پس منظر کا قصور ہے۔ ہمارے دیہات میں بہت سے لوگ بیڈ ٹی کے ساتھ ٹوسٹ اور فاگینہ پسند کرتے ہیں، وہ یہی پوچھنے آئی ہوگی۔"

"پھر تو وہ بیڈ ٹی نہ ہوئی ناشتا ہو گیا۔" سلطان شاہ بول پڑا۔ "کیا ہم اسے صورت سے ایسے ہی دہقانی اور حیٹ نظر آرہے تھے؟"

"تم چاہو تو میں اسے ابھی ملازمت سے برخاست کر سکتا ہوں۔" وہ بے چارگی کے ساتھ بولا۔ "میں اپنی آزاد روی کے باوجود ملازماؤں سے فاصلہ رکھنے کا عادی ہوں مگر اس میں بس ایک ہی خوبی ہے کہ بدن بہت اچھی طرح دباتی ہے۔ وہ نہیں تو چند روز میں اور مل جائے گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "ایک بار تم ان سب کی بریفنگ کر دو گے تو میرا خیال ہے کہ ہمیں ان میں سے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

کچھ ہی دیر بعد اس ملازمہ نے خواب گاہ میں آکر ملازمین کے جمع ہونے کی اطلاع دی اور ایک بار پھر ہم سلطان شاہ کو وہیں چھوڑ کر ڈرائنگ روم کی طرف ہو لیے۔ اس اثنا میں ویرا اپنا لباس وغیرہ بھی درست کر چکی تھی اور میراندے نے باتھ روم میں پانی سے اپنا چہرہ اس حد تک صاف کر لیا تھا کہ غور سے دیکھے بغیر اس کے چہرے کا نیل نظر آنا دشوار ہو گیا تھا۔ خون کی سُرخی اس نے تولیے سے رگڑ کر صاف کر لی تھی۔

میری موجودگی کی وجہ سے اس کے ذہن پر خوف اور دباؤ... طاری تھا جب کہ ویرا فرنچ جانتی تھی لہٰذا وہ گفتگو میں کوئی بے احتیاطی نہیں کر سکتا تھا۔ ڈرائنگ روم میں آٹھ ملازمین پر مشتمل پورا لشکر موجود تھا جس میں گیٹ پر باری باری ڈیوٹی دینے والے تین مسلح محافظ، دو ڈرائیور اور ایک مالی کے علاوہ اندر کام کرنے والی دونوں خادمائیں بھی شامل تھیں۔

مجھے بعد میں ویرا سے معلوم ہوا کہ میراندے نے ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی کسی پیشگی منصوبے کے بغیر بڑی خوش اسلوبی سے مکان کے احاطے میں کچھ نامعلوم لوگوں کی پُراسرار نقل و حرکت کے حوالے سے بات شروع کی تھی اور خاصی تمہید کے بعد ملازمین کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ اس کے مہمان اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں لہٰذا ان کی ہر ہدایت کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے اور اگر میراندے خود دستیاب نہ ہو تو ہر معاملے میں مہمانوں سے ہی رہنمائی حاصل کی جائے جنھیں کچن سے لے کر تمام گاڑیوں تک ہر شے پر مالکانہ تصرف حاصل ہوگا۔

اس کے ملازمین اس قدر مہذب اور تربیت یافتہ تھے کہ ان میں سے کسی نے میراندے کے سامنے لب کشائی نہیں کی اور نہ ہی محافظوں نے اپنی صفائی پیش کرنے کی جسارت کی۔ میراندے کے اشارے پر وہ سب سر جھکائے ڈرائنگ روم سے رخصت ہو گئے اور ہم سلطان شاہ کی خواب گاہ کی طرف واپس ہو لیے۔

"چائے کا مسئلہ پھر رہ گیا۔" وہاں پہنچتے ہی میں نے چونک کر کہا۔

"کسی کو کہنے کی ضرورت نہیں، وہ خود لے آئے گی۔" میراندے نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"اب اسے کب تک ساتھ لٹکائے پھرنا ہوگا؟" ویرا نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اچانک اُردو میں میراندے کے بارے میں سوال کیا جو سب سے الگ ایک کرسی پر جا بیٹھا تھا۔

"کم از کم ناشتے تک اس کی نمائش ضروری ہے تاکہ ملازمین کو کسی گڑبڑ کا احساس نہ ہو سکے۔ اس دوران میں، میں اسے جتا کر کہیں نہ کہیں ایسی غلطی پر مجبور کر دوں گا جس کی پاداش میں ہم بہ آسانی اسے دوبارہ ڈنڈا بیڑی پہنا سکیں گے۔ بس تم تماشا دیکھتی جاؤ۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"یہاں میں خود کو بالکل ہی احمق سمجھ رہا ہوں۔" سلطان شاہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "زبان کے معاملے میں لاچاری میں زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکوں گا۔"

"نہ کرو۔" ویرا نے ہنس کر کہا۔ "چاہو تو اسی لمحے سے فرنچ بولنا شروع کر دو۔"

"میری کیفیت تم سے مختلف نہیں ہے۔" میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہمیں تحمل سے کام لینا ہوگا۔ یہ صورتِ حال زیادہ عرصے برقرار نہیں رہے گی۔"

"اجازت ہو تو میں اپنی خواب گاہ میں نہا دھو کر لباس تبدیل کر لوں۔" میراندے نے کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے بعد معذرت طلب لہجے میں کہا۔

"تمہارا لباس ٹھیک ٹھاک ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "چاہو تو اسی کمرے کا باتھ روم استعمال کر سکتے ہو۔ ہمیں کسی بھی لمحے تمھاری ضرورت پیش آسکتی ہے، اس لیے تمھارا ہمارے آس پاس موجود رہنا ضروری ہے۔"

وہ شاید مزید کچھ کہتا لیکن اسی وقت خواب گاہ کا دروازہ کھُلا اور خوش شکل خادمہ چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر داخل ہوئی جس کی وجہ سے گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا۔

* * *

کسی بھی شخص کو اگر ایک طرف معزز میزبان کا درجہ دیا جائے اور دوسری طرف اس کی آزادانہ نقل و حرکت پر کڑی پابندیاں عائد کر دی جائیں تو اس کی طرف سے تلخی کا اظہار ناگزیر بن جاتا ہے یہی کچھ...

میرانڈے کے ساتھ ہوا۔ ایک مرحلے پر اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ ویرا سے الجھ پڑا، یوں چند گھنٹے بعد ہی مجھے اس کو دوبارہ تہ خانے میں پہنچانے کا موقع میسر آگیا۔

اس دوران میں صبح کے اخبارات آچکے تھے جن میں لیونز اور مارسیلز کے درمیان شاہراہ پر پیش آنے والے واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں تھا جس کا مطلب تھا کہ بلائنڈ کارڈ پر ویرا کے بنائے ہوئے تین دائرے کارآمد ثابت ہوئے تھے اور متعلقہ افسر نے اپنے اوپر والوں کو پورے معاملے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی، دوسری طرف لیونز میں ہونے والے دُہرے قتل کی بازگشت اخبار کے صفحات پر جابجا موجود تھی، اس بارے میں حیرت ناک بات یہ تھی کہ ایلی نور اور لوسیلا کے قتل میں کوئی قدرِ مشترک تلاش کرنے کی سرے سے ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی تھی، ساری تفتیش اس ایک مفروضے پر چل رہی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ قتلِ عمد کی وارداتیں تھیں جن کے محرکات بھی الگ الگ تھے، ایلی نور کو اغوا کرنے کی کوشش میں مزاحمت کرنے پر گولی ماری گئی تھی اور لوسیلا کا قتل کسی عداوت کا شاخسانہ تھا۔

"مارسیلز میں اب ہم چند دن سکون سے گزار سکیں گے۔" ویرا نے اخبارات ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔ "کوئی سوچ بھی نہ سکے گا کہ ہم نے میرانڈے کے گھر پر قبضہ کیا ہوا ہے۔"

یہاں کے حالات قابو میں آجانے کے بعد اب فائر کیمپ میرے ذہن پر سوار ہونے لگا ہے۔"

"کیوں نہ ہم دور سے اس کا جائزہ لے لیں؟" ویرا نے تجویز پیش کی۔ "اس کے بعد کوئی بہتر منصوبہ بندی کر سکیں گے۔"

"پہلے تم فائر کیمپ کے کمانڈنٹ کو فون کر کے یہ ٹٹولنے کی کوشش کرو کہ وہ سلور آئی کے وجود اور اہمیت سے واقف ہے یا نہیں، اسی کے بعد ہم کچھ سوچ سکیں گے۔"

"کیوں نہ ہم میرانڈے کی خواب گاہ میں چلیں۔" سلطان شاہ نے مخل ہوتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت بدمعاش اور مکار آدمی ہے، ہم میں سے کسی نہ کسی کو ہر وقت اس کمرے میں موجود رہنا چاہیے کیوں کہ تہ خانے سے نکاسی کا واحد راستہ اسی کمرے میں کھلتا ہے، ہو سکتا ہے کہ چابی کے علاوہ بھی اس کو کھولنے کی کوئی ترکیب ہو۔"

اس کی بات معقول تھی لہٰذا ہم اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، ویرا کو بھی میرانڈے کی ڈائریوں میں کہیں فائر کیمپ کا نمبر مل سکتا تھا جو خواب گاہ میں ہونا چاہیے تھیں۔

"میرانڈے دوبارہ تہ خانے میں پہنچ گیا لیکن بات اب بھی وہیں ہے۔ اس کی روپوشی کے بارے میں اس کے ملازمین کے خدشات کے ازالے کے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟"

"آج ہم رازدارانہ انداز اختیار کر کے یہاں سے باہر جائیں گے، گاڑی روانہ ہوتے وقت کوئی بھی متنفس قرب و جوار میں موجود نہیں ہوگا۔ واپسی پر تم یہ تاثر دو گی کہ میرانڈے ہمارے ساتھ گیا تھا لیکن کسی اہم کام کی وجہ سے باہر ہی رک گیا ہے۔ اپنا کام پورا کرنے کے بعد ہی وہ گھر واپس آئے گا۔"

"اس دوران میں اگر شی کے مقامی چیف کا کوئی فون آگیا تو کیا ہوگا؟"

"آنے والی فون کالز تم ہی ریسیو کرو گی۔ کہہ دینا کہ میرانڈے گھر سے باہر ہے۔ نئی ملازمہ کی حیثیت سے اسے سنبھالنا تمہارے لیے دشوار نہیں ہوگا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اگر اس مردود نے میری آواز پہچان لی؟" ویرا نے سوال کیا۔

"اوّل تو وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ تم یہاں چھپی بیٹھی ہو پھر بھی تم احتیاطاً آواز بدل کر بات کرنا۔ ان کرتبوں میں میں تمہاری خداداد... صلاحیتوں کا پہلے ہی سے معترف ہوں۔"

میرانڈے کی خواب گاہ میں مسہری پر بیٹھتے ہی مجھے عجیب سی نرمی اور حرارت کا احساس ہوا تھا اور ذرا سے تجسس کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ مسہری پہ ایک انتہائی بیش قیمت گدا موجود تھا جو انسانی جسم سے مشابہ نرم اور بے حد لچک دار مادے سے بنا ہوا تھا۔ اس کھوکھلے گدے کا تعلق ایک ایسے خودکار نظام سے تھا جس کے سارے کنٹرول مسہری کے سرہانے موجود تھے، ان کے ذریعے گدے میں دباؤ کم و بیش کیا جا سکتا تھا۔ گدے میں دوڑنے والے پانی کا درجۂ حرارت بھی حسبِ مرضی بڑھایا اور گھٹایا جا سکتا تھا۔ اس پر دراز ہونے کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا جیسے انسان کسی دیوپیکر عورت کی نرم اور مہربان آغوش میں لیٹ گیا ہو۔

میں مصنوعی انسانی اعضا بنانے والی سرجیکل فرم کے اس شاہکار گدے میں سر کھپا رہا تھا کہ ویرا نے فون پر فائر کیمپ کا نمبر ملا لیا۔ دوسری طرف سے جواب ملتے ہی اس نے انگریزی میں کیمپ کمانڈنٹ سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

چند ثانیوں بعد شاید کمانڈنٹ نے فون پر آتے ہی سرد مہری کا اظہار کیا تھا کیوں کہ ویرا نے فوراً ہی خوشامدانہ لہجہ اختیار کر لیا تھا۔ اس نے خود کو شی کا ایک رکن ظاہر کرتے ہوئے فائر کیمپ آنے کی خواہش کا اظہار کیا جس کی پذیرائی نہ ہونے پر چند ثانیوں تک مذاکرات ہوتے رہے پھر شاید اچانک ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا کیوں کہ ویرا نے گالیاں بکتے ہوئے ریسیور کریڈل پر پٹخا تھا۔

"بہت اکھڑ اور بددماغ آدمی ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "شی کا مطلب ہی نہیں جانتا... کہہ رہا تھا کہ مقررہ ضابطے پورے کیے بغیر دنیا کی کوئی طاقت فائر کیمپ میں نہیں پھٹک سکتی، اس نے مجھے ضابطوں کے بارے میں بتانے کی زحمت بھی نہیں کی، کہہ رہا تھا

کہ متعلقہ لوگ ہر ضابطے سے واقف ہیں۔ مجھے ان ہی میں سے کسی سے رجوع کرنا چاہیے۔"

"یعنی آئی مین والی چال یہاں کامیاب نہیں ہوگی۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"امکان یہی نظر آتا ہے۔" ویرا بولی۔ "فائر کیمپ سے دراصل شی کے ساتھ حکومت کے مفادات بھی وابستہ ہیں اس لیے وہاں دُہرا کنٹرول نافذ ہے۔ شی کی جانب سے سارے اختیارات مقامی چیف کو حاصل ہیں اور فائر کیمپ کا عملہ اس سے آگے کسی سے واقف نہیں، وہاں وہی ہوگا جو چیف چاہے گا۔"

"پھر ہمیں زبردستی وہاں داخل ہونا پڑے گا۔" سلطان شاہ بولا۔ "میرے خیال میں تو راہ میں آنے والی ایسی ہر چیز کو نیست و نابود کر دینا چاہیے جس سے شی کی طاقت اور برتری کا اظہار ہوتا ہو۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو سلطان!" ویرا غراتے ہوئے بولی۔ "میں اگر ڈینی کے ساتھ تعاون کر رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے تمھیں تخریب کاری کا کھلا اجازت نامہ دے دیا ہے۔"

میں چونک پڑا۔ ویرا کا وہ ردّعمل میرے لیے غیر متوقع تھا۔ عملاً وہ تنظیم کو نقصان پہنچانے کی ہر کوشش میں پوری طرح میرا ساتھ دیتی رہی تھی بلکہ لائیڈز کاٹیج کی تباہی کے معاملے میں تو اس نے خود میری رہنمائی کی تھی لیکن سلطان شاہ کا آزادانہ تبصرہ اسے حد سے زیادہ ناگوار گزرا تھا۔

سلطان شاہ بھی ویرا کی برہمی پر بھونچکا رہ گیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "ویرا جو کچھ کر رہی ہے وہ اس کی مہربانی اور ہمدردی ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ شی اس کے باپ کی تنظیم ہے اور وہ خود اسی کی آغوش میں پلی بڑھی ہے۔ ویرا کی نگاہوں میں ہماری سرگرمیاں کسی تخریب کے زمرے میں نہیں آتیں بلکہ یہ محض چھیڑ چھاڑ ہے۔ اس طرح وہ بھی لائیڈ کو زچ کر کے اس سے اپنا وجود منوانا چاہتی ہے۔ اسے شی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" سلطان شاہ نے دھیمی آواز میں کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اس مرحلے پر ویرا کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"میری لڑائی اپنی شناخت کے لیے ہے۔" ویرا چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ٹھہری ہوئی آواز میں بولی۔ "ورنہ شی سے میرا کوئی اختلاف نہیں ہے، میں نے اسی ماحول اور تنظیم میں ہوش سنبھالا ہے۔"

"تم سلطان شاہ کو غلط نہ سمجھو۔" میں نے تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ جذباتی آدمی ہے ورنہ اس کا مقصد وہ نہیں تھا جو تم سمجھی ہو۔"

"میں سب سمجھتی ہوں۔" وہ بے پروائی سے بولی۔ "تم لوگوں کے ساتھ اتنے دن گزار کر میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ تمھارا بس چلے تو تم لمحوں میں شی کو فنا کر ڈالو۔ میں اب تک دیدہ دانستہ تمھارا ساتھ دیتی آئی ہوں کیونکہ یہ چیونٹی اور پہاڑ کی ٹکر ہے۔ تم زندگی بھر بھی کوشش کرتے رہو تو شی کی مستحکم بنیادوں میں کوئی دراڑ نہ ڈال سکو گے۔"

"پھر تم یہ خیال کیوں ظاہر کر رہی تھیں کہ شی کے بڑے اپنے وسائل سے ہم پر ہاتھ ڈالنے سے مایوس ہو چکے ہیں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ ایک عارضی بات ہے اس طرح انھیں اپنے مقامی یونٹوں کی خامیوں کا پتا چلتا رہتا ہے۔ تمھارے نزدیک یہ بڑی بات ہو سکتی ہے مگر میں اسے اہمیت نہیں دیتی۔ تمھاری کارروائیوں کے نتیجے میں جس دن میری آزادی سلب کی گئی وہ تمھاری کامیابی کا پہلا دن ہوگا۔"

"چلو ختم کرو اس قصے کو۔" میں نے پینترا بدل کر ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اب فائر کیمپ کے سلسلے میں کیا کرنا ہے۔ یہ مہم تمھارے بغیر سر نہیں ہوگی۔"

"اس وقت سلطان شاہ نے طبیعت مکدر کر دی ہے۔" وہ تاسف آمیز لہجے میں بولی۔ "چاہو تو اس وقت ہم باہر سے اس کا جائزہ لے سکتے ہیں۔"

تھوڑی دیر کی گپ شپ کے بعد ویرا کا موڈ بحال ہوا تو میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت وہ کسی ذہنی گرہ کی وجہ سے سلطان شاہ کے تبصرے سے بھڑکی تھی ورنہ عملاً اس کی ساری ہمدردیاں ہمارے ساتھ تھیں۔ میراندے کے ملازمین کی بریفنگ کر دی گئی تھی اس لیے ان کی طرف سے فوری طور پر کوئی مسئلہ کھڑا ہونے کا امکان نہیں تھا۔ مجھے فائر کیمپ کا جائزہ لے کر آگے کی منصوبہ بندی کرنی تھی اور ویرا مارسیلز کے جغرافیے سے واقف تھی لہٰذا لامحالہ سلطان کو وہیں ٹھہرنا تھا تاکہ وہ میراندے کی خواب گاہ میں آرام کرنے کے ساتھ تہ خانے سے نکاسی کے راستے کی نگرانی کرتا رہے۔ اسے میں نے کھلی چھوٹ دے دی تھی کہ اگر میراندے کسی طرح آہنی بیڑیوں کو کھول کر مقابلے پر آنے کی کوشش کرے تو اسے بلاتامل بیم گن سے شوٹ کر دیا جائے۔ اس ہتھیار کی یہ خوبی بے مثال تھی کہ اس کے چلانے سے کوئی آواز پیدا نہیں ہوتی تھی اس طرح میراندے کے ملازمین کو اپنے آقا کی خواب گاہ میں ہونے والی معرکہ آرائی کی بھنک بھی نہ مل پاتی۔

تفصیلات طے ہو جانے کے بعد ویرا نے وہیں سے انٹرکام پر چوکیدار کو کوئی گاڑی پورٹیکو میں لگوانے کی ہدایت دیتے ہوئے یہ تاکید بھی کر دی کہ گاڑی لگانے کے بعد ہر ملازم اپنے کمرے میں محبوس ہو جائے حتیٰ کہ خود چوکیدار بھی پھاٹک کھول کر اپنے کوارٹر میں چلا جائے۔ گاڑی گیٹ سے نکالتے ہوئے ویرا لمبا ہارن بجاتی جس کے بعد سارے ملازمین اپنے اپنے ٹھکانوں سے باہر آسکتے تھے۔

اس آخری ہدایت کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ملازمین کو یہ علم نہ ہو سکے کہ اس کار میں گھر سے کون کون روانہ ہوا تھا تاکہ واپسی پر میراندے کے

باہر رُک جانے کی کہانی سُنائی جاسکے۔

دس منٹ بعد ہی چوکیدار نے انٹرکام پر گاڑی تیار ہونے کی اطلاع دی اور میں نے چلتے چلتے سلطان شاہ سے احتیاطاً ایکسپوڈر لے کر جیب میں ڈال لیا۔

میں ویرا کے ساتھ میراندے کی خواب گاہ سے نکلا تو مکان میں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا اور باہر برآمدے کے ساتھ گاڑی تیار کھڑی ہوئی تھی۔ احاطے میں بھی کوئی ذی روح موجود نہیں تھا پھاٹک کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔

ویرا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور میں پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔ ویرا نے انجن اسٹارٹ کیا اور خودکار گاڑی کے گیئر لیور کو پارکنگ پوزیشن سے ڈرائیو میں دھکیل کر کار سبک رفتاری سے پھاٹک کی طرف بڑھا دی۔ پھاٹک سے گزرتے ہوئے ویرا نے حسبِ پروگرام لمبا ہارن دیا تھا۔

میراندے کا مکان مارسیلز کے آسودہ حالوں کی بستی میں واقع تھا جو دنیا کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح بہت پُرسکون اور بھیڑ بھاڑ سے آزاد تھی اس لیے ویرا تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتی ہوئی بتدریج شہر کے بارونق اور مصروف علاقے میں نکل آئی جہاں دن کے ابتدائی حصے میں زندگی کی گہما گہمی دھیمے دھیمے جان پکڑ رہی تھی۔

"سلطان شاہ کے ساتھ آج تمھارا رویّہ خاصا جارحانہ تھا۔" طویل سکوت کے بعد آخر کار میں نے اپنی خلش کو شکایتی لہجے میں الفاظ میں ڈھال دیا۔

"یہ ہونا ہی تھا۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔ "میں مسلسل دیکھتی آرہی ہوں کہ تم اسے ناجائز ڈھیل دیتے ہو جس کی وجہ سے وہ سرکش اور گستاخ ہوگیا ہے... تم اس کے لاڈ اٹھا سکتے ہو مگر میں یہ نخرے برداشت نہیں کرسکتی، میں اس کی طرف سے بھری بیٹھی تھی، وہ تو اس نے خود ہی بہانا فراہم کردیا ورنہ میں کسی اور طرح اپنا غبار نکالتی۔"

"یعنی اپنے اور شی کے تعلق کے بارے میں تم نے جو کچھ کہا وہ حقیقت پر مبنی نہیں تھا؟"

"اس کی حقیقت مجھ سے زیادہ تم خود جانتے ہو۔" وہ لمحے بھر کے لیے میری طرف دیکھ کر بولی۔ "مجھے شی سے اتنی ہی ہمدردی ہوتی تو تم آج زندہ یا کم سے کم آزاد نہ گھوم رہے ہوتے۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

گاڑی شہر کے بارونق اور مصروف علاقوں کو پیچھے چھوڑ کر ایک بار پھر ویرانے میں نکل گئی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم شہر عبور کرکے دوسرے حصے میں جارہے تھے جو میری دانست میں شہر کا شمالی یا شمال مشرقی حصہ تھا۔

"فائر کیمپ بہت بڑا ایمونیشن ڈمپ ہے۔" میرے استفسار پر ویرا نے کہا۔ "اسی لیے اسے شہر سے باہر مضافات میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اسے دیکھ کر تمھیں اندازہ ہوجائے گا کہ وہاں رسائی اتنی آسان نہیں ہے۔"

پھر ہم دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھو گئے۔ بڑی کار غراتی اور نرم ہچکولے کھاتی تیزی کے ساتھ منزل کی طرف رواں تھی۔

کافی دیر کے سفر کے بعد آخر کار بل کھاتی ہوئی سیاہ سڑک سے داہنی جانب ایک اونچی قلعہ نما فصیل کے آثار نظر آنے شروع ہوئے جس کے پیش منظر میں ایک نگراں چوکی بھی نظر آرہی تھی۔

"یہ ہے فائر کیمپ۔ اب اس کا اچھی طرح جائزہ لے لو، میں رفتار کم کرنے جارہی ہوں۔" ویرا نے اپنے لیے سگریٹ سلگا کر سپاٹ لہجے میں کہا

فاصلہ رفتہ رفتہ سمٹتا رہا پھر فائر کیمپ کا محلِ وقوع واضح ہوتا چلا گیا۔ وہ بارودی قلعہ شاہراہ سے داہنی جانب کئی فرلانگ دور ہٹ کر تعمیر کیا گیا تھا اور وہاں تک رسائی کے لیے ایک علیحدہ سڑک فائر کیمپ کے پھاٹک تک چلی گئی تھی۔ نگراں چوکی اسی سڑک کے آغاز پر واقع تھی یعنی فائر کیمپ تک رسائی سے قبل وہاں شناخت کے مراحل سے گزرنا ضروری تھا۔ دور سے اس چوکی کی ساخت اور عملے کی وردیاں اسے نیم فوجی ظاہر کر رہی تھیں یہ کسی طرح بھی قرینِ قیاس نہیں تھا کہ شی کے ارکین نوتے دار سرکاری اہلکاروں کی اجازت کے بغیر اس مصروف راستے پر اپنی مرضی سے نیم فوجی وردیاں استعمال کرتے رہے ہوں۔ وہ یقینی طور پر شی اور قانون نافذ کرنے والے کسی ادارے کی مشترکہ چوکی معلوم ہو رہی تھی۔

آگے فائر کیمپ کی کم و بیش بارہ فٹ بلند مضبوط دیوار تھی جس کے اوپر باہر کی طرف جُھکے ہوئے آہنی بریکٹ دیکھے جاسکتے تھے اور شاید ان ہی کے سہارے خاردار ننگے برقی تار گزر رہے تھے۔

سڑک سے فائر کیمپ کی اس سے زیادہ تفصیلات کا مشاہدہ ناممکنات میں سے تھا، کیونکہ اس بارود خانے کی ساری جزئیات سنگین دیواروں کے پیچھے پوشیدہ تھیں، جو داخلے کے بڑے آہنی پھاٹک کے علاوہ ہر طرف سپاٹ اور سیدھی تھیں۔

قدرے خم کھاتی ہوئی سڑک پر ہماری کار آگے بڑھتی ہوئی ایسے مقام پر پہنچی، جہاں چیک پوسٹ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوچکی تھی، تو فائر کیمپ کی عقبی دیوار میں دو بلند برجیاں نظر آئیں، جن میں شاید دن رات نگراں مامور رہتے ہوں گے تاکہ کسی بھی سمت سے کوئی زبردستی داخل ہونے کی کوشش نہ کرسکے۔

"مجھے امید نہیں کہ یہاں تم کوئی کاروائی کرسکو گے۔" ویرا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "فائر کیمپ کو اتنی گہری نظر سے مَیں نے پہلی بار دیکھا ہے، میرے خیال میں تو ادھر کا رُخ کرنا ہی خودکشی کے برابر ہوگا۔"

"اس وقت ہم دن کی روشنی میں اس کا جائزہ لے رہے ہیں، رات کو یہاں صورتِ حال بہت مختلف ہوگی۔ مجھے احاطے کی دیوار پر روشنیوں کی تعداد بہت کم نظر آرہی ہے، باہر تو شاید گھور اندھیرا ہی رہتا ہوگا۔"

میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تو کیا اب رات کو بھی اِدھر آوارہ گردی کا ارادہ ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"آوارہ گردی نہیں، بلکہ براہِ راست کوشش کہو۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "کامیاب ہو گئے تو شی والے اپنا نیا زخم چاٹتے رہ جائیں گے۔ اور کوئی راہ نہیں ملی تو ٹھنڈے ٹھنڈے گھر لوٹ جائیں گے۔"

"شاید تمھارا دماغ چل گیا ہے۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "میں بھی تو سنوں کہ تمھارے ذہن میں کیا خاکہ ہے، پھاٹک سے گھسنا ناممکن ہے، دیواروں میں نقب لگانے کی کوشش احمقانہ ہوگی، اُوپر ہزاروں وولٹ کی برقی رو تاروں میں دوڑتی رہتی ہے اور اندر خونخوار کُتوں کا راج ہوتا ہے۔ آخر تم سوچ کیا رہے ہو؟"

"ایک تجویز تو بڑی سہل نظر آتی ہے، بازار میں ریموٹ کنٹرول والے بچّوں کے بے شمار ہلکے پُھلکے کھلونے مل جائیں گے۔ اگر میں رات کو میراندے کی آٹومیٹک کار اسٹارٹ کر کے، اس کا رُخ احاطے کی طرف کر کے اسٹیئرنگ رسّی سے اس طرح جکڑ دوں کہ اگلے پہیّے ناہموار زمین پر پڑنے کے باوجود کار کی سمت نہ بدل سکے، پھر ایکسیلیٹر پیڈل کے اوپر کوئی ایسا کھلونا نصب کر دوں، جو ریموٹ کنٹرول سے اشارہ ملتے ہی پیڈل پر دباؤ ڈال سکے، تو میں ایک حیران کُن کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"کیسا کارنامہ؟ میں نہیں سمجھ سکی!" اس نے سوال کیا۔

"کار میں حسّاس آتش گیر مادّہ ہوگا۔ گیئر لیور ڈرائیونگ پوزیشن میں ڈال کر ہم نیچے آ جائیں گے، پھر ریموٹ کنٹرول کو آپریٹ کرتے ہی ایکسیلیٹر پیڈل پر دباؤ پڑے گا اور کار پوری رفتار سے غرّاتی ہوئی اسی سمت میں دوڑ پڑے گی، جدھر اس کا اسٹیئرنگ مضبوطی سے بندھا ہوا ہوگا۔"

"اوہ خُدا!" وہ تحیّر آمیز آواز میں بولی۔ "اور کار احاطے کی دیوار توڑ کر جلتی ہوئی فائر کیمپ میں داخل ہو جائے گی، جہاں ہر طرف حسّاس بارودی ذخائر موجود ہیں۔"

"اس طرح ہم ذرا سی بھی خراش آنے کا خطرہ مول لیے بغیر فائر کیمپ کو راکھ کے ڈھیر میں بدل سکیں گے۔ ہمیں دور سے ہی اپنا کام کرنا ہوگا۔"

"یہ تو بہت محفوظ اور مؤثر ترکیب ہے، میرا خیال ہے کہ ہمیں آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کرنا چاہیے۔" ویرا نے فائر کیمپ سے کافی دور نکل آنے کے بعد کار واپس گھماتے ہوئے کہا۔

"ہمیں آنکھیں بند کر کے نہیں، آنکھیں کھول کر اس منصوبے پر عمل کرنا ہوگا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس میں ناکامی کا ایک بہت بڑا خطرہ مضمر ہے۔"

"اب ناکامی کا امکان کہاں سے نظر آ گیا تمھیں؟" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "تم مفروضوں پر پوری کہانی تراش کر اس طرح اس کی نفی کرتے ہو کہ تم پر سراغ رساں ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔"

"اندر کے بارے میں ہمیں کچھ پتا نہیں کہ خطرناک اور حسّاس ذخائر کدھر ہیں۔ ہمارا نشانہ غلط بھی ہو سکتا ہے، پھر دوسرا امکان دیوار کی مضبوطی کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کار دیوار توڑ کر اندر گھسنے کے بجائے باہر ہی اُلٹ کر آگ پکڑ لے اور انھیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکے۔"

"کوڑی دور کی لاتے ہو۔ یہ دونوں امکانات تو واقعی موجود ہیں۔" وہ فکرمندانہ لہجے میں بولی۔

"ان کے سدِّباب کے لیے میرے ذہن میں دوسری تجویز آ رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "سلطان شاہ کو میراندے کے گھر اس لیے چھوڑا گیا ہے کہ وہ کسی طرح آزادی حاصل کر کے ہمارے لیے مسائل نہ کھڑے کر دے۔ اس لیے واپس لوٹ کر ہمیں میراندے کو ٹھکانے لگانا ہوگا، تاکہ سلطان شاہ بے فکری کے ساتھ ہماری مہم میں شریک ہو سکے۔ عارضی طور پر دو چار دن کے لیے اس کی لاش تہ خانے میں ہی چھوڑی جا سکتی ہے۔ جہاں اس کے خراب ہونے کا کوئی ڈر نہ ہوگا۔"

"سلطان شاہ ہمارے ساتھ مل کر کون سا تیر مار لے گا؟"

"تیر کمان کا زمانہ لد گیا، اسے ریموٹ کنٹرول استعمال کرنا ہوگا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "ہمیں دو سمتوں سے وار کرنا ہوگا۔ کار کا طوفانی دھماکا ہوتے ہی اندر والوں کی ساری توجہ اس کی طرف مرکوز ہو جائے گی، اور ہم اس کی مخالف سمت سے اندر داخل ہونے کی کوشش کر سکیں گے۔"

"پیراشوٹ کے ذریعے اندر اترنا مناسب رہے گا۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "پتا نہیں ادھوری بات کر کے دوسروں کو اُلجھن میں مبتلا کر کے تمھیں کیا مزہ آتا ہے۔"

"ابھی ہم گھر جانے سے پہلے بازار جائیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آتش گیر مادّے اور مطلوبہ ریموٹ کنٹرول یونٹ کے علاوہ ہمیں کچھ اور خریداری بھی کرنا ہوگی۔ فائر مینوں اور بجلی گھر کے کارکنوں کے استعمال میں آنے والے ربر کے شاک پروف مکمل سوٹ اور جوتے ہمیں برقی باڑھ سے بچا لیں گے۔۔۔"

"اور کُتّوں کو تم سمجھا ہی لو گے۔" وہ میری بات کاٹ کر تیز لہجے میں بولی۔

"کسی بھی اسٹور سے اُبلے ہوئے پارچے لے کر ان میں بے ہوشی کی دوا انجکٹ کر دی جائے گی۔ تم بالکل فکر نہ کرو، میرا ذہن اس مسئلے کی ہر باریکی پر کام کر رہا ہے۔ گھر سے ہم دو گاڑیاں لے کر چلیں گے ۔۔۔ آٹومیٹک کار کی دھماکے سے تباہی کے بعد سلطان شاہ دوسری کار پر پہنچ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لے گا تاکہ ہم تیزی کے ساتھ اندر کارروائی کر کے لوٹیں تو وقت ضائع کیے بغیر واپسی کے سفر کا آغاز ہو سکے۔"

ویرا اپنے ذہنی تحفّظات کی وجہ سے فوری طور پر میری ہم خیال نہ ہو سکی، لیکن واپسی کے سفر میں کچھ دیر کی بحث کے بعد وہ میری تجویز کے قابلِ عمل ہونے کی قائل ہو گئی، اور شہر میں داخل ہونے کے بعد کار کا

رُخ بازار کی سمت میں ڈال دیا۔

اس وقت تک ہمارے درمیان اس امکان پر کوئی تبادلۂ خیال نہیں ہوا تھا کہ اگر شی کا مقامی چیف مارسیلز میں ویرا کو میراندے کی کار ڈرائیو کرتے ہوئے دیکھ لیتا تو اس کا کیا ردِ عمل ہوتا؟ لیکن میرا خیال تھا کہ ویرا بھی اس مسئلے سے غافل نہ تھی، کیونکہ مقامی چیف کے ساتھ اس کی کبھی نہیں بن سکی تھی۔

گاڑی پارکنگ لاٹ میں چھوڑ کر ہم بازار میں داخل ہوئے تو میں قرب و جوار میں کسی مشتبہ شخص کی موجودگی کے بارے میں بہت زیادہ چوکنا تھا۔ میری پوری کوشش تھی کہ ہم بازار میں کم سے کم وقت گزار کر مطلوبہ اشیاء کی خریداری مکمل کر لیں تاکہ کسی ناگہانی تصادم سے دوچار ہوئے بغیر ہم شام کی مہم کے لیے تیاری کر سکیں۔

میری نگاہ میں سب سے اہم مسئلہ آتش گیر مادّے کی خریداری کا تھا جو ویرا نے دکاندار کے منہ مانگے داموں کی ادائیگی پر حاصل کر لیا اور ہم اپنا کام مکمل کر کے چار بجے گھر واپس پہنچ گئے۔

سلطان شاہ میراندے کے کمرے میں اس کے آرام دہ بستر پر بے فکرانہ انداز میں دراز تھا اور خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اس نے بے اختیارانہ انداز میں بستر چھوڑ دیا۔

"تمھیں دروازہ تو بند رکھنا چاہیے تھا۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر میراندے تہ خانے سے نکل ہی آتا تو گھر کے ملازمین تمھارے مقابلے میں اسی کی مدد کرتے۔"

"میں نے اس کا قصہ نمٹانے کے بعد ہی بے فکر ہو کر دروازہ کھولا تھا۔" وہ بولا۔

"کیا قصہ نمٹایا اس کا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمھارا قیاس سو فی صد درست ثابت ہوا... تمھارے جانے کے آدھے پون گھنٹے بعد ہی تہ خانے کے خفیہ راستے پر آہٹ سنائی دی تھی، پھر دروازہ کھلا تو میراندے آزاد حالت میں میرے سامنے تھا۔ اس نے کسی تدبیر سے طوق اور بیڑی کھول لی تھی اور اس کا چہرہ بھیانک ہو رہا تھا، مجھے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے بوکھلایا تھا اور میں نے اسے للکارے بغیر اس پر ہیم گن سے فائر کر دیا۔"

"لاش کہاں ہے اس کی؟" ویرا نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"تہ خانے میں۔" سلطان شاہ نے اسے مطلع کیا۔

"دوسرے قیدی کا کیا حال ہے؟ میراندے کی لاش دیکھ کر تو وہ بہت خوش ہوا ہو گا؟"

"عالمِ بالا کے حالات سے میں بے خبر ہوں۔ میں میراندے کی لاش تہ خانے کے کوریڈور میں چھوڑ کر دوسرے قیدی کی مزاج پرسی کے لیے ہال میں داخل ہوا تو وہ پہلے سے مرا ہوا تھا۔ شاید میراندے نے آزادی حاصل کرنے کے بعد اُدھر آنے سے پہلے خود ہی اسے ہمیشہ کی نیند سُلا دیا تھا۔"

"اچھا ہوا کہ یہ کام بھی ہلکا ہو گیا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اب ہمیں تہ خانے اور اس کے مکینوں کے بارے میں نہیں سوچنا پڑے گا۔"

"تو کیا تم نے بھی انھیں ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا تھا؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"دونوں کو نہیں، صرف میراندے کو۔ لیکن اچھا ہوا کہ اس کا بھی فیصلہ ہو گیا۔ جلد یا بہ دیر اسے بھی مرنا ہی تھا۔ کیونکہ وہ تہ خانے کی کہانی کا چشم دید گواہ ہوتا۔"

"یہ ساری خریداری کس سلسلے میں کی گئی ہے؟"

"کچھ آدمیوں اور کتوں سے نمٹنا ہے، اس مہم پر تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔"

"سارے کتے ہی ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا — صرف ایک ڈارٹ گن سے سب صف در صف لمبے ہو جاتے۔" اس نے حسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کرو، عملاً صورتِ حال کچھ ایسی ہی ہے۔ دو ٹانگوں پر چلنے اور لباس پہننے والی ہر مخلوق انسان نہیں بن جاتی، اس کے لیے کچھ خواص ہونے بھی ضروری ہیں۔"

"تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا!" وہ ایک دم چونک کر شکایتی لہجے میں بولا۔

"دردِ زہ کے بعد اب بچہ جننا ہی رہ گیا تھا، کیا اس مرحلے سے بھی گزر گئے ہو؟" ویرا نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

"وہ مرحلہ تمھارے لیے چھوڑا ہوا ہے..... لیکن اپنی تاریخ نہ دُہرا بیٹھنا۔" سلطان شاہ نے خلافِ توقع چراغ پا ہوئے بغیر شگفتہ لہجے میں کہا۔

"پھر اُلجھ پڑے۔" میں نے موضوع کی نزاکت کے پیشِ نظر سلطان شاہ کو دباتے ہوئے کہا۔ "کام کی بات کرو۔ کس مشکل میں ڈال دیا ہم نے تمھیں؟"

"فون کا کوئی بندوبست کر کے نہیں گئے تھے، کوئی ایک ہی شخص تین بار میراندے کے لیے فون کر چکا ہے۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟" ویرا پوچھ بیٹھی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" سلطان شاہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ "کبھی تو ڈھنگ کی بات پوچھ لیا کرو۔ میں نے تو اس کی زبان سے میراندے کا نام سُن کر اندازہ لگایا کہ وہ کال کس کے لیے تھی، ورنہ بولنے والا تو فرنچ میں نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا جو میرے سر پر سے گزر رہا تھا۔"

"اور تم چُپ چاپ سُنتے رہے؟"

"چُپ رہتا تو وہ مشتبہ ہو جاتا، انگریزی بولنے سے بھی بات بگڑ سکتی تھی، وہ تو غنیمت ہوا کہ میں نے میراندے کی زبان سے اس کے گونگے اور بہرے ڈرائیور کا ذکر سُنا ہوا تھا، اس لیے حلق سے کسی گونگے جیسی بے معنی آوازیں نکال کر رہ گیا اور ہر بار دوسری طرف سے جھلّا کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔"

"یہ بہت عمدہ حرکت کی تم نے۔" میں نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے

کہا۔ "وہ اگر میراندے کا کوئی شناسا تھا تو یہی سمجھا ہوگا کہ گھر میں گونگے ڈرائیور کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔"

"اکلوتے مالک مکان کا موجود ہونا یا نہ ہونا تو قابلِ فہم ہے، لیکن آٹھ گھریلو ملازمین میں سے مسلسل تین بار فون پر کسی گونگے ڈرائیور کا موجود رہنا کسی کو بھی شبہات میں مبتلا کر دینے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔" ویرا نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ شبہے میں پڑ گیا ہوتا تو پہلی بار فون کرنے کے بعد ہی یہاں پہنچ گیا ہوتا۔" میں نے کہا۔ "قوی امکان تو یہ ہے کہ فون کرنے والا شی کا مقامی چیف رہا ہوگا، ویسے وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔"

ہم دونوں اس موضوع پر بات کر ہی رہے تھے کہ میراندے کی خواب گاہ میں رکھے ہوئے انسٹرومنٹ کی گھنٹی بول پڑی اور ویرا لپک کر فون کی طرف بڑھ گئی۔

ویرا نے فون پر گفتگو کا آغاز فرنچ زبان میں کیا تو میں اسے نظر انداز کر کے سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور اسے شام کی مہم کے بارے میں سمجھانے لگا۔

ویرا نے چند منٹ تک بات کرنے کے بعد سلسلہ منقطع کیا اور انٹرکام پر کسی کو کچھ ہدایت دے کر ہماری طرف متوجہ ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی

"فون پر بات کرنے کے بعد یاد آیا کہ ہم نے ابھی تک دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔" وہ بولی۔ "میں نے ملازمہ کو ٹرالی پر کھانا یہیں لانے کے لیے کہہ دیا ہے۔"

"میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب شاید رات کو ہی کھانا نصیب ہو سکے گا۔" سلطان گہرا سانس لے کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ فرونچ میں لنچ کے لیے سرے سے کوئی لفظ ہی موجود نہ ہو۔"

"وہ میراندے پر سخت برہم تھا۔" ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر سنجیدگی سے بولی۔ "کہہ رہا تھا کہ گونگے کو فون پر بٹھایا ہے تو چوکیداری اندھے ہی کر رہے ہوں گے۔ ویسے تمھارا اندازہ درست تھا، وہ مقامی چیف ہی تھا اور میراندے کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ آج رات کی میٹنگ اور ڈنر کا پروگرام منسوخ ہو گیا ہے۔ اس نے یہ پیغام مجبوراً میرے پاس چھوڑا ہے کہ میں میراندے سے رابطہ قائم ہوتے ہی اسے پروگرام کی تبدیلی سے آگاہ کر دوں۔"

"میراندے سے جس وقت بھی رابطہ قائم کرنے کا ارادہ ہو تو مجھے مطلع کر دینا۔ ہیم گن میری جیب میں ہی موجود ہے۔" سلطان شاہ نے متانت سے کہا اور ویرا اکتائے ہوئے انداز میں چھت کو گھورنے لگی۔

"یہ بھی اچھا ہوا۔" میں نے سلطان شاہ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "وہ کوئی اہم میٹنگ رہی ہوگی۔ اگر میراندے اس میں نہ پہنچتا تو شام کو اس کے ساتھیوں میں تجسس پھیل جاتا۔"

"تم یہ بتا رہے تھے کہ مجھے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے کار کو تباہ کرنا ہے،"

اس کے بعد وہاں میرا کیا مصرف ہوگا؟" سلطان شاہ نے ڈھٹائی کے ساتھ مجھے دوبارہ اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے سوال کیا، اور میں اسے غصیلی نگاہوں سے گھور کر رہ گیا۔

ہر کام اس حد تک نمٹا لیا گیا تھا کہ جائے واردات پر ہمیں کم کم وقت میں مطلوبہ مقاصد حاصل ہو سکیں اور ہم تینوں کو بخوبی علم تھا ک ہمیں کیا کیا کام سرانجام دینے تھے۔

اس وقت رات کے نو بج چکے تھے، رات کہر آلود اور بہت سر تھی، لیکن میں نے کار کا ہیٹر آن نہیں کیا تھا کیونکہ آرام دہ گرم فضا میں کچھ دیر سفر کرنے کے بعد جب ہمیں کھلی فضا میں کام کرنا پڑتا تو اعصا اس غیر معمولی تبدیلی کو آسانی سے قبول نہ کر پاتے۔

"تمھیں راستہ تو یاد ہے نا؟" ویران سڑک پر کافی دیر سفر کے بع سلطان شاہ نے جمود توڑنے کی نیت سے شوخ لہجے میں سوال کیا۔

"فرانس پہنچنے کے بعد سے تمھاری زبان میں کافی طاقت آگئی ہ میں نے ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ "موقع بے موق کچھ نہ کچھ بولتے ہی رہتے ہو۔"

"زبان کی مجبوری کی وجہ سے دوسروں کے سامنے خاموش رہنا پڑتا ہے، اس لیے تم سے یا ویرا سے ساری کسر پوری کرنا پڑ جاتی ہے۔ لیکن اب تو کچھ پتا نہیں کہ تمھاری چہیتی کب کاٹ کھانے کو دوڑ پڑے۔ اپ مرضی سے جو چاہے کرتی پھرے، لیکن میں اسی میں کوئی بات دُہرا دوں بھڑک اٹھتی ہے، بالکل گرگٹ کی طرح رنگ بدلا تھا آج اس نے۔"

"وہ نفسیاتی شاہکار ہے، تم اس سے نہ الجھا کرو، وہ تم سے حس کرنے لگی ہے، کسی بھی وقت تم پر ہاتھ اُٹھا سکتی ہے۔"

"اس کا ہاتھ اُٹھا ہی رہ جائے گا اور میں اسے دوسرا ہاتھ کمر پر رک کر کتھاکلی ناچنے پر مجبور کر دوں گا۔" اس نے پُرغرور لہجے میں کہا۔ "تم جا ہو کہ مجھ سے اس کا بغض بلا سبب ہے۔"

پھر کچھ دور فائر کیمپ کے دُھندلائے ہوئے آثار نظر آنے لگے جو فاصلہ گھٹنے کے ساتھ بتدریج واضح ہوتے جا رہے تھے، سڑک کے قریب واقع چیک پوسٹ پر واجبی سی روشنی تھی اور یہی حالت فائر کیم کی تھی۔ مین گیٹ پر عام قوت والی چند روشنیاں ضرور دور سے نظر آ رہی تھیں، لیکن احاطے کے اندر یا باہر تیز روشنی کے کہیں کوئی آثار نہیں تھے۔

یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے غیر نمایاں بنانے کے لیے دیدہ و دانستہ نیم تاریک رکھا گیا تھا، تاکہ سڑک سے گزرنے والے عام لوگوں کو وہاں کسی اہم ڈپو کے قیام کا اندازہ نہ ہو سکے۔

دن کے وقت میں نے احاطے کی دیوار پر کہیں کہیں اندر کے رُ پر نصب جو سرخ لائٹس دیکھی تھیں، وہ بھی روشن نہیں تھیں۔ اس طر خالص روایتی فوجی انداز میں اس اسلحہ خانے کو غیر معروف رکھ کر محفو بنانے کی پوری کوشش کی گئی تھی، جو ہمارے منصوبے میں مددگار ثابت

ہوتی نظر آ رہی تھی۔ سڑک سے گزرنے والوں سے بچاؤ کے سلسلے میں ہم کچے میں کوئی اوٹ وغیرہ تلاش کر سکتے تھے، جہاں تاریکی کے سبب کوئی ہماری خفیہ کارروائیوں میں مخل نہ ہو سکتا تھا۔

سڑک کے خم دار حصے پر سفر کرتے ہوئے جوں ہی چیک پوسٹ کی روشنیاں ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوئیں، میں نے رفتار قدرے کم کر کے گاڑی داہنی طرف "کچے" میں اتار دی، اس سے پہلے میں نے عقب نما آئینے میں ویرا کی چھوٹی کار کے ہیڈ لیمپس کا عکس دیکھ کر یہ یقین کر لیا تھا کہ وہ ہماری کار کو "کچے" میں اترتے ہوئے دیکھ لے گی۔

ہم ایک ایسے مقام سے "کچے" میں داخل ہوئے تھے جو فائر کیمپ کی بغلی دیوار کی طرف واقع تھا اور اس مقام کا عقبی نگراں برجیوں یا اگلی چیک پوسٹ سے دیکھا جانا ناممکنات میں سے تھا۔

ناہموار زمین پر تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے میں سڑک سے کافی دور نکلنے کے بعد ایک اونچے ٹیلے کی اوٹ میں رک گیا، جس کو میں دن میں دیکھ چکا تھا۔ ویرا بھی اپنی کار ہمارے پیچھے وہیں تک لے آئی تھی۔

ویسے تو کار کی اگنیشن کی کے ساتھ اسٹیئرنگ لاک بھی تھا جو اگنیشن آف کر کے چابی باہر نکال لینے کی صورت میں خود بخود اسٹیئرنگ کو لاک کر دیتا، لیکن ہمیں انجن آن رکھ کر گاڑی کو ریموٹ کنٹرول سے چلانا تھا، اس لیے اس تالے کی مدد نہیں لی جا سکتی تھی، میں نے گاڑی روکتے ہی بازار سے خریدا ہوا مضبوط آہنی لاک اسٹیئرنگ اور اس کے کالم میں پھنسا کر مقفل کر دیا اور انجن کو چلتا چھوڑ کر پھرتی سے نیچے آ گیا۔ ہیڈ لیمپس میں نے گاڑی کچے میں اتارتے ہی بجھا دیے تھے، اس مرحلے پر پارکنگ لائٹس بھی گل... کر دیں اور سلطان شاہ ایکسلریٹر کے پیڈل پر اوپر سے نصب کیے ہوئے عارضی بریکیٹ پر بیٹری سے کام کرنے والا ریموٹ کنٹرول ریسیور لگانے میں مصروف ہو گیا۔

بہ مشکل دو منٹ میں وہ فارغ ہو گیا اور اس نے کار سے الگ ہٹ کر اپنے ہاتھ میں موجود ننھے سے ریموٹ کنٹرول ٹرانسمیٹر کا بٹن دبایا اور کار کے انجن کی آواز یک بیک تیز ہو گئی۔ سلطان شاہ نے بٹن چھوڑ دیا۔ پھر اس نے پھرتی سے آتش گیر مادّہ کار کے حسّاس حصّوں میں پھیلانا شروع کر دیا۔

"ٹھیک دس منٹ بعد۔" میں نے اپنی روشن ڈائل والی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا اور ویرا کی کار میں سوار ہو گیا۔ ویرا نے کار کی کوئی روشنی جلائے بغیر اسے کچے راستے پر ڈال دیا۔

"ریموٹ کنٹرول یونٹ زبردست کام کر رہا ہے۔" ویرا نے ہلکی سی کہر میں تاریک راستے پر نگاہیں مرکوز رکھتے ہوئے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عام بازاری کھلونوں سے ایسے زبردست کام بھی لیے جاتے ہیں۔"

"کام لیے جا سکتے ہیں۔" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "ہر ریموٹ کنٹرول یونٹ میں دو بنیادی اجزاء ہوتے ہیں، ایک ہمارے ہاتھ میں موجود آلہ جو ٹرانسمیٹر ہوتا ہے، اس سے ہم مقررہ فریکوئنسی پر ایک اشارہ نشر کرتے ہیں اور کھلونے میں لگا ہوا ملٹی چینل یا سنگل چینل ریسیور اسی فریکوئنسی پر وہ اشارہ قبول کر کے ایک برقی سرکٹ مکمل کر دیتا ہے، اس سرکٹ کو کسی کھلونے کی موٹر سے منسلک کر دو تو کھلونا چلنے لگے گا اور یہی سرکٹ کسی ڈیٹونیٹر کو بھی حرکت میں لا سکتا ہے۔ میں نے شام کو گھر پر بھی اسے آزما کر دیکھ لیا تھا۔"

"میرا دل دہل رہا ہے۔" وہ تشویش زدہ آواز میں بولی۔ "اگر سلطان شاہ والی گاڑی کا وار کارگر ہو گیا تو فائر کیمپ میں نہ ختم ہونے والے خوف ناک بارودی دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ ہماری یہ کوشش خودکشی سے کم نہیں ہو گی۔"

"فوجی تعمیرات عموماً بہت مضبوط اور مستحکم ہوتی ہیں، میری اسکیم کی بنیاد اسی مفروضے پر ہے کہ کار دیوار توڑ کر اندر نہیں گھس سکے گی۔ فوجیوں کے دماغوں میں جنگ اور دشمن کا تصوّر اتنا مستحکم ہوتا ہے کہ ان کا بس چلے تو اسٹیشنری بھی کاغذ کے بجائے فولادی چادروں کی استعمال کریں۔"

فائر کیمپ کی بغلی دیوار کے متوازی گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے جب ہم احاطے کے پچھلے کونے سے کافی آگے نکل گئے تو ویرا نے کار دوبارہ داہنی طرف موڑ لی، کیونکہ ہمارا پروگرام عقبی دیوار سے اندر داخل ہونے کا تھا، اس طرح سلطان شاہ اپنی تخریبی کارروائی سے نمٹ کر بہ آسانی ہم تک پہنچ سکتا تھا۔

فائر کیمپ میں سکوت اور نیم تاریکی کا راج تھا۔ احاطے کی دیواروں کے پیچھے فضا میں کہیں کہیں روشنی کا انعکاس نظر آ رہا تھا، لیکن عقبی کونوں پر احاطے کی دیوار سے بلند نگراں برجیوں میں مکمل اندھیرا تھا۔ وہاں مامور محافظ یا تو اپنے وقت گزاری کے روزمرّہ معمولات گزارنے کے بعد آرام کر رہے تھے یا وہ برج سرے سے ویران ہی پڑے ہوئے تھے۔

پھر جوں ہی ایک بلند ٹیلا نگاہ میں آیا، ویرا نے کار اسی کی اوٹ میں روک لی، انجن بند کیا، چابی اگنیشن میں چھوڑی اور نیچے اتر آئی تاکہ ہماری غیر موجودگی میں سلطان شاہ ادھر آ نکلے تو اسے گاڑی پر تصرف حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ہم دونوں نے بیک وقت اپنے وزنی اونی کوٹ اتار کر گاڑی کی عقبی نشست پر پھینکے اور ہائی انسولیشن ربر کے لبادے اپنے جسموں پر چڑھا لیے، جن میں ٹوپی نما نقاب بھی شامل تھی، جوتے ہم گھر سے اسی قسم کے پہن کر نکلے تھے اس لیے دستانے پہنتے ہی ہم اپنی مہم کے لیے تیار ہو چکے تھے۔

نائیلون کی مضبوط ڈوری اور ٹائم بم میرے کندھے سے لٹکے ہوئے چرمی تھیلے میں موجود تھے، جس کے بارے میں میں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اس میں دھات کے نام پر کوئی کیل بھی نہ ہو۔ کتّوں کے لیے گوشت کے پارچے بھی اسی تھیلے میں تھے۔

"سردی بہت ہے اور دس منٹ پورے ہونے میں ابھی خاصی

دیر باقی ہے۔" ربر کے نقاب میں سے ویرا کی بھاری آواز اُبھری۔ "کیوں نہ گاڑی میں بیٹھ کر ایک ایک سگریٹ پی لی جائے۔"

"اندھیری رات میں کش لیتے ہوئے سگریٹ کے سُلگتے ہوئے سرے پر روشن ہونے والی چنگاری میلوں دور سے دیکھی جا سکتی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم میں کئی فضائی حملے محض دشمن کے سگریٹ نوش سپاہیوں کی وجہ سے کامیاب ہو سکے تھے، یہ نہ بھولو کہ ہم ایک فوجی ڈپو کے قریب بیٹھے ہیں۔"

"ٹائم بم کا ٹائمر تم نے تیس منٹ پر سیٹ کیا ہے۔ اگر کسی وجہ سے ہم اس مدت میں فائر کیمپ سے محفوظ فاصلے پر نہ نکل سکے تو کیا ہوگا؟"

چند ثانیوں بعد ویرا کو ایک نیا خیال سوجھ گیا۔

"آج تم گھر پر آرام کرتیں تو بہتر تھا۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "تمھیں ہر بات میں منفی پہلو ہی نظر آ رہے ہیں، حالانکہ آدھا گھنٹا بہت کافی وقت ہوتا ہے۔ مفروضوں پر سر کھپانے لگو تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم کسی ناگہانی مسئلے کی وجہ سے گھنٹوں تک ڈمپ ایریا سے نہ نکل سکیں اور وہیں دھماکوں کی نذر ہو جائیں۔"

اس بار ویرا نے مکمل خاموشی اختیار کر لی اور میں پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے ذہن میں متوقع حالات کا تجزیہ کرنے لگا۔ اگر سب کچھ میرے پروگرام کے مطابق ہوتا تو برقی باڑھ سے گوشت کے پارچے پھینک کر مجھے رکھوالی کے کُتّوں کی غرّاہٹیں معدوم ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ پھر اندر بارودی ہتھیاروں کے کسی ذخیرے میں ٹائم بم نصب کر کے اس کا ٹائمر آن کر کے لوٹ آنا تھا۔ واپسی کے لیے وہی راہ اختیار کی جاتی جو داخلے کے لیے سوچی گئی تھی۔ اس حصّے میں ویرا کی افادیت صرف اتنی تھی کہ اگر اندر ہماری موجودگی کے دوران کسی سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ویرا نہ صرف فرنچ میں اسے مطمئن کر سکے، بلکہ بوقتِ ضرورت اپنے کراٹے کے ہاتھ بھی دکھا سکے۔

بہ ظاہر میدان صاف تھا اور ہماری کارروائی کے لیے فضا سازگار نظر آ رہی تھی، لیکن پھر بھی احتیاط لازم تھی۔ چند منٹ بعد ہم دونوں زمین پر چوپایوں کی طرح چلتے ہوئے فائر کیمپ کے احاطے کی دیوار کی طرف بڑھنے لگے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ دیوار پر لگی ہوئی طاقت ور برقی باڑھ کو کوئی موٹا اور ننگا تار اچھال کر بہ آسانی ناکارہ بنایا جا سکتا تھا، لیکن اس کارروائی میں دو سقم موجود ہوتے۔ اوّل تو طاقت ور شارٹ سرکٹ کے شعلے اور دھماکے اندر والوں کو اس طرف متوجہ کر لیتے اور دوئم یہ کہ فیوز اُڑتے یا سرکٹ بریکر آف ہونے کے باوجود خطرے کے پیشِ نظر چند ہی منٹ میں برقی رو دوبارہ بحال کی جا سکتی تھی۔

"چاہو تو بیم گن تم لے لو۔" دیوار کے سائے میں پہنچ کر میں نے دبی دبی آواز میں ویرا کو پیشکش کی۔

"میں کہہ چکی ہوں کہ میرے لیے میرا خنجر ہی کافی ہوگا۔" اس کی آواز پر وقت گزرنے کے ساتھ ہیجان غالب آتا جا رہا تھا۔ "بیم گن کی ضرورت تمھیں ہے۔ میں پکڑی گئی تو میری گلو خلاصی کی کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی، لیکن تم دھر لیے گئے تو زندہ نہ بچ سکو گے۔"

ہم ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے اپنے چرمی بیگ سے ڈوری نکال کر اس کا پھندا درست کیا تاکہ عین وقت پر پھندے والا سرا تلاش کرتا نہ رہ جاؤں۔

ہلکی ہلکی سرد ہوائیں چل رہی تھیں اور اس مقام پر ہر طرف تاریکی کا راج تھا جسے فضا پر اتری ہوئی ہلکی سی کُہر نے کچھ پُراسرار بنا دیا تھا۔ میری رسٹ واچ کے حساب سے سلطان شاہ کو دیا ہوا وقت پورا ہو چکا تھا۔ میں نے تصور کی آنکھ سے میرانڈے کی آٹومیٹک کار کو غرّا کر تیز رفتاری سے فائر کیمپ کی دیوار کی طرف بڑھتے دیکھا، پھر اچانک ہم دونوں بے اختیار اپنی جگہوں سے اُچھل پڑے۔

کہیں قریب ہی تصادم کی آواز کے ساتھ ہولناک دھماکا ہوا۔ اور فضا میں کہیں بھڑک اٹھنے والے بارودی شعلوں کا لہو رنگ انعکاس چمکنے لگا۔ شاید سلطان شاہ اپنا کام پورا کر چکا تھا۔

میں بجلی کی سی سُرعت سے اُٹھا اور میں نے نائیلون کی مضبوط ڈوری کا پھندے والا سرا فصیل میں لگے ہوئے برقی باڑھ کے زاویے دار آہنی بریکٹ پر اُچھال دیا۔

فائر کیمپ میں چھایا ہوا قبرستان کا سنّاٹا ختم ہو چکا تھا۔ کھُلی فضا میں لوگوں کے زور زور سے بولنے اور دوڑنے کی آوازوں کے ساتھ ہی خطرے کا سائرن بھی سنائی دے رہا تھا۔ میرا اُچھالا ہوا پھندا آہنی بریکٹ میں پھنس گیا، میں نے ڈوری پر زور ڈال کر پھندا تنگ کیا پھر اس میں جھول کر اپنی کمند کی مضبوطی کا اندازہ کرتے ہی ڈوری کے سہارے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

آہنی بریکٹ دیوار میں ایسے زاویے پر نصب تھے کہ ان کے سرے دیوار سے کم و بیش ڈھائی فٹ دور تھے، مگر میں تھوڑی سی جدوجہد کے بعد تانبے کے اس موٹے تار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جس میں گیارہ ہزار وولٹ کی ایسی مہلک برقی رو دوڑ رہی تھی جو خاصے فاصلے سے کسی بھی شئے کو اپنی طرف کھینچ کر پل بھر میں خاکستر کر سکتی تھی۔

لمحے بھر کے لیے میرے دل کی دھڑکنیں بھی تیز اور بے ترتیب ہو گئیں مجھے خیال آیا کہ اگر میرے ہائی انسولیشن لباس کی تیاری میں کہیں بھی کوئی خامی رہ گئی تھی تو میں اس وقت جل کر بھسم ہو سکتا تھا۔

برقی رو والے تانبے کے تار بہت موٹے اور مضبوط تھے۔ پہلے تار پر اپنا توازن درست کر کے میں نچلے دو تار عبور کر کے دیوار پر پہنچا تو بغلی دیوار تا حدِ نظر محفوظ تھی لیکن وسط میں دیوار سے باہر زبردست آگ لگی ہوئی تھی۔ فائر کیمپ کے عملے کے کافی افراد اس مقام پر ہنگامی احتیاطی تدابیر میں مصروف تھے تاکہ باہر لگی ہوئی آگ سے اندر کوئی نقصان نہ ہو سکے۔ اس طرف زمین سے اوپر کوئی شیڈ وغیرہ نہیں تھا، بلکہ زمین پر ترپالوں سے ڈھکے ہوئے بڑے بڑے انبار نظر آ رہے تھے جو یقینی طور پر اسلحے کے ہی ہو سکتے تھے اور انھیں سب سے بڑا خطرہ

[illegible] کر آنے والی چنگاریوں سے درپیش تھا

فائر کیمپ کے دور افتادہ نکاسی کے واحد راستے پر غیر معمولی سرگرمیاں شروع ہو چکی تھیں۔ پھاٹک پوری طرح کھول دیا گیا تھا اور خاص قسم کی گاڑیاں جو شاید آتش زنی وغیرہ پر فوری طور پر قابو پانے کے لیے ہر وقت وہاں موجود رہتی تھیں، تیزی کے ساتھ فائر کیمپ سے باہر نکل رہی تھیں۔

لیکن میں زیادہ دیر تک ان تفصیلات کا جائزہ نہ لے سکا۔ کیونکہ اندر دیوار کے نیچے بھیڑیوں کی طرح جسیم اور خونخوار کُتوں کا ایک غول میری پذیرائی کے لیے جمع ہو چکا تھا۔ ان کُتوں کی تعداد چھ تھی اور سب ہی دبی دبی غضب ناک آوازوں میں غرا رہے تھے، انھیں دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ انھیں اپنے شکار کو سیکنڈوں میں چیر پھاڑ کر قصّہ ختم کر دینے کی تربیت دی گئی تھی۔

میں نے دیوار پر اپنا توازن برقرار رکھتے ہوئے اپنے چرمی بیگ سے گوشت کے پارچوں کی تھیلی نکالی اور اس میں سے ایک ٹکڑا نکال کر ان کی طرف اُچھال دیا۔

اس وقت اپنے اردگرد کی فضا میں ایک اجنبی کی بُو محسوس کر کے ان پر خون سوار ہو چلا تھا، وہ میرے پھینکے ہوئے گوشت کے ٹکڑے کو دشمن کا ایک حصّہ سمجھ کر غرّاتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑے۔ دانتوں اور پنجوں سے اسے بھنبھوڑتے ہوئے ان کُتوں نے کچکچا کر جیسی خونخوار آوازیں نکالیں، وہ کسی کا بھی پِتّا پانی کر دینے کے لیے کافی تھیں۔

میں نے مزید دو ٹکڑے اندر اُچھالے، جو فضا ہی میں لپک لیے گئے، لیکن میں نے وہ منظر خوف آور نظروں سے دیکھا کہ تمام ہی کُتّے شکم سیر تھے اور اُبلے ہوئے اس گوشت کو کھانے کے بجائے اسے نوچ کر چیتھڑے اُڑا رہے تھے، اس وقت فائر کیمپ میں آس پاس کوئی شخص موجود نہیں تھا، میں نے چوکنّے انداز میں گردوپیش کا جائزہ لے کر ہوے ہوئے انھیں پچکارتے ہوئے مزید گوشت اندر ڈال دیا۔ اس بار ان کی غصّے سے تنی ہوئی دُموں میں کچھ مفاہمانہ جنبش پیدا ہوئی۔ گوشت کی کثرت نے ان کُتوں کے لیے انتخاب کی دشواری پیدا کر دی تھی۔ وہ طے نہیں کر پا رہے تھے کہ جب دشمن کی نفری زیادہ ہو تو اپنے قبضے میں آئے ہوئے شکار پر ہی اکتفا کیا جائے یا حسبِ توفیق دوسروں پر بھی منہ ماری جاری رکھنی چاہیے۔

اسی اثناء میں ویرا بھی مہارت کے ساتھ اوپر تاروں پر آ گئی اور میں نے سہارا دے کر اسے دیوار پر لے لیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے جُڑ کر اس طرح بیٹھے تھے کہ دور سے ہمیں کوئی دیکھ بھی لے تو اسے دو ہیولوں کی موجودگی کا اندازہ نہ ہو سکے۔

"یہ گوشت کھانے کے بجائے بھنبھوڑ رہے ہیں۔" میں نے تشویش آمیز سرگوشی میں کہا۔ "اگر یہ بے ہوش نہ ہوئے تو ہمارا منصوبہ بُری طرح ناکام ہو جائے گا۔ میرانڈے کی کار بھی دیوار سے ٹکرا کر باہر ہی تباہ ہو گئی ہے۔"

"تم رکھوالی کے کُتوں کی فطرت سے واقف نہیں ہو۔ ذرا سا جوش ٹھنڈا ہو گا تو کھانے بھی لگیں گے، ویسے ان پارچوں پر بے ہوشی کی اتنی کثرت سے لگی ہوئی ہے کہ یہ شاید گوشت بھنبھوڑتے ہوئے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔"

کُتوں کے بارے میں ویرا کو واقعی خاصی معلومات تھیں، چند بعد کئی کُتّے گوشت کھاتے نظر آئے، جب کہ ایک کُتّے کا اشتعال سر ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب لڑکھڑائے اور مسکین سی آوازیں نکالتے ہوئے وہیں ڈھیر ہو گئے۔

اس اثناء میں ان چھ کے علاوہ قرب و جوار میں کسی ساتویں کُتّے کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔

میں نے کمند کی ڈوری باہر سے کھینچ کر اندر لٹکا دی اور پھر ہم پھرتی سے فائر کیمپ میں داخل ہو گئے۔

اندر کنکریٹ کے کئی وسیع و عریض گودام نظر آ رہے تھے تعمی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہاں زیرِ زمین بھی خاصے ذخائر موجود تھے ہم نے زیادہ جستجو میں پڑنے کے بجائے سب سے قریبی انبار کا کیا جو مضبوط چوبی پیٹیوں پر مشتمل تھا، وہیں ایک فورک لفٹ بھی ہوا تھا، اس سے ذرا دور چالیس فٹ لمبے تین خالی ٹریلر موجود جس کا مطلب تھا کہ قرب و جوار سے اسلحہ کی بھاری مقدار اگلی صبح ہونے والی تھی۔

ایک چوبی پیٹی کے شپنگ مارک پر نظر پڑتے ہی میرا دل کر حلق میں آ گیا۔ کیونکہ اس پر ایک بین الاقوامی امدادی ایجنسی کے پتے کے آخر میں پاکستان واضح طور پر اسٹنسل سے چھپا ہوا تھا۔

مجھے محسوس ہوا کہ اس دور میں دُنیا بہت مختصر ہو کر رہ گئی میں پاکستان سے بے شمار مصائب برداشت کر کے ہزاروں میل مسافت طے کرتا ہوا محض اتفاقات کے سہارے مارسیلز کے ایک فائر کیمپ میں پہنچا تو وہاں میرے سامنے پاکستان کے لیے پیک ہوئے اسلحہ کے انبار تھے۔ ان پر حکومتِ پاکستان کے کسی ادا محکمے کے بجائے ایک بین الاقوامی امدادی ادارے کا نام ہونے پر میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ مہلک انبار پاکستان کی سرزمین سے سرحد پار افغان مزاحمت کے مراکز میں بھیجے جانے کے تھا، لیکن مجھے اس بات کا بھی پورا یقین تھا کہ منزل پر پہنچنے سے ہی ان ہتھیاروں کی ایک بڑی مقدار پاکستان کے چور بازاروں میں جاتی تھی یا پھر سرحد پار امداد وصول کرنے والوں میں سے کچھ لوگ اپنے کا اسلحہ اپنے دشمن کے خلاف استعمال کرنے کے بجائے دوبارہ سرحدوں میں [illegible] اونے پونے داموں پر فروخت کر دیتے۔ یہ ان ہی کا شاخسانہ تھا کہ پاکستان کے قبائلی ملک اور سردار جدید ترین اور ممنوعہ کی گنوں سے لے کر میزائیل لانچرز، راکٹ اور ہلکی توپوں کے مالک تھے

کی وجہ سے معمولی قبائلی تنازعات آناً فاناً میں خونریز جنگی تنازعات کا روپ دھار لیتے تھے، جن کا سدِباب کرنا حکام کے لیے دردِ سر بنتا جا رہا تھا۔

ان نکات پر بہت کچھ سوچا جا سکتا تھا، لیکن ہمارے پاس وقت نہیں تھا۔ اس وقت ہم دشمن کی ایک اہم کمین گاہ میں گھسے ہوئے تھے۔ جہاں ہماری ذرا سی غفلت ہماری زندگیوں کے چراغ گُل کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ میں نے ان پیٹیوں کا جائزہ لینا چاہا لیکن یہ معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا کہ ان میں کس قسم کے ہتھیار موجود تھے۔ البتہ ان پیٹیوں میں سے بارود کی وہ مخصوص بُو آ رہی تھی جو میرے لیے اہمیت رکھتی تھی۔

اگر ٹائم بم آہنی ہتھیاروں کے ذخیرے میں رکھا جاتا تو اس سے ذرا بھی قابلِ ذکر نقصان نہ ہوتا، بس اس کے آس پاس کی دو چار پیٹیاں متاثر ہوتیں اور کیمپ کی سالمیت کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔ لیکن میگزین اور بارود کے کسی بھی ذخیرے میں وہ ٹائم بم ناقابلِ تصور نقصانات کا سبب بن سکتا تھا۔ جس میں فائر کیمپ کے تمام ذخائر کی تباہی سرِفہرست ہوتی، جس کا ازالہ سہل کام نہ ہوتا۔

”جلدی کام ختم کرو۔“ ویرا کیمپ کی بغلی دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”میرانڈے کی کار کی آگ پر قابو پاتے ہی وہ معاملے کی تہ تک پہنچ جائیں گے کہ کسی اہم محاذ سے ان کی توجہ ہٹانے کے لیے اس حادثے کا ڈراما رچایا گیا ہے اور وہ فائر کیمپ کے چپے چپے پر پھیل جائیں گے۔“

اسی وقت کانوں کے پردے پھاڑ دینے والا ایک دھماکا ہوا۔ کثیف دھوئیں اور شعلوں کی چادر آسمان کی طرف لپکی اور میں نے اضطراری طور پر ٹائم بم کا ٹائمر آن کر کے اسے پیٹیوں کے انبار کے درمیان ایک خلا میں ڈال دیا۔

”شاید کار کی پٹرول کی ٹنکی پھٹی ہے۔“ ویرا بڑبڑائی۔ ”شعلوں کی شدت بڑھ گئی ہے۔“

”آؤ۔“ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”ٹائمر چل پڑا ہے، ایسا نہ ہو کہ یہیں ہمارے کباب بن کر رہ جائیں۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے دور نکلنا ہے۔“

ہم دونوں جیسے ہی پلٹے، اچانک ایک کرخت مردانہ آواز سُن کر میرا لہو رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ نیم فوجی وردیوں میں ملبوس دو مضبوط اور مسلح افراد ہمارے اور کمند کے درمیان حائل تھے۔ ان کی اسٹین گنوں کے دہانے ہمارے جسموں کی طرف اُٹھے ہوئے تھے، جن سے کسی بھی لمحے آگ کی برسات شروع ہو سکتی تھی۔

ویرا نے اس کی للکار سنتے ہی اپنے دونوں ہاتھ اٹھا لیے تھے، میں نے بھی اس کی تقلید کی۔

پھر ویرا فرنچ میں کچھ بولنے لگی۔ اس کے تحکمانہ لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے انھیں مرعوب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ہمیں للکارنے والے کے ساتھ ویرا کے کئی مکالمات کا تبادلہ ہوا۔ اس دوران میں اس نے دیوار کے سہارے لٹکی ہوئی ڈوری کی طرف بھی اشارہ کیا تھا، لیکن گفتگو کے اختتام تک ان کی اسٹین گنوں کے دہانے زمین کی طرف جُھک چکے تھے جس کا مطلب تھا کہ ویرا کی حکمتِ عملی کامیاب رہی تھی۔

”یہ مصیبت نہ جانے کہاں سے نازل ہو گئی۔“ ویرا اپنے ہاتھ گراتے ہوئے اُردو میں مجھ سے مخاطب ہو گئی۔ ”بہ مشکل انھیں سمجھا سکی ہوں کہ ہم ہیڈ کوارٹرز سے فائر کیمپ کے حفاظتی اقدامات چیک کرنے آئے ہیں۔ ورنہ باہر والی آگ کیمپ کے اندر بھی بھڑک سکتی ہے۔ اب ان کے ساتھ کمانڈنٹ کے پاس جانا ہو گا۔“

ویرا سے بات کرنے والے نے آگے بڑھ کر کچھ احتجاج کیا اور ویرا مفاہمانہ انداز میں سر ہلا کر رہ گئی، پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا کر اپنے اندرونی لباس میں ہاتھ ڈالا اور ان سے کچھ کہتی ہوئی کیمپ کے اندرونی حصے کی طرف چل دی۔ میں نے بھی اپنے ہاتھ گرا لیے۔

ویرا کے ذہن میں اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے کیا تجویز ہوا تھی، اس سے میں لاعلم تھا، لیکن میں یہ جانتا تھا کہ اس مرحلے پر وقت ہمارے لیے سب سے زیادہ قیمتی تھا اور شاید ویرا بھی یہی سوچ رہی تھی کیونکہ ان دونوں میں سے ایک جیسے ہی میرے قریب سے گزر کر ویرا کے پیچھے چلا، یوں محسوس ہوا جیسے ویرا کی پُشت پر بھی نگاہیں ہوں، بجلی کی سی سُرعت سے اس کی اُلٹی لات چلی تھی جو پوری قوت سے اس کے پیچھے والے کے سینے اور چہرے پر پڑی تھی اور میں ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر وحشیانہ انداز میں دوسرے پر ٹوٹ پڑا، جو خطرہ بھانپ کر شانے سے لٹکائی ہوئی اسٹین گن دوبارہ اتار رہا تھا۔

اپنے حریف سے مقابلہ کرتے ہوئے میں نے پہلی بار ویرا کو اس کے اصل روپ میں دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں اس کا خنجر دبا ہوا تھا اور وہ کسی سُبک اندام پرندے کی طرح فضا میں تیر تیر کر اپنے شکار پر کراٹے کے وار کرتے ہوئے خنجر کی نوک سے گہرے چرکے لگا رہی تھی۔

میرا حریف بہت سخت جان اور چالاک تھا۔ میری کوشش تھی کہ میں جلد از جلد اسے زیر کر کے ویرا کا ہاتھ بٹا سکوں، لیکن وہ میری بھرپور گرفت میں نہیں آ رہا تھا۔ دوسری طرف میرے بدن پر چڑھا ہوا ربر کا لبادہ بھی میری آزادانہ نقل و حرکت میں شدید رکاوٹ ڈال رہا تھا۔

اسی اثنا میں میں اپنے حریف سے دست و گریبان ہو کر اس کی گردن اپنی بغل میں دبانے کی فکر میں تھا کہ فضا میں دوسرے کی کرب ناک چیخ اُبھری اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ ویرا نے اسے ذبح کر دیا تھا۔ چند ثانیوں بعد ہی کوئی وزنی وجود زمین پر ڈھیر ہوا تھا اور پھر وہ

تیر کی طرح میری طرف آئی تھی۔

اس نے آتے ہی بائیں ہاتھ سے اس کے بال جکڑ کر داہنے ہاتھ ے خنجر کا پھل اس کے پیٹ میں بھونک دیا۔ ایک کراہ کے ساتھ اس ی مزاحمت پل بھر کے لیے کمزور ہوئی تھی کہ میں نے اس کی دونوں ٹانگیں کڑ کر اسے پیچھے اُلٹ دیا۔ وہ بُری طرح ڈکراتا ہوا سر کے بل زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

میں فیصلہ کن تیوروں کے ساتھ اس کی طرف لپکا تو ویرا نے مجھے روک دیا۔ "تم چھوڑ دو، اسے بھی میں ہی دیکھوں گی۔" اس کی آواز میں سفاکی تیر رہی تھی۔

پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے ویرا نے اس کے گلے پر اپنے خنجر کی تیز دھار پھیر کر اس کی شہ رگیں کاٹ دیں اور اسے خاک و خون میں تڑپتا چھوڑ کر الگ ہٹ گئی۔ "آؤ، جلدی نکلو یہاں سے ۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں، جنھیں خصوصی ہدایت کے بغیر اپنی ڈیوٹی چھوڑنے کا حکم نہیں ہے، خواہ فائر کیمپ کی اینٹ سے اینٹ ہی کیوں نہ بج رہی ہو۔"

ہم دونوں تیزی سے دیوار کے قریب پہنچے اور کمند کے ذریعے دیوار پر پہنچ کر دوسری طرف اُتر گئے۔

برقی باڑھ سے تحفظ کی ضرورت ختم ہو گئی تھی اور اب ربر کے لبادے ہمارے لیے بے کار ہو چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ خنجر زنی کی وجہ سے ہمارے لبادے خون آلود بھی ہو چکے تھے۔ اس لیے ہم نے پھرتی کے ساتھ وہ لبادے، دستانے اور نقابیں اتار کر وہیں ڈال دیں اور تاریکی میں اپنی کار کی طرف بڑھ گئے۔

سلطان شاہ پہلے سے کار میں موجود تھا اور اس کی آنکھیں دور تک اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں، اس لیے اس نے دور ہی سے ہمیں پہچان لیا اور روشنیاں جلائے بغیر کار آگے بڑھا لایا۔

"شکر ہے کہ تم لوگ خیریت کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔" اس نے ہمارے سوار ہونے پر تشکر آمیز انداز میں ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"سب کچھ پروگرام کے مطابق ہو گیا۔" ویرا نے اس کی جگہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا۔ "آخر میں ذرا سی بدمزگی ہو گئی تھی۔ لیکن وہ بھی سنبھل گئی۔"

وہ ڈرائیونگ میں مصروف ہو گئی اور میں سلطان شاہ کو فائر کیمپ کے اندر پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کرنے لگا تاکہ ہم دونوں کے مقابلے میں وہ کمتری کے کسی احساس کا شکار نہ ہو۔

"اور وہ دونوں تمھاری باتوں میں آ کر تمھیں اپنے کمانڈنٹ کے پاس لے جانے کے لیے آمادہ ہو گئے؟" سلطان شاہ نے حیرت کے ساتھ ویرا سے سوال کیا۔

"ان کا ردِ عمل بالکل فطری تھا۔ اگر میں خود کو کار والے حادثے سے لاتعلق قرار دیتی تو وہ مجھ پر یقین نہیں کرتے۔ میں نے انھیں بتایا کہ وہ آتش زنی توجہ مبذول کرانے کے لیے تھی تاکہ ہم کسی اور جگہ سے اندر داخل ہونے کی کوشش کر سکیں۔ اور ہم کامیاب ہو گئے۔"

"ہر بار میں پیچھے رہ جاتا ہوں۔" سلطان شاہ حسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "اس بار بھی میرا کام مضحکہ خیز تھا۔ بٹن دبائے دور کھڑے رہو اور تصادم کا دھماکا ہوتے ہی دوڑ لگا دو۔"

"لیکن ساری کارروائی کی بنیاد وہی تھی۔" اس وقت ویرا بھی اس کی دلجوئی پر آمادہ نظر آتی تھی۔

موڑ گھومنے کے بعد میرانڈے کی کار کا جلتا ہوا ڈھانچہ ہمارے سامنے آ گیا۔ وہاں متعدد افراد اور کئی گاڑیاں آگ بجھانے کی کوششوں میں مصروف تھیں، وہ سب آنے والی تباہ کاری سے بے خبر تھے۔ جس کا بیج پاکستان بھیجے جانے والے اسلحہ کی پیٹیوں کے درمیان بو دیا گیا تھا۔

کار کچا راستہ عبور کر کے سڑک پر چڑھی تو ویرا نے ہیڈ لیمپس روشن کر دیے، میں نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی، اور سر جھٹک کر رہ گیا۔ کیونکہ دونوں محافظوں کی مداخلت کی وجہ سے میں ٹائمر آن کرنے کا وقت نوٹ نہیں کر سکا تھا۔ البتہ میرا اندازہ تھا کہ ٹائم بم کے پھٹنے میں اس وقت صرف بیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اپنی آنکھوں سے فائر کیمپ میں موجود اسلحہ کے غیر معمولی ذخائر دیکھ لینے کے بعد مجھے پورا یقین تھا کہ ٹائم بم نے ٹھیک کام کیا تو فائر کیمپ کی ہولناک تباہی کی خبر عالمی شہ سرخیوں میں جگہ بنا لے گی۔

سڑک پر آنے کے بعد ویرا نے کار کی رفتار میں بہت زیادہ اضافہ کیا تو مجھے اس کو ٹوکنا پڑ گیا۔ "سکون کے ساتھ ڈرائیونگ کرو اور حدِ رفتار کا خیال رکھو، پولیس کی کوئی گشتی گاڑی پیچھے لگ گئی تو ہم سب ناقابلِ تصوّر دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔"

"تمھیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ تم فائر کیمپ میں کیا کر آئے ہو۔" اس نے گاڑی کی رفتار قدرے کم کرتے ہوئے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"تم ساٹھ میل کی رفتار سے بھی ڈرائیونگ کرو تو ٹائم بم آپریٹ ہونے تک ہم فائر کیمپ سے کم از کم دس پندرہ میل دور نکل چکے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ اتنے فاصلے پر دھماکے سنائی ضرور دیں گے، لیکن ان سے ہمیں کوئی خطرہ لاحق نہیں رہے گا۔"

"تم غیر فوجی ہو اس لیے اس خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ وہ دستی بموں کا ذخیرہ ہوتا تو ضرور وہی ہوتا جو تم کہہ رہے ہو، لیکن مشینی گولے اور گولیاں حادثے کی صورت میں بہت خطرناک ہو جاتی ہیں۔ حرارت پا کر جب ایسے بموں کا فائرنگ چارج بھڑکتا ہے تو گولے بے لگام میزائل بن جاتے ہیں۔ جس گولے یا جس پروجکٹائل کا جدھر رُخ ہوا وہ اسی طرف پرواز کر جائے گا۔ اور رینج پوری کرتے ہی گر کر تباہی پھیلا دے گا۔"

"تم مذاق تو نہیں کر رہی ہو؟" میں نے قدرے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔

"مذاق نہیں، میں سو فیصد سنجیدہ ہوں۔" وہ بولی۔ "اگر سب کچھ پروگرام کے مطابق ہوا تو آج کی رات مارسیلز والوں پہ بہت بھاری گزرے گی، جو شہر کے مضافات میں غیر قانونی اسلحہ کے اس بڑے ذخیرے سے چشم پوشی کرتے چلے آرہے ہیں۔"

"تو کیا عام شہریوں کو فائر کیمپ کے وجود اور نوعیت کا علم ہے؟"

"صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ اسلحہ کا ایک ٹرانزٹ ڈپو ہے، اس کی وسعت تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگی۔ حفاظتی انتظامات اسی لیے احاطے سے باہر تک وسیع نہیں کیے گئے کہ عام شہریوں کو اس ڈمپ کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکے۔"

"آج فائر کیمپ کا معاملہ بھی نمٹ گیا۔ اب تمھارا کیا ارادہ ہے؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد سلطان شاہ نے کسل مندانہ لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے اب ایسی مہمات سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی ہے، جن میں میرا کوئی مؤثر حصہ نہ ہو۔"

"فرانس پہنچنے کے بعد سے ہمیں ایک پل بھی چین نہیں مل سکا۔ یہاں میراندے کا آراستہ گھر ملازمین سمیت تصرف میں آیا ہے، تو چند دن کے لیے یہاں رک کر تکان اتارنے کا ارادہ ہو رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم تکان اتارو گے اور میں گھر میں پڑا بور ہوتا رہوں گا۔" وہ بڑبڑایا۔

"فکر نہ کرو، تمھارے لیے بھی کام نکل ہی آئے گا۔" ویرا بولی۔

"میں جب مارسیلز آ ہی گئی ہوں تو یہاں کے چیف کو تھوڑا سا سبق دے کر ہی جاؤں گی۔ اس چھیڑ چھاڑ میں تم میرا ہاتھ بٹاؤ گے۔ ویسے بھی مارسیلز ایک بہت پرانا اور دلچسپ شہر ہے۔ گھر سے نکلو گے تو زندگی بہت حسین نظر آئے گی۔"

"میں تو اپنی کمزور انگریزی کو ہی روتا تھا، لیکن فرانس والوں کو تو شاید دنیا کی ہر زبان سے بیر ہے۔ میراندے کے علاوہ اب تک جو بھی ملا، فرنچ ہی بولتا ہے۔"

"برطانیہ سے باہر یورپ میں اب انگریزی کا رواج نہیں رہا۔ فرنچ کے بعد جرمن دوسری سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے۔ انگریز بھی باہر نکلنے سے پہلے ان دو زبانوں میں تھوڑی بہت شُدبُد پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔" ویرا کا رویّہ سلطان شاہ کے ساتھ حیرت ناک حد تک مفاہمانہ ہوگیا تھا۔

وہ دونوں آپس میں گفتگو کرتے رہے، لیکن میرا ذہن اپنی الجھن میں مبتلا رہا۔ ویرا نے مشینی بموں کے ہولناک خواص بتا کر میرے ذہن پر ایک اذیت ناک بوجھ ڈال دیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر فائر کیمپ کی تباہی کے ساتھ مارسیلز کے معصوم اور بے گناہ شہریوں پہ ہلاکت خیز قیامت کی برسات ہوگئی تو شاید میرا ضمیر عمر بھر مجھے اس فعل پہ نادم کرتا رہے گا اور میں اس کے ازالے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکوں گا۔

میرا وہ احساس اپنی جگہ تھا، لیکن میں آنے والی تباہی کو ٹالنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ فائر کیمپ کے ایک بارودی ذخیرے میں ٹائم بم رکھا جا چکا تھا جو ایک مقررہ وقت پر پھٹ جانا تھا۔ گھڑی کی سو مسلسل آگے کی طرف حرکت کرتے ہوئے تباہی کے لمحات کو نزدیکر لاتی جارہی تھیں اور گھڑی کی ان سوئیوں کو الٹا چلانا میرے بس سے باہ

طویل مضافاتی مسافت طے کر کے ہم شہر کی حدود میں داخل تو ویرا نے میرے خیالات کا اچانک تسلسل توڑ دیا۔ "تم خاموشی سے سوچ میں گم ہو؟"

"فائر کیمپ کی تباہی کے لمحات کا روح فرسا انتظار کر رہا ہو" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب تک تو ٹائم بم یقیناً پھٹ چکا ہو"

"اگر کچھ نہ ہوا تو سمجھ لینا کہ ان کریٹوں میں بارودی اسلحہ کے بج صرف آہنی ہتھیار بھرے ہوئے تھے۔ اس حماقت یا ناکامی پر مجھے بھر قلق رہے گا۔"

اس سے قبل، میں جواب میں اسے اپنے متضاد جذبات سے آگاہ کرتا، ہولناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ ایک زبردست دھماکا دیا جس کی شدت سے اعصاب دہل کر رہ گئے۔ بالکل یوں محسوس ہوا جیسے کچھ دور کوئی خوف ناک آتش فشاں انسانی آبادیوں کو نیست کرنے کے لیے انگڑائی لے کر بیدار ہوگیا ہو۔ دھماکے کے نتیجے میں اس پر ویرا کے ہاتھ بہک گئے اور آگے جانے والی کئی گاڑیاں بے تک میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔

پھر فضا میں جلتے ہوئے چھوٹے بڑے ٹکڑوں کی بوچھاڑ میں کوئی چیز داہنی طرف پارک کی ہوئی ایک کار پر گر کر دھماکے سے پھٹی او کار میں آگ لگ گئی۔ پہلا دھماکا ختم ہونے کے بعد اسی قوت کا ایک اور شدید دھماکا ہوا جس سے زمین ہل کر رہ گئی۔ سڑک پر لوگوں نے جو گا جہاں تھی، وہیں بند کر دی اور بدحواسی کے عالم میں پناہ کے لیے قری عمارتوں کی طرف دوڑ پڑے۔ اس بار بڑے دھماکے کے چند ثانیو بعد مختلف سمتوں سے کم اور زیادہ طاقت کے متعدد دھماکے وقفے سے سنائی دیتے رہے اور اس دوران میں ویرا سڑک پر بے ترتیبی کھڑی ہوئی گاڑیوں کے درمیان راستہ بنا کر آگے بڑھتی رہی۔ پھر اچانک سائرن کی گھٹتی بڑھتی تیز آواز سے گونج اٹھی، جو شاید شہری دفاع والو کی طرف سے مارسیلز کے شہریوں کے لیے فضائی حملے کی وارننگ تھی۔

چند سو گز کے بعد گاڑیاں ایک دوسرے میں اس طرح پھنسی تھیں کہ ہمارے لیے آگے بڑھنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ ویرا بھی اگن سے اتر پڑی اور ہم دونوں اس کے پیچھے تیزی سے ایک بڑے ہوٹل سائبان کی طرف دوڑ پڑے، کیونکہ فضا سے جھلسے ہوئے اور جلتے ہو ٹکڑوں کی ہولناک برسات بدستور جاری تھی۔

آسمان سے آگ اور بارود کی گھٹتی بڑھتی برسات اور خوف شہریوں کی چیخ و پکار نے اس وقت علاقے میں قیامتِ صغریٰ کا پیدا کر دیا تھا۔ اور مجھ پر سکتہ سا طاری ہوگیا تھا۔

چھوٹے موٹے پروجیکٹائلز کی تباہ کاریوں کے دوران ہی اسی

یں کہیں ایک زوردار دھماکا ہوا اور پورے علاقے میں بھڑکتے ہوئے شعلوں کا انعکاس پھیل گیا، شاید فائر کیمپ سے اڑنے والے کسی طاقتور آتش گیر بم نے قرب و جوار میں تباہی پھیلا دی تھی۔ ساتھ ہی فضا میں ل دوز انسانی چیخوں سے کہرام برپا ہو گیا۔

"ساری گالیاں روس کو پڑ رہی ہیں۔" ویرا میرے ساتھ سائبان ے نیچے پناہ لیتے ہوئے بولی۔ "لوگ سمجھ رہے ہیں کہ مشرقی یورپ کے سی جنگی اڈے سے سوویت یونین نے میزائلوں سے مارسیلز پر حملہ کر دیا ہے۔ شہری دفاع والوں نے بوکھلاہٹ میں سائرن بجا کر لوگوں کے اس شبہ کو تقویت پہنچائی ہے۔"

پورے شہر کی فضا مسلسل دھماکوں سے لرز رہی تھی اور فضا میں آتشیں لکیریں مختلف بلندیوں پہ یوں آزادانہ تیرتی پھر رہی تھیں جیسے آتشیں پروں والے شیاطین کو مارسیلز میں زندگی تہس نہس کرنے کی پوری آزادی مل گئی ہو۔ دھماکوں کی ترتیب سے میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ فائر کیمپ میں کم از کم دو بڑے ذخائر آگ پکڑ چکے تھے اور اس کے نتیجے میں ہزاروں چھوٹے بڑے بم اور راکٹ حرارت پا کر خود بخود چل رہے تھے۔ جن کے نہ نشانوں کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا اور نہ ہی یقینی سمت کا تعین کرنا ممکن تھا۔

اپنے اندازے کے مطابق اس وقت ہم فائر کیمپ سے کم از کم پندرہ میل دور آ چکے تھے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ جب اتنے فاصلے پر تباہ کاری اور خوف و ہراس کی اتنی شدت تھی تو فائر کیمپ اور اس کے نواح میں کیسی قیامت برپا ہو گی۔

"فائر کیمپ کے عملے کا تو اب خوردبین سے بھی سراغ نہ مل سکے گا۔"

یری تشویش کے اظہار پہ ویرا نے کہا۔ "اس تباہی کا سب سے زیادہ خطرہ مارسیلز کے شہریوں کو ہے۔ ورنہ کیمپ کے اطراف میں ویرانہ ہی ویرانہ ہے۔ سڑک پر سفر کرنے والی گاڑیاں اور قرب و جوار کے چھوٹے گاؤں اگر زد میں آ جائیں تو اور بات ہے۔"

آسمان سے برسنے والی برسات میں نہ کوئی تسلسل تھا نہ تواتر۔ بہت سے حواس باختہ لوگ فٹ پاتھ پہ دیواروں کے سہارے کانوں میں انگلیاں ٹھونسے اوندھے پڑے ہوئے بعض سائبانوں کی آڑ میں پناہ لیے خوف زدہ نظروں سے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس ہڑبونگ میں ہر شخص اپنی ذات پہ منڈھے ہوئے مصنوعی خول سے باہر آ گیا تھا۔ سب ہی تشویش زدہ اور لرزتی ہوئی آوازوں سے آپس میں رائے زنی کر رہے تھے۔

چند منٹ کے لیے اس علاقے میں آگ کی برسات تھم گئی۔ فضا میں دھماکوں کی آوازیں بدستور گونج رہی تھیں، لیکن اب شاید ان کا رخ کسی اور طرف ہو گیا تھا۔ البتہ اس علاقے میں کئی مقامات پر لگی ہوئی آگ بدستور بھڑک رہی تھی، جسے کچھ لوگ سرد کرنے میں مصروف تھے۔ آخر کچھ سمجھ دار لوگوں نے اس سکون کا فائدہ اٹھایا اور اپنے پناہ گاہوں سے نکل کر تیزی سے اپنی گاڑیوں میں سوار ہوئے اور اپنے سے آگے پھنسی ہوئی گاڑیوں کے مالکان کو حوصلہ دلانے کے لیے ہارن بجانے لگے۔ اس پیش قدمی کا خاطر خواہ اثر ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے گاڑیوں کا ہجوم حرکت میں آ گیا جس میں ہم بھی شامل تھے۔

"لوگوں نے سوویت حملے کے جواز میں حکومت کی خامیاں بھی تلاش کر لی ہیں اور اپنے حکمرانوں کے فیصلوں پر تنقید کر رہے ہیں۔ جنھوں نے ایک بڑی طاقت کی خوشنودی کی پروا کیے بغیر دور رس فیصلے کیے ہیں۔" ویرا بتا رہی تھی اور میں خالی الذہنی کے عالم میں اس کی تقریر سن رہا تھا۔ اس کے لب و لہجے پر اس بربادی کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔

"یہ بہت بری بات ہے۔" سلطان شاہ کہہ رہا تھا۔ "عام حالات میں کسی کو پروا نہیں ہوتی کہ حکومت کیا کر رہی ہے اور اس کے فیصلوں کے مضمرات کیا ہوں گے۔ لیکن اپنے حکمرانوں پر عوام کے اعتماد کا اظہار جنگی، ہنگامی اور قومی مصائب کے وقت ہی ہوتا ہے۔ اگر لوگ حکومت پر برس رہے ہیں تو یہ دو طرفہ اعتماد کی کمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

فضا سے نازل ہونے والے مصائب کا سلسلہ یکسر موقوف ہو چکا تھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس سمت میں رکھا ہوا سارا اسلحہ چل یا جل چکا تھا۔ لیکن پورے شہر کی فضا ہلکے اور تیز دھماکوں سے لرز رہی تھی اور ٹریفک میں قدرے روانی آ چکی تھی۔ جو لوگ پیدل تھے وہ بھی جلد از جلد کسی ٹھکانے پر پہنچنے کے لیے تیز چل رہے تھے۔

اچانک فضا میں زناٹے کی آواز سے اڑتا ہوا ایک میزائل اپنے پیچھے بارودی آگ کی لکیر چھوڑتا ہوا داہنی سمت سے نمودار ہوا اور ہم سے چند سو قدم دور پیدل چلنے والوں کی بھیڑ میں ایک جواں سال جوڑے کے آگے گر کر پھٹ گیا۔ زبردست دھماکے کے ساتھ کثیف دھوئیں کا بادل اٹھا، دلدوز انسانی چیخیں بلند ہوئیں اور دھواں صاف ہوا تو جواں سال جوڑے کا کہیں پتا نہیں تھا۔ فٹ پاتھ پہ ایک گہرا گڑھا وجود میں آ چکا تھا اور بہت سے لہولہان راہگیر مدد کے لیے چلا رہے تھے، جن میں سے کئی کے ہاتھ پیر اس دھماکے سے اڑ گئے تھے۔

میں نے بے اختیار اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ ان مناظر کو دیکھ کر رفتہ رفتہ میرا دل بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ فائر کیمپ کی تباہی میری زندگی کا وہ پہلا منصوبہ تھا، جس کی کامیابی پر میں دلدوز اور دلگیر ہوا جا رہا تھا۔ اس واقعہ میں شی کو واقعی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا تھا۔ لیکن اس کامیابی پر ایک بے گناہ شہری کی ہلاکت بھاری تھی، جب کہ شہر میں شاید ہر طرف بے گناہ شہریوں پر موت کے دریدہ دہن طاغوتی ہیولے اپنے لہو ریز پنجوں کے ساتھ حملہ آور تھے۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ زندہ سلامت اپنی منزل پر اپنوں میں پہنچ سکے گا یا کسی بھی لمحے بے موت مارا جائے گا۔

مجھے بے اختیار کراچی یاد آ گیا۔ جہاں سے میں نے اپنی کامیاب عملی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ لاہور میں باپ کی وفات اور سوتیلے

کے مظالم نے مجھے ایک ایسی دلدل میں دھکیل دیا تھا جہاں جرم و گناہ یا سسکتی ہوئی موت میں سے میں صرف کسی ایک کا انتخاب کر سکتا تھا، لہٰذا میں نے زندہ رہنے کے لیے جرائم کی دُنیا کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا اور شی کے کارندوں میں شامل ہو گیا۔ جب میں ان میں شامل ہوا تھا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ منشیات اور اسلحے کے بین الاقوامی اسمگلروں کی کوئی عالمی تنظیم ہو گی۔ میری نگاہ میں وہ مقامی منشیات فروشوں کا کوئی گروہ تھا جو منظم انداز میں اپنا کام چلا رہا تھا اور اپنے لیے کہیں کوئی مخالفت برداشت کرنے کا عادی نہیں تھا۔

ان دنوں تنظیم کے مفادات کے تحفظ اور معاشرے میں منشیات کے فروغ کے لیے میری نگاہوں میں انسان کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

میں نے معصوم طالب علموں کو منشیات فروشی کے دھندے میں ملوّث کیا اور اپنی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے بارہا انسانی لہو سے ہولی کھیلی، لیکن کبھی میرا دل اس خونریزی پر ملول نہیں ہوا۔ کیونکہ جرائم اور بالخصوص منشیات کی دنیا میں اخلاق اور ضمیر کو سب سے پہلے موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے، تاکہ معاشرے کے معزز اور شریف طبقات جب ان سرگرمیوں کے خلاف آواز بلند کریں تو انھیں انفرادی اور اجتماعی طور پر ایسی دردناک بیہمانہ سزائیں دی جائیں کہ ان کو دیکھنے والے عبرت پکڑیں اور جرائم کے خلاف آواز بلند کرنے کے بجائے چشم پوشی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں اور ہر طرف منشیات کو فروغ ملتا رہے۔

خود میں نے بہت سے شرفاء کا ان کے گھروں میں رہنا دشوار کر دیا تھا۔ کئی سرپھرے اور اصلاحِ معاشرہ کے شوقین میرے اشاروں پر اپنے گھروں اور بازاروں میں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے، میرے مسلح جتھوں نے رات کی تاریکی میں مزاحمت کرنے والی بستیوں پر شب خون مار کر وہاں رہنے والوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو ایسا تاراج کیا تھا کہ پھر وہاں شی کے مفادات کے خلاف کوئی آواز سننے میں نہیں آ سکی تھی۔

لیکن وہ زمانہ میرے اور شی کے اشتراک کا زمانہ تھا۔ اس دور کا ڈینی صرف اور صرف ایک سنگدل منشیات فروش تھا، جس کے نزدیک نہ انسانی جان کی کوئی حُرمت تھی اور نہ انسانی لہو کا تقدس۔ مگر غزالہ سے ملنے کے بعد میری سوچ میں انقلابی تبدیلی آئی تھی۔ کوکین کے ہاتھوں اس کے گھرانے کی دردناک بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد میری سوچ میں تیزی کے ساتھ تبدیلی آتی چلی گئی اور اَب میں اپنے ماضی کے کردار پر خود شرم سار رہتا تھا، میری پوری کوشش تھی کہ میں دُنیا بھر سے شی کا نام و نشان تک مٹا دوں تاکہ اپنے ماضی کے گناہوں کا ازالہ کر سکوں۔

لیکن ان کوششوں میں مارسیلز میرے لیے ایک امتحان بن گیا تھا۔ اس ساحلی شہر پر نازل ہونے والی بربادی میں میرا کردار افسوس ناک ثابت ہوا تھا، مگر دل کو بہلانے کے لیے بس یہی ایک خیال باقی رہ گیا تھا کہ جب میں نے فائر کیمپ تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا تو شہری آبادی کو درپیش خطرات کا تصوّر میرے ذہن کے بعید ترین گوشے میں بھی نہیں تھا۔

شہر پر رُک رُک کر اور سمتیں بدل بدل کر بربادیاں برستی رہیں۔ آگ، خون، دھماکے اور ملبے کے درمیان ہمارا سفر جاری رہا۔ ہماری کار پر نہ کوئی بم گرا نہ ہم کسی گرتی ہوئی عمارت کے ملبے کی زد میں آئے اور میں یہ سب تباہیاں دیکھ کر دل ہی دل میں کُڑھتا اور سوچتا رہا۔

میرے خیالات کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب ویرا نے کار میرانڈے کے مکان کے بند پھاٹک کے سامنے روکی۔

"لو، ہم خیریت سے لوٹ آئے۔" ویرا یہ کہتے ہوئے گیٹ لیمپ کی روشنی میں میرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی چونک پڑی۔ "ارے تم رو رہے ہو؟ کیا ہوا ڈینی؟"

"کچھ نہیں۔" میں نے سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ افسردہ لہجے میں کہا۔ "راستے میں کہیں گرد و غبار آ گیا ہو گا آنکھوں میں۔" یہ کہہ کر میں دونوں ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں صاف کرنے لگا، جو واقعی خاموش آنسوؤں سے تر ہو رہی تھیں۔

پھاٹک کُھلنے کے بعد ویرا کار اندر لے جانے لگی تو مسلح دربان نے اسے رُکنے کا اشارہ کیا۔ ویرا نے بریک لگا کر اپنی سمت کی کھڑکی کا شیشہ گرا دیا۔

ویرا کے استفسار سے پہلے ہی دربان نے آگے بڑھ کر تجسس آمیز اور جوشیلے لہجے میں اسے کچھ بتایا اور میں نے ویرا کے چہرے پر فکرمندی کے آثار نمودار ہوتے دیکھے۔

ویرا وہیں رُک کر چند منٹ تک دربان سے سوال جواب کرتی رہی۔ اس دوران میں میں نے دیکھا کہ آگے روشن پورٹیکو میں پہلے سے ایک نئی کار موجود تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم سے پہلے کوئی اور وہاں پہنچا ہوا تھا۔

دربان سے گفتگو ختم کر کے ویرا نے جیسے ہی کار آگے بڑھائی، میں نے ویرا سے سوال کر دیا۔ "کون آیا ہوا ہے یہاں؟"

"تمھیں کیسے پتا؟" وہ حیرت سے بولی۔ "اس نے تو فرنچ میں بتایا تھا"

"سامنے ایک نئی کار کھڑی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی ہمارا انتظار کر رہا ہے۔"

"اوہ!" وہ خفت آمیز لہجے میں بولی۔ "میں نے کار نہیں دیکھی تھی۔ ویسے میں خطرے کی بو سونگھ رہی ہوں۔ آنے والے تعداد میں دو ہیں اور خود کو میرانڈے کا دوست کہتے ہیں، جب کہ دربان کے لیے وہ نئے چہرے

"انھیں کہاں بٹھایا گیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ڈرائنگ روم میں۔" ویرا نے رینگتی ہوئی کار کو اگلی کار کے پیچھے روکتے ہوئے کہا۔

"پھر صرف تم ہی ان سے ملو تاکہ ضرورت پیش آنے پر ہم دونوں تمھاری مدد کو پہنچ سکیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ بڑی عجیب ہے کہ وہ دربان کے لیے نئے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ سچ کہہ رہے ہوں۔" ویرا بولی۔ "فراڈ ہوتے تو یوں اطمینان سے کار پورٹیکو میں چھوڑ کر اندر نہ بیٹھے ہوتے، بلکہ بہانہ کر

ے واپس لوٹ جاتے۔"

فائر کیمپ سے ہونے والے دھماکوں کی آوازیں وہاں تک سُنائی ے رہی تھیں اور شمال مشرق میں آسمان پر شعلے اس طرح تیرتے نظر رہے تھے، جیسے ادھر آتش بازی کا کوئی بڑا مظاہرہ ہو رہا ہو۔ بادی النظر ں کئی پروجکٹائل اس طرف بھی آتے نظر آئے، لیکن پھر راستے میں ہی یں گم ہو گئے۔

ہم تینوں نے کار سے اتر کر ایک دوسرے کا تنقیدی جائزہ لیا، ویرا ے کپڑوں پہ نہ خون کا کوئی داغ تھا نہ بے ترتیب شکنیں۔ اس کے لباس کو یک لبادے نے پوری طرح محفوظ رکھا تھا۔

"احتیاطاً یہ گن ساتھ رکھ لو۔" میں نے اس کے ہمراہ برآمدے کی یڑھیاں عبور کرتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے خنجر کافی ہے۔ شاید تم بھول گئے ہو کہ میں نے خنجر بازی ں باقاعدہ تربیت لی ہوئی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "داؤ لگ یا تو شاید تمھیں زحمت ہی نہ کرنا پڑے۔"

ویرا نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ اچانک زمین کے ساتھ ہی مکان ے در و دیوار تک لرز اُٹھے اور میں اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ ویرا وازے میں جھول کر رہ گئی اور سلطان شاہ لڑکھڑا کر فرش پہ ڈھیر ہو ا۔ عمارت کے کسی حصّے میں جھنجھناہٹ کے ساتھ شیشے ٹوٹنے کا شور ی سنائی دیا تھا۔

وہ شدت کے اعتبار سے بدترین دھماکا تھا، جس کا مطلب تھا کہ ر کیمپ کے ذخائر بتدریج تباہی کی زد میں آ رہے تھے۔ پہلے دو دھماکوں ے بعد بھی وہاں بہت کچھ باقی تھا اور دھماکوں کا سلسلہ جلد موقوف ہوتا ر نہیں آ رہا تھا۔

وہ سب اپنی جگہ تھا، لیکن ہمیں فوری طور پہ اندر والوں کی فکر ق تھی، اس لیے ہم نے پھرتی سے خود کو سنبھالا اور پھر ویرا راہداری میں نگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

اس وقت میرے دل کی دھڑکنیں اچانک ہی تیز ہو گئی تھیں۔

ویرا کے اندر داخل ہوتے ہی کمرے سے سیٹی کے ساتھ ایک تحیر آمیز لوفرانہ از سنائی دی تھی آواز مردانہ اور زبان فرانسیسی تھی لیکن کوئی مفہوم ے نہ پڑنے کے باوجود یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ میراندے ے مہمان اوباش طبیعتوں کے مالک تھے۔

"تم لوگ یہاں کس لیے آئے ہو؟" ویرا کی سپاٹ اور اونچی آواز ئی دی۔ اس نے اجنبیوں سے محض ہماری وجہ سے انگریزی میں وال کیا تھا تاکہ ہم پوری گفتگو سے باخبر رہیں۔

جواب میں کسی نے فرینچ میں کچھ کہنا چاہا لیکن ویرا نے درمیان ی اس کی بات کاٹ دی۔ "میں فرینچ نہیں جانتی، مجھ سے انگریزی میں بات کرو۔"

"ہمیں تم سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہی آواز سُنائی دی۔ اس بار بولنے والے کا لہجہ ترش ہو گیا تھا۔ "میراندے کے ایک ملازم کو اپنی آمد کا مدعا بتا چکے ہیں، ضروری نہیں کہ اس کے ہر ملازم اور ملازمہ کی جرح کا جواب دیا جائے۔ کم از کم شرفا کے یہاں مہمانوں سے ایسا سلوک نہیں کیا جاتا۔"

"پہلے تو اپنی یہ غلط فہمی دور کر لو کہ میں میراندے کی ملازمہ ہوں۔" ویرا کی تلخ آواز سُنائی دی۔ "اور دوسری بات یہ کہ شرفا کے یہاں آنے والے ان ہی لوگوں کو عزت دی جاتی ہے جو لڑکیوں کو دیکھ کر بازاری انداز میں سیٹیاں نہیں بجاتے۔ میں چاہوں تو ابھی مسلح چوکیدار کو بلا کر تم دونوں کو باہر نکلوا سکتی ہوں، میراندے تمھاری کوئی مدد نہ کر سکے گا۔"

"ہمیں بتایا گیا تھا کہ میراندے ابھی غیر شادی شدہ ہے...."

"میں نے کب کہا کہ میں اس کی بیوی ہوں، ملازمہ نہ ہونے کا مطلب بیوی ہونا تو نہیں ہوتا، اور ہاں، تم تو اس کی دوستی کے دعویدار بن کر آئے ہو اور اپنے دوست کے بارے میں تمھیں دوسروں سے ملنے والی معلومات پر انحصار کرنا پڑا ہے۔ کیسے دوست ہو تم اس کے؟" ویرا بتدریج ان پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد دوسری مردانہ آواز ابھری۔

"میں غلط فہمی پر شرمندہ ہوں مادام!" وہ لہجے سے قدرے مہذب معلوم ہو رہا تھا۔ "تم بیٹھ جاؤ تو ہم سکون سے بات کر سکیں گے۔ ہم دونوں واقعی میراندے کے بچپن کے دوست ہیں۔ ہم نے اسکول میں اکٹھے تعلیم حاصل کی پھر ہم اٹلی جا کر آباد ہو گئے۔ ایسی صورت میں نہ ہمارا دعویٰ غلط ہے نہ ہم میراندے کے حالات سے بے خبری پر قصوروار قرار دیے جا سکتے ہیں لیکن تم نے اپنی طرف سے ہمیں تجسس میں مبتلا کر دیا ہے، اپنا تعارف کرا دو تو ہم زیادہ بے تکلفی سے گفتگو کر سکیں گے۔"

"میں اجنبیوں سے بے تکلفی کی قائل نہیں ہوں۔" ویرا کا لہجہ

معاشرتی جبر کے خلاف زاہدہ حنا کا قلم تیغ برہنہ بن جاتا ہے

اُن کی کتاب
قیدی سانس لیتا ہے
کا تیسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

سسکیاں بھرتے ہوئے مظلوموں کے لیے اُن کی تحریریں مرہم کا درجہ رکھتی ہیں

اُردو افسانے میں زاہدہ حنا کا نام اور کام کسی تعارف کے محتاج نہیں

زاہدہ کے افسانوں کا یہ مجموعہ مشاہیر ادب [illegible] سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے

قیمت [illegible] ۲۲ [illegible]

کتابیات پبلی کیشنز * پوسٹ بکس ۲۳ کراچی [illegible]

بدستور جارحانہ رہا۔ "عام طور پر مجھے کیتھورن ژولینی کہا جاتا ہے اب یہ بتاؤ کہ تمھیں میراندے کی تجرّد کی زندگی کے بارے میں کس نے بتایا تھا؟"

"وہ بہت شریف اور بے ضرر آدمی ہے مس کیتھورن...!"

"نہیں!" ویرا کی غراہٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں کہہ چکی ہوں کہ مجھے بے تکلفی پسند نہیں ہے۔ میں اجنبیوں کی زبان سے اپنا پہلا نام سننا برداشت نہیں کر سکتی۔"

"بہت ہو چکی۔" پہلے شخص کی تلملائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم نہ میراندے کی بیوی ہو، نہ ملازمہ۔ اس لیے ہم تمھاری کسی بات کا جواب دینے کے پابند نہیں ہیں۔ جب تک تم اپنی یہاں موجودگی کا کوئی معقول جواز نہیں پیش کردگی، ہم تمھاری کسی بات پر کان نہیں دھریں گے۔"

"مجھے نظرانداز کر کے تم چند منٹ کے لیے بھی یہاں نہ ٹک سکو گے۔" ویرا محاذ آرائی کو طول دینے پر تل گئی تھی۔ "تمھیں یہ گھر بار، ساز و سامان، ملازمین اور گاڑیاں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے، اس پر میراندے کا ہر حق ختم ہو چکا ہے اور ان سب چیزوں پر بلا شرکتِ غیرے میرا تصرف ہے۔"

"ثبوت کے بغیر تمھارا دعویٰ ہرزہ سرائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم میراندے کے حوالے سے اس کمرے میں بٹھائے گئے تھے۔"

"اس لیے کہ فی الحال میری ہدایات ایسی ہی تھیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میراندے دیوالیہ ہو چکا ہے اور میں سرکاری طور پر اس کے تمام اثاثوں پر ریسیور مقرر کی گئی ہوں۔" اس نے فی البدیہہ منہ توڑ جواب دیا۔

چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھا گئی پھر نسبتاً مہذب آواز والے نے سوال کیا تھا۔ "یہ اندوہناک واقعہ کب رونما ہوا مس ژولینی؟"

"کل... کل کی بات ہے یہ، معاملہ تو بہت دنوں سے چل رہا تھا۔"

"یعنی تم کل ہی یہاں... اس گھر میں آئی ہو؟" بات پر زور دیتے ہوئے تائید طلب لہجے میں پوچھا گیا۔

"کیا اس سے کوئی فرق پڑ سکتا ہے؟" ویرا کی آواز اب ان کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔

"ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" سرد مردانہ آواز سنتے ہی میرے مساموں میں پھریری کی لہر سرایت کر گئی۔ "پھر تو تم ہی ہماری مطلوبہ لڑکی ہو۔ تمھاری یہ ڈرامے بازی ہمارے ساتھ نہیں چل سکے گی۔"

شاید ویرا نے بے چون و چرا اس کے حکم پر عمل کیا تھا کیونکہ دوسرے مرد کا قہقہہ سنائی دیا تھا۔ "معاوضہ پیشگی مل گیا تھا اب ہم انعام کے حق دار بھی ہو جائیں گے۔ اس نے تمھیں سمجھا بجھا کر واپس لانے کے لیے کہا تھا۔ ہم کہہ دیں گے کہ تم اپنی مرضی سے ہمارے ساتھ آئیں لیکن راستے میں اُلجھ بیٹھیں اس لیے ہمیں زبردستی سے کام لینا پڑا۔"

"کس نے بھیجا ہے تمھیں؟" ویرا کی آواز جذبات سے عاری تھی۔

"بڑا بے نفس آدمی ہے، سارے شہر کے لیے آسائشیں بانٹتا ہے۔ اب ہم سے اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ اس کے لیے کام کرنے والی لڑکیاں دنیا کے کسی کونے میں سُکھی نہیں رہ سکتیں۔ مجھے اُمید تو نہیں کہ تمھارے پاس کوئی اسلحہ ہوگا لیکن پھر بھی تمھاری تلاشی لینا ہی پڑے گی۔ اگر پستول کے بل پر ہم تم سے ہر قسم کی بے تکلفی کر سکیں گے۔"

میری دانست میں وہ کھیل خطرناک مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ دونوں میراندے کے بچپن کے بچھڑے ہوئے دوست رہے ہوں لیکن اس وقت وہ محض میراندے سے ملنے نہیں آئے تھے بلکہ کسی نے اُنھیں کسی لڑکی کی تلاش میں معاوضہ دے کر روانہ کیا تھا اور وہ ویرا کے گلے پڑتے نظر آ رہے تھے۔

وہ سب اس طرح غیر متوقع طور پر ہوا تھا کہ ویرا کو شاید مداخلت کے بارے میں سوچنے کا موقع بھی نہ مل سکا تھا۔ اس سے پیشتر کہ وہ دونوں ویرا کو بے دست و پا کر کے اپنی پوزیشن مستحکم کرتے، ہمارا دخل انداز ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ میں بیم گن جیب سے نکال کر ہاتھ میں دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔ میں نے سلطان شاہ کو اپنے پیچھے رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ میری پوری کوشش تھی کہ دخل اندازی سے پہلے کسی طرح اندر کی پوزیشن کا جائزہ لے سکوں۔

میں نے دیوار سے چپک کر جوں ہی سر آگے بڑھایا، ان میں سے ایک کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی۔ "کون ہے باہر راہداری میں؟" اس کی تیز اور اضطراری آواز گونجی تھی۔

"میں یہاں اتنی بے سر و سامان نہیں ہوں کہ تم اپنی من مانی کرو۔" ویرا کی پُراعتماد آواز سنائی دی۔ "میرے آدمی میرے ایک اشارے پر اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے، بہتر ہوگا کہ اس ننھے سے آتشیں کھلونے کو جیب میں ڈال لو۔"

ویرا پُرسکون تھی لیکن ان دونوں پر ہیجان طاری ہونا قطعی امر تھا لہٰذا ان میں سے کوئی خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ شاید اس نے ویرا پر حملہ کیا تھا کیونکہ اندر سے ہڑبونگ اور دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

میں خطرے کی پروا کیے بغیر بیم گن تان کر کھلے ہوئے دروازے کے سامنے آ گیا۔ "جو جہاں ہے وہیں رُک کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لے ورنہ میں بے دریغ فائر کر دوں گا۔"

اس وقت ان میں سے ایک ویرا کے ساتھ لڑ رہا تھا اور دوسرا ہماری طرف پشت کیے کھڑا تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ پستول بدست پھرتی کے ساتھ گھوما تھا لیکن سلطان شاہ اس سے زیادہ پھرتیلا ہوا۔ وہ سر جھکا کر کسی سانڈ کی سی تیزی سے مسلح شخص پر حملہ آور ہوا تھا اور اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے سینے پر زبردست ٹکر کر کے اسے پیچھے اچھال دیا۔

فضا میں اڑتے ہوئے اس کے حلق سے دبی دبی سی چیخ آزاد ہوئی تھی اور اسی لمحے ویرا نے اپنا خنجر نکال کر اپنے مدِمقابل کا داہنا بازو

ی نوک سے لہولہان کر دیا تھا۔ سلطان شاہ کی کھوپڑی بھی اس ت پوری طرح فعال تھی، اس نے دیکھ لیا تھا کہ ٹکر کھانے کے باوجود رے نے اپنے پستول پر اپنی گرفت برقرار رکھی تھی لہٰذا وہ اس قالین پر گرنے سے پہلے ہی جھپٹ کر اس کے سر پر پہنچ گیا اور ی داہنی کلائی جوتے سے کچل کر ایک ہی جھٹکے میں پستول اس کی گرفت نکال لیا اور وہیں ایک طرف پوزیشن سنبھال لی۔

وہ دونوں ہی غالباً ویرا کی اصلیت سے بے خبر تھے اور اسے نرم و نازک سی خوبرو دوشیزہ سمجھ کر اس سے الجھ بیٹھے تھے لیکن زنی میں اس کے ماہرانہ ہاتھ دیکھ کر ویرا کا حریف واضح طور پر زدہ نظر آ رہا تھا حالانکہ ویرا اس کے چہرے پر ایک چرکا لگانے بعد محض اسے خوفزدہ کر رہی تھی اور وہ ویرا کے ہر وار کے ساتھ ے ہٹتا جا رہا تھا۔

”ختم کرو۔“ میں نے بلند آواز میں کہا۔ ”اور ان دونوں کی جامہ تلاشی کر انھیں نہتا کر دو۔“

ان کی تلاشی میں مزید ایک پستول اور ٹرانسمیٹر نما ایک جیبی آلے علاوہ کوئی اور قابلِ ذکر چیز برآمد نہیں ہوئی۔ میں نے اس آلے کو ٹ پلٹ کر دیکھا لیکن اس میں کہیں کوئی ایسا بٹن یا سوئچ نظر نہیں آیا سے اس کا استعمال واضح ہوتا۔ وہ ہر اعتبار سے ایک ایسا آلہ ا جسے غالباً جوں کا توں ہی استعمال کیا جا سکتا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ میں نے وہ سیاہ آلہ فضا میں لہراتے ہوئے ان سے ال کیا۔

”ہمیں نہیں معلوم۔“ زخمی چہرے والے نے بھاری آواز میں ۔ ”ہمیں یہ ایک شناخت کے طور پر دیا گیا تھا۔“

”وضاحت سے بتاؤ۔“ میں نے غرا کر کہا۔ ”یہ نہ سمجھنا کہ اب تمھاری انی کے ساتھ گلوخلاصی ہو سکے گی۔ تم لوگوں کو بڑی چالاکی کے ساتھ ا چوہے دان میں ہانکا گیا ہے۔“

”غیر ملکیوں کے ساتھ تم من مانا سلوک نہیں کر سکتے، ہم اطالوی شہری ب اور باقاعدہ پاسپورٹ پر فرانس میں داخل ہوئے ہیں۔ تمھاری ان رکتوں پر میراندے کو جوابدہ ہونا پڑے گا۔“

”جہنم کا داروغہ پاسپورٹ نہیں، اعمال نامے کی سیاہی دیکھتا ہے ر تم ابھی ابھی مس تروینی کو طاقت کے بل پر اغوا کرنے کی ناکام کوشش چکے ہو۔ اس لیے جو کچھ پوچھا جا رہا ہے، اس کا مختصر اور سیدھا جواب ورنہ ہم میں سے کسی کے بھی صبر کا پیمانہ لبریز ہو سکتا ہے۔ تمھاری شوں کے ساتھ بھاری پتھر باندھ کر تمھیں اس طرح سمندر میں غرق کیا ے گا کہ کسی کو تمھاری باقیات کا سراغ تک نہ مل سکے گا۔“

”یہ جوتے کھائے بغیر سیدھے نہیں ہوں گے۔“ ویرا نے غصیلے نے میں مجھ سے کہا۔ ”انھیں تہ خانے میں لے چلو، وہاں ان کے سارے ں بل نکال دیے جائیں گے۔“

ویرا کا مشورہ بہت معقول تھا۔ ان لوگوں کی بے ربط گفتگو سے میرے ذہن میں جو خاکہ بنا تھا، وہ بہت تشویش انگیز تھا۔ ہمیں لیون سے فرار ہوئے اڑتالیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے لیکن اٹلی سے کسی نے ان دونوں کو میراندے کے پاس بھیج دیا تھا تاکہ وہ دونوں میراندے کے پاس موجود لڑکی کو سمجھا بجھا کر واپس لے آئیں۔

انھیں بھیجنے والا کون تھا؟ اور لڑکی کے بارے میں انھیں کیا شناخت بتائی گئی تھی؟ یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا لیکن پچھلے چند منٹ میں کم از کم یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ وہ ویرا یا اپنی مطلوبہ لڑکی کو صورت سے شناخت نہیں کر سکتے تھے۔ ان دونوں نے اپنے بھیجنے والے کے بارے میں اشاروں کنایوں میں جو کچھ کہا تھا، اس سے میرا ذہن لامحالہ ڈان مرسیانو کی طرف گیا تھا جس کی کہانیاں میں ویرا سے سُن چکا تھا۔

ڈان مرسیانو درحقیقت جمی لائیڈ کا ہی ایک گھناؤنا روپ تھا جس میں وہ روم کے اوباشوں کے لیے خلوتیں آراستہ کرنے کا دھندا چلاتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی اس نے وہ گندا کام نہیں چھوڑا تھا۔ دوسری حیران کن بات یہ تھی کہ ہماری تمام تر تخریبی کارروائیوں کے باوجود جمی لائیڈ روم میں بیٹھا چین کی بانسری بجا رہا تھا جیسے اسے کسی پر نازل ہونے والی جانی اور مالی تباہیوں کی ذرا بھی پروا نہ ہو۔

ان عقدوں کو بڑی حد تک وہی دونوں حل کر سکتے تھے لیکن دونوں ہی ضدی طبیعت اور مضبوط قوتِ برداشت کے مالک معلوم ہوتے تھے اس لیے میں نے فوری طور پر ویرا کے مشورے کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا۔

انھوں نے ڈرائنگ روم میں جمے رہنے کے لیے بہت زور مارا لیکن بیم گن سے خارج ہونے والی شعاع کی زد میں آنے والے کانسی کے ایک آرائشی مجسمے کا انجام دیکھ کر انھیں ہتھیار ڈالنا پڑ گئے۔ انھیں اپنے ساتھ میراندے کی خواب گاہ میں لے جاتے ہوئے ہم تینوں ہی اپنی اپنی جگہ محتاط تھے کیونکہ ان کی آنکھوں میں مزاحمت کی جھلک برقرار تھی۔

میراندے کی خواب گاہ سے تہ خانے کے راستے میں داخل ہوتے ہوئے ان میں سے زخم خوردہ شخص اچانک پلٹ پڑا تھا لیکن ویرا نے اس کی کمر پر بھرپور لات رسید کر کے اسے یوں واپس کیا کہ وہ اگلی لینڈنگ تک سیڑھیوں پر لڑھکتا چلا گیا، دوسرے کو سلطان شاہ نے بے رحمی سے ٹھوکروں پر رکھ لیا، اس طرح وہ دونوں اپنے پیروں پر زور ڈالے بغیر ذرا سی دیر میں تہ خانے میں پہنچ گئے جہاں پہلے سے دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

”میراندے کو بھی مار ڈالا تم لوگوں نے؟“ ان میں سے ایک اس کی لاش دیکھتے ہی چیخ پڑا۔ دوسرے قیدی کی لاش تہ خانے کے ایک

دور افتادہ گوشے میں پڑی ہوئی تھی۔

"دیوالیہ قرار دیے جانے پر اس نے خودکشی کرلی۔" ویرا نے زہریلے اور بے رحمانہ لہجے میں کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ کچھ دیر بعد تم دونوں بھی ہیرالڈ سے ملاقات کے لیے روانہ ہو جاؤ۔"

"تمہیں اٹلی سے کس نے یہاں بھیجا ہے؟" میں نے ان دونوں کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں سوال کیا۔ بیم گن بدستور میرے ہاتھ میں تھی۔

"وہ بہت بے ضرر اور مخلص انسان ہے۔ یقین کرو کہ اس کے بارے میں تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

وہ مسلسل مزاحمت پر مصر تھے اس لیے میں نے سلطان شاہ کو ان پر نظر رکھنے کی ہدایت کی اور خود تہ خانے کے اس گوشے کی طرف بڑھ گیا جہاں عقوبت کے بہت سے لوازمات جمع تھے لیکن مجھے اس وقت صرف ایک مضبوط اور لمبی رسّی درکار تھی۔

میں نائیلون کی مضبوط رسّی کا لچھا لے کر واپس ہوا تو ویرا اپنے خنجر کی دھار پر ماہرانہ انداز میں انگلی پھیر رہی تھی۔ "پہلے کسے ذبح کرنا ہے؟" میرے قریب پہنچتے ہی اس نے روا روی میں سوال کیا اور ویرا کے ہاتھوں زخمی ہونے والا خوف کے باعث اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ذبح نہیں کرنا۔" میں نے رسّی کا سرا نکالتے ہوئے کہا۔ "میں ان کی کھوپڑیاں توڑ کر بھیجا باہر نکالوں گا۔ آسان موت کو تو یہ اپنی خوش نصیبی تصور کریں گے۔"

"ڈنڈا بیڑی۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے سلطان شاہ سے اُردو میں کہا۔ "کسی بھی ایک کو لگا دو تاکہ دوسرے کے ساتھ بے فکری کے ساتھ محفل ہو سکے۔"

سلطان شاہ اس وقت کافی بپھرا ہوا نظر آرہا تھا کیونکہ فائر کیمپ کی تباہی میں اسے حسبِ منشا کام دکھانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اس نے وحشیانہ انداز میں زخمی رخسار والے کو زمین پر گرا کر اس کی گردن میں آہنی طوق ڈالا اور پھر آہنی ڈنڈے کے سرے پر لگی ہوئی بیڑی اس کی داہنی پنڈلی پر مقفل کردی۔ سلطان شاہ کے الگ ہوتے ہی وہ بری طرح مچلا تھا لیکن اپنے آہنی زیوروں کی جھنکار میں فرش پر پشت کے بل گھوم کر رہ گیا۔ ان دونوں میں وہی زیادہ توانا اور سرکش نظر آرہا تھا ورنہ اس کے ساتھی کی آنکھوں میں اس وقت تک تشویش کے سائے لرزنے لگے تھے۔

"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" اسی نے گمبھیر لہجے میں سوال کیا تھا۔

"تمہارے ساتھ آنکھ مچولی کھیلیں گے۔" میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "چپ چاپ فرش پر دراز ہو کر اپنے پیر بندھوا لو ورنہ تمہارے ادھڑے ہوئے جسم پر ٹھوکروں کے مزید نشان بن جائیں گے۔"

وہ تذبذب میں تھا کہ سلطان شاہ کی لات پوری قو
سے اس کی پنڈلی پر پڑی اور اس کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ
طرح پختہ فرش پر گرا تھا سلطان شاہ اس پر چڑھ بیٹھا اور
رسّی سے اس کے دونوں پیر مضبوطی سے باندھ دیے۔ سلطان
نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے ا
ہٹنے کا اشارہ کر دیا۔

"ادھر سے المونیم کی گھوڑی اُٹھا کر رسّی کا دوسرا سرا چھت
ہوئے آہنی ہُک میں سے گزار دو۔" میری اس ہدایت پر سلطان ش
فوری عمل کیا۔

"یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" ڈنڈا بیڑی والے قیدی نے اپ
ساتھی کو حوصلہ دلاتے ہوئے کہا۔ "شرط یہی تھی کہ ہم اس کا نام ا
کیے بغیر لڑکی کو لائیں گے ورنہ وہ ایک پیسہ بھی نہیں دے گا۔"

"جو کچھ بگڑے گا وہ تمہارے سامنے آجائے گا۔" میں نے ہُ
گزری ہوئی رسّی کو ایک تیز جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "فکر نہ کرو یہ
تمہاری بھی باری آئے گی پھر دیکھ لیں گے کہ تم میں کتنی قوت برداش
میرا منصوبہ واضح ہو چکا تھا لہٰذا ویرا اور سلطان شاہ نے
کو زور لگا کر کھینچنا شروع کیا اور بندھے ہوئے قیدی کا بدن فرش
دور گھسٹنے کے بعد سر کے بل فضا میں معلق ہوتا چلا گیا اور پھر اس کے
پیر چھت سے جا لگے۔ وہ اس مضحکہ خیز صورت حال میں اپنے منہ
کوئی آواز نکالے بغیر فضا میں ہاتھ چلائے جا رہا تھا۔

"تمہیں یوں ہی لٹکاؤں گا نہیں۔ چند منٹ بعد رسّی ایک
چھوڑ دی جائے گی اور تم کھوپڑی کے بل فرش پر آ ؤ گے۔ یہ کشتی
کا ایک ادنا سا استعمال ہے۔" میں نے چند ثانیوں تک اس کی بے
سے محظوظ ہونے کے بعد کہا۔

"نن... نہیں۔" میری بات سنتے ہی وہ بری طرح بوکھلا گیا۔
ایسا نہیں کر سکو گے۔"

"دیکھتا ہوں کہ کون روک سکتا ہے۔" میرا اشارہ پاتے ہی اس
نے رسّی کو اچانک ایک ڈیڑھ فٹ ڈھیلا کیا۔ اس کا بدن تیزی سے
نیچے آیا اور پھر ایک جھٹکے سے رُک گیا۔ اس کے حلق سے نکلنے والی
بہت بھیانک تھی۔

"مجھے اتار دو... مجھے اتار دو۔ تم جو پوچھو گے وہ بتا دوں گا۔"
ہذیانی انداز میں بولا تھا۔ سخت سردی کے باوجود اس وقت اس
پسینے میں ڈوب گیا تھا۔

"لعنت ہو سرجی تیری ماں پر جس نے تجھ جیسے بزدل کو جنم دیا۔"
ڈنڈا بیڑی والے نے نفرت آمیز لہجے میں اپنے ساتھی سے کہا۔ "تیری
جگہ میں ہوتا تو پھر دیکھتا کہ کیا ہوتا ہے۔ تو موت سے بچنا چاہ
مگر میں بتلائے دے رہا ہوں کہ یہ سب خونی درندے معلوم ہو
زبان بند رکھ کر تو شاید زندہ بچا رہے لیکن سب کچھ معلوم کرنے

یہ تجھے مار دیں گے۔“

وہ اوّل درجے کا ہٹ دھرم تھا اور اس کی سوچ خطرناک حد تک صحیح تھی۔ اگر اسے ڈھیل دی جاتی تو وہ مردود سرجی کو بھی بہکانے میں کامیاب ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے سلطان شاہ کو اس پر پلتے دیکھ کر زبان تک نہ ہلائی۔ سلطان شاہ بڑی بے دردی کے ساتھ اسے اپنی ٹھوکروں سے اڑاتا رہا۔ وہ اذیت سے بلبلا رہا تھا لیکن مزاحمت پر تلا ہوا تھا۔ بے دست و پا ہونے کے باوجود اس نے کئی بار اتنی پھرتی کے ساتھ اپنے جسم کو حرکت دی کہ آہنی بیڑی سے سلطان شاہ کی پنڈلی زخمی ہوگئی۔

ویرا نے رسّی کے سہارے تنہا سرجی کو معلق کیا ہوا تھا۔ نہ جانے کس لیے اس نے آہستگی کے ساتھ سرجی کو فرش پر ڈالا اور عقب سے قیدی کے پیچھے پہنچ گئی۔ میں یک بیک اسے وہاں موجود پاکر حیران ہوگیا۔ ویرا نے پلک جھپکتے میں انگلیاں ملا کر اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے پھر اس کے حلق سے ایک عجیب وحشیانہ آواز کے ساتھ اس کی دونوں ترچھی ہتھیلیاں قیدی کی کنپٹیوں پر پڑیں اور اسی لمحے قیدی کی آنکھوں، کانوں، نتھنوں اور دہانے سے گاڑھے گاڑھے خون کی دھاریں بہہ نکلیں۔ ضرب لگنے کے بعد اس کے جسم میں ذرا سی جنبش ہوئی تھی اور پھر وہ ساکت ہوگیا۔ اس کا خون سب راستوں سے بہہ بہہ کر فرش پر پھیلنے لگا۔

معاً فضا ایک اور شدید دھماکے سے لرز اٹھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے اس عمارت کا پورا ڈھانچا نیچے آ رہے گا لیکن غنیمت ہوا کہ دھماکے کی لہر عمارت کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر گزر گئی۔ فائر کیمپ کے ذخائر واقعی کسی بھی اندازے سے کہیں زیادہ اور خطرناک تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی زخمی دیو پیکر عفریت وقفے وقفے سے جھنجلا کر چنگھاڑ رہا ہو۔

سرجی فرش پر رسّی سے بندھا ہوا پڑا تھا۔ اپنے ساتھی کا انجام دیکھ کر اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا اور آنکھوں سے دہشت جھانکنے لگی تھی۔

”ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں سرجی!“ ویرا اس کے قریب پہنچ کر سرد لہجے میں بولی۔ ”ہمارا کوئی ارادہ یا فیصلہ تمہارے عزائم سے مشروط نہیں ہو سکتا۔ ابھی وہ گیا ہے اور اب تمہاری باری آ سکتی ہے۔ تیار ہو جاؤ، تم ایک بار پھر معلق کیے جانے والے ہو۔“

”اس کی ضرورت نہیں رہی۔“ وہ نحیف اور شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ ”میں تمہاری ہر بات کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔“

”اب ہم کچھ نہیں پوچھیں گے، خود ہی اپنی کہانی سنا ڈالو۔“ ویرا بولی۔

”ہم دونوں کو ڈان مریانو نے یہاں بھیجا تھا۔“ وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔

”وہ نالی کا حقیر کیڑا!“ ویرا تنفر آمیز لہجے میں بولی۔ ”وہ زندہ ہے ابھی تک؟“

”ہاں کل وہ اچانک خود ہی ہمارے پاس آیا تھا۔ پھر باتوں ہی باتوں میں نہ جانے کیسے میرانڈے کا ذکر نکل آیا۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ ہم میرانڈے کے بچپن کے ساتھی ہیں۔ ڈان مریانو نے ہمیں بتایا کہ اس کی ایک بہت عزیز اور چہیتی لڑکی اس سے لڑ کر مارسیلز میں میرانڈے کے پاس چلی گئی ہے۔ اگر ہم مارسیلز جا کر اسے واپس لوٹنے پر آمادہ کر سکے تو وہ ہمیں پانچ ہزار ڈالر معاوضہ دے گا اور اگر لڑکی نہ آئی تو آمد و رفت کے اخراجات کے علاوہ دو ہزار ڈالر دے گا۔ ہم کئی دن کے لیے فارغ تھے، اس لیے اس کے معقول مشورے کو قبول کر لیا۔“ سرجی اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔

”لڑکی کا نام اور حلیہ وغیرہ کیا بتایا تھا؟“ ویرا ڈان مریانو کا نام سن کر اندر ہی اندر پھنک رہی تھی۔

”کچھ بھی نہیں بتایا۔ ہم جانتے ہیں کہ روم میں ڈان مریانو کے قائم کیے ہوئے پُرتعیش ہوسٹلوں میں سیکڑوں لڑکیاں بلا معاوضہ اور تنخواہ پر رہتی ہیں۔ اگر وہ کسی لڑکی کی واپسی کے لیے اتنا ہی بے چین تھا تو وہ یقیناً ہر لحاظ سے بے مثال رہی ہوگی، وہ بھی یہی کہہ رہا تھا۔ لڑکی نے نام بدل لیا ہوگا، وضع قطع بھی بدل سکتی ہے لیکن اس کی انفرادیت ہی اس کی شناخت ہوگی۔ دوسری پہچان یہ تھی کہ وہ میرانڈے کی چھت کے نیچے ہوگی۔“

”اس نے یہ نہیں بتایا کہ لڑکی کب سے گئی ہوئی ہے؟“ ویرا نے سوال کیا۔

”اس کی باتوں سے ایک آدھ روز کا تازہ واقعہ معلوم ہو رہا تھا پھر مغربی یورپ کے ملکوں میں سفر بہت آسان ہو گیا ہے، صرف پاسپورٹ دکھا کر کوئی بھی کسی ملک میں آ جا سکتا ہے۔“

”ڈان مریانو سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”بس وہی جو مستقل گاہک کا اچھے دکاندار سے ہوتا ہے۔ ہمارے ویک اینڈ ڈان مریانو ہی کے کسی نہ کسی ہاسٹل میں گزرتے ہیں اور اس نے کبھی ہمیں مایوس نہیں کیا۔“

”اور محض اسی بنا پر وہ تمہارے پاس دوڑا چلا آیا؟“ میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

”بہ ظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اگر اتفاقاً میرانڈے کا ذکر نہ آجاتا تو شاید ہم یہاں نظر نہ آتے۔“

”تمہارا پیشہ کیا ہے؟“ میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا اور اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار دیکھتے ہی برس پڑا۔ ”تم نے ذرا بھی حیل و حجت کی تو میں تم پر اپنا زیادہ وقت برباد نہیں کروں گا اور یہ بھی سن لو کہ میں تمہارے بشرے سے سچ اور جھوٹ کا اندازہ بہ آسانی لگا سکتا ہوں۔“

”ہمارا روم کی زیر زمین زندگی سے گہرا تعلق ہے۔“ وہ پھیکے لہجے میں بولا۔

"قتل کرتے ہو؟ ڈلکے مارتے ہو؟ آخر کرتے کیا ہو؟" میں برہمی کے عالم میں غرایا۔

"ہم ہیروئن فروخت کرتے ہیں۔" وہ سرسراتی ہوئی خوفزدہ آواز میں بولا۔

"کس سنڈیکیٹ کے لیے کام کرتے ہو؟"

اس کی نگاہوں میں دہشت اتر آئی اور وہ اپنے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بدقت تمام کہہ سکا۔ "شی کے لیے۔"

سرجی کے اس اعتراف کے ساتھ ہی ایک بات صاف ہو گئی کہ ڈان مرسیانو نے محض اتفاقاً ان دونوں کو میراندے کے پاس نہیں بھیجا تھا۔ ان دونوں کی نگاہوں میں ڈان مرسیانو روم کی آوارہ منش لڑکیوں کا ایک پیشہ ور دلال تھا۔ وہ اس کی ذات کے دوسرے رُخ سے لاعلم تھے۔ یہ ہم ہی کو معلوم تھا کہ ڈان مرسیانو بذاتِ خود شی کا سربراہ جمی لائیڈ تھا اور اس حیثیت میں وہ اپنے لیے کام کرنے والوں کے بارے میں مکمل ترین معلومات رکھنے کا عادی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ دونوں میراندے کے کلاس فیلو، رنگین مزاج اور پیسے کے طلبگار تھے لہٰذا ایک طرف اس نے شی کے مقامی سربراہ کو ہدایت دے کر ان دونوں کو چند روز کے لیے شی سے چھٹی دلوائی اور پھر خود ان سے ملنے جا پہنچا اور باتوں ہی باتوں میں میراندے کا ذکر نکال کر انھیں مارسیلز کے سفر پر آمادہ کر لیا۔ اس حد تک بات سمجھ میں آ گئی لیکن ڈان مرسیانو نے ان دونوں سے جس انداز میں اپنی ایک چہیتی کال گرل کا تذکرہ کیا، اس سے صاف ظاہر تھا کہ اس وقت ہم تینوں کے خواب و خیال میں بھی میراندے کا نام نہیں تھا اور نہ ہی ہمیں یہ اندازہ تھا کہ ہمیں لیون سے اچانک مارسیلز کی طرف کوچ کرنا ہو گا بلکہ اس وقت تک تو ویرا ابھی ہم سے نہیں ملی تھی۔ پھر ڈان مرسیانو نے کس بنیاد پر ایسے صحیح اندازے قائم کر لیے؟

ہمارے بارے میں ڈان مرسیانو کے وہ قیاسات ناقابلِ فہم تھے اور ان کی کوئی عقلی توجیہہ پیش نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا تھا کہ ویرا نے مارسیلز آنے اور پھر میراندے کے ساتھ ٹھہرنے کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر اور تاخیر سے ضرور کیا تھا لیکن وہ اس کا فطری فیصلہ تھا اور ڈان مرسیانو یا جمی لائیڈ جو اس کا حقیقی باپ تھا، اس کی فطرت سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کی بیٹی نئے حالات میں کیا فیصلہ کرے گی لہٰذا اس نے اپنی اسی پیش بینی کی بنیاد پر دو قاصد مارسیلز کی طرف روانہ کر دیے۔

لیکن پھر سوال پیدا ہوتا تھا کہ اسے اتنا لمبا چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی کہ ایک طرف سرجی اور اس کے ساتھی کو شی سے چھٹی دلائے اور پھر انھیں معاوضے کا لالچ دے کر مارسیلز روانہ کرے۔ اگر اس نے اندازہ لگا ہی لیا تھا کہ ویرا مارسیلز میں میراندے تک ضرور پہنچے گی تو وہ شی کے مطلق العنان حکمراں کی حیثیت میں کسی بھی ذریعے سے مارسیلز کے مقامی چیف کو ہدایت دے سکتا تھا۔ میراندے کے مکان کی نگرانی شروع ہو جاتی اور پھر جوں ہی ہم میں سے کوئی یا ویرا خود وہاں قدم رکھتی مج کو اطلاع مل جاتی اور وہ اپنا آخری فیصلہ صادر کر سکتا تھا۔

اس نے سامنے کا راستہ چھوڑ کر جس طرح پیچیدہ طریقۂ کار ا کیا تھا، اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس مرحلے پر جمی لائیڈ ویرا کے معاملے میں ذہنی کشمکش کا شکار ہو چکا تھا۔ اسے ویرا سے نفرت ہی نہیں پیار ہو چلا تھا۔ وہ اس کی سرکشی پر اس کی سرزنش بھی کرنا چاہتا تھا مگر ا کوئی نقصان پہنچانے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس پر اپنی بالادستی قائم ک کا خواہاں تھا مگر اس کے سامنے آنے پر آمادہ نہیں تھا اور یہ سب اسی وقت ممکن تھا جب وہ تنظیم کو درمیان میں لائے بغیر ذاتی سطح پر ویرا کو اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا۔

سرجی کو مارسیلز تک دوڑا کر اس نے ویرا کو یہ جتا دیا تھا کہ وہ ویرا کے امکانی ٹھکانوں سے اتنا لاعلم نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھی اور ان ٹھکانوں کے ذریعے وہ صرف اور صرف ہم دونوں کی مدد کر رہی تھی۔ طرح جمی لائیڈ نے اسے پیغام دیا تھا کہ میں یعنی ڈینی کسی بھی وقت ا کی دسترس سے باہر نہیں تھا اس لیے ویرا کو مجھ سے کنارا کشی کر لینا چاہیے۔

مجھے یقین تھا کہ مارسیلز میں فائر کیمپ کی تباہی جمی لائیڈ کے سکون کو تباہ کر دے گی۔ اگرچہ اس نے اپنے پدری وجدان سے ویرا کے بارے میں بہت سے درست اندازے قائم کر لیے تھے لیکن وہ بھی نہ سکا ہو گا کہ ہم فائر کیمپ جیسے محفوظ و مامون اسلحے کے ذخیرے کا رُخ کرنے کی جرأت کر سکیں گے۔

پھر اسی لمحے مجھے ٹرانسمیٹر نما آلہ یاد آیا جو اس پوری کہانی میں سا نظر آ رہا تھا۔ شناخت ہی مقصود تھی تو ان دونوں کو کوئی بھی علامت دی جا سکتی تھی۔ مجھے لمحہ بھر کے لیے گمان ہوا کہ شاید وہی آلہ اس تما بھاگ دوڑ کا محور رہا ہو۔ اگر ڈان مرسیانو مارسیلز کے چیف کو درمیا میں لاتا تو وہ آلہ روم میں ہی پڑا رہ جاتا۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ شا ڈان مرسیانو نے وہی آلہ کسی خاص شخصیت تک پہنچوانے کے لیے ڈراما رچایا ہو جس میں ہم محض اتفاقاً ملوث ہو گئے۔ عین ممکن تھا کہ کسی چہیتی لڑکی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے ذہن میں دور دور تک کوئی تصور نہ ہو بلکہ وہ سرجی اور اس کے دوست کو کسی فرضی لڑکی کی سنا رہا ہو تا کہ وہ اوباش طبیعت لوگ عورت اور پیسے کے لالچ میں کی طرف دوڑ لگا دیں اور پھر وہ آلہ مطلوبہ شخص کو پہنچا کر ٹھنڈے روم لوٹ جائیں۔

لیکن اس نظریے میں بھی کلیدی بات یہی تھی کہ وہ ڈان کا کوئی ذاتی یا انتہائی خفیہ کام تھا۔ ورنہ وہ جمی لائیڈ کی حیثیت سے کس مارسیلز تو کیا قطب شمالی تک دوڑانے کی طاقت اور صلاحیت رکھتا

"وہ ٹرانسمیٹر نما آلہ تمھیں کس لیے دیا گیا تھا؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد آخر کار میں نے سرجی سے وہ سوال کر ہی ڈالا جو ذہن پر بوجھ بننے لگا تھا۔

"اگر میراندے ہمیں پہچاننے سے انکار کر دیتا یا ہمارے عزائم میں حائل ہوتا تو وہ سیاہ ڈبا اسے دے دیتا تھا۔ ڈان مرسیانو کا کہنا تھا کہ وہ ڈبا میراندے کی کایا پلٹ کر رکھ دیتا۔" سرجی نے جواب دیا۔

"اور اگر اس کی ضرورت پیش نہ آتی؟"

"وہ ڈبا ہمارے پاس امانت رہتا اور ہم واپسی پر اسے ڈان مرسیانو کو لوٹا دیتے۔" میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ہر بات سچ بتا رہا تھا۔

"روم میں ڈان مرسیانو کا پتا کیا ہے؟"

"ویسے تو وہ ہوٹل ڈونا کے ایک سوئیٹ میں رہتا ہے لیکن اس کے مختلف اڈوں اور ٹھکانوں پر ملنے کے اوقات مقرر ہیں جو تمھیں روم کے کسی بھی نائٹ کلب کی رقاصاؤں یا عملے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔"

"کیا وہ روم میں واقعی اتنا مشہور ہے؟"

"شاید اس سے بھی کہیں زیادہ۔" سرجی نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "جو لوگ اس کو معاوضہ دے کر نشاط کی گھڑیاں خریدتے ہیں ان سے کہیں زیادہ سرکاری اہل کار اس کے مداح ہیں مشہور ہے کہ اٹلی میں ڈان مرسیانو جو چاہے فیصلے کرا سکتا ہے۔ اس کا اثر و رسوخ ناقابلِ تصور ہے۔"

"اب اگر تم مس ڑولینی کو ڈان مرسیانو کے پاس لے جاؤ تو کیسی رہے گی؟" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "تمھیں انعام بھی مل جائے گا اور یہ اس کی مزاج پُرسی بھی کرے گی۔"

"نہیں، اب ڈان مرسیانو تو دور کی بات ہے میں شاید روم کا رُخ بھی نہ کر سکوں۔" اس نے کمزور اور شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "شی کے بارے میں زبان کھول کر میں نے بڑا سنگین جرم کیا ہے پھر میں اپنے ساتھی کی موت کا بھی کوئی جواز پیش نہیں کر سکوں گا شی والے یہ پسند نہیں کریں گے کہ میں نے چھٹیوں میں ڈان مرسیانو کا کام کیا تھا۔"

میں دل ہی دل میں اس کی خوش فہمی پر ہنس کر رہ گیا، وہ واقعی ڈان مرسیانو کو شی سے الگ سمجھ رہا تھا جب کہ وہی بدذات اس عالمی فتنے کا بانی تھا جس نے انفرادی سطح پر کیے جانے والے جرائم اور منشیات فروشی کو کاروباری انداز میں اس طرح منظم کیا تھا کہ دور دور تک اس کا کوئی حریف نہیں تھا۔

میں نے سوچا کہ اپنی آئی مین کی حیثیت کا اظہار کر کے اسے سہارا دوں لیکن وہ اندر سے بالکل ٹوٹ چکا تھا اور ہمارے کسی کام نہیں آ سکتا تھا اس لیے اسے پرورش کرنا بے سود ہوتا۔ وہ شی کے لیے کام کرتا تھا اُس کے چہرے مُہرے سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وقت آ جانے پر وہ اپنے حریفوں کو خاک و خون میں نہلاتا رہا ہو گا۔ وہ یقینی طور پر قاتل تھا۔ اس لیے میں اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن مختصر سی مدت میں ہونے والی خونریزی اور پھر فائر کیمپ کی تباہی کے اثرات نے اس وقت میرے وجود میں ہلچل مچائی ہوئی تھی۔

"اپنے مردہ ساتھی کی جیبوں سے کچھ لینا ہے تو لے لو اور روانگی کے لیے تیار ہو جاؤ۔" میری زبان سے وہ الفاظ سُن کر سرجی کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا اور ویرا بھونچکا رہ گئی۔

"یہ شی کا آدمی ہے۔" سلطان شاہ نے اُردو میں مجھے یاد دلا

"میرا حافظہ کمزور نہیں ہے اس کے پیر کھول دو۔" سلطان نے کو ہدایت دے کر میں ایک مرتبہ پھر سرجی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ ہم بھی کچھ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ افسروں کو بازاری کا اسیر نہیں بناتے لیکن پھر بھی جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ تم نے جو یہاں دیکھا ہے اسے ذہن سے محو نہ کر سکے تو کہیں نہ کہیں پھر ہمارے گرفت میں آ جاؤ گے اور زندہ نہ رہ سکو گے اس لیے یہ بھول جانا کہ تم یہاں آئے تھے۔"

"میں جان بخشی پر تمھارا شکر گزار ہوں۔" وہ وفورِ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "سچ پوچھو تو مجھے زندہ واپسی کی امید نہیں تھی۔ یہاں سے نکل کر میں کہیں نئے سرے سے نئی زندگی کی ابتدا کروں گا۔ مجھے آج پہلی بار احساس ہوا ہے کہ زندگی کا اچانک اختتام کتنا دردناک ہوتا ہے۔ موت فطری انداز میں واقع ہو تو اس میں بھی ایک حسن ہوتا ہے۔ تم بے فکر رہو، میں زندگی بھر کہیں تمھارا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"ملازمین کو ہٹا دو۔" میں نے ویرا سے کہا۔ "دو کی جگہ یہ اکیلا رہ جائے گا تو دربان شبے میں پڑ جائے گا۔" بات اُردو میں ہوئی تھی اس لیے سرجی کے کچھ پلے نہ پڑ سکا۔

"میں پھر کہہ رہی ہوں کہ اسے زندہ نہ جانے دو..." وہ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"میں نے جو فیصلہ کر لیا ہے اس پر عمل ہو جانے دو۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر اس کی موت آ ہی گئی ہے تو پورا جل رہا ہے اس کی کار پر بھی کوئی راکٹ یا بم گر جائے گا۔"

ویرا تنک کر وہاں سے چلی گئی۔

"کاش اس نے اپنی بدزبانی پر قابو پا لیا ہوتا۔" سرجی اپنے مردہ ساتھی کی جیبوں سے کرنسی نکالتے ہوئے انگریزی میں بڑبڑایا۔ "وا ڈان مرسیانو کی کسی تفریح گاہ پر ایک دو دن گزارنے کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ پتا نہیں ہم منصوبے بناتے ہوئے موت کو کیوں بھول جاتے ہیں۔"

وہ الفاظ نئے نہیں تھے لیکن ایک پیشہ ور مجرم، قاتل اور منشیات فروش کی زبان سے بہت عجیب محسوس ہوئے اور میں اس سے مخاطب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ "تم نے اب تک کتنے قتل کیے ہیں؟"

"سات۔" وہ نظریں جھکا کر پشیمان لہجے میں بولا۔ "کوئی زخمی ہو والا بعد میں مر گیا ہو تو وہ اس کے علاوہ ہو گا۔"

"دوسروں کی زندگی کا چراغ گل کرتے ہوئے تمھیں کبھی اپنی زندگی کی بے ثباتی کا خیال نہیں آیا؟"

"کبھی نہیں۔" اس نے اعتراف کیا۔ "آج پہلی بار احساس ہوا ہے

ہر سانس بے یقینی کے عالم میں گزرتا ہے۔"

اس کے ساتھ اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے میں اوپر میرانڈے کی خواب گاہ سے ہوتا ہوا راہداری میں پہنچ گیا۔ سلطان شاہ چوکنے انداز میں ہمارے پیچھے چلتا رہا۔ اسے اس وقت بھی سرجی پر پورا یقین نہیں تھا۔

برآمدے میں ویرا کسی سخت گیر منتظمہ کی طرح ہماری منتظر تھی۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا اور دربان سمیت احاطے میں کوئی بھی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔

سرجی نے کار میں سوار ہونے سے پہلے سراپا انکسار بن کر کئی بار ویرا سے تمیوں پر معذرت چاہی اور پھر کسی شریف انسان کی طرح ہمیں الوداع کہہ کر اپنی کرائے کی کار میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔

برآمدے سے واپسی پر ہم تینوں کے درمیان ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہیں ہوا۔ وہ دونوں خاموش رہ کر میرے فیصلے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہے تھے اور میں خاموشی سے اپنے ذہن کو بلندیوں پر اڑتا محسوس کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ سرجی قاتل بن کر میرانڈے کے گھر آیا تھا لیکن نیک نفس بن کر وہاں سے لوٹا تھا اور اس تبدیلی میں میرا کردار نمایاں تھا۔

صورتِ حال بہت تیزی کے ساتھ تبدیل ہوئی تھی اور اب بھی کسی بھی لمحے کوئی ہنگامی صورتِ حال پیش آ سکتی تھی اس لیے کافی نوشی کے آخری دور سے فارغ ہو کر ہم تینوں نے میرانڈے کی وسیع و عریض خواب گاہ میں اکٹھے سونے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ ضرورت پڑنے پر وقت ضائع کیے بغیر ایک دوسرے کی مدد کر سکیں، ہم نے احتیاطاً دوسرے کمروں میں موجود ٹیلیفون لائنیں بے جان کر دی تھیں تاکہ صرف ویرا ہی میرانڈے کی خواب گاہ میں فون ریسو کر سکے۔

تھرمواسٹیٹک کنٹرول اور انسانی بدن کی نرمی اور لچک سے مزین میرانڈے کا بستر بہت کشادہ تھا جس پر ہم تینوں آرام کے ساتھ ایک دوسرے سے محفوظ فاصلے پر لیٹ سکتے تھے لیکن سلطان شاہ ویرا سے بہت زیادہ خوفزدہ تھا۔ اس لیے خواب گاہ میں پڑے ہوئے کاؤچ پر دراز ہو گیا اور بستر ہم دونوں کے تصرف میں آ گیا۔

خواب گاہ میں موجود ریموٹ کنٹرولڈ ٹیلی وژن آن تھا جس پر چینل نمبر تین سے فائر کیمپ کی تباہی اور اس کے اثرات پر ایک مسلسل پروگرام چل رہا تھا جس میں کبھی اناؤنسر مرد اور عورتیں اسکرین پر نظر آتیں اور کبھی کیمرے شہر کے تباہ حال علاقوں کو اپنی زد میں لے لیتے جہاں سے بے سروسامانی کے عالم میں آبادی کا جبری اور رضاکارانہ انخلا جاری تھا۔ پروگرام فرنچ میں تھا۔ اس لیے ویرا اردو میں ہم دونوں کو اپنے تبصروں کے ساتھ خلاصہ سناتی جا رہی تھی۔

مارسیلز کے مضافات میں فائر کیمپ پر ایسی بھیانک تباہی نازل ہوئی تھی کہ گودی پر لنگر انداز جہازوں کو شپنگ ماسٹر جنرل کے عملے کے تعاون سے فوری طور پر بندرگاہ سے کم از کم دس ناٹیکل میل دور کھلے سمندر میں نکل جانے کا حکم دیا جا چکا تھا۔ آبادی کے مخصوص حصوں سے رضاکارانہ انخلا کے ساتھ ہی انتظامیہ کی مدد کے لیے فوجی دستے حرکت میں آ چکے تھے، شہر سے نکاسی کے ہر راستے پر ٹرکوں اور گاڑیوں کا بے لگام اژدہام ہو گیا تھا۔ بہت سے لوگ بے خبری میں فائر کیمپ کی طرف بھی چل پڑے تھے۔ بعد میں حکام نے اُدھر جانے والے راستے بلاک کر دیے۔ شہر کے اسپتال زخمیوں اور جھلسے ہوئے متاثرین سے بھرتے جا رہے تھے۔ بلڈ بنک خالی ہو گئے تھے۔ شہر میں بار بار کی اپیلوں کے باوجود کسی کو خون دینے کا ہوش نہیں رہا تھا۔ ہر شخص پر موت کی دہشت طاری تھی اور وہ جلد از جلد شہر سے نکل بھاگنا چاہ رہا تھا۔

مختلف علاقوں سے اس وقت تک بانوے لاشیں اٹھائی جا چکی تھیں جب کہ دھماکے قابو سے باہر تھے۔ اعلیٰ فوجی حکام سائنسدانوں کے ساتھ سر جوڑے فائر کیمپ کے جہنم پر فضا سے ایسے کیمیائی مادے گرانے اور برسانے کے امکانات تلاش کر رہے تھے جس کی مدد سے بارودی ذخائر کی باقی ماندہ مقدار کو ناکارہ بنایا جا سکے۔ قرب و جوار کے شہروں سے نجی اور چارٹرڈ ہوائی جہازوں کے ذریعے زخمیوں کو دیے جانے کے لیے خون لانے کا بندوبست کیا جا رہا تھا۔ ٹیلی وژن اسکرین پر یوں نظر آ رہا تھا جیسے پورا مارسیلز آگ اور خون میں نہا گیا ہو۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہم فائر کیمپ میں اپنی تخریبی کارروائی مکمل کر کے شہر سے گزرتے ہوئے بخیر و عافیت گھر کیسے آ گئے تھے۔

فائر کیمپ میں متعین عملے میں سے چڑیا کے کسی بچے کا بھی سراغ نہیں مل سکا تھا۔ باور کیا جا رہا تھا کہ وہ سب ابتدائی حادثے پر قابو پانے کی کوششوں میں اچانک بھڑک اٹھنے والی آگ اور دھماکوں کی نذر ہو گئے ہوں گے۔ کیمپ میں بھڑکنے والے فلک بوس اور کثیف شعلے میلوں دور سے دیکھے جا سکتے تھے لیکن اس ہولناک ذخیرے کے گرد و نواح سے نہ کوئی امدادی کارروائی کی جا سکتی تھی نہ مشاہدہ کرنا ممکن تھا۔ ابتدائی اطلاع ملنے پر فضا سے رنگین محلول پھینکنے والے پولیس ہیلی کاپٹر فائر کیمپ بھیجے گئے تھے لیکن اونچے شعلوں کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ زیادہ بلندی سے پھینکا جانے والا پانی ہوائیں اپنے ساتھ اڑا لے گئیں۔

اس وقت تک فائر کیمپ کی نوعیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا لیکن گولہ بارود سے فوج کے پیشہ ورانہ تعلق کی وجہ سے یہی سمجھا جا رہا تھا کہ فائر کیمپ فوجی ذخیرہ رہا ہو گا لیکن بارہ بجے وضاحت کی گئی کہ فائر کیمپ کا فرنچ آرمی سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہاں اسلحہ برآمد کرنے والی کچھ نجی کمپنیوں کی پیداوار ذخیرہ کی جاتی تھی اور حفاظتی انتظامات کے لیے ریٹائرڈ فوجیوں پر انحصار کیا جاتا تھا۔

"توقع سے کہیں زیادہ تباہی ہوئی ہے۔" ویرا نے مسہری پر نیم دراز ہو کر برانڈی کا ایک لمبا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"کاش، یہ سب نہ ہوا ہوتا۔" میں نے اپنی سائیڈ ٹیبل سے اولڈ اسمگلر اپنے گلاس میں انڈیلتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "یہ میری

زندگی کا بدترین سانحہ ہے۔ نہ جانے کتنے مریں گے اور کتنے ہی زندگی بھر کے لیے معذور ہو جائیں گے۔"

"بہت اچھا ہوا کہ یہ ہوگیا۔" وہ سگریٹ کا کش لے کر بولی۔ "بیشتر بارودی طاقت فائر کیمپ کی حدود میں برباد ہو رہی ہے اگر یہ اسلحہ متوقع منڈیوں اور منزلوں پر پہنچ کر باقاعدہ منصوبہ بندی سے استعمال ہوتا تو اس سے ہزاروں گنا زیادہ مہلک ثابت ہوتا اور ان ہی میں تمھارا ملک بھی شامل تھا۔"

"میرے ملک کی بات نہ کرو۔ وہاں جاتا تو یہ دشمنوں کی بیخ کنی کے لیے استعمال ہوتا۔"

"انسانوں کے دشمن بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔" ویرا تلخ لہجے میں بولی۔ "دشمنی میں دونوں طرف سے لڑنے والے اپنے اپنے لوگوں کے ہیرو اور دوسروں کے غدار ہوتے ہیں جب کہ مرنے والے سب انسان ہوتے ہیں۔ جنگ اور دشمنی کا یہ عالمگیر فلسفہ بھی بہت عجیب ہے۔ منشیات کے خلاف مہم چلائی جاتی ہے تو انسانیت، صحت، معاشرے اور عالمی دوستی کے راگ الاپے جاتے ہیں لیکن ہتھیار ایجاد کرنے اور بنانے والوں کو ہر قوم اپنا نجات دہندہ تصور کرتی ہے۔ اس معاملے میں ہر ملک اور ہر قوم اپنی جغرافیائی حدود میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔"

"تم تھوڑی دیر خاموش رہو۔ اب تمھیں برانڈی چڑھ رہی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"شاید تم میری بات کو اپنے ملکی مسائل پر طنز سمجھ کر برا مان گئے۔" وہ میرے بازو پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ "حالانکہ میں ساری دنیا کی بات کر رہی تھی۔ اس میں بڑی طاقتیں، روس اور امریکا پیش پیش ہیں۔"

"یہ دھیان رکھنا کہ اس کمرے میں تم دونوں ہی نہیں، میں بھی موجود ہوں۔" سلطان شاہ نے بوجھل آواز میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔

ویرا کوئی تبصرہ کرنا چاہ رہی تھی کہ فون کی گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

ریسیور اٹھا کر فرنچ میں بات کرتے ہوئے اس نے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا اور میں اس کے مکالمات پر پوری توجہ مرکوز کرنے کے باوجود غوں غاں کے علاوہ ایک لفظ بھی سمجھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی گفتگو خلافِ توقع کئی منٹ تک جاری رہی پھر اس نے ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"کون تھا؟" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"شی کا مقامی چیف۔ گیری کسی کتے کی طرح پاگل ہو رہا ہے۔"

"تفصیل سے پوری بات بتاؤ۔ فائر کیمپ بہرحال اسی کی عملداری میں واقع تھا۔ اس واقعے نے تو شی کو اوپر سے نیچے تک ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"واقعی سب ہل کر رہ گئے ہیں۔ بوکھلاہٹ اور غصے میں وہ مجھ سے کئی ایسی باتیں کر بیٹھا جو اصولاً اسے زبان پر نہ لانا چاہیے تھیں اور اب مجھے یہ گھر خطرناک ہوتا نظر آ رہا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اپنی اور گیری کی گفتگو کا خلاصہ دہرانے لگی۔

گیری نے چھوٹتے ہی میراندے کے بارے میں دریافت کیا تھا جب ویرا نے اس کی عدم موجودگی کی اطلاع دی تو وہ بھڑک اٹھا کہ فائر کیمپ تباہ ہو چکا تھا، شہر تلپٹ ہو کر رہ گیا تھا اور میراندے کہیں گلچھرے اڑا رہا تھا۔ ویرا نے اسے بتایا کہ فائر کیمپ کی خبر وہ ٹی وی پر دیکھ چکی تھی، گیری اس سے میراندے کے کسی متوقع ٹھکانے کے بارے میں دریافت کرتا رہا لیکن وہ کہیں ہوتا تو ویرا بتاتی بھی۔ وہ مسلسل لاعلمی کا اظہار کرتی رہی جس پر گیری نے اسے اعتماد میں لیتے ہوئے بتایا کہ ہیڈ کوارٹر کو فائر کیمپ کی تباہی کی اطلاع دیتے ہی روم سے فون پر پیغام ملا کہ جمی لائیڈ بذاتِ خود فوری طور پر میراندے کے بارے میں جاننا چاہتا ہے کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ گیری کو وہ اطلاعات روم کے مقامی چیف کو دینا ہیں۔ گیری کی پوری کہانی سن کر ویرا معاملے کی تہ تک پہنچ گئی۔

فائر کیمپ کی تباہی کی خبر سنتے ہی ڈان مرسیانو یا جمی لائیڈ نے اپنا پروگرام بدلنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور ویرا سے سرجی وغیرہ کے ذریعے چیٹر جہاز کے بجائے میراندے کی مدد سے ہماری تلاش کا ارادہ کر لیا تھا۔ شاید اسے یقین تھا کہ ویرا ہمیں ساتھ لے کر میراندے تک پہنچی ہوگی۔

وہ اندازہ لگاتے ہی ویرا نے گیری کو بتایا کہ میراندے درحقیقت اپنے دو پرانے دوستوں کے ساتھ باہر نکلا ہوا تھا جو ایک طویل مدت کے بعد اسی رات روم سے مارسیلز پہنچے تھے۔ وہ خبر سن کر گیری بہت خوش ہوا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اس وقت کوئی لمبا کھیل چل رہا تھا۔ میراندے کے دوست شاید شی کا کوئی اہم پیغام میراندے تک لائے تھے اور روم والوں یا جمی لائیڈ کو میراندے سے زیادہ فکر اپنے ان دو قاصدوں کی تھی۔ اس معاملے میں گیری کو نظر انداز کر کے اس کے ماتحت کو براہِ راست اعتماد میں لیا گیا تھا۔ اس لیے اوپر والے اس سے قاصدوں کے بارے میں سوال نہیں کر سکتے تھے۔ اس پیچیدگی کی وجہ سے یک بیک سب کو میراندے کی نقل و حرکت کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی تھی۔

گیری سے پہلے فون پر ویرا اپنا تعارف میراندے کے سیکریٹری کے طور پر کرا چکی تھی اس لیے گیری نے میراندے کے لیے پیغام چھوڑنے کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ وہ روم والوں کو اپنے ذرائع کے حوالے سے یہ بتا دے گا کہ میراندے روم سے آئے ہوئے اپنے دو مہمانوں کے ساتھ کہیں لاپتا ہے۔ اس معاملے میں گیری نے ویرا کو سخت تاکید کی تھی کہ وہ میراندے کو واپس لوٹتے ہی آگاہ کر دے تاکہ وہ کسی بھی سطح پر اپنی سیکریٹری کے ذریعے روم سے آنے والوں کا ذکر چھیڑنے کا ارادہ نہ کرے۔

ویرا نے چالاکی سے کام لے کر گیری کے دل میں اوپر والوں کی طرف سے نفرت کا بیج بو دیا تھا لیکن فوری طور پر وہ نفرت ہمارے کسی کام کی نہیں تھی۔ جمی لائیڈ یا ڈان مرسیانو نے فائر کیمپ کی تباہی کی خبر ملتے ہی واقعات کی کڑیاں یکجا کر لی تھیں اور اپنی ساری توجہ میراندے اور اس کے ملاقاتیوں پر مرکوز کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس طرح میراندے کا مکان کسی بھی لمحے کڑی تفتیش کی زد میں آسکتا تھا۔

"صبح کا انتظار کیا جائے یا اسی وقت کوچ کرنا ہوگا؟" ویرا کی کہانی مکمل ہو لینے پر سلطان شاہ نے تشویش آمیز لہجے میں پوچھا۔

"شی میں رات کبھی نہیں ہوتی۔ انھوں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو وہ ہمیں سوتے میں آلیں گے۔ اس وقت شہر میں افراتفری کا عالم ہے، ہزاروں کی بھیڑ میں ہم آرام سے کسی بھی طرف نکل سکتے ہیں۔" ویرا نے جواب دیا۔

"تو پھر اٹھو، انتظار کس کا ہے؟" میں نے ایک لمبا گھونٹ لے کر اپنا اسکاچ کا گلاس خالی کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن سرجی کا لایا ہوا ٹرانسمیٹر نما آلہ ساتھ لینا نہ بھول جانا۔"

"وہ ہے کیا؟ تم اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟" ویرا نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایسے لہجے میں سوال کیا جیسے اس کی دانست میں میں کوئی بات چھپا رہا تھا۔

"اس کی کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور ہے۔" میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اس کی اصلیت دریافت کر لوں گا۔ شی والے الیکٹرونکس کی جدید ترین ایجادات استعمال کرنے کے عادی ہیں، یہ بھی ان ہی میں سے کوئی شعبدہ معلوم ہوتا ہے۔"

"شبہ مجھے بھی یہی ہو رہا ہے مگر کچھ اندازہ نہیں ہو رہا کہ وہ کیا ہو سکتا ہے، کیوں نہ اسے توڑ کر دیکھا جائے۔ جو کچھ بھی ہو، فوراً سامنے آجائے گا۔" اس نے کہا۔

"اسے توڑنا اتنا آسان ثابت نہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ توڑنے کی کوشش کرتے ہی وہ تباہ ہو جائے۔ اس میں کوئی دھماکا بھی ہو سکتا ہے۔"

"اسے بعد میں بھی سوچا جا سکتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا مناسب ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ان ہی فضولیات میں الجھے رہ جائیں اور شی والے آکر ہمارا سر توڑ جائیں۔" سلطان شاہ نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

اس کی بات معقول تھی اس لیے ہم فوراً ہی روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔ ہمارے ساتھ گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کے علاوہ کوئی سامان نہیں تھا پھر بھی ویرا کے ایما پر ہم نے ایک مختصر سے بیگ میں میراندے کے دو جوڑے کپڑے رکھ لیے تاکہ کسی ہنگامی ضرورت میں لباس تبدیل کرنے میں دقت نہ ہو۔

"اگر جمی لائیڈ کو میراندے کے معاملے میں شبہ ہو ہی گیا ہے تو اب کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" ویرا نے ہمارے ساتھ میراندے کی خواب گاہ سے نکلتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت تیزی کے ساتھ فیصلے کرتا ہے اور عام طور پر اپنے سارے وسائل کو بیک وقت حرکت میں لاتا ہے تاکہ حریف کو سنبھلنے کا کوئی موقع نہ مل سکے۔"

"شاید تم ہمیں اس کی طرف سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں احمقوں کی تصوراتی دنیا میں رہنا پسند نہیں کرتی۔" اس نے بُرا ملنے بغیر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میں تمھیں صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ ضروری نہیں کہ جمی لائیڈ یا ڈان مرسیانو نے میراندے کے سلسلے میں صرف گیری پر ہی انحصار کیا ہو۔ اس نے اپنے دوسرے ذرائع بھی متحرک کر دیے ہوں گے۔"

"ان وسائل کی بات الگ ہے، یہ بتاؤ کہ شہر میں ہر طرف غیر یقینی صورتِ حال کا دور دورہ ہے، اگر کسی ناگہانی حادثے کی صورت میں ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تو ہمارے دوبارہ یکجا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟" میں نے راہداری طے کرتے ہوئے باہر سے سنائی دینے والی تیز گڑگڑاہٹ پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ بڑا مشکل سوال ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "مارسیلز میں میراندے کے بعد میں کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی اور اسے بھی تم نے دیکھ لیا کہ وہ موقع ملتے ہی سورآئی کی فکر میں پڑ گیا تھا۔"

"پھر بھی کوئی جگہ، کوئی ٹھکانا تو مقرر کرنا ہی پڑے گا۔" میں نے اصرار کیا۔

"بندرگاہ کے علاقے میں میکس نامی ایک بدمعاش کا گندا سا شراب خانہ ہے۔" وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "مجھے اندازہ نہیں کہ میں اس پر کس حد تک اعتماد کر سکوں گی لیکن پھر بھی تم اس سے رابطہ قائم

ایک تجسس پرست نوجوان کی داستانِ حیات جسے کیمیاگری کا جنون تھا اور اس راہ میں اسے قدم قدم پر ایک نئی دنیا نظر آئی۔ اس کا جنونِ کیمیاگری کبھی اسے نیپال کی بھول بھلیوں میں لے گیا تو کبھی ہمالیہ کی وادیوں میں۔ اس سنسنی خیز مسافرت میں ایک روز پارس پتھر اس کے ہاتھ لگ گیا تو ایک دنیا اس کے پیچھے پڑ گئی۔ موت کے فرشتے لمحہ بہ لمحہ اس کے تعاقب میں رہنے لگے۔ کبھی وہ ہندوستان میں چھپتا رہا اور کبھی سرزمینِ عرب پر پناہ تلاش کرتا رہا۔ بالآخر اسرائیل میں جا پھنسا۔ اسرائیل نے اسے اپنا ایجنٹ بنانا چاہا۔ کیا وہ ان کا آلۂ کار بن گیا؟ اسے صرف طاقت کے معرکے ہی درپیش نہیں تھے، قدم قدم پر اس کی ذہانت و فطانت کو بھی ایک آزمائش درپیش تھی۔ ہر موڑ پر ان دیکھے غم پیغامِ اجل کے ساتھ اس کے منتظر تھے۔

اس طویل داستان کی ہر سطر ایک واقعہ ہے۔ ایکشن، تجسس، تحیر اور حیرت انگیز واقعات سے بھرپور یہ لازوال کہانی کئی برس سلسلہ وار "جاسوسی ڈائجسٹ" میں شائع ہوتی رہی اور اب کتابی شکل میں دستیاب ہے۔

مفرور

آٹھ حصوں میں مکمل ــــــ قیمت فی حصہ ۶۰ روپے ــــــ ڈاک خرچ فی حصہ ۲۳ روپے

کتابیات پبلی کیشنز ◎ پوسٹ بکس نمبر ۲۳ کراچی ۱

کر سکتے ہو اور اس کے ذریعے ہم دوبارہ مل بیٹھنے کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیں گے لیکن وہ مجھے لینا جیرالڈ کے نام سے جانتا ہے۔"

جوں جوں ہم آگے بڑھتے جا رہے تھے گڑگڑاہٹ کی آواز واضح ہوتی جا رہی تھی، یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی ہیلی کاپٹر مسلسل اسی علاقے میں نیچی پرواز کر رہا ہو۔ پھر ہم دروازہ کھول کر راہداری سے برآمدے میں پہنچے تو میرا شبہ درست ثابت ہو گیا۔ سامنے ہی کھلے آسمان کے پس منظر میں فوجی ساخت کا ایک ہیلی کاپٹر فضا میں منڈلا رہا تھا۔

"کچھ گڑبڑ ہو چکی ہے۔" ہیلی کاپٹر کو دیکھتے ہی ویرا نے بے ساختہ تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"فوجی ہیلی کاپٹر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہوئے اس مشینی پرندے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "شاید وہ ہنگامی پرواز پر نکلا ہوا ہے۔"

"وہ کئی منٹ سے اسی علاقے میں منڈلا رہا ہے۔" ویرا میراندے کی کار کی چابی سے اپنا رخسار کھجلاتے ہوئے بولی۔ "میں اس کے انجن اور پروں کا شور تو اندر بھی سن رہی تھی لیکن یہ نہیں سمجھ پائی تھی کہ وہ کسی ہیلی کاپٹر کی آواز تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جمی لائیڈ نے مارسیلز کے فوجی حکام کو میراندے کے بارے میں کوئی ٹپ دے دی ہو۔ موجودہ حالات میں کوئی بھی اتھارٹی فائر کیمپ کے حوالے سے ملنے والی کسی معلومات کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔"

"کھل کر کہو کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"جمی لائیڈ کا صرف یہ کہنا کافی ہو سکتا ہے کہ فائر کیمپ کو تباہ کرنے والے تخریب کار میراندے کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ اطلاع علاقے کے سارے انتظامی وسائل کو حرکت میں لانے کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "جمی لائیڈ محض شبہے کی بنا پر بھی یہ حرکت کر گزرنے کا اہل ہے۔ اس طرح اس نے فرار کی راہیں مسدود کرنے کی کوشش کی ہے، اگر فوجیوں کو کچھ بھی نہ مل سکا تو جمی لائیڈ کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن اسے یہ اطمینان ہو جائے گا کہ میراندے کے بارے میں اس کے تمام شبہات قطعی بے بنیاد تھے۔"

"چلو۔" سلطان شاہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کار کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے بہت تیزی کے ساتھ ہیلی کاپٹر کی آواز پھر قریب آتی ہوئی سنائی دی تھی اور جوں ہی وہ مہیب آہنی عفریت فضا میں سبک رفتاری کے ساتھ ہماری نظروں میں آیا اس میں سے اچانک کئی ہیولوں نے باہر کھلی فضا میں چھلانگ لگا دی۔ میرے لیے وہ منظر ناقابلِ یقین تھا کیوں کہ زمین سے ہیلی کاپٹر کی بلندی ڈیڑھ سو فٹ سے زیادہ نہیں تھی اور اتنی کم بلندی سے چھلانگ لگانے والے پیراشوٹ کھلنے سے پہلے ہی سنگلاخ زمین یا عمارتوں پر گر کر اپنی ہڈیاں پسلیاں تڑوا کر خون آلودہ اور بے جان لوتھڑوں میں تبدیل ہو سکتے تھے۔

اور ہوا بھی یہی کہ پل بھر میں فضا ایک دلدوز انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ کشش ثقل نے کسی بدنصیب کو پوری قوت سے زمین پہ دے مارا تھا مگر اسی کے ساتھ ایک اور واقعہ ہوا جس نے ان لوگوں کی چھلانگوں کا معما حل کر دیا۔

ان لوگوں کی بدقسمتی کہ شاید فائر کیمپ سے چلا ہوا کوئی بم یا آتشیں راکٹ اسی لمحے سیدھا ہیلی کاپٹر کی طرف آیا تھا۔ اس سے لوگوں کے کودتے ہی پائلٹ نے تیزی سے رخ بدل کر فضا میں آنے والی ناگہانی آفت سے خود کو بچانا چاہا لیکن بدنصیبی اس کا مقدر بن چکی تھی۔ راکٹ براہ راست ہیلی کاپٹر کے کیبن سے ٹکرایا تھا جس کے نتیجے میں فضا میں ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ آگ اور دھوئیں کا ایک کثیف بادل بلند ہوا اور فضا ہی میں ہیلی کاپٹر کے ٹکڑے اڑ گئے۔

ہیلی کاپٹر سے کودنے والوں نے شاید اسی راکٹ کا خطرہ بھانپ کر اضطراری طور پر چھلانگیں لگائی تھیں، ورنہ اتنی کم بلندی سے کوئی عام آدمی بھی پیراشوٹ جمپ کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

جو ہونا تھا پل بھر میں ہو گیا لیکن ہمیں میراندے کی کار میں بیٹھنا نصیب نہ ہو سکا۔ جس وقت ہیلی کاپٹر راکٹ کا نشانہ بنا، اس کا رخ میراندے کے مکان ہی کی طرف تھا اس لیے ہیلی کاپٹر کے ملبے کے بڑے بڑے جلتے ہوئے ٹکڑے قرب و جوار کے ساتھ ہی میراندے کے مکان پر بھی گرے۔

مکان کا ایک حصہ پُرشور دھماکے کے ساتھ زمین بوس ہو گیا اور ہیلی کاپٹر کی ایندھن کی ٹنکی پھٹنے سے احاطے میں جگہ جگہ تیز آگ بھڑک اٹھی۔

تباہی کا عمل ناقابلِ یقین سرعت کے ساتھ جاری تھا، اگر اس وقت ہم شش و پنج میں مبتلا رہتے تو میراندے کے مکان کے ملبے میں زندہ دفن ہو سکتے تھے لہٰذا میں نے "بھاگو" کا نعرہ مار کر پھاٹک کی طرف دوڑ لگا دی۔

اس اثنا میں میراندے کے مکان کا اگلا حصہ بھی ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ آس پاس کے کئی اور مکانوں کا حشر اس سے بھی ابتر ہوا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس رہائشی علاقے کا ایک بڑا حصہ آگ اور دھوئیں کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ فائر کیمپ کی تباہ کاری سے وہ علاقہ حیرت ناک طور پر محفوظ رہا تھا لیکن ادھر سے آنے والے ایک ہی پروجیکٹائل نے سارا حساب بے باق کر دیا تھا۔ قرب و جوار کے محفوظ اور جلتے ہوئے مکانوں نے خوف زدہ مرد، عورتیں اور بچے اگلنا شروع کر دیے تھے۔

چیخ و پکار کے باعث اس پُرسکون علاقے میں اچانک ہی قیامت صغریٰ کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ وہ وضع دار فرنچ باشندے جو شاید ٹائی کوٹ اور پتلون کے بغیر خواب گاہوں سے باہر نکلنا معیوب سمجھتے تھے اس وقت شب خوابی کے لبادوں میں برہنہ پا سڑک پر دوڑ رہے تھے۔

چند گز دور بند پیراشوٹ میں الجھا ہوا ایک فوجی زخموں سے چور مدد کے لیے کراہ رہا تھا لیکن کوئی اس کے قریب رکنے کے لیے تیار نہیں

تھا سب کو اپنی جانیں عزیز تھیں۔

پھر آسمان سے ایک طاقت ور راکٹ ہمارے پیچھے گر کر ہولناک دھماکے کے ساتھ پھٹا۔ فضا میں دردناک چیخوں کا شور بڑھ گیا۔ پُرشور پٹاخوں کے ساتھ بجلی کے تار جل اُٹھے جن کی چکاچوند سے علاقہ منوّر ہو گیا لیکن لمحہ بھر بعد ہی پورا علاقہ گھور تاریکی میں ڈوب گیا۔ جس میں مکانوں اور ملبے میں لگی ہوئی آگ کی مدّھم روشنی کے سوا اُجالے کی کوئی کرن نہیں تھی اور وہ روشنی بھی دھوئیں کے کثیف بادلوں کے سبب اپنے اثرات کھو بیٹھی تھی۔

اس علاقے پر بدنصیبی اچانک ہی نازل ہوئی تھی۔ فائر کیمپ میں تباہی کے آغاز کے بعد سے اس علاقے میں فائر کیمپ کا تنکا بھی اُڑ کر نہیں آیا تھا لیکن اس وقت شاید کسی ایسے ذخیرے نے آگ پکڑ لی تھی جس کے متعدد ہتھیار اسی آبادی کی سمت میں رکھے ہوئے تھے۔ ہیلی کاپٹر کی تباہی کے ساتھ ہی اس علاقے میں جا بجا گولے اور راکٹ گر گر کر پھٹنے لگے اور فضا میں ہر طرف بارود کی تیز بو پھیلتی چلی گئی۔

اس علاقے پر نازل ہونے والی تباہی اپنی جگہ تھی لیکن بجلی کی فراہمی منقطع ہونے سے ماحول یک بیک آسیبی اور ڈراؤنا ہو گیا تھا جس میں موت کا خوف ہر احساس پر غالب آگیا تھا۔

دوڑتے دوڑتے اچانک ہی مجھے یاد آیا کہ میں اکیلا نہیں تھا۔ میں لمحے بھر کے لیے رُک کر پلٹا، کئی ہیولے چیختے اور بلبلاتے ہوئے میرے قریب سے گزر گئے لیکن دیرا یا سلطان شاہ کا کہیں پتا نہ تھا۔ دہشت اور ہول کے باعث مجھے اپنے پیٹ میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

"سلطان... سلطان شاہ! تم کہاں ہو؟" میں اضطراری طور پر پوری قوت سے چلّایا تھا لیکن میری آواز شور و غل میں زیادہ نہ اُبھر سکی۔ وہاں اور بھی کئی سمتوں میں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے لوگ اپنے بچھڑے ہوئے عزیزوں اور پیاروں کو پکار رہے ہوں۔

جو ہوش و حواس میں تھے، وہ مجھ سے بچتے ہوئے اور بدحواس لوگ مجھے دھکّے دیتے ہوئے گزرتے رہے لیکن ان میں سلطان شاہ یا دیرا کا کوئی پتا نہیں تھا۔

میرے ذہن میں وسوسے جنم لینے لگے اور پھر میرے ذہن میں سناٹا سا گونجنے لگا جس میں نہ شور و غل تھا نہ دھماکوں کی کوئی آواز... سیکڑوں لوگوں کے ہجوم میں مَیں خود کو بالکل تنہا محسوس کر رہا تھا۔

دیرا بہت چالاک، مکار اور حسین عورت تھی، اسے مقامی زبان پر دسترس حاصل تھی اس لیے جو کام وہ اپنی چالاکی اور مکاری سے نہیں نکال پاتی تھی، وہاں اپنے حسن و ادا سے لوگوں کو مسحور کرنا شروع کر دیتی تھی۔ وہ عورت ضرور تھی لیکن نسوانی غرور سے ناآشنا تھی، کیونکہ اس کی تربیت ڈان مرسیانو نے کی تھی، اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ عورت ہونا بلکہ آبرومند عورت ہونا کتنی بڑی بات تھی اس لیے وہ ہر جگہ اور ہر قیمت پر خود کو بچانے کے فن سے آشنا تھی لیکن سلطان شاہ کی بات دیگر تھی۔

پاکستان کی سرزمین کو خیرباد کہنے کے بعد وہ ہر وقت سائے کی طرح میرے ساتھ رہا تھا اور بڑی حد تک مجھ پر انحصار کرنے کا عادی ہو گیا تھا، وہ لاکھ دلیر اور بے جگر سہی لیکن اس شہر اور ماحول میں یکسر اجنبی تھا۔ اسے فرنچ کا ایک لفظ نہیں آتا تھا اور نہ وہ روانی کے ساتھ انگریزی بولنے پر قادر تھا۔ اسے ہزاروں کی بھیڑ میں ایک اجنبی غیر ملکی کی طرح آسانی کے ساتھ پہچانا جا سکتا تھا۔ میرے نزدیک مجھ سے بچھڑ کر وہ بدترین خطرات سے دوچار ہو سکتا تھا۔

میں اسی کھوئی کھوئی حالت میں نہ جانے کب تک وہاں کھڑا رہتا، لیکن کسی نے سختی کے ساتھ میرا شانہ جھنجھوڑ کر مجھے چونکا دیا۔ میں نے جھرجھری لے کر اس کی طرف دیکھا تو خوف سے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

اس ہنگامۂ دار و گیر میں وہ سب سے مختلف اور منفرد نظر آ رہا تھا اور اس کی عقابی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جن میں تلوار کی سی کاٹ نمایاں تھی۔

اس کے بدن پر چست خاکی پتلون اور اسی رنگ کی وزنی جیکٹ چڑھی ہوئی تھی۔ قد اور جسامت میں وہ مجھ سے نکلتا ہوا تھا۔ اس کے تیور خطرناک تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے پتلے پتلے ہونٹوں میں سُلگتی ہوئی سگریٹ دبی ہوئی تھی، جو اس بات کی مظہر تھی کہ اس کا علاقے کے آفت زدہ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت اس علاقے میں آیا تھا اور اطمینان سے سگریٹ نوشی کرتے ہوئے اپنے کام میں مصروف تھا۔ دھماکوں وغیرہ کی طرف سے اس کے بشرے پر ایسی لاتعلقی طاری تھی جیسے اسے پورا یقین ہو کہ اس کے گرد و پیش میں زندگی کو تاراج کرنے والی طاغوتی قوتیں اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گی اور اس کا وہی اعتماد میرے خوف کا باعث تھا۔

مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے غراتے ہوئے کوئی سوال کیا تھا۔ مَیں نے اسے آگاہ کیا کہ انگریزی کے علاوہ کوئی اور زبان سمجھنا میرے بس سے باہر تھا۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے انگریزی میں سوال کیا لیکن وہ لہجے پر قادر نہیں تھا۔

"یہ احمقانہ سوال تمھیں ان سب سے بھی کرنا چاہیے۔" میں نے اپنے خوف پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہوئے قدرے بگڑ کر کہا اور اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"ان سب کا ردِ عمل فطری ہے۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا۔ "یہ اپنی جانیں بچانے کے خوف میں مبتلا ہیں لیکن تم اس بھیڑ سے الگ نظر آ رہے ہو، یہاں کھڑے کیا سوچ رہے تھے؟"

"مجھے نہیں پتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ صدمے کے باعث مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا ہو کیوں کہ میں ابھی تک اپنے اوسان میں نہیں ہوں۔" میں نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے مصالحانہ لہجے میں کہا۔ "ایسی تباہی میں

نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی معلوم ہوتا ہے کہ آج پورا مارسیلز تہس نہس ہو جائے گا۔"

"میں تمھاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" اس نے ادھ جلی سگریٹ ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "تمھیں میرے ساتھ چلنا ہوگا تاکہ ہم اپنا پورا اطمینان کر سکیں۔"

اس کا حتمی فیصلہ سننے کے بعد مصالحت کی مزید کوشش بے سود تھی لہٰذا میں نے بھڑک کر کہا۔ "یہاں سے چلتے بنو۔ تم جیسے بدمعاشوں کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں جو ایسے ہنگامی حالات سے فائدہ اٹھا کر لوٹ مار کے لیے اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑتے ہیں، میں تمھارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہوئے میں آگے جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ اس نے نہایت غیر دوستانہ انداز میں سختی سے میرا بازو تھام لیا۔ "سنو مسٹر! یہ ہرزہ سرائی مجھے اس لیے برداشت کرنا پڑ رہی ہے کہ میں نے تم سے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا ہے۔ میرا نام الکزینڈر رشکن ہے اور میں مارسیلز کے محکمۂ سراغ رسانی سے تعلق رکھتا ہوں اور اس وقت تمھیں تخریب کاری کے شبہے میں حراست میں لے رہا ہوں۔"

"تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" میں نے یک بیک بدلے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "شہر پر تباہی نازل ہو رہی ہے۔ فائر کیمپ مسلسل جل رہا ہے اور تم میلوں دور مجھے تخریب کاری کے شبہے میں پکڑ رہے ہو، آخر کیوں؟"

"خفیہ اداروں کے اراکین اس وقت پورے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔" وہ بھی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "میں یہاں مامور تھا۔ میں نے فوجی ہیلی کاپٹر دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ لینڈنگ کے لیے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھے۔ وہ کمانڈو گروپ کسی خفیہ اطلاع پر یہاں کارروائی کے لیے آیا تھا لیکن بدنصیبی کا شکار ہو گیا۔ میں اسی لمحے سے چوکنا ہو گیا تھا اور کسی مشتبہ شخص کی تلاش میں تھا۔"

"شاید تمھارا دماغ الٹ گیا ہے۔" میں نے بدستور اسی لہجے میں کہا۔ "میں نے کیا بلکہ پورے علاقے میں کسی نے کوئی ہیلی کاپٹر نہ دیکھا ہوگا۔ یہ تو سب فائر کیمپ کی تباہی کا شاخسانہ ہے۔"

میرے مزاحمانہ عزائم کو بھانپتے ہی اس نے فوری طور پر اپنی حکمتِ عملی بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔ داہنے ہاتھ سے اس نے میرا بازو تھاما ہوا تھا اس لیے اس کا بایاں ہاتھ تیزی سے حرکت میں آیا اور میرا داہنا جبڑا ہل کر رہ گیا۔

میں نے پہلے ہی مدافعانہ جھٹکے میں خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا اور پھر اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں پوری قوت سے ایسی لات رسید کی کہ وہ غراتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ میری دوسری ٹھوکر اس کی کھوپڑی پر پڑی اور اس بار وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے ہوئے سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔

اپنے بھاری تن و توش کے باوجود مار کھاتے ہی شاید اسے ادراک ہو گیا تھا کہ وہ مجھ پر اپنی بالادستی قائم نہ رکھ سکے گا اس لیے اس نے سڑک پر گرتے ہی مدد کے لیے چلانا شروع کر دیا لیکن وہاں ایسی نفسا نفسی کا عالم طاری تھا کہ کسی نے اس کی طرف توجہ دینے کی زحمت نہیں کی۔

میرے لیے وہ صورتِ حال سخت مخدوش تھی اگر وہ شور مچاتے ہوئے تخریب کاری وغیرہ کا ذکر شروع کر دیتا تو شاید لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اس لیے میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے بیم گن نکالی اور اس کا نوزل اپنے حریف کی کنپٹی سے لگا کر ٹرائیگر دبا دیا۔

خطرہ بھانپ کر اس نے سڑک سے اُٹھنا چاہا تھا لیکن اس سے پہلے مہلک شعاع اپنا اثر دکھا چکی تھی۔ وہ ایک خفیف سا جھٹکا لے کر بے جان ہو گیا اور میں نے جلدی سے بیم گن اپنی جیب میں ڈال لی۔

اس وقت مارسیلز کی وہ خوشحال آبادی کسی جنگی محاذ کا سماں پیش کر رہی تھی، جا بجا آگ اور دھوئیں کے بادل امڈ رہے تھے وقفے وقفے سے اکا دُکا دھماکے بھی سنائی دے رہے تھے۔ اپنے شکار سے فارغ ہو کر آگے بڑھتے ہوئے میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ کاش کوئی بم یا راکٹ اس کی لاش پر بھی آ گرے تاکہ اس کا نام و نشان ہی مٹ جائے۔

یوں تو میرا اندازہ تھا کہ اس علاقے میں متعدد لوگ مرے ہوں گے جن کی تعداد میں اس کا اضافہ بے معنی تھا۔ خرابی بس اتنی تھی کہ وقت کی کمی اور صورتِ حال کی نزاکت کی وجہ سے وہ بیم گن جیسے نادر الوجود ہتھیار کا نشانہ بنا تھا۔ اگر اس کی لاش صحیح سالم دریافت ہو جاتی تو تحقیقات کا ایک نیا پٹارا کھل جاتا۔ ان اطلاعات کی بنا پر ڈان مرسیالو ...... کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوتا کہ کمانڈو گروپ کے فوجی ہیلی کاپٹر کی تباہی کے وقت ہم اسی علاقے میں موجود تھے اور اپنی راہ میں مزاحم ہونے والے الکزینڈر کو ہلاک کر کے فرار ہو گئے۔ اس طرح نہ صرف اسے اپنے قیاسات کی درستگی کا پتا چل جاتا بلکہ ہمارے خلاف نئی حکمتِ عملی مرتب کرنے کے لیے ایک نیا سراغ بھی اس کے ہاتھ آ جاتا۔

پھر اس علاقے میں مختلف امدادی اداروں کی گاڑیاں پہنچنے لگیں، ان کی گھنٹیوں اور تیز سائرنوں کے شور سے یک بیک دل اڑنے لگا تھا۔ ان میں ایمبولینسوں کی تعداد کم تھی کیوں کہ اس وقت شہر کے مختلف حصوں میں ان کی ضرورت پیش آئی ہوئی تھی۔ اس بھیڑ میں کئی فوجی گاڑیاں بھی تھیں۔

محض ذہنی دباؤ اور انتشار کی وجہ سے ایک بار میں ایک سرکاری اہلکار کی نظروں میں آ چکا تھا اس لیے بہت محتاط ہو گیا تھا لیکن سلطان شاہ کی طرف سے طبیعت سخت مضطرب تھی مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس بار شاید وہ دشواریوں سے اپنا دامن نہ بچا سکے گا۔ گن لوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کا بیگ سلطان شاہ کے ہی پاس تھا، غنیمت یہ تھا کہ کسی آڑے وقت کے لیے ہم تینوں

نے بڑے نوٹوں کی ایک ایک گڈی اپنی تحویل میں لی ہوئی تھی جس کے سہارے میں کچھ دن بے فکری سے گزار سکتا تھا۔ میں سوچتا اور چلتا رہا۔ میری داہنی پنڈلی میں آہستہ آہستہ درد بیدار ہونا شروع ہو گیا تھا۔ شاید الکزینڈر کی گوشمالی کرتے ہوئے پنڈلی میں کہیں کوئی ضرب آ گئی تھی جو وقت گزرنے اور ٹھنڈی ہوا لگنے کے بعد اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔

آخر کار آگ، خون، دھوئیں اور شور و غل کو پیچھے چھوڑ کر میں متاثرہ علاقے سے باہر آیا تو میں نے سردی کا احساس مٹانے کے لیے ایک سگریٹ سلگا کر ہونٹوں میں دبائی اور اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر کے دونوں ہاتھ جیبوں میں اڑس لیے۔ کافی دیر تک چلنے کے باوجود اکا دکا پرائیویٹ گاڑیوں کے علاوہ کوئی ٹیکسی نظر نہیں آئی۔ سردی اور پھر فائر کیمپ کے حادثے کی وجہ سے سڑکوں پر ہو کا عالم تھا۔ کئی مقامات پر تو تاحدِ نظر میں اکیلا ہی ذی روح نظر آ رہا تھا۔

میرا ذہن ماؤف ہو رہا تھا اور مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ میرا وہ سفر کہاں ختم ہوگا۔ مارسیلز میں میں واضح طور پر اجنبی اور غیر ملکی تھا۔ جب کہ میرے پاس نہ کوئی شناختی کاغذ تھا، نہ سفری دستاویز اس لیے میں شہر کے کسی ہوٹل کے بارے میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا جب کہ اس وقت بندرگاہ کے علاقے میں پہنچنا دشوار تھا۔

میری پنڈلی کا درد رفتہ رفتہ اتنا بڑھ گیا کہ مجھے اپنی پیش قدمی جاری رکھنی دشوار معلوم ہونے لگی اور میں نے نتائج کی پروا کیے بغیر فیصلہ کر لیا کہ جو بھی پبلک پارک سامنے آئے گا، باقی ماندہ رات اسی کے کسی گوشے میں گزار لوں گا۔

لیکن قدرت کے اپنے کھیل نیارے ہوتے ہیں۔ میں اپنی تھکا دینے والی جدوجہد سے اکتا کر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو چکا تھا اور قدرت میرے لیے مدد کا بندوبست کر رہی تھی جس کا میرے ذہن میں دور دور تک کوئی گمان نہیں تھا۔

اچانک سامنے سے آنے والی کسی کار کی تیز روشنی میرے چہرے پر پڑی تو میں چونک پڑا۔ ادھر دیکھتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ اس کار کی رفتار بھی یکلخت سست ہو گئی تھی پھر کار نے اپنی سمت کا ٹریک بدلا اور رانگ سائیڈ پر میری طرف آ گئی۔ جیب میں پڑی ہوئی بیم گن کے دستے پر میری گرفت مضبوط ہو گئی اور میں خود کو ذہنی طور پر کسی نئی افتاد کے مقابلے کے لیے تیار کرنے لگا، کیوں کہ یہ واضح ہو چکا تھا کہ جگمگاتی ہوئی وہ سیاہ لمبی کار رینگتی ہوئی میری ہی طرف آ رہی تھی۔

دو دروازوں والی وہ اوپیرا کوپے میرے قریب فٹ پاتھ کے کنارے رکی تو اس کے انجن کی آواز اس قدر خفیف تھی کہ اس کے اسٹارٹ یا بند ہونے کا فیصلہ کرنے کے لیے سماعت پر زور دینا پڑا تھا۔ کار کے رکتے ہی اس کی میری سمت والی کھڑکی کا خودکار شیشہ نیچے سرکا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی عورت نے سر نکال کر فرنچ میں مجھے مخاطب کیا تو بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں کیوں کہ ایسی حسین اور خوش گلو عورتیں میری نگاہ سے کم ہی گزری تھیں۔

”میں صرف انگریزی سمجھتا ہوں مادام!“ میں نے کار کی طرف بڑھ کر نرم لہجے میں کہا لیکن بیم گن کے دستے پر میری گرفت کمزور نہیں ہوئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی ”غیر ملکی ہو؟“

اس کی نگاہوں میں کوئی ایسا رمز پوشیدہ تھا کہ میرے ذہن میں سنسنی دوڑنے لگی۔ میرا اثبات کا اشارہ پا کر وہ پھر بولی — ”مسلح ہو؟“

اس کا انداز تائید طلب اور حوصلہ افزائی کا تھا لیکن میری چھٹی حس مجھے اعتراف سے روک رہی تھی۔ میں نے مسکین سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”پردیس میں اسلحہ رکھ کر کیا کروں گا۔ اور اس وقت اسلحہ تو درکنار میرے پاس تو ضرورت کی کوئی چیز بھی نہیں رہی ہے۔“

اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی ”تو پھر آ جاؤ، کچھ دیر باتیں کریں گے۔“ اس نے اپنے برابر والی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میرے لیے اس کی وہ پیش کش نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ وہ جو بھی اور جیسی بھی تھی، اس کے عزائم جو بھی رہے ہوں وہ اس وقت مجھے ایک ٹھکانا فراہم کر رہی تھی جو میری سب سے بڑی ضرورت تھی لہٰذا میں کوئی تردد کیے بغیر بونٹ کے آگے سے گھوم کر اس کے برابر والی نشست میں دھنس گیا۔

”حفاظتی بیلٹ باندھ لو۔“ اس نے بٹن دبا کر اپنی کھڑکی کا شیشہ چڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے فوراً اس کی ہدایت کی تعمیل کی۔ کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ یورپ کے بیشتر ممالک میں حفاظتی بیلٹ باندھے بغیر کسی کار کی اگلی نشست پر سفر کرنا قابلِ تعزیر جرم تھا۔

نہ صرف وہ کار بہت بیش قیمت اور آرام دہ تھی بلکہ کار چلانے والی بھی اعلیٰ حیثیت کی مالکہ نظر آتی تھی۔ اس کی انگلیوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں جھلملا رہی تھیں اور اس نے نیچے گلے والے سیاہ مخملیں لباس پر فر کا اوور کوٹ پہنا ہوا تھا جس میں وہ کوئی شاہ زادی نظر آ رہی تھی۔

خودکار گیئر تبدیل ہوتے ہی اوپیرا کا آٹھ سلنڈروں والا سبک انجن قدرے تیز ہوا اور کار چکنی سڑک پر پھسلتی ہوئی اپنے صحیح ٹریک پر چلی گئی۔

کھلی ہوا کے مقابلے میں بند کار میں چلتے ہوئے ہیٹر کی حرارت حیات آگیں تھی مگر مجھے اندازہ ہوا کہ کار میں شراب کی ہلکی سی بو رچی ہوئی تھی۔ اس خاتون کے دہانے سے آنے والی چیونگم کی خوشبو سے شبہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ خود بھی سرور میں تھی لیکن اپنی مے نوشی پر پردہ ڈالنے کے لیے اس نے چیونگم کا سہارا لیا ہوا تھا۔

میں جمود توڑنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ خود بول پڑی: "مجھے ربیکا ڈارلنگٹن کہتے ہیں۔ تم مارسیلز میں کتنے دن سے مقیم ہو؟"

"اور میں تنویر ہوں۔" میں نے ڈینی کے بجائے اپنا اصل نام بتاتے ہوئے کہا۔ "تین چار دن ہوئے ہیں لیکن آج کی تباہی میں سب کچھ ختم ہوگیا۔ میں جس گھر میں پے انگ گیسٹ کے طور پر ٹھہرا ہوا تھا، وہاں کوئی بم گر چکا ہے۔ میں واپس لوٹا تو وہاں دھواں اگلتے ہوئے کھنڈرات کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا تھا۔"

"بڑا افسوس ہوا۔" اس نے رسمی لہجے میں کہا پھر یک بیک شوخ لہجے میں بولی: "لیکن وہی حادثہ ہماری ملاقات کا بہانہ بن گیا۔ تمھیں خوشی نہیں ہوئی مجھ سے مل کر؟"

"ضرور ہوگی۔" میں نے پُریقین مگر معنی خیز لہجے میں کہا۔ "مگر ملنے پر فی الحال تو صرف گفتگو ہو رہی ہے اور یہ بھی خاصی خوشگوار ہے۔ اس مہمان خانے پر بم نہ گرا ہوتا تو میں اس وقت اپنی خواب گاہ میں تمھاری ہی جیسی کسی نازنین کے خواب دیکھ رہا ہوتا لیکن اس حادثے کے نتیجے میں تمھارا ہم نشین بن بیٹھا ہوں۔"

میں نے محسوس کیا کہ ذرا سی فراغت اور امید میسر آتے ہی میرا ذہن تیزی کے ساتھ تر و تازہ ہونے لگا تھا۔ سلطان شاہ کی فکر اپنی جگہ تھی لیکن اس کے لیے میں اسی وقت کوئی جد و جہد کر سکتا تھا جب خود مجھے سر چھپانے کے لیے کوئی ٹھکانا میسر آ جاتا۔ مجھے امید تھی کہ رات گئے آ ٹکرانے والی ربیکا کم از کم چند روز کے لیے ضرور مجھے ٹھکانا فراہم کر سکے گی۔

"اسکاچ پیتی ہو تو رائل سیلوٹ کا آدھا گلووکمپارٹمنٹ میں پڑا ہے۔" اس نے کہا۔ "بوتل سے منہ لگا کر نیٹ لینی ہوگی۔ اسی خانے میں چیونگم کا پیکٹ بھی ہے۔"

"تم کتنی نیک اور مہربان ہو۔" میں نے گلووکمپارٹمنٹ کھولتے ہوئے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ "جی چاہتا ہے کہ تمھیں بہت ہی پیار سے پکارا جائے۔"

"تنہائی میں تم مجھے بے تکلفی کے ساتھ میرے پہلے نام سے مخاطب کر سکتے ہو۔"

"پہلا نہیں مجھے ٹن کے بغیر دوسرا نام پسند ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا اور بوتل سے ایک لمبا گھونٹ معدے میں انڈیل لیا۔

"وہ بھی کہہ سکتے ہو۔" اس نے قدرے ناپسندیدگی کے ساتھ کہا۔ "لیکن اتنا بتا دوں کہ نام کا دوسرا حصہ ہی میرے لیے سوہانِ روح بنا ہوا ہے لیکن تم اس طرح خوش ہو سکتے ہو تو یوں ہی سہی۔"

"مجھے تو تم نے یہ بھی نہیں بتایا کہ تم مس ہو یا مسز..... قیاس ہی کر سکتا ہوں کہ ڈارلنگٹن تمھارے باپ کا نام ہوگا۔" میں نے اسے خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولا حالاں کہ یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ کوئی بھی ناتجربہ کار لڑکی اتنی رات گئے ایک [illegible] سڑک سے کسی اجنبی کو یوں لفٹ نہیں دے سکتی تھی۔

وہ تلخ انداز میں ہنسی: "عمر میں وہ میرا باپ ہی ہے مگر میں اس سے شادی کرنے کی غلطی کر بیٹھی۔ چند روز کے ابال کے بعد وہ مجھے بھی اپنی حسین اور بیش قیمت کاروں کی طرح بے جان سمجھ بیٹھا، جنھیں وہ جب چاہتا ہے، استعمال کرتا ہے ورنہ مہینوں صرف شوفر ہی ان کی رگڑائی کرتے رہتے ہیں۔"

"اوہ! پھر تو تمھیں ڈارلنگ کہہ کر ہی مخاطب کرنا بہتر ہوگا۔ اس سے زیادہ اپنائیت انگریزی کے کسی لفظ میں نہیں ہے اور بوڑھے شوہروں کی جوان بیویاں عموماً اپنائیت ہی سے محروم پائی جاتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے دوستانہ انداز میں اپنا ہاتھ اس کے فرکوٹ کے شانے پر رکھ دیا۔

"ہماری شادی کو صرف تین ماہ ہوئے ہیں اور وہ پچھلے آٹھ ہفتوں سے کاروباری دورے پر ہے۔" چند ثانیوں کے بعد وہ اداس لہجے میں بولی: "طویل تنہائی کے عذاب سے اکتا کر آج میں پہلی بار بغاوت کا ارادہ کر کے گھر سے نکلی ہوں۔ میں شہر میں کسی سے دوستی نہیں کر سکتی ورنہ ہر طرف کہانیاں پھیل جائیں گی، اس لیے مجھے کسی بالکل گمنام اجنبی کی تلاش تھی جس کے ساتھ میں اپنے دل کی بھڑاس نکال سکوں، اس بڈھے کے کانوں میں میرے کسی اسکینڈل کی افواہ بھی پہنچ گئی تو وہ میری زندگی جہنم بنا دے گا۔"

"تم مجھے بالکل بے زبان پاؤ گی، کسی کا دکھ درد بٹانا ہی انسانیت کی معراج ہے۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"تم میرا مضحکہ تو نہیں اڑا رہے؟" ڈرائیونگ کرتے کرتے اس نے سڑک سے نظریں ہٹا کر مجھے گھورتے ہوئے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے اپنے پچھلے فقرے کی معنویت پر غور کرتے ہوئے بوکھلا کر کہا۔ "میں ایسی جسارت نہیں کر سکتا ورنہ تم سے مل کر جتنی خوشی ہوئی ہے، اس سے کہیں زیادہ دکھ بچھڑ کر ہوگا۔"

"بچھڑنا تو ہوگا۔" وہ بولی۔ "اسی ایک خوبی نے مجھے تمھاری طرف متوجہ کیا ہے۔ وجیہہ اور معقول ہونے سے زیادہ تم دور ہی سے غیر ملکی نظر آ رہے تھے اور پردیسی جلد یا بدیر چلے ہی جاتے ہیں۔"

"تمھارے شوہر کا کاروبار کیا ہے؟" اپنے تجسس سے مجبور ہو کر میں دوبارہ اس کے شوہر کا ناپسندیدہ موضوع نکال بیٹھا۔

"آج تک یہی پتا نہیں چل سکا۔ ویسے لکھ پتی ہے۔ رات گئے تک دعوتوں اور پارٹیوں میں لوگوں سے کاروباری ملاقاتیں کرتا رہتا ہے اور پھر کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح گھر آ کر سو جاتا ہے۔"

"اتنی رازداری سے کام لیتا ہے تو کہیں ہیروئن نہ بیچتا ہو۔"

"ممکن ہے۔ اس سے ہر اُس کام کی توقع کی جا سکتی ہے جس میں معقول آمدنی ہو۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی۔ "جائز کام کرنے والے

اپنی بیویوں کو اپنی کامیابیوں کے قصے فخر سے سناتے ہیں جب کہ وہ اس موضوع پر مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔"

میں نے رائل سیلوٹ کی بوتل سے دوسرا گھونٹ لیا تو وہ بھی اپنی طلب پر قابو نہ رکھ سکی میرے ہاتھ سے بوتل لے کر اس نے اپنا دہانا بھرا پھر بُرے بُرے منہ بناتے ہوئے وہ آتشیں سیال معدے میں اتار لیا۔ بُو ختم کرنے کے لیے اس نے فوراً ہی دو چیونگم پیس منہ میں ڈال لیے تھے۔

"فضول باتیں چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ مجھ سے مل کر تمھیں مایوسی تو نہیں ہوئی؟" چند ثانیوں کے بعد اس نے قدرے مخمور لہجے میں سوال کیا اور میں نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اس کے بدن کا طلسماتی لمس محسوس کرتے ہی میرے وجود میں چنگاریاں سی سلگ اٹھیں اور پھر میں نے انگریزی میں اُردو شاعری کی ابتدا کر دی جو صورت سے سارے اعضا کا سفر کرتے ہوئے جنونِ ذات پر ختم ہوتی ہے۔

میں دس بجے کے قریب کسلمندانہ انداز میں بیدار ہوا تو ربیکا نہا دھو کر بنی سنوری ناشتے کی میز پر میری منتظر تھی۔ اپنے نفیس لباس پر کچن ایپرن باندھے وہ ایک سُگھڑ خانہ دار عورت نظر آ رہی تھی، اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا ناممکن تھا کہ پچھلی رات کسی پرانی شناسائی کے بغیر ایک ویران سڑک سے مجھے اپنے گھر لے آئی تھی۔

اس کا وسیع و عریض فلیٹ ایک چار منزلہ عمارت کے گراؤنڈ فلور پر واقع تھا جہاں ربیکا کے ساتھ اس کی معتمد ایک بوڑھی ملازمہ رہتی تھی جو گھر میں صفائی کی ذمّے دار تھی۔ کھانے پکانے کی ذمّے داریاں ربیکا خود اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتی تھی جن میں اسے خاص ملکہ حاصل تھا۔

پچھلی رات بوڑھی ملازمہ اپنی مالکن کی واپسی کے انتظار میں جاگ رہی تھی، ربیکا اپنی چابی سے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر اندر پہنچی تو وہ سونے چلی گئی اور مجھے ربیکا اپنی خواب گاہ میں لے گئی۔ جہاں آرائش اور آسائش کے تمام تر اہتمام کے باوجود اداسی سی راج کر رہی تھی، اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ انسان کی ذاتی ناآسودگیاں... گرد و پیش کی بے جان چیزوں کو بھی اسی طرح متاثر کرتی ہیں جس طرح جاندار اپنے ماحول سے اثر قبول کرتے ہیں۔

رات کو کھانے کے بعد ربیکا نے پینا شروع کر دی۔ وہ تھوڑے سے سرور میں تھی اس لیے اس کے مزاج کی شادابی مجھ پر بھی اثر انداز ہونے لگی، رائل سیلوٹ کی نئی بوتل اور بلور کے پیمانوں میں طلا رنگ سیال میں گھلتی ہوئی برف نے خواب گاہ کی نیم روشن فضا کو خواب ناک بنا دیا تھا۔ شراب برف کو پگھلاتی رہی اور ربیکا کے سانسوں کی آنچ مجھے موم بناتی رہی، اس عالمِ کیف میں ہم دنیا جہان کے ہر بُرے بھلے موضوع پر بات کرتے رہے لیکن اس پوری داستان میں اس کے شوہر کا کہیں ہیولا بھی نہیں تھا۔ خود فراموشی کے ان لمحات میں مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ باہر فائر کیمپ میں آگ بھڑکی ہوئی تھی جس کے اثرات دور دور تک مارسیلز کے مکانوں اور مکینوں کو خاکستر کر رہے تھے اور اسی آگ کی کچھ چنگاریاں میرے وجود میں سلگ رہی تھیں جو کسی بھی لمحے ڈارلنگٹن کے پندار کو مجروح کر سکتی تھیں۔

اس سے آگے نہ جانے وقت کیسے گزرا البتہ میں بیدار ہونے کے بعد کثرتِ مے نوشی کے باوجود خود کو حیرت ناک طور پر ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ سر پر اس بوجھل پن کا کہیں پتا نہیں تھا جو ایسی محفلوں کے بعد ناگزیر ہوتا ہے۔

میں گرم پانی کے شاور میں دیر تک نہاتا اور پچھلی رات کے بارے میں سوچتا رہا جو اپنے تضادات کی وجہ سے میری زندگی کی عجیب رات ثابت ہوئی تھی جس میں الف لیلوی رنگ نمایاں تھا۔

میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو ربیکا دیر تک کچھ بولے بغیر بس آسودہ انداز میں مسکراتی رہی، آخر مجھے ہی وہ سکوت توڑنا پڑ گیا۔ "رات کی کیا خبریں ہیں؟"

"تم سے زیادہ مجھے معلوم نہیں۔" وہ نظریں جھکا کر ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ "مَیں پینے میں کچھ زیادہ ہی تجاوز کر گئی تھی۔"

"میں اخبار کی بات کر رہا تھا۔" میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "شہر میں اور بھی بہت کچھ ہو رہا تھا۔"

"بڑی دردناک خبریں ہیں، میں نے ڈرائیور کو تمھارے لیے

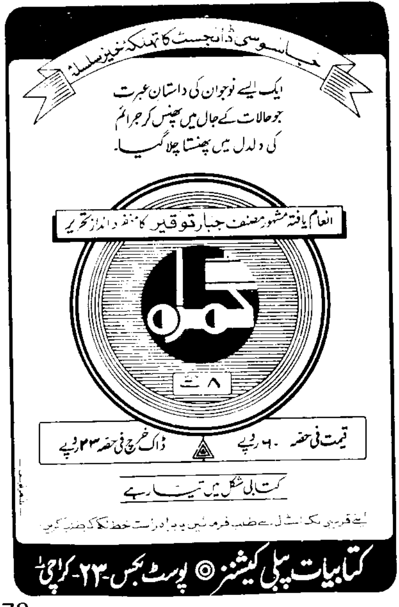

جاسوسی ڈائجسٹ کا تہلکہ خیز سلسلہ

ایک ایسے نوجوان کی داستانِ عبرت
جو حالات کے جال میں پھنس کر جرائم
کی دلدل میں پھنستا چلا گیا۔

انعام یافتہ مشہور مصنف جبار توقیر کا منفرد اندازِ تحریر

۸

قیمت فی حصہ ۶۰ روپے
ڈاک خرچ فی حصہ ۲۳ روپے

کتابی شکل میں تیار ہے

اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہ راست خط لکھ کر طلب کریں

کتابیات پبلی کیشنز ◎ پوسٹ بکس ۲۳ - کراچی

انگریزی اخبار لانے بھیجا ہے۔" وہ میرے لیے ٹوسٹ پر مکھن لگاتے ہوئے بولی۔

"کچھ پتا چلا کہ ہوا کیا تھا؟" میں نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے انجان بن کر سوال کیا۔

"متضاد خبریں ہیں۔" وہ ایک خاص ادا سے ناک چڑھا کر بولی۔ "تخریب کاری یا حادثہ۔ ان ہی میں سے کوئی امکان ہے۔ اس میں سب سے المناک حادثہ ایک فوجی ہیلی کاپٹر کو پیش آیا جو ایک انتہائی خفیہ اور اہم مہم سرانجام دینے سے پہلے فائر کیمپ سے چلے ہوئے ایک گولے کا نشانہ بن گیا۔"

ربیکا نے اپنی تنہائی اور محرومی سے چھٹکارا پانے کے لیے مجھے ایک ٹھکانا تو فراہم کر دیا تھا لیکن میرے لیے وہ بڑی مخدوش صورتِ حال تھی۔ ربیکا نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ڈارلنگٹن اسے پیشگی اطلاع دیے بغیر گھر واپس نہیں آئے گا لیکن میں وہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ شکی مزاج شوہروں میں بیویوں کو دھوکے میں رکھ کر اچانک کہیں بھی پہنچ جانے کا عارضہ صدیوں سے لاحق چلا آ رہا تھا پھر ان دونوں کے معاملے میں عمر کی خلیج بھی اہم تھی جس کی وجہ سے باہمی اعتماد میں دراڑیں موجود تھیں۔ ان سب سے بڑھ کر خطرناک بات یہ تھی کہ انھوں نے میاں بیوی کی حیثیت سے بہت زیادہ وقت اکٹھے رہ کر نہیں گزارا تھا اس لیے وہ ایک دوسرے کے مزاج اور نفسیات کو پوری طرح نہیں سمجھ پائے تھے، اگر دور بیٹھے بیٹھے ڈارلنگٹن کے ذہن میں کوئی شبہ سر ابھارتا تو وہ اپنے بے پناہ پیسے کے زور پر کم سے کم وقت میں گھر کی چوکھٹ پر پہنچ کر ربیکا کو متحیر کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ ایسے موقع پر اس فلیٹ میں میری موجودگی کی وجہ سے ان کی خانگی زندگی کا جو بھی انجام ہوتا، اس سے کہیں زیادہ ناخوشگوار صورتِ حال میرے ساتھ پیش آ سکتی تھی جس کا پیشگی انسداد بہت ضروری تھا۔

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ تمھارے ملازمین اس سے ملے ہوئے ہوں۔ ان کے سامنے تم اپنے گھر میں میرے قیام کا کیا جواز پیش کرو گی؟" اسے بضد پا کر میں نے ہر پہلو پر کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"شوفر باہر گیراج میں رہتا ہے اور صبح آ کر شام کو واپس چلا جاتا ہے، اسے پتا ہی نہیں چلے گا کہ تم یہاں رہتے ہو اور بوڑھی خادمہ شادی سے سات سال پہلے سے میرے ساتھ رہتی ہے، درحقیقت وہ واحد ہستی ہے جو میرے مسائل کو سمجھتی ہے اور مجھ سے پوری پوری ہمدردی رکھتی ہے۔" اس نے کہا۔

"اور اگر ڈارلنگٹن اچانک آ گیا؟"

"میں کہہ چکی ہوں کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ میں اس کی جبلت کو کچھ کچھ سمجھ گئی ہوں۔ وہ کھل کر کبھی بھی میرے سامنے شکست تسلیم نہیں کرے گا لیکن دانستہ مجھے یوں ڈھیل دیتا رہے گا کہ میں اس کی لاعلمی میں اپنی من مانی کرتی رہوں۔ میں نے بھی ہفتوں کی سوچ بچار کے بعد بہت سوچ سمجھ کر اس کی دہلیز سے قدم باہر نکالا ہے۔"

"لیکن میں یہاں بے آرام رہوں گا، مجھے ذہنی سکون نہ مل سکے گا۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس جیسی مدلل گفتگو کرنے والی ڈارلنگٹن کو قائل کیوں نہ کر سکی۔

"یہ اور بات ہے۔" وہ بولی۔ "لیکن تمھارے شناختی کاغذات؟ وہ تو شاید اسی مکان کے ملبے میں جل گئے ہوں گے۔"

اس نے خود ہی مجھے جواب فراہم کر دیا تھا اس لیے میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"پھر تو تمھیں تاحکمِ ثانی اسی فلیٹ میں محدود رہنا ہوگا۔" اس نے مجھے چونکا دیا۔ "مقامی انتظامیہ نے شہر میں دہشت گردوں کا سراغ لگانے کے لیے باوردی پولیس والوں کو مشتبہ لوگوں کی گرفتاری کے لامحدود اختیارات دے دیے ہیں، کوئی بھی بالغ شہری کسی بھی سطح پر جاری کیا ہوا سرکاری یا اپنے آجر کا شناخت نامہ ساتھ لیے بغیر باہر نہیں نکل سکتا۔ غیر ملکیوں کو ہر وقت پاسپورٹ ساتھ رکھنا ہوگا۔ آج کے اخبار میں تفصیلی خبر کے ساتھ ہی انتظامیہ کی طرف سے اس متن کا اشتہار بھی شائع ہوا ہے، ہوٹلوں اور دوسری اقامت گاہوں کے مالکان سے اپیل کی گئی ہے کہ مشتبہ یا لوگوں سے دور رہنے کی کوشش کرنے والے مسافروں کے بارے میں قریب ترین مجسٹریٹ کو آگاہ کریں تاکہ شہر کو مزید بڑے حادثات سے بچایا جا سکے۔"

"ان حالات میں تو میں یہاں سے ہل بھی نہ سکوں گا۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "پھر تو یہی ہو سکتا ہے کہ تم مجھے اپنے گھر میں ملازم رکھ لو، اس حیثیت پر تمھارے شوہر کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

وہ میری صورت دیکھتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تم لاکھ اپنا حلیہ بدل لو لیکن صورت سے کبھی بھی گھریلو ملازم نظر نہیں آ سکتے۔ تمھاری آنکھ ملا کر بات کرنے کی ایک عادت ہی سارا پول کھول دے گی لیکن تم فکر نہ کرو۔ سرکاری چکروں میں بہت وقت لگے گا، میں کسی طرح تمھارے لیے کاغذات کا بندوبست کرا دوں گی کہ تم شہر میں آزادی کے ساتھ جہاں چاہو جا سکو۔"

وہ خبر سن کر میرا سارا پروگرام چوپٹ ہو گیا ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ربیکا کے ڈرائیور کے ساتھ ساحلی علاقے میں میکس کے شراب خانے جاؤں گا تاکہ وہاں سے ویرا کے بارے میں معلوم کر سکوں یا پھر اپنے بارے میں اس کے لیے پیغام چھوڑ دوں تاکہ جوں ہی وہ میکس سے رجوع کرے اسے میرا پیغام مل جائے۔

"گھر میں ڈارلنگٹن کے بہت سے کاغذات موجود ہوں گے، فی الحال تو ان ہی میں سے کسی پر تصویر بدل کر کام چل جائے گا۔" میں نے تجویز پیش کی جو اس نے سختی سے مسترد کر دی۔

"وہ شہر میں خاصا معروف ہے، اور تمھیں یہ سن کر شاید حیرت ہو کہ اس کے ملنے والوں میں زیادہ تعداد پولیس والوں کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے کاروبار میں کسی ہیر پھیر کے لیے انھیں رشوت بھی دیتا ہو۔"

"تم کب تک کاغذات کا بندوبست کر سکتی ہو؟"

"میرے اختیار سے باہر کی بات ہے۔ مجھے کسی سے کہنا ہوگا دیکھو، وہ کتنا وقت لیتا ہے۔"

ناشتے کے دوران ہی ڈرائیور انگریزی اخبار لے آیا جو ملازمہ نے میز پہ پہنچا دیا اور ربیکا اپنی کافی ختم کر کے، مجھے اخبار کے مطالعے میں مصروف چھوڑ کر اندر چلی گئی تاکہ فون پر میرے کاغذات کے بارے میں کسی سے بات کر سکے۔

اخبار فائر کیمپ کی خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس واقعہ میں مرنے والوں کی مصدقہ تعداد ایک سو ستّاسی تھی۔ جبکہ شہر سے متعدّد افراد لاپتا تھے اور بہت سی جگہوں پہ ملبے میں تلاش کا کام جاری تھا۔ اسپتال زخمیوں سے بھر گئے تھے، جن کے لیے مُلک کے مختلف حصّوں سے طبّی امداد مارسیلز پہنچنی شروع ہو گئی تھی۔ ایک سیاہ حاشیے میں کام کی نوعیّت پہ روشنی ڈالے بغیر یہ خبر دی گئی تھی کہ ایک اہم مشن پہ جانے والا فوجی ہیلی کاپٹر نیچی پرواز کے دوران ایک آبادی پر مہلک راکٹ لگنے کے نتیجے میں تباہ ہو گیا۔ اس حادثے میں پانچ کمانڈو ہلاک اور تین بُری طرح زخمی ہوئے۔ تینوں کمانڈو کم بلندی سے پیراشوٹ جمپ لگانے کی وجہ سے اپنی ہڈیاں تڑوا بیٹھے تھے۔ جب کہ وہی حماقت کرنے والے تین فوجی زمین سے ٹکراتے ہی چل بسے تھے۔ بقیہ دونوں ہیلی کاپٹر کو راکٹ کی زد سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے ڈھانچے میں ہی پھنس کر جل مرے تھے۔

شناخت ناموں کے بارے میں ربیکا کی دی ہوئی اطلاع لفظ بہ لفظ درست تھی۔ سرکاری طور پر دی جانے والی اطلاعات کے علاوہ اخبار کے وقائع نگار نے رائے ظاہر کی تھی کہ کمانڈوز کی فضائی مُہم غالباً فائر کیمپ کے سانحے کے مُجرموں کے خلاف تھی۔ اگر اس کا کوئی اور سبب ہوتا تو مقامی کمانڈران خطرناک حالات میں ہیلی کاپٹر کو شہر پر نیچی پرواز کرنے کی اجازت دینے کے بجائے اس مہم کو کسی اور وقت کے لیے ملتوی کر دیتے۔

پورے اخبار میں کہیں بھی شی یا اس کی عالمگیر مُجرمانہ سرگرمیوں کے بارے میں ایک لفظ بھی شائع نہیں ہوا تھا۔

پچھلے صفحے پر آخری لمحات میں موصول ہونے والی خبروں میں مختصراً لکھا گیا تھا کہ علاقائی فوجی کمان نے سائنسدانوں کے مشورے سے ایک مخصوص کیمیائی محلول سے بھرے ہوئے آٹھ سو کمزور ڈرم محفوظ بلندی سے فائر کیمپ میں پھینکنے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ ڈرم نیچے گرتے ہی پھٹ کر وہاں لگی ہوئی آگ کو سرد کر سکیں۔ اس کارروائی کی بُنیاد اس مفروضے پر رکھی گئی تھی کہ فیصلہ کیے جانے تک دھماکوں کی شدّت اور آگ کی حِدّت کے باعث فائر کیمپ کی حدود میں متعیّن عملے کا کوئی فرد زندہ نہیں رہا ہوگا، جسے کیمیائی ڈرم پھینکے جانے سے نقصان پہنچ سکے۔ زندہ بچنے والے اس وقت تک وہاں سے دور نکل آئے ہوں گے۔ فوجی ترجمان کے مطابق مارسیلز کے شہریوں کو مزید دس گُنا جانی اور مالی نقصان سے بچانے کے لیے وہ فیصلہ ناگزیر ہو گیا تھا۔

آخری سطر پڑھ کر مَیں لرز اُٹھا۔ اس کا مطلب تھا کہ فائر کیمپ میں اسلحہ اور گولہ بارود کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا جو بے قابو ہونے کی صورت میں پورے شہر کو راکھ کا ڈھیر بنا سکتا تھا۔

وہ انسان کے لیے ایک شرم ناک المیہ تھا کہ شرافت، اُخوّت اور محبّت کا درس دینے والے اپنے علاقائی اور بین الاقوامی مفادات کی تکمیل کے لیے ہنستی بستی آبادیوں کے درمیان بارود کی آتش فشاں تعمیر کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، جو ذرا سی لغزش کی بنا پہ بھیانک آگ اُگلنے پہ قادر تھے۔

وہ خبریں پڑھتے ہوئے میرے وجود پر کئی بار ملامت کی لہر سوار ہوئی، لیکن مجھے ہر بار ویرا کے الفاظ یاد آ گئے کہ فائر کیمپ کا ذخیرہ وہاں تباہ نہ ہوتا تو اپنی منزلوں پر پہنچ کر ہزاروں گُنا زیادہ تباہی کا باعث بنتا۔ اس حادثے سے یہ اثر ضرور پڑا تھا کہ پورے فرانس کی رائے عامّہ آبادیوں کے قریب واقع اسلحہ کے مراکز کے خلاف چیخ اٹھی تھی اور یہ مطالبہ کر دیا گیا تھا کہ اسلحہ برآمد کرنے والی بڑی بڑی کمپنیوں کو مارسیلز کی آبادی کے مضافات میں فائر کیمپ قائم کرنے کی اجازت دینے والوں کو بے نقاب کر کے ان کا سخت محاسبہ کیا جائے۔

مَیں فرانس میں اجنبی تھا، لیکن جانتا تھا کہ وہ جذباتی مطالبے وقت کے ساتھ سرد ہو جانے والے تھے۔ دُنیا کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ شہر ہشت پا بلاؤں کی طرح ہر سمت میں تیزی سے پھیل رہے تھے اور جو اسلحہ خانے پچیس برس پہلے آبادیوں سے میلوں باہر تھے اب آبادیوں کے وسط میں آ گئے تھے، پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گولہ بارود کی رینج بھی حیرت ناک طور پہ بڑھتی جا رہی تھی۔ رائفلوں سے زیادہ ہلکے لانچروں کے ذریعے پھینکے جانے والے میزائل سیکڑوں کلومیٹر کے فاصلے پر تباہی مچا سکتے تھے۔ ایسے اسلحے کے ذخائر اگر دور بھی ہٹا دیے جائیں تو ان کی حادثاتی تباہی سے انسانی آبادیوں کو محفوظ رکھنا ناممکنات میں سے ہوگا۔ جب تک قوموں اور انسانوں میں جنگ کا جنون باقی ہے، آئے دن فائر کیمپوں میں حادثات اور تخریب کاریاں ہوتی رہیں گی اور ان کے ملبے پر نئے ذخائر تعمیر ہوتے رہیں گے۔ وقتی نعرے اور جذباتی تقریریں ایسے حالات کو ٹالنے میں کبھی بھی کوئی مُؤثر کردار ادا نہیں کر سکیں گی۔

سلطان شاہ، ویرا اور فائر کیمپ — میرے وہ تینوں مسائل اتنے سنگین تھے کہ تنہا رہ کر انھیں بُھلانا ناممکنات میں سے تھا، اس لیے مَیں ناشتے کی میز سے اُٹھ کر ربیکا کی تلاش میں چل دیا۔

وہ ڈرائنگ روم میں ایک کاؤچ پر میری طرف پُشت

کیے کروٹ کے بل دراز تھی اور ہنس ہنس کر نہایت دعوت آمیز انداز میں فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ گفتگو فرنچ میں ہو رہی تھی۔ جو میرے پلّے نہ پڑ سکی، لیکن ربیکا سے محض آدھی رات کی شناسائی کے باوجود مجھے اس شخص سے حسد ہونے لگا، جس سے وہ اتنے دلآویز انداز میں بات کر رہی تھی۔ مَیں دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے بڑھتا رہا اور وہ آخری لمحے تک میری آمد سے آگاہ نہ ہو سکی۔ اس کے جسم اور پنڈلیوں کی حرکات و سکنات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہونے والی گفتگو ربیکا کے لیے بہت لذّت انگیز تھی۔

حسد کی آنچ جب بڑھنے لگی تو میرے دل میں گمان پیدا ہوا کہ وہ جو بھی تھا، صرف ربیکا کی آواز سُن رہا تھا جبکہ وہ مجسم میرے تصرّف میں تھی اور یہ گمان لمحے بھر میں اتنا قوی ہو گیا کہ مَیں نے ربیکا پر اپنے حق کے لاشعوری اظہار میں اضطراری طور پر اپنے بدن کا بوجھ اس پر ڈال دیا۔

وہ چونک کر خوف زدہ انداز میں پلٹی، لیکن اس کے منہ سے کوئی غیر معمولی آواز نہ نکلی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی حیرت سے پھٹی ہوئی نگاہیں معمول پر آ گئیں اور وہ مجھے جلدی سے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے دوسری طرف سے کہی گئی کسی بات کا جواب دینے لگی۔ مَیں بے پروائی سے اسے آگے دھکیل کر وہیں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

کئی منٹ بعد وہ گفتگو ختم ہوئی تو ربیکا اُچھل کر بیٹھ گئی۔ "تم نے تو میرا دم ہی نکال دیا تھا۔"

"اتنی محبت کے ساتھ کس سے پینگیں لڑا رہی تھیں مائی ڈارلنگ؟"

"بس جل گئے۔" وہ میرے طنزیہ لہجے پر قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "تم میرے دوست ہو اس لیے مجھ سے پوچھ بھی لیا، لیکن تمھارے تیور دیکھ کر مَیں شرط لگا سکتی ہوں کہ تم میرے شوہر ہوتے تو فون پر اس بے تکلفی کے الزام میں ابھی کھڑے کھڑے طلاق دے دیتے۔"

مَیں لاجواب ہو کر رہ گیا اور وہ چونک کر بولی۔ "تم نہ فرنچ جانتے ہو اور نہ تمھیں یہ معلوم ہے کہ مَیں کسی مرد سے بات کر رہی تھی یا کسی عورت سے.... پھر آخر تم میں اتنا حسد کیسے پیدا ہو گیا۔"

"فون پر گفتگو کرتے ہوئے تم اپنے اعضا سے جو شاعری کر رہی تھیں، اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ دوسری طرف کوئی مرد تھا اور موضوع محبت۔" مَیں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "ایسے جذبوں کو زبان کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ اپنے اظہار پر خود قادر ہوتے ہیں۔ ہمّت ہے تو جھٹلا دو میری بات۔"

"تمھارے کاغذات کی بات کرتے ہی ڈارلنگٹن کا فون آ گیا تھا۔" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ "بات طویل ہونے لگی تو مَیں یوں ہی کاؤچ پر دراز ہو گئی۔ مَیں تو بس یوں ہی ساکت و صامت لیٹی ہوئی تھی، پھر تم نے ایسے ٹھیک ٹھیک اندازے کیسے لگا لیے؟"

"تمھیں تو چڑ تھی اپنے شوہر کے نام سے۔ لیکن اس وقت تم اس کے ایک ایک لفظ پر فدا ہوئی جا رہی تھیں۔"

"سچ پوچھو تو آج مَیں نے پہلی بار اس سے محبت سے بات کی ہے، میرے اس رویّے پر وہ بھی پھولا نہ سما رہا تھا۔ اس نے بھی اظہار محبت میں کوئی کنجوسی نہیں کی۔ ہماری مختصر سی ازدواجی زندگی میں یہ مسرّت کے پہلے لمحات تھے، ورنہ خلوت میں بھی وہ چُپ چاپ نہ جانے کیا سوچتا رہتا تھا۔" وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ مجھے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اور اس کی کوئی معقول وجہ بھی ہو گی؟"

"ظاہر ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "جب تک مَیں اس کی دی ہوئی آزادی کے مقصد سے لاعلم رہی، اس سے چڑتی رہی، لیکن آج مَیں اس آزادی کا استعمال سیکھ چکی ہوں، اس لیے اس بڈھے طوطے پر پیار آ رہا تھا۔ وہ ہر قیمت پر مجھے خوش دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں کی کہ مَیں اپنی خوشیاں کہاں سے اور کیسے حاصل کرتی ہوں، لیکن وہ انھیں اپنے کھاتے میں جمع کرنے کا خواہش مند ہے۔"

"شاید وہ لوگوں سے یہ سننے کا آرزومند ہے کہ ڈارلنگٹن نے اپنی بیٹی کی عمر کی بیوی کو نوجوانوں سے زیادہ خوش رکھا ہوا ہے۔" میرا لہجہ اس بار بھی غیر ارادی طور پر تلخ ہو گیا۔ "مراسم خوش گوار ہو گئے ہیں تو اب وہ کب تمھارے پاس ہجر کا حساب چُکانے واپس آ رہا ہے۔"

"یہی بتلانے کے لیے تو اس نے لندن سے فون کیا تھا، وہ کم از کم اس ویک اینڈ تک واپس نہ آ سکے گا۔ اب تم بے فکری کے ساتھ یہاں رہ سکتے ہو۔"

مَیں نے دل ہی دل میں ربیکا سے ہار مان لی۔ مَیں اس کے شوہر کو جوان بیوی کا شکی اور بوڑھا شوہر سمجھ رہا تھا۔ جب کہ میری رائے قطعی غلط تھی۔ ربیکا نے اپنے بڈھے طوطے کو صحیح سمجھا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو ربیکا کے لہجے میں خوشگوار تبدیلی محسوس کرتے ہی اسے بھڑک کر اپنے سارے پروگرام ترک کر دینا چاہئیں تھے۔ تاکہ جلد از جلد ربیکا کی خوشیوں کا سبب دریافت کر سکے، لیکن بقول ربیکا کے وہ مسلسل اسے ڈھیل دے رہا تھا۔

"اور کاغذات کا کیا رہا؟" مَیں نے نیم دلی کے ساتھ سوال کیا۔

"کل تک تمھارا برٹش پاسپورٹ آ جائے گا۔ آج کسی وقت ایک تصویر پہنچانا ہو گی۔ ویسے تمھاری اصل قومیت کیا ہے؟"

"پیدائشی برٹش ہوں۔" مَیں نے فی البدیہہ جواب دیا۔

"رنگ روپ مان بھی لیا جائے تو تمھارے خدوخال برٹش ہرگز نہیں ہیں۔" وہ اشتباہ آمیز لہجے میں بولی۔

"میرے والدین ایشیائی تھے اور میری ولادت سے پہلے گلاسگو میں آباد ہو گئے تھے۔ میرا اصل پاسپورٹ بھی برطانوی ہی تھا۔ مل گیا تو دکھا دوں گا۔" آخری فقرہ میں نے بڑے خلوص سے ادا کیا تھا۔

تصویر کے لیے میرا گھر سے باہر جانا مخدوش ہو سکتا تھا' اس لیے یہ طے ہوا کہ ربیکا اپنے کیمرے سے گھر ہی میں میری تصویر کے ساتھ کچھ اور تصاویر اتار کر رول مکمل کرے گی اور بازار سے پرنٹ بنوائے گی۔ یہ بات طے ہو جانے کے بعد ربیکا نے رقم کے ساتھ ایک رقعہ لکھ کر خادمہ کے ہاتھ ڈرائیور کو بھجوا دیا۔

"اب میرا ابھی ایک کام ہے۔" میں نے صوفے پر دراز ہو کر سگریٹ سلگاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"مجھے آج ہر قیمت پر بندرگاہ کے علاقے میں ایک شراب خانے پر پہنچنا تھا۔ وہاں جانا تو مشکل ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ فون ہی کر لوں، اس سلسلے میں تمھاری مدد درکار ہے۔"

"فون رکھا ہوا ہے، جہاں چاہو کر لو۔ اگر گلاسگو میں تمھارے ایشیائی والدین حیات ہیں تو ذرا ان سے بھی میری بات کرا دو۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں بولی۔

"حد ہو گئی۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "تمھیں میری بات پر یقین نہیں آیا۔ کاش' وہ زندہ ہوتے اور میں ان سے تمھاری بات کرا سکتا۔ شکی مزاج ڈارلنگٹن نہیں بلکہ تم خود ہو۔"

"ہم دونوں سادہ لوح میاں بیوی ہیں، ہمیں کچھ نہ کہو۔" وہ مجھے چڑاتے ہوئے بولی۔ "اور ہاں، میری کس مدد کی ضرورت ہے تمھیں؟

ابھی مجھے لنچ کے لیے بھی کچھ تیار کرنا ہے۔"

"تمھیں شاید تازہ غذا کی ضرورت پڑ جائے، میں تو رات والی ڈش پر ہی گزارا کر لوں گا۔"

"بہت بے ہودہ ہو تم۔" وہ خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولی۔ "ہر بات کو گھما لیتے ہو، کام نہیں بتایا تم نے ابھی تک۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ مجھے تازہ، باسی جو بھی مل جائے گا گزارا کروں گا۔ میرے لیے زحمت نہ کرنا.... اور ذرا مجھے میکس کے شراب خانے کا نمبر نکال دو۔"

"میکس کا شراب خانہ؟" اس نے منہ بنا کر حیرت سے دُہرایا۔ "کیا یہی نام ہے اس شراب خانے کا؟"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ وہ نچلے درجے کا شراب خانہ ہے اور اس کے مالک کا نام میکس ہے۔"

"اس طرح قیامت تک بھی فون نمبر نہیں مل سکتا۔ ہر شراب خانے کے لیے لائسنس جاری ہوتا ہے اور جو نام لائسنس پر درج ہو گا، اسی نام پر فون بھی رجسٹرڈ ہوا ہو گا۔ اس کے بغیر تو پوری ڈائریکٹری چھان مارنے پر بھی مطلوبہ نمبر معلوم نہ ہو سکے گا۔"

"سب کچھ ہو سکتا ہے پہلے ڈائریکٹری دیکھ لو، ہو سکتا ہے کہ میرا بتایا ہوا نام ہی مل جائے۔ نہ ملے تو پھر ساحلی علاقے کے کسی بھی شراب خانے سے فون پر معلوم کر سکتی ہو۔ اوّل تو میں فرشتے سے نابلد ہوں اور تم خوب بولتی ہو اور اگر فون کرتے ہوئے تم نے اپنے ذہن میں اپنے بڈھے طوطے کا تصور تازہ رکھا تو تمھاری آواز سن کر کوئی مائی کا لعل سرد مہری کا مظاہرہ نہ کر سکے گا۔"

"تم کہے جاؤ، جو کہنا ہے۔" وہ ڈائریکٹری اُٹھاتے ہوئے بولی۔ "میری طرف سے تمھیں معافی ہے، کیونکہ مجھے اپنی دریافت میں تم ہی سے مدد ملی ہے، لیکن تم ڈارلنگٹن کی جگہ نہیں لے سکتے۔"

اس کا آخری فقرہ چڑانے والا تھا۔ وہ خود ہی مجھے بھڑکانا چاہ رہی تھی، لہٰذا میں نے اس فقرے کو یوں نظر انداز کر دیا، جیسے سرے سے سُنا ہی نہ ہو۔ وہ مجھے خاموش پا کر ڈائریکٹری کی ورق گردانی میں مصروف ہو گئی۔

ٹیلی فون ڈائریکٹری میں میکس سے شروع ہونے والا کوئی نام سرے سے موجود ہی نہیں تھا' اس لیے ربیکا کے سامنے میری دوسری تجویز پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا پھر اس نے ڈائریکٹری کے اشتہاری صفحات میں شراب خانوں کی فہرست سے بندرگاہ کے علاقے میں واقع چند شراب خانوں کے نمبر نوٹ کیے اور ان پر باری باری طبع آزمائی کا فیصلہ کر لیا مگر اس کی پہلی کوشش ہی بارآور ثابت ہوئی اور اسے نہ صرف میکس کے شراب خانے کا صحیح نام بلکہ نمبر بھی بتا دیا گیا۔

دلیں دلیں کلی کلی منڈلانے والے بھنورے کی داستان عبرت

گہن لگا چاند

ایک ایسے نوجوان کی داستان ہے جو حرص و ہوس کے ہاتھوں اندھا ہو گیا تھا وہ ملک ملک پھرتا رہا اور دنیا بھر کی حسیناؤں سے دل لگاتا رہا اسے نہ اپنے ماں باپ سے محبت تھی نہ اپنے بیوی بچوں کی فکر اس نے وفا کرنا سیکھا ہی نہ تھا لیکن جب مکافات عمل شروع ہوا تو اس کے دامن میں سوائے ندامت کے کچھ نہ تھا اس کے اردگرد کوئی نہ تھا جسے وہ اپنا کہہ سکتا۔ وہ اپنے بیٹے کو بھی بیٹا نہ کہہ سکا

"ممنوعہ الزام آدم زادی" کے مصنف نور حسین شاہ کی نئی تحقیق

قیمت 100 روپے۔ ڈاک خرچ ۲۵ روپے

تقسیم کار

کتابیات پبلی کیشنز۔ پوسٹ بکس 23۔ رمضان چیمبرز
آئی آئی چندریگر روڈ نزد دفتر اخبار جنگ کراچی۔ 74200

وہ نمبر میرے حوالے کرکے ربیکا نے وہاں سے اُٹھ جانا چاہا۔ لیکن میں نے اُسے روک لیا۔ میکس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اگر وہ انگریزی سے یکسر نابلد ہوتا تو میرے لیے اسے سمجھانا دشوار ہوجاتا۔ ایسے مرحلے پر ربیکا میرے کام آسکتی تھی۔

تیسری گھنٹی کے بعد دوسری طرف سے کسی نے کٹکھنے کُتے کی طرح غراتے ہوئے ریسیور اُٹھایا تھا۔

"گڈ مارننگ ۔۔ میں مسٹر میکس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے انگریزی میں خلیقانہ لہجے میں کہا۔

"میں مسٹر میکس ہی ہوں۔" اس آواز میں درندگی کی حد تک درشتگی موجود تھی۔ انگریزی بہت شکستہ تھی۔ لیکن غنیمت یہ تھا کہ وہ انگریزی بول اور سمجھ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے ربیکا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بتایا کہ وہ چاہے تو کچن میں جانے کے لیے آزاد ہے۔

اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ لیکن ایک ہاتھ کمر پر رکھے وہیں کھڑی رہی۔ شاید وہ میری اس فون کال کا مقصد جاننا چاہتی تھی۔

"میں مس لینا جیرالڈ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"اوہ! تم کہاں مرے ہوئے ہو؟ وہ شاید تمھارے ہی بارے میں کئی بار پوچھ چکی ہے۔" مربیانہ غراہٹ اُبھری۔ "ہولڈ کرو، میں اسے بلواتا ہوں۔"

اس وقفے سے فائدہ اُٹھا کر میں نے ربیکا کی طرف دیکھا تو وہ خشمناک نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔

"تم سکون سے اپنا کام کرو۔" میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اس سے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "لینا اسی شراب خانے میں کام کرنے والی ایک گھٹیا لڑکی ہے، جو میری مقروض ہے۔ آج اسے میری رقم لوٹانی تھی۔ میں اسے فون نہ کرتا تو اسے میرا گھر تباہ ہونے کا بہانہ مل جاتا اور وہ میری رقم پی جاتی۔"

"ایسی بازاری عورت کو فون کرنے کے بجائے تم وہ رقم مجھ سے لے سکتے تھے۔" وہ غصے سے بولی۔ "تم نے بھی اسے کوئی لمبی رقم تو اُدھار نہیں دی ہوگی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن تم میرے بارے میں غلط رائے قائم کرسکتی تھیں۔ میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے گلگو سمجھنے لگو۔" میں نے کہا۔ اور وہ غصے میں پیر پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

اسی لمحے لائن پر ویرا کی آواز سُن کر میں نے ماؤتھ پیس سے ہتھیلی ہٹالی۔

"تم خیریت سے تو ہونا؟" ویرا تشویش زدہ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ "وہاں سے نکل کر تم ایسے بھاگے کہ ہم دونوں چیختے ہی رہ گئے اور تم بھیڑ میں کہیں گم ہوگئے۔" وہ اُردو بول رہی تھی۔

"میں خیریت سے ہوں اور ایک مہربان مقامی عورت کے فلیٹ میں ہوں۔" میں نے اُردو میں ہی کہا۔ "اگر کسی لمحے میرے لب و لہجے میں سختی آجائے تو اسے نظر انداز کردینا۔ وہ بہت حاسد اور ملکیت پسند عورت ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ تم پر عاشق ہوگئی ہے۔" ویرا کی آواز میں رقابت کی کسک نمایاں تھی۔

"فضول باتیں نہ کرو اور یہ بتاؤ کہ سلطان شاہ کہاں ہے؟" میں نے اس کا تبصرہ گول کرتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں وہ کہاں ہوگا۔" اس کی آواز بجھ سی گئی تھی۔ "وہ میرے ساتھ ہی تھا کہ قریب ہی گرنے والے ایک بم کا ٹکڑا لگنے سے اس کا بازو زخمی ہوگیا۔ بعد میں ایک امدادی جماعت والے اس کے خون میں تر کپڑے دیکھ کر اسے زبردستی ایمبولینس میں ڈال کر لے گئے۔ اس میں زخمیوں کو بُری طرح بھرا جارہا تھا، اس لیے میں کوشش کے باوجود ساتھ نہیں جاسکی۔ پتا نہیں، وہ کس اسپتال میں ہے۔ اس کے لیے میں دسیوں اسپتالوں میں فون کرچکی ہوں، لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔"

"تمھیں معلوم ہے کہ نئے انتظامی احکامات کے بعد شناختی کاغذات کے بغیر میرا باہر نکلنا خطرناک ہوسکتا ہے۔ اس لیے تم ہی کو سلطان شاہ کا پتا لگا کر دیکھ بھال کرنی ہے... اور تمھارا قیام کہاں ہے؟"

"میں اپنی کوششوں میں لگی ہوئی ہوں اور میکس کے شراب خانے کی اُوپری منزل پر ایک تنگ اور سیلن زدہ کمرے میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ سلطان شاہ کے زخمی ہونے کے بعد رقم کا تھیلا میں نے لے لیا تھا، اسی میں سے ایک خطیر رقم دے کر وحشی میکس کو رام کیا ہے۔ وہ بہت لالچی ہے اور سمجھ رہا ہے کہ میں کہیں ڈاکا ڈال کر رُوپوش ہونے کے لیے اس کے پاس پہنچی ہوں، لیکن اب میں کسی ہوٹل میں منتقل ہوجاؤں گی۔"

"تم اپنی مرضی کی مالک ہو، لیکن میری رائے ہے کہ فی الحال میکس کے پاس ہی رہو تو ہمیں رابطے اور مشوروں میں آسانی رہے گی۔ انتظامیہ کی تازہ مہم کے نتیجے میں ہوٹلوں وغیرہ کا ماحول اس وقت مخدوش رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کی طنزیہ آواز سنائی دی۔ "تم اپنی نئی گرل فرینڈ کے ساتھ عیش کرتے رہو اور میں میکس کی گندی کوٹھری میں سڑتی رہوں۔ ویسے نمبر کیا ہے تمھاری چہیتی کے فون کا؟"

"تم میری مجبوری کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے بھی بکواس کیے جارہی ہو۔ معمولی شکل و صورت کی عورت ہے۔ اگر میں حالات کے چنگل میں پھنسا ہوا نہ ہوتا تو شاید اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ تم یہاں کا فون نمبر نوٹ کرلو، لیکن یہ صرف ہنگامی صورتِ حال میں ہی استعمال کرنا۔" ربیکا کی شکل و صورت کے بارے میں سفید

جھوٹ بولتے ہوئے میں نے انسٹرومنٹ پر لکھا ہوا نمبر اسے دُہرا دیا۔

"پھر بھی تمھیں مجبوراً اس کی دلجوئی کرنا پڑ رہی ہوگی۔ جب تک تمھارے کاغذات تیار نہ ہوں یا انتظامیہ اپنے احکام واپس نہ لے، تمھیں یہ سزا تو برداشت کرنا ہی ہوگی۔" اس کا لہجہ بدستور طنزیہ تھا کیونکہ آخر کار وہ ایک عورت ہی تھی۔ ڈان میر سیالو نے عملی حد تک اسے نسوانیت سے عاری بنا دیا تھا، لیکن اس کے جذبوں کی تربیت نہیں کر سکا تھا۔ ویرا اپنی ساری آزاد روی کے باوجود محض ایک عورت ثابت ہو رہی تھی۔ جو نجی اور ذاتی معاملات میں اپنی کسی ہم جنس کی شراکت کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتی۔ مجھے نہ جانے وہ کیوں اپنے ذاتی خزانے کی چیز تصوّر کرنے لگی تھی۔ حالانکہ غزالہ کے ساتھ میرے گہرے قلبی تعلق سے دُنیا میں کوئی عورت باخبر تھی تو وہ صرف ویرا ہی تھی۔

"میرے کاغذات کے لیے وہ کوشش کر رہی ہے، شاید کل تک تیار ہو جائیں۔" میں نے اس سے مزید بحث میں اُلجھنے کے بجائے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"تاکہ اسے تمھارے ساتھ باہر گھومنے اور تفریح کرنے کی آزادی مل سکے۔" ویرا نے اس معاملے میں بھی ربیکا کی بدنیّتی کا جواز تلاش کر لیا۔

"جو چاہو، فی الحال سمجھتی رہو۔ لیکن میں اتنا بتائے دے رہا ہوں کہ کاغذات ملنے کے بعد میں ایک سیکنڈ بھی یہاں نہیں رکوں گا۔ میری رہائش کا متبادل بندوبست تم ہی کو کرنا ہوگا۔" میں نے زچ ہو کر کہا۔

"کوئی بیوہ ہے یا غیر شادی شدہ؟" اُس کا تجسّس رہ رہ کر لفظوں کا روپ دھار رہا تھا۔

"وہ شادی شدہ اور ایک معزّز ہستی کی بیوی ہے جو ڈارلنگٹن کی شہر میں خاصی ساکھ بنی ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔

"ڈارلنگٹن!" نام سُنتے ہی ویرا بُری طرح چونکی تھی۔ "یہ وہی پینسٹھ سالہ بُڈھا تو نہیں، جس نے تین ماہ پہلے ایک چوبیس سالہ لڑکی سے شادی کی ہے؟"

میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت سُست پڑنے لگیں۔ یہاں بھی ویرا کی شناسائی نکل آئی تھی اور وہ اچھی طرح ربیکا کے بے مثال حُسن و جمال سے واقف رہی ہوگی۔ میں نے نیم دلی سے اقرار کر لیا۔ "تفصیل کا مجھے علم نہیں، لیکن میرا اندازہ ہے کہ تم درست کہہ رہی ہو۔"

"اور تم اس کی بیوی کو معمولی شکل و صورت والی بتا رہے تھے۔" ویرا کا لہجہ اچانک تیز اور ملامت آمیز ہو گیا۔ "شاید اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ مسلسل دو سالوں تک مقابلۂ حُسن میں مس مارسیلز کا خطاب حاصل کر چکی ہے۔ تم کس قدر جھوٹے اور خود پرست ہو گئے ہو ڈیئر!"

"حُسن صرف صورت کا نہیں، سیرت کا بھی ہوتا ہے۔" لاجواب ہونے کے بجائے میں ڈھٹائی کے ساتھ فلسفیانہ ہتھکنڈوں پر اُتر آیا۔ "میں نے اُس کی صورت پر نہیں، سیرت پر تنقید کی تھی۔ وہ حد سے زیادہ بے شرم عورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ میکس جیسا آدمی بھی خلوت میں اس سے گھبرا کر بھاگ نکلے گا۔"

"لیکن مبارک ہو کہ تم ڈٹ گئے ہو۔" وہ صورت اور سیرت کو بھول کر نئے نکتے میں اُلجھ گئی اور میں نے جان آسانی سے چھوٹ جانے پر خُدا کا شکر ادا کیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ دُنیا کی ہر عورت جس مرد کو چاہے، عمر بھر کے لیے نہ سہی چند دنوں یا چند گھنٹوں کے لیے ضرور حاصل کر لیتی ہے۔ جب کہ ہزاروں مرد دن رات اپنی پسند کی عورتوں کا طواف کرتے ہوئے بھی انھیں چھونے تک کی حسرت پوری نہیں کر سکتے۔ یقیناً تم نے نہیں بلکہ اس عورت نے تم پر جال ڈالا ہوگا۔ ورنہ تم اتنی آسانی سے اس کے فلیٹ میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

"جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اب میں اس کے ساتھ ہوں اور شاید مزید تیس چالیس گھنٹے رہنا پڑے، مگر تم یہ بتاؤ کہ مارسیلز کے اس مالدار بوڑھے کو کیسے جانتی ہو؟"

"اب تمھیں اصل بات کا دھیان آیا ہے۔" ریسیور پر اس کی غرور آمیز اور قدرے ہذیانی ہنسی کی آواز اُبھری۔ "تمھیں اس کی حقیقت کا علم ہو جائے تو اس فلیٹ میں مس مارسیلز کی زُلفوں کے سائے میں رہنے کے بجائے کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے پر تیار ہو جاؤ گے۔"

"تفصیل بھی تو بتاؤ۔" میں نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس کرتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا۔

"وہ جنوبی فرانس کا واحد آئی مین ہے۔" ویرا کی فاتحانہ سرگوشی سنائی دی۔ "چھوٹے پھندوں سے بچتے بچاتے بے خبری میں تم خود ہی بڑے جال میں جا گرے ہو۔ نام کیا ہے اس عورت کا؟"

"ربیکا!" میرے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"ہو سکتا ہے کہ ربیکا اس کھیل میں اپنے شوہر کی شریک ہو اور اس نے تمھیں پہچان کر گھیرا ہو۔" وہ کہنے لگی۔ "یہ فیصلہ تم ہی کر سکتے ہو، کیونکہ صرف تم کو معلوم ہے کہ وہ تم سے کہاں اور کن حالات میں ٹکرائی تھی۔ شی میں کوئی کسی کی بیوی اور شوہر نہیں ہوتا، تنظیم کے مفاد پر ہر چیز داؤ پر لگا دی جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے تم جیسے خطرناک دشمن کو قید کرنے کے لیے مس مارسیلز طشتری میں سجا کر تمھاری سیج پر ڈال دی گئی۔"

خوف سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ویرا نے حالات کی جو منظر کشی کی، وہ بہت بھیانک تھی۔ مجھے اچانک یوں محسوس ہونے لگا، جیسے ڈارلنگٹن لندن میں نہیں بلکہ اسی فلیٹ

میں کہیں موجود ہو اور ہزار آنکھوں سے ہر لمحے میری نگرانی کر رہا ہو۔ شاید وہ میرے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہا تھا اور مجھ پر آخری وار کرنے سے پہلے اپنے جال میں اچھی طرح تھکا لینا چاہتا تھا تاکہ جب وہ میرے مقابل آئے تو میرے توانا جسم کے مقابلے میں اس کی بوڑھی ہڈیوں کو زیادہ مشقت برداشت نہ کرنا پڑے۔ مجھے تھکانے کے لیے چارا اس نے ربیکا کو بنایا تھا۔

گزرے ہوئے واقعات میرے ذہن میں کسی فلم کی طرح چلنے لگے۔

ربیکا جیسی حسین اور گداز بدن دوشیزہ کے لیے مارسیلز میں یقیناً چاہنے والوں کی کمی نہ رہی ہو گی۔ وہ جب چاہتی اپنے ایک اشارے پر اسکول یا بچپن کے ساتھیوں میں سے کسی کو رازداری کے ساتھ اپنا بندۂ بے دام بنا سکتی تھی، لیکن اپنے کہنے کے مطابق اس نے اپنے شوہر سے بغاوت کا فیصلہ کر کے کسی اجنبی کے وجود میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ شہر کی ایک ویران سڑک پر مجھ سے ملاقات کا وہ جواز بالکل بودا اور بھونڈا تھا، لیکن ربیکا کے فسوں خیز حُسن اور جذبۂ سپردگی نے میری کھوپڑی پر برف جما دی اور میں اسے سچ سمجھ بیٹھا، لیکن ویرا نے لمحہ بھر میں وہ ساری برف پگھلا دی تھی۔

پھر ربیکا نے اپنے شوہر کی کاروباری مصروفیات کے بارے میں میرا ہر سوال خوبصورتی سے ٹال دیا۔ حالانکہ اس نے اپنی مرضی سے عُمر کے واضح فرق کے باوجود ڈارلنگٹن سے شادی کی تھی۔ اس بارے میں ربیکا کی بے خبری اس وقت مجھے ناقابلِ قبول نظر آ رہی تھی۔ جب ایک جواں سال دوشیزہ اپنے سے کئی گُنا عمر والے مرد سے شادی کا فیصلہ کرتی ہے تو شعوری یا لاشعوری طور پر مرد کے کاروبار اور مالی استحکام کے بارے میں ضرور پورا اطمینان کرتی ہے۔ اس کے پس پردہ یہ فطری خوف لاحق ہوتا ہے کہ شادی کے کچھ ہی عرصے بعد بُڈھا مر گیا تو عورت کا مستقبل کیا ہو گا۔ وہ پُرسکون، خود مختارانہ زندگی گزار سکے گی یا اسے اپنی ضروریات کے لیے دوسروں کا دستِ نگر رہنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہونے لگا کہ ربیکا اپنے شوہر کی غیر قانونی حرکتوں اور عزائم سے پوری طرح آگاہ تھی، لیکن مجھے اندھیرے میں رکھنا چاہ رہی تھی تاکہ میں رسیاں تڑا کر اس کے چنگل سے فرار ہونے کا فیصلہ نہ کر بیٹھوں۔

تیسری کھٹکنے والی بات ان دونوں کا ناقابلِ فہم باہمی رویّہ تھا۔ ربیکا مجھ سے ملی تو اپنے شوہر سے شاکی تھی اور اس میں دُنیا جہان کی خرابیاں گنوا رہی تھی جن سے تنگ آ کر وہ بغاوت پر آمادہ ہوئی تھی۔ لیکن جب میں نے اس کی لاعلمی میں اسے فون پر والہانہ انداز میں پیمانِ وفا باندھتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تو اس نے نہایت مکاری کے ساتھ ڈارلنگٹن کی دی ہوئی آزادیوں کا استعمال اور عدم استعمال کا فلسفہ تراش کر اس تبدیلی کی ساری ذمّے داری میرے اُوپر ڈال دی، جسے میں نے تسلیم بھی کر لیا، لیکن ویرا کے انکشاف کے بعد یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ربیکا کے تعلقات اپنے شوہر سے کبھی بھی کشیدہ نہیں رہے تھے اور اگر میں رنگے ہاتھوں اس کی مست کلامی نہ سُن لیتا تو وہ بعد میں بھی اپنے شوہر سے بددلی اور بغاوت کا اظہار کرتے ہوئے مجھے احمق بناتی رہتی اور شاید ڈارلنگٹن اسی کے ہاتھوں آخرکار مجھے ذبح کرا دیتا۔

ڈارلنگٹن تنظیم کے بااختیار بڑوں میں سے ایک تھا اور شی میں وہ منصب کسی کو آسانی سے نہیں ملتا تھا۔ اس نے یقیناً اپنی بے پناہ محنت اور قربانیوں سے وہ مقام حاصل کیا تھا اور اگر اس اعزاز میں ترقی کے لیے اسے دو چار دلوں کے لیے اپنی حسین و جمیل بیوی کو بے وفائی کی اداکاری پر مجبور کرنا پڑا تھا تو مغرب کے آزاد معاشرے اور شی جیسی جرائم پیشہ تنظیم میں رہتے ہوئے یہ اس کے لیے ناگوار نہیں تھا۔ شی تو ناسور تھی۔ ایک رستا ہوا ناسور۔ جس کے سربراہ نے ڈان مرسیانو کے روپ میں خود اپنی سگی بیٹی کی بیسج کے سودے کر کے اسے بے راہ روی کی تربیت دی تھی تاکہ عورت ہونا کبھی بھی اس کی راہ کا پتھر نہ بن سکے۔ پھر ڈارلنگٹن تو جمی لائیڈ یا ڈان مرسیانو سے بہت کم تر تھا اور ربیکا سے اس کا رشتہ بھی بہت کمزور تھا۔

اس پوری کہانی میں ویرا کی کہی ہوئی ہر بات صادق آ رہی تھی۔ چبھن ہوتی تھی تو بس اس بات کی کہ ہنگامی حالات میں میرے بے سوچے سمجھے فرار کے بعد آخر ربیکا اتنی رات گئے براہِ راست مجھ سے کیسے آ ٹکرائی۔ اس واقعہ کو اگر میری بدنصیبی یا محض اتفاق سمجھ کر قبول کر لیا جاتا تو ویرا کی کہانی مکمل تھی۔

چند لمحوں میں یہ ساری تصویر میرے ذہن میں مکمل ہو گئی۔

”کہاں کھو گئے؟“ میری طرف سے سکوت محسوس کر کے ویرا نے ٹوکا۔

”تمہارے انکشاف نے ذہن سُن کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب کیا کیا جائے۔ یہ عورت مجھے آسانی کے ساتھ اپنے جال سے نہیں نکلنے دے گی۔“ میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

”میں تو بس ایک ہی مشورہ دے سکتی ہوں، شاید تم بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہے ہو۔“ اس کا لہجہ تجسّس آمیز تھا۔

”میں کچھ نہیں سوچ رہا، میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا ہے، تم بتاؤ کہ کیا فیصلہ کرنا چاہیے؟“

”اس سے پہلے کہ زہریلی ناگن تم کو ڈسے، تم پیش قدمی کر کے اس کا سر کُچل دو۔“ ویرا کی آواز میں ہلکی سی لذّت کی چاشنی پیدا ہو گئی۔ جیسے وہ ربیکا کے قتل کا فریضہ اپنے ہاتھوں سے انجام دے رہی ہو۔ ”ڈارلنگٹن کے سامنے آنے سے پہلے تمہیں یہ کام پورا کرنا ہو گا۔“

”ڈارلنگٹن نے اسے آج ہی لندن سے فون پر بتایا ہے کہ وہ

اس ویک اینڈ تک واپس نہ آسکے گا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ اس وقت میں یکایک ہی خود کو مضمحل محسوس کرنے لگا تھا۔

"وہ جھوٹی ہے۔" ویرا کی آواز کسی سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی۔ "بوڑھے شوہر سے اکتائی ہوئی وہ عورت تمھیں غافل رکھ کر رنگ رلیوں میں اُلجھائے رکھنا چاہتی ہے تاکہ اس کا شوہر جب چاہے تمھارے زخرے پر سوار ہو جائے۔ بیم گن تو تمھارے ہی پاس ہے نا؟"

"ہاں۔" وہ ذکر آتے ہی مجھے الگزینڈر یاد آگیا، لیکن میں نے ویرا کو اس بارے میں بتانا ضروری نہیں سمجھا، کیونکہ اس وقت ہم ایک اہم ترین موضوع میں اُلجھے ہوئے تھے۔ جس پر میری بقا کا دار و مدار تھا۔

"میں تمھاری کال کا یہیں انتظار کروں گی۔ اپنا کام مکمل کرتے ہی مجھے مطلع کر دینا۔"

"اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد میرا کیا ہو گیا۔" میرے اعصاب پر بوجھ ہر لمحے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ "شہر بھر میں سخت ترین چیکنگ ہو رہی ہو گی، میں باہر نکلتے ہی دھر لیا جاؤں گا۔"

"میں کوئی تدبیر سوچتی ہوں۔ اگر کچھ ممکن نہ ہوا تو تمھیں میکس کی کار کی ڈکی میں چھپا کر وہاں سے نکال لاؤں گی۔ میرے میجر والے کارڈ کی وجہ سے کوئی کار کی تفصیلی تلاشی نہیں لے گا۔"

"پھر تم آ ہی جاؤ۔ تمھارے پہنچنے تک میں اپنے کام سے فارغ ہو جاؤں گا۔ یہاں صرف ایک بوڑھی ملازمہ ساتھ رہتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اسے بھی بہلایا جا سکتا ہے کہ اس کی مالکن غسل کر رہی ہے۔"

"بس میں ابھی نکلتی ہوں۔" ویرا کی آواز ہیجان آمیز تھی۔ "ڈارلنگٹن کا فلیٹ مجھے معلوم ہے۔"

میں نے شکست خوردہ انداز میں ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

شاید سلطان شاہ سچ ہی کہتا تھا کہ میرا زوال کسی عورت کے ہاتھوں ہونے والا تھا۔ کیونکہ میں خوبصورت چہروں پر ہمیشہ اعتماد کر بیٹھتا تھا اور شاید ڈارلنگٹن میری اس کمزوری سے واقف ہو چکا تھا۔ اسی لیے اس نے خود سامنے آنے کے بجائے ربیکا کو میری راہ پر لگایا تھا۔

میری بیم گن ربیکا کی خواب گاہ میں جوتوں کی دراز میں پوشیدہ تھی۔ پچھلی رات میں نے لباس تبدیل کرتے ہوئے ربیکا کی آنکھ بچا کر اسے وہیں چھپا دیا تھا کیونکہ میں اس سے اپنے پاس کسی اسلحے کی موجودگی سے انکار کر چکا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی مرحلے پر وہ ہتھیار میری تحویل میں دیکھ کر میری طرف سے شبہات کا شکار ہو جائے، مگر اب ربیکا کے خلاف اسی بے مثال گن کے استعمال کا مرحلہ آ چکا تھا۔

میں نے اپنے اعصاب اور منتشر خیالات کو یکجا کرنے کے لیے وہیں بیٹھے بیٹھے یکے بعد دیگرے دو سگریٹیں پھونک دیں۔ سچی بات یہ تھی کہ اس وقت مجھے ربیکا کے انجام پر قلق ہو رہا تھا۔ مختصر سی دوستی اور یکجائی کے بعد اس کے خلاف یک بیک سفاکانہ رویہ اختیار کرنا میرے مزاج کے خلاف تھا۔ وہ جو کچھ بھی کر رہی تھی اس سے قطع نظر لطیف جذبات اور لطیف تر اظہارِ رائے رکھنے والی ایک خوش جمال، سُبک اندام، شیریں گفتار اور نوخیز عورت تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے وہ میرے ہاتھوں ڈارلنگٹن کے عزائم کی بھینٹ چڑھنے والی تھی۔

ویرا شاید میکس کے بار سے چل پڑی تھی۔ میرے پاس وقت کم رہ گیا تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اُٹھتے ہی میری پنڈلی میں درد کی لہر اُبھری اور میں نچلا ہونٹ دانتوں میں داب کر رہ گیا۔ پچھلی رات ربیکا نے میری پنڈلی کی ورم آلود ہڈی پر اپنے مہربان ہاتھوں سے بام کی مالش کر کے لچک دار بینڈیج باندھی تھی جس سے درد میں بہت افاقہ ہوا تھا، مگر صبح غسل کرتے ہوئے میں نے وہ پٹی اتار دی تھی۔ جس کے اثرات رفتہ رفتہ رنگ دکھا رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ ربیکا کا قصہ پاک کرنے کے بعد روانگی سے پہلے میں خود ہی پٹی باندھ لوں گا۔

میں ربیکا کی خواب گاہ میں داخل ہوا اور اس پر نگاہ پڑتے ہی اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ وہ جوتوں کی اسی دراز کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ جس میں میں نے بیم گن چھپائی تھی۔ دراز کھلی ہوئی تھی۔ اور ربیکا پھٹی پھٹی خوفزدہ نظروں سے اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی بیم گن کو دیکھ رہی تھی۔

سسپنس اور جاسوسی ڈائجسٹ کے مقبول ترین سلسلے
۶ حصے مکمل
مفرور
۳ حصے مکمل
طالوت
۵ حصے مکمل
صدیوں کا بیٹا
کتابی شکل میں تیار ہیں
آج ہی خط لکھ کر طلب فرمائیں یا اپنے قریبی بک اسٹال سے حاصل کریں
کتابیات پبلی کیشنز ○ پوسٹ بکس نمبر ۲۳ کراچی نمبر ا

"تم... تم؟... یہ تمھاری ہے؟" میری آہٹ پاتے ہی اس نے گھبرائی ہوئی خوف زدہ آواز میں کہا۔ "کل رات میں نے باہر جانے کے لیے جُوتے نکالے تو یہ یہاں نہیں تھی۔"

"لاؤ، یہ مجھے دے دو۔" میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے نرمی سے کہا تو میری آواز گمبھیر اور بھاری ہو چکی تھی۔ "یہ بے ضرر کھلونا ہے۔ تمھارے خوف زدہ ہونے کے خیال سے میں نے جوتوں کی دراز میں ڈال دیا تھا۔"

"نہیں!" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ "یہ میں تمھارے ہاتھ میں نہیں دوں گی، تمھارے تیور بھیانک ہو رہے ہیں، آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے... تمھیں کیا ہو گیا ہے؟" گھومتے ہوئے غیر ارادی طور پر بیم گن کی نال میرے سینے کی طرف ہو گئی۔

"تمھارا وہم ہے۔ تم ڈر گئی ہو۔" میں نے بہلانے کی نیّت سے قہقہہ لگانا چاہا، لیکن فوراً ہی خاموش ہو گیا۔ اس وقت مجھے اپنی آواز پر اختیار نہیں رہا تھا۔ جو لمحہ بہ لمحہ ڈراؤنی ہوتی جا رہی تھی۔

"رُک جاؤ! ورنہ میں اسے چلا دوں گی۔" اس نے تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ یہ بے ضرر نہیں ہے۔ خُدا کا شکر ہے کہ اس پر بروقت میرا ہاتھ پڑ گیا، ورنہ تم تو اس وقت وحشی درندے بنے ہوئے ہو۔ ذرا آئینے میں اپنی صورت دیکھو اور پھر مجھے بتاؤ کہ کیا تم وہی آدمی ہو، جسے میں کل رات پناہ دینے کے لیے اپنے گھر لائی تھی۔"

میں بیم گن کی مہیب آہنی نال کے ننھے سے سوراخ کو گھورتے ہوئے اپنی جگہ تھم گیا۔ "شروع سے تمھارے ارادے خراب ہیں۔ تم مستقل میری کھوج میں لگی ہوئی ہو، تمھیں یہ کھلونا نہ ملتا تو تم مجھے مارنے کے لیے کوئی اور بہانہ تلاش کر لیتیں۔ تمھیں بہلنے کی بھی کیا ضرورت تھی۔ تم رات ہی کو میرے گلاس میں زہر ملا سکتی تھیں۔ مگر تم.....؟ بوڑھے شوہر کی محروم بیوی! تم اپنے شوہر کے قیدی سے اپنی محنت کا خراج وصول کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے تم نے رات مجھے زندہ رکھا.....!"

"خاموش!" وہ روہانسی آواز میں حلق کے بل چیخی۔ "یہ تم کہہ رہے ہو، جس کے لیے میں نے وفا کا عہد توڑا۔ ارادے تمھارے خطرناک تھے جو اس وقت تمھاری صورت پر پھٹکار بن کر برس رہے ہیں... وہ دیکھو!" اس نے بیم گن کی نال میری طرف سے ہٹائے بغیر بائیں ہاتھ سے ایک دیوار گیر پینٹنگ کی طرف اشارہ کیا۔

"میں پستول چلانا جانتی ہوں۔ میں نے تمھارے اس بے ضرر کھلونے کا سیفٹی کیچ ہٹا کر اس تصویر پر فائر کیا تھا اور تم دیکھ رہے ہو کہ مہلک شعاعوں نے تصویر سے گزر کر دیوار کی کنکریٹ کو کئی انچ کی گہرائی تک راکھ بنا دیا ہے۔ اب میرے قریب نہ آنا ورنہ اس بار یہ شعاعیں تمھارے بدن کو چاٹ جائیں گی۔" غصّے اور ہیجان کے باعث اس کا سانس پھُولنے لگا تھا اور سینے کے زیر و بم دور ہی سے نمایاں نظر آ رہے تھے۔

"میرے ارادے نیک تھے۔" میں نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد کہا۔ "لیکن یہ مجھے اب پتا چلا کہ تم آئی مین کی بیوی ہو اور تم دونوں نے ایک سازش کے تحت مجھے پھانسا"

"کیا بک رہے ہو؟" وہ غصّے میں جھنجلا کر بولی۔ "میں حلف اٹھا سکتی ہوں کہ میں کسی آئی مین کو نہیں جانتی، میرے شوہر کا نام ڈارلنگٹن ہے۔ جیف ڈارلنگٹن۔ سمجھے تم!"

مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ اس کے الفاظ اور لہجے میں بے ساختگی تھی، وہ آئی مین کو بھی ایک نام سمجھ رہی تھی اور اگر میں نے زندگی بھر بھاڑ ہی نہیں جھونکا تھا تو میرے تجربے کی روشنی میں وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔

تو کیا ویرا نے رقابت کے جوش میں مجھے اس کے خلاف ورغلانے کی کوشش کی تھی؟ میرے ذہن میں سوال اُبھرا اور چند ثانیوں کے لیے میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔

"میرے بارے میں جیف ڈارلنگٹن کی کیا رائے ہے؟" چند سیکنڈ تک خاموش رہنے کے بعد میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد اور بے رحمانہ لہجے میں سوال کیا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو، تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ تیز مگر ہراساں لہجے میں بولی۔ "اسے تمھاری موجودگی کی بھنک بھی مل گئی تو وہ تمھاری بوٹیاں کُتّوں کو کھلا دے گا۔ اُن کے سمجھوتے اور بے غیرتی میں بڑا فرق ہوتا ہے....."

"اور ڈارلنگٹن بے غیرت نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات میں ٹکڑا لگایا۔ "تمھیں یہ بھی علم نہیں ہے کہ وہ ہیروئن فروشوں کی ایک عالمی تنظیم کے لیے کام کرتا ہے؟"

"مجھ سے حلف لے لو، جو مجھے ذرا بھی علم ہو۔ میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ اسے بے تحاشا آمدنی ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ اپنے کاروباری معاملات میں مصروف رہتا ہے۔ میں خود تم سے کہہ چکی ہوں کہ اس کے پولیس والوں سے گہرے مراسم ہیں۔ مجھے اس کی سرگرمیوں پر شبہ ہے، لیکن یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن تمھیں ڈارلنگٹن کے بارے میں اچانک یہ سب کیسے معلوم ہو گیا؟ مجھے پورے گھر میں اس کے کاروبار کے بارے میں کوئی کاغذ نہیں ملا۔"

"میرے اپنے بھی کچھ وسائل ہیں۔" میں نے محسوس کیا کہ بیکا سے بازپُرس کے نتیجے میں میرا دماغ آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہوتا جا رہا تھا کیونکہ اس کے الفاظ میں وزن اور لہجے میں بلا کی اپیل تھی۔

"تمھیں میرے بارے میں کس نے بہکایا ہے؟" وہ میرے سینے کی طرف سے بیم گن ہٹائے بغیر رو دینے والی آواز میں بولی۔ "میں تو تمھیں ڈرائنگ روم میں ٹھیک ٹھاک چھوڑ کر آئی تھی بلکہ

وہ ایک دم ہی چونک پڑی۔ "میں سمجھ گئی۔ تم کو میکس کے شراب خانے میں کام کرنے والی اسی کُتیا نے بھڑکایا ہو گا جو تم سے رقم اینٹھتی رہی ہے۔ تم نے اسے بتا دیا ہو گا کہ اب تم میرے ساتھ رہو گے۔ وہ کُتیا کی بچی یہ برداشت نہ کر سکی ہو گی کہ ایک موٹی اسامی اتنی آسانی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ کچھ تم نے اسے بتایا ہو گا' باقی نمک مرچ اس نے لگا دیا۔"

"تم نے ڈارلنگٹن کے پاس کبھی سلور آئی دیکھی ہے؟" آخرکار میں نے اس کا تبصرہ نظر انداز کرتے ہوئے اس سے وہ اہم ترین سوال بھی کر ہی ڈالا۔

"یہ کیا چیز ہے؟ میں تمھیں ایک بار پھر بتا رہی ہوں کہ اس کے ذاتی معاملات کے بارے میں میں بالکل اندھیرے میں ہوں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کن لوگوں سے ملتا ہے۔"

"سلور آئی پاؤنڈ اسٹرلنگ کے برابر ایک گول طلائی سکّہ ہے جس پر خالص چاندی سے دونوں طرف ابھری ہوئی نیم وا انسانی آنکھ ڈھلی ہوئی ہے۔" میں نے بیم گن کی موجودگی اور ربیکا کی غیر متوازن ذہنی حالت کے پیشِ نظر اپنی جیب سے سلور آئی نکالنے کی کوشش کیے بغیر پُرخیال لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"وہ تو سونے کی چین میں پڑا ہوا ایک عجیب لیکن بہت خوبصورت پینڈینٹ ہے۔ جسے وہ ہر وقت لباس کے نیچے گلے میں پہنا رہتا ہے۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اضطراری لہجے میں بول پڑی۔ اور میرے دہانے سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔

"تم واقعی بے قصور ہو۔" بوجھل خاموشی کے بعد میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمھاری بدقسمتی صرف اتنی ہے کہ نادانستگی میں تم مجرموں کی عالمی تنظیم کے ایک اہم رکن سے شادی کر بیٹھی ہو اور وہ سب میرے لہو کے پیاسے ہیں۔ تم اتفاقاً مجھ سے ٹکرائیں لیکن حقائق سامنے آنے پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ تم اپنے شوہر کی شریکِ کار ہو۔"

"یہ لو!" اس نے اچانک بیم گن کا سیفٹی کیچ چڑھا کر اسے میری طرف اُچھال دیا۔ "اور اب اس جُرم کی پاداش میں میرا بدن چھلنی کر دو' تب بھی مجھے تم سے کوئی شکوہ نہ ہو گا۔" رندھی ہوئی آواز میں اپنی بات پوری کرتے ہی وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر بلک کر رو پڑی۔

میں اپنی جگہ سے ہلے بغیر بیم گن اپنی جیب میں ڈال کر کسی احمق کی طرح اپنا سر کھُجانے لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ربیکا کی دلجوئی کر کے اسے خاموش کرانے کی کوشش کروں یا اسے کمرے میں تنہا چھوڑ کر باہر نکل جاؤں تاکہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے

معاً ڈور بیل بجی۔ شاید ویرا میری توقع سے بھی کم وقت میں وہاں آ پہنچی تھی۔ گھنٹی کی آواز سُن کر ربیکا نے سر اٹھایا تو ان چند ہی لمحوں میں اس کی نازک اور غزالی آنکھیں سُرخ اور متورم ہو چکی تھیں اور پورا چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوئیں تو اس کی آنکھوں میں ملامت آمیز شکوہ چنگھاڑ رہا تھا۔ میں نے اس کی نظروں کی تاب نہ لا کر سر جھُکا لیا۔ میں نے واقعی اس کے ساتھ زیادتی کی تھی

"جاؤ' جا کر تم ہی دیکھو کہ کون آیا ہے۔" اس نے بھرّائی ہوئی عصیلی آواز میں کہا۔ "میں اس حالت میں کسی کے سامنے جا کر خود کو تماشا نہیں بناؤں گی۔"

میں ایک لفظ بھی کہے بغیر دبے قدموں خواب گاہ سے نکل گیا۔ راہداری میں ہی بوڑھی خادمہ مل گئی۔ جس کے ہاتھ میں آنے والے کا کارڈ دبا ہوا تھا۔ میں نے ملازمہ کو اشارے سے روک کر کارڈ اس کی چٹکی سے لے لیا اور اس پر گیری ہارٹ لکھا ہوا دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔

سادہ کارڈ پر نام کے علاوہ کچھ بھی نہیں چھاپا گیا تھا۔ بوڑھی ملازمہ فرنچ میں مجھے کچھ بتانے کی کوشش کر رہی تھی' لیکن اس لمحے میرا ذہن اچانک خلا میں پرواز کرنے لگا تھا۔ ویرا کی بات نہ مان کر شاید میں نے اپنی زندگی کی بدترین غلطی کی تھی۔ کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ گیری شی کا مقامی چیف تھا۔ جس سے میرا اندے کے مکان پر فون کے ذریعے ویرا کی بات ہوئی تھی۔

میری نظروں میں ربیکا کا ابھرا ابھرا روتا ہوا چہرہ اُبھر آیا۔ جس میں سُرخ اور متورم آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں اور میں اپنی مُٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ گیری کی وہاں آمد اس بات کا ثبوت تھی کہ شی والوں کو میرا سُراغ مل چکا تھا اور میرا ہانکا شروع کر دیا گیا تھا۔ ان تک یہ خبر صرف ربیکا ہی پہنچا سکتی تھی۔ ورنہ پورے شہر میں کسی کو علم نہیں تھا کہ میں کہاں روپوش تھا۔

جو ہونا تھا' وہ ہو چکا تھا۔ اس پر اپنی ذہنی توانائی برباد کرنے کے بجائے مجھے تن بہ تقدیر ہو کر آنے والے غیر یقینی حالات کا سامنا کرنا تھا۔ میں جیب میں پڑی ہوئی بیم گن کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے گیری کے استقبال کے لیے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

بوڑھی ملازمہ مجھے یوں حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے اسے میری دماغی صحت پر شُبہ ہو رہا ہو۔

جیف ڈارلنگٹن شی کا ایک سرگرم اور اہم کارندہ تھا جو اپنی خدمات کی بنا پر جنوبی فرانس میں واحد آئی ٹی کے درجے پر فائز تھا۔ ربیکا اس کی بیوی تھی جو بظاہر اتفاقاً مجھ سے آ ٹکرائی تھی اور اپنی رفاقت کا یقین دلا کر ڈارلنگٹن کے مکان میں

لے آئی تھی۔ ویرا نے مجھے سمجھانا چاہا کہ وہ اتفاق نہیں تھا بلکہ ربیکا نے دانستہ مجھے اپنے جال میں پھانسا تھا لیکن ربیکا سے بات کرنے کے بعد اس کے لہجے کی بے ساختگی اور چہرے کی معصومیت کی بنا پر مجھے اس کی بے گناہی کا یقین آگیا اور اب مارسیلز میں تھشی کا مقامی چیف 'گیری ہارٹ' ربیکا کے فلیٹ کے دروازے پر موجود تھا جس کا مطلب تھا کہ تھشی والوں کو اس فلیٹ میں میرے قیام کی اطلاع مل چکی تھی اور اسی کے ساتھ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوششوں کا آغاز ہو چکا تھا۔

اس وقت میں دوبارہ ربیکا سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے ہر حال میں گیری ہارٹ کا سامنا کر کے اپنے طور پر صحیح فیصلے کرنے تھے ورنہ ڈارلنگٹن کا وہ فلیٹ میرا مقبرہ بن سکتا تھا۔

ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کی یلغار میں میں نے آہستگی سے فلیٹ کا دروازہ کھول دیا اور محسوس کیا کہ آنے والا دروازے کے پیچھے میرا چہرہ دیکھتے ہی تھوڑا سا مضطرب نظر آیا تھا۔

وہ مضبوط جسم والا ایک دراز قامت اور خوش پوش شخص تھا جس کے چہرے کی جلد یوں جھلسی ہوئی تھی جیسے وہ ان دنوں کثرت سے سن باتھ لیتا رہا ہو۔ اس کی آنکھیں چمکیلی اور تیز تھیں جن میں ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ میرے چہرے پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ اس وقت ان نگاہوں میں تحیر آمیز تجسس کے ساتھ ہی شبہات کی پرچھائیاں بھی لرز رہی تھیں لیکن اس سے فوری طور پر کسی اشتعال آمیز رویے کی امید نہیں تھی۔

نگاہیں چار ہونے کے بعد ہم دونوں چند ثانیوں تک ایک دوسرے کو حریفانہ انداز میں گھورتے رہے پھر اچانک ہی اس کے لبوں پر نرم تبسم نمودار ہوا جس نے کشیدگی کا احساس بڑی حد تک کم کر دیا۔ پھر اس نے فرنچ میں کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے ہاتھ اٹھا کر مصالحانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں فرنچ جیسی میٹھی اور محبت آمیز زبان سے نابلد ہوں۔ میرے ساتھ تمہیں انگریزی میں بات کرنا ہوگی۔ بہتر ہوگا کہ پہلے تم اندر آجاؤ، باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔" میں نے اس کے لیے راستہ چھوڑتے ہوئے پیشکش کی لیکن وہ جھجک اور بے یقینی کے عالم میں وہیں کھڑا رہا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو یہ فلیٹ مسز ربیکا ڈارلنگٹن کا ہے؟" اس نے انگریزی میں استفسار کیا۔

"میں نے اسے بے دخل کر کے فلیٹ پر قبضہ نہیں کیا ہے بلکہ میں اسی کا مہمان ہوں۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ مار کر خود کو صورتِ حال کی طرف سے بے پروا ظاہر کرنے کی نیت سے کہا۔ "تم بے فکری کے ساتھ اندر آسکتے ہو۔ مسز ربیکا کی طبیعت اس وقت کچھ ناساز ہے، شاید چند منٹ بعد وہ خود تم سے مل سکے گی۔"

وہ چوکھٹ عبور کر کے اندر آگیا۔ اس دوران میں میں نے اس کے لباس کی جیبوں پر نگاہ ڈال کر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ غیر مسلح نہیں تھا۔

"مسٹر گیری ہارٹ!" میں نے ڈرائنگ روم میں اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بلند آواز میں اس کا کارڈ پڑھتے ہوئے کہا۔ "بڑے تنویر کتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا پینا پسند کرو گے؟"

"اس وقت صرف کافی۔" اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "آج صبح ہی سے کافی سرد ہوائیں چل رہی ہیں اور آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا ہے۔"

ربیکا کی ملازمہ آدابِ میزبانی سے اچھی طرح واقف تھی اور اس اثنا میں ڈرائنگ روم کے اندرونی دروازے پر آموجود ہوئی تھی۔ میری زبان سے کافی کا لفظ سنتے ہی وہ تیزی سے اندر غائب ہو گئی کیونکہ اس وقت وہ ایک لفظ ہی ایک جامع ہدایت کا درجہ رکھتا تھا۔

"موسم کی خرابی اپنی جگہ ہے لیکن مارسیلز تو آج کل ایک ڈراؤنا خواب بن کر رہ گیا ہے...." میں نے اس کے جواب میں دانستہ ادھوری بات کہی۔ اس وقت میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں اس سے اپنی گفتگو کا کوئی خاص ڈھب سوچ رہا تھا جس کے ذریعے اس کی آمد کا مدعا دریافت کیا جا سکے۔

"ڈراؤنا خواب!" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "مارسیلز تو باہر سے آنے والوں کے لیے خوابوں کی جنت ثابت ہوتا ہے۔ تم شاید اسی فلیٹ میں دبک کر بیٹھ گئے ہو اس لیے تمہیں مارسیلز کے ارمان انگیز تجربات سے واسطہ نہیں پڑا ہے ورنہ یہ شہر تو بہت خوبصورت ہے، یہاں رہنے والے اس سے بھی زیادہ خوبصورت اور مہمان نواز ہیں۔"

"تم درست کہہ رہے ہو لیکن فائر کیمپ کے خونیں حادثے نے اس شہر کی رنگینیوں کو چاٹ لیا ہے۔ یہاں سالوں میں اتنے لوگ نہ مرتے ہوں گے جتنے چند لمحوں میں لقمۂ اجل بن گئے۔"

اس کے چہرے پر تاریکی کا ایک سایہ سا آکر گزر گیا کیونکہ فائر کیمپ اس کی کمزوری تھی۔ تھاشی کے مقامی چیف کی حیثیت میں وہ تنہا اس اسلحے کی حفاظت اور انتظام کا ذمے دار تھا۔

"ناگہانی حادثے دنیا میں ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں لیکن منچلوں کی یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے۔ چند روز میں مارسیلز کے دامن کا یہ داغ بھی دھندلا جائے گا اور یہاں کی روایات پھر سیاحوں کو اپنی طرف کھینچنے لگیں گی۔ مارسیلز تو پھر صدیوں قدیم روایات کا امین ہے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ آئے دن ہونے والے فضائی حادثات کے باوجود دن بدن ہوائی سفر کے رجحان میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ کبھی روس کوریا کے مسافر بردار طیارے کو گرا لیتا ہے اور کبھی امریکی کمپیوٹر

ران کے مسافر بردار طیارے کو ہولناک فضائی عفریت سمجھ کر میزائل ت نہ بنا دیتا ہے لیکن پھر بھی جہاز سے سفر کرنے والوں کی تعداد میں کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔“

”تمھاری مصروفیت کیا ہوتی ہے مسٹر گیری ہارٹ“ موقع پاتے میں نے ایک ذو معنی اور چبھتا ہوا سوال داغ دیا۔

”اتنی مختصر سی شناسائی میں یہ سوال ہمارے یہاں معیوب سمجھا ہے۔“ اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ”میری مصروفیت سے تمھاری صحت کو کوئی خطرہ لاحق ہو تو دوسری بات ہے۔“

میں ہنس پڑا۔ ”تمھاری گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ سی ائیرلائن کی ایجنسی چلاتے ہو۔ بس اسی خیال کی تصدیق کے لیے چھ لیا تھا ورنہ اس دور میں تو کوئی بھی کاروبار باعثِ عار نہیں رہا ے۔ قتل کرنے اور ہیروئن بیچنے والے بھی اپنے پیسے کے زور پر معاشرے ں معزز اور اشراف سمجھے جاتے ہیں۔“

”اپنی صاف گوئی پر میں معذرت خواہ ہوں مگر تمھیں یہ ضرور نا چاہوں گا کہ تمھارا مُبہم اور طنزیہ اندازِ گفتگو مجھے ذرا بھی پسند یں آیا۔“ اس نے خشک لہجے میں کہا۔ ”اگر مسز ربیکا کے آنے میں رہے تو میں تمھارے ساتھ بیٹھنے کے بجائے تنہا انتظار کرنے کو جیح دوں گا۔“

”تم میری توہین کر رہے ہو۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ل کر کہا۔ ”یہ نہ بھولو کہ ربیکا کے آنے تک میں ہی تمھارا میزبان ں اور ہر ناپسندیدہ ملاقاتی کو مکان سے باہر پھینک دینے کا اختیار تا ہوں۔“

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور بولا۔ ”مسز ربیکا سے سامنا رنے تک میں تمھیں برداشت کرنے پر مجبور رہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ں بداخلاقی پر وہ تمھیں ضرور سرزنش کریں گی۔“

”تو سن لو کہ ربیکا تم سے نہیں مل سکے گی۔“ میں نے تلخ لہجے میں کہا ے اس وقت ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔ میں اسے کسی مشکوک قاتی سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

وہ یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا اس کا دھوپ سے جھلسا ہوا چہرہ ے میں سرخ ہو گیا۔ ”تم لٹیرے ہو اور تم نے مسز ربیکا کو اپنا قیدی بنا اس گھر پر تصرف حاصل کیا ہوا ہے۔ میں اسی امر کی تصدیق کے آیا تھا اور اگر تم نے فوری طور پر مسز ربیکا کو آزاد نہ کیا تو میں تمھیں یس کے حوالے کر دوں گا۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے پھرتی کے ساتھ ا جیب سے اعشاریہ تین دو کا پستول نکال کر میری طرف تان لیا۔

”تمھیں کس نے ربیکا کی دیکھ بھال پر مامور کیا ہے؟“ میں نے فزدہ ہوئے بغیر کاٹ دار لہجے میں سوال کیا۔

”مارسیلز میں وہ لاوارث نہیں ہے...“ اس نے غصیلے لہجے میں کہنا شروع کیا مگر میں نے زہریلے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

”مجھے معلوم ہے کہ مس مارسیلز کے اس شہر میں سیکڑوں عاشق اور خیر خواہ ہوں گے جن کے سروں پر وہ اپنی جوتی توڑنا بھی پسند نہیں کرے گی۔ اس فلیٹ میں اپنی موجودگی کا کوئی مضبوط جواز بتاؤ ورنہ میں تمھارے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر آنتیں باہر اُلٹ دوں گا۔“

اسی لمحے خادمہ کافی کی ٹرالی دھکیلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور ہم دونوں خاموش ہو گئے لیکن جوں ہی ٹرالی میرے سامنے آئی میں نے اسے ٹھوکر سے گیری ہارٹ کی طرف اچھال دیا۔ بوڑھی خادمہ چیخ مار کر ایک طرف ہو گئی اور بید مجنوں کی طرح کانپنے لگی کیونکہ میری لات کی گردش کے ساتھ ہی اسے گیری ہارٹ کے ہاتھ میں دبا ہوا پستول بھی نظر آ گیا تھا جسے گیری ملازمہ سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے خود کو ٹرالی اور کھولتے ہوئے کافی پاٹ سے بچانے کی پوری کوشش کی لیکن چہرہ بچنے کے باوجود اس کا سینہ اور ایک بازو بھاپ اُڑاتے ہوئے پانی کی زد میں آ گیا۔ میرے لیے بس وہی ایک لمحہ کافی تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑی اور گیری پر ٹوٹ پڑا۔

وہ خاصا جسیم اور شہ زور تھا اس لیے میں اسے گرانے میں کامیاب نہ ہو سکا لیکن اس کے ہاتھ سے پستول ضرور نکل گیا جو میرے لیے ایک بھیانک خطرہ تھا۔ اسی اثنا میں بوڑھی فرنچ ملازمہ ایک نحیف سی چیخ مار کر بے ہوش ہو چکی تھی اور ہم دونوں ڈرائنگ روم کے وسط میں وحشی سانڈوں کی طرح ایک دوسرے کو رگیدنے پر تلے ہوئے تھے۔

گیری ہارٹ سے باقاعدہ جسمانی تصادم کا آغاز ہونے تک مجھے پورا یقین تھا کہ میں جلد ہی اسے زیر کر لوں گا لیکن وہ میرے مقابلے میں کسی چٹان کی طرح ڈٹا ہوا تھا اور بار بار میری ٹانگوں میں اپنی پنڈلیاں پھنسا کر مجھے گرانے کی کوشش کر رہا تھا اور مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس پر کوئی بھرپور داؤ نہ لگایا گیا تو وہ کسی بھی لمحے مجھے زیر کر کے میرے سینے پر چڑھ بیٹھے گا اور میں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گا۔

ایک بار جوں ہی میرے اوپری دھڑ کی جھونک میں اس کے دونوں ہاتھ نیچے گرے اور اس کا چہرہ ایکسپوز ہوا میں نے پوری قوت کے ساتھ اس کے چہرے پر ٹکر رسید کی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ میری ٹکر نے اس کی ناک اور دہانہ لہولہان کر دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میرا وہ وار فیصلہ کن تھا۔ میں ایسی ہی چند وحشیانہ کوششوں کے بعد آسانی کے ساتھ اسے زمین بوس کر سکتا تھا۔

”ٹھہرو۔“ اچانک فضا میں ایک تحکم آمیز نسوانی آواز گونجی۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے؟“

گیری پر اس آواز کا اثر حیرت ناک تھا۔ اس کے سست پڑتے ہی میں نے اس کے چہرے پر ایک اور وحشیانہ ٹکر رسید کی اور وہ لڑکھڑا کر دور جا گرا۔ اسی کے ساتھ میں بھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا

میں نے پلٹ کر دیکھا تو ربیکا اپنی ورم آلود سرخ آنکھوں سمیت دروازے پر موجود تھی۔ شاید ڈرائنگ روم میں ہونے والی دھماچوکڑی نے اسے خواب گاہ سے وہاں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی ربیکا نے بھرائی ہوئی مگر غصیلی آواز میں سوال کیا۔

"تمھارا مہمان بہت سرکش اور گستاخ ہے۔" میں نے قالین سے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے گیری ہارٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "سُنا ہے کہ فرنچ بہت حساس اور نازک مزاج ہوتے ہیں لیکن یہ تو پتھر کی طرح ٹھس اور بے حس نکلا۔ موقع ملتے ہی مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔" میں نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے، یہ تو گیری ہارٹ ہے!" ربیکا نے غور سے اس کے لہولہان چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "یہ تو جیف ڈارلنگٹن کے مرغی خانوں اور فروٹ فارمز کا منشی ہے، اسے کیا ہوا؟" اس کی بے خبری میرے لیے حیران کن تھی۔

"اسے اس کی اَنا نے لہولہان کر دیا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "یہ منشی کے بجائے خود کو تمھارا نگہبان سمجھ بیٹھا تھا اور ابھی تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔"

جواب میں گیری ہارٹ نے فرنچ زبان میں ربیکا سے مخاطب ہو کر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ربیکا نے اسے ٹوک دیا۔ "انگریزی میں بات کرو گیری! تاکہ تمھاری بات سب کی سمجھ میں آ سکے۔ تم زخمی ہو اور میری ہمدردیاں تمھارے ساتھ ہیں لیکن میں کسی ناانصافی یا بے جا طرف داری کو پسند نہیں کروں گی۔"

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" اس بار گیری ہارٹ انگریزی میں بولا تھا۔ "تشدّد میں اس نے خود پہل کی ہے، میں تو صرف تم سے ملنے آیا تھا لیکن یہ بضد تھا کہ مجھے تم سے نہیں ملنے دے گا۔"

"لیکن تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے مائی ڈیئر ڈارلنگ؟" ربیکا نے ہمدردانہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔ "تم جانتے ہو کہ ڈارلنگٹن بھی اپنے گھر میں تمھاری آمد کو زیادہ پسند نہیں کرتا پھر تم اس کی غیر موجودگی میں یہاں کیا لینے آئے تھے، مرغی خانوں اور فروٹ فارمز کے بارے میں مجھے تو ذرا بھی معلومات نہیں ہیں۔" میرے قیاسات کے برعکس اس کا لہجہ سرد مہرانہ تھا۔

"مرغی خانوں سے نہ مجھے دلچسپی ہے اور نہ جیف ڈارلنگٹن کسی برڈز فارم کا مالک ہے۔" وہ قدرے برا مان کر بولا۔ "میں اس کی ہدایت پر تم سے ملنے آیا تھا۔"

"اس کی ہدایت تمھیں کیسے مل گئی؟ وہ تو کئی دن سے انگلینڈ گیا ہوا ہے۔" ربیکا نے ترش لہجے میں سوال کیا۔

گیری ہارٹ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ تلخ لہجے میں پھٹ پڑا۔ "تم کو یہ سب اسی سے پوچھنا چاہیے۔ میرا قصور صرف اتنا
میں اس کو جواب دہ ہوں اور اس نے مجھے ایک کام پر مامور
جس کی انجام دہی میں نہ صرف تمھارا مہمان بلکہ تم خود بھی
میں نے قالین پر گرا ہوا اس کا پستول اٹھا کر اسی کی طرف
لیا۔ "تم یہاں مجبور اور زیردست ہو اس لیے بہتر ہوگا کہ اشارو
میں بات کرنے کے بجائے پوری تفصیل بتلاتے چلے جاؤ ورنہ
کی پروا کیے بغیر تمھیں خون میں نہلا دوں گا اور تم اپنے قدموں پر
واپس نہ جا سکو گے۔"

میرے تلخ اور فیصلہ کن لہجے نے اسے خوفزدہ کر
چند ثانیوں تک عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر
لہجے پر قابو پاتے ہوئے بولا "تم نے میرے ساتھ جو کچھ زیادتی
اس پر مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میں اپنے رویے پر نادم ہوں
اب مجھے واپسی کی اجازت دے دو۔"

"یہ ناممکن ہے، اپنی آمد کا پورا پس منظر اور مدعا بتائے
یہ دہلیز پار نہ کر سکو گے۔"

گیری نے بے بسی سے ربیکا کی طرف دیکھا اور وہ شانے
کر رہ گئی۔ "شاید تم دیکھ رہے ہو گے کہ میری آنکھیں سرخ اور
ہو رہی ہیں۔ میں اپنڈکس کے شدید درد میں مبتلا ہوں۔ میرا ذہن
مفلوج ہو رہا ہے لہٰذا تمھیں وہی کچھ کرنا ہو گا جو یہ چاہ رہا ہے۔
تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گی۔"

"اور اگر تم ربیکا کے اس مشورے کو بھی قابل قبول نہیں
میں اپنے افسرانہ اختیارات سے کام لینے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"
اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر کہا۔ "میں اب تک
سے کھیل رہا ہوں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میں ڈارلنگٹن سے کسی طرح
کم نہیں ہوں۔"

شاید میری بات کا پورا مفہوم اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو لیکن
حیرت سے کھل گیا۔ "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو، پہیلیاں بجھوانے
بجائے مجھ سے کھل کر بات کرو۔"

"بات بالکل سامنے کی ہے..." میں نے ایک ایک لفظ پر زور
کر کہا۔ "جو منصب ڈارلنگٹن کا ہے وہی میرا ہے فرق صرف
کہ اس وقت اس کے گھر اور اس کی بیوی پر میرا تصرف ہے
ہے اور میں اپنی پوری قوت اور صلاحیت کے ساتھ تمھارے
موجود ہوں۔"

وہ چند ثانیوں تک پھٹی پھٹی نگاہوں سے بے یقینی کے
میری طرف دیکھتا رہا پھر کھوکھلے لہجے میں بولا۔ "میں نہیں
اگر تم وہی ہو جو مجھے سمجھانا چاہ رہے ہو تو مجھے ثبوت درکار
تم میرے سینے پر پورا میگزین خالی کر دو تب بھی میری زبان

کے گی۔"

"میں تمھیں کیا سمجھانا چاہ رہا ہوں؟" میں نے اس کی بے یقینی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں سوال کیا کیونکہ میرے اتھ میں پستول کی موجودگی میں وہ کوئی غلط حرکت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

"اب تم میری زبان نہ کھلوا سکو گے۔" وہ قدرے توقف کے بعد مضبوط لہجے میں بولا۔ "تمھارا دعویٰ درست ہوا تو تم مجھے اپنا ندۂ بے دام پاؤ گے۔"

"یہ کیا سلسلہ شروع کر دیا تم نے؟" ربیکا قدرے ناگواری کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "تم بلاوجہ ایک ادنیٰ ملازم کو اہمیت دے رہے ہو۔ یہ میرے شوہر کا منشی ہے اور اگر میں اس سے بات نہیں رنا چاہتی تو یہ ایک لمحے کے لیے بھی میری چھت کے نیچے نہیں رک سکتا...."

"تم قانونی بات کر رہی ہو اور یہ قانون شکنی سے روزی کماتا ہے۔" یں نے پستول کی نال سے گیری ہارٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمھارا شوہر ان قانون شکنوں کا سردار ہے اس لیے مجھے اسی کی زبان میں بات کرنا ہوگی ورنہ یہ میری کسی بات کا جواب نہیں دے گا۔"

"یہ پہلے ہی زخمی ہو چکا ہے۔ میں اپنی چھت کے نیچے مزید خون خرابے کی اجازت نہیں دے سکتی۔" ربیکا نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔ شاید ڈارلنگٹن کے بارے میں میری کہی ہوئی بات اسے ناگوار گزری تھی۔ اب تک کے طرزِ عمل سے ربیکا نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ میرے بارے میں کسی سازش میں شریک نہیں تھی اور نہ ہی گیری ہارٹ سے اس کی کوئی ملی بھگت تھی بلکہ وہ اپنے آقا ڈارلنگٹن کی براہِ راست ہدایت پر کسی خاص مقصد کے تحت وہاں آیا تھا۔ ربیکا بھی وہ بات سمجھ چکی تھی لیکن اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کی موجودگی میں اس کے شوہر پر کسی بھی قسم کی تنقید کی جائے۔

"میں کوئی خون خرابا نہیں کرنا چاہتا لیکن اس کی ضرورت پیش آ گئی تو پھر تمھاری اجازت لینے کی مہلت بھی نہ مل سکے گی۔ تم ازراہِ کرم اندر چلی جاؤ اور مجھے اس سے نمٹنے دو کیونکہ یہ میرا شکار ہے۔" میں نے کہا۔

"تمھارا لب و لہجہ جارحانہ ہے۔ تم کو اس کے منہ لگنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ میں اسے فوراً باہر نکالنے پر آمادہ ہوں۔"

"یہ پینڈنٹ والا چکر ہے۔" میں نے اسے بحث پر آمادہ پا کر سنجیدگی کے ساتھ کہا اور اپنی جیب سے سلور آئی نکال کر اس کے سامنے کر دی۔

ربیکا نے حیرت کے ساتھ میری ہتھیلی پر چمکتی ہوئی سلور آئی کو دیکھا تھا اور جب میں نے نقرئی آنکھ والا وہ طلائی سکہ گیری ہارٹ کو دکھایا تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے بل قالین پر میرے سامنے جھک گیا۔ ربیکا کے لیے گیری کا وہ ردِعمل حیران کن ثابت ہوا تھا۔

"یہ تو وہی پینڈنٹ ہے جو ڈارلنگٹن گلے میں پہنے رہتا ہے۔ یہ تمھارے پاس کہاں سے آیا؟ گیری اسے دیکھ کر تم سے خوفزدہ کیوں ہو گیا ہے؟" ربیکا نے حیرت سے مجھ پر سوالات کی یلغار کر دی۔

"یہ ایک تنظیم کا شناختی نشان ہے۔" میں نے سلور آئی واپس جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ جس کے پاس ہو اس کے لیے دوسرے ارکان اسی عقیدت اور احترام کا مظاہرہ کرتے ہیں جو گیری میرے لیے کر رہا ہے۔ اب تھوڑی دیر کے لیے تم خاموش رہو اور مجھے گیری سے اپنے مذاکرات مکمل کرنے دو۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" سکوت ہوتے ہی گیری بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے تم پہلے ہی اپنی حیثیت سے آگاہ کر دیتے تو مجھ سے کوئی گستاخی سرزد نہ ہوتی۔ تمھیں معلوم ہے کہ ڈارلنگٹن بھی آئی مین ہے اور تمھاری طرح اس کے احکام بھی میرے لیے قابلِ تعظیم ہوتے ہیں۔"

"تمھیں اس نے لندن سے فون کیا تھا؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"تھوڑی دیر قبل اس نے مجھے فون کر کے ہدایت کی تھی کہ میں اس کے گھر آ کر یہ دیکھوں کہ یہاں اس کی بیوی کے پاس کون آیا ہوا ہے۔ اس نے فون پر اپنی بیوی سے بات کرتے ہوئے اس کے لب و لہجے اور انداز میں نمایاں تبدیلیاں محسوس کی تھیں اور میرے ذریعے وہ ان تبدیلیوں کا سبب دریافت کرنا چاہتا تھا۔ یہاں سے واپس لوٹ کر مجھے لندن فون کر کے اسے اپنی رپورٹ سے آگاہ کرنا تھا۔"

"پھر تم نے یہاں کیا دیکھا؟ اُسے کیا رپورٹ دو گے؟"

وہ بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگا۔ "میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ جو تم چاہو گے اس سے وہی کہہ دوں گا بلکہ تم چاہو تو میں یہیں سے تمھارے سامنے اسے فون کیے لیتا ہوں۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ میں نے ربیکا سے لندن کا وہ فون نمبر نوٹ کرنے کے لیے کہا جس پر گیری ہارٹ ڈارلنگٹن کو فون کرنے والا تھا لیکن اسی وقت ایک مرتبہ پھر فلیٹ کی ڈور بیل چیخ اٹھی۔

اندرونی دروازے کی اوٹ سے ربیکا کی ملازمہ دروازے کی طرف لپکی تھی۔ مجھے امید تھی کہ اس بار آنے والی یقیناً ویرا ہی ہوگی لیکن جب تک وہ سامنے نہ آ جاتی، تجسس برقرار رہتا لہٰذا ہم تینوں ہی خاموشی کے ساتھ ملازمہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

چند ثانیوں بعد ہی داخلی دروازے کی جانب سے ملازمہ

کی ہلکی سی چیخ سن کر ہم چونک پڑے لیکن اس سے قبل کہ ہم میں سے کوئی دروازے کی طرف جانے کا فیصلہ کرتا ملازمہ اس حالت میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوتی نظر آئی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ بدن پر کپکپی طاری تھی اور اس کے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھے ہوئے تھے۔

اس کے پیچھے ویرا نظر آئی جس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ اسے علم نہیں ہو سکا تھا کہ اس سے بات ہونے کے بعد اس فلیٹ میں کیا تبدیلیاں نمودار ہو چکی تھیں۔ اس لیے وہ اپنے ہی انداز میں وہاں وارد ہوئی تھی۔ شاید اسے یقین تھا کہ اس وقت تک میں نے ربیکا کو جہنم واصل کر دیا ہو گا اور خود فلیٹ کے کسی کونے کھدرے میں چھپ کر اس کی آمد کا انتظار کر رہا ہوں گا تاکہ وہ مجھے ربیکا کے فلیٹ سے بحفاظت نکال لے جا سکے۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہونے پر میرے ہاتھ میں پستول، گیری ہارٹ کو گھٹنوں پر کھڑا ہوا اور میرے نزدیک مس مارسیلز کو پوری طرح چاق و چوبند دیکھ کر ویرا چونکی اور پھر اس کی خونخوار نگاہیں سب کچھ فراموش کر کے ربیکا کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"یہ حرافہ زندہ ہے ابھی تک؟" کمرے کے سکوت میں ویرا کی آواز کسی ناگن کی زہریلی پھنکار کی طرح گونجی تھی۔

"اوہ مادام ویرا!" گیری ہارٹ اسے پہچان کر خوشامدانہ لہجے میں بول پڑا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم یہاں آ گئی ہو۔ شاید تمہاری سفارش آئی مین کو مجھ پر رحم کھانے پر مجبور کر دے۔"

ویرا نے یوں چونک کر اس کو دیکھا جیسے ابھی تک وہاں اس کی موجودگی سے لاعلم رہی ہو پھر قدرے تحیر آمیز آواز میں بولی۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو گیری؟"

میں دانستہ خاموش رہا اور گیری ہارٹ گڑگڑانے لگا۔ "میں ایک آئی مین کی ہدایت پر یہاں آیا تھا مگر بدنصیبی سے دوسرے کا معتوب ہو گیا۔"

اس کی بات سنتے ہوئے ویرا میرے قریب آئی تو میں نے نرمی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے پستول اپنی تحویل میں لے لیا۔

"تم نے میری بات نہیں مانی؟" ویرا نے میرے قریب ٹھہر کر اردو میں شکوہ کیا۔ "ربیکا کو زندہ دیکھ کر مجھے دلی صدمہ ہوا ہے۔ یہ عورت تمہارے حق میں ناگن ثابت ہو سکتی ہے۔"

"ابھی تک تو یہ بے قصور ثابت ہوئی ہے۔ قصوروار نکلی تو اسے بھی مار دیں گے۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ ربیکا اپنے شوہر کی مصروفیات سے بالکل بے خبر ہے۔ اس نے تو اپنی دانست میں ایک لکھ پتی تاجر سے شادی کی ہے جو جرائم سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا....."

"پھر اس نے تمہیں اپنا مہمان کیوں بنا لیا؟" اس نے میری بات کاٹ کر تیز لہجے میں سوال کیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ ربیکا کے بارے میں ویرا روایتی حسد اور نفرت کی آگ میں جل رہی تھی۔

"محض اتفاق ہی کہہ سکتی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"اور گیری بھی اتفاقاً ہی یہاں آ پہنچا؟" ویرا نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔ "گیری کی آمد اتفاقاً نہیں بلکہ ڈارلنگٹن کی چالاکی کا نتیجہ ہے" ویرا نے اس کے لہجے کا اثر لیے بغیر کہا۔ "پچھلی رات ربیکا نے کانٹوں کے بجائے پھولوں کی سیج پر گزاری تھی کیونکہ اپنی دانست میں اس نے اپنے باغیرت شوہر کی دی ہوئی آزادی کا استعمال سیکھ لیا تھا اور تھوڑی دیر قبل اس کے شوہر کا فون آیا تو اس نے روایتی جھگڑے کے بجائے زندگی میں پہلی بار اپنے شوہر سے میٹھی گفتگو کی اور وہ بڈھا خرانٹ محض لہجے کی تبدیلی سے ربیکا کی مسرت کا سبب بھانپ گیا۔ اس نے ربیکا پر اپنا کوئی شبہ ظاہر نہیں کیا لیکن فوراً ہی گیری کو یہاں دوڑا دیا تاکہ یہ ربیکا کے مہمان کا جائزہ لے کر فون پر اسے اپنی رپورٹ دے سکے کیونکہ اتنی جلدی لندن سے مارسیلز پہنچنا اس کے بس سے باہر تھا۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ تم دونوں کیا بات کر رہے ہو لیکن میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اپنے سے اوپر والے کے حکم کی تعمیل کے علاوہ میرا کوئی جرم نہیں ہے۔" اچانک گیری ہارٹ نے فریادی لہجے میں ہانک لگائی۔

"تم اس وقت مجھے اپنا سفارشی سمجھ رہے ہو لیکن یاد ہے کہ لوکن والے معاملے میں تم نے مجھ سے کیا سلوک کیا تھا؟" ویرا زہریلے لہجے میں اس پر برس پڑی۔

"پرانے زخموں کو نہ کریدو مادام ویرا!" وہ درد آمیز لہجے میں کراہا۔ "اس وقت مجھے بتایا گیا تھا کہ تم مارسیلز میں میرا تختہ الٹ کر اپنی پشت پناہی سے لوکن کو چیف بنوانا چاہتی ہو — تم دیکھو کہ تمہارا کچھ نہیں بگڑا البتہ میں نے حسد سے لوکن کو مروا دیا اور یہی میرا قصور تھا۔"

"اسے نہیں کریدتی لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہاری سربراہی میں فائر کیمپ کیسے تباہ ہو گیا؟" ویرا نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"تفتیشی حکام کو الجھایا گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ کھلی تخریب کاری ہے۔" وہ پُریقین لہجے میں بولا۔ "بربادی کے آغاز سے پہلے مجھے ٹرانسمیٹر پر خبر دی گئی تھی کہ فائر کیمپ کی شمالی دیوار سے کوئی کار ٹکرا کر جل اٹھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ عملے کی توجہ منتشر کرانے کے لیے وہ ناٹک رچایا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میری پر ایمرجنسی اسکواڈ کے علاوہ باقی محافظ اپنی اپنی جگہوں پر لوٹ جاتے، تخریب کاروں کو اندر گھسنے کا موقع مل گیا۔"

"اور وہ اپنی کارروائی مکمل کر کے اڑن طشتری میں

ں لوٹ گئے؟" ویرا بے رحمی کے ساتھ اس کا مضحکہ اڑا کر اپنا
پُرانا انتقام لے رہی تھی "اس کارنامے کی خوشی میں اب
جلد ہی تمھیں ترقی دے دی جائے گی تاکہ آئندہ تم زیادہ وسائل
ساتھ خلائی مخلوق کا مقابلہ کر سکو۔"

"ختم کرو یہ بحث۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا "یہ یہاں آ ہی
ہے تو اب اسے مرنا ہی ہوگا کیونکہ جس طرح یہ مجھ سے سچ بولا
اسی طرح ڈارلنگٹن کے سامنے بھی سچ بولنے پر مجبور ہوگا۔ وہ کبھی
ت گوارا نہیں کرے گا کہ اس کی بیوی پر اس کا ذاتی حق ختم کرکے
م کا ٹھپّا لگا دیا جائے۔"

"نہیں... میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھارے بارے میں ڈارلنگٹن
ک لفظ بھی نہیں بتاؤں گا۔" گیری ہارٹ بوکھلائی ہوئی خوفزدہ
ز میں تقریباً چیخ پڑا۔
اسی کے ساتھ ربیکا بھی مشتعل لہجے میں غرّائی تھی "آپس کے
ڑے میں تمھیں میری توہین کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ میں
ھاری جاگیر ہوں اور نہ ڈارلنگٹن کی۔ اپنے لیے مجھے مناسب
ی کے انتخاب کا حق ہر وقت حاصل ہے۔ مجھے اندازہ نہیں
ر تم وقت پڑنے پر میرے خلاف اتنی گندی زبان استعمال
و گے۔"

"کُتیا!" ویرا آنکھیں نکال کر ربیکا پر برس پڑی "کیسی پارسا بن
ی ہے... اگر تیرا کوئی اسکینڈل نہیں بنا تو یہ نہ سمجھ کہ میں بھی ڈارلنگٹن
طرح اندھی اور بہری ہوں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تُو نے
ر تب کیسی گھناؤنی رشوتوں کے ذریعے مقابلۂ حسن کے ججوں کو اپنے
ں فیصلہ دینے پر مجبور کیا تھا۔ تجھے تو اب مارسیلز کے کتّے بھی
ناپسند نہیں کریں گے۔"

ویرا کی بکواس سُن کر میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ مجھے معلوم
ا کہ وہ اس کی طرف سے حسد کا شکار ہو چکی تھی اور اس کی بے عزتی
رنے کا ہر موقع استعمال کرنے پر تُلی ہوئی تھی لیکن میں اسے ناراض
رنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

ربیکا سے میری آشنائی بڑی مختصر سی تھی جسے چند لمحوں یا چند
ٹوں بعد ختم ہو جانا تھا لیکن ویرا ایک مدّت سے بُرے بھلے
ت میں میرا ساتھ دیتی چلی آ رہی تھی اور جب تک مجھے غزالہ کا
راغ نہ مل جاتا میں ویرا کے ساتھ اپنے مراسم استوار رکھنے پر مجبور تھا۔
زالہ جو میرے لیے سرمایۂ حیات تھی، انگلینڈ میں کہیں گم ہو چکی تھی اور
ھے کچھ علم نہیں تھا کہ اپنی آبرو اور بقا کی جدّوجہد میں وہ دنیا جہان

سے لڑتی بھڑتی کدھر نکل گئی تھی۔ میں تنہا اس کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا۔ ویرا اپنی ذات میں ایک محفل تھی۔ یورپ کے ہر قابلِ ذکر شہر میں اس کے جاں نثار وفادار موجود تھے جو اس کے اشارے پر سمندر کی تہ میں گری ہوئی سوئی تک تلاش کر سکتے تھے اور ان ہی امکانات نے اس وقت ویرا کو میرے لیے ناگزیر بنا دیا تھا۔

اس سے قبل کہ غصّے میں کانپتی ہوئی ربیکا ویرا کو کوئی سخت جواب دیتی میں نے ملامت آمیز لہجے میں ویرا سے کہا "تم بلاوجہ ربیکا سے اُلجھ رہی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مقابلۂ حسن میں اس نے تمھیں زک دے کر خطاب جیتا ہو۔ اس بے معنی جھگڑے میں اُلجھنے کے بجائے ہمیں آگے کی فکر کرنا چاہیے۔"

"میں بھی پیچھے کی نہیں آگے کی بات کر رہی ہوں۔" ویرا زہر آلود لہجے میں بولی "اگر تم ربیکا سے اپنے روابط برقرار رکھنے پر مُصر ہو تو شاید تمھیں پچھلے امکانات کا جائزہ لینا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اب یہ عورت بھی ہمارے حق میں اسی قدر خطرناک ثابت ہو سکتی ہے جتنا خطرناک گیری ہارٹ ہو سکتا ہے۔"

"تم اسے مارنا چاہتی ہو؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا اور وہ جواب دینے کے بجائے محض اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر رہ گئی۔ اپنی کٹ حجتی کے باوجود اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ میں اسے آسانی کے ساتھ ربیکا کو روندنے کی اجازت نہیں دوں گا۔

"لیکن یہ زندہ رہے گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔" میں نے اس کے ردِّ عمل میں کمزوری بھانپتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا "کم از کم ربیکا کے معاملے میں تمھاری مرضی نہ چل سکے گی۔ اب تم یہ بتاؤ کہ گیری ہارٹ کے بارے میں کیا فیصلہ کرنا چاہتی ہو؟ اس کے مستقبل کا انحصار سراسر تمھارے فیصلے پر ہے۔" اس وقت ویرا سے میری وہ گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی تاکہ معاملے کے جملہ فریق ہمارے فیصلوں سے باخبر رہیں۔

"اپنی چند گھنٹوں کی آشنا کو تم زندہ رکھنا چاہتے ہو تو میں بھی گیری ہارٹ کو زندہ رکھوں گی۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں اُردو میں کہا "میرا دل کہتا ہے کہ گیری، ربیکا سے کم خطرناک ثابت ہوگا۔"

"تم میرے ساتھ ضد پر اتر آئی ہو۔" میں نے بھی اردو میں ہی کہا۔ چند ثانیوں تک وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی رہی پھر شانے اُچکا کر بولی "ٹھیک ہے، جو تم چاہتے ہو کر گزرو، میں کوئی دخل نہیں دوں گی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم راہِ راست پر آ گئی ہو۔ ہمیں اپنے حریفوں کی وجہ سے آپس کے تصادم میں نہیں اُلجھنا چاہیے اور گیری تو ویسے

بھی کبھی تمھارا خیر خواہ نہیں رہا۔" ویرا سے یہ کہتے ہوئے میں نے گیری کا پستول اپنی جیب میں رکھ کر بیم گن نکال لی جسے پہچان کر گیری کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔

"میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ اس چھت کے نیچے خونریزی نہ کرو۔" میرا ارادہ بھانپ کر ربیکا دونوں ہاتھ جوڑ کر خوشامدانہ لہجے میں بولی۔ "میں اس کی لاش کہاں ٹھکانے لگاؤں گی؟"

"اس بارے میں تمھی کو کوئی راہ نکالنا ہوگی۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "باہر کے مخدوش حالات میں ہم اسے یہاں سے نکال کر نہیں لے جا سکتے۔"

"میں پولیس والوں کو جواب دیتے دیتے پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ روہانسی آواز میں بولی۔ "اور پھر اس کی موت پر میں اپنے شوہر کو کسی بھی قیمت پر اپنی بے گناہی کا یقین نہ دلا سکوں گی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ میری زندگی برباد ہو کر رہ جائے گی۔"

اس کے اندیشے بجا تھے لیکن میں ان کا کوئی حل پیش کرنے سے قاصر تھا۔ ربیکا کی گفتگو پر ویرا کے ہونٹوں پر ہلکی سی فاتحانہ مسکراہٹ ابھر آئی جیسے ربیکا کی ذہنی اذیت سے اسے دلی سکون ملا ہو۔ میں ربیکا سے مخاطب تھا۔ اس گفتگو سے یہ بات تو واضح ہو چکی تھی کہ گیری کو ہر حال میں مرنا تھا۔ اپنا انجام سامنے دیکھ کر وہ بھی گلو خلاصی کے کسی موقع کا منتظر تھا اور پھر مجھے اپنی طرف سے غافل پا کر اس نے اچانک ہی مجھ پر جست لگا دی۔ بالکل آخری لمحے پر میں نے گیری کے سینے کا نشانہ لے کر بیم گن کا ٹرائیگر دبایا اور نیلگوں شعاعیں اس کے سینے میں پیوست ہو گئیں لیکن وہ میری سمت میں حرکت میں آیا ہوا تھا اس لیے مرتے مرتے بھی مجھ پر آ پڑا اور آخر کار اتفاقی طور پر وہ دلخراش واقعہ بھی رونما ہو ہی گیا جسے ٹالنے کے لیے میں نے ویرا کی ناراضگی مول لی تھی۔

جس وقت دم توڑتا ہوا گیری میرے اوپر گرا، بیم گن کا ٹرائیگر دبا ہوا تھا اور اس کے نوزل میں سے مہلک شعاعوں کا اخراج جاری تھا۔ اس کے بھاری بھرکم وجود کی جھونک سے اچانک میرا ہاتھ گھوم گیا اور ربیکا کی گردن شعاعوں کی زد میں آ گئی۔ میں نے فوراً ہی ٹرائیگر چھوڑ کر بیم گن نیچے گرا دی۔ اس وقت تک ربیکا کے چہرے کے نقوش بھیانک ہو چکے تھے۔ منہ پھٹا ہوا تھا۔ ہونٹ ہل رہے تھے لیکن کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی کیونکہ بیم گن نے اس کے گلے کے صوتی عضلات لمحہ بھر میں خاکستر کر دیے تھے۔

اس حادثے پر ویرا بھی بوکھلا کر ربیکا کی مدد کے لیے لپکی تھی لیکن وہ تیورا کر قالین پر ڈھیر ہو چکی تھی اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کے حلق اور نرخرے سے خوف ناک خرخراہٹ پیدا ہو رہی تھی۔ اس کی حالت اس قدر ابتر تھی کہ اس لیے کچھ بھی نہ کیا جا سکا اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اس کی بوڑھی ملازمہ پہلے ہی شدید خوف بے ہوش ہو چکی تھی۔

"بہت برا ہوا۔" ویرا نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت بعد سپاٹ لہجے میں کہا۔

"لیکن تمھاری خواہش پوری ہو گئی۔" میں نے سگریٹ ہوئے کہا۔ "بعض گھڑیاں خواہشات کی قبولیت کی ہوتی ہیں۔ تم سے بحث کرتا رہا پھر میرے ہی ہاتھ سے وہ اپنے انجام کو

"وہ زندہ رہتی تو خطرناک مسائل سے دوچار ہوتی۔ ڈارلنگٹن کی زندگی عذاب بنا دیتا یا ربیکا خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتی۔ اب وہ ہر جھنجھٹ سے آزاد ہو گئی ہے۔ تم سے بحث ختم ہونے کے بعد خواہش کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ ربیکا بے حد حسین تھی۔ شاید اسی وجہ سے میں اس سے بدظن ہو گئی تھی۔"

میں تلخ انداز میں مسکرا دیا۔ "دنیا اس سے بھی زیادہ حسین تم کس کس کو مارو گی؟"

"جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب ہمیں یہاں سے نکلنے کی فکر کرنا ویرا بات ٹالتے ہوئے بولی۔ "شہر بھر میں واقعی زبردست ہو رہی ہے۔ ہر طرف جنگی سماں نظر آ رہا ہے۔ اس ماحول میں لے جانا آسان نہ ہوگا۔"

"گیری ہارٹ کی جیبوں یا گاڑی میں شناختی کاغذات ضرور گے۔ کیوں نہ انھیں استعمال کیا جائے؟" میں نے تجویز پیش کرتے بے جان گیری کی جیبوں کی تلاشی لینا شروع کر دی۔

"بے سود ہے۔" ویرا نے کہا۔ "اس کے شناختی کارڈ پر لگی ہوا تصویر کو تم نہیں بدل سکو گے۔ میرا خیال ہے کہ تمھیں میکس کی کار ڈکی میں ہی جانا پڑے گا۔"

"کتنی دیر کا سفر ہے؟" میں نے تلاشی موقوف کرتے ہوئے سوال کیا۔

"پندرہ منٹ۔" اس نے کہا۔ "ویسے میں نے ڈکی کا کئی نکال دیا ہے۔ دورانِ سفر تمھیں تازہ ہوا آسانی کے ساتھ ملتی رہے

"یہاں سے دن دہاڑے ڈکی میں گھسنا خطرناک بھی ہو سکتا اگر قرب و جوار کے فلیٹوں کے کسی مکین نے دیکھ لیا تو براہ راست کار کا نمبر پولیس کو بتلائے گا۔" میں نے اپنی جیبوں کا جائزہ ہوئے کہا۔

"آج شہر میں سرد اور تیز ہوائیں چل رہی ہیں۔ کوئی نا ہی ایسے موسم میں دروازہ یا کھڑکی کھول کر باہر جھانکے گا۔ اس سے ہمیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔" اس نے کہا اور مجھے

گیری ہارٹ نے بھی آتے ہی تیز اور سرد ہواؤں کے ساتھ آسمان پر چھائے ہوئے سیاہ بادلوں کا ذکر کیا تھا۔

مشرق میں ابر و باراں کو قدرت کا ایک انعام تصور کیا جاتا ہے۔ ساون رت چلتے ہی طبیعتوں پر خود بخود ایک مستانہ کیفیت طاری ہونے لگتی ہے گھٹاؤں کے ساتھ لوگ غول در غول گھروں کو چھوڑ کر تفریح کے لیے نکل پڑتے ہیں۔ اردو شاعری میں سے اگر عشق اور ساون کے ذکر کو نکال دیا جائے تو بیشتر دیوان کورے کاغذ رہ جائیں لیکن مغرب میں جہاں پیرِ فلک ہر لحظہ چشمِ پُرنم کے ساتھ گورے جسموں کی اخلاقی سیاہیوں کو دیکھتا اور روتا رہتا ہے وہاں بادلوں کو ایک عذاب سمجھا جاتا ہے۔ بات وہی ہے جو کبھی مولانا حالی کہہ گئے ہیں بلکہ لکھ گئے ہیں کہ انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا جسے چمکتی ہوئی تیز دھوپ میسر ہے وہ گھٹاؤں کا طلب گار ہے اور جہاں سیاہ بادل ہر لمحے وادیوں اور چوٹیوں کو چومتے رہتے ہیں وہاں چمکتی دھوپ کی آرزوئیں مچلتی نظر آتی ہیں اور جہاں بھی دھوپ کا اُجالا نظر آئے وہاں حسین اور اُجلے اُجلے پیکر اپنے جسموں پر چند انچ کی دھجیاں لپیٹے اپنی رنگت کو جُھلسانے پر تُل جاتے ہیں۔

شاید ربیکا کے حادثاتی قتل نے میرے ذہن کو متاثر کیا تھا اور اسی دباؤ سے نجات حاصل کرنے کے لیے میرا ذہن غیر ارادی طور پر بادل اور ساون کی رومان افروز وادیوں میں بھٹک گیا تھا۔ مجھے ہوش آیا تو میں ڈرائنگ روم میں دو لاشوں اور تیسری بے ہوش خادمہ کے ساتھ تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا شاید روانگی کے بندوبست کا جائزہ لینے کے لیے باہر جا چکی تھی۔

اچانک مجھے سلطان شاہ کا خیال آیا اور مجھے اپنی آنتوں میں گرہیں سی پڑتی محسوس ہونے لگیں۔

پچھلی رات مارسیلز میں قیامت کی رات تھی فائر کیمپ تباہ ہو گیا تھا اور شہر میں جگہ جگہ آتشیں شعلے اپنی سُرخ سُرخ زبانیں نکالے انسانی لہو کی بھینٹ لینے کے لیے بے تاب تھے اور جب ایسی ہی تباہی چارلس میساندرے کے مکان پر نازل ہوئی تو ہمیں وہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگنا پڑ گیا۔ ہمیں ایک دوسرے کا ہوش نہیں تھا اور ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے لیکن ربیکا کے فلیٹ میں پناہ ملنے کے بعد میں نے ویرا کو تلاش کر لیا تھا البتہ سلطان شاہ ابھی تک لاپتا تھا۔

وہ زخمی ہو گیا تھا اور ایک امدادی جماعت اسے ایمبولینس میں لے گئی تھی۔ اس سے زیادہ ویرا بھی کچھ نہیں بتا سکی تھی۔ شہر میں ہنگامی صورت حال تھی۔ سارے اسپتال زخمیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق بہت سے زخمی دوسرے شہروں میں بھیج دیے گئے تھے کیونکہ مارسیلز کے اسپتالوں میں جگہ باقی نہیں رہی تھی۔ ان حالات میں سلطان شاہ کا سراغ لگانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔

مجھے ڈر یہ تھا کہ کہیں اسے مشتبہ غیر ملکی ہونے کی بنا پر حراست میں نہ لے لیا گیا ہو۔ ایسا ہوتا تو سلطان شاہ کی زندگی برباد ہو سکتی تھی۔

پھر اچانک ویرا لوٹ آئی۔ ”فوراً میرے پیچھے آؤ۔“ اس نے اندر آتے ہی کہا۔ ”باہر میدان صاف ہے اور میں نے کار فلیٹ کے دروازے پر پارک کی ہوئی ہے۔ تم باہر آتے ہی ڈکی میں گھس جانا، مجھے یقین ہے کہ کوئی تم کو نہیں دیکھ سکے گا پھر بھی تم بیم گن ہر لمحے تیار رکھنا۔“

* * *

میکس کی کار پرانے ماڈل کی رینالٹ تھی جس کی ڈکی زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ پھر میں اپنے گھٹنے پیٹ سے ملا کر اس میں آرام سے سما گیا اور ویرا نے جلدی سے ڈکی بند کر دی۔ لحظہ بھر بعد ہی کار کا انجن بیدار ہوا اور ہمارے سفر کا آغاز ہو گیا۔ اس وقت میرے دل میں شدت سے سگریٹ نوشی کی خواہش بیدار ہوئی جسے میں نے پورا کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن فوراً ہی میرے نتھنوں میں پٹرول کی تیز بو آئی۔ شاید گیسولین ٹینک کا کوئی حصہ ڈکی میں لیک تھا اس لیے میں نے آتش زدگی کے خطرے کے پیشِ نظر اپنا سگریٹ نوشی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

چند منٹ کے پُرسکون سفر کے بعد مجھے گرد و پیش میں ٹریفک کا شور سُنائی دینے لگا گاڑی کی رفتار بھی سُست اور ناہموار ہو گئی جس کی وجہ سے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ گاڑی مارسیلز کے کسی بارونق اور مصروف حصے سے گزر رہی تھی۔ پھر ایک جگہ کار رُک گئی۔

اس کے وقفے وقفے سے رینگ کر آگے بڑھنے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہاں شاید قطار لگی ہوئی تھی اور ساری گاڑیاں باری باری تلاشی کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔ میرے لیے انتظار کے وہ لمحات بہت صبر آزما اور اعصاب شکن تھے۔ آخر خدا خدا کر کے گاڑی کی رفتار تیز ہوئی تو میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ویرا کے اندازے کے مطابق اس کی کار کی ڈکی نہیں کھلوائی گئی تھی۔

سفر کے اختتام پر ویرا نے انجن بند کر کے ڈکی کھولی تو میں نے خود کو نیچی چھت والے ایک گندے سے گیراج میں موجود پایا۔ ویرا نے ڈکی کھولنے سے قبل گیراج کا دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔

”کیا یہی میکس کا ٹھکانا ہے؟“ میں نے ڈکی سے باہر نکلتے ہوئے سوال کیا۔

”ہاں، تم دیکھ سکتے ہو کہ مجھے کیسی گندی جگہ پناہ لینا پڑی جب کہ تم رات کو ربیکا کی خوابگاہ میں عیش کر رہے تھے۔ خوابگاہ کا حال اس سے بھی ابتر ہے۔“

"اب تو ربیکا کو معاف کر دو۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "مرے ہوئے دشمن پر الزام تراشیاں شرفا کو زیب نہیں دیتیں اور میں تمھیں شریف تصور کرتا ہوں۔"

گیراج کے اندرونی حصے میں زینے نظر آ رہے تھے، جو شراب خانے کی رہائشی منزل پر جانے کا چور دروازہ تھا۔ ویرا اس وقت مجھے ساتھ لے کر عام راستے سے اوپر نہیں جانا چاہتی تھی کیونکہ وہ راستہ شراب خانے کے ہال سے گزر کر سیڑھیوں کی طرف جاتا تھا، یوں میں بلا وجہ میکس کے تمام گاہکوں کی نظروں میں آ سکتا تھا۔

گیراج والا زینہ اوپری منزل کے کچن میں جاتا تھا۔ کچن میں ہر چیز سے ابتری اور بے پروائی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ فضا میں مختلف اشیا کی ناگوار بساند بھی رچی ہوئی تھی۔ کچن سے باہر مختصر سا ڈرائنگ روم تھا اور اسی سے ملحق دو خواب گاہیں تھیں۔

ڈرائنگ روم کے ساتھ پتلے سے کوریڈور میں غالباً شراب خانے کے ہال سے آنے والا زینہ پہنچتا تھا لیکن راہداری میں آگے بڑھے بغیر زینے کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ ڈرائنگ روم کا فرنیچر قیمتی اور پُرآسائش تھا لیکن بے توجہی نے سارا تاثر تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ میں اوپر پہنچتے ہی اکتائے ہوئے انداز میں ایک صوفے پر دراز ہو گیا۔

اسی لمحے اچانک ایک خوابگاہ کا دروازہ نیم وا ہوا اور اس کی اوٹ میں ناکافی لباس میں ایک پستہ قامت لیکن گٹھے ہوئے جسم والا سفید فام نظر آیا جس کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی سرخی اور سکڑی ہوئی پُتلیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے صبح سویرے سے ہی شراب نوشی کا آغاز کیا ہوا تھا۔

"ہیلو لینا ڈارلنگ!" اس نے دروازہ کھولتے ہی لڑکھڑائی ہوئی سپاٹ آواز میں کہا "یہی تمھارا بوائے فرینڈ ہے جو انگریزی کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتا؟"

"ہاں میکس!" ویرا مجھ سے پہلے بول پڑی۔ "میں اس کی طرف سے فکر مند تھی لیکن تمھارے ٹھکانے پر یہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔" اس دوران میں احتراماً اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو چکا تھا لیکن میکس نے میری اس خیر سگالی پر ذرا بھی توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ وہ وہیں دروازے کی اوٹ میں کھڑے کھڑے مجھے نظر انداز کر کے براہِ راست ویرا سے مخاطب ہوا تھا۔

"میرے پاس بنٹی آئی ہوئی ہے۔" اس نے مخمور لہجے میں ویرا کو آگاہ کیا۔ "میں اس کے ساتھ آرام کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تمھارا دوست غل غپاڑا نہیں مچائے گا۔"

"تم بے فکر ہو کر اپنا دروازہ بند کر لو۔" ویرا نے جلدی سے کہا "تمھیں ہماری موجودگی کی بھنک بھی نہیں مل سکے گی۔ شام کے کھانے پر ہی تم سے تفصیلی بات ہو گی۔"

"تم واقعی بہت ذہین کُتیا ہو مائی بے بی!" اس نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ یہ کہتے ہوئے خوابگاہ کا دروازہ بند کر دیا اور میں ناپسندیدگی کے طور پر اپنا سر جھٹکتے ہوئے دوسری خوابگاہ کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دوسری خوابگاہ کی حالت مکان سے بہت مختلف اور ص ستھری تھی۔ یقینی طور پر ویرا نے اسے سنوارنے میں خاصا وقت [illegible] کیا تھا لیکن وہ اس کمرے میں کشادگی پیدا نہیں کر سکی تھی۔ دُہری مسہری اور ڈریسنگ ٹیبل کے بعد بچ جانے والی مختصر سی جگہ کو تین کرسیوں نے مزید محدود کر دیا تھا۔ باتھ روم دونوں خوابگاہوں میں مشترک تھا اور اس کے ذریعے بہ آسانی ایک سے دوسری خوابگاہ میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔

"یہاں تک تو آ گئے اب آگے کے لیے سوچنا ہو گا۔" ویرا نے مسہری پر دراز ہوتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "یہاں ہم زیادہ دن نہ گزار سکیں گے۔"

"سوچنا نہیں بلکہ اب کچھ کرنا ہے۔ غزالہ تو مجھ سے بچھڑی ہوئی تھی، اب سلطان شاہ بھی کہیں گم ہو گیا ہے۔ غزالہ کے مقابلے میں اسے زیادہ خطرات پیش آ سکتے ہیں لہٰذا ہمیں فوری طور پر اس کا سراغ لگانا ہو گا۔"

"اخبارات میں شائع ہونے والی زخمیوں کی فہرست میں اس کا نام کہیں نہیں مل سکا۔ اب میں نے ایک پرائیویٹ سراغ رساں ادارے کو سلطان شاہ کی تلاش پر مامور کیا ہے۔ وہ پیشہ ور لوگ جلد ہی اس کا کھوج نکال لیں گے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے معاملے میں کسی گڑبڑ کا اندازہ لگا کر وہ لوگ پولیس سے رجوع کر بیٹھیں۔ وہ تمھارے کام اور تھوڑی سی رقم کے لیے اپنا لائسنس منسوخ کرانے کا خطرہ تو مول نہیں لیں گے۔" میں نے چونک کر کہا۔

"وہ لوگ عموماً زیرِ زمین دنیا کے لوگوں کے لیے ہی کام کرتے ہیں اور ان کے ہاتھ صاف نہیں ہوتے۔ اس طرف سے تم بے فکر رہو۔ یوں سمجھو کہ وہ لوگ تھوڑے سے قانونی انداز میں قانون شکنیاں کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔"

فوری طور پر میرے لیے وہاں کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ گن بوٹ کی فروخت سے بچی ہوئی خطیر رقم کا تھیلا حفاظت سے ویرا کی تحویل میں تھا اور اسی میں وڈیو کیسٹ جیسا چاروں طرف سے بند وہ آلہ موجود تھا جو سرجی کے کہنے کے مطابق ڈان مرسیا لو نے انھیں شناخت کے لیے دیا تھا۔

ویرا لباس تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گئی اور میں فرصت کے لمحات گزارنے کے لیے کیسٹ نما آلہ لے کر بیٹھ گیا جو بظاہر پلاسٹک

سے بنا ہوا معلوم ہوتا تھا لیکن اس اعتبار سے کافی وزنی تھا۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے سیل کیوں کیا گیا ہے۔“ میں نے اس آلے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس میں کہیں کوئی اسکرو تک نظر نہیں آ رہا ہے۔“

”تم بلاوجہ اسے پالے بیٹھے ہو۔“ ویرا میری طرف کروٹ لے کر بولی۔ ”اسے لادے پھرنے سے تو بہتر ہے کہ اسے توڑ پھوڑ کر اچھی طرح اس کا جائزہ لے لو۔ جو کچھ ہوا سامنے آ جائے گا۔ کوئی بارودی ہتھیار ہوتا تو بھاگ دوڑ میں اب تک پھٹ چکا ہوتا۔“

میں نے ویرا کو کوئی جواب نہیں دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کے بم وغیرہ ہونے کے امکان ہی نے مجھے توڑ پھوڑ سے باز رکھا ہوا تھا۔ بہتیرے خصوصی ساخت کے بم ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک ان کے میکنیزم کو نہ چھیڑا جائے وہ کام نہیں کرتے۔ اس سیاہ آلے میں بھی کوئی ایسا میکنیزم پوشیدہ ہو سکتا تھا۔

میں نے اس آلے کو ناک کے قریب لا کر ہر سمت سے اچھی طرح سونگھا لیکن اس میں بارود کی کوئی بُو محسوس نہیں ہوئی۔ میرا وہ طریقۂ کار مستند اور محفوظ تو نہیں تھا لیکن دل کو سمجھانے کے لیے اس اقدام پر عمل کرنا ضروری تھا۔ اس کے بعد میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ چوڑی سطح کا پلاسٹک توڑ کر نکالنے کی کوشش شروع کر دی۔ چند منٹ کی محتاط کوششوں کے بعد سیاہ پلاسٹک کا ایک بڑا سا ٹکڑا ٹوٹ کر الگ ہوا تو میرے منہ سے بے اختیار ایک اطمینان آمیز آواز خارج ہو گئی کیونکہ اندر ایک مشین میں لگا ہوا آڈیو کیسٹ کا ایک حصہ نظر آیا تھا۔

”کیا ہے؟“ ویرا تجسس آمیز انداز میں میری طرف لپکی تھی۔

”ڈبے میں کیسٹ سمیت ایک پلیئر موجود ہے۔“ میں نے بقیہ پلاسٹک اُدھیڑتے ہوئے کہا۔ ”یہ ڈبا اسی وجہ سے وزنی محسوس ہو رہا تھا۔“ پلاسٹک کے ٹکڑے توڑتے ہوئے میں ایک دم چونک پڑا اور اس مشین کو غیر ارادی طور پر بستر پر ڈال دیا کیونکہ اچانک ہی وہ مشین چل پڑی تھی اور اس میں سے ایک تحکم آمیز مگر خواب ناک اور بھاری مردانہ آواز ابھرنے لگی تھی جو میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ ڈیلٹا کیمپ میں قید کے دوران میں جمی لائیڈ کی وہ آواز کئی بار سن چکا تھا۔

”یہ چل پڑا ہے تو اب اسے ہرگز نہ چھیڑنا۔“ جمی لائیڈ کی سحر انگیز آواز زیادہ اونچی نہیں تھی وہ یوں بول رہا تھا جیسے کوئی عامل اپنے معمول پر تنویمی عمل کر رہا ہو۔ ”پیغام ختم ہونے پر یہ مشین کیسٹ سمیت خود بخود جل جائے گی۔ اس لیے اسے ننگے فرش یا کسی اور جگہ رکھ دو۔ میرے بھیجے ہوئے دونوں آدمی اپنے مشن میں کامیاب رہتے تو یہ مہر بند مشین جوں کی توں مجھے واپس مل جاتی لیکن تم میری آواز سن رہے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ میرے خدشات کے عین مطابق تم نے انھیں زیر کر لیا ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ مارسیلز میں ویرا میرانڈے کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جا سکے گی۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کبھی بھی میری دسترس سے باہر نہیں رہی ہے۔ میں جب چاہوں اسے اور اس کے حواریوں کو بے دست و پا کر سکتا ہوں لیکن میں ڈھیل دیتا آ رہا ہوں...“ اس مرحلے پر ویرا نے وہ مشین بستر سے اٹھا کر قالین کا گوشہ الٹ کر فرش پر رکھ دی۔

”لیکن برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔“ کیسٹ مسلسل بج رہا تھا۔ ”ڈینی میرا بدترین مجرم ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ ڈیلٹا کیمپ میں سلور آئی دکھا کر نکلا تھا اور اب بھی وہ کہیں کہیں آئی مین کا روپ دھارنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ شاید اسے بتا دیا گیا ہے کہ میں سلور آئی کے عالمی اعزاز کو کسی خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔ ایک سکے کی چوری کا اعلان ہر آئی مین کی وقعت ختم کر کے رکھ دے گا مگر میرے پاس دوسرے راستے ہیں جن کو استعمال کرنے سے پہلے میں نے یہ آخری پیغام بھیجا ہے۔ اگر ویرا نے ڈینی کو پسند کر لیا ہے تو مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں دونوں کو قبول کر لوں گا لیکن شرط یہی ہے کہ اب میرے ساتھ محاذ آرائی ختم کر کے تم لوگ مارسیلز میں گیری ہارٹ سے جا ملو اور اس کے ذریعے میرے جو احکام ملیں ان پر خلوصِ نیت سے لفظ بہ لفظ عمل کرو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ عنقریب ایک بڑی خوشخبری تم دونوں کا مقدر بننے والی ہے۔ میرا اقتدار سیاسی اقتدار سے کہیں زیادہ وسیع اور مستحکم ہے۔ تم تصور نہیں کر سکتے کہ میری کہاں کہاں رسائی ہے۔ میرا جانشین وہی بن سکے گا جو میرا وفادار رہے۔ سرکشوں کو اب میں پوری قوت سے پیل دوں گا۔ جس طرح میری آواز تم تک پہنچی ہے اسی طرح موت بھی دبے قدموں تمھارے گلے کا ہار بن سکتی ہے۔ حاکم اور محکوم کے علاوہ میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میرے اس اختیار کو کھلے دل سے تسلیم کرنے والے ہی میرے سامنے سرخرو ہو سکتے ہیں۔“

کیسٹ چلتا رہا لیکن آواز معدوم ہو گئی۔ ویرا کے چہرے پر ابتدا میں حیرت اور بے یقینی کے آثار نمایاں تھے لیکن جمی لائیڈ کی نخوت آمیز تقریر سن کر وہ اثرات نفرت میں ڈھل گئے تھے۔ لمحہ بھر بعد ہی فضا میں پلاسٹک جلنے کی بُو کے ساتھ اس مشین سے دھواں اُٹھا اور مشین میں یکایک ایک تیز شعلہ بھڑک کر رفتہ رفتہ معدوم ہو گیا۔ کمرے کی فضا جلے ہوئے پلاسٹک کی ناگوار بُو سے بوجھل ہو گئی تھی۔ مشین میں یقیناً کوئی طاقتور بیٹری لگائی گئی تھی جس سے خارج ہونے والے کرنٹ کی بھاری مقدار نے اس میں آگ لگا دی تھی۔ شاید اس طرح جمی لائیڈ نے اپنی آواز کا سراغ مٹانے کی کوشش کرنے کے ساتھ ہی ہمیں اپنی شعبدے بازی سے مرعوب کرنا چاہا تھا۔

”سن لی تم نے ڈان مرسیانو کی ہرزہ سرائی؟“ آخرکار ویرا نے ہی زہریلے لہجے میں سکوت توڑا۔

”میں پھر کہوں گا کہ یہ آواز جمی لائیڈ کی تھی۔“

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بات اب میری سمجھ میں آچکی ہے کہ وہ شخصیت کے خوفناک تضاد میں مبتلا ہو کر ایک ذہنی مریض بن گیا ہے۔ کنگ لائنز کے مالک کی حیثیت میں وہ ہر کاروباری اور شہری اعزاز کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ جمی لائیڈ کے روپ میں شی کی سربراہی کرتا ہے اور جب اس پر مظلومیت کا موڈ طاری ہوتا ہے تو اس میں چھپی ہوئی ڈان مرسیانو کی غلیظ اور مکروہ شخصیت ابھر آتی ہے جس سے ہر اوباش رجوع کرتا ہے لیکن دل کی گہرائیوں سے کوئی بھی اس بے غیرت شخص کی عزت نہیں کرتا لیکن اس کی تقریر تم نے سن ہی لی ہے۔" ویرا کا لہجہ بدستور زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"یہ پیغام ہم دونوں کے لیے تھا۔ ایک طرف اس نے مجھے اور تمھیں میاں بیوی کی حیثیت میں قبول کرنے کی پیشکش کی ہے اور آخر میں اپنے سارے رشتوں سے انکار کر بیٹھا ہے۔"

"یہ سب ذہنی دیوالیہ پن کی علامات ہیں۔" وہ حقارت سے سر جھٹک کر بولی۔ "یہ پیغام اس نے پہلے ریکارڈ کیا تھا۔ اب تو فائر کیمپ کی تباہی نے اس کو پاگل کر دیا ہوگا۔ وہ یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ ہم نے اس کا پیغام سننے کے بعد فائر کیمپ کو اپنی تخریب کاری کا نشانہ بنایا ہے۔"

"اس پیغام میں دو باتیں بہت اہم اور قابلِ غور ہیں...." میں نے سنجیدگی کے ساتھ تجزیہ کرنا چاہا لیکن ویرا نے ترش لہجے میں میری بات درمیان ہی سے اڑا دی۔

"وہ ایک ہارتے ہوئے جواری کا ہذیان تھا جسے میں ذرا بھی قابلِ توجہ نہیں سمجھتی، وہ ہمارے مقابلے میں خود کو اتنا بے بس محسوس کر رہا ہے کہ ہمیں اپنا قیدی بنا کر تشدد کا نشانہ بنانے کے بجائے ہمیں مصالحت کے پیغام بھجوا رہا ہے۔"

"تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ تمھاری ساری سرکشی کے باوجود اس نے شی میں تمھارے لیے تمام دروازے کھلے رکھے ہیں، اگر وہ تمھارے خلاف کھلی ہدایات جاری کر دے تو تمھاری آزادی زیادہ دن برقرار نہیں رہ سکے گی۔"

"ایسا ہوا تو تم دیکھ لینا کہ میرا روپ ہی کچھ اور ہوگا۔ ابھی تک میں خود بھی کھل کر شی کے خلاف میدان میں نہیں آئی ہوں۔"

"میں یہی بتا رہا ہوں کہ اس پیغام کے بعد یہی ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔" میں نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اب وہ تمھیں بھی گھیرنے کی کوشش کرے گا اور دوسری بات یہ کہ وہ تمھارے ہر فیصلے کے بارے میں صحیح ترین اندازے قائم کر لیتا ہے ورنہ اس کے آدمی مارسیلز میں میراندے تک پہنچنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوتے۔"

"وہ آئے اور منہ کی کھائی، میراندے مارا گیا، گیری ہارٹ بھی جہنم واصل ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ صحیح اندازوں سے جمی لائیڈ نے شکستوں کے علاوہ اور کیا حاصل کیا؟"

"اس کے پاس بے اندازہ افرادی قوت ہے۔ وہ اپنے مہروں کو بے تکان پٹواتا چلا جائے گا اور ایک نہ ایک دن ہمیں زیر کر لے گا جب کہ فی الحال ہم صرف دو رہ گئے ہیں۔ سلطان شاہ اور غزالہ جب تک بازیاب نہ ہوں، ان کے بارے میں کچھ نہیں سوچا جا سکتا۔ ہم کہاں کہاں جمی لائیڈ کے آدمیوں کا مقابلہ کریں گے؟"

"ہمت ہار بیٹھے ہو تو لڑنے کا ارادہ بے سود ہے۔ دُم دبا کر پاکستان لوٹ جاؤ، میں معافی مانگ لوں گی، اس طرح ہم سارے خطرات سے بچ جائیں گے۔" اس نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں تمھیں یہ باور کرانا چاہ رہا ہوں کہ اب شی میں تمھاری واپسی خودکشی کے برابر ہوگی۔ ہمیں ساتھ رہ کر چھوٹے موٹے محاذوں پر الجھنے کے بجائے براہِ راست جمی لائیڈ پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔ ہم بہت سی جگہ بلا مقصد اپنی محدود توانائیاں ضائع کر دیتے ہیں۔"

"پیرس سے یہاں تک کوئی معرکہ ایسا نہیں تھا جس سے دامن بچا کر تم محفوظ رہ سکتے۔ ہر جگہ مجبوراً ہی ہمیں الجھنا پڑا۔ سرجی اور اس کا ساتھی چارلس میراندے، گیری ہارٹ، ان میں سے کون تھا جسے ہم نظر انداز کر سکتے تھے۔ بس ایک فائر کیمپ کی تباہی کا مسئلہ ایسا تھا جس سے ہم دامن بچا سکتے تھے لیکن شی کو اس کی بے بسی کا احساس دلانے کے لیے وہ اقدام بھی ضروری تھا۔ تم دیکھ لینا کہ اب جو اعلیٰ سطحی تحقیقات ہوں گی، ان کے نتیجے میں شی کو مارسیلز میں اپنے آپریشنز بہت زیادہ محدود کرنا پڑ جائیں گے۔ اسی طرح ہم انھیں اپنے خول میں سمٹنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔"

"فائر کیمپ میں الجھنا ہماری جذباتی غلطی تھی۔" میں نے کہا۔ "اسے تباہ کر کے ہم نے اپنے لیے دشواریاں کھڑی کر لی ہیں۔ سلطان شاہ بچھڑ گیا، ہماری نقل و حرکت کی آزادی ختم ہو کر رہ گئی۔ شی والے پورے شہر میں ہماری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے اور سب سے بڑھ کر اب یہاں سے ہماری نکاسی اتنی آسان نہیں رہے گی۔"

"میں ان مشکلات کی طرف سے غافل نہیں ہوں۔" وہ بولی۔ "میں نے جن لوگوں کو سلطان شاہ کی تلاش پر مامور کیا ہے وہی تمھارے اور سلطان شاہ کے کاغذات بھی فراہم کریں گے۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ جمی لائیڈ کا پیغام سننے کے بعد تم کچھ خوف زدہ ہو گئے ہو ورنہ تمھاری سوچ کبھی بھی ایسی مدافعانہ نہیں رہی تھی۔"

"بات ترجیحات کی ہے۔ جنگی حکمتِ عملی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں وسائل اور نفری کم ہو تو حیران کر دینے والی اور اچانک پیش رفت سے فتح حاصل ہوتی ہے اور ہم ہر شہر میں اپنی موجودگی کے سراغ چھوڑ رہے ہیں۔ عملاً جمی لائیڈ کو ہماری ساری نقل و حرکت کا علم ہے۔ اسے ہمارے خلاف سوچنے کے لیے بہت زیادہ مہلت مل رہی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھا رہا

شتی کو نقصان پہنچا کر جمی لائیڈ کو مفلوج کرنے کی کوششوں ہوئے ہیں حالانکہ جمی لائیڈ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے خود بخود اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گی۔" میں نے جھجکتے ہوئے مجھے ڈر تھا کہ کہیں ویرا میرے خیالات پر چراغ پا نہ ہو جائے وہ بہرحال جمی لائیڈ کو اپنا باپ تصور کرتی تھی اور اسی موضوع بار سلطان شاہ سے اُلجھ پڑی تھی لیکن غنیمت ہوا کہ بات سُن کر اس کے چہرے پر برافروختگی کے بجائے تفکر ثار اُبھر آئے۔

" تمھاری آخری بات میں وزن ہے۔" وہ چند ثانیوں کے ت کے بعد بولی۔ "ہمیں اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی ہوگی۔ مارسیلز میں قانونی رکاوٹوں کے علاوہ شی کے ہرکاروں بھی نمٹنا ہوگا' اس لیے اب ہمیں کاغذات ملتے ہی خاموشی کے یہاں سے کہیں اور کھسک لینا چاہیے... "

" کاغذات نہیں بلکہ سلطان شاہ کے ملتے ہی۔" میں نے اس ت کاٹ کر کہا اور وہ تلخ انداز میں مسکرا دی۔

" مجھے معلوم ہے کہ تم اُسے نہیں چھوڑ سکتے۔ غزالہ کی کمی وہ خاصی حد تک پوری کر رہا ہے۔"

" یہ حقیقت ہے۔" میں نے اس کی تلخ نوائی کو دانستہ نظرانداز تے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "اس دور میں اس جیسے وفادار آدمی خود عجائباتِ عالم میں شمار ہونا چاہیے پھر میں اسے کیسے بھول ہوں۔"

مجھے حیرت ہے کہ اس بار تم غزالہ کو بھولے بیٹھے ہو۔" اس جسس آمیز لہجے میں کہا۔

" میں تمھیں خوشگوار موڈ میں دیکھنا چاہتا ہوں اور غزالہ کے تم کچھ کبیدہ خاطر ہو جاتی ہو اس لیے زبان پر قابو ہی رکھتا ورنہ اس کا خیال ہر لمحے ستاتا رہتا ہے۔"

" میرا خیال تھا کہ جس ہستی کے ملنے کی امید موہوم سی رہ جائے سے جذباتی رشتے خود بخود کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں اور ت اس میں بڑا کردار ادا کرتا ہے۔"

" جنھیں اپنے ہاتھ سے دفن کر دیا جائے' ان پر تمھارا اصول ہوتا ہے۔ زندہ لوگوں کو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔" اس سے بات کہتے ہوئے میرا دل یک بیک اُداس ہو گیا۔

اس کے بارے میں ویرا ہی سے کچھ عرصے پہلے ایک افواہ ی تھی کہ انگلینڈ کے ایک ڈسٹرکٹ کے علاقے میں سرتاپا سیاہ پوش ک عورت نے منشیات فروشوں کی زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی۔ کسی چھلاوے کی طرح اچانک کہیں بھی نمودار ہوتی اور اپنی من مانی کارروائی کرکے روپوش ہو جاتی تھی۔ علاقے میں اس کی خود مختارانہ کارروائیوں کی وجہ سے اُسے بلیک کوئین کا نام دیا گیا تھا لیکن کوئی اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھا۔ ویرا کو شبہ تھا کہ وہ غزالہ ہی ہو سکتی تھی جس نے اپنی آزادی اور خود مختاری برقرار رکھنے کے لیے موت کے سوداگروں کے خلاف ہتھیار اُٹھا لیے تھے جن کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے نہ صرف اس کا بھرا پُرا گھر برباد ہوا بلکہ وہ خود بھی مجھ سے بچھڑ کر خاکِ وطن سے ہزاروں میل دُور غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔

" بلیک کوئین کے بارے میں تمھاری تحقیقات کا کیا رہا؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

" کچھ پتا نہیں چل سکا' زیرِ زمین دنیا کے لوگوں پر اس کا خوف طاری رہتا ہے لیکن اس کا کہیں کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ اگر وہ غزالہ ہی ہے تو سمجھ لو کہ اب وہ پُرانی عورت نہیں رہی ہو گی، جس کے نقش و نگار اور اداؤں سے تم کو محبت تھی یا اب تک وہ میرے جیسے ہی رنگ میں رنگ چکی ہو گی۔"

ویرا سے اس موضوع پر مزید بات کرنا بے سود تھی۔ یہی کافی تھا کہ غزالہ اس کی تحویل سے غائب ہوئی تھی اور وہ اس بارے میں اپنی اخلاقی ذمے داری کو قبول کرتے ہوئے غزالہ کی تلاش میں میری مدد کرنے پر اصولی طور پر آمادہ تھی۔

ہم دونوں شام تک اسی کمرے میں قیدیوں کی طرح پڑے ایک دوسرے کی صورتیں دیکھ دیکھ کر بیزار ہوتے رہے' لنچ کے وقت ویرا باہر جاکر خود ہی خور و نوش کا کچھ سامان خرید

سب رنگ ڈائجسٹ میں چھپنے والی سلسلے وار کہانی

سوناگھاٹ کا پجاری

قیمت :- ۴۰/- روپے ○ ڈاک خرچ ۲۳ روپے

- ایک ایسے پجاری کی داستان جو صدیوں پہلے مر گیا تھا لیکن اس کی لاش مندر کے تہ خانے میں اصلی حالت میں موجود تھی۔
- سوناگھاٹ کے علاقے پر اس مُردہ پجاری کی پُراسرار طاقتوں کی حکومت تھی اور وہ ہر جگہ زندہ نظر آتا تھا۔
- ایک مظلوم اور بے بس انسان کی کہانی جو حالات سے تنگ آکر بدی کی طاقتوں کا غلام بن گیا اور زبردست پُراسرار طاقتیں حاصل کر لیں۔
- وہ طاقتور ترین شخص بن گیا لیکن ایک طاقت اس سے بھی زبردست تھی۔

بدی کی طاقتیں کیا تھیں؟ سراب، دھوکہ یا حقیقت؟
ایک شخص کی ہولناک ترین سرگزشت مکمل طور پر کتابی شکل میں دستیاب ہے۔
اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا براہِ راست ہم سے حاصل کریں۔

سب رنگ ڈائجسٹ کے مندرجہ ذیل سلسلے بھی ہم سے مل سکتے ہیں۔

اِنکا مکمل دو حصے	اقابلا مکمل دو حصے	غلام روحیں مکمل
قیمت [illegible] ۹۰ روپے ڈاک خرچ ۱۰ روپے	قیمت [illegible] ۸۰ روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے	قیمت ۴۰ روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

کتابیات پبلی کیشنز ○ پوسٹ بکس نمبر ۲۳ - کراچی - ۱

لائی کیونکہ میکس کے شراب خانے میں سستی اور غیر معیاری اشیا کے علاوہ کچھ نہیں ملتا تھا۔

شام کو خواب گاہ کے دروازے پر قدرے پُرشور دستک ہوئی تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا لیکن باہر سے میکس کی اکھڑ آواز سن کر میرے اوسان بحال ہو گئے۔

"آؤ۔ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔" ویرا نے کہا اور میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

ڈرائنگ روم میں میکس نیلی قمیص اور چست جینز پہنے پختہ عمر کی ایک سفید فام عورت کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس عورت کے حسین خدوخال پر زندگی کے تجربوں کی گہری چھاپ تھی۔ اپنے طور طریقے اور بے ہودہ لباس کی بنا پر وہ کوئی خاندار خاتون نظر نہیں آرہی تھی۔ شوخ لپ اسٹک اور بڑھے ہوئے ناخنوں پر اُسی رنگ کی نیل پالش نے اس کی شخصیت کا رہا سہا تاثر بھی تباہ کر کے رکھ دیا۔

"آؤ لینا!" ویرا کو دیکھ کر اس نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر انگریزی میں کہا۔ "یہ میری گرل فرینڈ بنٹی ہے۔ آج بہت دنوں بعد مجھ سے ملنے آئی تھی۔ اب ہم دونوں تھیٹر جا رہے تھے تو میں نے سوچا کہ تم سے بھی کام کی بات کر لوں۔"

ویرا نے بنٹی سے ہاتھ ملاتے ہوئے انگریزی میں رسمی الفاظ ادا کیے تو میکس نے ہنستے ہوئے اُسے مطلع کیا کہ بنٹی فرنچ کے علاوہ کوئی زبان نہیں سمجھتی تھی اسی وجہ سے اس نے بنٹی کی موجودگی میں بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ویرا شاید میرے بارے میں میکس کو پہلے ہی بتا چکی تھی کہ مجھے صرف انگریزی سے واقفیت تھی۔

"یہ چارلس ہے۔" ویرا نے میرا تعارف کرایا۔ میں نے باری باری ان دونوں سے ہاتھ ملایا تو بنٹی نے اپنی بڑی بڑی اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر فرنچ ہی میں نہ جانے کیا کہا کہ میں بوکھلا کر میکس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس درشت خو درندے کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ اس کی گرل فرینڈ مجھ پر ڈورے ڈالنا چاہ رہی تھی تو وہ کھڑے کھڑے ہمیں اس پناہ گاہ سے باہر نکال دینے کی اہلیت رکھتا تھا۔

"یہ یہاں کب تک رہے گا؟" میکس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ویرا سے انگریزی میں سوال کیا۔

"دو تین دن۔" ویرا نے بے ساختہ جواب دیا۔ "کام ہوتے ہی یہ واپس چلا جائے گا۔"

"تم دونوں آرام کرو۔" میکس اپنی داہنی آنکھ دبا کر بولا۔ وہ اس وقت بھی خاصی حد تک نشے کی جھونک میں تھا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ اس کے کاغذات پورے ہیں یا ادھورے۔ کوئی تو اسے پیچھے بار میں نہ جانے دینا۔ بحری راستے سے آنے وا قانونی تارکینِ وطن کی تلاش میں اکثر سرکاری کتے بھی یہاں رہتے ہیں اور پھر فائر کیمپ کی تباہی کے بعد شہر میں ویسے ہو گئی ہے۔ تم میری دوست اور مہمان ہو مگر میں اس سے ڈالر یومیہ لوں گا۔"

ہمارے لیے پیسے کی کوئی اہمیت نہیں تھی مگر نے بے جان لہجے میں احتجاج کیا۔ "یہ تو بہت زیادہ ہے۔ اس سے کہیں کم رقم میں یہ بے چارہ کسی فائیو اسٹار ہو ٹھہر سکتا ہے۔"

"تو اسے وہیں بھیج دو۔" وہ مکارانہ ہنسی کے ساتھ بولا کاروبار میں رعایت کا قائل نہیں ہوں۔ اسے کوئی مجبوری ہوگی جو یہ یہاں آیا ہے، ورنہ مارسیلز میں ہوٹلوں کی کمی نہیں • ٹھیک ہے... تم سودے بازی کے گُر سے اچھی واقف ہو۔"

"سکوق کے تلاشی جوڑوں سے میں بیس سے تیس ڈالر چارج کرتا ہوں یہ کمرے دن میں دس دفعہ آباد اور خالی ہو اسی سے تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ زیادتی نہیں اور ہاں، خود کرایہ پیشگی دلواتی رہنا۔ فی الحال آج کے دو سو

ویرا نے تھوڑی سی ردوقدح کے بعد دو سو ڈالر کے حوالے کر دیے، بنٹی کی آنکھوں میں اس وقت پیدا ہونے غیر معمولی چمک دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ سے وہ ساری رقم اینٹھنے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ مالِ حرام بھی ایسے ہی راستے سے ہوتا تھا جو آمدنی کے ذرائع سے مطا رکھتے ہوں ورنہ توازن دشوار ہو جاتا ہے۔

دو سو ڈالر کی ادائیگی کے لیے ویرا کی مختصر سی بحث مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ویرا اس حریص شخص کو اپنی تنگ یقین دلانا چاہتی تھی۔ اگر اسے ویرا کی تحویل میں لاکھوں ڈالر کا علم ہو جاتا تو وہ بلاتوقف ساری رقم ہتھیا کر ہم دونوں کے دو کپڑوں میں باہر نکال دیتا۔

میکس اپنی بنٹی کے ساتھ اینڈتا اور اکڑتا ہوا گیا تو ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ لالچی اور مکار آدمی ہے۔ اس کی نیت کسی بھی وقت بدل ہے اسی لیے میں اسے قابلِ اعتماد نہیں سمجھتی۔"

"لیکن تم پر تو بڑا مہربان ہے... تمہیں بغیر معاوضہ اپنا مہمان ٹھہرایا ہوا ہے۔" میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا

"بکواس کرتا ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔ "میں نے

فون پر پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اسے ایک خطیر رقم دے کر رام کیا ہے۔ اسے پانچ سو ڈالر نقد دیے تھے پھر پرس چھوڑ کر باتھ روم میں گئی تو اس خبیث نے اس میں پڑے ہوئے ڈھائی تین سو ڈالر اڑا لیے جس پر میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ وہ تو رقم کے تھیلے میں میرانے کے چند جوڑوں نے رقم کا ابھار چھپا لیا تھا اور بیگ مقفل تھا ورنہ میکس اس پر بھی ہاتھ صاف کر دیتا۔"

"ایسے بے ضمیر لوگ بہت موذی اور خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے تو یہ ٹھکانا بہت مخدوش معلوم ہو رہا ہے۔ ہم سے مزید رقم ہتھیلانے کے لیے وہ خود بھی کوئی چکر چلا سکتا ہے۔"

"لیکن یہاں سے نکل کر ہم کہاں جائیں گے؟" وہ بھی یک بیک پریشان نظر آنے لگی۔

"جب پیسہ ہی دینا ٹھہرا تو پیشہ ور لوگوں سے بات کرو۔ جو لوگ تمھاری فرمائش پر جعلی کاغذات فراہم کر سکتے ہیں، وہ کسی ٹھکانے کا بندوبست بھی کر دیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ اضطراری لہجے میں بولی۔ "بعض اوقات میری عقل بالکل ماؤف ہو کر رہ جاتی ہے اور سامنے کی بات بھی ذہن میں نہیں آتی۔ میں ڈارلنگٹن کے فلیٹ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ان کے دفتر پر رکی تھی۔ ابھی ان سے فون پر بات کرتی ہوں۔"

یہ ایک اچھی بات تھی کہ اوپر ڈرائنگ روم میں اسٹنو سوئچ کے ساتھ فون کی اضافی لائن موجود تھی جس میں محض ایک ناب گھما کر لائن اس طرح اوپر لی جا سکتی تھی کہ نیچے شراب خانے والے سیٹ پر گفتگو نہ سنی جا سکے۔

نمبر ملا کر ویرا کافی دیر تک فرنچ میں گفتگو کرتی رہی، اس دوران اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے میں نے اندازہ لگایا کہ بات بنتی نظر آ رہی تھی۔

گفتگو ختم کر کے ویرا میری طرف پلٹی تو بہت خوش اور پرجوش نظر آ رہی تھی۔ "اس وقت تم نے سارے مسئلے ہی حل کرا دیے... ہمیں کسی سے پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں رہی۔ تمھارے کاغذات بن گئے ہیں جن پر تصاویر لگانے کے بعد تم پورے مارسیلز میں نقل و حرکت کے لیے آزاد ہو گے۔"

"اور تصاویر کا کیا ہوگا؟"

"وہ بندوبست ابھی ہوا جاتا ہے۔ شوقیہ فوٹوگرافروں کے لیے بھی انسٹنٹ کیمرے آ گئے ہیں، میں ابھی ایک کیمرہ لے آتی ہوں، پل بھر میں تمھاری درجنوں رنگین تصویریں تیار ہو جائیں گی۔"

اس بار اس کی عقل کام کر گئی تھی لہٰذا وہ اپنا پرس سنبھال کر پھرتی کے ساتھ نیچے چلی گئی اور میں دوبارہ خواب گاہ میں لوٹ گیا کیونکہ شام ڈھلنے کے ساتھ ساتھ نیچے شراب خانے سے ملی جل آوازوں کا شور بڑھنے لگا تھا اور میں اتفاقاً اوپر چلے آنے وا عملے کے کسی فرد کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اپنے کاغذات کی تیاری کی خوشی میں، میں ویرا سے یہ پوچھ بھول گیا تھا کہ سلطان شاہ کی تلاش کے سلسلے میں اس کے جاسو نے کیا تیر مارا تھا۔

میں ایک سگریٹ ہی ختم کر پایا تھا کہ ویرا قریبی بازار سے کیمرہ خرید لائی جو چھوٹا ہونے کے باوجود ساخت میں روایتی کیمرو سے مختلف نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میری یکساں پوز والی بار رنگین تصویریں تیار ہو چکی تھیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر ویرا تص سمیت نیچے شراب خانے میں چلی گئی کیونکہ سراغ رساں ایجنسی کا نمائندہ جعلی کاغذات اور تصاویر پر ثبت کی جانے والی مہر ساتھ لے کر وہیں پہنچنے والا تھا۔

اس بار ویرا تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس لوٹی تو اس کی سانسوں میں الکحل کی بو رچی ہوئی تھی۔ "انتظار کی خاطر مجھے دو پیگ لینا پڑ گئے۔" اس نے آتے ہی معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ تو انتظار کرتے کرتے مایوس ہی ہو چلی تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ کام بن گیا اور اب تم اطالوی نژاد پیٹرواک بن چکے ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے شناختی کاغذات کا لفافہ میری طرف بڑھا دیا جس میں پاسپورٹ سے شناختی کارڈ تک جملہ لوازم موجود تھے۔

"اور اب ہم میکس کی قید سے آزاد ہیں۔" اس نے داہنا ہاتھ فضا میں لہرا کر ٹھٹا لگایا۔ "نہ جانے وہ بدمعاش پیسے کی خاطر کب ہمیں بلیک میل کرنا شروع کر دے گا۔"

"یہ مطالبہ وہ تھیٹر سے واپس آتے ہی کرے گا کیونکہ آج بیٹی اس کی جیب خالی کرا چکی ہو گی۔" میں نے کاغذات احتیا کے ساتھ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "اس لیے ہمیں اس واپسی سے پہلے ہی یہ ٹھکانا چھوڑ دینا چاہیے، ورنہ وہ ہمیں یہا سے نکلنے کی اجازت نہیں دے گا۔"

"ایجنسی کا آدمی تصاویر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا لیکن میرے مجبور کرنے پر اس نے اپنی کار کی عقبی نشست پر بیٹھ کر ساری تصاویر چسپاں کیں اور پھر ان پر مہریں بھی لگا دیں لیکن میں تھک گئی ہوں۔ کوئی اہم فیصلہ کرنے سے پہلے تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی گھٹیا شراب پی ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اچھی شراب کے دو پیگ تو اناڑی بھی آسانی کے ساتھ ہضم کر لیتے ہیں۔"

"بڑھیا کہاں سے لاتی؟ جو میکس کے شراب خانے میں

ہے، وہی پینا پڑ گئی... میرا سر چکرا رہا ہے، ذرا تھوڑی دیر دبا دو تو سکون مل جائے گا۔"

"لعنت ہو تم پر۔" میں نے بھنّا کر زیرِ لب کہا پھر اونچی آواز میں بولا۔ "سر دبانا میرے بس سے باہر ہے، چاہو تو مُکّے برسا سکتا ہوں۔"

"اوہ۔" اس نے آنکھیں موند کر سسکاری لی۔ "پھر ہولے ہولے مُکّے ہی لگا دو، کمرے میں آنے کے بعد تو ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے، کہیں ظالموں نے عادی نشے بازوں والی تیز کاک ٹیل مجھے نہ پلا دی ہو۔"

اس وقت میں خود کو روئے زمین کا سب سے بڑا احمق تصور کر رہا تھا، ایک خوب صورت اور چالاک عورت مجھے ہوش رُبا غمزے دکھا رہی تھی اور میں اس وقت اس سے بدظن ہونے کے باوجود اس کی بات ماننے پر..... مجبور تھا۔ میں دل ہی دل میں اپنی مجبوریوں پر لعنت بھیجتا ہوا اس کے سرہانے پہنچ گیا اور اس کے سر اور پیشانی پر بند مٹھیوں سے ہلکی ہلکی ضربیں لگانے لگا۔

ویرا کے حلق سے ایسی آوازیں برآمد ہونے لگیں جیسے سردی کھایا ہوا کوئی کُتیا کا پلّا کافی دیر تک ہواؤں میں بھٹکنے کے بعد اپنی ماں کے سینے سے آلگا ہو۔ اُسے سکون مل رہا تھا اور میری ہڈیاں جھلس رہی تھیں۔ اس سے میرے مراسم بہت بے تکلفانہ اور خصوصی نوعیت کے تھے لیکن ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ ویرا کی کسی فرمائش پر مجھے مُکّے بازی جیسا وہ احمقانہ فریضہ انجام دینا پڑا ہو۔

ویرا کی اضطراری کیفیت اور آوازوں کو دیکھتے ہوئے چند ثانیوں کے بعد میری کھوپڑی ٹھنڈی ہونے لگی۔ اگر وہ ناز دکھا رہی تھی تو اصولاً مجھ سے تھوڑی سی خدمت کرانے کے بعد اُسے مکّارانہ مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں کھول دینا چاہیے تھیں۔ وہ بار بار آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ہر بار بوجھل پپوٹے سرخ آنکھوں پر ڈھلک آتے تھے۔ مجھے یک بیک اس کی طرف سے تشویش لاحق ہو گئی کہ کہیں اسے شراب میں زہر نہ دے دیا گیا ہو۔

میرے وجود میں اشتعال کی ایک بھیانک لہر سرایت کر گئی اور میں مٹھیاں بھینچ کر بستر سے اُٹھ گیا۔ اس وقت میکس شراب خانے میں موجود نہیں تھا اور ویرا اس کی مہمان تھی، اس لیے ویرا کے خلاف کسی شرارت یا سازش کا تصور ہی کمزور نظر آتا تھا، دوسری طرف یہ بات بھی یقینی تھی کہ شراب خانے کے عملے کی ملی بھگت کے بغیر ویرا کو شراب میں کوئی مضر چیز نہیں دی جا سکتی تھی۔ اس بارے میں، میں بار ٹینڈر کا گریبان پکڑ کر اس سے جواب طلب کر سکتا تھا لیکن اسی لمحے ایک خیال کی بازگشت میرے قدموں کی زنجیر بن گئی۔

کچھ دیر قبل میں خود ویرا سے کہہ رہا تھا کہ ہم اپنے اصل مشن اور مقصد پر نگاہ رکھنے کے بجائے بہتیرے ضمنی معاملات میں بھی اُلجھتے رہتے تھے جس سے ہمارا وقت برباد ہوتا تھا۔ اس وقت ویرا کے ساتھ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اگر میں جوش میں نیچے اتر کر شراب خانے میں مار کٹائی میں ملوث ہو جاتا تو اس کا انجام جو ہوتا سو ہوتا، اتنی دیر ویرا کسی مناسب نگہداشت کے بغیر کمرے میں تنہا پڑی سسکتی رہتی اور کچھ پتا نہیں کہ اس کا کیا حشر ہوتا اس لیے بہتر یہی تھا کہ جوش میں کوئی غلط قدم اُٹھانے کے بجائے وہیں رُک کر ویرا کی دیکھ بھال کی جاتی۔

سستے شراب خانوں کے پیشہ ور ملازمین عام طور پر اچھے لوگ نہیں ہوتے کیونکہ آئے دن ان کا واسطہ چور، اُچکوں اور جُواریوں سے پڑتا رہتا ہے اور جو شخص ضرورت پیش آنے پر ان کے جبڑے توڑ کر اُنھیں باہر پھینکنے کی قوت اور اہلیت نہ رکھتا ہو اُسے بہت جلد کوئی نیا پیشہ اختیار کرنا پڑ جاتا ہے۔ میکس کا شراب خانہ ویسے بھی اچھی شہرت کا حامل نہیں تھا لہٰذا اس کی غیر موجودگی میں اس کے پلے ہوئے ملازمین کی بھیڑ سے اُلجھ کر میں سراسر خسارے میں رہتا اور اگر نوبت پولیس تک پہنچ جاتی تو ویرا کی مدد کے بغیر میرا بچنا محال ہو جاتا۔

یہ خیالات ذہن کے پردے پر نمودار ہوتے ہی میں تیزی سے واپس پلٹا اور نڈھال ویرا کو بستر پر پیٹ کے بل اُلٹا لٹا کر اس کا دہانہ مسہری سے نیچے لٹکا کر اس کی پشت پر دو تین پُرزور تھپکیاں دیں اور پھر اس کی کمر پر زور ڈال کر اس کا پیٹ دبانے لگا۔ یہ وہی ترکیب تھی جو پانی میں ڈبکیاں کھائے ہوئے شخص کا معدہ خالی کرانے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ ویرا اکھڑے اکھڑے انداز میں کراہتی رہی اور پھر یکبارگی اس کے معدے نے سارا کھایا پیا دہانے کے راستے باہر نکال دیا اور خواب گاہ میں ہلکا سا تعفن پھیل گیا۔

ویرا کے بستر سے لٹکے ہوئے دہانے کے نیچے کوڑے کی بالٹی موجود ہونے کے باوجود قالین کا کچھ حصّہ داغ دار ہو گیا لیکن اس عمل کے نتیجے میں چند منٹ بعد ویرا نے ہانپتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے سر میں درد برقرار تھا لیکن قے ہو جانے کے بعد مجموعی طور پر اس کی طبیعت ہلکی ہو چکی تھی۔

"میں نے تمھیں پریشان کر دیا۔" وہ نیم وا سی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے نقاہت آلود مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"میں تو نیچے بار ٹینڈر سے لڑنے جا رہا تھا لیکن پھر تمھاری دیکھ بھال کا خیال آ گیا۔ آخر ہوا کیا تھا؟"

"غلطی میری تھی۔" وہ سیدھی ہو کر کہنیوں کے سہارے

بستر سے اُٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نے کاؤنٹر پر صرف اتنا کہہ دیا تھا کہ ذرا اپنی مرضی سے مزے کا ایک پیگ پلا دو اور اس نے دونوں بار تیز ترین مقامی شرابوں کی کاک ٹیل پلا دی جو اچھے بھلے آدمی کو بھی براہِ راست کھوپڑی میں چڑھتی ہے... پتا نہیں تمھارے کا غذات تیار ہونے تک میں کیسے برداشت کرتی رہی۔ اوپر آتے ہی میں اُلٹ گئی تھی۔"

میں نے رسماً اس سے آرام کرنے کے لیے ضرور کہا لیکن عملاً اسے قالین وغیرہ کی صفائی سے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ تعفن رفتہ رفتہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ویسے بھی اس کی کہانی سُن کر بے ساختہ میرا دل چاہا تھا کہ اس کا سر کسی دیوار سے ٹکرا دوں۔ جب اُسے مقامی شرابوں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تھیں تو اُسے انتخاب بارٹینڈر پر چھوڑنے کی حماقت نہیں کرنا چاہیے تھی کیونکہ ایک مرتبہ میں خود ایسی غلطی کا خمیازہ بھگت چکا تھا۔

کراچی آنے سے قبل ایک بار میں پنڈی کی لال کُرتی میں ایک پان فروش کے پاس مزیدار تمباکو والے پان کی فرمائش کر بیٹھا اور جب پان والے نے تمباکو کی برداشت کی بابت دریافت کیا تو میں جھونک میں آ کر کہہ بیٹھا کہ ڈال دیں اپنی مرضی سے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرا گھر پہنچنا دشوار ہو گیا اور جب تک راستے میں دو تین بار قے نہ ہوئی، میں ہموار قدموں سے راستہ طے کرنے کے قابل نہ ہو سکا۔

کمرے کی صفائی سے فارغ ہو کر میرے مشورے پر ویرا نے نیچے سے یخ فریش لیمن کا گلاس منگوا کر پیا تو اس کی حالت تیزی سے بہتر ہوتی چلی گئی اور ہم ایک مرتبہ پھر اپنے پرانے موضوع پر آ گئے لیکن اس بار میں نے ابتدا سلطان شاہ کے بارے میں سوال سے کی تھی۔

"اس کا تو کہنا تھا کہ ابھی تک سراغ نہیں مل سکا لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔"

"اس اندازے کی کوئی وجہ بھی ہو گی؟"

"تھوڑی دیر کی گفتگو میں اس نے کئی بار دُہرایا کہ سلطان شاہ کے معاملے میں ایجنسی خسارے میں رہی کیونکہ ناکام مہم پر معاوضے سے زیادہ اخراجات آ چکے تھے۔ اس نے امکان ظاہر کیا کہ سلطان شاہ کو کہیں مارسیلز سے باہر کسی اور شہر میں نہ بھیج دیا گیا ہو۔ معاہدے کی رو سے وہ صرف ایک ہی صورت میں اضافی رقم طلب کر سکتے ہیں جب ان کی مہم مارسیلز کی حدود سے باہر نکل جائے۔"

"اس میں جھوٹ کون سا ہے؟ وہ لالچی ہیں تو تم انھیں امید دلا سکتی تھیں۔"

"میں نے اضافی اخراجات کا تخمینہ دریافت کیا تھا، جو وہ نہیں بتا سکا۔ میرا خیال ہے کہ انھوں نے سلطان شاہ کا کھوج نکال لیا ہے اور اب اس کے بارے میں اپنے طور پر معلومات جمع کر کے یہ اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ مجھ سے سودے بازی میں زیادہ سے زیادہ کتنی رقم کھینچ سکیں گے۔"

"یہاں سب ہی چور ہیں۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "میکس بھی اسی راہ پر چل رہا ہے۔ غضب خدا کا کہ اس تنگ اور گھٹیا سی خواب گاہ کے ہم دو سو ڈالر یومیہ دے رہے ہیں۔"

"چور نہیں... یہ میرا برسوں کا تجربہ ہے کہ جن شہروں میں سیاحت کو آمدنی کے ذرائع میں اہمیت حاصل ہوتی ہے وہاں کے باشندے باہر سے آنے والوں کو ٹھگ اور لٹیرے نظر آنے لگتے ہیں جبکہ مقامی لوگ ہر سودے کی ابتدا اونچے منافع کے ساتھ کر کے کہیں نہ کہیں سودا کر لیتے ہیں۔ اس طرح خریدار سستی خریداری کے باوجود اپنے لُٹ جانے کا شاکی رہتا ہے۔ لوگ تو لندن کے بارے میں بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ میکس اور ایجنسی والے بھی ہم سے زیادہ سے زیادہ رقم بٹورنا چاہ رہے ہیں۔ ہم کون سا روز روز ان کے پھندے میں آتے رہیں گے۔ ہماری گنجائش اور معاملے کی اہمیت کے پیش نظر وہ دام لگائیں گے۔"

"اتنی ہی بات تھی تو مجھے کلنٹری سننے کے بجائے اسی سے فیصلہ کر کے آتیں۔"

"میں بتا رہی ہوں کہ میں نے بات کرنا چاہی تھی لیکن اس نے رقم کا کوئی عندیہ نہیں دیا۔ ویسے میں دس ہزار کی پیش کش کرتی تو وہ دو لاکھ کے خواب دیکھنے لگتا۔ ان لوگوں کو میں تم سے زیادہ سمجھتی ہوں۔ ان سے جیتنے کے لیے بس ذرا اعصاب پر قابو رکھنا ہوتا ہے۔ سلطان شاہ اگر ان کی نظروں میں آ گیا ہے تو وہ اُسے کبھی اوجھل نہیں ہونے دیں گے۔ یہ لوگ نام نہاد معمولی فیس کے سہارے صرف کیس تلاش کرتے ہیں۔ اصل معاوضے کی بات کامیابی سے ذرا پہلے اعصابی دباؤ میں طے ہوتی ہے۔"

"اب اگر تمھاری طبیعت سنبھل گئی ہو تو یہاں سے نکلنے کی تیاری کرو۔" میں نے کچھ دیر کے سکوت کے بعد کہا۔

"میں تیار ہوں، رقم کے تھیلے کے علاوہ مجھے کچھ اور نہیں لینا۔" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

میں نے اپنی اس پناہ گاہ پر الوداعی نظریں ڈالیں پھر رقم کا بیگ کندھے سے لٹکا کر ویرا کے ساتھ خواب گاہ سے باہر نکل گیا لیکن ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی نیچے سے آنے والی میکس کی درشت اور اونچی آواز سُن کر ہم اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گئے۔

"وہ آ گیا ہے اور کسی ملازم پر برس رہا ہے۔" ویرا سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ "بیگ واپس کمرے میں رکھ دو، اب ہمیں

اس سے بات کرکے ہی جانا ہوگا، ورنہ وہ برہم ہو جائے گا۔"

"کیوں نہ اس کا سامنا کرنے کے بجائے عقبی راستے سے نکل چلیں۔"

"وہ شراب خانے میں جھنگھاڑ رہا ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس نے گیراج باہر سے مقفل کیا ہوگا۔ عقبی زینوں سے اترنے کے بعد ہم گیراج سے باہر نہ جاسکیں گے۔"

میں بوکھلا کر خواب گاہ میں گھس گیا کیونکہ اسی لمحے وزنی قدموں کی دھمک کے ساتھ میکس کی غراتی ہوئی آواز زینوں پر قریب ہوتی ہوئی سنائی دینے لگی تھی۔ وہ شاید غصے میں پیر پٹخ پٹخ کر سیڑھیاں عبور کر رہا تھا اور اس کے تیور خراب معلوم ہو رہے تھے۔ میرے پیچھے ویرا بھی خواب گاہ میں لوٹ آئی اور دروازہ بند کرکے آہستگی سے اندر سے بولٹ کرلیا۔

چند ثانیوں بعد ہی میکس کی آواز ڈرائنگ روم میں سنائی دی پھر ہماری خواب گاہ کا دروازہ بھی دھڑ دھڑا دیا گیا۔ اس بار میں نے دروازہ کھولا تو میکس کو بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ اپنے مدِمقابل موجود پایا۔ اس کے شانوں پر سے مجھے ڈرائنگ روم میں ایک اور اجنبی چہرہ نظر آیا جو اسی طرف متوجہ تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم ٹھیک ٹھاک ہو۔" میکس نے مجھے نظر انداز کرکے بستر سے اٹھتی ہوئی ویرا سے انگریزی میں کہا۔ "میں نے آتے ہی نیچے تمھاری خیریت معلوم کی تو پتا چلا کہ نیچے تمھیں رف رائیڈر کاک ٹیل کے دو پیگ سرو کیے گئے تھے، جو کسی سانڈ کو بھی گرانے کے لیے کافی ہوسکتے ہیں، میں ابھی بار ٹینڈر کو سخت سست کہتا ہوا آرہا ہوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم رف رائیڈر ہضم کرگئیں۔"

"میرا ایک اصول ہے میکس!" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔ "جو شراب ہضم نہ کرسکوں، میں اسے کسی قیمت پر ہاتھ نہیں لگاتی۔ اپنی طرف سے فکرمندی پر میں... میں..."

بات کرتے ہوئے وہ خواب گاہ کے دروازے کے سامنے آئی تو ڈرائنگ روم میں موجود شخص پر نگاہ پڑتے ہی اس کی زبان ہکلا کر گنگ ہوگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں خوف و ہراس سمٹ آیا تھا۔

"یہ میری مہمان لینا جیرالڈ ہے۔" میکس اپنے مہمان کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ مقصد یہی تھا کہ اجنبی ویرا کو اچھی طرح دیکھ لے۔ "اور دوسرا اس کا بوائے فرینڈ چارلس ہے۔" پھر وہ ویرا سے مخاطب ہوگیا۔ "یہ میرا جگری دوست رک میلون ہے۔"

میں نے بھانپ لیا تھا کہ میلون اور ویرا ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں تھے اور وہ بات میرے لیے خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔ بہرحال ہم دونوں کو باہر نکل کر اجنبی سے ملنا ضروری تھا۔ میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کے پنجے پر خاصا دباؤ ڈالا جو وہ کسی ردِعمل کا مظاہرہ کیے بغیر خندہ پیشانی سے سہہ گیا۔

میکس اس وقت بھی نشے میں تھا اس لیے ویرا اور میلون کے چہروں کے تاثرات پر غور نہ کرسکا اور وہ دونوں بھی گفتگو آگے بڑھانے میں ایک دوسرے کی پیش قدمی کا انتظار کرتے رہے۔ شاید دونوں کو ہی آغاز کے لیے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"تم لوگ ایک دوسرے کا تعارف حاصل کرو، میں لباس بدل کر آتا ہوں۔ اجازت ہو تو سر پر تھوڑا سا پانی بھی بہا لوں، سارا دن پیتے رہنے سے سر بھاری ہو رہا ہے۔" میکس نے میلون سے مخاطب ہوکر کہا اور اس نے خوشدلی کے ساتھ اپنے میزبان کو اجازت دے دی۔

"یہاں کیسے آئے ہو رک؟" تخلیہ میسّر آتے ہی ویرا نے تجسس آمیز سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"شاید لاٹری لینے۔" وہ اپنی جیب سے پستول نکال کر گود میں رکھتے ہوئے بولا۔ "تمھیں دیکھنے سے پہلے میرا خیال تھا کہ میکس میرا وقت برباد کر رہا تھا لیکن اب اندازہ ہوا کہ کبھی کبھی کھوٹا سکہ بھی کام دکھا جاتا ہے۔"

"پستول دکھا کر مجھے مرعوب کرنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا قدرے ترش لیکن دھیمے لہجے میں بولی۔ "مجھ سے کھل کر بات کرو کہ یہاں کیوں آئے ہو اور ابھی کس لاٹری کا ذکر کر رہے تھے؟"

"میکس نہا رہا ہے اس لیے بتانے میں کوئی ہرج نہیں۔" وہ آسودہ سی مسکراہٹ کے ساتھ پستول سے کھیلتے ہوئے بولا۔ "تمھیں علم ہو یا نہ ہو کہ آج صبح گیری ہارٹ کو ایک فلیٹ میں ہلاک کردیا گیا، وہاں ایک عورت کی لاش بھی ملی ہے، اس واردات کے بارے میں ایک عورت اور ایک غیر ملکی مرد کی کہانی سننے میں آئی ہے۔ شی نے فوری طور پر گیری ہارٹ کا جانشین مقرر کردیا ہے جس کے ذریعے مارسیلز میں تاحکم ثانی شی کی تمام سرگرمیاں موقوف کرادی گئی ہیں اور پوری ٹیم کو تمھاری تلاش پر مامور کردیا گیا ہے۔ شی کی تاریخ میں پہلی بار تمھاری تلاش پر پچاس ہزار ڈالر کا خصوصی انعام مقرر کیا گیا ہے اور اس وقت شہر بھر میں شی کے دو سو سے زیادہ ادنیٰ اور اعلیٰ کارکن ٹیمیں بنائے تمھیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں، میں بھی اسی چکر میں ایک اوپیرا میں بھٹک رہا تھا تو میکس مل گیا۔ میں نے سرسری طور پر میکس سے ذکر کیا کہ مجھے ایک لڑکی کی تلاش تھی، وہ مل جاتی تو میرے دن پھر سکتے تھے۔ میکس سمجھا کہ کوئی بھی لڑکی چل جائے گی۔ اس لیے جھٹ مجھے دعوت دے بیٹھا کہ اس کے قبضے میں بھی ایک لڑکی ہے جو مجھے پسند آئے تو وہ مجھ

سودا کرلے گا۔ اس وقت مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میکس مجھے ی بڑی کامیابی کی راہ پر بڑھنے کی دعوت دے رہا تھا۔ یہ بتا ں کہ تمھارے بارے میں شی کے احکام جاری ہونے کے بعد پہلے والا رِک نہیں رہا ہوں، تم نے ذرا بھی گڑبڑ کرنے کی کوشش تو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔“

ویرا سنتی رہی اور وہ بولتا رہا۔ اس وقت وہی حکمتِ عملی یاب بھی تھی کیونکہ اس طرح ہمیں آنے والے بُرے حالات بارے میں زیادہ علم ہو سکتا تھا۔

”تو یوں کہو کہ مارسیلز کی گودیوں پر ہیروئن کی پڑیاں بیچنے لا آج میرا خریدار بن کر آیا ہے۔“ ویرا زہریلے لہجے میں بولی۔

”اور تمھارے بوائے فرینڈ کا بھی۔“ وہ اس وقت اونچی واز کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ ”مجھے شبہ ہے کہ گیری کی ہلاکت ں تم دونوں ہی شریک تھے ورنہ تم یہاں یقیناً جیرالڈ کے نام سے رہ رہی ہوتیں۔ شاید تمھارے ساتھی کو لے جانے پر کچھ اور ھی انعام دے دیا جائے۔۔۔ اب تم دونوں پھنس چکے ہو۔ میکس نے گیراج کا دروازہ باہر سے مقفل کیا ہے اور شراب خانے کے ازموں سے کہہ دیا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اوپر سے کوئی ھی نیچے اترنے کی کوشش کرے تو اس کی ٹانگیں توڑ کر اُسے وبارہ اوپر پھینک دیا جائے۔“

”اور تم ہم دونوں کو میکس سے خرید کر لے جاؤ گے۔“ میں نے اُسے چڑانے کی نیت سے اپنی تشویش پر قابو پاتے ہوئے حقیر آمیز لہجے میں کہا۔

”میکس خود تم دونوں کو باندھ کر اپنی گاڑی میں میرے گھر ہنچائے گا۔ تم فکر نہ کرو، میں نے تمھیں دیکھتے ہی اپنے ذہن میں امیاب سودے کا پورا خاکہ بنا لیا ہے۔“

اس دوران میں، میں مسلسل اس گھات میں لگا رہا کہ وہ لحہ بھر کے لیے بھی پستول کی طرف سے غافل ہو تو میں ہتھیار چھین کہ اُسے غیر مسلح کر دوں لیکن اس نے ایک بار بھی مجھے ایسا موقع فراہم نہیں کیا البتہ اپنی ہرزہ سرائی کے دوران اس نے ہمیں پوری صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا جو ہمارے حق میں بہت خطرناک تھی۔ ہمارے فرار کی راہیں مسدود کی جا چکی تھیں۔ میکس نے ہمیں اپنا مالِ غنیمت بنایا ہوا تھا اور رِک ہمیں اونے پونے خریدنے کے چکر میں تھا، میرا ذہن اس بارے میں بہت تیزی سے کام کر رہا تھا یونکہ اس وقت کی ذرا سی لغزش ہمارا مستقبل برباد کر سکتی تھی۔ یرے لیے خوشی کی بات صرف اتنی تھی کہ رِک نے مزاحمت کی صورت میں ہمیں ہلاک کرنے کی کوئی دھمکی نہیں دی تھی بلکہ یہ ہمیں کہہ بیٹھا تھا کہ وہ میکس کے ہاتھوں ہمیں بندھوا کر اپنے گھر لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا جس کا مطلب تھا کہ شی کی طرف سے ویرا کو زندہ گرفتار کرنے کے احکام جاری ہوئے تھے۔

میکس کے غسل سے فارغ ہو کر آنے تک ہم دونوں ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے گھورتے رہے۔ ویرا نے تھکے ہوئے انداز میں صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔

”ہو گیا تفصیلی تعارف؟“ میکس نے ڈرائنگ روم میں آتے ہی خاص طور پر کسی سے مخاطب ہوئے بغیر سوال کیا۔ پھر اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے ویرا سے بولا۔ ”اب تم دونوں اپنے کمرے میں جاؤ، ہمیں کچھ بات کرنی ہے۔“

ویرا نے صوفہ چھوڑ دیا، مگر میں اپنی جگہ ڈٹا رہا اور نرم لہجے میں بولا۔ ”ہمیں رِک نے بتایا ہے کہ تم بردہ فروشی بھی کرنے لگے ہو، ہمارا سودا اگر ہماری موجودگی میں ہی کیا جائے تو تمھارے لیے سودمند رہے گا۔“

میری زبان سے وہ بات سنتے ہی میکس طیش میں آ گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ گھوم کر رِک میلون کے مُنہ پر پڑا اور وہ کراہتا ہوا اپنے پستول سمیت ایک طرف لڑھک گیا۔

”یہ کیا بکواس کی ہے تو نے؟ میں تیری ہڈیاں چبا جاؤں گا۔“ میکس آستینیں چڑھاتے ہوئے آگ بگولا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اور ویرا اپنی آنکھوں میں اطمینان کی چمک لیے واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

”خدا کے لیے میکس ہوش میں رہو۔“ رِک دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے کے سامنے ڈھال بناتے ہوئے گڑگڑایا۔ ”میں نے حماقت میں انھیں کچھ باتیں بتا دی ہیں لیکن یہ اب ہم دونوں کو لڑوا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ تم دیکھنا کہ معاملہ بن جانے کے بعد میں ان خبیثوں سے کیسا سلوک کرتا ہوں۔“

”پھر اس سے پستول ضرور لے لینا۔“ میں نے میکس کو مزید بھڑکایا۔ ”داموں پر تنازعے کی صورت میں یہ ہمیں یہاں سے پستول کے بل پر نکال لے جانے کی سوچ رہا تھا۔“

رِک میلون قد میں میکس سے نکلتا ہوا اور طاقت میں برابر ہی رہا ہو گا، لیکن اس وقت میکس اس پر بُری طرح حاوی تھا۔ اس نے کسی باز کی طرح جھپٹ کر رِک کے ہاتھ سے پستول چھین لیا، ساتھ ہی وہ فرنچ میں غرّانے بھی لگا تھا۔ میکس ذرا پیچھے ہٹا تو رِک نے بمشکل خود کو اپنی نشست میں سنبھالا اور مجھے کینہ توز نظروں سے گھورنے لگا۔

”لے جا سکتے ہو تو میری مرضی کے بغیر اب انھیں ہلا کر دکھاؤ۔“ میکس اسے کینہ توز نظروں سے گھورتے ہوئے غرّایا۔ ”تم دوست نہیں، آستین کے سانپ ہو، میرے سامنے کوئی متبادل راستہ ہوتا تو اسی وقت تمھاری منحوس صورت پر تھوک دیتا۔“

"تم غصہ تھوک کر اطمینان سے اپنا سودا کرو۔" میں نے مربیانہ انداز میں میکس سے کہا۔ "بس رقم لے کر اپنی ذمّے داری سے یہیں سبکدوش ہو جانا، آگے ہم رک سے خود نمٹ لیں گے۔"

"بکواس بند کرو۔" میکس نے غصے میں مجھے جھڑک دیا۔ "میں بھی اتنا پاگل نہیں ہوں کہ بلاوجہ کی ذمّے داریاں اپنے سر لیتا پھروں، یہ بڑا سورما بنا پھرتا ہے، کچھ کام خود بھی کرے گا۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تمھارا پہلا فیصلہ درست تھا، تم ان دونوں کو یہاں سے ہٹا دو ورنہ یہ تمھیں مشتعل کر کے آخرکار یہ سودا بالکل تباہ کرا دیں گے۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں تم مجھے ٹھگنے کی کوشش نہیں کرو گے؟"

"یہ موجود رہ کر کیا کر لیں گے؟ انھیں تو آخرکار میرے ہی قبضے میں آنا ہے۔ تمھارے لیے یہ بیکار ہیں اور میں تمھیں معاوضے میں تمھارے تصور سے زیادہ رقم دوں گا۔"

"اجازت ہو تو تمھارے فائدے کی ایک بات بتاؤں؟" میں نے بڑے ادب سے میکس سے دریافت کیا۔

"بکو۔" وہ کسی بھیڑیے کی طرح غرّایا۔

"اس وقت حقیقی معنوں میں ہم تینوں تمھارے قیدی ہیں، رک میلون کو تم نے دیکھ لیا کہ یہ تمھارا دوست نہیں بلکہ ایک ذلیل اور خود غرض شخص ہے، پھر تم اس کی وجہ سے خسارے میں کیوں رہو؟ کھلی بولی لگوا دو، ہم اس کے زیادہ دام لگائیں تو اسے ہمارے سپرد کر دینا، اس کی بولی اونچی ہوئی تو یہ ہمیں لے جائے گا۔"

پہلی بار رِک میلون کے چہرے پر اعتماد کی روشنی نظر آئی اور میکس بولا۔ "یہ تجویز زیادہ مناسب ہے۔ میری غرض صرف پیسے سے ہے، دونوں صورتوں میں تم تینوں ہی اکٹھے جاؤ گے۔"

"ہماری بولی کامیاب ہوئی تو ہم اسے کہیں نہیں لے جائیں گے۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر یہیں ڈال جائیں گے، انھیں پھنکوانا تمھارا کام ہوگا۔"

"اس کے چھ سو ڈالرز فالتو ہوں گے۔" میکس کاروباری لہجے میں بولا۔

رِک میلون کو اس شرط پر جمائے رکھنے کے لیے میں نے چھ سو ڈالر پر خاصی بحث کی جسے رِک ہماری مالی کمزوری کی دلیل سمجھ کر مسکراتا رہا اور جب میکس نے جھنجلا کر پانچ سو پر بات ختم کی تو وہ جلدی سے بول پڑا۔ "اور اپنی کامیابی کی صورت میں اتنی ہی رقم میں تمھیں ان دونوں کو اپنے اڈّے پر پہنچانے کے عوض دوں گا۔"

"پہلی بولی کون دے گا؟" میکس نے سوال کیا۔ اس وقت بہت عجیب وغریب صورت حال پیدا ہو چکی تھی جس میں دو دشمن

دے کر ایک دوسرے کو خریدنے کے لیے کوشاں تھے میری انوکھی حکمتِ عملی نے ویرا کو متحیر کر کے رکھ دیا تھا کیونکہ میکس تو لالچ میں بہت آسانی کے ساتھ شیشے میں اتر آیا تھا دوسری طرف رک بھی ہمیں مالی طور پر کمزور سمجھ کر جھانسے میں آ گیا تھا اور میں اسے پوری طرح دلدل میں غرق کرنے سے قبل اصلیت سمجھنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے رقم کے بارے میں محتاط روش پر چل رہا تھا۔

"یہ ہمیں خریدنے آیا تھا اس لیے پہلی بولی اس کا حق ہے۔" میں نے براہِ راست رِک میلون کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، جو اپنی کی بنا پر سبقت کے تمام فائدوں سے محروم ہو چکا تھا۔

"شروع ہو جاؤ۔" میکس بے تابانہ لہجے میں بولا۔ "میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ قسمت کی دیوی آج مجھ پر کتنی مہربان ہے۔"

"ایک ہزار ڈالرز۔" رک نے اپنی جگہ پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"بارہ سو۔" میں نے اطمینان سے بولی بڑھا دی۔

تدریجی انداز میں دونوں طرف سے رقم میں اضافہ ہوتے ہوتے جب رک نے دس ہزار کی بولی لگائی تو وہ سخت بے آرام ہو چکا تھا۔ اس کی پیشانی پر اس سرد موسم میں پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ رک کی اگلی بولی بارہ ہزار کی ہوئی تو اس کی آواز کمزور پڑنے لگی اور اسی کے ساتھ اس نے ایک ایسا اعتراض اُٹھا دیا جو میں خود کسی مناسب مرحلے پر اُٹھانے والا تھا۔

"یہ بے بنیاد بولیاں لگا رہا ہے، مجھے یقین ہے کہ یہ اتنی رقم ادا نہ کر سکے گا۔" اس نے احتجاج کیا۔ "اس سے کہو کہ بولی آگے بڑھانے سے پہلے نقد اثاثے ظاہر کرے۔"

وہ بات میکس کے مفاد میں جاتی تھی۔ اس لیے وہ استفسارانہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ "مجھے یہ شرط بھی منظور ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن رقم تم کو علیحدگی میں دکھائی جائے گی ورنہ یہ مقابلے سے بھاگ جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ویرا کو اشارہ کیا اور وہ اُٹھ کر تیزی سے خوابگاہ میں چلی گئی۔ مجھے سے توقع تھی کہ وہ پوری رقم ظاہر کرنے کی حماقت نہیں کرے گی۔

میکس، رِک کے ساتھ ایک گوشے میں چلا گیا اور جیبوں سے رقم نکال کر میکس کو دکھانے لگا۔ اس مرحلے پر میکس کوئی اعتراض کیا، رک نے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور دونوں فرنچ میں بحث کا آغاز ہو گیا جو مجھے اپنے حق میں سود مند محسوس ہو تھی۔ آخرکار میکس برا سا منہ بنائے برہمی کے انداز میں واپس لو اس اثنا میں ویرا تھیلے کے بغیر کمرے سے نکل آئی۔ اس نے رقم کپڑے میں لپیٹ رکھی تھی۔

میکس نے رک سے دور جا کر رقم دیکھی اور پھر گڈیاں

ولنے کے بجائے اپنی جیبوں میں اڑستے ہوئے کمرے کے وسط میں آگیا۔

"کھیل ختم ہوگیا" اس نے انگریزی میں اعلان کیا۔ "رِک میلون کے پاس باو ہزار ہیں اور رینا کے پاس چالیس ہزار، اس لیے یہ بولی تم جیت گئے۔"

آخری فقرہ اس نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا تھا، اس کامیابی پر میں اپنی اضطراری خوشی پر قابو نہ رکھ سکا اور جھپٹ کر رک میلون کے چہرے پر دو زوردار مکّے جڑ دیے۔ وہ بوکھلاتے ہوئے انداز میں غراتے ہوئے ایک طرف الٹ گیا۔ نیلام کے غیر متوقع انجام پر وہ بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

"ٹھہرو! ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔" میکس غرایا۔ "تم بولی ضرور جیت گئے ہو لیکن سودا صرف رک کا ہوا ہے اس لیے اس کے باوہ ہزار بھی میرے ہیں۔ رقم ڈھیلی کرو رک۔"

"اس کے پاس بارہ ہیں تو ہم سے تم تیرہ لے لو، ستائیس ہزار واپس دو۔" ویرا نے اعتراض کیا۔

"اس وقت تم سستی چھوٹ رہی ہو مائی بے بی!" میکس خباثت سے مسکراتے ہوئے بولا۔ "بلائنڈ کال چلتی رہتی تو شاید تم کو پچاس ساٹھ ہزار فراہم کرنا پڑ جاتے، اس کے بعد اب میرا تم سے کوئی مطالبہ نہیں ہوگا۔ ویسے مجھے اُمید نہیں تھی کہ تمھارے پاس اتنا مال موجود ہوگا۔ کہاں ہاتھ مارا ہے تم نے؟"

"تمھاری طرح میرا بھی ایک داؤ لگ گیا تھا لیکن یہ سراسر ظلم ہے کہ تم نے ہمیں بالکل قلاش کر دیا ہے۔ اس سے پہلے بھی تم ہمیں اُلٹی چھری سے ذبح کرتے رہے۔"

"اخراجات کے لیے یہ رکھ لو۔" اس نے سو ڈالر کے دو نوٹ ویرا کی طرف بڑھاتے ہوئے سخاوت آمیز لہجے میں کہا۔ جو اس نے مایوسی کی بھرپور اداکاری کے ساتھ لے لیے۔

میکس، رِک کا پستول تھامے اس کی طرف پلٹا تو وہ مزاحمت کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ "میرے قریب نہ آنا۔ یہ سارا ڈھونگ غیر قانونی تھا۔ تم کسی جیتے جاگتے آدمی کو یوں فروخت نہیں کر سکتے۔"

میکس دانت پیس کر فرنچ میں کچھ غرایا اور اپنی فربہ جسامت کے باوجود کسی ماہر ریسلر کی طرح فضا میں اچھلتا ہوا رِک میلون پر جا پڑا۔ اسے رِک کا ردِعمل بھانپنے میں ذرا سی چوک ہوگئی ورنہ اسی کے ساتھ پستول کا آہنی دستہ بھی رک کی کھوپڑی پر پڑ گیا ہوتا۔

"تمھاری کھوپڑی واقعی شیطان کا کارخانہ ہے۔" ویرا اُردو میں دھیمی آواز میں بولی۔ "دونوں کتوں کی طرح ایک دوسرے کو نوچ رہے ہیں اور ہم مزے میں ہیں۔"

"اب ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنے کی فکر کرنا چاہیے ورنہ میکس مزید رقم کے لالچ میں ہمارے بیگ کی تلاشی لینے کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔ ہمیں گرماگرمی میں ہی نکل جانا چاہیے۔"

رِک کسی بھی طرح میکس کے مقابلے میں بودا نہیں تھا اس لیے وہ نیچے گرنے کے باوجود میکس کے چہرے اور پسلیوں پر چند ضربات لگانے میں کامیاب ہوگیا اور وہی اس کی شامت کا نقطۂ آغاز بن گیا۔ میکس پر مار کھاتے ہی جنون سوار ہوگیا اور اس نے باضابطہ مقابلے کے بجائے اچانک رک کو چھوڑ کر اسے ٹھوکروں اور مکّوں پر رکھ لیا۔ ہاتھ پیروں کے ساتھ ہی اس کی زبان بھی چل رہی تھی۔

ذرا سی دیر میں رِک کا چہرہ لہولہان ہوگیا اور وہ کسی تھکے ہوئے سانڈ کی طرح ہانپنے لگا۔ میکس نے اس کے بدن پر موجود لباس کے چیتھڑے اڑا دیے تھے اور وہ کسی خون آشام درندے کی طرح بار بار رِک پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ دونوں کی جیبوں سے نوٹوں کی گڈیاں نکل کر قالین پر بکھر گئی تھیں لیکن اس وقت وہ دونوں ڈالروں کی گڈیوں کو روندتے ہوئے حرص و ہوس کے اس خونیں ڈرامے کو اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے کوشاں تھے جس کی ابتدا ہی پیسے کے لالچ سے ہوئی تھی۔

پھر نہ جانے کیا ہوا کہ رِک کو قالین پر گرے ہوئے اپنے پستول کی طرف جھپٹنے کا موقع مل گیا، وہ صورتِ حال بہت نازک تھی۔ اگر رِک کسی بھی طرح غالب آجاتا تو میکس کے ساتھ ہی ہم دونوں بھی گردش میں آسکتے تھے لہٰذا میں بھی میدان میں آگیا۔

رِک کا ہاتھ پستول پر پڑا ہی تھا کہ میرے وزنی جوتے نے اس کی کلائی بری طرح روند ڈالی اور پھر بائیں ہاتھ سے اس کے بال تھام کر میں نے اسے فرش سے سیدھا کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ مجھ سے لپٹ پڑنا چاہ رہا تھا کہ میں نے پیچھے ہٹ کر اپنے اور اس کے درمیان جگہ بناتے ہوئے اس کے چہرے، پیشانی اور کنپٹیوں پر پے در پے ایسے زوردار رائٹ اور لیفٹ ہُک برسائے کہ وہ کسی اندھے کی طرح اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے لڑکھڑاتا ہوا دور جا گرا جہاں میکس اس کے استقبال کے لیے تیار تھا۔

اس وقت میکس پر خون سوار ہو چکا تھا، وہ رِک کو نیچے گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ میرے گھونسوں نے رِک کی بصارت کو شاید مفلوج کر دیا تھا کیونکہ وہ کسی اندھے کی طرح فضا میں ہاتھ لہرا کر میکس کو گرفت میں لینے کی ناکام کوشش کرتا رہا اور اسی دوران میں میکس نے اس کے دونوں بازو بے رحمی کے ساتھ اپنے گھٹنوں کے نیچے دبا کر اس کے نرخرے پر ہاتھ ڈال دیا۔

وہاں جو کچھ ہو رہا تھا، ہمارے حق میں ہو رہا تھا بلکہ میکس ہمارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دے رہا تھا۔ اس لیے ہم دور کھڑے تماشا دیکھتے رہے اور میکس نے پوری قوت سے رِک کا گلا گھونٹنا شروع

کردیا۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ کسی مقابلے میں بہ ذاتِ خود شریک ہوکر جوش اور اشتعال میں دس یا پانچ حریفوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا بہت آسان کام تھا لیکن دور کھڑے رہ کر کسی دشمن کی موت کا تماشا دیکھنا زہرہ گداز کام تھا جو کم از کم کمزور دل کے کسی آدمی کے بس کا نہیں تھا۔

میکس کی فولادی انگلیوں نے رِک کے جسم میں تازہ ہوا پہنچنے کا ہر راستہ بند کیا ہوا تھا اور رِک تڑپ تڑپ کر سانس لینے کے لیے مچل رہا تھا۔ جسمانی مشقت کی وجہ سے اس کی تازہ ہوا کی طلب بڑھی ہوئی تھی جب کہ حلقوم پر میکس کا شکنجہ جما ہوا تھا لہٰذا دیکھتے ہی دیکھتے رِک کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلنے لگیں اور پھر اس کی زبان بھی رفتہ رفتہ دہانے سے باہر لٹکنے لگی لیکن میکس نے اپنی گرفت ڈھیلی نہیں پڑنے دی اور آخر کار رِک کی ساری مزاحمت دم توڑ گئی۔ اس کے بعد بھی چند ثانیوں تک میکس اسی طرح اس کے سینے پر سوار رہا۔

"اتر آؤ... اب وہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔" میں نے میکس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ اس نے پلٹ کر اپنی وحشت زدہ، خون آشام نظروں سے مجھے گھورا پھر رِک کے بے جان چہرے پر حقارت سے تھوک کر نیچے اتر آیا۔

"یہ تم نے برا کیا، اسے مرنا نہیں چاہیے تھا۔" ویرا نے مکّارانہ اداسی کے ساتھ کہا۔

"شٹ اپ۔" وہ کسی بھیڑیے کی طرح غرّایا۔ "میں وعدہ شکنوں سے نمٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔ شروع ہی سے اس کی نیّت خراب تھی ورنہ وہ پستول ساتھ نہ لایا ہوتا۔"

میں نے دل میں سوچا کہ وہ خود کب وعدے کا پاس کرتا تھا جو اسے رِک سے شکایت پیدا ہوئی تھی۔ میکس نے ویرا کو اپنا مہمان اور مجھے کرائے دار بنا کر اپنی دانست میں ہمیں بیچ ڈالنے کی پوری پوری کوشش کی تھی لیکن ہمارے ستارے یاور تھے کہ ہم اس کے جال کا توڑ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

"اس واقعے کے بارے میں تم نے کہیں بھی زبان کھولی تو یہ یاد رکھنا کہ میں تم دونوں کو رِک میلون کے پاس بھیج دوں گا۔" اس نے باری باری ہمیں گھورتے ہوئے خونخوار لہجے میں کہا۔

"ہم جانتے ہیں۔" ویرا بولی۔ "خود ہمارے ہاتھ بھی صاف نہیں ہیں۔"

"یہ لاش میری کار کی ڈکی میں پہنچا کر اب تم دونوں یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔" وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر اپنی ضربات اور زخموں کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ اس مقابلے میں کیونکہ دست بدست لڑائی ہوئی تھی، اس لیے میکس کا چہرہ بھی زخموں سے رِستے ہوئے خون اور نیلوں کے نشانات کے باعث مضحکہ خیز بن کر رہ گیا تھا۔

وہ نوٹوں کے بنڈل سمیٹ کر اپنی خوابگاہ میں گھس گیا لیکن منہ پر پانی بہا کر تولیے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے وہ فوراً ہی واپس آیا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں پلاسٹک کا ایک بڑا سا تھیلا تھا جو اس نے میری طرف اچھال دیا۔ "لاش اس تھیلے میں احتیاط سے ڈال کر اس کا منہ رسّی سے باندھ دو تاکہ میری گاڑی کی ڈکی میں اس کے ناپاک خون کے نشانات باقی نہ رہنے پائیں۔"

وہ کام خاصا وقت طلب تھا۔ سب سے پہلے ہمیں رِک کی بھیانک لاش سے جا بجا رِستے ہوئے خون کو خشک کرنا پڑا۔ اس کا چہرہ بری طرح خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ اس صفائی کے لیے میکس نے اپنے گھر سے کوئی کپڑا دینے سے انکار کر دیا کیونکہ اس سے ملنے والا کوئی موہوم سا سراغ بھی اس کی آزادی کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔ اس لیے ہمیں رِک میلون کے لباس کے چیتھڑوں پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔

اس صفائی سے فارغ ہو کر ہم نے رِک میلون کی لاش خون آلود چیتھڑوں سمیت تھیلے میں گھسیڑ دی۔ کوڑا پھینکنے والا وہ قدآدم سے بھی نکلتا ہوا تھیلا شاید شراب خانے کے ڈسٹ بِن صاف کرنے کے کام آتا تھا کیونکہ یورپ کے بیشتر ملکوں میں کھلا ہوا کوڑا پھینکنا معاشرتی اور بعض ملکوں میں قانونی جرم بھی تصور کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے مزید گندگی اور بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ اس لیے ہر مکان اور دکان کے قابض رات میں اپنا سارا کوڑا سیاہ پلاسٹک کے مضبوط تھیلوں میں باندھ کر رات گئے اپنے دروازوں سے باہر رکھ دیتے ہیں جسے صبح اندھیرے صفائی کے اداروں کی گاڑیاں اٹھا لے جاتی ہیں۔

میکس کے تیوروں سے نظر آرہا تھا کہ رِک کی لاش مجھ ہی کو ڈھونی پڑے گی، اس لیے میں نے اس کے کہنے سے قبل وہ سیاہ وزنی تھیلا اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ غنیمت یہ تھا کہ لاش گرم اور تازہ تھی جس کی وجہ سے سارے جوڑ نرم تھے اس لیے مجھے کشتی کے اس بدنصیب ہرکارے کی لاش سنبھالنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی جو پچاس ہزار ڈالر کا انعام تنہا ہتھیانے کے چکر میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

میرے اس رضاکارانہ تعاون پر میکس نے پہلی بار میری حوصلہ افزائی کی اور اس کی نگرانی میں رِک کی لاش چند ہی منٹ میں اس کی کار کی ڈکی میں مقفل کر دی گئی۔

"آتے ہوئے میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا چہک رہا تھا لیکن اب ڈکی میں خاموشی کے ساتھ واپس جائے گا۔" میکس گیراج سے کچن میں جانے والی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ مجھے اس کی وہ مہارت حیرت انگیز معلوم ہوئی کہ انگریزی پر قادر الکلام نہ ہونے کے باوجود میری وجہ سے

وہ زیادہ تر انگریزی ہی بولتا رہا تھا۔

اوپر پہنچ کر ہم نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو میکس کو خیال آ ہی گیا کہ اس نے ہماری وجہ سے بادن ہزار ڈالر کمائے تھے "میں خود تمھیں چھوڑ آتا لیکن موجودہ حالت میں میں خود کو تماشا بنانا پسند نہیں کروں گا۔"

"نہ چھوڑو لیکن نیچے والوں سے کہہ دو کہ ہمیں نکل جانے دیں" میں نے کہا۔

"اوہ ضرور۔" کہتے کہتے وہ چونک پڑا "لیکن تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ نیچے تمھیں روک لیا جائے گا؟"

"رِک بہت باخبر آدمی تھا، اس نے ہی ہمیں بتایا تھا۔"

"میری چند منٹ کی غیر حاضری میں وہ کمینہ تمھیں کھایا پیا تک بتا گیا۔" وہ پھر غصّے میں آ گیا "پتا نہیں اسے اس کی سنڈیکیٹ والے کیسے برداشت کرتے ہوں گے۔"

میکس نے نیچے اُترے بغیر اوپر کے کوریڈور سے کسی کو چیخ کر فرنچ میں ہدایت دی اور ہم اس سے ہاتھ ملا کر قالین والے چوبی زینوں کی طرف بڑھ گئے۔

الکحل، تمباکو اور چرس کی ملی جُلی تیز بُو نچلے زینوں پر ہی اتنی شدید تھی کہ نئے آدمی کو محض اس ماحول میں چند سانس لینے سے نشہ ہو سکتا تھا۔ اوپری منزل کے برعکس میکس کا شراب خانہ خاصا قرینے کا نظر آ رہا تھا لیکن دھیمی روشنیوں میں وہاں بیٹھے ہوئے مرد اور عورتیں یقیناً معاشرے کے نچلے طبقے سے تعلق رکھتی تھیں جس کا اظہار شوخ لباسوں، تیز میک اپ اور اونچی آوازوں سے بہ آسانی ہو جاتا تھا۔

ہمیں آخری زینے پر دیکھتے ہی گنجے بارٹینڈر نے دور سے ہاتھ اٹھا کر الوداعی سلام کیا۔

"یہ تصاویر عورتوں کے یہاں آنے میں مانع نہیں ہوتیں؟" میں نے وہاں آویزاں تصاویر کی طرف اشارہ کر کے ویرا سے پوچھا۔

"یہ سب اس طبقے سے تعلق رکھتی ہیں کہ میکس انھیں اجازت دے دے تو وہ سرِ شام ہی بن سنور کر ان تصویروں کی جگہ اسی انداز میں لٹک جائیں۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی "تم مشرقی لوگ ابھی تک اٹھارویں صدی میں رہ رہے ہو، ہمارے ہاں یہ چیزیں عرصے سے شجرِ ممنوعہ نہیں رہی ہیں۔ قانون جبر اور تشدّد کا مخالف ہے لیکن کہیں بھی فرد کی آزادی اور تفریح پر کوئی قدغن عائد نہیں کرتا۔"

ہم شراب خانے کے دروازے سے نکل رہے تھے۔ میں نے ویرا کے لیے دروازہ کھول کر تھاما ہوا تھا کہ ایک قریبی میز سے

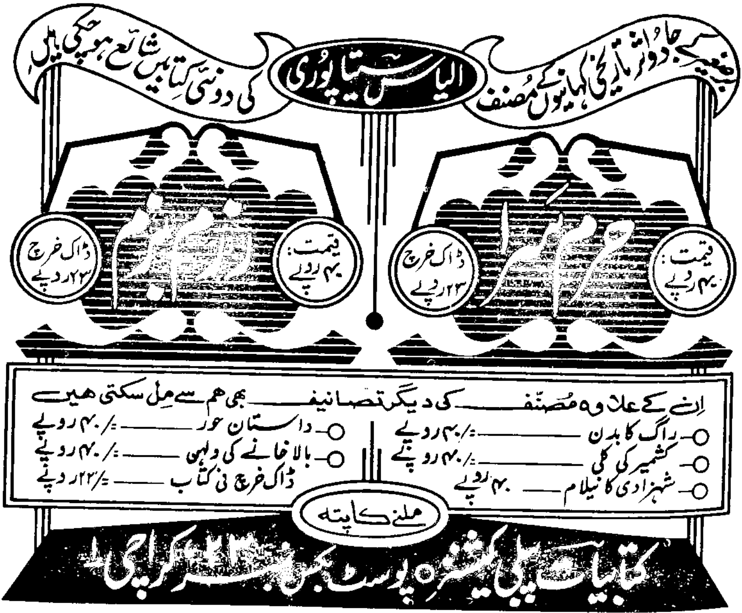

اِن کے علاوہ مصنّف کی دیگر تصانیف بھی ہم سے مِل سکتی ہیں
○ راگ کا بدن ---- =/۴۰ روپے
○ کشمیر کی کلی ---- =/۴۰ روپے
○ شہزادی کا نیلام ---- ۴۰ روپے
○ داستان حور ---- =/۴۰ روپے
○ بالا خانے کی دلہن ---- =/۴۰ روپے
ڈاک خرچ فی کتاب ---- =/۲۲ روپے
کتابیات پبلی کیشنز، پوسٹ بکس نمبر ۱۳۲۳، کراچی۔

اچانک ایک ملاح اپنے سانسوں میں الکحل کی بُو لیے تیزی سے اس کی طرف لپکا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرنچ میں کچھ کہنے لگا۔

ویرا نے سختی سے اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے کچھ کہا اور وہ میری موجودگی کی پروا کیے بغیر لوفرانہ انداز میں ٹھنڈے ٹھنڈے سانس لیتا ہوا اپنی میز کی طرف واپس ہو لیا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟"، میں نے فٹ پاتھ پر آ کر تیز اور تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ایسے واقعات کو نظر انداز کرنے کے عادی بنو!" وہ میرے سوال کو ٹالتے ہوئے بولی۔ "ورنہ ذہنی توازن بگاڑ لوگے۔"

"تم نے اس کے منہ پر تھپڑ نہیں مارا؟"، میں نے حیرت سے کہا۔

"کیوں مارتی؟" اس نے مجھ سے زیادہ حیرت کے ساتھ سوال کیا۔ "میں تمھیں بتا چکی ہوں کہ یہاں قدریں بہت بدل گئی ہیں اور فرد کی آزادی کو ہر چیز پر فوقیت حاصل ہے۔"

"اگر فرد کی آزادی یہی ہے کہ جانوروں کی سطح پر اُتر آئے تو ایسی آزادی کو میرے سات سلام۔"

"یہ صرف ایک رخ ہے، اس کے ہزاروں دوسرے پہلو بھی ہیں۔ کبھی فرصت سے لندن کے ہائیڈ پارک میں اسپیکرز کارنر جانے کا موقع ملے تو تم دیکھو گے کہ عالمی شخصیات تو ایک طرف، شاہی خاندان کے ارکین پر گندے اور رکیک حملے کیے جاتے ہیں۔ پولیس والے دور سے سنتے اور تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ کوئی مقرر سے لڑنے پر آمادہ ہو تو اسے وہاں سے نکال دیتے ہیں۔ آزادی یہی ہوتی ہے کہ ہر فریق کو اپنی بات کہنے کی آزادی ہو۔ اس نے فرمائش کی 'ہیں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ اس طریقۂ کار میں غبار اور گھٹن نہیں ہوتی۔ فطری صلاحیتوں کی نشو نما تیز ہوتی ہے۔"

"خیر تمھارا شاہی خاندان ہائیڈ پارک میں اپنے ساتھ جو سلوک چاہے کراتا رہے، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔" میں نے اس لایعنی بحث کو ختم کرتے ہوئے کہا، "یہ بتاؤ کہ اس سرد موسم میں پیدل کہاں تک گھسیٹنے کا ارادہ ہے؟"

"کاغذات ضرور بن گئے ہیں لیکن تم رک میلون سے سُن چکے ہو کہ ربیکا اور گیری ہارٹ کے قتل کے سلسلے میں میرا اور تمھارا ذکر پھیل گیا ہے اس لیے میں ٹیکسی وغیرہ سے گریز کر رہی ہوں۔ میں دیکھ چکی ہوں کہ پیدل افراد کے مقابلے میں گاڑیوں کی چیکنگ زیادہ سختی سے کی جا رہی ہے۔"

"میری بات کا جواب اب بھی نہیں ملا کہ ہم سردی میں کب تک پیدل چلتے رہیں گے؟"، میں نے جھلّا کر کہا اور وہ خوش دلی کے ساتھ ہنس پڑی۔

"تھوڑے فاصلے پر دو تین ہوٹل ہیں' بس وہیں تک دوڑ لگانا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ ہوٹل میں ہم ایک دوسرے سے اجنبی بن کر جائیں گے اور الگ الگ کمروں میں ٹھہریں گے تاکہ ہمیں ان دونوں کے قاتلوں کے خانے میں فٹ نہ کیا جا سکے۔"

ہم مارسیلز کی بندرگاہ کے علاقے میں تھے جہاں فضا میں سمندر کی مخصوص بُو رچی ہوئی تھی۔ سرد موسم کے باوجود راستوں اور دُکانوں پر رونق تھی۔ ہوٹل اور بار بھانت بھانت کے لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہمارے عقب میں بندرگاہ پر لنگر انداز جہازوں کے ہیولے ہلکی دُھند میں آبی لکیروں کی مانند نظر آ رہے تھے جن کی روشنیاں دُور سے کافی خوشنما معلوم ہو رہی تھیں لیکن میرا ذہن رک میلون میں الجھا ہوا تھا۔ وہ انتہائی غیر متوقع طور پر ہمارے سامنے آیا تھا اور اس نے اپنے حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی وجہ سے ہمیں جو کچھ بتایا تھا' وہ بہت خطرناک تھا۔

اس وقت تک ہم ہر اعتبار سے کامیاب اور سُرخرو رہے تھے۔ ہماری راہ میں حائل ہونے والے خطرات بھی ہماری راہ نہیں روک سکے تھے لیکن فائر کیمپ کو تباہ کر کے ہم نے اپنے خلاف شی کا پورا محاذ زندہ کر لیا تھا۔ جمی لائیڈ نے سرجی کے ذریعے بھیجے جانے والے کیسٹ میں جو پیغام دیا تھا' اب اس پر عمل ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا کیونکہ رک میلون کے بقول ویرا کو حاصل تمام رعایتیں منسوخ کر کے اس کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیے گئے تھے بلکہ اس پر ایک خطیر انعام بھی مقرر کر دیا گیا تھا اور اسی طرح میرے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ہو رہا تھا۔ میری ذات سے کوئی انعام وابستہ نہیں کیا گیا تھا اس لیے رک میلون نے اس بارے میں کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

دوسری طرف فائر کیمپ کی تباہی کے نتیجے میں انتظامیہ شدید عوامی دباؤ میں آ گئی تھی۔ اس لیے ہنگامی بنیادوں پر پورے شہر میں مشتبہ لوگوں کی تلاش کی مہم کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کسی ہوٹل میں منتقل ہو کر ہم کتنے عرصے تک دو طرفہ یلغار سے محفوظ رہ سکتے تھے۔

مجھے مختصر سی مدت کے لیے ربیکا کی چھت کا محفوظ ٹھکانا میسّر آیا جو اس کے شوہر کے شبہات پھر گیری ہارٹ کی مداخلت اور دُہرے قتل کی وجہ سے چھوڑنا پڑ گیا۔ میکس کی درندگی اور پیسے کی حرص کا ایک شاہکار ہم رک میلون کی لاش کی صورت

ں دیکھ چکے تھے اس لیے جان بچانے کے لیے وہاں سے ی نکلنا پڑ گیا اور اب ہوٹل کا معاملہ درپیش تھا جب کہ شہر ے سامنے ہی ہوٹل شاید پولیس اور شی والوں کی دُہری گرانی میں آ چکے تھے۔

ویرا نے میکس کے پاس ضرور اپنا تعارف لینا جیرالڈ ے طور پر کرایا ہوا تھا لیکن اس نام کے ساتھ اس کے پاس وئی شناختی دستاویز نہیں تھی۔ اب تک وہ ہر جگہ کھلے بندوں اپنا اصل نام یا پھر میجر ویرا لائیڈ کا اعزازی کارڈ استعمال کرتی ہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہوٹل میں کس نام ے قیام کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

"اس بارے میں مَیں خود فکر مند ہوں۔" میرا سوال سن کراس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اصل نام استعمال کرتے ہی یں شی والوں کا نشانہ بن جاؤں گی۔ اس کی بس ایک ہی صورت ذہن میں آ رہی ہے جو بظاہر میرے لیے محفوظ ہے لیکن کسی وقت خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیا؟" میں اس وقت احمقانہ مشوروں تک پر غور کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ویرا اسی قسم کی کوئی ناقابلِ عمل تجویز پیش کرے گی جسے غور و خوض کے بعد شاید قابلِ عمل بنایا جا سکتا۔

"تم کسی ہوٹل میں اپنے نام پر ڈبل روم بک کرالو۔ تمہارے کاغذات بھی پورے ہیں اور اطالوی نژاد پیٹر واک کے نام کے ذریعے کوئی تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔ میں بعد میں ایک ملاقاتی کے روپ میں تمہارے کمرے میں آ کر مقیم ہو جاؤں گی۔ کمرے کی صفائی کرنے والی خادمہ کے علاوہ کسی کو میرے قیام کا علم نہیں ہو سکے گا۔ تم مجھے ایک معزز امیرزادی اور اپنی گرل فرینڈ ظاہر کر کے اسے بھاری ٹپ دیتے رہو گے تو وہ اپنی زبان بند رکھے گی۔"

تجویز فوری طور پر قابلِ عمل تھی کیونکہ اچھے ہوٹلوں میں انتظامیہ اپنے مہمانوں کی پرائیویسی میں قطعی دخل انداز نہیں ہوتی، البتہ کرائے کی مناسبت سے اپنے مہمانوں کو کمرے میں سہولتیں میسر کرتی ہے جو ڈبل روم کا کرایہ ادا کرنے کی صورت میں ویرا کے لیے کافی ہوتیں لیکن سوال یہ تھا کہ ویرا شی میں بہت زیادہ معروف اور جانی پہچانی شخصیت کی مالکہ تھی۔ وہ جب بھی منظرِ عام پر آتی، شی کے لالچی بھیڑیے پچاس ہزار ڈالرز پر رال ٹپکاتے اس پر ٹوٹ پڑتے۔ اس کے ساتھ ہوٹل میں غیر معینہ مدت تک محصور ہو جانا، دوسرے خطرات کو جنم دینے کا سبب بن سکتا تھا جن کا میں اس وقت کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔

جہاں تک میرا تعلق تھا، میں خود بھی شی کی لسٹ میں سرفہرست تھا۔ ان کے پاس میرا کوئی تازہ ریکارڈ نہیں تھا۔ وہ لوگ صورت سے زیادہ مجھے ڈینی کے نام سے جانتے تھے۔ ان کے پاس اگر میری برسوں پرانی کچھ تصاویر موجود بھی تھیں، تو ان کی بنا پر اس وقت کوئی ماہر شخص بھی مجھے شناخت نہیں کر سکتا تھا، اس لیے اگر میں ڈینی کا نام ترک کر کے نئے شناختی کاغذات کے ساتھ پیٹر واک کی شخصیت اختیار کر لیتا تو میرے لیے خطرات نہ ہونے کے برابر رہ جاتے۔ اس طرح میں ہوٹل یا کسی اور کمین گاہ میں محصور رہنے کے بجائے خاموشی کے ساتھ جمی لائیڈ کے ٹھکانے کی طرف پیش قدمی کر سکتا تھا۔

ویرا، جمی لائیڈ کے عتاب میں آتے ہی میرے لیے یک بیک اپنی افادیت کھو بیٹھی تھی اور حالات کا تقاضا یہ تھا کہ مجھے خود کو ناگہانی بڑے خطرات سے بچانے کے لیے اس سے فوری طور پر کنارہ کشی اختیار کر لینا چاہیے تھی۔ وہ راستہ بہت خود غرضانہ ہوتا، لیکن مجبوری یہ آ پڑی تھی کہ مستقبل قریب میں اس کا کوئی متبادل بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں نے اس وقت ویرا سے اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہ کہا۔ میرا خیال تھا کہ ہوٹل میں سر چھپانے کی جگہ میسر آنے کے بعد کسی وقت مناسب ماحول میں اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کرتا۔ ویرا کی خاموشی سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ بھی اس پہلو سے لاعلم نہیں تھی۔

تین ہوٹلوں کی جگمگاتی ہوئی روشنیاں نمودار ہوتے ہی ویرا نے تھیلا میرے حوالے کر دیا۔ "ہوٹل مارکوئیس میں چلے جانا، میں ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد آؤں گی۔"

اسیرانِ زندگی کے لیے ایک کوچہ گردہ نورد کی سرگزشت

بابر زمان خان کی آپ بیتی جگ بیتی

سب رنگ میں شائع ہونے والا مقبول ترین سلسلہ

بازی گر

قیمت فی حصہ ۶۰/ روپے

ڈاک خرچ فی حصہ ۲۳/ روپے

اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہِ راست ہم سے منگوائیں

کتابیات پبلی کیشنز ◎ پوسٹ بکس ۲۳ کراچی

میں نے گرمجوشی کے ساتھ اس کا ہاتھ دبایا اور تیز قدموں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ ویرا میرے سامنے ہی سڑک عبور کر کے دوسری طرف چلی گئی تھی جہاں کئی اچھے کافی ہاؤس نظر آ رہے تھے۔

ہوٹل مارکوئیس چار منزلہ عمارت میں واقع تھا۔ ہوٹل پرانا ہونے کے باوجود رکھ رکھاؤ اور سامان کے اعتبار سے بہت قرینے کا نظر آ رہا تھا۔ چیک ان کاؤنٹر کے برابر میں ایک اسٹینڈ پر ہوٹل کے بارے میں مفت تعارفی کتابچے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے سرسری نظر سے ایک انگریزی بروشر کا جائزہ لیا اور کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔

میرا مدعا سنتے ہی کاؤنٹر کلرک نے کارڈ نما فارم میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے پاسپورٹ نکال کر اپنے نئے نام سے زندگی کا پہلا فارم بھرنا شروع کیا اور پیٹرواک کے دستخط کر کے پاسپورٹ سمیت اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے پاسپورٹ کا تصویر اور کوائف والا صفحہ دیکھ کر میرا جائزہ لیا۔ میں بظاہر بے پروائی سے کاؤنٹر پر کہنی ٹکائے سگریٹ پینے میں مصروف تھا مگر کاؤنٹر کلرک کی وہ عجیب حرکت میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی کہ اس نے فارم دیکھنے سے پہلے کم از کم تین بار دزدیدہ مگر پُرتجسس نظروں سے میرا اور پاسپورٹ کی تصویر کا موازنہ نہ کیا تھا۔ میں اس طرف سے مطمئن تھا، لہٰذا میں نے اسے ٹوکنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور چند ثانیوں کے بعد اس نے تین یوم کا پیشگی کرایا جمع کر کے تیسری منزل کے ایک کمرے کی چابی پورٹر کے حوالے کر دی۔ اس اثنا میں مزید دو جوڑے میرے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے اس لیے میں فوری طور پر پورٹر کے ہمراہ لفٹ کی طرف بڑھ گیا جو فلور پر موجود تھی۔

کمرے سے پورٹر کو رخصت کرنے اور جوتے وغیرہ اُتارنے کے بعد میں نے ایک بار پھر پاسپورٹ کا تفصیلی جائزہ لیا لیکن اس کے اندراجات یا تصویر میں کوئی گڑبڑ محسوس نہ کر سکا۔ اس پاسپورٹ کی خوبی یہ تھی کہ اس کا اجرا چھ ماہ پرانی تاریخوں میں ہوا تھا اور اس پر کئی بین الاقوامی سفر مندرج تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ویرا والی ایجنسی نے کسی پُرانے پاسپورٹ پر مہارت سے تصویر اور مہر تبدیل کر کے مجھے پیٹرواک بنایا تھا۔ اپنے اطمینان کے بعد میں نے شناختی کاغذات والا لفافہ رقم کے تھیلے میں ڈال دیا اور آرام دہ بستر پر دراز ہو گیا۔ ربیکا سے بچھڑنے کے بعد اس وقت پہلی بار مجھے اپنی پنڈلی میں درد کی ہلکی سی کسک محسوس ہوئی تھی۔

دوسری طرف ویرا بھی زیادہ دیر تک باہر نہ رہ سکی۔ ایک گھنٹے بعد کمرے میں فون کی گھنٹی بجی تو میں بُری طرح چونک پڑا۔ ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ میرا وہاں کا نمبر کس نے ٹیپ کر لیا تھا۔ ریسیور اٹھانے پر آپریٹر نے ناقابلِ فہم سی مشینی بڑبڑاہٹ کے بعد کال ڈائریکٹ کی تو میں نے سکون کا سانس لیا کیونکہ وہ ویرا تھی جو اس وقت ہوٹل کی لابی سے انٹرکام پر لینا جیرالڈ بن کر بات کر رہی تھی۔

وہ جزئیات کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہتی تھی اس لیے اس نے براہِ راست کاؤنٹر پر جا کر میرا کمرہ نمبر معلوم کرنے اور خود کو ایکسپوز کرنے کے بجائے انٹرکام پر آپریٹر سے میرا نمبر مانگا اور فون پر بات کرنے کے چند ثانیوں بعد ہی اوپر کمرے میں آ پہنچی۔ اس کے ساتھ خورد ونوش کے سامان کا ایک تھیلا اور بلیک لیبل کی بوتل بھی تھی۔

"اب تمھیں میرے لیے خریداری کرنا ہو گی۔" اس نے تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنی وضع قطع تبدیل کر کے اب لینا جیرالڈ کا نام اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ عربی وضع کے لباس میں میں بے فکری کے ساتھ باہر نکل کر اپنا کام کر سکوں گی۔ موجودہ نام اور رُوپ تو کسی بھی لمحے میری تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ میرے دل کی بات اس کے ذہن پر بھی سوار تھی اور وہ اس کا حل سوچ کر آئی تھی ورنہ میں تو اس سے کنارہ کشی کے امکانات پر غور کرنے لگا تھا۔

"یہ کیسے ثابت کرو گی کہ تم لینا جیرالڈ ہو؟"

"اسی طرح جیسے تم نے اپنا پیٹرواک ہونا ثابت کر کے یہ کمرہ لیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "انھی لوگوں سے دوبارہ کام لینا ہو گا۔ ویسے بھی سلطان شاہ کا معاملہ ان پر اُدھار ہے۔ جس وقت تم نے لباس فراہم کر دیا، میں اپنے مشن پر نکل جاؤں گی بلکہ الگ کمرہ بھی لے لوں گی۔"

"صرف آج کی رات ٹھہر جاؤ صبح یہ کام کر دوں گا۔ بس ذرا اپنے سائز وغیرہ بتا دینا۔"

"بتا دوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "دراصل یہ فرنچ عربوں سے بہت مرعوب ہیں۔ ہر عرب کو لکھ پتی شیخ تصور کر کے معزز گردانتے ہیں) کیونکہ انھیں مشرقِ وسطیٰ میں اربوں کے ٹھیکے ملے ہوئے ہیں۔"

"اس لباس میں تم میکس جیسے لوگوں کے پاس نہیں جا سکو گی۔"

"شاید اب ضرورت بھی نہ پڑے۔ گن بوٹ کی رقم ہی

بھاگ دوڑ کی بہت سی زحمتوں سے بچائے گی۔“ پھر چونک کر بولی ”یہ تو بتاؤ کہ پیٹرواک کے رُوپ میں تمھاری پہلی اداکاری کیسی رہی؟“

”بہت کامیاب۔“ میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ ”بس کاؤنٹر کلرک نے کئی بار میرا اور تصویر کا موازنہ کیا تھا لیکن میں نے اس کی حرکت کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔“

”موازنہ!“ وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر پُرخیال انداز میں بڑبڑائی، پھر مجھ سے بولی ”ذرا اپنا پاسپورٹ تو دکھاؤ مجھ کو، آخر وہ کیا دیکھ رہا تھا۔ اس وقت ہم معمولی باتوں کو بھی نظرانداز کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔“

اس وقت میرا ارادہ بستر چھوڑنے کا نہیں تھا لیکن ویرا کے اصرار پر مجھے اپنا پاسپورٹ اس کے حوالے کرنا پڑ گیا۔ وہ کئی منٹ تک بستر پر دراز میری تصویر کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے جیسے وہ کوئی فیصلہ نہ کر پا رہی ہو، پھر اس نے یونہی خالی الذہنی کے عالم میں میری طرف دیکھا اور پھر اُچھل کر بستر سے اُتر گئی۔

”کیا ہوا؟“ اس کے ہیجان آمیز ردِّعمل پر میں بھی بوکھلا گیا۔

”وہ صحیح موازنہ کر رہا تھا۔“ وہ اچانک دھیمے اور سنسنی خیز لہجے میں بولی ”خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے نکل بھاگو ورنہ کسی بھی لمحے پولیس چھاپا مار سکتی ہے۔“

”کچھ بکو تو کہ کیا مصیبت آگئی ہے؟“ میں نے عجلت میں جُوتے پہنتے ہوئے جھلّا کر کہا۔

”پاسپورٹ کا اجرا چھ ماہ قبل ہوا ہے لیکن تمھارے بدن پر بالکل وہی ٹائی، قمیص اور کوٹ ہے جس میں تصویر اتاری گئی ہے۔ قمیص کے چارخانے والے ڈیزائن نے اس مشابہت کو بہت واضح کر دیا ہے۔ وہ یہی دیکھ رہا ہوگا اور اب تمھارے خلاف جعلی شناختی کاغذات رکھنے کے جُرم میں کسی بھی وقت کارروائی ہو سکتی ہے۔“

بات سمجھ میں آتے ہی میرے ہاتھ پیر پھُول گئے۔ اگر مجھے یا ویرا کو ذرا بھی عقل ہوتی تو تصویر اترواتے وقت لباس بدلا جا سکتا تھا یا تصویر اتروانے کے بعد بیگ میں رکھا ہوا میرا اندرے کا کوئی لباس پہنا جا سکتا تھا لیکن اس وقت ہم نے ایک اہم نکتہ سرے سے نظرانداز کر دیا جسے ہوٹل کے معمولی سے کاؤنٹر کلرک نے پہلی نظر میں بھانپ لیا تھا۔

سچّی بات یہ تھی کہ ایسی زبردست قوتِ مشاہدہ رکھنے والے کو ہوٹل میں کلرک کے بجائے کسی اہم سرکاری عہدے پر فائز ہونا چاہیے تھا مگر ہماری بدقسمتی سے وہ ہوٹل مارکوئیس میں جھک مار رہا تھا۔

تیر کمان سے نکل چکا تھا اور اب اس کا مداوا یہی ہو سکتا تھا کہ ہوٹل مارکوئیس کو فوری طور پر خیرباد کہہ کر کوئی نیا ٹھکانا تلاش کیا جاتا۔

روانگی کے لیے ویرا نے بیگ اٹھایا ہی تھا کہ اچانک دروازے پر تیز دستک ہوئی اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔ ویرا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس نے بوکھلاہٹ میں باتھ روم میں داخل ہو کر خود کو اندر مقفّل کر لیا۔

دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ باہر والے دروازہ جلد از جلد کھلوانے کے لیے بے تاب تھے۔

”ایک منٹ ٹھہرو۔“ میں نے اونچی آواز میں یہ کہہ کر رقم کے تھیلے کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو تھیلا ندارد تھا۔ میرے کاغذات کا لفافہ میرے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ غالباً ویرا گھبراہٹ میں رقم کا تھیلا بھی اپنے ساتھ باتھ روم میں لے گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ باہر والے بے چَین ہو کر دروازے پر باقاعدہ طبع آزمائی شروع کرتے، میں نے غصّے اور بے بسی کے ملے جُلے احساسات کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔

میرے سامنے ایک ادھیڑ عمر اور تجربے کار پولیس افسر پوری وردی میں اپنے ایک جواں سال ماتحت کے ساتھ موجود تھا۔ ان دونوں کے پیچھے چیک ان کاؤنٹر کا کلرک اور دو دیگر سادہ پوش افراد موجود تھے، جن کا تعلّق شاید ہوٹل کی انتظامیہ سے تھا۔

تدبیر کی سب راہیں مسدود ہو چکی تھیں اور قانون بالآخر اپنی پوری قوت کے ساتھ میری راہ میں حائل ہو گیا تھا۔ میری نگاہوں کے سامنے تاریک دھبّے اور گنجان دائرے سے ناچنے لگے، جن کے وسط میں کھڑے ہوئے ادھیڑ عمر پولیس افسر کی گھاگ نظریں نگاہوں کے راستے میرے وجود کی گہرائیوں میں اُترتی جا رہی تھیں۔

”مونسیور پیٹرواک؟“ ادھیڑ عمر پولیس افسر کی استفسار طلب آواز مجھے کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی اور میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس نے جس طرح میرے نام کے ساتھ مسٹر کے بجائے مونسیور لگایا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پوری گفتگو

فرنچ میں ہی ختم کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔

”پیٹرواک!“ میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا پھر بظاہر پُرسکون لہجے میں انگریزی میں سوال کیا ”کیا یہاں غیر ملکیوں کے پولیس رجسٹریشن کا بھی رواج ہے؟ میں اطالوی ہوں اور فرانس کے ساتھ شاید اٹلی بھی یورپی مشترکہ منڈی کا رکن ہے۔“

دو باوردی پولیس افسران اور ہوٹل کی انتظامیہ کے تین سادہ پوش نمائندوں پر مشتمل وہ جماعت یقینی طور پر خیرسگالی کے کسی مشن پر مجھ سے ملاقات کرنے نہیں آئی تھی۔ اس خطرے کی داغ بیل اسی وقت پڑ گئی تھی جب ہوٹل کے چیک اِن کلرک نے میرے پاسپورٹ کی تصویر کا میرے بدن پر موجود لباس سے موازنہ شروع کر دیا تھا یہ اور بات تھی کہ میں اپنے طور پر اس خطرے کا ادراک کرنے سے یکسر قاصر رہا تھا اور جب ویرا نے چند منٹ قبل صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگایا تو تاخیر ہو چکی تھی کیونکہ وقت ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ چیک اِن کلرک کو اپنے شبہات ہوٹل کے اعلیٰ افسران اور پھر مقامی پولیس تک پہنچانے کے لیے کافی وقت مل گیا تھا اور اس سے قبل کہ میں ویرا کے ساتھ ہوٹل سے خاموشی کے ساتھ فرار ہوتا، پولیس میرے دروازے پر آ چکی تھی۔ میرے لیے وہ صورتِ حال بہت سنگین اور خطرناک تھی ایک بار پولیس کی گرفت میں آنے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت ہمیں شی کے خون آشام بھیڑیوں کے چنگل سے نہیں بچا سکتی تھی اس کے بعد ہمارے مستقبل کا فیصلہ صرف اور صرف جمی لائیڈ کی مرضی پر منحصر رہ جاتا۔

لیکن میری طرف سے خوف، عجلت یا گھبراہٹ کا اظہار اس وقت میرے لیے مہلک ثابت ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے اپنے دل میں پیدا ہونے والے تمام خدشات اور وسوسوں پر قابو پا کر پُراعتماد انداز میں صورتِ حال سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس وقت ہمارے ستارے شاید ایک ساتھ ہی گردش میں آئے تھے کیونکہ میں اپنے بدن پر موجود لباس کی وجہ سے مشتبہ سمجھ لیا گیا تھا اور ہوٹل کے رجسٹر میں صرف میری آمد کا اندراج ہوتے ہوئے ویرا میرے کمرے سے ملحقہ باتھ روم میں موجود بلکہ مقفل تھی۔ اگر اسے خطیر رقم کے تھیلے کے ساتھ وہاں دیکھ لیا جاتا تو ہماری گلوخلاصی کی ہر راہ مسدود ہو سکتی تھی۔

پل بھر میں یہ سارے خیالات میرے ذہن میں ابھر کر معدوم ہو گئے اور میں نہایت بااخلاق انداز میں ہمہ تن ادھیڑ عمر پولیس افسر کی طرف متوجہ ہو گیا جو بگڑے ہوئے لہجے میں انگریزی میں کچھ کہہ رہا تھا۔

”مونسیور پیٹرواک! مجھے افسوس ہے کہ ہم تمہارے آرام میں مخل ہوئے۔“ الفاظ نرم لیکن لہجہ کسی بھی قسم کی معذرت سے یکسر عاری اور غیر دوستانہ تھا۔ ”لیکن ہم اپنے فرائض سے مجبور ہیں اور ایک اطلاع پر تمہاری سفری دستاویزات کی تفصیلی پڑتال کے لیے یہاں آئے ہیں۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ میں نے خشک لہجے میں کہا۔ میں اس وقت کسی ایسے شخص کی اداکاری کرنے کی کوشش کر رہا تھا جسے بلاوجہ ہراساں کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ ”لیکن میرا خیال ہے کہ میرے کاغذات ہوٹل کے کاؤنٹر پر دیکھ لیے گئے تھے۔ کیا یہ لوگ اس بارے میں تمہاری کوئی تشفی نہیں کر سکے؟“ آخری فقرے ادا کرتے ہوئے میں خاص طور پر تیز نگاہوں سے اس چیک اِن کلرک کی طرف متوجہ ہو گیا جو پولیس افسران کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔

”مجھے افسوس ہے مونسیور!“ میری نگاہوں کی تاب نہ لا کر چیک اِن کلرک بے آرامی کے ساتھ گلا صاف کرتے ہوئے بول پڑا۔ ”دراصل یہ لوگ میری ہی نشاندہی پر یہاں آئے ہیں۔۔۔“

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اس کے برابر میں موجود سوٹ میں ملبوس شخص نے دخل در معقولات پر اسے فرنچ میں جھاڑنا شروع کر دیا اور وہ بوکھلا کر خاموش ہو گیا کیونکہ برہمی دکھانے والا اپنے اطوار سے ہوٹل کا کوئی ذمّے دار عہدے دار معلوم ہو رہا تھا۔ ادھیڑ عمر پولیس افسر سر ہلاتے ہوئے اس کی سرزنش پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کر رہا تھا۔

اس سے قبل کہ سوٹ والے کے خاموش ہونے پر ان میں سے کوئی بولنا شروع کرتا میں نے رکھائی کے ساتھ ادھیڑ عمر پولیس افسر سے سوال کیا ”اس تصدیق کے لیے راہداری میں یہ بھیڑ نامناسب ہے مجھے چند منٹ کی مہلت دو تو میں کاغذات لے کر نیچے دفتر میں آ جاتا ہوں۔“

”تم یہاں کے آدابِ معاشرت سے بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہو۔“ وہ عملاً مجھے اپنی راہ سے ایک طرف دھکیل کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ ”میزبان کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی ناپسندیدگی کے باوجود دروازے پر موجود مہمانوں کو اندر آنے کے لیے کہے اور ہمیں تم سے اسی شائستگی کی توقع تھی جو پوری نہیں ہوئی اس لیے ہم خود ہی اندر آئے جاتے ہیں۔ کاغذات میں کوئی گڑبڑ نہ ہوئی تو ہم چند منٹ میں واپس چلے جائیں گے۔“

اس کی تقلید میں بقیہ چاروں بھی کمرے میں گھس آئے۔ میرے قریب سے گزرتے ہوئے کلرک نے بے بسی سے میری طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ اسے اپنی رپورٹ کی بنا پر اتنی سنجیدہ اور سخت کارروائی کی اُمید نہیں تھی۔

”یہ رہے میرے کاغذات۔“ دروازہ بند کر کے پلٹتے ہوئے میں نے اپنے ہاتھ میں موجود لفافہ پولیس افسر کی طرف بڑھا دیا تاکہ وہ کوئی اور موضوع نہ نکال سکے۔

”خوب، تو یہ تم ہاتھ میں ہی لیے پھر رہے تھے!“ اس نے مجھے گھورتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

” تم نہ آتے تو میں خود نیچے کاؤنٹر پر جا رہا تھا، مجھے کچھ مقامی کرنسی تبدیل کرانا تھی جس کا اندراج پاسپورٹ پر ہونا ضروری ہوتا ہے۔“ میں نے برجستہ جواب دیا۔

پولیس افسر نے کوئی تبصرہ کیے بغیر لفافے میں سے میرا پاسپورٹ نکالا اور اس کا تصویر والا صفحہ کھول کر نہایت باریکی کے ساتھ بار بار تصویر سے میرا موازنہ کرنے لگا۔ اس دوران میں اس نے صفحہ آلٹ پلٹ کر تصویر کا معائنہ کیا لیکن جعل سازی اتنی مہارت کے ساتھ کی گئی تھی کہ تصویر پر لگی ہوئی اُبھرے ہوئے حروف والی اطالوی محکمہ داخلہ کی مہر عین پُرانی مہر کے نشان پر ثبت کی گئی تھی۔ اس ورزش سے فارغ ہو کر پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے وہ ایک صفحے پر رُک گیا۔

” فرانس کب آئے ہو؟“ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔ دراصل اسے میرے تاثرات یا گفتگو میں اس گھبراہٹ کی تلاش تھی جو تجربے کار افسروں کو فوراً ہی مجرم کا سراغ دے دیتی ہے لیکن میں نے بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا تھا۔ اس لیے اب تک وہ اپنی کوششوں میں ناکام رہا تھا۔

” اسی ماہ کی بائیس تاریخ کو پیرس کے اورلی ائیر پورٹ سے فرانس میں داخل ہوا تھا۔“ میں نے اپنے جعلی پاسپورٹ پر کیے ہوئے اندراجات دُہرا دیے۔

” یہ تو درست ہے۔“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر پاسپورٹ بند کر دیا۔ ” لیکن یہ بات ہر وہ شخص بتا سکتا ہے جس نے ایک بار بھی چند منٹ کے لیے یہ پاسپورٹ دیکھا ہو۔“

” تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“ میں نے قدرے تیزی کے ساتھ سوال کیا۔ ” مجھے ابھی تک یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ کارروائی کس بنا پر کی جا رہی ہے؟“

” جو لباس تمھارے بدن پر موجود ہے اسے تم کتنے عرصے سے پہنتے آ رہے ہو؟“ چند ثانیوں تک خاموشی کے ساتھ مجھے گھورتے رہنے کے بعد اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

خود کو اس سوال کی اہمیت سے بے پروا ظاہر کرنے کے لیے میں اچانک ہنس پڑا اور بولا ” ایک سال یا شاید اس سے بھی زیادہ عرصے سے۔ موسم اجازت دے تو میں اسے ہر وقت پہنے رہوں۔ ڈرائی کلین کرانے کے لیے البتہ مجھے چند روز کے لیے اس لباس کو بھولنا پڑتا ہے۔ کیا میرا یہ فعل کسی تعزیری قانون کے تحت آتا ہے؟“

آخری سوال میں نے نہایت معصومانہ سادگی سے کیا تھا اور ادھیڑ عمر پولیس افسر کی پیشانی پر فکر آلود دلکیریں ابھر آئیں۔ اس کی آنکھوں سے وہ اعتماد آہستہ آہستہ زائل ہوتا نظر آ رہا تھا جو میرے مجرم ہونے کے بارے میں ابتدا سے اس کے دل و دماغ میں جاگزیں تھا۔

” تم ساری زندگی ایک ہی لباس میں گزار دو تو بھی قانون معترض نہیں ہو سکتا۔“ آخر کار اس نے ایک سگار کا گوشہ توڑ کر اسے سلگاتے ہوئے کہا۔ ” لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تقریباً چھ ماہ پہلے جاری ہونے والے پاسپورٹ پر لگی ہوئی تمھاری تصویر میں تمھارے بدن پر ہو بہو وہی لباس نظر آ رہا ہے جو تم اِس وقت پہنے ہوئے تھے تمھاری بدقسمتی سے اس وقت مارسیلز کے حالات خراب ہیں، اس لیے تمھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔“

اسے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ گزرا تھا اور اس نے قدرے مبہم انداز میں اپنا مدّعا بھی واضح کر دیا تھا مگر میں جارحانہ رویّہ اختیار کر کے اس پر اپنی سبقت برقرار رکھنا چاہتا تھا اس لیے ردِ عمل میں آنکھیں پھیلا کر تحیّر آمیز لہجے میں بولا ” کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ میرا پاسپورٹ جعلی ہے اور اس پر حال ہی میں پُرانی تصویر نکال کر میری تازہ تصویر چپکائی گئی ہے جس کا ثبوت لباس کی یکسانیت ہے؟“

” تم کافی ذہین ہو۔“ وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا ” موجودہ حالات میں ہم یہی فرض کرنے پر مجبور ہیں تاوقتیکہ تم اپنی بے گناہی ثابت نہ کر دو۔ اس کے لیے تمھیں ہر جائز سہولت فراہم کی جائے گی۔“

” اس وقت تک میری قانونی حیثیت کیا ہو گی؟“ میں نے احتجاج آمیز لہجے میں سوال کیا۔

” تم حوالات میں رہو گے۔“ وہ اپنے شانے اُچکا کر نرمی کے ساتھ بولا۔

میں نے بتیرا احتجاج کیا۔ اسے اپنے سفارت خانے سے رجوع کرنے کی کھو کھلی دھمکی بھی دی لیکن وہ اپنا ہمدردانہ لہجہ برقرار رکھنے کے باوجود اپنا مؤقف تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہوا البتہ اس نے یہ یقین دہانی ضرور کرا دی کہ میرے بارے میں جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس دوران اگر میں چاہتا تو ہوٹل مارکوئیس میں اپنے کمرے کی بکنگ برقرار رکھ سکتا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس دوران کسی کو بھی باتھ روم پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ویرا نے اندر کوئی آہٹ پیدا کرنے کی حماقت کی تھی سب سے بڑا مسئلہ باتھ روم سے ویرا کی خلاصی کا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ شروع سے آخر تک ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سُن رہی تھی اور اسی کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل طے کر چکی ہو گی۔

نئی چیزوں کے جہاں بہت سے نقصانات ہیں وہیں ان گنت فائدے بھی ہیں کچھ دیر میں ویرا کی آزادی کی بارے میں فکرمند رہا لیکن پھر خیال آیا کہ نہ صرف ہوٹل مارکوئیس بلکہ دنیا کے تقریباً ہر ہوٹل میں الگ سے لگائے جانے والے وزنی تالوں کا سلسلہ مدتوں سے موقوف چلا آ رہا تھا اور دروازوں میں ایسے ہضمی قفل استعمال

نے گے تھے جو باہر سے چابی کے بغیر نہیں کھل سکتے تھے لیکن ے محض ایک لیور کی بٹکی کو گھما کر انھیں مقفل کیا یا کھولا جا سکتا یری جیب میں چند سو ڈالر کی رقم موجود تھی اس لیے اگر میں ویرا ہ روم میں چھوڑ کر کمرے کا دروازہ مقفل کر کے پولیس افسران ساتھ نکل جاتا تو ویرا میدان صاف پا کر اس کمرے سے نکل سکتی ور شاید اس حوالات کا سراغ بھی لگا سکتی تھی جہاں مجھے قید اتا۔

" غالباً مجھے اسی وقت ساتھ چلنا ہوگا؟" بحث کے اختتام پر نے ویرا کو سنانے کے لیے وہ لایعنی سا سوال کیا۔

" مجھے افسوس ہے مونسیور کہ آپ کو اس زحمت سے دوچار ہونا ہوٹل کے ایک سادہ پوش افسر نے شستہ انگریزی میں پہلی بار خاطب کیا۔ " مجھے اُمید ہے کہ آپ ہماری مجبوری سمجھ رہے ہوں گے۔"

" کاش میں سمجھ سکتا۔" میں نے بکنگ کلرک کو گھورتے ہوئے یے لہجے میں کہا۔ " یہ میری زندگی کا شاید پہلا اور آخری تلخ ترین ہے آئندہ فرانس آنے کی غلطی کی تو اپنے تمام پرانے ملبوسات ل لگا کر آؤں گا۔"

" تم غیر ضروری طور پر جذباتی ہو رہے ہو مسٹر پیٹرواک" سینئر س آفیسر کا لہجہ اس بار سرد اور روکھا ہو گیا۔ " یہ ضابطے کی ایک روائی ہے جس پر تمھارا ردِ عمل نامناسب ہے۔ ہم تمھیں پھانسی ٹ پر نہیں لے جا رہے۔ تمھارے ملک میں بھی ان حالات میں ارے ساتھ شاید اس سے بہتر سلوک نہ ہوتا۔"

" خیر... خیر میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ اٹلی میں کیا ہوتا اور ں کیا ہو رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ روم جا کر وہی کرنا پڑتا ہے ومن کرتے ہیں اور یہ مارسیلز ہے... چلو میں تیار ہوں۔"

سب ایک قطار کی صورت میں کمرے سے باہر آ گئے کسی کو روم چیک کرنے کی ضرورت کا احساس نہیں ہوا تھا۔ آخر میں ہوٹل نگ کلرک باہر آیا تھا۔ اس نے اندر کی ہول میں لگی ہوئی چابی ل کر دروازہ مقفل کرنے والا لیور گھمایا اور دروازہ بند کر دیا چلنے قبل اس نے ایک بار دروازے پر دباؤ ڈال کر یہ یقین کرنا ضروری ھا تھا کہ دروازہ مقفل ہو چکا تھا۔

ویرا اس کمرے کے باتھ روم میں اب تنہا رہ گئی تھی۔ مجھے ازہ تھا کہ کمرہ خالی ہونے کا یقین ہوتے ہی وہ پہلی فرصت میں وہاں ے رقم کے تھیلے سمیت نکل بھاگے گی۔

نیچے ہوٹل منیجر کے کمرے میں بیٹھ کر چند کاغذات کی خانہ پری ئی اور دونوں پولیس افسران مجھے اپنے ہمراہ لے کر وہاں سے روانہ ر گئے۔

راستے میں مسلسل خاموشی رہی۔ سینئر پولیس آفیسر سارے راستے تیز بو والا ایک سگار پیتا رہا لیکن وہ میری طرف سے ہر لمحے چوکنا نظر آ رہا تھا۔ اس کا ماتحت خاموشی کے ساتھ ڈرائیوری کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس پوری کارروائی میں میرے جارحانہ اور احتجاج آمیز رویے کی بنا پر ان دونوں میں سے کسی کو بھی دو اہم باتوں کا خیال نہیں آیا تھا۔ اوّل تو میرے ساتھ کسی بھی قسم کے سامان کا ساتھ نہ ہونا اشتباہ آمیز تھا، دوم میری جامہ تلاشی نہیں لی گئی تھی جس کے نتیجے میں یہ گن بدستور میری تحویل میں تھی اور میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

یہ میری بدقسمتی تھی کہ آخر کار مارسیلز میں میرا قانون کے محافظوں سے سامنا ہو ہی گیا تھا۔ اگر میں چون و چرا کیے بغیر خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا تو میرے حق میں حالات بگڑنے کا بدترین اندیشہ موجود تھا۔ ان حالات میں میرے لیے خود کو پیٹرواک ثابت کرنا تو درکنار، ڈینی ثابت کرنا بھی مشکل تھا۔ نہ جانے وہ لوگ میری شناخت کے لیے کون سا طریقہ اختیار کرتے اور اس کے نتائج کیا ہوتے؟ ایک امکان یہ بھی تھا کہ شی والے میری طرف متوجہ ہو جاتے اور شاید مجھے پولیس کی تحویل سے ہی نکال لے جانے کی کوششوں کا آغاز ہو جاتا جس کا انجام میرے حق میں ہرگز نہ ہوتا۔

اگر میں ان پولیس افسران کے سامنے خاموشی سے ہتھیار ڈالنے کے بجائے ان کے چنگل سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتا تو اوّل تو ایسی کسی کوشش کے نتیجہ خیز ہونے کا یقین نہیں تھا اور بالفرض میں انھیں جُل دینے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو ہر ثبوت اور تحقیق سے قطع نظر محض میرے فرار کی بنا پر مجھے مستند مجرم تصور کر لیا جاتا۔ اس وقت مجھے فائر کیمپ کے حادثے کے حوالے سے ایک مشتبہ غیر ملکی کے طور پر حراست میں لیا گیا تھا لہٰذا میرے فرار کی صورت میں شہر کے جملہ انتظامی وسائل میری تلاش میں جھونک دیے جاتے جن سے خود کو بچائے رکھنا میرے لیے عملاً ناممکن ہو کر رہ جاتا اور یوں میرے فرار کی وجہ سے میری ذات غیر ضروری طور پر سنگین شبہات کا مرکز بن جاتی۔

چند ثانیوں کی ذہنی تگ و دو کے بعد میں نے فوری طور پر فرار کی کسی کوشش کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ اس وقت مارسیلز میں میں بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ سلطان شاہ زخمی ہونے کے بعد لاپتا تھا۔ ویرا کو مجبوراً ہوٹل مارکوئیس کے ایک باتھ روم میں مقیّد چھوڑنا پڑ گیا تھا۔ دوسری طرف شی کے خون آشام ہرکاروں کا خوف اپنی جگہ تھا۔

" یہ نہ سمجھنا کہ تم ہمیں دھوکا دے کر کہیں فرار ہو سکو گے۔" ادھیڑ عمر پولیس آفیسر نے سگار کا کثیف دُھواں اگلتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا اور میں چونک پڑا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ میرا ذہن پڑھ لینے میں کامیاب ہو گیا ہو۔

" مجھے کیا ضرورت ہے فرار ہونے کی؟" میں نے سنجیدگی سے

قدرے ترشی کے ساتھ کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ جلد ہی تم مجھ سے معذرت کرتے نظر آؤ گے۔ میں نے نہ کوئی جرم کیا ہے نہ غیر قانونی طور پر تمھارے ملک میں داخل ہوا ہوں۔ ہوٹل کے ایک ادنیٰ سے کلرک کے دماغی فتور کا جادو زیادہ دیر تک نہ چل سکے گا۔"

"تم اسے جو چاہو کہو لیکن میں دل سے اس کی غیر معمولی قوتِ مشاہدہ کا معترف ہوں۔" وہ بولا۔ "لاکھوں میں ایک آدھ ہی آدمی جزئیات پر اتنی گہری نظر رکھتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں اسے اپنے محکمے میں کوئی معقول ملازمت دلانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ ایسے لوگ پیدائشی سراغرساں ہوتے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کی پیدائش ہی کسی سراغرسانی کا نتیجہ ہوتی ہو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "ویسے تم میرے بارے میں کس طرح اپنی تشفی کرو گے؟"

"بین الاقوامی جرائم اور مجرموں کے لیے ہمارا ایک علیٰحدہ شعبہ ہے۔" وہ سگار کا ایک گہرا کش لے کر بولا۔ "تم ہماری تحویل میں رہو گے، تمھارے کاغذات اس شعبے کو بھیج دیے جائیں گے۔ وہ ٹیلکس یا فیکس کے ذریعے اٹلی سے تمھارے کاغذات کی رپورٹ لیں گے اور مسئلہ طے ہو جائے گا۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ ٹیلکس کی حد تک تو بات تسلی بخش تھی کہ اس خودکار مشین پر حروف کی صورت میں دنیا کے کسی بھی گوشے میں پیغام بھیجا اور وصول کیا جا سکتا ہے اور الفاظ میں میری تصویر کی تصدیق یا تردید حاصل کرنا دشوار تھا صرف دوسرے کوائف پڑتال کے لیے بھیجے جا سکتے تھے لیکن فیکس مشین کا معاملہ سنگین تھا۔

ٹیلی فون سے منسلک کی جانے والی اس مشین کے ذریعے دنیا کے مختلف حصوں میں فون نمبر ملا کر ایسے کسی بھی ادارے سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے جس کے فون سے فیکس مشین منسلک ہو۔ رابطہ ملتے ہی مشین میں جو بھی کاغذ یا دستاویز ڈالی جائے اس کی فوٹو کاپی فوری طور پر دوسری طرف کی مشین پر موصول ہو جاتی ہے اور وہ طریقۂ کار میرے لیے خطرناک تھا کیونکہ اس کے ذریعے میرے پاسپورٹ کے متعلقہ صفحات اور تصویر کی فوٹو کاپی اٹلی بھیجی جا سکتی تھی اور یہ بات فوراً پکڑی جاتی کہ پیڑواک کا پاسپورٹ اپنے تمام اندراجات سمیت ٹھیک تھا مگر اس پر تصویر بدل دی گئی تھی۔

اسی ادھیڑ بن میں کوتوالی کی عمارت آ گئی۔ پولیس کار کے رکتے ہی ایک گن مین تیزی سے آگے لپکا تھا۔ کار ڈرائیو کرنے والے افسر نے فرنچ میں اس کو کوئی ہدایت دی اور وہ میری پشت پر ہو لیا۔ کوریڈور میں بنے ہوئے ایک دفتر کے دروازے سے ہم تینوں اندر داخل ہو گئے۔ گن مین وہیں رُکا رہا۔

قالین اور فرنیچر سے آراستہ وہ سادہ سا دفتر ادھیڑ عمر پولیس کا تھا کیونکہ اس نے میز کے عقب میں پڑی ہوئی سیاہ کرسی سنبھال لی تھی۔ اس کے اشارے پر ہم دونوں اس کے مقابل بیٹھ گئے۔ میز پر رکھی ہوئی تختی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا نام سائمن بولینیو ہے۔ اپنی نشست سنبھال کر بے دھیانی میں اس نے سُلگے ہوئے سگار کا ایک گہرا کش لیا اور پھیپھڑوں میں تمباکو کے تیز دھوئیں کی سوغات بھر کر اس کے سرے سے ایش ٹرے میں راکھ جھاڑ کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران میں اس کا ماتحت میز پر بکھرے ہوئے کاغذات میں سے ایک فارم اُٹھا کر اس کی خانہ پُری میں مصروف ہو چکا تھا۔

"شاطر مجرموں کے ساتھ ذہنی اور اعصابی جنگ میں مجھے بڑا سرور ملتا ہے۔" سائمن کی آواز نے مجھے اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کی چمکتی ہوئی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ "ان سے کبھی گھٹیا حرکات سرزد نہیں ہوتیں۔ ارتکابِ جرم اور اس کے بعد اپنی مدافعت کے لیے وہ ذہانت کے اعلیٰ معیار کو بھی مدِنظر رکھتے ہیں۔ اپنی طویل پیشہ ورانہ زندگی میں ایسے مجرموں کو میں جرم ثابت ہونے تک بہت سی چھوٹی چھوٹی رعایتیں دیتا رہا ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ ان میں کسی نے کبھی بھی میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی البتہ نچلے درجے کے مجرموں کو میں مسلح محافظ کی نگرانی کے بغیر ٹوائلٹ میں بھی نہیں جانے دیتا کیونکہ ایسے گھٹیا لوگ ہر وقت اور ہر قیمت پر قانون شکنی پر تُلے رہتے ہیں۔" وہ بولے جا رہا تھا اور مجھے اس طویل تمہید سے گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی تھی۔ نہ جانے وہ آخر میں کہاں تان توڑنے والا تھا لیکن اس کی اس تقریر سے میں نے یہ نتیجہ ضرور اخذ کر لیا تھا کہ وہ نہایت ہی ... کے ساتھ خود کو شرلک ہومز کا جانشین سمجھتا تھا۔ اس خود پسندی کی بنا پر چالاکی کے ساتھ اس کی انا کو ابھار کر اسے کسی غلطی پر اکسانا آسان نظر آتا تھا۔

"اور تمھیں میں اپنی پہلی فہرست میں شمار کر رہا ہوں۔" وہ بول رہا تھا۔ "میری دعا ہے کہ تم مجرم نہ ثابت ہو لیکن تم مجرم ہوئے تو یقیناً اس خاص قبیلے کے نکلو گے جو سوچ بچار کے بعد کوئی کام کرتا ہے۔"

اچانک میں نے بوکھلا کر کرسی چھوڑ دی۔ "اوہ! میرا بیگ وہ تو وہیں کمرے میں رہ گیا۔" میں نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ تیوریوں پر بل ڈال کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "کس بیگ کی بات کر رہے ہو تم؟"

"میرے استعمال کے کپڑے اور دیگر ضروری اشیاء کے علاوہ کچھ رقم بھی اس بیگ میں تھی جو میں ہوٹل مارکو کے کیس میں چھوڑ

کرسی پر بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتے ہوئے کہا۔
کیا واقعی کوئی بیگ بھی تھا تمھارے ساتھ؟“ اس نے
تمھاری سے سوال کیا۔“ چند ثانیے قبل میں خود یہ سوچ رہا تھا
لی سے خالی ہاتھ فرانس کیسے آ گئے؟ ہوٹل میں کسی نے تمھارے
وہ بیگ دیکھا تھا؟“

کسی اور کے بارے میں دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن ہوٹل کا پورٹر
ے حق میں گواہی دے گا کیونکہ وہی میرا بیگ اٹھا کر کمرے
ے گیا تھا۔ اس کے بعد نہ میں کہیں گیا اور نہ کوئی میرے پاس آیا۔
وہ بیگ میں ابھی منگوائے لیتا ہوں۔“ اس نے میز پر رکھا
ن اپنی طرف کھسکا کر غالباً ہوٹل کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا
یدا سے زبانی یاد تھا۔

فون پر فرنچ میں چند منٹ تک گفتگو کرنے کے بعد سائمن
سلہ منقطع کر دیا اور مجھ سے بولا۔“ تمھارا بیگ تھوڑی دیر
اں پہنچا دیا جائے گا۔ اتنی دیر میں تم اپنی قانونی حراست کا
دیکھ لو۔ اس میں تمھاری تحویل سے برآمد ہونے والی ان
ا اندراج بھی کیا جائے گا جو ہم اپنے قبضے میں لیں گے۔“

دوسرے افسر نے اپنا بھرا ہوا فارم میرے آگے بڑھا دیا۔
نے اس پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر مایوسانہ انداز میں سر ہلاتے
نے کہا۔“ میں اس پر بلا سمجھے دستخط نہیں کر سکتا کیونکہ میں فرنچ زبان
ابلد ہوں۔“

” میں تمھیں ترتیب وار انگریزی ترجمہ سنائے دیتا ہوں۔“ سائمن
اتحت نے پیشکش کی۔

”تم درمیان میں کوئی اہم نکتہ بھول بھی سکتے ہو۔“ میں نے نرم
یں کہا۔“ میرا مزاحمت کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تم مجھے اس فارم
تخط کرائے بغیر جب تک چاہو مجھے قید رکھ سکتے ہو۔“

سائمن کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ غصیلی آواز میں بولا۔“ ہم دھوکے
یں ہیں کہ تم سے کسی غلط دستاویز پر دستخط کرا لیں گے۔ تمھیں ہر حال
س فارم پر دستخط کرنے ہوں گے۔ اس کی تکمیل کے بغیر ہم کسی
ا کو ایک رات بھی حوالات میں بند کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔
رے خلاف فوجداری کے الزامات ہوتے تو ہم اس فارم کی
ری کرنے پر مجبور نہیں تھے۔ تم الجھو گے تو ہمیں حکام بالا سے
ری اجازت لینا پڑے گی۔“

مجھے افسوس ہے موسیو! کہ میں نے تمھاری دل آزاری کی۔
نگہ بلا سوچے سمجھے اس فارم پر دستخط کرنے کے لیے تیار ہوں میرے
ن کا اندراج بعد میں کر لینا۔ مجھے یقین ہے کہ تم ایماندار اور فرض
س ہو۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے میز پر سے قلم اٹھا کر فارم پر اس
ڈراک سے دستخط کر دیے جہاں سائمن کے ماتحت نے **کراس**

زندگی کے نشیب و فراز
گناہ و ثواب
اندھیروں اور اجالوں
وقت اور حالات کے بھنور میں جنم لینے والی ایک
بصیرت افروز کہانی۔

غلام روحیں

میاں شاہد علی کی داستانِ حیات۔ سب رنگ ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی سلسلہ وار کہانی جو پہلی بار کتابی شکل میں منظرِ عام پر آئی ہے ایک مجبور اور بے بس شخص کی الم انگیز کہانی۔ اس نے جرم و گناہ کے راستوں کو اپنانے سے انکار کیا تو مجرم بنا کر اسے جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے پھینک دیا گیا۔ قسمت نے اسے گھر بار اور والدین کے سائے سے محروم کر دیا۔!!

وہ جیل سے رہا ہو کر باہر آیا تو اُس کا سینہ فگار تھا۔ انتقام کے شعلے اُس کے وجود کو جھلسا رہے تھے۔ لیکن — ایک دوست نے اس کی رہنمائی ایک مردِ کامل کے آستانے تک کر دی۔!!

وہ عشقِ حقیقی میں ڈوب گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کیں تو قلب روشن ہو گیا۔ لیکن ایک اچانک حادثے نے ماضی کے زخموں کو کرید کر پھر ہرا کر دیا تو اس نے تڑپ کر آنکھیں کھول لیں۔!!

تاریک راہوں کی گھٹن سے ابھرنے والی ایک خوبصورت اور عبرت انگیز داستان۔

قیمت: ۴۰/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

کتابیات پبلیکیشنز۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۳ کراچی ۱۔

بنائے ہوئے تھے۔

"رقم گھڑی یا کوئی دوسری قیمتی چیز جو تم ہمارے پاس جمع کرانا چاہو؟" ماتحت نے سوال کیا۔

مجھے ہیم گن کا خیال آیا لیکن میں نے جی کڑا کر کے انکار کر دیا۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور سائمن بولیتھو فون پر گفتگو کرنے میں مصروف ہو گیا۔ مجھے اس کے لب و لہجے میں تحیّر اور غصّے کا محسوس ہو رہا تھا لیکن زبان میری فہم سے بالا تھی۔

"تمھارے کمرے میں بیگ نہیں ملا۔" ریسیور کریڈل پر ڈالتے ہوئے اس نے اپنی دانست میں مجھ پر انکشاف کیا۔ "منیجر نے پورٹر سے تصدیق کر لی ہے کہ اس نے واقعی تمھارا بیگ کمرے میں پہنچایا تھا۔"

"وہ یقیناً ہوٹل کے کسی ملازم نے اڑایا ہو گا۔" میں نے تشویش اور گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اس میں دوسری اہم چیزوں کے علاوہ خاصی رقم بھی تھی۔"

"خاصی رقم!" سائمن نے مجھے گھورتے ہوئے دہرایا۔ "پہلے تم نے کچھ رقم کا ذکر کیا تھا جو اب بڑھ کر خاصی رقم ہو گئی ہے۔ کچھ دیر بعد شاید تم خزانے کی کہانی لے بیٹھو گے۔"

"ہزار، پندرہ سو ڈالر ہی ہوں گے مگر میرے لیے وہ خاصی رقم ہی تھی۔" ویرا کے بیگ سمیت بحفاظت نکل جانے کا یقین ہوتے ہی میں نے بلا تامل رقم کا تعین بھی کر دیا۔ "اگر میرا بیگ برآمد نہ کیا جا سکا تو شاید مجھے سرکاری خرچ پر ہی اٹلی واپس بھجوانا ہو گا کیونکہ تمھاری مداخلت کی وجہ سے مجھے اپنے بیگ سے محروم ہونا پڑا ہے۔"

"اگر وہ بیگ کسی ملازم نے معقول موقع کے انتظار میں ہوٹل میں چھپایا ہوا ہے تو اب وہ اسے باہر نہ لے جا سکے گا۔ ہوٹل مارکوئیس کا منیجر انتظامی معاملات میں بہت سخت آدمی ہے۔ اب تم حوالات میں جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم زیادہ دیر تک اس دفتر میں تمھاری مہمان داری نہیں کر سکیں گے۔"

اپنے افسر کا اشارہ پاتے ہی نوجوان ماتحت نے مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کرسی چھوڑ دی اور مجھے اپنے ساتھ لے کر دوسرے کمرے کی طرف چل دیا۔ غالباً حوالات کا براہِ راست نگراں وہی تھا کیونکہ اس نے اپنے دفتر کی ایک مقفل دراز سے حوالات کی چابی لی تھی۔ اس کے ہولسٹر میں سروس ریوالور موجود تھا۔ بہرحال میرے بارے میں اس کی رائے زیادہ بری نہیں تھی لہٰذا اس نے کسی مسلح گارڈ کو ساتھ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

عمارت کے ایک دور افتادہ لیکن محفوظ حصّے میں لاک اَپ کے آہنی سلاخوں والے مقفل دروازے کے سامنے بیٹھا ہوا مسلح سپاہی اپنے افسر کو دیکھتے ہی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ عمارت کے اس حصّے میں تعفن یا سیلن کا نام و نشان تک نہیں تھا اور باہر کے ناگوار سرد موسم کے مقابلے میں خوشگوار حرارت رچی ہوئی تھی۔

لاک اَپ کے باہر نقل و حرکت کی آوازیں پیدا ہو اندر سے ایک جواں سال اور حسین لڑکی دروازے پر یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر مارا ہو۔ لاک اَپ کے اندر جلنے والے بلب کی تیز روشنی ایسا نظر آ رہی تھی اور شاید لاک اَپ میں اکیلی ہی قید تھی کسی ہمراہی کی آمد کی اُمید پیدا ہوتے ہی خوش نظر آنے لگی

"خدا کا شکر ہے کہ تمھیں میری تنہائی کا خیال آ گیا۔" وہ میں نوجوان پولیس افسر سے بولی۔ "تم سب ہی نکمّے اور نااہ کسی ڈھنگ کے ملک میں پکڑی جاتی تو سنگلاخ لاک اَپ کسی اعلیٰ پولیس افسر کی قیام گاہ میں قید کی جاتی جہاں دنیا کی آسائشیں ملتیں۔"

اس وقت مجھے نہ اپنی آنکھوں پر یقین آ رہا تھا پر۔ سلطان شاہ ہمیشہ سے کہتا چلا آ رہا تھا کہ میں جہاں قدم تھا وہاں صنفِ نازک کی برسات شروع ہو جاتی تھی۔ اب پولیس نے گرفتار کیا تھا تو حوالات میں بھی ایک شوخ و شنگ موجود تھی جس کے آزادانہ خیالات مجھ جیسے خطا کار کے لیے حوصلہ افزا تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ نیلی آنکھوں سرخی مائل سفید رنگت کے باوجود وہ انگریزی بول رہی تھی کا مطلب تھا کہ فرانس کی بے وفا سرزمین سے اس کا دور کا نہیں تھا۔

"اس لڑکی سے ذرا دور ہی رہنا۔" نوجوان افسر نے مجھے میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ "اس پر سنگین الزامات ہیں اور یہ انٹرپول مطلوب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کل اسے لے جانے والی ٹیم پہنچ جائے۔"

اس نے برا سا منہ بنا کر تنفر آمیز لہجے میں انٹرپول اور اُ والی ٹیم کو چند گندی گالیاں دیں پھر غرائی۔ "تم اپنے تمام شور و باوجود اسے مجھ سے دور نہ رکھ سکو گے۔ قید میں ایک دوسر دوست، ہمدرد اور ہم راز ہوتے ہیں۔ تم اس آفاقی نفسیات کو فقروں سے نہیں بدل سکتے۔"

سنتری سلاخوں دار دروازہ دوبارہ مقفل کر رہا تھا۔ نوجوان نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ یاد رکھنا کہ تم حوالات میں ہو، کسی کے ساتھ تفریح گاہ میں نہیں ہو...۔"

"تم بے فکر رہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "میں ایک اور ذمّے دار شہری ہوں۔ تمھاری مہربانی سے اپنے مختصر سے اثاثے سے محروم ہونے کے بعد مجھ میں اب کوئی خطرہ مول لینے کی ہمت نہیں ہے۔ تمھیں میرے رویّے سے کسی بھی قسم کی کوئی شکایت نہیں

البتہ اس سے باتیں ضرور کروں گا، دلچسپ عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"اے!" وہ عقب سے میری جیکٹ کا کالر پکڑ کر غرائی۔ "زبان سنبھال کر بات کرو، تمہیں اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ عورت اور لڑکی میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

میں جھنا کر اس کی طرف پلٹا تو مجھے گھورتے ہوئے دلآویز انداز میں مسکرانے لگی۔ میں اس بار لوکھلا کر حوالات کے دروازے کی طرف گھوما تو پولیس افسر سپاہی کے ساتھ دھیمی آواز میں باتیں کرتا ہوا راہداری میں واپس جا رہا تھا۔ چند ثانیوں بعد ہی فضا میں ان کے قدموں کی گونج باقی رہ گئی۔ وہ دونوں دروازے کے سامنے سے گزرتی ہوئی راہداری میں میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

"میرا نام سنتھیا ہے۔" اس کی آواز اپنے کان کے بالکل قریب محسوس کر کے میں چونک پڑا۔ وہ پشت سے میرے کافی قریب آئی ہوئی تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خاصی دراز قامت بھی تھی ورنہ سطح زمین سے میرے اور اس کے چہرے کی بلندی یکساں نہ ہوتی۔

"تم کون ہو اور کس جرم میں دھرے گئے ہو؟" اس نے تجسس آمیز سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا اور پھر یک بیک اس کا چہرہ میرے چہرے سے کئی انچ نیچے چلا گیا تب مجھے اس چنچل لڑکی کی دراز قامتی کا راز ملا کہ اس نے اپنا پورا جسم پنجوں کے بل اوپر اٹھایا ہوا تھا۔

"صرف سنتھیا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سنتھیا ہیچکاک۔" وہ ہنس کر بولی۔ "حیران ہونے کی ضرورت نہیں، یہ میرا اصلی نام ہے کیونکہ میرا باپ الفریڈ ہیچکاک کا کزن تھا۔ سچ پوچھو تو الفریڈ ہیچکاک کی کہانیوں نے ہی مجھے حوالات میں پہنچایا۔"

حوالات میں دیوار کے سہارے فرش پر ایک دوسرے سے دور چار بستر لگے ہوئے تھے جن پر وزنی اونی کمبل بھی موجود تھے لیکن شکن آلود صرف ایک ہی تھا جس پر شاید سنتھیا کا بسیرا تھا کیونکہ میرا ہاتھ تھام کر وہ مجھے اسی طرف لے گئی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ لڑکی ابتدا ہی سے مجھے دلچسپ محسوس ہوئی تھی اور الفریڈ ہیچکاک جیسے شہرۂ آفاق مصنف سے اس کی قریبی رشتے داری نے اس دلچسپی میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔

وہ خود صاف ستھری تھی لیکن اس نے سگریٹ کے ٹوٹے اور سگریٹ ہی کی تڑی مڑی ہوئی ڈبیا پھینک کر حوالات کا فرش گندا کیا ہوا تھا جس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ تمباکو نوشی کی عادی تھی اور شاید اس کا اسٹاک ختم ہو چکا تھا لیکن میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے دانستہ اسے پیشکش نہیں کی۔ میں کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ مجھے حریصانہ نظروں سے گھور رہی تھی اور جوں ہی میں نے سگریٹ کا سرا روشن ہونے کے بعد اس کے گرد سے اپنی ہتھیلیاں ہٹائیں، سنتھیا نے جلتی ہوئی سگریٹ میرے ہونٹوں سے اچک لی اور طنزیہ لہجے میں بولی۔ "اب یاد رکھنا کہ لاک اپ میں ہم دونوں ہیں اس لیے تم اکیلے کوئی تفریح نہیں کر سکتے۔"

"اور اگر میں گدھے کی آواز میں رینکنا چاہوں؟" میں نے جل کر سوال کیا۔

"تم رینکتے رہو گے اور میرے پلے کچھ بھی نہیں پڑے گا۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی۔ "میں فرنچ نہیں جانتی۔"

میرا جی چاہا کہ اس کے تبصرے پر زور زور سے ہنسنا شروع کر دوں لیکن میں خاموش ہی رہا کیونکہ عافیت اسی میں تھی اور زندگی میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ آدمی اپنی خواہشات کو پیدا ہوتے ہی دل کے کسی بے رحم گوشے میں دفن کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہنسنا چاہتا ہے مگر خاموش رہتا ہے، رونا چاہتا ہے تو مجبوراً ہنسنا پڑتا ہے، آزادی سے پیار کرتا ہے اور آزاد رہنا چاہتا ہے مگر اپنوں اور دوسروں سب کی غلامی کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

"وہ ہیچکاک والی بات رہ گئی۔" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد سوال کیا۔ "اس بے چارے نے تمہیں اس حوالات میں کیسے پہنچا دیا جب کہ وہ خود آنجہانی ہو چکا ہے؟"

"لکھنے والے کسی آسیب کی طرح اپنی تحریر دل میں زندہ رہتے ہیں اور آسیب کبھی آنجہانی نہیں ہوتے۔" وہ انگریزی میں قادر الکلام ہونے کے ساتھ ساتھ حاضر جواب بھی تھی۔ "اس کی کہانیوں اور فلموں نے مجھے تجسس، دوسروں کی عیب جوئی اور مار دھاڑ پر اکسایا تھا۔ اسکول کے آخری دنوں میں تو مجھے لڑنے بھڑنے کا ایسا خبط ہو گیا تھا کہ میں ازخود اپنے کسی ہم جماعت لڑکے کی حوصلہ افزائی کرتی اور جب وہ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تو مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیتی تھی۔ میں نے کئی لڑکوں کے دانت تک توڑ دیے تھے لیکن انھوں نے شرم اور خجالت کی وجہ سے کسی سے میری زیادتی کا ذکر تک نہیں کیا اور اسی شوق میں میری رسائی شہر کے خطرناک لوگوں تک ہوئی جو مجھے اکثر بے تحاشا مار دھاڑ کے مواقع فراہم کرتے رہتے تھے۔ میری ذات میں ان

محی الدین نواب
جن کی کہانیاں آنکھوں سے نہیں دلوں سے پڑھی جاتی ہیں اُن کی بہترین کہانیوں کا دوسرا مجموعہ
شائع ہوگیا ہے
محی الدین نواب کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ "ایمان کا سفر" بھی دستیاب
قیمت ۱۰۰ روپے
ڈاک خرچ ۲۵ روپے
کتابیات پبلی کیشنز، پوسٹ بکس ۲۳، کراچی ۱

کی دلچسپی کا عقدہ اس وقت کھلا جب میری مرضی کے خلاف کچھ کام مجھے سونپے گئے میرے انکار پہ مجھے چند ویڈیو فلمیں دکھائی گئیں جن میں مجھے اپنے حریفوں سے لڑتے ہوئے میری لاعلمی میں فلم بند کیا گیا تھا۔ ان میں سے دو بعد میں ضربات کی تاب نہ لاکر مر گئے اور مجھے قتل کے الزام سے بچنے کے لیے ہر کام قبول کرنا پڑ گیا۔ اب یہی میری زندگی ہے اور اسی چکر میں کبھی اندر کبھی باہر ہوتی رہتی ہوں۔"

"اس مرتبہ کس جرم میں پکڑی گئی ہو؟"

"مجھے کچھ علم نہیں۔ اتنا بتایا گیا ہے کہ میں انٹرپول کو مطلوب ہوں۔"

"اب اتنی بھولی بننے کی کوشش نہ کرو، تمھیں اندازہ ضرور ہوگا کہ تمھاری کون سی سرگرمیاں انٹرپول کے لیے دلچسپی کا سبب بن سکتی ہیں۔ انھیں بیٹھے بٹھائے تمھارے بارے میں الہام تو نہیں ہوا ہوگا؟"

"تم نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا۔" اس نے میرے سوال کا جواب دیے بغیر مسکراتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

"میرا نام پیٹر ڈاک ہے، اطالوی باشندہ ہوں۔ ان لوگوں کو میرے پاسپورٹ کے اصلی ہونے پر شبہ ہے۔ اس کی تصدیق ہونے تک مجھے قید میں رہنا ہوگا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر اسے اپنے بارے میں آگاہ کر دیا۔

"منشیات کا کوئی چکر تو نہیں تھا؟" اس نے ٹٹولنے والی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"دکھ تو اسی بات کا ہے۔" میں نے اس کی دلچسپی دیکھتے ہوئے پینترا بدلا۔ "میرے بیگ میں ڈیڑھ کلو اعلیٰ درجے کی مصفا ہیروئن تھی جس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اور اب وہ بیگ غائب کر دیا گیا ہے اور اسی پاسپورٹ کی بنیاد پر مجھے پکڑ لیا گیا ہے جب کہ وہ چھ ماہ سے میرے زیرِ استعمال ہے۔"

"بیگ پر لعنت بھیجو۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولی۔ "مشیر نامہ بتانے کے لیے بیگ کھولا جاتا تو ہیروئن برآمد ہو جاتی۔ یہ لوگ منشیات کے معاملے میں بہت بے رحم اور جنگلی ہو جاتے ہیں۔ کسی رو رعایت کے بغیر براہِ راست تیسرے درجے کے تشدد کا آغاز کر دیتے ہیں۔ میں اپنی گرفتاری سے پہلے ہی مال پارٹی کو پہنچا کر ہلکی ہو چکی تھی۔"

"تو تم بھی..." میں نے معنی خیز انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑ دیا اور قدرے توقف کے بعد بولا۔ "کس کے لیے کام کرتی ہو؟"

"میں تو صرف اسی کو جانتی ہوں جس سے ہدایات سمیت مال اور معاوضہ ملتا ہے، ویسے سُنا ہے کہ وہ شی نامی کسی بڑی تنظیم کا کارندہ ہے۔"

شی کا نام آتے ہی میرے وجود میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی۔ شی کے معاملے میں وسیع و عریض دنیا سمٹ کر ایک گاؤں سے زیادہ مختصر نظر آنے لگی تھی جہاں ہر گلی اور ہر موڑ پر شی کا نام کسی نہ کسی طرح پہچانا جاتا تھا۔ حد یہ تھی کہ مارسیلز کی اس حوالات میں دو قیدی تھے اور ہم دونوں ہی شی سے مانوس تھے، یہ اور بات تھی کہ سنتھیا اپنی روزی اس تنظیم سے کما رہی تھی اور وہ تنظیم میری روزی اور رزق کا ہر دروازہ بند کر کے مجھے موت کے گھاٹ اتارنے پر تل گئی تھی۔

"یہ شی کیا بلا ہے؟" میں نے انجان بن کر اس سے سوال کیا۔

"ایک ڈراؤنا خواب سمجھ لو۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "مافیا کا تو اب صرف نام رہ گیا ہے ورنہ عملاً جرائم کی دنیا پر پورے یورپ میں شی کا راج ہے۔ وہ لوگ جو سوچ لیتے ہیں، وہ ہر جگہ اور ہر قیمت پر کر گزرتے ہیں اور ان کے کسی آدمی کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ میرا براہِ راست شی سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن میں ان کے مفادات کے لیے کام کرتی ہوں اس لیے مجھے پورا یقین ہے کہ انٹرپول والے مجھے ہرگز نہ لے جا سکیں گے۔ ان کے آنے سے پہلے ہی میری گلوخلاصی کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لی جائے گی۔ اس سے پہلے بھی ایک بار میں ایمسٹرڈم میں پولیس سے بچائی گئی تھی۔"

لاک اپ کا مسلح نگہبان اپنی جگہ پر واپس آچکا تھا اور اپنی کرسی پر دراز تھا لیکن اس نے ہم دونوں کے ایک ہی جگہ بیٹھنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ میں نے اس کے چہرے کے تاثرات سے ابتدا ہی میں اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سنتھیا کی نگرانی سے خاصا خوش تھا کیونکہ وہ شوخ اور خوش مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ بے پرواہ بھی تھی اور اٹھتے بیٹھتے ہوئے اسے ذرا بھی فکر نہیں ہوتی تھی کہ کون اس کی کن حرکات و سکنات میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا ہے۔

رات دھیمے دھیمے گزر رہی تھی اور عمارت کے اس حصے میں غالباً وہی ایک مسلح محافظ مامور تھا جو بار بار دزدیدہ نگاہوں سے بستر پر دراز سنتھیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سنتھیا اپنے مستقبل کی طرف سے بے فکر تھی، اسے اُمید تھی کہ شی والے اسے پولیس کی تحویل سے نکال لے جائیں گے مگر میرا معاملہ مختلف تھا۔ مجھے پولیس نے اپنی تحویل میں لیا ہوا تھا اور شی والے میرے خون کے پیاسے تھے، اگر ان میں سے کوئی شناسا سنتھیا کی مدد کے لیے وہاں آنکلتا تو وہی حوالات میرا مقتل بن سکتا تھا۔

باہر سے مدد ملنے کی کوئی اُمید نہیں تھی کیونکہ غزالہ مدت سے لاپتا تھی، سلطان شاہ فائر کیمپ کے حادثے کے بعد میراندے کے مکان سے فرار ہوتے ہوئے ویرا سے بچھڑ گیا تھا اور ویرا کی گرفتاری کے لیے شی کی جانب سے خطیر انعام کے اعلان کے بعد اسے پسپائی اور روپوشی اختیار کرنا پڑ گئی تھی۔ ان حالات میں میرے

انے دو ہی راستے رہ گئے تھے کہ میں تن بہ تقدیر ہو کر خود کو لات کے دھارے پر چھوڑ دیتا اور یہ اُمید رکھتا کہ اٹلی سے ے پاسپورٹ کی تصدیق ہوتے ہی وہ لوگ مجھے آزاد کردیں گے ھر میں اپنے قبضے میں موجود بیم گن سے کام لینے کا فیصلہ کرلیتا۔ بیم گن باہر موجود مسلح محافظ کو بغیر کسی شور شرابے کے موت

ے گھاٹ اتار سکتی تھی اور اسی طرح حوالات کے آہنی دروازے پر ے ہوئے مضبوط قفل کو بھی پگھلا سکتی تھی اس طرح میں حوالات چار دیواری سے باہر تو نکل سکتا تھا لیکن اس بات کی کوئی ضمانت ہیں تھی کہ میں طویل راہداریوں سے گزر کر اس عمارت سے زندہ سلامت ہر نکل جاؤں گا بستا سے یاور ہونے کی بات اور تھی لیکن دوبارہ گرفتاری ے بعد میری گلو خلاصی ناممکن ہو جاتی کیونکہ اس بار مسلح محافظ کے ل کے الزام سے بچ نکلنا آسان نہ ہوتا۔

یہ سب سوچتے ہوئے میرے ذہن پر تکان اور نیند کا لبہ ہونے لگا اور میں نے کم از کم وہ رات حالات سے سمجھوتے ے تحت گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔ سنتھیا بیدار تھی اور اس کی آنکھوں یں زندگی کی رعنائیاں رقصاں تھیں لیکن حوالات کی تنگی اور سپاٹ یواروں کے درمیان نصب سلاخوں والے دروازے نے اسے اپنی حدود میں رہنے پر مجبور کیا ہوا تھا۔ میں اسے نظر انداز کر کے دوسرے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

سنتھیا نے سنتری سے تیز روشنی والا بلب بجھانے کی فرمائش کی۔ چند سیکنڈ تک ان دونوں میں ایک دوسرے کی زبان فہمی کا تنازع برقرار رہا پھر سنتری نے اشاروں سے اسے سمجھایا کہ وہ اندر اندھیرا کرنے سے قاصر تھا۔ چھت میں بلب بلندی پر آہنی جالی کے پیچھے نصب تھا جسے کوئی چیز اچھال کر توڑنا ممکن نہیں تھا اور نہ ہی اندر کی سپاٹ دیواروں پر کوئی سوئچ موجود تھا۔

میں نے جوتوں سمیت بستر پر دراز ہو کر سر سے پاؤں تک اونی کمبل تان لیا کیونکہ بستر پر لیٹتے ہی یک بیک سردی کا احساس ستانے لگا تھا۔

عجیب و غریب آوازیں میری نیند میں خلل انداز ہوئی تھیں پہلے میں نے اُنھیں نظر انداز کر کے سوتے رہنا چاہا کیونکہ میں حوالات کی محفوظ چار دیواری میں موجود تھا لیکن جب ایک نسوانی آواز میں اپنا نیا اطالوی نام سُنا تو مجھے بادلِ ناخواستہ کمبل میں سے مُنہ باہر نکالنا ہی پڑ گیا۔

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی سچی کہانیاں

مرزا امجد بیگ کی یادداشتیں
شیطان صفت
سبز قدم
قانونی پیچیدگیاں، عدالتی کارروائی کے اہم رموز و نکات
زن، زر اور زمین کے تنازعوں سے جنم لینے والے مقدمات

ریٹائرڈ ڈی ایس پی ملک صفدر حیات کی ڈائری
دستِ انتقام
اسیرِ ہوس
ایک ریٹائرڈ ڈی ایس پی کی پیشہ ورانہ زندگی کے پیچیدہ کیسوں کی روداد
جُرم و سزا کی وہ کہانیاں جو انسانی حرص و ہوس کا آئینہ ہیں

قیمت فی کتاب ۶۰/- روپے، ڈاک خرچ ۲۳ روپے۔ چاروں کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ ۲۹ روپے

کتابیات پبلی کیشنز ✻ پوسٹ بکس نمبر ۲۳- رمضان چیمبرز
نزد دفتر اخبار "جنگ" آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی ۷۴۲۰۰

میرے نیم خوابیدہ ذہن میں لاشعور سے صرف ایک ہی امکان نے سر اُبھارا تھا کہ شاید رات کا سناٹا حوالات کے مسلح محافظ پر غالب آگیا تھا اور سنتھیا مدد کے لیے مجھے پکار رہی تھی غیر ارادی طور پر میری نگاہیں سب سے پہلے سنتھیا کے بستر کی طرف گئیں جو خالی پڑا ہوا تھا۔

مجھے گمان گزرا کہ کہیں محافظ سنتھیا کو بہلا پھسلا کر حوالات سے باہر راہداری میں نہ نکال لے گیا ہو۔ میں کمبل ایک طرف اچھال کر بستر سے کھڑا ہوا تو حوالات کے بند دروازے کے پیچھے مسلح محافظ کے ساتھ ایک دراز قامت عرب خاتون کو موجود دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"مٹھو بیٹے! اپنے اوسان درست کرو اور ادھر آؤ۔" عورت نے حلق کے بل اردو میں کہا۔ اس کے الفاظ کو نظر انداز کر دیا جاتا تو لب و لہجے سے یہی اندازہ ہوتا کہ وہ عربی بول رہی تھی۔

میں دروازے کی طرف بڑھا تو عورت نے فرنچ میں محافظ سے کچھ کہا۔ اسی کے ساتھ اس کی بند مٹھی میں سے چند نوٹ محافظ کے ہاتھ میں منتقل ہوئے اور وہ کچھ کہتا ہوا دروازے سے ہٹ گیا۔

آنے والی سر سے پیر تک روایتی عرب لباس میں ملبوس تھی جس پر اس نے قیمتی منک کوٹ پہنا ہوا تھا اور آنکھوں سے نیچے پورا چہرہ دبیز نقاب میں چھپا ہوا تھا اور وہ آنکھیں میری شناسا تھیں۔ مجھے حیرت تھی کہ ویرا نے تمام تر خطرات کے باوجود رات ہی میں اپنا حلیہ تبدیل کرنے کا انتظام کر لیا تھا اور مجھ تک آ پہنچی تھی۔

"تم واقعی متحیر کر دینے والی صلاحیتوں کی مالک ہو۔" میں نے اردو میں تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم رات ہی کو یہاں آ پہنچو گی۔"

"رات نہیں، اس وقت صبح کے آٹھ بجے ہیں، مجھے بمشکل تم سے ملنے کی اجازت ملی ہے، میں نے بتایا ہے کہ تم میرے پاس ملازمت اختیار کرنے والے تھے۔" وہ دھیمی آواز میں جلدی جلدی بولنے لگی۔ "پولیس کا یہ محکمہ صرف غیر ملکی مجرموں کے معاملات کی تفتیش کرتا ہے اور اس کا سربراہ سائمن پولیتھوشی کا زرخرید آدمی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ سلور آئی استعمال کر کے تم فوراً رہائی حاصل کر سکتے ہو ــــ میں ریلوڈی الفانسو پر ہوٹل مارٹن کے کمرہ نمبر دو سو دس میں ٹھہری ہوئی ہوں، میرا نام کلثوم احمدی ہے۔"

"میرے ساتھ شی کی ایک اور لڑکی بھی تھی۔ وہ کہاں گئی؟"

"اسے جہنم میں ڈالو۔" وہ غصیلی آواز میں بولی۔ "تم حوالات میں بھی لڑکیوں کے چکر کو نہیں بھول سکتے؟"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" میں نے احتجاج کیا۔ "اس کی وجہ سے میرا معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔ اسے امید ہے کہ شی والے کسی بھی وقت اسے چھڑوانے کے لیے آ سکتے ہیں۔"

"اوہ، پھر تو مجھے بھی یہاں نہیں رکنا چاہیے۔" وہ چونک کر بولی۔ "لو وہ باتھ روم سے نکل رہی ہے۔"

میں نے پلٹ کر دیکھا تو سنتھیا لاک اپ سے متصل باتھ روم سے بال سنوارتی ہوئی باہر آرہی تھی۔ لاک اپ کے دروازے پر ویرا کو دیکھتے ہی وہ تحیر اور تجسس کے ساتھ اس طرف آئی تھی۔

"یہ کون ہے؟" اس نے اشتیاق آمیز لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"میری ہونے والی مالکن... یہ صرف فرنچ اور عربی جانتی ہے... تم جاؤ، ملاقات کا وقت مختصر ہے اور مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنا ہیں۔"

ویرا کی سرد مہری اور میرے رویّے کی بنا پر سنتھیا ویرا کے سراپا پر تحقیر آمیز نگاہیں ڈالتی ہوئی واپس چلی گئی۔ "اس سے ہوشیار رہنا، میں اس حرافہ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔" ویرا اردو میں کہہ رہی تھی۔ "کسی اور پر بس نہ چلا تو یہ محافظ پر ہی جال ڈال دے گی اور وہ اپنی نوکری کی پروا کیے بغیر اسے نکال دے گا۔" وہ مسلسل حلق کے بل عربی لہجہ برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تمہارے جال میں پھنسنے کے بعد اب میں کسی اور کے دام میں نہیں آ سکتا۔ یہ بتاؤ کہ سلطان کا کچھ پتا چلا یا...؟"

"ابھی صرف رات گزری ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "دن ڈھلے کوئی کام شروع ہو سکے گا اور [illegible] مجھے ہوٹل میں ٹھہر کر تمہارا انتظار کرنا ہو گا۔"

"اگر سائمن پر میرا داؤ نہ چل سکا؟" میں نے اپنے ایک موہوم خدشے کو سوال کا روپ دیا۔

"فضول بات ہے۔" وہ تیزی سے **بولی**۔ "سلور آئی کی قوت سے تم اچھی طرح واقف ہو۔"

"میں تو اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے پُر خیال لہجے میں کہا۔ اسی وقت دوسرے محافظ نے ویرا کو مخاطب کر کے فرنچ میں کچھ کہا۔ غالباً وہ ملاقات کی طوالت یاد دلا رہا تھا۔ اسے نذرانہ دیا گیا تھا جس کے بدلے اس نے ہمیں تخلیے کی رعایت دے دی تھی اور ہمارے درمیان کلیدی نکتے پر بات بھی ہو چکی تھی اس لیے ویرا فوراً ہی مجھ سے رخصت ہو گئی۔

"یہ تو مالکن سے زیادہ تمہاری بیوی نظر آرہی تھی۔" ویرا کے جاتے ہی سنتھیا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے فراق میں ایک رات بھی تنہائی میں بسر نہیں کر سکی۔"

"یہ تنہائی سے خوف کھاتی ہے اسی لیے مجھے ملازمت کی پیشکش کر رہی ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "رقم اور اثاثوں سے محروم ہونے کے بعد وطن واپسی کے لیے چند روز کے لیے مجھے

کہیں نہ کہیں تو ملازمت کرنا ہی ہوگی۔"

"میری بات لکھ کر رکھ لو کہ دن بھر اسے کسی چیز سے خوف محس
ہوگا۔ یہ رات کو سوتے سوتے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرے
اس کا خوف اس وقت تک دور نہیں ہوگا جب تک تم اسے
نہیں سناؤ گے۔" وہ تلخ ہنسی کے ساتھ
لہجے میں بولی۔

"کاش ایسا ہی ہو۔" میں نے حسرت آمیز لہجے میں کہا۔ "ویسے
ہوتی ہے اور اس کا شوہر اپنے کاروبار کے سلسلے
عموماً عالمی دوروں پر رہتا ہے۔"

وہ اس وقت مجھ سے اس موضوع پر الجھنے کے موڈ میں نظر
ی تھی اس لیے میں نے ہوشیاری کے ساتھ اپنا پیچھا چھڑایا اور پھر
نظ کی طرف چلا گیا۔ ہم دونوں کے درمیان زبان کا سنگین مسئلہ موجود
لیکن بار بار سائمن بولیتھو کا نام دہرا کر آخر کار میں نے اسے سمجھا ہی
کہ میں اس کے افسرِ اعلیٰ سے ملنا چاہتا ہوں۔

نو بجے ہم دونوں کے لیے ناشتا لایا گیا جو آملیٹ، ٹوسٹ، جیلی
ر چائے پر مشتمل تھا۔ یہ وہ ناشتا تھا جو پاکستان میں حالات تو کب
یرے گھروں میں بھی میسر نہیں ہوتا تھا لیکن سنتھیا کو وہ لوازمات
ند نہیں آئے۔ اپنے ہمدردوں کی آمد میں تاخیر ہونے کے ساتھ سا
کے مزاج میں بے چینی اور تلخی پیدا ہوتی جا رہی تھی جس کا اظہار
شتے پر بھی ہوتا رہا اور جب ہم دونوں ناشتے سے فارغ ہو کر خامو
ساتھ سگریٹیں پھونک رہے تھے تو اچانک میرا بلاوا آ گیا۔

خانہ [illegible] والا مسلح محافظ مجھے سائمن کے نوجوان ماتحت
کے کمرے میں لے گیا جو اپنی چمکتی ہوئی میز کے عقب میں گھومنے والی
کرسی پر براجمان کچھ فائلیں نمٹانے میں مصروف تھا۔ محافظ کمرے
کے دروازے کے باہر ہی رک گیا تھا، اس لیے میں نے اس افسر
کے انہماک میں خلل ڈالنے کے بجائے دروازے کے قریب ہی رکنے
کا فیصلہ کر لیا۔

چند ثانیوں بعد اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو اس نے فوراً مجھے
لیا اور ہاتھ سے کرسی پر بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے بولا "سنا ہے
تم انسپکٹر سے ملاقات کرنا چاہتے ہو۔ کیا معاملہ ہے؟"

"کچھ اہم اور ذاتی گفتگو کے علاوہ یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ
رالیس اٹلی کب تک بھیجا جا رہا ہے؟" میں نے کہا۔

"ابھی صرف رات گزری ہے اور دفتری مصروفیات اب
روع ہوئی ہیں۔ آج نہیں تو کل ضرور رپورٹ مانگ لی جائے گی۔
ں والے جو وقت لیں گے وہ اس کے علاوہ ہوگا... دوسری بات
انسپکٹر اس وقت مصروف ہیں، وہ تمہیں زیادہ وقت نہیں دے
سکیں گے۔ تم جو بات کرنا چاہو، پورے اعتماد کے ساتھ مجھ سے کر
اصرار کیا۔ "انسپکٹر کا چند منٹ سے زیادہ وقت نہیں لوں گا۔" میں نے

اس نے مجھ سے لاکھ کریدنا چاہا کہ مجھے کیا شکایت ہے اور میں انسپکٹر سائمن سے کیوں ملنا چاہتا ہوں لیکن میں معذرت خواہانہ انداز میں اسے ٹالتا رہا اور اس نے انٹرکام پر انسپکٹر سائمن سے اجازت لے کر مجھے اردلی کے ساتھ اس کے دفتر کی طرف روانہ کر دیا۔

"کیا بات ہے؟" انسپکٹر سائمن نے مجھے اپنے روبرو دیکھتے ہی ترش لہجے میں سوال کیا۔

میں نے زبان سے ایک لفظ بھی ادا کیے بغیر اپنی جیب سے سلور آئی نکال کر ادب اور احترام سے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی جس پر وہ طلسماتی سکہ پُرشکوہ انداز میں جگمگا رہا تھا۔

وہ سکہ دیکھتے ہی انسپکٹر سائمن کی حالت اچانک غیر ہو گئی، اس کی آنکھیں حیرت اور دہشت کے عالم میں پھیل گئیں، چہرہ زرد ہو گیا۔ اس نے سلور آئی کے احترام میں اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر دوبارہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کی دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھیں مسلسل میری پھیلی ہوئی ہتھیلی پر جمی ہوئی تھیں جیسے اسے وہاں کوئی آسیب نظر آ گیا ہو۔ پھر اس نے اچانک ہی اضطراری انداز میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لیا۔

شاید وہ پھر یہی حرکت دہراتا لیکن میں نے سلور آئی اپنی جیب میں ڈال کر مضبوطی سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور دھیمی مگر تحکمانہ آواز میں بولا۔ "ہوش میں رہو سائمن! کیوں خود کو تماشا

مارشل آرٹ
کے ذریعے اپنی اور.....
دوسروں کی حفاظت کیجیے

ابتدا سے بلیک بیلٹ تک
کراٹے
سیکھیے

- اس کتاب میں وہ تمام مشقیں دی گئی ہیں جو کہ ابتدا سے بلیک بیلٹ تک کی جاتی ہیں۔
- ان مشقوں پر عمل کرنا انتہائی آسان ہے کیوں کہ ہر مشق تصویر کے ذریعے بھی دکھائی گئی ہے۔
- ۶۵۰ سے زائد تصاویر۔
- ہر تصویر کی مکمل وضاحت آسان اردو میں کی گئی ہے۔

قیمت ۴۰ روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

مکتبۂ نفسیات ⊙ پوسٹ بکس نمبر ۹۴۴، کراچی!

بنانے پر تُلے ہوئے ہو؟"

اس نے نگاہیں اٹھا کر خوفزدہ انداز میں میری طرف دیکھا۔ اس وقت اس کی ساری طرّاری کافور ہو چکی تھی اور وہ کسی خوف ناک عقاب کے چنگل میں جکڑے ہوئے ننھے سے پرندے کی طرح سہما ہوا اور بے بس نظر آ رہا تھا۔ "مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا سر! میں تو تباہ ہو گیا محض میری غفلت کی وجہ سے ایک مقدس آئی مین نے پوری رات حوالات کے سخت فرش پر گزاری اور میں ابھی تک زندہ ہوں۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی ہذیانی بڑبڑاہٹ آزاد ہوئی۔

"تمھارا قصور صرف اتنا ہے کہ تم نے مجھے تنہائی میں اپنے ساتھ ملاقات کرنے کا موقع نہیں دیا ورنہ میں رات ہی کو تمھیں حقیقت سے آگاہ کر دیتا۔" میں نے تشفّی آمیز لہجے میں کہا۔ "جو ہو گیا اس پر نہ مجھے ملال ہے اور نہ تم سے کوئی شکوہ لیکن اب میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ میں اس ڈرامے کا فوری خاتمہ چاہتا ہوں۔"

"میں بڑے مصائب مول لے بیٹھا ہوں۔" وہ میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر کرسی سے اُٹھتے ہوئے بولا تو اس کی آواز بہت کمزور تھی۔ "بائیس برس کی ملازمت میں میرا دامن ہمیشہ بے داغ رہا.... دونوں طرف میرا ریکارڈ بالکل صاف ہے لیکن اس بار ایک انہونی ہوئی ہے۔ تمھاری گرفتاری روزنامچے پر آ چکی ہے اور اب میں کارروائی کیے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ تمھیں بلا تفتیش رہا کیا تو میرے خلاف فائل کھل جائے گی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟"

"سکون سے بیٹھ جاؤ۔" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے سرد لہجے میں کہا کیونکہ اس وقت میں ایک عام قیدی کے بجائے حقیقی آئی مین کے روپ میں آ چکا تھا۔ "یہ نہ بھولو کہ اس وقت تم سرکاری وردی میں اپنے دفتر میں موجود ہو۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ تمھاری راہ میں کیا رکاوٹ حائل ہے پھر میں ہی اس کا کوئی حل تجویز کروں گا۔"

"تمھاری رپورٹ تیار ہے۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد وہ دھیمے دھیمے بتانے لگا۔ "فیکس مشین پر مطلوبہ معلومات کی تفصیل کے ساتھ تمھارے پاسپورٹ کی نقل بھی اٹلی بھیجی جائے گی۔ مجھے ہر حال میں اس کا انتظار کرنا ہو گا...."

"پاسپورٹ اصلی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "تمھاری فیکس مشین خراب بھی ہو سکتی ہے، فون کے دو نازک سے تار کہیں سے بھی ٹوٹ سکتے ہیں۔ تم ٹیلکس پر اٹلی سے ہنگامی بنیاد پر میرے پاسپورٹ کے کوائف کی تصدیق طلب کرو وہ میری بے گناہی ثابت کر دے گی۔ اس دوران میں تم مجھے ضمانت پر رہا کر سکتے ہو۔"

"میں سمجھ گیا۔" وہ بڑبڑایا۔ "مجھے بھی یہی شبہ تھا کہ تصویر میں کوئی گڑبڑ ہے۔ فیکس مشین خراب ہو جائے گی۔ ضامن بھی ہم یہیں [illegible] گا لیکن مجھے کچھ مہلت درکار ہو گی جو ڈیڑھ دو گھنٹے سے [illegible] نہیں ہو گی۔"

"اتنی مدت میں حوالات میں گزار لوں گا۔" میں نے خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔

میرا مفاہمانہ رویّہ اس کے لیے بہت حوصلہ افزا ثابت ہوا۔ اس نے مجھ سے میری ضروریات خصوصاً سگریٹ کے بارے میں دریافت کیا اور چند منٹ بعد اس نیّت سے دوبارہ اٹھا کہ مجھے خود حوالات تک چھوڑ آئے لیکن اس کی وہ تجویز صریحاً مضحکہ خیز تھی جو اس کے ماتحت عملے میں سرگوشیوں کو جنم دے سکتی تھی لہٰذا میں نے سختی کے ساتھ اسے مسترد کر دیا۔

افسر اپنی وردی میں یا کرسی پر موجود ہو تو خود کو مطلق العنان سمجھتا ہے، اس کے قلم سے ابرو کی جنبش تک ہر بات قانون کا ایک اٹل ضابطہ بنی رہتی ہے یہ خمار ذہن سے اسی وقت اترتا ہے جب کسی زبردست کے سامنے اس حاکم کو اس کی زیردستی کا احساس دلایا جاتا ہے۔ جب تک میں ایک قیدی تھا انسپکٹر سامسن مجھ سے بات کرنے سے بھی گریزاں تھا لیکن میرے آئی مین بنتے ہی وہ بدحواسی کا ایک شاہکار بن کر رہ گیا تھا اسے نہ اپنی وردی کے وقار کا احساس رہا تھا نہ اپنے مرتبے کا...... وہ تو بس آئی مین کا ایک وفادار خدمت گار بن کر رہ گیا تھا۔

"سنتھیا ہچکاک کا کیا معاملہ ہے؟" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد چلتے چلتے سوال کیا۔

"وہ یورپ کے کئی ممالک میں سنگین جرائم میں ملوّث رہی ہے۔ ڈرگ ٹریفکنگ کے علاوہ اس پر تین افراد کے قتل کا بھی الزام ہے، اسے انٹرپول نے اشتہاری مجرمہ قرار دیا ہوا ہے ان ہی کی نشاندہی پر ہم نے اسے مارسیلز میں ڈھونڈ کر گرفتار کیا ہے شاید کل اسے حوالات سے جیل بھیج دیا جائے گا جہاں سے ایک دو روز میں وہ انٹرپول کے حوالے کر دی جائے گی۔" اس نے کسی مشینی طوطے کی طرح سارے کوائف دُہرا دیے۔ "مجھے شبہ ہے کہ کہیں وہ بھی ہماری تنظیم کے لیے کام نہ کرتی ہو لیکن مجھے اس کے بارے میں کہیں سے کوئی ہدایت نہیں ملی ہے۔"

"یہاں تمھارا براہِ راست رابطہ کس سے ہے؟"

"گیری ہارٹ سے سارے احکام ملتے تھے۔" اس نے [illegible] مقتول کارندے کا نام لیا۔ "اس کے قتل کے بعد بردونا شمٹ کا تقرر ہوا ہے لیکن اس سے ابھی تک میری بات نہیں ہوئی ہے۔"

وہ لحظہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر چونک کر بولا۔ "ہاں! مجھ سے ایک حماقت اور بھی ہوئی ہے۔ کچھ دیر قبل تمھارے

ایک عرب عورت ملنے آئی تھی، اس کا تو ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں تھا؟

”وہ میری دوست تھی۔“ میں نے اس کا ذہن دیر اکی ذات سے ہٹائے رکھنے کی نیت سے کہا۔ ”دراصل آج میرا اسی سے ملنے کا پروگرام تھا۔ اسے ہوٹل مارکوئیس سے میری گرفتاری کا علم ہوا تو صبح سویرے ہی یہاں دوڑی چلی آئی... کیا اسے بھی پکڑوا بیٹھے ہو تم؟“

”نن... نہیں۔“ میرے ترش لہجے پر وہ بوکھلا کر بولا۔ ”لیکن ایک آدمی کو اس کے تعاقب میں بھیجا ہوا ہے۔“ وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔ ”میں اس وقت تک دفتر نہیں آیا تھا، وہ فیصلہ میرے نائب نے کیا تھا۔“

”اس کی فراہم کی ہوئی معلومات روزنامچے میں نہ لکھ ڈالنا۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر غصیلے لہجے میں کہا۔ ”جو کچھ کر گزرے ہو، وہ قسطوں میں بتانے کے بجائے ایک بار ہی بتادو تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا ورنہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ ہم سے وفاداری سے زیادہ تمہیں اپنی پنشن اور ریٹائرمنٹ کے فوائد کی فکر ہے۔“

”میں شرمندہ ہوں، میرا سر نہیں اٹھ سکتا۔“ وہ ہراساں لہجے میں بولا۔ ”میں پنشن پر لات مارتا ہوں، گیری ہارٹ ہمیشہ مجھے میری تنخواہ سے کئی گنا زیادہ رقم ماہانہ دیتا رہا ہے، میرا تو سارا انحصار اسی آمدنی پر ہے۔ اس کی رپورٹ کیا بلکہ روانگی بھی میں روزنامچے سے حذف کرادوں گا۔ بس اس کے علاوہ کوئی بات نہیں رہی ہے۔“

”وہ ایک معزز اور باحیثیت عرب خاتون ہے... اگر اپنے تعاقب کا اندازہ لگا کر وہ گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھی تو کیا ہوگا؟ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے آدمی کو زخمی کر کے نکل جانے کی کوشش کر بیٹھے۔“

”وہ آدمی بہت پرانا اور گھاگ ہے۔ ایسی چوٹ نہیں کھائے گا۔“ اس نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ جیسے اسے خود بھی اپنی بات پر یقین نہ ہو۔ ”وہ صرف زخمی ہوا تو معاملہ بگڑ سکتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔“

”کاش کہ اس دنیا کا نظام تمہاری آرزوؤں کے مطابق چل سکے۔“ میں نے دانت پیس کر کہا پھر رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس سے سوال کیا۔ ”تمہارے دفتر سے کیا جانے والا فون کہیں سنا تو نہیں جاتا؟“

اس نے میز پر رکھا ہوا سبز انسٹرومنٹ میرے آگے کھسکا دیا۔ ”یہ لائن ڈائرکٹ اور محفوظ ہے۔“ خوف سے اس کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا تھا اور آواز بھی کانپ رہی تھی۔

میں اس پر بری طرح حاوی ہوا جا رہا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ اس پورے معاملے میں انسپکٹر سائمن بے قصور تھا۔ اگر میں اصلی

سب رنگ ڈائجسٹ میں قسط وار شائع ہونے والا سلسلہ

اقابلا

مکمل دو حصوں میں

تاریک برِ اعظم کے پُراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حیرت انگیز داستان جہاں کالے جادو اور سفلی کے مقابلے برملا ہوتے تھے۔ وحشی قبائل اور اُن کے وحشیانہ رسم ورواج کی ایک ناقابلِ یقین سرگزشت ——— ان تاریک اور گمنام جزیروں کی کہانی ——— جہاں تہذیب کا کوئی دخل نہیں تھا ——— شگون کی خاطر معصوم اور شیر خوار بچوں کو نیزوں پر اُچھالا جاتا تھا عجیب الخلقت اور خوفناک دیوتاؤں کے مجسموں کو تازہ خون سے غسل دیا جاتا تھا ——— نوخیز حسیناؤں کی بھینٹ پیش کیجاتی تھی

اقابلا

وحشی قبیلوں کی ایک سرکش حسینہ جس کا حُسن لازوال تھا جس کے حصول کے لئے موت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا ——— خون کی ہولی کھیلی جاتی تھی۔ ایک سیاح کی زندگی کے لرزہ خیز واقعات جسے سمندر کی سرکش موجوں نے اُٹھا کر اقابلا کے دیس میں اس کے قدموں میں ڈال دیا تھا ———

کتابی شکل میں پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہے

قیمت فی حصہ -/۵۰ روپے، علاوہ محصول ڈاک

پتہ ذیل پر رجوع کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۲۳ ○ کراچی ۱

آئی مین بھی ہوتا تو وہ میری اصلیت سے بے خبر تھا اس لیے اس نے میرے معاملے میں وہی کچھ کیا جو اس کے فرائضِ منصبی کا تقاضا تھا لیکن اس بے چارے میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ میری ہرزہ سرائی کے مقابلے میں اپنی ذرا بھی مدافعت کرتا۔

میں چاہتا تو اسی سے ٹیلی فون ڈائریکٹری میں ہوٹل مارٹن کا نمبر تلاش کروا سکتا تھا لیکن اس طرح وہ ویرا کے ٹھکانے سے باخبر ہو جاتا اس لیے میں نے خود ہی نمبر تلاش کر کے ڈائل کیا میرا اندازہ تھا کہ راستے میں کوئی گڑبڑ نہ ہوئی تو اسے اتنی دیر میں اپنے ہوٹل واپس پہنچ جانا چاہیے تھا۔ پھر جب ہوٹل کے آپریٹر نے ویرا کے کمرے سے کال ملائی تو اس کی آواز سن کر میں نے سکھ کا سانس لیا۔ میری آداز پہچان کر اس نے خود ہی اردو میں بتانا شروع کر دیا کہ انسپکٹر سائمن کے دفتر سے نکلتے ہی اس کا تعاقب شروع کر دیا گیا تھا جس کا اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا اور وہ قریبی بازار کی طرف نکل گئی۔ جہاں کی پُرپیچ گلیاں اس کے لیے اجنبی نہیں تھیں۔ چند منٹ کی بھاگ دوڑ کے بعد اسے ایک گلی میں ایک عمارت کے زینے میں چُھپنے کا موقع مل گیا اور تعاقب کرنے والا جب اپنی جھونک میں آگے نکلا چلا گیا تو وہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر مخالف سمت میں چل پڑی اور ٹیکسی لے کر سیدھی ہوٹل پہنچ گئی۔

میں نے اسے مختصراً اپنی رام کہانی سے آگاہ کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں ویرا سے بات کرنے کے بعد کرسی سے اٹھا ہی تھا کہ سائمن کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار دیکھ کر مجھے رکنا پڑ گیا۔ پھر میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میرے تجربے کے بعد وہ سنتھیا ہچکاک کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا اور میں نے بھی اس کا ذکر چھیڑ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

اس کے یاد دلاتے ہی سنتھیا کے بارے میں میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور میں لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ سنتھیا قد اور جسامت میں بڑی حد تک ویرا سے مشابہ ہونے کے ساتھ ہی مجرمہ اور قاتلہ بھی تھی۔ جسے کسی تردد کے بغیر آسانی سے موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا۔ اگر میں اسے پولیس کی تحویل سے آزاد کرا کر اپنے ساتھ لے جاتا تو بم گن سے اس کا چہرہ مسخ کر کے اس کی لاش ویرا کی چند نشانیوں کے ساتھ کہیں بھی چھوڑی جا سکتی تھی۔ اس منصوبے پر اگر ذرا سی دماغ سوزی کر لی جاتی تو شی والوں کو یہ باور کرایا جا سکتا تھا کہ ویرا نے ان کی انعامی اسکیم سے خوف زدہ ہو کر خودکشی کر لی۔ اس طرح ویرا کی تلاش کی مہم فی الفور ختم ہو سکتی تھی۔ اور وہ روپوش رہ کر نہایت اطمینان سے میرا ساتھ دے سکتی تھی۔ یہ خیال آتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے قدرت نے محض اسی مقصد کی خاطر لاک اَپ میں مجھے اور سنتھیا کو یکجا کیا تھا، لیکن خیالات کی دوسری منطقی رو نے اس منصوبے کی کئی خامیاں روشن کر دیں۔ سنتھیا ہچکاک مقامی نہیں بلکہ بین الاقوامی مجرمہ تھی۔ اس کی گرفتاری کی اطلاع انٹرپول کو دی جا چکی تھی اور ان کی ٹیم بھی قیدی کو لینے کے لیے کسی بھی وقت مارسلیز پہنچ سکتی تھی۔ اوّل تو انسپکٹر سائمن کے لیے سنتھیا کو رہا کرنا ناممکن تھا کیونکہ اس بارے میں اس کے محکمے کو انٹرپول والوں کے سامنے جواب دہ ہونا پڑتا اور بالفرض وہ سنتھیا کو حوالات سے فرار کرانے کی کوئی راہ نکال بھی لیتا تو اس امر کا قوی امکان تھا کہ اس کے مسخ چہرے والی لاش کے پوسٹ مارٹم کے دوران نشاناتِ انگشت کے ماہرین اس کی اصلیت دریافت کر لیتے اور ویرا کو بچانے کے سلسلے میں کی جانی والی ساری محنت رائیگاں جاتی۔

”بساط پر صرف شاہ کو بچایا جاتا ہے، باقی مُہرے بچے بعد دیگرے پٹتے چلے جاتے ہیں۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”انھیں بچانے کی کوشش میں اکثر شہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے تم صرف میرے پروگرام کو ذہن میں رکھو، سنتھیا کے ساتھ اپنے ضابطے کے مطابق کارروائی کرو۔ اس کے لیے بعد میں بھی کچھ کیا جا سکتا ہے۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ وہ ایک گہرا سانس لے کر دل کی گہرائی سے بولا ”تم نے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا ہے۔ سنتھیا کی رہائی میرے لیے واقعی ایک امتحان بن جاتی۔“

”میں اپنے آدمیوں کو غیر ضروری مشکلات میں نہیں ڈالتا۔“ میں نے مربیانہ لہجے میں کہا۔ اور پھر سر جھکا کر اس کے دفتر سے نکلتا چلا گیا۔ انسپکٹر سائمن کے نوجوان ماتحت کے اردلی نے، جو مجھے اپنے ساتھ وہاں لایا تھا، مجھے یوں دُرّانہ وار انسپکٹر کے دفتر سے نکلتے دیکھا تو بوکھلا گیا۔ شاید اسے پہلا خیال یہی آیا ہوگا کہ میں انسپکٹر کو کوئی نقصان پہنچا کر فرار ہو رہا تھا، لیکن جب میں نے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے حوالات کی راہ لی تو اس کی جان میں جان آئی اور وہ میرے ساتھ ہو لیا۔

سنتھیا بہت بے چینی کے ساتھ میری واپسی کی منتظر تھی۔ واپسی پر اس نے بہت اشتیاق کے ساتھ میری اس ملاقات کا مدعا جاننا چاہا، لیکن میں نے اس خود پسند لڑکی کو اس کی تعریف و توصیف میں الجھایا اور وہ یک بیک سارے سوالات بھول کر میرے ساتھ بیٹھ گئی۔ میرے عامیانہ اندازا اور فقروں سے وہ یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ رات بھر اپنی ذات کے خول میں زبردستی بند رہنے کے بعد میں آخر کار اس کی حیوانی کشش سے زیر ہو گیا تھا۔

اس دوران میں باہر والا محافظ تبدیل ہو چکا تھا اور نیا آنے والا حوالاتیوں کے باہمی مراسم کے بارے میں فراخ دل نظر آ رہا تھا

س نے ہمیں یکجا بیٹھنے پر ایک بار بھی نہیں ٹوکا۔ سنتھیا میرے
ے خمار میں ڈوبی جا رہی تھی اور میں بار بار یہ سوچ رہا تھا کہ
مسخ ہونے کے بعد اس کی لاش کس قدر خوفناک ہو جاتی۔
زہ تھا کہ ایک نہ ایک دن اس کا انجام کچھ ایسا ہی ہونا تھا۔
اہر سے وہ جتنی حسین اور پرکشش نظر آرہی تھی، اندر سے
ے کہیں زیادہ کریہہ اور قابلِ نفرت تھی۔ جس عورت کے ہاتھ
ہوسے آلودہ ہو جائیں وہ پھر کسی قابل نہیں رہتی۔ ہر مرد تو اس
لڑائی اور خونریزی ایک عورت ہی کے لیے ہوئی تھی۔ لڑتا
س کی سرشت کا ایک حصہ تھا۔

سنتھیا کے ساتھ باتوں میں وقت ذرا آسانی کے ساتھ کٹ
ر ایک گھنٹے بعد انسپکٹر سائمن خود ہی حوالات کے دروازے
یا۔ وہ خاموش اور پُر وقار نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں
ں کی نظروں سے بھانپ لیا کہ وہ میری رہائی کا مژدہ لے کر

"کیسے آئے ہو انسپکٹر سائمن!" میرے بجائے سنتھیا لپک کر
ن کے دروازے پر پہنچی تھی۔ "کوئی بہت ہی خاص بات معلوم
ہے۔" اس کا لہجہ بہت زیادہ پُر امید تھا۔ شاید وہ سمجھی تھی کہ آخرکار
ے حامی انٹرپول والوں سے پہلے اسے رہائی دلانے کے لیے
تھے۔

"بات واقعی خاص ہے، لیکن تمھارے لیے نہیں۔" وہ سنتھیا کو
تے ہوئے خشک لہجے میں بولا۔ "مجھے خوشی ہے کہ میرے پورے
ں کوئی بدکردار افسر نہیں ہے۔ اس لیے تمھیں بڑی بوریت ہو رہی
۔ اور اب تو تمھیں تنہا بھی رہنا ہوگا۔ کیونکہ دوسرے قیدی کی
دی کا وقت آگیا ہے۔" سنتھیا سے بات کرتے کرتے وہ ایک
ری طرف متوجہ ہو گیا۔ "میں معذرت خواہ ہوں موسیو پیٹر واک!
ے میرے ٹیلکس کا جواب آگیا ہے، انھوں نے تمھارے کاغذات
صدیق کر دی ہے، چند کاغذات کی خانہ پُری کے بعد تم جہاں چاہو
ؤ گے۔"

اپنی بات کے دوران ہی اس نے چابی محافظ کے حوالے کی جس
لا کھول کر وزنی دروازہ باہر کھینچا اور میرے باہر نکلتے ہی پٹ بند
ے کنڈے میں دوبارہ قفل ڈال دیا۔

سائمن طنزیہ انداز میں سنتھیا کی طرف ہاتھ ہلا کر واپس چلا تو میں
ں کے پیچھے ہو لیا۔ وہ ساری کارروائی اتنی سرعت کے ساتھ مکمل
سنتھیا ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ اور ہم راہداری میں اس سے دور
ئے۔

"کیا واقعی ٹیلکس کا جواب آگیا؟" راستے میں میدان صاف دیکھ
یں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"فیکس مشین کے تار توڑ کر میں نے ارجنٹ ٹیلکس بھجوایا تھا۔ شاید وہاں بھی ہمارا کوئی آدمی موجود ہے کیوں کہ پہلی بار اٹلی سے اتنے کم وقت میں یقینی جواب ملا ہے۔ انھوں نے پاسپورٹ کے اجرا کی تصدیق کر دی ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمھارا دامن صاف رہے گا۔۔۔ [illegible] بنی خوشی چھپاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "کلثوم احمد ک[illegible]قب میں جانے والا کیا خبر لایا ہے؟"

اس سے وہ سوال پوچھنا ضروری تھا۔ کیونکہ میں نے اسے ویرا سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ نہیں کیا تھا۔

"وہ بہت ہوشیار عورت تھی۔ راستے ہی میں اسے جُل دے کر کہیں غائب ہو گئی۔ وہ سارے شہر کی خاک چھاننے کے بعد ابھی کچھ دیر پہلے ناکام و نامراد واپس آیا ہے۔"

اس کی زبان سے وہ تفصیل سن کر مجھے خوشی ہوئی اور اسی اثنا میں ہم اس کے دفتر میں داخل ہو گئے۔ جہاں اس کا ایک نیا ماتحت پہلے سے موجود تھا۔ انسپکٹر سائمن میری عجلت سے آگاہ تھا۔ اس لیے اس نے نئے افسر سے میرا تعارف کرانے میں وقت برباد کرنے کے بجائے فوری طور پر کاغذی کارروائی مکمل کی اور چند منٹ بعد مجھے وہاں سے جانے کی اجازت مل گئی۔ سائمن نے مجھے پولیس کار میں میری منزل تک پہنچانے کی پیشکش کی، جو میں نے قدرے تردد کے بعد قبول کر لی۔ اسے میں نے یہی بتایا تھا کہ میں ہوٹل مارکوئیس میں قیام کروں گا۔ وہ لاکھ شی کا وفادار سہی، لیکن پولیس کے محکمے کا ایک ذمے دار افسر تھا اور کسی بھی وقت اپنے پیشہ ورانہ دباؤ سے مجبور ہو کر میرے حق میں کسی بے احتیاطی کا مرتکب ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف میں نے شی کے آئی مین کا بہروپ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے یہ خدشہ بھی اپنی جگہ برقرار تھا کہ اس کے ذریعے شی والوں کو میری نقل و حرکت کی خبر مل سکتی تھی اس لیے میں نے اسے اپنی نئی منزل کے بارے میں آگاہ کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

چمکتی ہوئی پولیس کار کی عقبی نشست پر آرام سے دراز ہو کر میں باوردی سرکاری شوفر کے ساتھ شان سے روانہ ہوا۔ انسپکٹر سائمن نے اس مقامی سپاہی کو ہوٹل مارکوئیس کے بارے میں بتا دیا تھا، اس لیے راستے میں مجھے اس کو کوئی ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اور میں تھوڑی ہی دیر میں ہوٹل مارکوئیس پہنچ گیا۔ گاڑی مجھے اتار کر واپس لوٹ گئی تو میں ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس وقت بھی میرے بدن پر وہی لباس موجود تھا، جس میں پاسپورٹ والی تصویر اتاری گئی تھی۔ کیونکہ رقم سمیت میرے فاضل کپڑے اسی بیگ میں تھے، جو ویرا ہوٹل سے لے اڑی تھی۔

ہوٹل کے کاؤنٹر پر وہی باریک بیں کلرک موجود تھا۔ جس کی وجہ

سے مجھے پچھلی رات حوالات میں گزارنا پڑی تھی۔ اس نے تحیّر آمیز نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر پُرتپاک انداز میں میرا استقبال کیا تھا۔ ”خوش آمدید... خوش آمدید۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے دوبارہ ہمارے ہوٹل کا انتخاب کیا ہے۔ تم یقین کرو کہ میری پچھلی رات بہت کرب کے عالم میں گزری ہے۔ مجھے رات بھر ندامت کا یہ احساس ستاتا رہا کہ کہیں میری وجہ سے کسی معزز اور بے گناہ گاہک کو زحمت نہ اٹھانا پڑی ہو اور بارہ گھنٹوں میں تمھاری باعزت واپسی نے میری ندامت کے بوجھ میں اضافہ کر دیا ہے۔ تمھاری زحمت کے ازالے کے لیے میں انتظامیہ سے سفارش کروں گا کہ تم سے کم از کم تین راتوں کے قیام اور طعام کا کوئی معاوضہ نہ لیا جائے۔ ہو سکا تو مشروبات بھی بلامعاوضہ فراہم کیے جائیں گے۔“

اس وقت کاؤنٹر خالی تھا، اس لیے میں وہاں کھڑا ہو کر اس بدمعاش کی وہ تقریرِ دل پذیر سنتا رہا۔ اور جب وہ خاموش ہوا تو اس کی طرف جھک کر زہریلے لہجے میں بولا۔ ”تم چور اور بدمعاش ہو۔ میں یہاں ٹھہرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنا وہ بیگ لینے آیا ہوں جو تم نے اپنے عملے کی ملی بھگت سے چرایا ہے۔ اس میں دیگر اشیاء کے علاوہ میرے ایک ہزار ڈالر بھی تھے۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے اضطراری طور پر اس کی ٹائی پکڑ کر اسے بُری طرح جھنجوڑ ڈالا۔

میری گرفت سے رہائی پاتے ہی وہ بوکھلا کر عقبی دیوار سے جا لگا۔ پھر اس نے دائیں بائیں نظریں دوڑائیں کہ کسی نے اس کی درگت بنتے تو نہیں دیکھی تھی۔ یہ اس کی اور شاید میری بھی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت وہاں کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ استقبالیہ کاؤنٹر بھی خالی پڑا ہوا تھا۔

”تم زیادتی کر رہے ہو۔“ وہ عقبی دیوار سے لگے لگے اپنی ٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”خود پر قابو رکھو ورنہ میں نے شور مچا دیا تو تم مداخلتِ بے جا، تشدد اور ڈاکے کی نیّت رکھنے کے الزام میں پکڑ لیے جاؤ گے.... میں تت.... تمھیں پورا یقین دلاتا ہوں کہ تمھارے بیگ کی چوری میں میرا کوئی دخل نہیں۔ ہم نے پورے ہوٹل اور عملے کی تلاشی لے ڈالی، لیکن تمھارا بیگ بازیاب کرنے میں ناکام رہے۔ تم چاہو تو منیجر سے مل لو۔ شاید وہ تمھارے مالی نقصان کا تھوڑا بہت ازالہ کر سکے۔“

”تم، تمھارا ہوٹل اور اس کا منیجر، سب جہنم میں جائیں۔“ میں نے دانت پیسنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ ٹھگوں کا ٹولہ ہو، چاہو تو ابھی بھی ہزار یا پانچ سو ڈالر تمھیں بھیک دے سکتا ہوں۔“

حقیقت یہ تھی کہ میرا اس سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں لاؤنج میں داخل ہو کر اندر صرف اتنا وقت گزارنا چاہتا تھا کہ مجھے لانے والی پولیس کار دور نکل جائے۔ لیکن وہاں میدان صاف دیکھ کر میں خواہ مخواہ مشتعل ہو گیا۔ میں وہاں کافی وقت گزار چکا تھا، اس لیے بڑبڑاتا ہوا نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

مارسیلز میرے لیے اجنبی شہر تھا، اس لیے راستوں سے
تکلیف دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اس کا بہتر علاج یہ تھا کہ میں ہوٹل
تلاش کرنے کے بجائے خود کو کسی ٹیکسی ڈرائیور کے رحم و کرم
دیتا۔ میری وہ ترکیب کارگر رہی۔ میں نے ہوٹل مارکوئیس سے
نکل کر ٹیکسی پکڑی تو ڈرائیور نے ہوٹل مارٹن کا نام سنتے ہی
کے ساتھ گاڑی دوڑا دی۔ جس کا مطلب تھا کہ مارٹن کا شمار
کے معروف ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔

نیا ہوٹل میری توقع کے عین مطابق بہت معیاری ثابت
ریو ڈی الفانسو شہر کی ایک بارونق شاہراہ تھی جس پر دو رویہ
بڑی دکانیں اور عمارات موجود تھیں۔ ان ہی کے درمیان ہوٹل
کی عمارت موجود تھی۔ دوسری منزل کے کمرہ نمبر دو سو دس پر
دستک کے جواب میں ہی دروازہ کھول دیا گیا اور عربی لباس
ملبوس ویرا میرے سامنے آ گئی۔ اس وقت اس کے چہرے
نقاب نہیں تھی، لیکن اس کے سر پر کسے ہوئے مصری طرز
رومال نے لباس کے امتزاج سے اس کی شخصیت ہی بدل کر
دی تھی۔ اگر میں اسے اس حلیے میں دیکھ نہ چکا ہوتا تو میرے
اسے پہلی نظر میں شناخت کرنا محال تھا۔

اہلاً و سہلاً مرحبا۔ حبیبی حبّی حبّی!“ مجھے اندر آنے کا راستہ د
ہوئے وہ حلق کے بل بولتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ا
کر اندازہ ہو رہا تھا کہ میری غیر موجودگی میں وہ ذہنی طور پر خاص
تھی۔ اسی لیے مجھے دیکھ کر اپنی خوشی کے غیر ارادی اظہار کو نہ ر
”عربی بول بھی لیتی ہو۔“ میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ ”تم
کمال کی عورت ہو۔“

”میری عربی ان دو فقروں سے شروع ہو کر ان ہی پر ختم ہو
ہے۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ”جب سے تم سے مل کر آئی ہوں
خراش کے باعث کھانس کھانس کر بے حال ہو گئی ہوں۔ عربی میں
اور کوے پر خاصا زور پڑتا ہے۔“

”اناڑی ہو، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”ب
کہ اب کیا پروگرام رہے گا؟“

”تمھاری رہائی عارضی ہے یا پکّی؟“ اس نے سوال کر ڈالا۔

”بالکل پکّی۔“ میں نے آرام دہ ڈبل بیڈ پر دراز ہوتے ہ
کہا۔ ”سلور آئی دیکھ کر انسپکٹر سائمن کے طوطے اڑ گئے تھے۔ اس
بہت سعادت مندی کا ثبوت دیا، اور فیکس مشین کو ناکارہ کر کے
پر کارروائی کر ڈالی۔ اٹلی والوں نے میرے پاسپورٹ کی تصدیق
ہے۔ لیکن پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔“ یہ کہہ کر میں نے اسے حو
سے رہائی سے ہوٹل مارٹن تک پہنچنے کی پوری روداد بلا کم و کاست
دی تاکہ اسے صحیح فیصلہ کرنے میں مدد مل سکے۔

"تم بھی ٹھاٹ سے ایک الگ کمرہ بک کرالو۔" اس نے میری کہانی سن کر کہا۔ "انسپکٹر سائمن نے ایک رات تمھیں حوالات میں قید رکھا ہے تو پاسپورٹ کے کسی صفحے پر اپنی مہر کے ساتھ اٹلی سے آنے والی رپورٹ کا خلاصہ بھی درج کیا ہوگا۔ یوں سمجھو کہ اب تمھاری پیڑوارک کی حیثیت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔"

"اور سلطان شاہ کا کیا ہوگا؟"

"اس کی طرف سے میں غافل نہیں رہی ہوں۔" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ "تھوڑی دیر پہلے سوفینی گروپ والوں سے فون پر میری بات ہوئی ہے۔ ان کے پاس یقیناً کوئی اہم اطلاع موجود ہے۔ کیونکہ ان کا چیف فوری طور پر مجھ سے ملنے کے لیے بے تاب تھا، مگر مجھے تمھارا انتظار تھا۔ اس لیے میں نے اس کو اپنے موجودہ پتے سے آگاہ نہیں کیا...."

"تم نے وقت برباد کیا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تمھیں اس کو فوراً بلا لینا چاہیے تھا۔ اگر ہمیں سلطان شاہ تک پہنچنے میں تاخیر ہوگئی تو اسے ناقابلِ تلافی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو۔ لیکن میں خواہش کے باوجود اسے بلانے کا فیصلہ نہ کر سکی۔" اس نے اعتراف کیا۔ "یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی نادیدہ قوت مجھے اس فیصلے سے روک رہی ہو...... خیر اب میں اسے فون کروں گی تو وہ فوراً ہی دوڑا چلا آئے گا۔ اسے میرے فون کا بے چینی سے انتظار ہوگا۔"

"یہ وہی پرانے لوگ ہیں یا کوئی نئی پارٹی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہی لوگ ہیں۔ تمھارا پاسپورٹ بھی انھوں نے فراہم کیا تھا۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اس کے سامنے نہ آنا۔ کیونکہ وہ تمھاری تصویر دیکھ چکا ہے۔ ان لوگوں سے اپنی کمزوریاں چھپانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ مال ملنے کی آس بندھ جائے تو یہ پکے بلیک میلر ثابت ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمھیں یہاں دیکھنے کے بعد وہ خود تو خاموشی سے لوٹ جائے لیکن اپنے کسی چیلے کو تمھارے پیچھے لگا دے۔ حد یہ ہے کہ انھیں ایک سودے کے دو گاہک مل جائیں تو دونوں کو بیک وقت ڈبل کراس کرتے ہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ مکیس کی فطرت ان لوگوں کی بہترین عکاسی کرتی ہے۔"

ان کے بارے میں ویرا کے تجربات جو کچھ بھی رہے ہوں، اس وقت ہمارے سامنے کوئی انتخاب نہیں رہ گیا تھا۔ سلطان شاہ کی بازیابی کے لیے ہمیں ہر حال میں ان ہی پر انحصار کرنا تھا۔ اس لیے میرے ایما پر ویرا نے سوفینی گروپ کے چیف جان لی پگ سے فون پر دوبارہ بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ فون پر ویرا کی یکطرفہ انگریزی گفتگو سن کر مجھے اندازہ ہوا کہ لی پگ بہت پرجوش تھا اور آنے سے پہلے ویرا سے بہت کچھ معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر ویرا نے اسے اپنے ہوٹل کا نام اور کمرہ نمبر بتا کر گفتگو کا سلسلہ موقوف کر دیا۔

میں نے ویرا کو لی پگ سے انگریزی میں بات کرتے سنا تو مجھے خاصی حیرت ہوئی۔ اور ویرا نے بتایا کہ غیر قانونی کاموں کے سلسلے میں پرائیویٹ سراغ رساں مقامیوں کے مقابلے میں غیر ملکیوں پر جلد بھروسا کر لیتے ہیں۔ کیونکہ انھیں اپنے خلاف مقامی حکام کی کارروائیوں کا خوف لاحق رہتا ہے۔ جس کے نتیجے میں ان کا لائسنس بھی ضبط ہو سکتا ہے۔ اس لیے ویرا نے خود کو فرنچ زبان سے بے خبر نابلد برٹش نیشنل ظاہر کیا تھا۔ ورنہ شاید وہ سلطان شاہ کی تلاش پر رضامند ہونے کے بعد آسانی کے ساتھ میرے جعلی پاسپورٹ کی فراہمی پر تیار نہ ہوتا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم مجھ سے بدلا چکاؤ گی۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے ویرا سے کہا اور جب وہ میری بات نہ سمجھ سکی تو مجھے وضاحت کرنا پڑ گئی۔ "ہوٹل مارکوئیس میں تم باتھ روم میں چھپی تھیں۔ اب لی پگ کی آمد پر مجھے باتھ روم میں گھسنا پڑے گا۔"

"وہ یہاں اکیلا آرہا ہے، میرا اندازہ ہے کہ وہ مجھ سے کوئی سودے بازی کرے گا یا پھر مجھے اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہے گا۔ ایسا ہوا تو تمھیں محتاط رہ کر ہمارا پیچھا کرنا ہوگا......"

"اگر تم اس کی طرف سے اتنی بداعتمادی کا شکار ہو تو تمھیں اس سے رجوع ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

"بداعتمادی نہیں اسے تجربہ کہو۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی۔ "تم خود اس کو دیکھو گے تو اندازہ لگا لو گے کہ میری کوئی پیش بندی ضرورت کے بغیر نہیں ہے۔ دوسروں پر اندھا دھند بھروسا کر کے بعد میں پچھتانے کے بجائے احتیاط برتنے کا سبق میں نے تم ہی سے سیکھا ہے اور اب خود ہی اس پر ناک بھوں چڑھا رہے ہو۔"

ویرا اس وقت مجھ سے بحث کرنے کے موڈ میں آچکی تھی، اس لیے باتوں میں وقت تیزی کے ساتھ گزرتا رہا اور پھر دروازے پر ہونے والی دستک نے ہمیں چونکا دیا۔ میں سرعت کے ساتھ بستر سے اٹھ کر باتھ روم میں جا گھسا۔ بم گن اس وقت بھی میرے پاس موجود تھی اور دہ کسی بُرے وقت کے مقابلے کے لیے ایکسپلوڈر سے مسلح تھی۔

چند ثانیوں بعد دروازے کے لیور کے کھٹکے کے ساتھ ہی میرے کانوں میں ایک مردانہ تحیر آمیز آواز پڑی۔ جس میں سیٹی کی سی تیزی موجود تھی۔ "اوہ مادام لینا جیرالڈ! تم تو بالکل ہی بدل کر رہ گئی ہو۔"

"لینا نہیں، اب میں کلثوم احمدی ہوں۔" ویرا کی آواز سپاٹ اور دھیمی تھی۔

پھر شاید نو وارد اندر آگیا اور دروازہ بند ہوگیا۔ "میرا خیال ہے،

ہیں یہاں وقت ضائع کرنے کے بجائے فوراً ہی یہاں سے چل دینا چاہیے.... میرا خیال ہے کہ میں نے تمھارے مطلوبہ آدمی کا سراغ لگا لیا ہے۔" مردانہ آواز ابھری۔

"میرے جانے کی کیا ضرورت ہے؟" ویرا کی آواز قدرے ترش ہو گئی۔ "شرائط طے ہو چکی ہیں، اسے آؤ اور اپنے معاوضے کی رقم لے جاؤ، مجھے خود سامنے آنا ہوتا تو تمھیں کیوں زحمت دیتی۔"

"تمھارا آدمی بہت چالاک اور ضدی ہے۔" مرد کی آواز مصالحانہ تھی۔ "سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ یورپ میں بولی جانے والی ہر زبان سے ناواقف ہے اور اپنی اس کمزوری کو گونگے پن میں چھپاتا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ وہ جن لوگوں کے درمیان موجود ہے، ان ہی کو اپنا ہمدرد سمجھ رہا ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ آنے سے صاف انکار کر دیا۔ تمھارا نام سن کر بھی اس نے کسی ردِّ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ تمھیں لینا جیرالڈ یا کلثوم احمدی کے بجائے کسی تیسرے ہی نام سے جانتا ہے اور وہ نام تم نے ابھی تک مجھ سے چھپایا ہوا ہے۔ تمھیں دیکھ کر ہی وہ وحشی زیر ہو سکے گا۔"

"لیکن وہ ہے کہاں؟" ویرا کی آواز میں اضطراب پیدا ہو چلا تھا۔

"سینٹ فرانسس کے مضافاتی علاقے میں ایک فارم ہاؤس پر مقیم ہے۔ شہر میں زخمی ہونے والے بہتیرے افراد کو دیکھ بھال کے لیے ایسے شہریوں کے حوالے کر دیا گیا ہے، جو سوشل ورک میں یقین رکھتے ہیں۔ فارم ہاؤس کی مالکن بھی مارسلیز کی ایک معروف سماجی کارکن ہے اور تمھارا آدمی وہاں سے ہلتا نظر نہیں آ رہا۔ حد تو یہ ہے کہ اس کے تیمارداروں کو بھی ابھی تک اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ ہم نے محض تمھارے بتلائے ہوئے حلیے کی بنا پر اس تک رسائی حاصل کی ہے۔ اس سے مل کر تم ہی بتا سکو گی کہ ہم نے صحیح سمت میں کام کیا ہے یا ابھی تک اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔"

"تم نیچے لابی میں میرا انتظار کرو، میں لباس تبدیل کر کے آتی ہوں۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ویرا کی آواز سنائی دی اور باہر سکوت چھا گیا۔ چند سیکنڈ کے سنسنی خیز وقفے کے بعد باتھ روم کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور میں دروازہ کھول کر پھرتی سے باہر آ گیا۔

جان لی بگ نے ویرا سے جو کچھ کہا، وہ بے بنیاد نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے میری دانست میں ویرا کے چلے جانے میں کوئی ہرج نہیں تھا، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ سینٹ فرانسس کا زراعتی علاقہ مارسلیز کے مضافات میں خاصے فاصلے پر واقع تھا۔ اس ویران سڑک پر لی بگ کی نظروں سے بچ کر اس کا تعاقب کرنا دشوار ہی نہیں ناممکن نظر آ رہا تھا۔ اگر راستے میں اسے ہماری بدنیتی یا بے اعتمادی کا شبہ ہو جاتا تو وہ پھتے سے ہی اُکھڑ سکتا تھا۔

ویرا صبح سویرے حوالات میں مجھ سے ملاقات کے لیے تیار ہوئی تھی۔ اس لیے اسے لباس بدلنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن لی بگ سے بہانہ کرنے کی وجہ سے اسے لباس تبدیل کرنا پڑ گیا۔ جب کہ اصل مقصد اس وقفے میں باہمی طور پر مشورہ کرنا تھا۔ آخر کار ویرا کو ہی ایک امکان سوجھ گیا۔

میرے پاسپورٹ کے حصول کے سلسلے میں وہ میکس کے شراب خانے پر قیام کے دوران لی بگ کی ٹرائمف اسپورٹس کار دیکھ چکی تھی۔ جسے وہ اپنے گشتی دفتر کے طور پر بھی استعمال کرتا تھا۔ ویرا کو اس کار کے آخری تین نمبر یاد تھے۔ لہٰذا طے یہ پایا کہ ویرا لباس تبدیل کرنے کے بہانے مزید چند منٹ کمرے میں رُکی رہے اور میں لی بگ سے بچ کر باہر نکل کر اس کی کار کی ڈکی میں چھپنے کی کوشش کروں تاکہ تعاقب کے بجائے میرا سفر بھی ان ہی کے ساتھ جاری رہ سکے۔

میرا جان لی بگ سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ ویرا نے مجھے بتایا کہ وہ استخوانی چہرے اور دُبلے پتلے جسم کا ایک دراز قامت شخص تھا جسے دور ہی سے الگ پہچانا جا سکتا تھا۔ اس وقت وہ نیلے سوٹ اور سفید قمیص میں ملبوس تھا۔ اگر کسی وجہ سے میں اس کی کار تلاش کرنے یا اس کی ڈکی میں گھسنے میں ناکام رہتا تو مجھے باہر ہی کہیں رک کر ان کا انتظار کرنا تھا، تاکہ سفر کا آغاز ہوتے ہی کسی ٹیکسی میں تعاقب کر سکوں۔

کمرے سے تار کا ایک ٹکڑا لے کر میں وہاں سے نکل گیا۔ لفٹ کے بجائے نیچے اترنے کے لیے میں نے زینوں کا انتخاب کیا تھا، لیکن نیچے ہی میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔ کیونکہ ویرا کے بتائے ہوئے حلیے والا آدمی لابی میں ایسے زاویے سے بیٹھا ہوا تھا کہ زینوں سے اترنے والا کوئی بھی شخص اس کی نگاہوں سے بچ کر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس سے پیشتر کہ میں لی بگ کو نظرانداز کر کے آگے بڑھتا، وہ اپنی جگہ چھوڑ کر شناسائی کے انداز میں تیزی سے میری طرف لپکا تھا۔

"کہو پیٹر واک! کیسے ہو؟" اس نے اس قدر پُر یقین لہجے میں مجھے مخاطب کیا کہ میں اس کو کسی غلط فہمی کا احساس دلانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ مارسلیز میں تم سے یوں ملاقات ہو جائے گی۔" اس کی سیٹی جیسی آواز تیز سرگوشی میں تبدیل ہو گئی تھی اور لہجے میں بلا کی گرم جوشی تھی۔

"میں تمھیں نہیں جانتا۔" میں نے اس سے رسماً ہاتھ ملاتے ہوئے سرد مہری کے ساتھ کہا۔ "کون ہو تم؟"

"خاکسار کیا بتائے کہ کون ہے.... مادام اسی ہوٹل میں مقیم ہیں، چند منٹ ٹھہرو تو وہ نیچے آنے والی ہیں۔ میرا تعارف وہی کرا سکیں گی۔" وہ عاجزانہ لہجے میں بولا۔ "اگر تمھارے پاس وقت ہو تو ہمارے ساتھ چلو۔ ہم سینٹ فرانسس کے علاقے میں کسی سے ملاقات کرنے

جارہے ہیں۔"

"میں بن بلایا مہمان بننا پسند نہیں کرتا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔" اور نہ میں کسی مادام کو جانتا ہوں۔"

"مادام لینا میری بہت مہربان دوست ہیں۔" وہ دھیمی اور پُر اخلاق آواز میں بولا۔" جب انھوں نے لباس تبدیل کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے مجھے نیچے بھیجا تو مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ باتھ روم ان کے کسی ملاقاتی کے زیرِ استعمال تھا۔ ورنہ وہ مجھے کمرے میں بٹھا کر باتھ روم میں لباس بدل سکتی تھیں... تم جانا چاہو تو میں تمھیں روکوں گا نہیں۔ لیکن میری یہ خواہش ضرور ہے کہ مادام کے آنے تک ہم دونوں ساتھ بیٹھ کر ٹھنڈی بیئر کا ایک ایک مگ پی لیں۔"

وہ حد درجہ ڈھیٹ اور لیچڑ تھا۔ میں نے سوچا کہ وہ مجھے دیکھ ہی چکا تھا تو اس کے ساتھ بیٹھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ ویسے بھی میں اس کی کار میں چھپ کر جانا چاہ رہا تھا۔ لیکن اس کی پیشکش کے بعد وہ ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ میں ٹھاٹ سے ان دونوں کے ساتھ ہی جا سکتا تھا۔

"تم ضرور ہمارے ساتھ چلو۔" اس نے لابی میں صوفے پر دراز ہو کر بیئر کا آرڈر دینے کے بعد کہا۔" چاہو تو کار ہی میں بیٹھے رہنا۔ ہم اندر ہو آئیں گے۔ اس طرح تم بن بلائے مہمان بننے سے بھی بچ جاؤ گے۔"

"کلثوم آئے گی تو دیکھا جائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ اور اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

"دیکھا، تم پہچان گئے نا مادام کو۔" سیٹی نما آواز ابھری۔" اسے کوئی بھول ہی نہیں سکتا اور تم تو شاید مادام کے بہت ہی قریبی دوستوں میں سے ہو۔"

وہ وقفے وقفے سے مسلسل کچھ نہ کچھ بولتا رہا۔ لیکن میں نے چُپ سادھ لی تھی۔ نہ جانے اس کے عزائم کیا تھے اور وہ کیا کرنے والا تھا۔ اس لیے میں زیادہ بول کر اپنے لیے کوئی دشواری کھڑی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جس انداز میں میری جان کو آیا تھا اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ میرا ابھی کوئی مصرف اس کے ذہن میں موجود ہے۔

ویرا آئی تو ہم دونوں کے بیئر کے مگ خالی ہونے والے تھے۔ لی بگ نے صوفے سے اٹھ کر ویرا کو بھی بیئر پینے کی دعوت دی جو اس نے مسترد کر دی۔ لی بگ نے بیرے سے بل طلب کیا اور بے حیائی کے ساتھ ویرا کی طرف بڑھا دیا۔ ویرا نے اسے گھورتے ہوئے بل پر اپنے دستخط کر دیے تاکہ وہ رقم اس کے کمرے کے بل میں شامل کر دی جائے۔

وہ مجھے لی بگ کے ساتھ دیکھتے ہی بُری طرح چونکی تھی۔ کیونکہ ہمارا پروگرام اس کے برعکس طے ہوا تھا۔ لیکن شاید وہ خود لی بگ کی زینوں کے سامنے والی نشست دیکھ کر معاملے کی تہ تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے اس بارے میں اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ البتہ جب ہم تینوں نکاسی کے راستے کی طرف بڑھے تو میں نے انگریزی میں بات چھیڑ دی۔

"یہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ تم ہی اس کا تعارف کراؤ گی۔"

"یہ جان لی بگ ہے، اسی نے تمھارا گمشدہ پاسپورٹ بنوایا تھا۔" ویرا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔" لیکن تم تو کسی ضروری کام سے جا رہے تھے۔ پھر لی بگ سے کہاں مل بیٹھے؟"

"پھر تو یہ بدترین پیشہ ورانہ بددیانتی کا مرتکب ہوا ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔" اس نے مجھے پہچان بھی لیا تھا تو اسے انجان بن جانا چاہیے تھا۔ لیکن یہ زبردستی مجھ سے ملا اور مجھے اپنے ساتھ سینٹ فرانسس چلنے کی دعوت دینے لگا۔ اس نے میرا موڈ غارت کر دیا ہے۔ میں اپنے کام سے گیا تو سب چوپٹ کرا آؤں گا۔"

وہ سب باتوں کا گھماؤ پھراؤ تھا۔ ورنہ لی بگ پر سب کچھ عیاں ہو چکا تھا۔ وہ کسی طرح بھی باور نہ کرتا کہ میں سلطان شاہ کے معاملے سے بے خبر تھا۔ لیکن ہم دونوں میں سے کسی نے بھی اس کے منہ لگنے کے بجائے ساتھ چلنے کا فیصلہ کر لیا۔

لی بگ کی کار میں ویرا اگلی نشست پر بیٹھ گئی، میں پیچھے آ گیا اور جان لی بگ نے کار پارکنگ لاٹ سے نکال کر سڑک پر ڈال لی۔ سلطان شاہ کے بارے میں میں تشویش میں مبتلا تھا، لیکن مجبوراً خاموش تھا۔ آخر ویرا ہی اس بارے میں لی بگ سے سوال کر بیٹھی۔

"میرے آدمی کا حال کیا ہے؟"

"اس کا داہنا بازو زخمی ہے۔ ملبے کا کوئی ٹکڑا گوشت پھاڑتا ہوا گزرا ہوگا۔ ہڈی ٹوٹی تو نہیں، لیکن ابھی تک متورم ہے۔" لی بگ چیونگم کا ایک پیس منہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔" چند روز میں اسے صحت یاب ہو جانا چاہیے۔"

"اس کے میزبان کو جب یہ معلوم ہے کہ اس نے تمھارے ساتھ آنے سے انکار کر دیا تو اب وہ تم کو اپنے گھر میں کیوں گھسنے دے گا؟" میں نے چُبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہزار ڈالر کا سوال ہے۔" اس کی سیٹی بجی۔" مجھے اکیلے کو شاید وہ پھاٹک سے ہی لوٹا دے۔ لیکن میں اس سے کہہ کر آیا تھا کہ اس کی آنٹی کو ساتھ لے کر آؤں گا اور وہ دُم ہلاتا ہوا اپنی آنٹی کے پیچھے چل پڑے گا۔ مادام کو آنٹی سمجھ کر وہ ہماری راہ میں مزاحم ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"تمھارا دماغ خراب ہوا ہے۔" ویرا بگڑ کر بولی۔" وہ میرا ہم عمر ہے، میں اس کی آنٹی لگ ہی نہیں سکتی۔"

"او ہو!" وہ بوکھلا کر بولا۔" تم رشتے پر نہ جاؤ، یہ حکمت ہے

عجیب ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ آنٹی عمر رسیدہ ہو۔ اگر انکل رنگین مزاج ہو تو آنٹی کم عمر بھی ہو سکتی ہے۔"

اس کی بات معقول تھی۔ اس لیے ویرا کو خاموش ہو جانا پڑا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ جان لی ہگ درحقیقت بہت شاطر اور مکار آدمی تھا۔ اور سادہ لوح بن کر اپنا الو سیدھا کرنے کے فن سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ ہمیں کس مقصد کے لیے اپنے ساتھ سینٹ فرانسس لے جا رہا تھا۔

ویسے تو اس کی پوری کہانی مربوط اور قابلِ فہم تھی۔ لیکن میرے ذہن میں یہ نکتہ بُری طرح کھٹک رہا تھا کہ دنیا جہان کی بکواس کرنے کے باوجود اس نے شروع سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ جس میں معاوضہ بڑھوانے کا ذکر ہوتا۔ میکس کے شراب خانے میں ویرا مجھے بتا چکی تھی کہ وہ حیلے بہانوں سے اپنا معاوضہ بڑھوانے کے چکّر میں تھا۔ پھر اس کی کنجوسی کا ایک شاہکار کچھ دیر پہلے میں خود دیکھ چکا تھا۔ کہ اس نے ذاتی طور پہ مجھے بیئر پینے کی دعوت دی تھی لیکن اس کا حقیر سا بل بھی اس نے اپنی جیب سے ادا کرنے کے بجائے ویرا کی طرف بڑھا دیا تھا۔ ان حالات میں اس کی جانب سے معاوضے کے دلچسپ موضوع پہ اس کی خاموشی بہت تشویشناک تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے جلد ہی اپنی کوئی لاٹری نکلنے کی امید ہو۔ جس کے بل بوتے پہ اس نے عارضی طور پہ قناعت کی راہ اختیار کر لی ہو۔

"آج کل کوئی دوسرا کام بھی ہے تمہارے پاس؟" اپنے ان ہی خیالات کی رو میں میں نے رواروی میں پوچھا۔

"آں.....؟" میرے سوال پہ وہ ایک دم چونک پڑا پھر خفت آمیز لہجے میں بولا۔ "دوسرا کیا ابھی تو پہلا ہی کام پھنسا ہوا ہے۔ جب سے ہمارے ہاں شادی کرنے کا رواج کم ہوا ہے، طلاق کے لیے ثبوت فراہم کرنے کے کیس بھی ملنے بند ہو گئے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے پہ اپنا کوئی قانونی حق جتائے بغیر بوائے اور گرل فرینڈ بن کر پہاڑ جیسی زندگی گزار لیتے ہیں۔"

"اسی لیے تم اخراجات کا سارا بوجھ ان مؤکلوں پہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہو جو اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے تمہارے ہتھے چڑھ جاتے ہیں؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجبوری ہے..... ایسا نہ کریں تو دفتر چند ہی ہفتوں میں ویران ہو جائے لیکن پھر بھی ہم ہر گاہک کی جیب اور کام کی نوعیت کا خیال رکھتے ہیں.... تم سے بھی میں نے اضافی اخراجات کی بات کی تھی۔ تم نے معاوضے میں دو ڈھائی سو ڈالر اضافے کا عندیہ بھی دے دیا تھا لیکن دیکھ لو کہ تمہارے آدمی نے میرے ساتھ آنے سے انکار کر کے میرے فائدے کی راہ مسدود کر دی۔ اس زحمت کے بعد تم اصل رقم اور اخراجات کا بل ہی دے دو تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔"

"اخراجات کا بل؟" ویرا آنکھیں نکال کر غرائی۔ "ہمارے درمیان ایسی تو کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی۔"

"مانتا ہوں کہ طے نہیں ہوئی تھی۔" اس نے خندہ پیشانی سے اقرار کیا۔ "لیکن یہ کام کا بنیادی اصول ہے۔ میرے آدمی تمہارے کام کے سلسلے میں ہوائی جہاز سے آس پاس کے کئی شہروں میں گئے ہیں۔ پانچ سو ڈالر میں سے ان کے اخراجات نکال دو تو میرے پلے کچھ بھی نہیں پڑ سکے گا.... خیر یہ باتیں ہم بعد میں بھی کر سکتے ہیں پہلے تمہارا کام ہونا چاہیے۔"

اس کے بعد کار میں خاموشی چھا گئی اور انجن کی یکساں گونج میں ہمارا وہ پُراسرار سفر جاری رہا۔ سینٹ فرانسس کے علاقے میں کار باغات اور کھیتوں کے درمیان ایک سڑک پہ مُڑتے ہوئے لی ہگ نے بتایا کہ منزلِ مقصود اب تھوڑی ہی دور رہ گئی تھی۔ میں نے جیب ٹٹول کر ہیم گن کی موجودگی محسوس کی اور اپنی نشست پر تن کر بیٹھ گیا۔

اس سڑک کے دونوں طرف تاحدِ نظر سبزہ ہی سبزہ تھا اور تھوڑے تھوڑے فاصلے کے بعد لبِ سڑک کاٹیج بنے ہوئے تھے جو شاید ان زرعی قطعات کے مالکان نے نجی استعمال کے لیے بنوائے ہوئے تھے۔ ان میں سے بیشتر بادی النظر میں ویران ہی نظر آئے۔ لیکن لی ہگ نے بتایا کہ ہر ویک اینڈ پہ ان دیہی مکانات پر رنگ و حسن کا ایسا جشن برپا ہوتا تھا کہ ایک رات کے لیے مردہ جسموں میں بھی زندگی کی ایک نئی جوت جاگ اٹھتی تھی۔ شہر میں رہنے والے جاگیردار ہر ہفتے ان کاٹیجوں پر محفلِ طرب و نشاط کے انعقاد کو ایک ناگزیر رسم کا درجہ دے چکے تھے۔ اس پہل نے ساز و آہنگ اور شراب کے سودوں سے روزی کمانے والے ایک رات میں اتنا کچھ کما لیتے تھے کہ ان کے گھروں میں پورے ہفتے چولہے روشن رہتے تھے اور وہ بُرے وقت کے لیے کچھ پس انداز بھی کر لیتے تھے۔

گہرے سبزے کے درمیان دونوں طرف سے پتلی پتلی خاکی پٹیوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی سیاہ سڑک ابر آلود موسم میں بھی چمک رہی تھی۔ فضا میں دیہی زندگی کی عجیب سی بساند رچی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں مویشیوں کی ملی جلی آوازیں اس سازینۂ حیات میں کچھ اور رنگ بکھیر رہی تھیں اور میں اس ماحول میں کھویا ہوا تھا کہ ایک موڑ گھومتے ہی میری نگاہ ان چار شوخ لباس نوجوانوں پر پڑی جو اپنی موٹر سائیکلیں سڑک کے کنارے کھڑی کر کے درختوں کے نیچے سستا رہے تھے اور ہماری کار کی طرف متوجہ تھے۔ ہمارے نمودار ہونے سے پہلے ہی کار کے انجن کی آواز ان تک پہنچ گئی تھی اور وہ غالباً ہمارے منتظر تھے۔

ہماری کار کو دیکھتے ہی وہ دیوانہ وار اپنی موٹر سائیکلوں کی طرف لپکے تھے۔ وہ ککیں مار کر انجن بیدار کر رہے تھے کہ ہماری کار زن سے ان کے قریب سے گزر گئی۔ اس لمحے میں نے دیکھا کہ وہ چاروں ہی مسلح تھے۔ ان سب کا اسلحہ یکساں نہیں تھا، لیکن ان کے تیور یکساں اور جارحانہ نظر آ رہے تھے۔

"کتنا سفر باقی رہ گیا ہے؟" میں نے لی بگ سے سوال کیا۔

"بس چند منٹ کی بات ہے۔" اس کے لہجے سے بے آرامی مترشح تھی اور اس کی نگاہیں عقب نما آئینے پر جمی ہوئی تھیں غیر ارادی طور پر میری گردن بھی پیچھے گھوم گئی اور میں یہ دیکھ کر تشویش میں پڑ گیا کہ وہ چاروں موٹر سائیکلیں سڑک پر لہراتی ہوئی تیز رفتاری کے ساتھ ہمارے پیچھے آ رہی تھیں۔

"کسی کے ساتھ پروگرام طے کر کے اِدھر آئے ہو یا یہ تمھاری اپنی اسکیم ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں جان لی بگ سے سوال کیا۔ اس وقت ہنگامی صورتِ حال درپیش تھی، اس لیے میرا ذہن پوری تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

"نن.... نہیں۔ اور کسی کو ہمارے پروگرام کا علم نہیں تھا۔" اس نے بلاتوقف جواب دیا، لیکن میرا ذہنی کمپیوٹر چل پڑا تھا۔ اس کی ابتدائی ہکلاہٹ یقیناً کسی گڑبڑ کی غماز تھی۔

"اور یہ چاروں موٹر سائیکل سوار تمھارے لیے اجنبی ہیں؟" میرا لہجہ تند ہو گیا۔

"قسم لے لو، جو میں کسی کو جانتا ہوں۔" وہ گھگھیا کر بولا۔ "پتا نہیں یہ نمک حرام کہاں سے نازل ہو گئے؟"

"ابھی دو منٹ میں پتا چل جائے گا۔" میں نے بیم گن خاموشی کے ساتھ جیب سے نکالتے ہوئے کہا۔ "ہماری منزلِ مقصود اب کتنی دور رہ گئی ہے؟"

"بائیں ہاتھ پر اب تیسرے یا چوتھے کاٹیج میں جانا ہے۔" وہ مُردہ آواز میں بولا۔ "اس کاٹیج تک پہنچنے کے لیے کچھ فاصلہ ہمیں کچی سڑک پر طے کرنا ہو گا۔"

"گاڑی وہاں موڑے بغیر سیدھی نکال لے جانا۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"لل.... لیکن کیوں؟" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔ "ہم تو ایک خاص پروگرام کے تحت یہاں آئے ہیں۔"

"پہلا سبب یہ ہے کہ میرے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول ہے۔" میں نے بیم گن کی نال اس کی گردن سے لگا کر ہٹاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "دوئم یہ کہ میں اس پروگرام میں تمھارے شرکا کی تعداد کا تعین کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا اس نے کوئی چال چلی ہے؟" ویرا نے اچانک پلٹ کر اردو میں مجھ سے پوچھا۔

"مجھے شبہ ہو رہا ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ تمھاری گرفتاری کے لیے پچاس ہزار ڈالر کا انعام مقرر کیا گیا ہے۔ دس بیس ہزار میں کوئی بھی لی بگ کو خرید سکتا ہے۔"

"اور تمھیں اب یہ خیال آ رہا ہے؟" ویرا بھنا کر بولی۔

"کیا کروں؟ میری کھوپڑی ایمرجنسی میں ہی صحیح کام کرتی ہے۔" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "تمھاری چھٹی حس تو مجھ سے پہلے ہی حرکت میں آ چکی تھی۔ اتنی دیر میں تم نے کیا کر لیا؟"

"ہمیں بائیں ہاتھ پر اگلا موڑ گھومنا ہے۔" لی بگ کی بھرائی ہوئی سیٹی بجی۔

"سیدھے نکل چلو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں موٹر سائیکل سواروں کا ردِ عمل دیکھنا چاہتا ہوں۔ اب اگر تم نے میری ہدایت سے ذرا بھی انحراف کیا تو میں بے دریغ تمھیں موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔"

"تم یقین کرو کہ میں بالکل بے قصور ہوں، میں نے تمھارے خلاف کوئی سازش نہیں کی ہے۔" وہ رو دینے والی آواز میں بولا۔ اور اسی دوران میں اسپورٹس کار اگلے موڑ سے آگے نکل گئی۔

"ابھی دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہوا جاتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "ابھی تک میری کھوپڑی پر برف ہی جمی ہوئی تھی، لیکن اب تمھارا کھیل میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ تمھیں لینا جیرالڈ کو گھیرنے کے لیے کتنی رقم کی پیشکش کی گئی تھی؟"

"تم الزام تراشی کر رہے ہو۔" وہ خوف زدہ آواز میں حلق کے بل چیخا۔ "مجھے کسی نے کوئی پیشکش نہیں کی، نہ میں نے تمھارے ساتھ غداری کی ہے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے کہ اب کیا ہونے والا ہے؟"

"اب موٹر سائیکلوں سے ہم پر گولیاں برسائی جائیں گی۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "انھیں اسی لیے راستے پر مامور کیا گیا تھا کہ تمھاری کسی حماقت کی وجہ سے ہم آخری لمحات پر بھڑک کر فرار نہ ہو جائیں۔ اب وہ ہر قیمت پر ہمیں گھیر کر اس کاٹیج کی طرف لے جانے کی کوشش کریں گے جہاں تم نے جال سمیت شکاری جمع کیے ہوئے ہیں۔"

"یہ بکواس ہے....." وہ ہذیانی انداز میں چیخ پڑا۔ اس سے آگے اس کی آواز یکے بعد دیگرے کیے جانے والے فائروں کی ہولناک گونج میں معدوم ہو گئی۔

گولیاں اسپورٹس کار کی باڈی کے مختلف حصوں سے ٹکرا کر اچٹ گئیں اور اسی لمحے ویرا نے میکس کے شراب خانے میں رک میلون سے حاصل کیا ہوا پستول میرے حوالے کر دیا۔

"اس کی جیب میں بھی پستول وغیرہ ہو گا۔" میں نے ویرا کو ہدایت

کی۔" اس پر بھی قبضہ کر لو۔ اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اسے بھی کہیں گولی مار کر نیچے لڑھکا دیں گے۔"

"تم لوگ بے ایمان اور بدنیت ہو۔" وہ احتجاج آمیز لہجے میں چیخا۔ "تم شروع ہی سے کھپلا کرنے کے لیے کسی موقع کی تلاش میں تھے اور اب تم میرے ساتھ من مانی پر اتر آئے ہو... تم لکھ کر رکھ لو کہ"

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی وقت موٹر سائیکل سواروں نے دوبارہ تقریباً بیک وقت فائر کیے تھے اور اس بار ایک دھماکے کے ساتھ کار کا ایک پچھلا ٹائر پھٹ گیا اور کار سڑک پر بُری طرح اچھلنے لگی موٹر سائیکل سوار چاہتے تو اس دوران میں قریب آ کر ہمیں روکنے کی کوشش کر سکتے تھے لیکن ان کی دور دور کی فائرنگ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ہمیں محفوظ فاصلے سے اشتعال دلا کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ہمارے پاس کتنا اور کس قسم کا اسلحہ موجود تھا۔

ویرا نے پُھرتی کے ساتھ اس کی جیبوں سے ایک پستول اس کا بھرا ہوا فاضل میگزین اور ایک خنجر نکال کر اسے نہتا کر دیا تو میں نے اس کی گدی پر ایک زوردار ہاتھ جمایا۔ اس کے حلق سے دبی دبی سی غراہٹ آزاد ہوئی اور اسٹیئرنگ پر اس کا ہاتھ بہک گیا۔ "گاڑی کسی بھی کھیت میں گھسا دو۔" میں نے اسے حکم دیا کیونکہ سڑک کے متوازی دونوں طرف دور دور تک سبزے کا تسلسل نظر آ رہا تھا اور ایسا میدان ملنے کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی جس میں داخل ہو کر ہم موٹر سائیکل سوار بدمعاشوں کو اپنے سے دور رکھ سکیں۔

داہنی طرف تناور درختوں پر مشتمل ایک باغ تھا اور ہمارے بائیں طرف ایک کھیت گزر رہا تھا۔ لی بگ نے پُھرتی کے ساتھ کار اسی کھیت میں اتار دی اور وہ قدِ آدم پودوں کو بری طرح روندتی ہوئی کھیت میں گھستی چلی گئی۔ کچھ دور نکل جانے کے بعد جوں ہی لی بگ نے کار روکنے کے لیے اس کی رفتار کم کی پیچھے سے پھر دو فائر ہوئے اور لی بگ نے اچانک ہی چلتی کار کا دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ اس وقت اس کا فرار ہونا ہمارے لیے موت کا پیغام ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ وہ ہمارے گھر کا بھیدی تھا اسے معلوم تھا کہ ہمارے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی قابلِ ذکر اسلحہ نہیں تھا اس لیے میں نے بھی فوراً رینگتی ہوئی کار سے نیچے چھلانگ لگا دی اور اسے گھنے کھیت میں داخل ہوتے ہوئے پیچھے سے چھاپ لیا۔ اس معاملے میں ویرا نے بھی پُھرتی دکھائی اور چند ہی ثانیوں میں کار سے اتر کر میرے قریب پہنچ گئی۔ کار گیئر میں ہونے کی وجہ سے جھٹکے لے کر اس وقت تک بند ہو چکی تھی۔

لی بگ میری گرفت سے نکل بھاگنے کے لیے کسی شہ زور بھینسے کی طرح زور آزمائی کر رہا تھا۔ ویرا نے آتے ہی پوری قوت سے اس کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کی اور وہ بلبلا کر دُہرا ہو گیا۔

"تم نے اب بھی زبان نہ کھولی تو وقت ضائع کیے بغیر جہنم واصل کر دوں گا۔" میں نے اس کے بال تھام کر بھیانک لہجے میں [illegible] دی اور اس بار وہ ہل کر رہ گیا۔

فضا میں موٹر سائیکلوں کا شور یک بیک دم توڑ چکا تھا اور غیر فطری سا سناٹا پھیل گیا تھا۔ ان لوگوں نے ہمیں کار سے اترتے ہوئے دیکھ کر غالباً خود بھی کھیتوں میں گھس کر ہمیں گھیرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے نہایت بے رحمی کے ساتھ لی بگ کے جبڑوں پر [illegible] مُکّے رسید کیے اور اس کے دہانے سے خون جاری ہو گیا۔ میرے لیے مشکل یہ تھی کہ ہم سے دُگنی تعداد میں دشمن ہمیں اطراف سے گھیرنے کی کوشش کر رہا تھا اور میں اس کو نظر انداز کر کے لی بگ سے بازپرس میں زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف اس کے زبان کھولے بغیر ہمیں یہ معلوم ہونا محال تھا کہ ہمارے خلاف کون لوگ محاذ آرا تھے اور ہم سے کیا چاہتے تھے؟

ویرا چوکنّے انداز میں قرب و جوار کی جھاڑیوں کی نگرانی کرتی رہی اور میں بے رحمی کے ساتھ لی بگ کو اُدھیڑتا رہا وہ کئی منٹ تک بلبلا بلبلا کر مزاحمت پر تُلا رہا لیکن پھر اس کی قوّتِ برداشت جواب دے گئی اور اس نے بتایا کہ برونواشمٹ نے دس ہزار ڈالر کے عوض اسے ویرا کو گھیرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اس وقت تک لی بگ کو ویرا کی اصلیت کا علم نہیں ہوا تھا اور وہ اسے لیٹا جیرالڈ ہی سمجھ رہا تھا اور جب برونو نے اسے ویرا کی تصویر دکھائی تو وہ فوراً ہی اس کام کے لیے آمادہ ہو گیا کیونکہ سلطان شاہ کے معاملے میں وہ ویرا سے ملتا رہا تھا۔

برونواشمٹ سے معاملہ طے ہو جانے کے بعد خطیر معاوضے کے لالچ میں لی بگ نے اسے سلطان شاہ والے معاملے سے بھی آگاہ کر دیا۔ اس وقت تک لی بگ سلطان شاہ کو تلاش کر کے اپنے اخراجات پر ایک سستے سے فلیٹ میں ٹھہرا چکا تھا۔ برونو نے لی بگ کا ویرا سے طے شدہ معاوضہ ادا کر کے سلطان شاہ کو اپنی تحویل میں لے لیا اور پھر وہ ڈراما رچانے کا فیصلہ کیا گیا جس کے نتیجے میں ہم اس وقت سینٹ فرانسس کے کھیتوں میں موجود تھے۔ لی بگ کی ذمّے داری صرف اتنی تھی کہ کسی طرح ویرا کو ان مضافات میں لے آتا۔ اس سے آگے کے معاملات کی ذمّے داری برونو نے خود قبول کر لی تھی۔

برونواشمٹ کا نام ویرا کے لیے اجنبی تھا لیکن مجھے انسپکٹر سائمن بتا چکا تھا کہ گیری ہارٹ کے قتل کے بعد برونواشمٹ کو [illegible]شی کے مارسیلز یونٹ کا چیف مقرر کیا گیا تھا۔ اس طرح یہ بات طے ہو گئی کہ برونو دس ہزار ڈالر میں لی بگ سے کام لے کر نہ صرف

ویرا کی گرفتاری پر مقرر کیا جانے والا پچاس ہزار ڈالر کا خطیر انعام حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا بلکہ اس کامیابی کے نتیجے میں اس کی شی کے یونٹ چیف کی پوزیشن بھی مستحکم ہو سکتی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ لی بگ نے نہایت مکاری کے ساتھ ہمیں بدترین صورتِ حال سے دوچار کرا دیا تھا اور وہ ذرا بھی رعایت کا مستحق نہیں تھا۔

اس وقت ویرا کے پاس ایکسپلوڈر موجود تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ سات فائروں کے بعد اس کا میگزین خالی ہو جاتا اور وہ محض لوہے کا ایک کھلونا بن کر رہ جاتا۔ بیم گن کام کر رہی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ ہتھیار غیر معیّنہ مدّت تک کام نہیں کرے گا۔ میری تحویل میں آنے سے پہلے نہ جانے کتنے عرصے سے اس کا چارج زیرِ استعمال تھا، وہ خطرناک ہتھیار کسی بھی وقت جواب دے سکتا تھا۔ ان کے علاوہ ہمارے پاس دو پستول اور ایک بھرا ہوا فاضل میگزین موجود تھا جو اس نازک صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے ناکافی تھا کیونکہ اوّل تو ان ہتھیاروں کی رینج ناکافی تھی دوم میگزین کی مقدار نہ ہونے کے برابر تھی اس لیے میں نے لی بگ پر کوئی گولی ضائع کرنے کے بجائے اس کے نرخرے پر ہاتھ ڈال دیا۔

منحنی جسم کا مالک ہونے کے باوجود وہ میری توقع سے کہیں زیادہ جان دار ثابت ہوا۔ موت سامنے دیکھ کر اس نے بھرپور انداز میں مزاحمت کرنے کی کوشش کی لیکن زیادہ دیر تک مدافعت نہ کر سکا اس کی گردن پر میری وحشیانہ گرفت مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑتے چلے گئے اور آخر کار اس کا بدن آخری جھرجھری لے کر ساکت ہو گیا۔

اس دوران میں موٹر سائیکل سوار کھیتوں میں ہمارے گرد پھیلنے کی کوشش کرتے رہے۔ لی بگ کی آوازوں اور غراہٹوں سے اندازہ کر کے انھوں نے چند فائر بھی کیے لیکن ہمیں کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میں لی بگ کو ٹھنڈا کر کے اس کے سینے پر سے اترا تو فضا میں پہلی بار رائفل کی گونج سنائی دی اور میں چونک پڑا۔ اس مقابلے میں رائفل کی شمولیت ہمارے لیے تشویش ناک ثابت ہو سکتی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ان چاروں کی مدد کے لیے قریبی کاٹیج سے بھی کچھ لوگ ان سے آ ملے تھے جو شاید بہتر اسلحے سے لیس تھے۔

اس وقت تک ہماری طرف سے ایک بھی فائر نہیں کیا گیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ چند ہلکے پھلکے ہتھیاروں اور راؤنڈز کی محدود تعداد کے پیشِ نظر کھیتوں میں محصور رہ کر اپنے دشمنوں کی بھاری نفری اور مہلک اسلحے کے مقابلے کا تصور احمقانہ تھا۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے کسی سمت سے نمودار ہو کر ہم پر اچانک دھاوا بول سکتے تھے۔ اس لیے عقلمندی اسی میں تھی کہ نہایت خاموشی کے ساتھ پسپائی اختیار کرتے ہوئے فوری طور پر وہاں سے فرار کی کوشش کی جاتی۔ سلطان شاہ وہاں ان لوگوں کی قید میں ضرور تھا اور وہ اپنی ناکامی پر جھلا کر اسے اپنے تشدد کا نشانہ بنا سکتے تھے لیکن وہ ہماری ناگزیر مجبوری تھی جس کا حل وہاں سے نکل کر ہی سوچا جا سکتا تھا۔ اس وقت سلطان شاہ کے بارے میں جذباتی رویّہ ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

میرا کبھی زراعت سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا لیکن اس گنجان زرعی علاقے کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہاں جنگلی سؤر، خرگوش اور اسی قسم کے فصلوں کو نقصان پہنچانے والے جانوروں کی بہتات ہو گی جن کے سدِباب کے لیے وہاں رہنے والے کاشتکار اپنے ہتھیاروں کو بھی استعمال کرتے رہتے ہوں گے اس لیے عدم تواتر سے چلنے والی گولیوں کی آواز پر کہیں سے کسی کی مداخلت یا مدد کی بھی کوئی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔

ہمارے فرار کے لیے جان لی بگ کی اسپورٹس کار سب سے بہتر ذریعہ بن سکتی تھی لیکن وہاں اس کا بیٹھا ہوا ٹائر بدلنا ناممکن تھا اور پھٹے ہوئے ٹائر کے ساتھ کار کو تیز رفتاری کے ساتھ دشمنوں کی دسترس سے باہر نکال لے جانا محال تھا۔ پھر یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں ان کا کوئی آدمی آڑ میں چھپ کر خاص طور پر کار کی نگرانی نہ کر رہا ہو، اس لیے کافی سوچ بچار کے بعد میں نے ویرا کو اس سمت میں پسپائی اختیار کرنے کی ہدایت دی، جدھر موٹر سائیکلوں کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا۔

ہم آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہے تھے۔ مکئی کے اونچے اونچے پودوں کے درمیان راستہ بنانا زیادہ دشوار نہیں تھا لیکن ہمیں یہ احتیاط کرنا پڑ رہی تھی کہ ہماری نقل و حرکت سے پودے نہ ہلیں تاکہ دور سے کوئی ہماری موجودگی کی سمت کا تعیّن نہ کر سکے۔ پھر اچانک ہی ویرا کو مکئی کے پودوں کی جڑ میں کسی شخص کے جوتے نظر آئے اور اس نے پستول سیدھا کر کے فائر کر دیا۔ فضا میں ایک دلدوز انسانی چیخ اُبھری اور وہ شخص جوتوں سمیت ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ویرا نے زمین سے اتنی بلندی پر فائر کیا تھا کہ امکان یہی تھا کہ اس کے شکار کو جسم کے کسی نازک حصّے پر زخم آیا ہو گا لیکن اس وقت ہم اپنے حریفوں میں سے کسی کو پکڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے، اس لیے تیزی سے اپنی مقرّرہ سمت میں بڑھتے رہے۔

فضا میں پھر دو فائر گونجے اور ویرا سرگوشیانہ آواز میں بولی ”میرا خیال ہے، وہ لوگ ہمیں خوفزدہ کرنے کے لیے ہوائی فائرنگ کر رہے ہیں، ابھی میں نے ایک گولی اوپر جاتے دیکھی ہے۔“

کھیتوں میں ہمارے علاوہ خود ان کے ساتھی بھی پھیلے ہوئے تھے۔ اس لیے کھیتوں میں اندھا دھند فائرنگ کے نتیجے میں ان کے ہاتھوں خود اُن کے ساتھی بھی زخمی ہوسکتے تھے۔ دوسرا نکتہ یہ تھا کہ برونو اشمٹ نے ویرا کی تصویر دکھا کر لی بگ سے سودا طے کیا تھا اور شی کی جانب سے ویرا کی زندہ گرفتاری کے احکام جاری ہوئے تھے اس لیے برونو کے آدمی ویرا کو ہلاک کرنے کا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ہمارے لیے وہ نکتہ بہت اہم تھا کیوں کہ چاروں طرف سے مسلح دشمنوں کی یلغار کے باوجود فوری طور پر ہماری آزادی ضرور خطرے میں تھی لیکن جانوں کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔

اچانک پھر ایک ہوائی فائر ہُوا اور اسی کے ساتھ فضا میں ایک غصیلی مردانہ آواز گونجی اور مَیں استفسار طلب نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھنے لگا کیوں کہ میرے لیے وہ زبان ناقابلِ فہم تھی۔

"ان کا کوئی بڑا بول رہا تھا۔" آواز معدوم ہونے کے بعد ویرا بولی۔ "ہوسکتا ہے، وہ برونو خود ہی رہا ہو۔ اپنے آدمیوں کی ناکامی پر وہ سخت برہم ہے اور اس نے ان سب کو سُرخ کار کے قریب جمع ہونے کی ہدایت کی ہے۔ شاید اس طرح وہ کوئی نئی حکمتِ عملی مرتب کرنا چاہ رہے ہیں۔"

ہمارے لیے وہ موقع غنیمت تھا اگر ہم اس دوران میں موٹر سائیکلوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتے تو ہمیں رکاوٹ کے بغیر فرار کا راستہ مل سکتا تھا لیکن مشکل یہ آپڑی تھی کہ آٹھ فٹ سے زیادہ بلند کھیتوں میں سمت کا تعین ناممکن ہوکر رہ گیا تھا۔ بس ہم اندازے سے ہی ایک طرف بڑھے جارہے تھے اور کچھ علم نہیں تھا کہ موٹر سائیکلوں کی طرف ہی جارہے تھے یا لحظہ بہ لحظہ بھٹک کر ان سے دور ہوتے جارہے تھے۔

"موٹر سائیکلیں کہاں غائب ہوگئیں؟ اتنی دیر میں تو ہمیں وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔" ویرا تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑائی۔ اور مَیں نے اپنی سمت میں قدرے تبدیلی پیدا کرلی۔ اس وقت سمتوں کے سلسلے میں ہمارے لیے بس ایک ہی حوالہ باقی رہ گیا تھا کہ سرخ اسپورٹس کار سے پچھلے ہوئے کھیت میں بنا ہُوا راستہ ہماری داہنی طرف تھا۔ ایک بار وہ راستہ نظر آجاتا تو اسی کے کنارے کنارے کھیتوں میں موٹر سائیکلوں تک پہنچنا ممکن ہوسکتا تھا۔

کئی منٹ سکوت اور سنّاٹے میں گزر گئے۔ زمین پر گرے ہوئے خشک پتّوں پر ہماری آہٹوں کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ پھر اچانک ایک تیز دھماکے سے فضا لرز اٹھی۔ وہ یقینی طور پر کوئی دستی بم تھا جو کھیتوں میں پھینکا گیا۔ چند ثانیوں بعد ہی سرد ہوا کے دوش پر فضا میں ناخوشگوار سی تیز بو محسوس ہوئی اور میری آنکھوں میں جلن کے ساتھ پانی رواں ہوگیا۔ ان خبیثوں نے خود باہر نکل کر کھیتوں میں آنسو گیس کے گولے پھینکنا شروع کردیے تھے تاکہ ہمیں باہر نکلنے پر مجبور کرسکیں۔

تھوڑے سے وقفے کے بعد دوسرا گولا پھٹا اور پھر قدرے تواتر کے ساتھ کھیتوں میں مختلف سمتوں میں پے در پے کئی منٹ تک آنسو گیس کے گولے پھٹتے رہے جن میں سے دو ہم سے چند فٹ دُور پھٹے جس کے نتیجے میں آنکھیں کھولے رکھنا اور سانس لینا دشوار ہونے لگا۔

ہمیں اندازہ ہوچکا تھا کہ اس وقت ہم سرخ کار اور اس کے نزدیک موجود اپنے دشمنوں سے کافی دور نکل آئے تھے، اس لیے میں نے ویرا کا ہاتھ تھام کر کھیت میں دوڑ لگادی۔

اس بار ہمارے مقدّر نے یاوری کی اور چند سیکنڈ بعد ہمیں موٹر سائیکلیں نظر آگئیں۔ دھندلائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ہم تیزی سے وہاں پہنچے اور یہ دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہوگیا کہ دو موٹر سائیکلوں کی چابیاں اگنیشن سوئچ میں لگی تھیں۔

"سڑک پر نکل کر واپس بھاگ لو۔" ویرا نے آنکھوں سے پانی صاف کرتے ہوئے کہا۔

"سڑک ہمارے لیے چوہے دان ثابت ہوگی۔" مَیں نے موٹر سائیکل پر سوار ہوکر اسے اسٹینڈ سے اتارتے ہوئے کہا۔ "اُدھر ان کا کوئی نہ کوئی آدمی ضرور موجود ہوگا۔"

میں نے کک لگا کر انجن اسٹارٹ کیا۔ ویرا اچھل کر میرے پیچھے سوار ہوئی اور میں نے گیئر ڈال کر موٹر سائیکل گھنے کھیتوں میں ڈال دی۔ موٹر سائیکل کا انجن بیدار ہوتے ہی فضا میں بیک وقت کئی اونچی انسانی آوازیں سُنائی دیں، پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں جنھیں ہم نے پل بھر میں پیچھے چھوڑ دیا۔

مکئی کی کھڑی فصل میں موٹر سائیکل دوڑانا آسان کام نہیں تھا۔ ہینڈل کو قابو میں رکھنے کے لیے مجھے کافی طاقت صرف کرنا پڑ رہی تھی کیوں کہ مکئی کے پودے اتنے نرم و نازک نہیں ہوتے کہ انھیں روند کر سبک رفتاری کے ساتھ آگے بڑھا جاسکے۔ آثار بتا رہے تھے کہ مَیں کھیتوں میں زیادہ دور تک ڈرائیونگ نہ کرسکوں گا۔

پھر اسی وقت یکے بعد دیگرے مزید موٹر سائیکلوں کے

انجنوں کا شور سنائی دیا جو فوری طور پر قریب آنے لگا۔ مجھے اپنے لیے کھڑی فصل میں راستہ بنانا پڑ رہا تھا جب کہ تعاقب کرنے والوں کو میرے بنائے ہوئے راستے پر روندے ہوئے پودوں پر گزرنے میں زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا تھا لہٰذا وہ تیزی کے ساتھ میرے قریب آتے جا رہے تھے۔

وہ صورتِ حال سخت اعصاب شکن تھی۔ واحد راستہ یہ رہ گیا تھا کہ ہم موٹر سائیکل ایک طرف پھینک کر پھر سے کھیتوں میں دوڑ لگا دیں لیکن اس سے قبل ایک کوشش اور کی جا سکتی تھی۔ اگر ہم سڑک پر نکلنے میں کامیاب ہو جاتے تو اپنے دشمنوں کے کاٹیج کی مخالف سمت میں سفر جاری رکھ کر کہیں نہ کہیں پناہ حاصل کر سکتے تھے۔

میں نے موٹر سائیکل گھمالی لیکن تھوڑی دُور ہی جانے پایا تھا کہ قریب ہی کسی اور انجن کا شور سنائی دیا۔ شاید ان میں سے کوئی میرا بنایا ہوا راستہ چھوڑ کر شارٹ کٹ سے مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا اور خطرناک حد تک ہمارے قریب آچکا تھا۔ جس طرح مَیں اس کے انجن کی آواز سُن رہا تھا اسی طرح وہ بھی یقیناً میری موٹر سائیکل کا شور سن رہا ہوگا۔

میں چند ثانیوں تک بے یقینی کا شکار رہا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی فیصلہ کرتا، میری موٹر سائیکل سامنے سے آنے والی موٹر سائیکل سے ٹکرائی اور ہینڈل میری گرفت سے نکل گیا۔ موٹر سائیکل بے قابو ہو کر دور جا گری اور ہم دونوں فضا میں اڑتے ہوئے کھیت میں جا گرے۔

دوسری موٹر سائیکل پر آنے والے کا حشر بھی مختلف نہیں ہُوا تھا لیکن وہ فوراً ہی اٹھ کر فرنچ میں شور مچانے لگا۔ وہ یقیناً اپنے ساتھیوں کو اپنی کامیابی سے باخبر کرتے ہوئے انھیں مدد کے لیے بلا رہا ہوگا۔ جوش کے عالم میں اس سے سرزد ہونے والی بے احتیاطی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ویرا نے پلک جھپکتے میں اس کے سینے میں دو گولیاں اتار دیں۔ وہ ایک ادھوری اور کربناک چیخ مار کر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح ڈھیر ہو گیا اور ہم دونوں نے ایک بار پھر کھڑی فصل میں چھلانگیں لگا دیں لیکن اس بار موٹر سائیکلوں والے ہمارے سروں پر پہنچ چکے تھے۔ انجن بند کیے بغیر موٹر سائیکلیں پھینک کر وہ ہمارے پیچھے لپکے۔ اس وقت انھیں جُل دے کر نکلنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس لیے ہم دونوں پلٹ پڑے اور پھر وہاں خون ریز دست بدست مقابلے کا آغاز ہو گیا۔

ان کے ایک ساتھی کو ویرا موت کے گھاٹ اتار چکی تھی لیکن پھر بھی انھیں ہم پر برتری حاصل تھی کیونکہ بعد میں آنے والی دو . . . . موٹر سائیکل پر دو افراد سوار تھے۔ وہ حلق سے آوازیں نکالتے ہوئے وحشیانہ انداز میں بڑھ بڑھ کر ہم پر حملے کر رہے تھے۔ مکئی کے پودوں کے درمیان کھلی جگہ نہ ہونے کے باعث چند ہی ثانیوں میں سب ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ ایک ویرا سے لپٹا ہوا تھا اور دو جونک کی طرح میری جان کو آ گئے تھے۔

اس وقت ہمیں ان پر صرف اتنی سی برتری حاصل تھی کہ ہم اپنی جانیں بچانے کے لیے پوری قوت سے اپنی مدافعت کے لیے برسرِ پیکار تھے اور ان کے تیور جارحانہ تھے۔ اس لیے ابتدا میں مَیں ان کے جبڑے سہلانے میں کامیاب ہو گیا مگر پھر انھوں نے مل کر مجھے بالکل بے دست و پا کر دیا اور زمین پر گرانے کی کوشش کرنے لگے۔

اس اثنا میں میں نے لحظہ بھر کے لیے ایک جھلک سی دیکھی کہ ویرا کا حریف اس سے لڑنے کے بجائے والہانہ انداز میں اس سے بغل گیر تھا اور ویرا کوئی تعرض نہیں کر رہی تھی۔ پھر جب میں اپنے حریفوں کی گرفت میں بے بس تھا تو تیسرے کی بے ساختہ چیخوں کے ساتھ ہی ویرا میری مدد کو آ گئی۔ اس نے اپنے حریف کو بے خبری کے عالم میں اچانک ایسی ضرب لگائی تھی کہ وہ زمین پر دونوں ہاتھوں سے پیٹ تھامے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

تعداد برابر ہوتے ہی ایک بار پھر مقابلے میں تیزی آ گئی کیوں کہ ان میں سے ایک کو ویرا نے الگ گھسیٹ لیا تھا لیکن مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ ہم زیادہ دیر تک اپنی جدّوجہد جاری نہ رکھ سکیں گے کیوں کہ ان کی آوازوں کے سہارے ان کے ساتھی چیختے چلّاتے ہوئے تیزی کے ساتھ قریب آتے جا رہے تھے۔

ہمارے دونوں حریف خون میں نہا جانے کے باوجود مقابلے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ایک موٹر سائیکل سوار کا سینہ ویرا چھلنی کر چکی تھی اور ایک حریف زمین پر تڑپتے تڑپتے ٹھنڈا یا بے ہوش ہو چکا تھا۔ پھر اچانک مکئی کے کھیت میں سے مزید دو آدمی نکل آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی اور کندھے سے ایک وزنی چرمی تھیلا جھول رہا تھا۔ خدوخال سے وہ جرمن نظر آ رہا تھا۔

ویرا پر نظر پڑتے ہی رائفل والے کے چہرے پر فاتحانہ مسرت جاگ اٹھی اور وہ رائفل سیدھی کر کے دھاڑا۔ وہ فرنچ زبان میں بولا تھا جو میرے پلے نہ پڑ سکی لیکن رائفل کی نال نے مجھے اس کا مفہوم سمجھا دیا اور میرے ہاتھ رُک گئے۔

یکن ویرا کی لات پھر بھی چل گئی اور اس کے سامنے والا اچھل کر دور جا گرا۔

”انگریزی بولو، ہم فرنچ نہیں جانتے۔“ میدان خالی ہو جانے پر ویرا نے رائفل والے سے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

”تم نے کوئی بھی حرکت کی تو میں بے دریغ گولی مار دوں گا۔“ رائفل والا غرّایا۔ باقی افراد زمین پر پڑے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور جب انھوں نے رائفل والے کو اپنے ایک ساتھی کی ہلاکت کی اطلاع دی۔ تو اس کا چہرہ غضب ناک ہو گیا۔ اس دوران میں مجھے ایک اور شخص کے شانے پر گولی کا زخم نظر آیا۔ وہ شاید وہی شکار تھا جسے ویرا نے راستے میں جوتے دیکھ کر اپنا نشانہ بنایا تھا۔

”ان دونوں کے خون کی تمھیں بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔“ رائفل والا خوفناک لہجے میں بولا۔

”تو کیا دوسرا بھی مر گیا ہے؟“ ویرا نے معصومیت سے پوچھا ”میں نے تو صرف اس کی بدمستی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”جان لی بگ کو تم بھول رہے ہو۔“ میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ”میرا خیال ہے، وہ بھی تمھارے لیے کام کر رہا تھا اور شاید اب زندہ نہیں رہا ہے۔ اس طرح کُل تعداد تین ہو جاتی ہے۔“

”بکواس بند کرو۔“ وہ پیر پٹخ کر غرّایا۔ ”تم دیکھنا کہ اب تمھارا کیا حشر ہوتا ہے۔“

”بردنو اشمٹ تم ہی کہلاتے ہو؟“ اچانک ویرا پوچھ بیٹھی۔

”اتنا جانتی ہو تو تمھیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں اپنے دشمنوں سے ذرا بھی رعایت برتنے کا قائل نہیں ہوں۔“ اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”ہماری تم سے کون سی دشمنی ہے؟“ میں نے کہا میری کوشش یہ تھی کہ غیر محسوس طریقے پر اسے اشتعال دلاتا رہوں۔ ”تم نے تو پچاس ہزار کے لالچ میں لی بگ کو ساتھ ملا کر یہ ڈراما رچایا تھا۔ ظاہر ہے کہ مقابلہ تو ہونا ہی تھا کیونکہ تم نے ہمیں گھیرنے کے لیے بہت بھونڈا طریقہ اختیار کیا تھا۔“

”شٹ اپ۔ میں جانتا ہوں کہ تم دونوں سے کیسے نمٹا جانا چاہیے۔“ وہ غرایا۔

میں نے اس سے جو کچھ کہا، وہ حقیقت پر مبنی تھا۔ اگر ٹرک پر اس کے چاروں موٹر سائیکل سوار جارحانہ انداز میں کھلے بندوں ہمارا تعاقب نہ کرتے تو شاید اس قدر خونریزی نہ ہوتی۔ جان لی بگ ہمیں اس کاٹیج میں لے جاتا جہاں بردنو اپنے ساتھیوں کے ساتھ موجود ہوتا، وہاں تشدد اور اسلحے کے استعمال کے بجائے فیصلہ ذہانت اور چالبازی کی بنیاد پر ہوتا جس کے لیے میں ایک طریقہ سوچ چکا تھا لیکن اس کے آدمیوں سے خونریز تصادم میں اُلجھنے کے بعد معاملہ ضرورت سے زیادہ سنگین ہو گیا تھا۔

”تم اس خاتون سے نمٹ سکتے ہو لیکن مجھ سے ابھی واقف نہیں ہو۔“ میں نے بدستور پُرسکون لہجے میں کہا۔ ”میں بھی اپنے دشمنوں کو نکیل دینا جانتا ہوں۔“

”مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم کون ہو۔“ وہ برہمی کے عالم میں بولا۔ ”میری ساری دلچسپی ویرا لائیڈ کی ذات میں تھی جو عرب حسینہ کا روپ دھار کر بھی خود کو نہ چھپا سکی۔ تم اس پوری کارروائی میں غیر ضروری طور پر ملوث ہوئے ہو اور کسی بھی لمحے نہایت خاموشی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیے جاؤ گے۔“

اس کے جواب سے مجھے اطمینان ہوا کہ وہ مجھے ڈینی کے طور پر نہیں پہچان سکا تھا بلکہ مجھے ویرا کا کوئی ادنیٰ سا جاں نثار سمجھ رہا تھا جس کی حیثیت حکم کے غلام سے زیادہ نہیں تھی۔

برونو اشمٹ کے تینوں ساتھی وہاں سے روانگی کے بندوبست میں مصروف ہو گئے تھے۔ برونو سے مشورے کے بعد ان میں سے ایک وہاں سے چلا گیا اور بقیہ دو نے اپنے ساتھیوں کی لاشیں... کاندھوں پر لاد کر کھیت میں اپنا راستہ بنانا شروع کر دیا۔ رائفل بردار بردنو ہم دونوں کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔ اس سے بیشتر ہم دونوں

ہپناٹزم
اس علم کی مدد سے دوسروں کے لاشعور کو اپنے قابو میں کریں اور ان سے جو چاہے کروائیں
ہپناٹزم پر جامع اور مستند کتابیں
آسان اردو زبان میں
ہپناٹزم
اردو زبان میں
ہپناٹزم کے عملی طریقے
ہپناٹزم کی آسان مشقیں اور طریقے
قیمت ۲۵ روپے
ہپناٹزم کی جدید تحقیقات
ایک ماہر ہپناٹسٹ کے قلم سے
قیمت ۴۰ روپے
بُری عادتوں سے نجات حاصل کیجیے
مکتبہ نفسیات پوسٹ بکس ۹۲۲۹ کراچی

سے پستول چھین لیے گئے تھے۔

آخر کار اس نے ہمیں بھی اسی راستے پر پیش قدمی کا حکم دیا جدھر اس کے لاش بردار گئے تھے۔ اس نے ہمیں ایک بار پھر تنبیہ کی کہ اگر ہم نے اس کی ہدایات سے انحراف کی کوشش کی تو وہ ہمیں لہولہان کرنے میں دریغ نہیں کرے گا۔

اس کے دونوں لاش برداروں کو گنجان اور اونچے کھیتوں میں بھی سمتوں کا پورا پورا ادراک تھا کیوں کہ راستے میں بھٹکے یا رخ تبدیل کیے بغیر چند منٹ بعد ہم اس راستے پر آ گئے تھے جو جان لی بگ کی اسپورٹس کار نے مکئی کے تیار پودوں کو روند کر اس کھیت میں تخلیق کیا تھا۔

ہم جس مقام پر کھیتوں سے نکلے، وہ کار سے کافی دور تھا لیکن وہاں رکنے کے ..... بجائے ان لوگوں نے اپنا رُخ کار کی طرف کر لیا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ لاشوں کو جان لی بگ کی کار میں وہاں سے نکال لے جانا چاہ رہے تھے تاکہ کھیتوں کی تباہی کے ساتھ وہاں کسی قابلِ ذکر واردات کا سراغ باقی نہ رہے۔ رہی موٹر سائیکلیں تو وہ بعد میں بھی اٹھائی جا سکتی ہیں۔

مکئی کے ان کھیتوں میں بارودی دھماکوں کے ساتھ جس قدر دھماچوکڑی برپا ہوئی تھی، اس پر کسی کا معترض نہ ہونا میرے لیے حیران کن تھا۔ اس کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے کہ وہ زرعی اراضی اتنی وسیع تھی کہ اس کے مالک یا رکھوالوں کو وہاں ہونے والے معرکے کا علم ہی نہیں ہو سکا تھا۔ یا پھر مکئی کے وہ کھیت بھی شی کے کسی رکن کی جاگیر میں شامل تھے۔ جس کے لیے فصل کی پرورش یا تباہی سے زیادہ تنظیم کے مفادات مقدم تھے۔

خراماں خراماں ہم لوگ جان لی بگ کی کار کے قریب پہنچے تو برونو اشمٹ کا آدمی اس کا پھٹا ہوا عقبی ٹائر تبدیل کر چکا تھا۔ اس کی مدد سے ہمارے ساتھ لائی جانے والی دونوں لاشیں کار کی ڈکی میں ٹھونس دی گئی۔ پھر جان لی بگ کی کراہت آمیز لاش بھی توڑ مروڑ کر بے دردی کے ساتھ ڈکی میں ٹھونس دی گئی۔ ڈکی بند کرنے کے لیے برونو کے آدمیوں نے سب سے اوپر پڑی ہوئی جان لی بگ کی لاش کی جو عبرت ناک درگت بنائی، وہ میرے لیے بہت لرزہ خیز تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ جان لی بگ کی لاش کی ہڈیوں کے تمام جوڑ سخت ہو گئے تھے۔ جب ڈکی بند نہ ہوئی تو برونو کے آدمیوں نے ہاتھ پیروں کا پورا زور لگا کر اس کی کہنیوں کے جوڑ بے دردی سے توڑ دیے تاکہ ڈکی آرام سے بند ہو سکے۔

اس کارروائی کے بعد وہاں تین لاشوں کے علاوہ بقیہ نفری چھ نفوس پر مشتمل رہ گئی تھی۔ اس میں ہم دونوں کے علاوہ تین برونو کے ساتھی تھے۔

تینوں لاشیں ڈکی میں سما چکی تھیں۔ برونو نے ان تین میں سے ایک کو ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کی ہدایت کی۔ ویرا کو عقبی نشست پر بٹھایا۔ اور خود ایک ریوالور سمیت اس کے پہلو میں براجمان ہونے کے بعد مجھے ڈرائیور کے پہلو میں اگلی نشست پر سوار ہونے کا حکم دے کر اپنے ان دو آدمیوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو باہر کھڑے ہوئے تھے۔

کار کا انجن اسٹارٹ ہوا تو برونو اپنے آدمیوں کو فرنچ میں ہدایات دے رہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اشارہ دیا، اور کار حرکت میں آ گئی۔ ایک دائرے کی صورت میں مکئی کے تیار پودوں کو روندتی ہوئی کار دوبارہ اسی راستے پر آئی جو جان لی بگ نے ادھر آتے ہوئے بنایا تھا، اور تیزی کے ساتھ سڑک کی طرف روانہ ہو گئی۔

سڑک پر ایک رائفل بردار پہلے سے چھپا ہوا تھا۔ اگر اسٹیئرنگ وھیل کے پیچھے برونو کا آدمی موجود نہ ہوتا تو رائفل کا فائر ڈرائیو کرنے والے کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ سڑک پر آ کر برونو نے کار رکوائی تو سرمائی شکاریوں جیسے قومی لباس اور فل بوٹ میں ملبوس ایک قوی الجثہ شخص درخت کی اوٹ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی، اور شانے پر لٹکی ہوئی چرمی بیلٹ فاضل کارتوسوں سے بھری ہوئی تھی۔

برونو نے چیخ کر اس سے کچھ کہا اور وہ اچھل کر کار کے بونٹ پر چڑھ گیا۔ کار ایک مرتبہ پھر چل دی۔

بل سارا ہاؤز سڑک سے کم و بیش تین چار کلو میٹر اندر گھنے درختوں کے درمیان واقع تھا۔ کھپریل کی ڈھلوان چھتوں والے اس وسیع و عریض مکان کے سامنے کی دیوار پر بڑے بڑے حروف میں بل سارا ہاؤز لکھا ہوا تھا۔ مین روڈ سے وہاں تک آنے والی سڑک پتھروں پر مشتمل اور نیم پختہ تھی، لیکن کاٹیج کی حدود میں پورچ تک کنکریٹ کا پختہ فرش بنا ہوا تھا۔ پورچ میں کار رکتے ہی ستونوں کی اوٹ سے دو مسلح آدمی سامنے آئے تو میں حیران رہ گیا۔ کیونکہ وہ اتنی مہارت سے ستونوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے کہ چند فٹ کے فاصلے سے بھی ان کی موجودگی کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔

میں نے حساب لگایا کہ اگر اس عمارت میں مزید افرادی قوت موجود ہوتی تو اس موقع پر برونو اشمٹ اس کی نمائش کر کے ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ دو آدمی برآمدے کے ستونوں کے پیچھے سے برآمد ہوئے تھے، تیسرا رائفل بردار کار کے بونٹ سے اترا تھا، چوتھا کار ڈرائیو کر رہا تھا، دو کو برونو کھیتوں میں چھوڑ آیا تھا اور ساتواں وہ خود تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ تین حریفوں

کو موت کے گھاٹ اتار دینے کے باوجود ہم دونوں کا مقابلہ کم از کم سات مسلح نفوس سے تھا جب کہ ہمیں کوئی مدد صرف سلطان شاہ سے مل سکتی تھی۔ جو بل سارا ہاؤز کا قیدی تھا۔

"بل سارا ہاؤز دوستوں کے لیے جنّت اور دشمنوں کے لیے جہنّم ہے۔" برونو اشمٹ سب سے آخر میں کار سے اترتے ہوئے فاخرانہ لہجے میں بولا۔

"ڈکی میں موجود تین لاشوں کو تم دوستوں میں شمار کرتے ہو یا دشمنوں میں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا کیونکہ اس کی ہرزہ سرائی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکی تھی۔

"ذلیل چیچے!" وہ دانت پیس کر غرایا۔ "تم زبان بند رکھو، میں تم سے بات نہیں کر رہا۔"

اس کی دی ہوئی گالی میرے دل میں اتر گئی لیکن میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔ "میں بھی تم سے نہیں، ایک ٹڈے سے مخاطب تھا جو خود کو ہٹلر کی اولاد کہتا ہے۔"

"ٹڈا!" ویرا نے بے ساختہ ایک قہقہہ لگایا۔ "یہ تمہیں ملا ہوگا، میں نے تو ولی برانڈ کے بارے میں پڑھا ہے۔ جرمنی کا چانسلر بن جانے کے باوجود بے چارہ اپنا باپ دریافت نہ کر سکا۔"

برونو ہم سے الجھنے کے بجائے ہمیں پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو گیا۔ اس کے خاموش ہونے پر برآمدے کے ستونوں کے عقب سے برآمد ہونے والوں نے ہم دونوں کو کور کیا اور عمارت کے اندر لے چلے۔ باقی لوگ وہیں رکے رہے۔ شاید وہ لاشوں وغیرہ کا کوئی انتظام کرنا چاہ رہے تھے۔

بیرونی شان و شوکت کے مطابق وہ عمارت اندر سے بھی آراستہ اور پُرشکوہ تھی۔ کئی راہداریوں سے گزرنے کے بعد وہ ہمیں لے کر ایک دور افتادہ کمرے کے سامنے رُکے جو شاید ملازمین کی رہائش کے لیے بنایا گیا تھا۔ ہمیں کوئی موقع دیے بغیر ایک نے دروازے کا قفل کھولا اور ہمیں اندر داخل کرتے ہی دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

ہم دونوں نے اندر گھستے ہی سلطان شاہ کو دیکھا جو ایک مسہری پر پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ اس کے داہنے بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میں اسے پکارتے ہوئے تیزی سے اس کی طرف لپکا لیکن اس کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جب وہ جھنجھوڑنے پر بھی بیدار نہ ہوا تو مجھے تشویش لاحق ہونے لگی کیونکہ وہ کبھی بھی اتنی گہری نیند نہیں سوتا تھا۔ اس کی نبض معمول کے مطابق چل رہی تھی۔ ویرا نے اس کے پپوٹے الٹ کر دیکھتے ہوئے اعلان کیا کہ اسے کوئی دوا دے کر بے ہوش کیا گیا تھا۔

اس کمرے میں مزید ایک مسہری کے علاوہ فرشی قالین اور دو بوسیدہ صوفے رکھے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس مکان کا از کار رفتہ سامان اس کمرے میں ڈھیر کر دیا گیا تھا۔ ہم نے صوفوں کو ڈھنگ سے لگا کر صاف کیا اور پھر تھکے ہوئے انداز میں ان پر دراز ہو گئے۔

کھیتوں میں ساری کارروائی اتنی عجلت میں ہوئی تھی کہ برونو کے آدمی ہم سے پستول چھین لینے کے باوجود ہماری جامہ تلاشی لینا بھول گئے تھے جس کے نتیجے میں ایکسپلوڈر اور بیم گن اس وقت بھی ہماری تحویل میں تھی۔

"ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر سوچنا ہوگی۔" ویرا سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی۔ "ورنہ یہ سمجھ لو کہ ہمیں پھر کبھی آزادی نصیب نہ ہو سکے گی۔"

"کمرے کے چوبی دروازے کے قفل پر بیم گن آزمائی جا سکتی ہے لیکن باہر کچھ لوگ نگرانی کر رہے ہیں۔" میں نے باہر سے ننگے فرش پر آنے والی قدموں کی آواز پر کان جماتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ برونو فون یا ٹرانسمیٹر پر کسی کو اپنی کامیابی کی خبر دے کر دوبارہ ہماری طرف آئے گا۔ ہماری کارروائی کے لیے وہی موقع مناسب رہے گا۔"

"مارسیلز میں برونو نمبر ایک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ براہ راست ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دے۔ ہو سکتا ہے کہ اس اطلاع پر جمی لائیڈ بذاتِ خود یہاں آنے کا فیصلہ کر لے۔" ویرا پُرخیال لہجے میں بولی۔

"تم جیف ڈارلنگٹن کو بھول رہی ہو۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ لندن سے واپس آگیا ہو۔ برونو اسے بھی تو اطلاع دے سکتا ہے۔"

"اس بار ہم بہت بری طرح پھنسے ہیں۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اگر رہائی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تو شاید مجھے خودکشی کے امکانات پر غور کرنا پڑے۔ زندہ رہی تو جمی لائیڈ مجھے ذہنی مریض بنا دے گا۔"

"اتنی جلدی نتائج پر چھلانگ نہ لگاؤ۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "ابھی سے حوصلہ چھوڑ دیا تو وقت آنے پر تم کچھ بھی نہ کر سکو گی اور وہ لوگ بھی ہمیں ہر طرح سے مفلوج کرنا چاہ رہے ہیں۔"

یہ بڑی عجیب بات تھی کہ سلطان شاہ کی تلاش کی مہم میں ہم خود ہی اس چوہے دان میں آ پھنسے تھے جو برونو اشمٹ نے لی بگ کے تعاون سے تیار کیا تھا۔ جمی لائیڈ اور شی کے خلاف ہماری مہم جو ایک طویل عرصے سے جاری تھی، اب یکلخت ختم ہوتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

مطالعہ کرنے امتحان دینے اور یادداشت بڑھانے کیلئے ایک بے حد کارآمد نفسیاتی کتاب

امتحان میں کامیابی حاصل کیجیے

قیمت ۵ روپے ڈاک خرچ ۲ روپے

مکتبہ نفسیات پوسٹ بکس نمبر ۹۴۴ کراچی نمبر ۱

ویرا تو پھر بھی جمی لائینڈ کی بیٹی تھی۔ مارسیلز میں سرجی کے ذریعے ہمیں جمی لائینڈ کا جو پیغام موصول ہوا تھا اُس میں بھی ایسا اشارہ موجود تھا کہ ویرا ہتھیار ڈال کر جمی لائینڈ سے رعایتیں حاصل کر سکتی تھی۔ لیکن میرا اور سلطان شاہ کا معاملہ قطعی مختلف تھا۔ وہ ہمیں کسی بھی صورت معاف نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ بردنو نے جو جال ویرا کے لیے پھیلایا تھا اُس میں اچانک ہی ہم تینوں آ پھنسے تھے۔ وہ تو غنیمت تھا کہ بردنو کو میری حقیقت کا علم نہیں تھا ورنہ وہ اپنی کامیابی پر جتنا بھی نازاں ہوتا کم تھا۔

"یہ بردنو اشمٹ درمیان میں کہاں سے آ ٹپکا؟" میں نے ویرا سے دریافت کیا۔ "شی کا پرانا آدمی ہوتا تو کم از کم تمہارے لیے تو اجنبی نہ ہوتا۔"

"سربراہی نئے لوگوں کو نہیں دی جاتی۔" وہ بولی۔ "میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ مارسیلز کے دور افتادہ یونٹ کے بارے میں میری معلومات بہت ناقص ہیں۔ میں یہاں گیری ہارٹ اور میرانڈے کے سوا کسی تیسرے سے واقف نہیں تھی۔"

ہم دونوں وقت گزاری کے لیے آپس میں باتیں کرتے رہے۔

اسی اثناء میں سلطان شاہ کے حلق سے دھیمی دھیمی آوازیں برآمد ہونا شروع ہوئیں۔ میں لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا لیکن اس نے میری کسی مدد کے بغیر تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھول دیں۔ مجھے دیکھ کر اس نے حیرت اور بے یقینی کے عالم میں پلکیں جھپکائیں۔ پھر یک بیک ایک نعرہ مار کر میرے گلے میں جھول گیا۔

ویرا نے دور ہی سے اس کے جذباتی ردِ عمل کا مضحکہ اڑایا تو اسے اس کی موجودگی کا علم ہوا اور وہ مجھ سے الگ ہو کر ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لوگ تمہیں گھیرنے کی فکر میں تھے...!"

"زیادہ پریشانی کی ضرورت نہیں، اب ہم تینوں کا انجام ایک ساتھ ہی ہوگا۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم ان کے ہاتھ کیسے لگ گئے؟"

"مجھے زبردستی ایمبولینس میں ڈال کر وہ امدادی پارٹی ایک اسپتال میں لے گئی تھی۔ وہاں اندر سے باہر تک فرش پر زخمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔" وہ بتانے لگا۔ "میرے زخم سے کافی تیزی کے ساتھ خون بہہ رہا تھا۔ میں چاہتا تو افراتفری سے فائدہ اٹھا کر خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل سکتا تھا مگر اوّل تو خون ضائع ہونے کی رفتار نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ پھر مجھے یہ فکر بھی تھی کہ میں وہاں سے نکل کر اس اجنبی شہر میں کہاں جاؤں گا۔ اس لیے میں برآمدے کے فرش پر لیٹا رہا۔ میری باری آنے پر اسپتال کا بوکھلایا ہوا عملہ میری طرف متوجہ ہوا تو میں گونگا اور بہرا بن گیا کیونکہ فرنچ سے لاعلمی کے اظہار کے مقابلے میں وہ اداکاری آسان تھی پھر کل شام استخوانی چہرے والا ایک دبلا پتلا سفید فام میرے پاس پہنچا اور مجھے اسپتال سے چھٹی دلوا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے عارضی طور پر مجھے ایک بوسیدہ اور گندے فلیٹ میں ٹھہرایا پھر رات کو یہاں لے آیا۔ یہاں مجھ پر تھوڑے سے تشدد کے ساتھ بازپرس کی گئی لیکن میں بدستور گونگا بہرا بنا رہا۔ یہاں والوں کی گفتگو میں بار بار ویرا کا نام سن کر میں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لوگ میرے ذریعے تم کو گھیرنا چاہ رہے تھے۔ رات میں نے اسی کمرے میں گزاری پھر صبح کے ناشتے کے بعد ایک شخص نے زبردستی میرے بازو میں ایک انجکشن لگایا اور میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔"

"ان لوگوں کے لیے تم ابھی تک گونگے بہرے ہی ہو؟" ویرا نے سوال کیا اور سلطان شاہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"اور زخم کیسا ہے تمہارا؟" میں نے محبت آمیز لہجے میں دریافت کیا۔

"شدید درد ہے لیکن میرا اندازہ ہے کہ زخم تیزی کے ساتھ بھر [illegible] س نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب تم میری فکر چھوڑ دو۔ جو کرنا ہے کر گزرو مجھے ہر لمحے اپنے قریب پاؤ گے۔"

پھرنے کا وقت گزر چکا ہے۔ میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ [illegible] "اس وقت، ہم بھی تمہاری طرح قیدی بنا لیے گئے ہیں بلکہ سچ پوچھو تو تمہاری بازیابی کی امید دلا کر ہی یہاں لائے گئے ہیں۔"

"کاش میں نے بھگدڑ میں ویرا کا ساتھ نہ چھوڑا ہوتا!" وہ متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "امدادی پارٹی والے زخمیوں کو زبردستی ایمبولینس میں بھر رہے تھے۔ میں ایک آدھ کے مُکّا جڑ دیتا تو وہ خود ہی مجھے چھوڑ جاتے۔"

باہر سے آنے والی قدموں کی چاپ معدوم ہو چکی تھی جس کا مطلب تھا کہ اس کمرے کی نگرانی کرنے والے بیٹھ کر سستا رہے تھے یا وہاں سے جا چکے تھے۔ میں نے بڑھ کر بند کھڑکی کھول کر آہنی جنگلے کے پار راہداری کا جائزہ لیا جو ویران پڑی ہوئی تھی لیکن میں نے جونہی ادھر سے مطمئن ہو کر دروازے پر زور آزمائی شروع کی، باہر سے کسی کی للکار سنائی دی اور پختہ فرش وزنی جوتوں کی دھمک سے گونجنے لگا۔

میں دروازہ چھوڑ کر دوبارہ کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے گیا تو وہاں وہی دونوں افراد خشمناک تیوروں کے ساتھ موجود تھے جنھوں نے ہمیں اس کمرے میں قید کیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ان میں سے ایک دانت پیس کر فرنچ میں کچھ بولا تھا جو میرے پلے نہ پڑ سکا لیکن ویرا کھلکھلا کر ہنستے ہوئے آگے آ گئی۔

اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ محافظوں کو چڑا رہی تھی۔ ویرا سے چند تیز و تند جملوں کے تبادلے کے بعد آخر کار وہ جھنجھلا کر وہاں سے چلے گئے اور ویرا نے کھڑکی دوبارہ بند کر دی۔

معاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں اس کمرے کی عقبی کھڑکیوں کی طرف بڑھ گیا۔ پٹ کھولتے ہی یہ دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا کہ اس طرف عمارت کے کسی اندرونی حصے کے بجائے فارم کا سنسان اور ویران حصہ پھیلا ہوا تھا اور کھڑکی کھل جانے کے بعد

آزادی کی اس راہ میں صرف آہنی گرل حائل تھی جسے بیم گن سے نکلنے والی شعاع آناً فاناً میں پگھلا سکتی تھی۔

میرے چہرے کے تاثرات سے ویرا فوراً ہی میرا مقصد بھانپ گئی اور ہم دونوں نے مختصر ترین تبادلۂ خیال کے بعد فوری طور پر اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔

مضبوط آہنی گرل کی چھ سلاخیں کٹتے ہی وہ پورا فریم کھڑکی سے الگ ہو کر ویرا کے ہاتھ میں آ گیا جسے ہم نے سنبھال کر اندر اتارا اور احتیاط کے ساتھ ایک مسہری کے نیچے ڈال دیا۔ اسی وقت باہر کچھ آہٹوں کے ساتھ قریب آتی ہوئی مردانہ آوازیں سنائی دیں اور ویرا نے جلدی سے عقبی کھڑکی کا پٹ بند کر دیا لیکن مجھے یہ دیکھ کر تشویش ہوئی کہ دوسری کھڑکیوں کے برعکس اس کھڑکی کے شیشوں پر باہر سے آنے والی روشنی کے انعکاس میں گرل کا سایہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ فرق آنے والوں میں سے کسی کو بھی اس کھڑکی کی طرف متوجہ کر سکتا تھا۔

چند ثانیوں بعد قفل میں کنجی گھما کر کمرے کا داخلی دروازہ کھول دیا گیا۔ آنے والوں میں برونو اشمٹ سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے تین مسلح افراد مستعد تھے۔ ان چاروں نے کھلے ہوئے دروازے کے اس پار راہداری میں رک کر ہم تینوں کا جائزہ لیا۔ شاید وہ اندر داخل ہونے سے پہلے یہ اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی ان پر بے خبری میں حملہ کرنے کے لیے دروازے کی اوٹ میں نہیں چھپا تھا۔

اپنی تسلی کے بعد برونو اندر داخل ہو کر ہم سے محفوظ فاصلے پر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے تینوں ساتھیوں نے اپنے پستولوں کی آہنی نالیں ہماری طرف اٹھائی ہوئی تھیں۔

”سنا ہے کہ تم خود کو مس ویرا لائیڈ کے نام سے متعارف کراتی ہو؟“ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد برونو نے انگریزی میں استہزائیہ لہجے میں ویرا سے سوال کیا۔

”میرا نام ویرا لائیڈ نہ ہوتا تو اس وقت تم پچاس ہزار ڈالر کے خواب نہ دیکھ رہے ہوتے۔“ ویرا نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ ہم دونوں نے ارادی طور پر اپنے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا کہ گرل سے محروم کھڑکی براہِ راست برونو یا اس کے ساتھیوں کی نظروں کے سامنے نہ رہے بصورتِ دیگر ہمارا بنا بنایا کھیل خراب ہو سکتا تھا۔

”مارسیلز میں تمہارے کن لوگوں سے روابط ہیں؟“

”اس شہر میں صرف دو شناسا تھے۔ چارلس میلانڈ اور گیری ہارٹ۔ وہ دونوں ہی آنجہانی ہو چکے ہیں۔ تیسری شناسائی تم سے ہوئی ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ تم کتنی دیر زندہ رہتے ہو۔“ ویرا اسے سلگانے کے لیے مسکراتے ہوئے بولی۔

”ان دونوں سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“ برونو اپنی کھوپڑی کو قابو میں رکھے ہوئے تھا۔

”دونوں دوست ہیں۔“ ویرا ڈھٹائی کے ساتھ بولی۔ ”چاہو تو تم بھی ان کی صف میں شامل ہو سکتے ہو۔“

اس اثنا میں، میں اندازہ لگا چکا تھا کہ برونو کے تینوں ساتھی انگریزی کے معاملے میں بالکل کورے تھے۔ وہ اپنے چہروں پر درشتگی کے آثار پیدا کیے مشینی انداز میں ہمیں گھورے جا رہے تھے۔

برونو بے آرامی کے ساتھ صوفے پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ ”مجھے تمہاری کسی پیشکش کی ضرورت نہیں۔ طاقت کے بل پر جب چاہوں کسی کو حاصل کر سکتا ہوں۔ ان حربوں سے تم مجھے زیر نہ کر سکو گی۔“

”شاید تم انعام کے لالچ میں یہ سارے پاپڑ بیل رہے ہو۔ چاہو تو میں تمہیں اس سے زیادہ رقم دے سکتی ہوں۔“

”رقم کی بھی اہمیت ہے لیکن اس وقت تم میری نہیں، تنظیم کی قیدی ہو۔ چاہو تو اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں مجھ سے سودا کر سکتی ہو کیونکہ ان کے بارے میں مجھے کوئی ہدایت نہیں ملی ہے۔“

”ہر سودا بے کار ہو گا کیونکہ میں یہاں سے نکلے بغیر رقم کا بندوبست نہیں کر سکتی۔“ ویرا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

”چاہو تو مجھے ٹھکانا بتا دو۔ میرے آدمی رقم لے آئیں گے۔“ وہ مکارانہ لہجے میں بولا۔ ”لی بگ کا خیال تھا کہ تم نے کہیں لمبا ہاتھ مارا ہے اور موٹی رقم ساتھ لیے پھر رہی ہو۔ قیام کہاں تھا تمہارا؟“

ویرا ہنس پڑی اور تلخ لہجے میں بولی۔ ”میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں۔ میں تمہیں ایک لاکھ ڈالر نقد دے سکتی ہوں لیکن شرط یہی ہے کہ مجھے آزاد کرو۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تک تم نے اپنے بڑوں کو میرے معاملے سے آگاہ نہیں کیا ہو گا؟“

ایک لاکھ ڈالر کا ذکر سن کر برونو کی آنکھوں میں حریصانہ چمک پیدا ہو گئی پھر وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ ”تمہارا فیصلہ اوپر سے ہی ہو گا۔ تم نے مجھے رقم نہ دی تو تمہارے ان دونوں ساتھیوں کو سسکا سسکا کر تمہارے سامنے ذبح کر دوں گا۔“

”ایسا ہرگز نہ کرنا۔“ میں خوفزدہ آواز میں بول پڑا۔ ”میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔“

”گڈ۔“ برونو تعریفی لہجے میں بولا۔ ”تم عقلمند آدمی معلوم ہوتے ہو۔ یہ ماری گئی تو رقم اس کے کسی کام نہ آ سکے گی۔ جو لوگ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی لہو کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ پتا نہیں وہ اس سے کیا چاہتے ہیں کہ اس کی ہلاکت کے بجائے زندہ گرفتاری کے احکام جاری کر بیٹھے ہیں۔“

”لیکن بڑے بھائی!“ میں نے اپنی اداکاری جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”تم نے ہمارا سودا کر بھی لیا تو سنڈیکیٹ والے تمہیں معاف نہیں کریں گے۔ ہماری ہمدردی میں کہیں تم اپنی چمڑی نہ اُدھڑوا ڈالنا۔“

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" وہ برا سا منہ بنا کر غرایا۔ "کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

"درست کہہ رہے ہو۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔ "لیکن تمھارے آدمی غداری کر سکتے ہیں۔ تم ان کی زبانیں کس طرح بند رکھ سکو گے؟"

"وہ میرا مسئلہ ہے۔" وہ سینہ پھلا کر فخریہ لہجے میں بولا۔ "یہ سب شی کے نہیں میرے نمک خوار ہیں۔ ان پر میرے اتنے احسانات ہیں کہ ان میں سے ہر ایک میرے اشارے پر اپنی گردن کٹوا سکتا ہے۔ تم مجھ سے معاملے کی بات کرو۔"

"معاملے کی بات تو یہی کر سکے گی۔" میں نے بے بسی سے ویرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم تھوڑا سا وقت دو تو میں اسے سمجھانے کی کوشش کر سکتا ہوں۔"

"میں پھر آؤں گا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "اتنا بتا دوں کہ اس نے زبان نہ کھولی تو میں اسے چار چوٹ کی مار ماروں گا اور کوئی مجھ سے باز پرس نہ کر سکے گا۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اسے ویرا کو زندہ پکڑنے کا حکم ملا ہوا تھا لیکن یہ ہدایت نہیں دی گئی تھی کہ ویرا کی مزاحمت کی صورت میں کیا رویہ اختیار کیا جائے۔ وہ نہایت اطمینان سے ویرا کے ہاتھ پیر توڑ کر اوپر والوں سے کہہ سکتا تھا کہ ویرا کے مقابلے پر اتر آنے کی وجہ سے اسے تشدد کا سہارا لینا پڑا ورنہ وہ موقع سے فرار ہو سکتی تھی۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ برونو سے رقم کی بات چھیڑ کر ویرا نے جہاں اپنے لیے ایک دشواری کھڑی کر لی تھی، وہیں یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ اس وقت تک ہم تینوں برونو کی نجی قید میں تھے، شی کے کسی رکن کو ہمارے پکڑے جانے کی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ برونو شی کا وہ پہلا کارندہ تھا جو اوپر والوں کے احکام کی تعمیل کے ساتھ ہی اپنی صوابدید سے کام لینے کا عادی معلوم ہوتا تھا ورنہ ہمیشہ ہی ہمارا واسطہ حکم کے غلاموں سے پڑتا رہا تھا۔

"یہاں وقت برباد کرنے کے بجائے نکلنے کی فکر کرو۔" برونو اور اس کے ساتھیوں کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔ "میں پوری طرح تمھارا ساتھ دینے کی کوشش کروں گا۔ اس گورکھ دھندے میں پھنسے رہے تو برونو واقعی ہمیں ختم کر دے گا۔ جھلائے ہوئے دشمن کا وار ہمیشہ مہلک اور خطرناک ہوتا ہے۔"

"وہ آ گیا تھا اس لیے اسے ٹٹولنا ضروری ہو گیا تھا۔" ویرا نے کہا۔ "ورنہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کسی بھی قسم کی رعایت سے کام نہیں لے گا۔"

میں کاٹیج میں آتے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ اس وقت برونو سمیت ہمارے مقابلے پر کل سات نفوس تھے جو ضرورت پیش آنے پر ریوالوروں، رائفلوں اور دستی بموں تک سے کام لے سکتے تھے۔ ان میں سے دو ہمارے کمرے کے سامنے راہداری میں پہرے پر مامور تھے۔ میرا ارا تھا کہ عقبی کھڑکی کی کٹی ہوئی گرل سے فرار ہونے سے قبل کسی بہانے ان دونوں کو راہداری میں کھلنے والی کھڑکی کے سامنے بلا کر ایکسپلوڈر کا نشانہ بنا دیا جائے تاکہ ان کی نفری سات سے پانچ رہ جائے۔ دھماکہ کی آواز پر ان کے ساتھی راہداری میں پہنچ کر لاشوں کے خون آلود چہرے بکھرے ہوئے دیکھتے تو فوری طور پر ان کی سمجھ میں ہی نہ آتا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ اس دوران میں ہم عمارت کے گرد چکر کاٹ کر آسانی کے ساتھ وہاں موجود کسی سواری تک رسائی حاصل کر سکتے تھے جو ہمیں بل سارا ہاؤ سے محفوظ فاصلے پر پہنچا دیتی۔

لیکن ویرا میرے نظریے سے متفق نہیں تھی۔ اس کی رائے تھی کہ ہمیں نگرانی کرنے والوں سے الجھے بغیر وہاں سے نکل جانا چاہیے۔ راستے میں کوئی مزاحم ہوتا تو اسے ٹھکانے لگا دیا جاتا ورنہ فرار کی کارروائی خاموشی سے مکمل ہونا چاہیے تھی۔ بظاہر ویرا کی تجویز معقول تھی لیکن میں سوچ رہا تھا کہ معمول کے حالات میں وہ ساتوں اپنے مقررہ مقامات پر موجود ہوتے اور ان میں سے کوئی بھی ہمیں فرار ہوتے دیکھ لیتا تو بقیہ افراد اپنے ٹھکانے چھوڑ کر جائے واردات پر جمع ہو جاتے اور ہمیں اپنی کارروائیوں کے لیے کھلا میدان مل جاتا۔ جتنی دیر میں انھیں ہوش آتا ہم بل سار [illegible] سے دور نکل چکے ہوتے۔

دونوں تجاویز کے فائدے اور امکانی خطرات اپنی جگہ تھے لیکن یہ بات طے تھی کہ میری تجویز پر عمل کرنے کی صورت میں فرار کے دوران برونو کے آدمیوں سے تصادم ہو جاتا تو نہ صرف ان کی نفری میں دو افراد کی کمی ہو چکی ہوتی بلکہ نفسیاتی طور پر بھی وہ افراتفری، خوف اور گھبراہٹ کا شکار ہو جاتے جس کا سارا فائدہ ہمیں ملتا۔

میری تجویز کے ہر پہلو پر مختصر سی بحث کے بعد آخر کار ویرا اس کی افادیت کی قائل ہو گئی اور اس نے تجویز پیش کی کہ کھڑکی کے ذریعے فرار سے پہلے بوسیدہ صوفوں میں آگ لگا کر انھیں دروازے اور کھڑکیوں کے قریب ڈال دیا جائے تاکہ ہمارے حریفوں کو زیادہ سے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ دو آدمیوں کو ہم مار دیتے اور ایک آدھ آدمی کو آگ بجھانے کے لیے بھی رکنا پڑتا ورنہ چوبی ڈھانچے اور شہتیروں پر بنی ہوئی وہ عمارت بھوسے کے ڈھیر کی طرح آناً فاناً آگ پکڑ لیتی۔

منصوبہ طے ہوتے ہی سلطان شاہ نے بستر چھوڑ دیا اور پرانے صوفے ادھیڑنے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے عقبی کھڑکی کا پٹ کھول کر احتیاط سے قرب و جوار کا جائزہ لیا اور آہستگی کے ساتھ کھڑکی دوبارہ بند کر دی۔ میری اور ویرا کی نگاہیں چار ہوئیں اور وہ میرا اشارہ پاتے ہی اپنی جیب سے ایکسپلوڈر نکال کر راہداری والی کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔

سلطان شاہ نے ایک صوفہ دروازے سے لگا کر اس کے ھیڑے ہوئے خشک کشن کو آگ دکھا دی اور کمرے میں دھواں یلنے لگا۔ اس اثنا میں ویرا نے کھڑکی کھول کر کچھ کہا۔ دونوں محافظ کی طرح دیوار کی اوٹ سے سامنے آئے اور پھر اس سے قبل کہ وہ مجھتے، ویرا نے ایکسپلوڈر کی گولیاں ان کے سینوں میں اتار دیں۔ یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے اور دونوں محافظوں کے سموں کے چیتھڑے اڑ گئے۔ ویرا نے پھرتی سے کھڑکی بند کی اور سلطان شاہ نے پہلے صوفے کا جلتا ہوا ملبہ دوسرے صوفوں، قالین ور مسہریوں پر بکھیرنا شروع کر دیا۔

میں نے گرل سے محروم کھڑکی کھولی اور اس سے گزر کر کاٹیج کے قب میں نم آلود کچی زمین پر کود گیا۔ ان دونوں نے بھی وقت ضائع کیے بغیر میری تقلید کی تھی۔ پھر ہم تینوں نے پوری قوت کے ساتھ عمارت کی بغلی سمت میں دوڑ لگا دی۔

فرار کا منصوبہ اس مرحلے تک پوری طرح کامیاب تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ایکسپلوڈر کی گولیوں کے دھماکوں نے زندہ رہ جانے والے پانچوں افراد کو راہداری میں جمع کر لیا ہوگا۔ ہمارے کمرے کا دروازہ بدستور مقفل تھا۔ ویرا نے کھڑکی بھی اندر سے بند کر دی تھی اس لیے جب تک وہ دروازہ کھول یا توڑ کر اندر کی صورتِ حال کا جائزہ نہ لیتے انھیں معاملے کی نوعیت کا اندازہ ہی نہ ہو پاتا۔

ہم عمارت کے سامنے والے حصے میں پہنچے تو وہاں سناٹے کا راج تھا۔ جان لی بگ کی اسپورٹس کار برآمدے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے پچھلے حصے کے جھکاؤ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ تینوں لاشیں بدستور اس کی ڈکی میں موجود تھیں۔ وہیں چاروں موٹر سائیکلیں بھی موجود تھیں اور چند سو گز دور ایک سائبان کے نیچے ایک لمبی سی سیاہ کار موجود تھی۔

اس وقت میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہو چلا تھا۔ اس وقت ذرا سی غفلت یا اندازے کی کوئی غلطی ہماری زندگیوں کے چراغ گل کر سکتی تھی۔ لی بگ کی کار میں چابی موجود نہیں تھی اور دونوں دروازے مقفل تھے۔ میں نے پوری قوت سے بیم گن کا دستہ مار کر کھڑکی کا شیشہ توڑا اور بانٹ کھول کر ریڈیٹر کے تاروں پر جھک گیا۔ ویرا ڈرائیونگ سیٹ پر جم گئی اور سلطان شاہ عقبی سیٹ پر چلا گیا۔

جتنی دیر میں میں اگنیشن کا تار ڈائریکٹ کر کے سیلف لگانے میں کامیاب ہوا، اتنی دیر میں ویرا جھٹکے مار کر اسٹیئرنگ کا تالا توڑ چکی تھی۔ میرے بانٹ گراتے ہی کار حرکت میں آگئی۔ میں رینگتی ہوئی کار میں سوار ہوا۔ پھر میں نے بیم گن نکال کر چاروں موٹر سائیکلوں کے ٹائر ناکارہ کر دیے تاکہ انھیں ہمارے تعاقب کے لیے استعمال نہ کیا جا سکے۔ ویرا نے میرے کچھ کہے بغیر کار کا رخ سائبان کے نیچے کھڑی ہوئی کار کی طرف موڑ لیا۔ اس کا چہرہ تنا ہوا تھا اور آنکھوں میں زندگی کی چمک کے بجائے بھیانک سی بے رونقی نے ڈیرے ڈال دیے تھے۔

سیاہ کار کے اگلے دونوں ٹائروں نے ہوا خارج ہوتے ہی آگ پکڑ لی اور ویرا نے اسپورٹس کار برق رفتاری کے ساتھ نکاسی کے راستے پر ڈال دی۔ اس وقت تک برآمدہ بدستور ویران پڑا ہوا تھا۔ بر دلو کو شاید موہوم سا شبہ بھی نہیں ہو سکا ہوگا کہ اس کے ہاتھ آئی ہوئی سونے کی چڑیا اچانک ہی پنجرے سے اڑ گئی تھی۔

اسپورٹس کار غراتی اور اچھلتی ہوئی کچے راستے پر سڑک کی طرف بڑھتی رہی۔ میں نے ویرا کو مشورہ دیا کہ وہ کار کو سڑک پر دائیں کے بجائے بائیں طرف موڑے لیکن اس کا خیال تھا کہ وہ سڑک آگے کسی اور سڑک سے ملنے کے بجائے کسی نہر یا نالے پر ختم ہو سکتی تھی۔ اس لیے ہمیں مارسیلز کی طرف ہی چلنا چاہیے۔

اس کا اندیشہ بجا تھا، اس لیے میں خاموش ہو گیا۔ ویسے بھی ہماری رقم کا تھیلا ہوٹل مارٹن میں پڑا ہوا تھا اور میں دیکھ چکا تھا کہ پیسے کے بغیر ہمارے لیے خود کو بچائے رکھنا ناممکن تھا۔ اگر گن بوٹ کی

نئی سوچ، نیا رنگ، نیا لہجہ، نیا آہنگ
جلتے دن، سلگتی راتیں، آس و یاس،
خوف و ہراس، شیریں خواب،
پسِ پردہ شکار گاہوں کے اسرار،
نقاب پوش آدم زادوں کے وحشیانہ کاروبار
دامنِ تہذیب پر رسوائیوں کے داغوں کا قصہ،
اندھیرے تقسیم کرنے والے روشن چراغوں کا قصہ
جاسوسی ڈائجسٹ کا زندہ کرداروں پر مشتمل
ایک روایت شکن سلسلہ
شکاری
کتابی شکل میں چار حصے تیار ہیں
قیمت فی حصہ -/40 روپے ڈاک خرچ فی حصہ -/16 روپے
چاروں حصے ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف
کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس 23
34 - رمضان چیمبرز، بل موریا اسٹریٹ
آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی۔ 74200
فون نمبر 2628517 فیکس 2637960

فروخت سے حاصل ہونے والی رقم ہماری تحویل میں نہ ہوتی تو میکس کے شراب خانے سے رِک میلون ہمیں کوڑیوں کے مول خرید لے گیا ہوتا اور شاید وہیں ہماری داستانِ حیات اپنے المناک انجام سے دوچار ہو جاتی۔

"مجھے ایک سگریٹ سلگا کر دو۔" ویرا نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا اور میں اس کے لیے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

"اصل صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی برونو پاگل ہو جائے گا۔" وہ مجھ سے سگریٹ لیتے ہوئے جذبات سے عاری لہجے میں بولی۔ "وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ ہم یوں اس کی دسترس سے نکل جائیں گے۔"

"یہ نہ بھولو کہ مارسیلز میں ابھی بھی ہنگامی حالات چل رہے ہیں اور اس کار کی ڈکی میں تین لاشیں موجود ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "اس کے علاوہ ہمارے لباس پھٹے ہوئے اور خون آلود ہیں۔ اس حالت میں ہم کسی آبادی کا رُخ تو ہرگز نہ کر سکیں گے۔"

"یہ واقعی سب سے اہم مسئلہ ہے۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہمیں اپنے حُلیے درست کرنے ہوں گے۔" وہ سگریٹ کا کش لیتے ہوئے پُرخیال لہجے میں بولی۔

"لیکن ہم کہیں بھی اپنی اس ہیئت کذائی کا کیا جواز پیش کریں گے؟" سلطان شاہ نے کہا۔

"کیا؟" ویرا کے حلق سے تحیّر آمیز آواز نکلی۔ "کس کا جواز کہہ رہے ہو تم؟ میں اچھی خاصی اُردو بول لیتی ہوں لیکن ایسے مشکل الفاظ کبھی نہیں سُنے۔ کیا لفظ استعمال کیا تھا تم نے؟"

"حالت کے بارے میں ہی کہہ رہا تھا۔" سلطان شاہ نے خفّت آمیز لہجے میں کہا لیکن ویرا اس کی زبان سے وہی الفاظ سُننے پر اڑ گئی جن پر وہ چونکی تھی اور سلطان شاہ کو دوبارہ وہی فقرہ ادا کر کے جان چھڑانا پڑی۔

سرسبز کھیتوں کے درمیان اس ویران سڑک پر ہمارا سفر جاری تھا۔ ہمارے اعصاب بھی رفتہ رفتہ اعتدال پر آتے جا رہے تھے اور میں سلطان شاہ کی بازیابی کے بعد غزالہ کے تصوّر میں کھویا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک لمبی چوڑی سیاہ کار نمودار ہوئی جو سڑک پر تقریباً تیرتی ہوئی ہماری طرف اُڑی آ رہی تھی۔

ویرا نے اسے راستہ دینے کے لیے اپنی کار کی رفتار قدرے دھیمی کر کے اسے کنارے پر کر لیا اور چند ثانیوں بعد وہ سیاہ کار زن سے ہمارے برابر سے گزر گئی۔

"ڈان مریانو۔" اس کار کے گزرتے ہی ویرا کی زبان سے ہذیانی آواز برآمد ہوئی۔ "اس کار کی پچھلی سیٹ پر ڈان مریانو نیم دراز تھا۔"

"کیا واقعی؟ تمہیں وہم ہوا ہوگا۔" میں نے بے اعتباری کے ساتھ کہا۔ میں نے اس کار کے باوردی ڈرائیور کو تو دیکھا تھا لیکن اس کی عقبی نشست پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

"میں قسم کھا سکتی ہوں۔" وہ اونچی اور پُرجوش آواز میں بولی۔ "اسے میں ہزاروں کی بھیڑ میں پہچان سکتی ہوں۔"

"تو پھر گاڑی گھما لو، آج اس سے بھی دو دو ہاتھ ہو جائیں [illegible]" نے اپنے وجود میں سنسنی کی لہریں محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"میں مشورہ نہیں دوں گی۔" وہ اضطراری لہجے میں بولی۔ "وہ مہمات پر پوری تیاری کے ساتھ نکلتا ہے۔ صرف اس کی کار ہی ہمارے لیے بکتر بند قلعے سے کم ثابت نہ ہوگی۔ اتنا ہی کافی ہے کہ ہمیں [illegible] میں اس کی موجودگی کا علم ہو گیا۔ اب ہم شہر میں اس کا سراغ لگا لیں گے۔"

میں سیاہ کار کے تعاقب پر مُصر تھا لیکن ویرا ڈان مریانو سے بے اندازہ نفرت کرنے کے باوجود اس سے اس وقت خائف آ رہی تھی اور اس کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ اسے ذہنی جھٹکے سے سنبھلنے کی مہلت دینے کے لیے میں نے فوری طور پر بحث ختم کر کے خاموشی اختیار کر لی لیکن میرا ذہن بدستور مصروف تھا۔

لاہور سے مارسیلز تک میں شی کو بے اندازہ نقصانات پہنچاتا رہا لیکن ہر کامیابی کے بعد میری جھنجلاہٹ بڑھ جاتی تھی کیونکہ شی کی تنظیم یا کارگزاری پر میرے اقدامات کا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چیونٹی اپنی ساری وحشیانہ قوتیں یکجا کر کے کسی ہاتھی کو روندنے کی ناکام کوشش کر رہی ہو لیکن فائر کیمپ کی تباہی نے شاید شی کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

اگر ویرا نے خواب نہیں دیکھا تھا تو ڈان مریانو یا جمی لائیڈ بہ نفسِ نفیس مارسیلز آیا ہوا تھا اور اس وقت برونو اشمٹ کی اطلاع پر ہل سارا ہاؤز میں ہم لوگوں سے ملنے جا رہا تھا۔ میں اندازہ نہیں کر سکا کہ ہمیں غائب پا کر وہ اپنے آدمیوں سے کیا سلوک کرے گا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ اس کے میدان میں آ جانے کے بعد اب گھمسان کا رن پڑنے والا تھا جس کے انجام کا کوئی اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

سکوت کے ساتھ ہی میرے دل و دماغ پر ناقابلِ تصور سنسنی طاری ہو گئی تھی۔ جس مدت سے جمی لائیڈ کی گھات میں نگر نگر کی خاک چھان رہا تھا اور اب وہ غیر متوقع طور پر سامنے آ گیا تھا تو میں عجیب اور ناقابلِ بیان ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ راستے میں لمبی سیاہ کار میں نے ضرور دیکھی تھی لیکن شوفر کے عقب میں سوار شخص کی ہلکی سی جھلک بھی نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ اس پتلی سی مضافاتی سڑک پر اس چھوٹی کار کو کراس کرتے ہوئے میری ساری توجہ سڑک پر مرکوز ہو گئی تھی۔ کیونکہ پلک جھپکتے میں ہماری کار سڑک سے اُتر کر ناہموار کھیتوں میں داخل ہو سکتی تھی۔ کار ویرا چلا رہی تھی لیکن اگلی نشست پر میں بھی تناؤ کا شکار تھا۔ جمی لائیڈ کے نہ جانے کتنے روپ تھے۔ ایک طرف وہ مجرموں اور قاتلوں کی بین الاقوامی تنظیم شی کا ایسا پُراسرار اور مطلق العنان

اہ تھا کہ شی کے کسی ادنیٰ یا اعلیٰ کارکن نے اس کی صورت نہیں تھی۔ شی والوں کے لیے وہ بغیر چہرے کا بس ایک نام تھا جس عدلی کا تصور تک ممکن نہیں تھا لیکن لاہور کے لائیڈز کا تیج یک پُراسرار اور خفیہ کمرے میں میں نے ویرا کے ہمراہ جمی لائیڈ ینٹنگ اتفاقاً دریافت کر لی تھی جس پر اس کا نام بھی لکھا تھا۔ ویرا نے عمر بھر جمی لائیڈ کے اشاروں پر ناچنے اور اسے اپنا قانونی باپ تصور کرنے کے باوجود اپنی دانست میں کبھی اس کی جھلک بھی نہیں دیکھی تھی لیکن لائیڈز کا تیج کے خفیہ کمرے میں نے تصویر والے شخص کو ڈان مرسیانو کے نام سے فوراً شناخت یا تھا کیونکہ اٹلی میں وہ اپنی نوخیزی کے دور میں ہی ڈان مرسیانو کرائی تھی جو روم میں نہ جانے کتنی ہی لڑکیوں کو گناہ آلود زندگیاں نے کی تربیت دے کر ان کا مستقبل تباہ کر چکا تھا۔ اس نے ویرا کو نہایت بے رحمی کے ساتھ اس بھیانک دلدل میں دھکیل تھا۔

ویرا اسے ڈان مرسیانو سمجھتی رہی۔ دوسری طرف اس شخص کو ب معلوم تھا کہ ویرا اس کی ناجائز اور شاید اکلوتی بیٹی تھی، جو شی میں کے احکام پر عمل کر کے روزی کما رہی تھی لیکن پھر بھی اس نے ی نوخیز بیٹی کو بے دردی کے ساتھ اس کے نسوانی جوہر سے محروم ردیا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ ویرا جمی لائیڈ کی تصویر دیکھتے ہی غیظ و غضب سے مغلوب ہو کر اتنی مشتعل ہو گئی تھی کہ اس نے جمی لائیڈ تصویر کے وہیں ٹکڑے اُڑا ڈالے تھے اور صحیح معنوں میں اسی تھا اس کے دل میں اپنے باپ کی طرف سے نفرت کی پہلی چنگاری بھڑکی تھی جو اب رفتہ رفتہ نفرت، قہر اور انتقام کے الاؤ میں تبدیل ہو چکی تھی۔

اس دن اور اس فیصلہ کن لمحے سے قبل ویرا کو اپنی آنجہانی ماں سے سُنے ہوئے واقعات کی بنا پر پورا یقین تھا کہ اس کی ولادت میں جمی لائیڈ اس کی ماں کا شریک تھا۔ پھر جمی لائیڈ کی سربراہی میں شی کی سرگرمیوں کی کہانیاں سُن کر وہ کسی نہ کسی طرح تنظیم میں شامل ہو گئی۔ اسے بس یہ دُھن تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس پُراسرار شخص تک رسائی حاصل کر کے اس سے صرف اتنا پوچھ لے کہ کیا وہی اس کا باپ تھا؟

لیکن جمی لائیڈ اور ڈان مرسیانو کے دو مختلف ناموں میں ایک ہی شخص روپوش ہونے کا راز کھلتے ہی ویرا بھڑک اُٹھی اور اپنے باپ سے بدظن ہو گئی اور وہیں سے میرے اور اس کے مقاصد میں ہم آہنگی پیدا ہوتی چلی گئی جسے بعد کے واقعات سے تقویت ملتی رہی۔

پھر وہی جمی لائیڈ اپنی اصل صورت اور نام کے ساتھ جہاز رانی ں عالمی صنعت کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا تھا۔ وہ کنگ لائنز کے بحری بیڑے کا مالک تھا۔ اس کے کاروباری حلیفوں اور رقیبوں میں سے کسی کو شُبہ تک نہیں ہو سکا تھا کہ وہ ہی شی جیسی رسوائے زمانہ تنظیم کا سربراہ بھی تھا۔

جمی لائیڈ نے اپنے عمل اور فیصلوں سے ہمیشہ اس نظریے کی تصدیق کی تھی کہ وہی ویرا کا باپ تھا۔ لیکن اس نے کبھی کھل کر ویرا کو اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا تھا۔ ڈان مرسیانو کے روپ میں ویرا کی برین واشنگ کرنے اور ہر قیمت پر اپنے مقاصد حاصل کرنے کی تربیت دینے کے بعد اس نے شی میں ویرا کو وسیع اختیارات کا مالک بنا دیا اور اس کی سرکشیوں کو نظر انداز کرتا رہا لیکن فار کیمپ کی تباہی کے پس منظر سے آگاہ ہوتے ہی اس نے ویرا کی سرکوبی کا فیصلہ کیا تو اس فیصلے میں مربیانہ رنگ نمایاں تھا۔ اس نے ویرا کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم کر لینے کے بجائے اس کی زندہ گرفتاری پر پچاس ہزار ڈالر کا خطیر انعام مقرر کیا تھا۔ اس طرح شاید وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو مصالحت کا آخری موقع فراہم کرنا چاہ رہا تھا۔

ویرا بظاہر اپنے سنگین مسائل سے بے پروا نظر آتی تھی، لیکن مجھے یقین تھا کہ خیالات کے زہریلے ناگ ہر لمحے اس کے ذہن کو ڈستے رہتے تھے۔ وہ بے خوف اور دلیر نظر آنے کے باوجود اندرونی طور پر جمی لائیڈ سے خوف زدہ تھی۔

اس نے قسم کھائی تھی کہ اس نے سیاہ کار کی عقبی نشست پر ڈان مرسیانو کو نیم دراز دیکھا تھا، لیکن مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں ویرا کے لاشعور میں پلنے والے خوف نے سیاہ کار میں وہ فریبِ نظر تخلیق نہ کیا ہو۔ وہ چند لمحے قبل آگ، خون اور بارود کی ایک بھیانک دلدل عبور کر کے برونو اشمٹ کے پھیلائے ہوئے جال سے نکلنے میں بمشکل کامیاب ہوئی تھی۔ اس واقعے پر وہ اتنی دل برداشتہ تھی کہ بل سارا ہاؤز میں قید کے دوران مایوسی کے عالم میں اپنی خودکشی کے امکان کا ذکر بھی کر بیٹھی تھی۔ ایسی صورت میں میں اس کے مشاہدے پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کر سکتا تھا۔

وہ لاکھ دلیر اور باحوصلہ سہی، مگر بنیادی طور پر ایک تنہا اور بے سہارا لڑکی تھی۔ ماں مر چکی تھی اور زندگی میں اس نے کبھی اپنے سر پر باپ کا سایہ نہیں دیکھا تھا۔ مجھ سے دوستی اور قابلِ رشک ذہنی ہم آہنگی ہو جانے کے باوجود اسے معلوم تھا کہ میرا اور اس کا رشتہ اٹوٹ نہیں تھا۔ میرے دل میں غزالہ کا پیکر بسا ہوا تھا جسے میں زندگی میں کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ اس لیے مایوسی نے اسے گھیر لیا تھا۔

یہ کتنی عجیب بات تھی کہ جس جمی لائیڈ تک پہنچنے کے لیے وہ سب کچھ کر گزرنے پر تلی رہتی تھی، آج اسے اپنی آنکھوں سے بل سارا ہاؤز کی طرف جاتے دیکھ کر بھی وہ ادھر واپسی کے لیے آمادہ

نہیں تھی۔ وہ اپنے گرد تنگ ہوتے ہوئے حصار سے گھبرا کر خوفزدہ ہو چکی تھی۔

میرا دل اس کے لیے مغموم ہو گیا۔ میں جو کچھ سوچ رہا تھا، اس بارے میں کئی بار کوشش کرنے کے باوجود اپنی زبان نہ کھول سکا۔ وہ خلافِ معمول خاموشی کے ساتھ ونڈ شیلڈ کے اس پار کسی بے نام نقطے کو گھورتے ہوئے مسلسل سگریٹیں پھونک رہی تھی آخر کار میں نے تنقید یا جرح کرنے کے بجائے مفاہمانہ انداز میں دوبارہ بات چھیڑ ہی دی۔ میری آواز سنتے ہی وہ یوں چونکی تھی جیسے اس وقت تک تنویمی کیفیت میں کار چلاتی رہی ہو۔

"تمہارے اعصاب تھک گئے ہوں تو گاڑی روک لو، میں چلا لوں گا۔" اس کے چونکنے پر میں نے اپنی بات دہرانے کے بجائے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارا ذہن بھی کہیں بھٹک رہا ہے۔"

وہ کھوکھلے انداز میں ہنس پڑی۔ "لاعلمی واقعی ایک نعمت ہے۔" اس نے انگریزی کا محاورہ دہرا کر اردو میں بات جاری رکھی۔ "وہ جب تک میرے لیے ڈان مرسیانو رہا، میں نے کبھی اس کے خلاف کوئی کینہ محسوس نہیں کیا، لیکن اس کا دوسرا روپ سامنے آنے کے بعد آج میں نے پہلی بار اس کی ایک جھلک دیکھی ہے۔ غم و غصے نے واقعی مجھے نڈھال کر دیا ہے۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں کہ ایک باپ کس دل سے اپنی بیٹی کو گناہوں کی دلدل میں گرا سکتا ہے؟"

"تم گاڑی سڑک سے اتار کر کہیں کچے میں روک لو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ "اس حالت میں تم کوئی حادثہ کر بیٹھو گی۔ ہمیں مضافاتی علاقے سے نکلنے سے پہلے اپنے لباس اور حلیے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ہے۔ ورنہ مارسیلز کی حدود میں گھستے ہی پولیس کی گرفت میں آ جائیں گے۔"

اس نے کار کی رفتار بتدریج کم کرتے ہوئے ایک مقام پر اسے کچے میں اتار کر روک دیا اور انجن بند کر کے مضمحل انداز میں انگڑائی لیتے ہوئے بولی۔ "میں اس کا سامنا کیے بغیر اس کے خلاف لڑ رہی تھی اور میرے بہت کچھ عزائم بھی تھے۔ لیکن اس وقت اسے دیکھ کر مجھے اپنے اندر ٹوٹ پھوٹ کا احساس ہوا ہے۔ شاید میں جرأت کے ساتھ اس کا سامنا نہیں کر سکوں گی۔ یہ جنگ تمہیں اکیلے ہی لڑنا ہو گی۔ مجھ پر انحصار کیا تو اب کہیں نقصان سے دوچار ہو بیٹھو گے۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ میں جو کچھ کہتے ہوئے جھجک رہا تھا، وہ ویرا نے خود کہہ دیا تھا۔ اس نے جھوٹی انا کا سہارا لینے کے بجائے صاف اور دو ٹوک انداز میں حقیقت بیان کر دی تھی۔

"کیوں؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا صرف اس لیے کہ تم پر ظلم کرنے والا تمہارا باپ ہے؟"

"تم نے لائیڈز کاٹیج میں اس کی تصویر دیکھی تھی۔ ذہن پر زور دو تو تمہیں یاد آ جائے گا کہ اس کی سرد آنکھوں میں ایک عجیب بے رحمانہ سی مقناطیسی کشش موجود ہے۔ وہ بڑی آسانی سے مخاطب کو مسحور کر لینے کے فن میں طاق ہے۔ ڈان مرسیانو نے ساتھ کبھی زبردستی نہیں کی۔ وہ مجھے بتاتا اور سمجھاتا رہتا تھا اپنے ہوتے تھے۔ اس کی ذات کے سحر سے نکلنے کے ایک کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں بھٹکا دی گئی تھی۔"

"اسی لیے تم واپس بل سارا ہاؤز نہیں جانا چاہتیں؟" نے سوال کیا۔

"یہ بھی ایک وجہ ہے، لیکن حقیقت میں تمہیں پہلے بتا چکی ہوں۔" اس نے کہا۔ "اس کی سیاہ مرسیڈیز بلٹ پروف تھی۔ یقین ہے کہ کار میں وسیع احاطۂ عمل کا ٹرانسمیٹر بھی موجود ہو گا۔ کئی سو میل کی حدود میں اپنے سارے وسائل کو حرکت میں لانے قدرت رکھتا ہے۔ اس کے خلاف اوچھا وار کر کے تم ہرگز نہ گے، دو پستول اور چند گولیوں کے ساتھ اس کے مسکن پر دھاوا میری دانست میں ایسا ہی احمقانہ فعل ہو گا جیسے تیر کمان سے سپر سانک طیارے کو مار گرانے کا دعویٰ۔ اس وقت یہی کافی ہے کہ ہمیں مارسیلز میں اس کی موجودگی کا سراغ مل گیا ہے۔ اور اس وقت وہ بل سارا ہاؤز میں بنا بنایا کھیل بگڑ جانے پر بردلوا شمٹ اور اس کے آدمیوں کی چمڑی ادھیڑ رہا ہو گا۔"

"تمہیں پورا یقین ہے کہ تم نے کالی مرسیڈیز میں جمی لائیڈ کو ہی دیکھا تھا؟"

"میں ابھی اتنی اعصاب زدہ نہیں ہوئی ہوں کہ دن میں خواب دیکھنے شروع کر دوں۔" وہ قدرے تلخ لہجے میں بولی۔ "آخر تمہیں یقین کرنے میں کیا تامل ہے؟ وہ جب بھی حرکت میں آتا ہے، چیتے کی سی خاموشی اور سرعت سے حملہ آور ہو کر اپنے حریف کو متحیر کر دیتا ہے۔"

"اور اس کی کار شوفر چلا رہا تھا؟" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"یہ بھی درست ہے۔" وہ بولی۔ "اسے تو تم نے بھی دیکھا تھا۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ جب جمی لائیڈ تنظیم کے لیے محض ایک ناقابلِ شناخت سایہ ہے تو پھر وہ اصل شکل میں ایک اہم مہم پر ڈرائیور کے ساتھ کیسے سفر کر رہا تھا؟"

"اسے تو میں نے پہچان لیا، تم دیکھو گے تو تم بھی پہچان لو گے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اصل روپ کے بجائے کسی اور فرضی شخصیت کا سہارا لے کر بل سارا ہاؤز جا رہا ہو یا یہ بھی ہے کہ وہ منزل پر کار سے اترنے سے پہلے چند منٹ میں سیاہ فام بن جائے....."

"وہ ہم سے ملنے جا رہا تھا اور جانتا ہے کہ ہم لائیڈز کاٹیج

مضبوط قلعے میں اس کی تصویر دیکھ چکے ہیں۔ اس لیے اس کے اصل روپ میں سامنے آنے کا امکان کم ہے اور اگر تمھارا دوسرا نظریہ تسلیم کرلیا جائے تو مرسیڈیز کے ڈرائیور کی شخصیت بہت اہم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ جمی لائیڈ کی دُہری شخصیت کے راز سے واقف ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ "پتا نہیں اس کے کیا عزائم ہیں، لیکن یہ مان لو کہ وہ ادھر گیا ہے۔"

"اس وقت ہمارا یہاں رکنا خطرات کو دعوت دینے کے برابر ہے۔" اچانک سلطان شاہ بولا۔ "یہ کار دور ہی سے پہچانی جا سکتی ہے۔ اس وقت اُدھر سے کوئی بھی کار اس طرف نکل آئی تو ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

"واپس بل سارا ہاؤز کی طرف ہی چلو۔" ویرا نے ڈرائیونگ سیٹ میرے لیے خالی کرتے ہوئے کہا۔ "راستے میں سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"ہمیں ادھر کا رُخ ہی نہیں کرنا چاہیے یا پھر ان سے ٹکرا جانے کا ارادہ کرلینا چاہیے۔" میں نے نشست بدلنے کے بعد کہا۔ "بے یقینی کے عالم میں اُدھر جانا موت کو دعوت دینے کے برابر ہوگا۔"

"راستے میں ان میں سے کسی سے سامنا ہوگیا تو تصادم ہو کر رہے گا۔" ویرا نے کہا۔ "اگر مقدر نے یاوری کی تو ہم بل سارا ہاؤز سے پہلے ہی یہ کار کہیں چھپا کر کسی ویران کاٹیج میں گھسنے کی کوشش کریں گے۔ ایک آدھ چوکیدار پر قابو پا کر اسے بے بس کرنا ہمارے لیے زیادہ دشوار نہیں ہونا چاہیے۔ صرف اسی طرح ہم صاف ستھرے ہو کر نیا لباس حاصل کرسکتے ہیں۔ ورنہ ہمیں موجودہ حالت میں ہی رہنا ہوگا۔"

میں انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی کو واپس گھما کر دوبارہ سڑک پر لے آیا۔ ویرا نے واقعی معقول تجویز سوچی تھی۔ ڈان مریانو کی مرسیڈیز نے جس مقام پر ہمیں کراس کیا تھا، وہاں سے گزر کر بل سارا ہاؤز میں پوری صورت حال جاننے کے بعد اس کے لیے یہ امر ناممکن ہوتا کہ وہ واپس آکر ہمیں راستے میں گھیرنے میں کامیاب ہو سکتا۔ اس کا پہلا فطری ردِ عمل یہی ہوتا کہ وہ ہمارے نکل جانے پر بونو اشمٹ اور اس کے آدمیوں کی سخت گوشمالی کرتا اور فون یا ٹرانسمیٹر پر وائرلیس میں دوسرے لوگوں کو سرخ ٹرائمف گھیرنے کے احکام جاری کرتا۔ اس کے آدمی شہر آنے والے راستوں کی ناکا بندی کر کے سرخ ٹرائمف کا انتظار کرتے رہ جاتے اور ہم اپنے پھٹے ہوئے خون آلود ملبوسات سے نجات حاصل کرکے کسی دوسرے ذریعے سے شہر واپس لوٹ سکتے تھے۔ ہماری کامیابی کی کلید یہی تھی کہ راستے میں شی کے کسی کارندے سے ٹکرائے بغیر ہم جلد از جلد کسی ویران کاٹیج میں عارضی پناہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ جمی لائیڈ یا اس کا کوئی آدمی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم ان کے چنگل سے نکل بھاگنے کے بعد ایک بار پھر ان ہی کے قرب و جوار میں پناہ لینے کے لیے واپسی کا ارادہ کر بیٹھے ہوں گے۔ اس ذہنی تجزیے کے ساتھ ہی میں نے باغات اور کھیتوں کے درمیان سے گزرنے والی اس پتلی سی سڑک پر کار کی رفتار میں اضافہ کردیا۔

"میری اب بھی یہی رائے ہے کہ اس وقت بل سارا ہاؤز میں میدان صاف ہوگا۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد سلطان شاہ بولا۔ "جمی لائیڈ نے وہاں پہنچ کر ان سب کو حواس باختہ کردیا ہوگا بیشک اس وقت ہم کوئی بڑا خطرہ مول لیے بغیر دوبارہ وہاں گھس کر ہراس پھیلا سکتے ہیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ شی والے دہشت گرد بھی ہیں۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "جرائم کی دنیا میں اپنی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے وہ اپنے ٹھکانوں پر مہلک بارودی اسلحے کے بڑے ذخائر رکھتے ہیں۔ انھوں نے کھیتوں میں آنسو گیس کے بم استعمال کیے تھے اس بار اپنی ناکامی پر جھلّایا ہوا جمی لائیڈ ہمارے خلاف بارودی بموں کے استعمال کی ہدایت بھی جاری کرسکتا ہے۔"

اس کے بعد کار میں سکوت چھا گیا، لیکن ہم تینوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

خوش قسمتی سے راستے میں ہمیں سبزیاں وغیرہ شہر لے جانے والی ایک بندوین کے سوا کسی گاڑی کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور آخر کار فارمز میں بنے ہوئے کاٹیجز کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اس بارے میں ہمارے عزائم بہت محدود نوعیت کے تھے لیکن ویرا کے ایما پر میں نے کار ایک مختصر کاٹیج کی حدود میں موڑ لی۔ جہاں کچی زمین پر گاڑیوں کے ٹائروں کے نشانات بکثرت نظر آرہے تھے۔ ان دھندلائے ہوئے نشانات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کاٹیج کے مکین وہاں بکثرت آمد و رفت کے عادی تھے اور

اندر عمارت میں لباس کے علاوہ بھی ضروریات کی دیگر بہت سی اشیا مل سکتی تھیں۔

کنکریٹ کی اس خوش رنگ اور مختصر عمارت کے دروازے، کھڑکیاں بند تھیں اور سرسبز احاطے میں دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا اس لیے میں کار کو اطمینان سے عمارت کے گرد گھما کر عقبی حصے میں لے گیا۔ تاکہ سڑک پر سے گزرنے والے کسی بھی فرد کو ہماری وہاں موجودگی کا احساس نہ ہو سکے۔

کار کے انجن کا شور سن کر عقبی حصے میں واقع ایک شیڈ میں بہت سی مرغیوں نے اچانک کڑکڑانا شروع کر دیا۔ اور اسی کے ساتھ عمارت کا ایک عقبی دروازہ کھلتا ہوا نظر آیا۔

ہم تینوں کسی بھی خطرے کا سامنا کرنے کے لیے پھرتی سے کار سے نیچے اتر آئے۔ پھر یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ کھلے ہوئے دروازے سے ایک ادھیڑ عمر اور تندرست شخص نمودار ہوا تھا جس کے بشرے سے نرمی اور حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔

ویرا تیزی سے آگے بڑھی اور انگریزی میں اس سے مخاطب ہوئی۔

"ہیلو سر! صبح بخیر! کیا تم انگریزی بول اور سمجھ سکتے ہو؟ ہم غیر ملکی ہیں اور ان اطراف میں دشواریوں سے دوچار ہو گئے ہیں۔"

وہ اونچے عقبی چبوترے پر ویرا کے قریب آ گیا اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "انگریزی بھی بول لیتا ہوں۔ تمھارا تعلق کس ملک سے ہے؟" اس کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

"میں برٹش نیشنل ہوں، میرے دونوں ساتھی اطالوی ہیں۔" ویرا روانی میں کہہ گئی۔

"میں اطالوی بھی خوب بول لیتا ہوں۔" اس شخص کا دیا ہوا جواب سن کر مجھے اپنے حلق میں کوئی چیز پھنستی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ ویرا بھی بوڑھے کا جواب سن کر بوکھلائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"مگر بدقسمتی کہ دونوں پیدائشی گونگے ہیں۔" اس کے مزید کچھ کہنے سے قبل ویرا بول پڑی۔ "یہ دونوں تمھاری بات سمجھ لیں گے لیکن جواب اشاروں میں دیں گے۔ بہتر یہ ہو گا کہ کوفت سے بچنے کے لیے ہم انگریزی میں بات کرتے رہیں۔"

"ایک خوبصورت لڑکی اور دو گونگے۔" اس نے قدرے استہزائیہ لہجے میں کہا پھر خشک لہجے میں بولا۔ "تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں، بس کچھ دیر کے لیے آرام کرنا چاہتے ہیں تاکہ میدان صاف ہوتے ہی ہم آگے نکل سکیں۔" ویرا نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "اسی سڑک پر ہمیں چار موٹر سائیکل سوار بدمعاشوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ ہمیں لوٹنا چاہ رہے تھے۔ ان سے بہ مشکل بچ بچا کر یہاں آنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔" اس دوران ہم دونوں بھی ویرا کے قریب پہنچ چکے تھے۔

اس شخص کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرانے لگے۔ "تمھارے لباسوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کچھ خونریزی بھی ہوئی ہے۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے فائرنگ اور پے در پے دھماکوں کا شور بھی سنا تھا۔"

"فائرنگ سے بچنے کے لیے ہم مکئی کے کھیتوں میں گھس گئے تھے تو انھوں نے ہمیں خوفزدہ کرنے کے لیے بے ضرر پٹاخے کھیتوں میں پھینکنے شروع کر دیے، مگر ہم انھیں چکر دے کر دوبارہ اپنی کار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"تمھاری کہانی بودی معلوم ہوتی ہے لڑکی!" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میرا نام کلثوم احمدی ہے۔" ویرا جلدی سے بولی۔ "ایک عرب سے شادی کرنے کے لیے مجھے اپنا پیدائشی نام اور مذہب تبدیل کرنا پڑ گیا تھا۔"

"خیر تم جو کوئی بھی ہو، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں مشتبہ اجنبیوں کو اس چھت کے نیچے ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ تم کہیں اور پناہ لینے کی کوشش کرو۔"

"لیکن اس وقت ہمارا سڑک پر نکلنا مخدوش ہو سکتا ہے۔" ویرا نے چبوترے پر چڑھ کر خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "ان کی چلائی ہوئی گولیوں سے ہم میں سے ایک آدھ مر گیا تو تم بھی کئی دن تک اپنے ضمیر کی خلش پر قابو نہ پا سکو گے۔"

"یہاں موٹر سائیکلیں صرف بل سارا ہاؤز کے ملازمین کے پاس ہیں۔" اس نے اپنا مدعا واضح کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "وہ سب علاقے کے شرفا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ میں نہیں مان سکتا کہ انھوں نے تمھارے ساتھ زیادتی کرنے میں پہل کی ہو گی، مجھے تو شبہ ہے کہ تم نے زبردستی ان کی جاگیر میں گھسنے کی کوشش کی ہو گی اور وہاں ناکامی کے بعد اب ادھر آئے ہو۔" اپنی بات پوری کرتے ہوئے اس نے حیرت ناک سرعت کے ساتھ اپنے اوور کوٹ کی جیب سے اعشاریہ تین آٹھ کا مہیب پستول نکال کر ویرا پر تان لیا۔

ویرا نے خوف زدہ نظر آنے کی بہت کامیاب اداکاری کی تھی اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ارے، ارے! اسے جیب میں رکھو، کہیں یہ چل ہی نہ جائے۔ تم ناراض ہوتے ہو تو ہم ابھی واپس چلے جاتے ہیں۔"

"خیریت اسی میں ہے کہ اپنے دونوں گونگوں کے ساتھ فوراً واپس چلی جاؤ۔" اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ "میری بیوی ذرا اونچا سنتی ہے، لیکن میرے فائر کی آواز سن کر وہ رائفل لے کر آ جائے گی۔ اس کا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔"

ویرا نے اسے دو گونگوں کی کہانی سنائی تھی اور وہ ایک بہری کا ذکر لے بیٹھا تھا۔ اگر اس شخص کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول موجود

رتا تو حالات کی ستم ظریفی پر شاید میرے لیے اپنے قہقہوں پہ قابو دشوار ہو جاتا۔

ویرا اس شخص کے بہت قریب اور براہِ راست اس کے نے کی زد میں تھی، اس لیے وہ اپنے حریف کی مرضی کے خلاف ھی حرکت نہیں کر سکتی تھی اس لیے اس خطرے کا سدِّباب اب کرنا تھا۔ ویرا کو بھی اس صورتِ حال کا پورا ادراک تھا۔ اس ہیں پہل کا موقع دینے کے لیے اس نے پستول والے کو باتوں الجھا کر اس کی ساری توجہ اپنی طرف مرکوز کرائی ہوئی تھی۔ میں ور اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اور پھر اسے اپنی طرف سے غافل پاتے میں نے زمین سے ایک پتھر اٹھا کر پوری قوت سے اس کے تول والے ہاتھ کے نشانے پر پھینک دیا۔ دبی دبی غضب ناک اہٹ کے ساتھ وہ میری طرف پلٹا تو پستول اس کے ہاتھ سے ل کر پُرشور آواز کے ساتھ پختہ چبوترے پر گر چکا تھا۔ ویرا نے ٹ کر پستول پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی فضا میں لہرا اس شخص کی بائیں کنپٹی پر پڑی۔ وہ کھڑے کھڑے ایک دم بے جان ہو کر فرش پر گر گیا۔

یہ سب اس قدر پھرتی اور خاموشی کے ساتھ ہوا کہ شاید اس کی اری بیوی کو باہر ہونے والے واقعات کی بھنک بھی نہ مل سکی۔ ویرا نے پستول لہرا کر ہمیں بے ہوش آدمی کو سنبھالنے کا اشارہ کیا۔ اور خود پستول لیے کاٹیج کے نکاسی کے دروازے کے پاس دیوار سے چپک کر کھڑی ہو گئی تاکہ اندر سے نکلنے والے کسی بھی شخص کو بے خبری میں دبوچ سکے۔

میں نے سلطان شاہ کی مدد سے بے ہوش شخص کو چبوترے سے نیچے تین فٹ اونچی چوکی کی اوٹ میں اتار لیا۔ سلطان شاہ نے ضروری تلاش کرنے کے ساتھ ہی بے ہوش قیدی کے اوور کوٹ کے نیچے موجود قمیص کے چیتھڑے کرنے شروع کر دیے۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر ہم اس کے ہاتھ پیر باندھ رہے تھے کہ کاٹیج کی طرف سے ایک نسوانی آواز ابھری اور ہم دونوں چبوترے کی اوٹ میں دبک گئے۔

اجنبی نسوانی آواز کا کوئی مفہوم ہمارے پلّے نہیں پڑ سکا۔ پھر وہ آواز یک بیک ہلکی سی چیخ میں تبدیل ہوئی۔ قریب ہی فرش پر وزنی چیز گرنے کی دھمک ہوئی اور ہم چبوترے کی اوٹ سے نکل ئے۔

کاٹیج کے عقبی دروازے کے قریب ویرا کے قدموں میں چالیس سالہ ایک فربہ عورت بے ہوش پڑی ہوئی تھی لیکن اس کے قریب کوئی ہتھیار نظر نہیں آ رہا تھا۔ غالباً اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ باہر کوئی سنگین صورت رونما ہو چکی تھی۔ ورنہ وہ اپنی رائفل لیے بغیر ہرگز باہر نہ آتی۔

اسے بے دست و پا کر کے ہم نے باری باری ان دونوں کو ان کے کمرے میں پہنچا دیا جو کاٹیج کی حدود میں الگ تھلگ بنا ہوا تھا۔ اس کمرے میں مسہری کے نیچے سے ایک رائفل اور کارتوسوں سے بھرا ہوا ڈبا بھی ملا جو ہم نے اپنی تحویل میں لے کر کمرہ بند کر دیا۔

کاٹیج اندر سے آراستہ اور زندگی کی ہر آسائش سے مزیّن تھا۔ ریفریجریٹر اور ڈیپ فریزر میں بیئر کے ڈبوں سمیت خورونوش کی اشیا بھری ہوئی تھیں۔ میں نے فریج میں سے بیئر کا ایک ٹھنڈا کین نکالا اور پھر ان دونوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس دوران میں سلطان شاہ ایک الماری سے پستول کی گولیاں نکال چکا تھا۔

چار میں سے دو خواب گاہوں کی الماریاں مردانہ، زنانہ اور بچگانہ ملبوسات سے آراستہ تھیں جن میں ہمارے ناپ کے کپڑے بھی موجود تھے۔ ہم تینوں نے پھرتی کے ساتھ غسل کر کے لباس تبدیل کیے اور جب ہم دوبارہ یکجا ہوئے تو ویرا وہاں موجود میک اپ کے سامان سے استفادہ کر کے اپنے خدوخال کو دوآتشہ بنا چکی تھی اور جینز میں ملبوس تھی۔

میں نے وہاں ان لوگوں سے باتیں کرتے کرتے بیئر کے دو کین خالی کیے تو موڈ بڑی حد تک بحال ہو چکا تھا۔ ویرا بھی اپنے خدشات کو خیرباد کہہ کر بل سارا ہاؤز پر مقدر آزمائی کے لیے تیار ہو چکی تھی، لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ رائفل اور پستول ہاتھ آ جانے کے باوجود ہمیں اس کاٹیج میں دور دور تک کوئی کار نظر نہیں آئی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہمیں اپنی مہم کے لیے سرخ ٹرائمف پر ہی انحصار کرنا پڑتا جو دشمنوں کی پہچانی ہوئی تھی۔

یہ اچھی بات تھی کہ اس کاٹیج میں نگہبانی پر مامور سفید فام جوڑے کے علاوہ کوئی متنفس موجود نہیں تھا، اس لیے ہم نے پوری آزادی کے ساتھ عقبی حصّے میں درختوں کے ایک ایسے کنج کا انتخاب کیا جہاں بل سارا ہاؤز میں تخلیق ہونے والی تینوں لاشیں کئی دن تک کسی مداخلت کے بغیر آرام کر سکتی تھیں۔ جب تک وقت گزرنے کے ساتھ ان لاشوں میں تعفن پیدا نہ ہوتا، کسی کی توجہ ان درختوں کی طرف مبذول ہونے کا امکان نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی کہ کوئی درندہ ان میں سے کسی لاش کا کوئی عضو چیر پھاڑ کر اس کے باقیات سرِعام چھوڑ کر دوسروں کو ادھر متوجہ کر دیتا۔

"ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔" کار کی ڈکی خالی کرانے کے بعد مرغیوں والے شیڈ کے کنارے لگے ہوئے نل پر ہاتھ دھوتے ہوئے سلطان شاہ نے کہا۔ "وہ خود سے اپنی بندشیں نہیں کھول سکیں گے، پتا نہیں ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ کب تک بھوکے پیاسے اسی کمرے میں پڑے رہیں۔"

"ان کی فکر نہ کرو، واپسی پر اگر وہ بے ہوش ملے تو ان کے ہاتھ آزاد

کرتے جائیں گے۔" ویرا بولی۔

"اور اگر ہمیں افراتفری کی حالت میں بھاگنا پڑ گیا؟"— سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"مجبوری ہوگی۔" وہ بے پروائی سے شانے اچکا کر بولی۔ "ہمیں اپنی نیت درست رکھنا چاہیے' اس کے آگے ہم بے بس ہوں گے۔"

"اس کاٹیج میں فون موجود ہے تو بل سارا ہاؤز میں بھی فون موجود ہوگا۔" میں نے ویرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔ اور ویرا کی آنکھیں کسی خیال کے تحت چمکنے لگیں۔

"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولی۔ "اس کاٹیج پر بلا شرکتِ غیرے ہمارا تصرف ہے۔ ہم خود بل سارا ہاؤز میں گھسنے کے بجائے اگر ڈان مریسانو کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر سکیں تو اس مورچے سے اس کے خلاف بھرپور کارروائی کر سکتے ہیں۔"

"مرسیڈیز رائفل کی صحیح زد میں آگئی تو بہت کچھ ہو سکتا ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم اس کا جمی لائیڈ کے نام سے ذکر کرنے سے پرہیز کیوں کر رہی ہو؟" بات کرتے کرتے میں نے چونک کر سوال کیا۔

"میرے لیے اس کا پہلا نام ڈان مریسانو ہی رہے گا۔" وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "اسے جمی لائیڈ کہتے ہوئے مجھے اپنے انا پر کچوکے لگتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔"

ہم نے گاڑی دوبارہ ایک آڑ میں کھڑی کر دی اور نئی تجویز پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے کاٹیج کی طرف چل دیے۔ ہم تینوں کے لیے وہ علاقہ اجنبی تھا' اس لیے ہمارے بل سارا ہاؤز میں گھسنے میں بہتیرے خطرات پوشیدہ تھے۔ اگر اندر کے حالات ہماری توقعات پر پورے نہ اترے تو ہم اس چوہے دان میں پھنس سکتے تھے۔ جب کہ اس مورچے سے لڑائی لڑنے میں ہمارے لیے اتنے زیادہ خطرات پوشیدہ نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ کمزور پڑنے پر ہمیں وہاں سے فرار کی راہ اختیار کرنا پڑ جاتی۔

اندر پہنچنے تک ہم ایک متفقہ لائحہ عمل طے کر چکے تھے۔

ویرا ٹیلی فون ڈائریکٹری میں بل سارا ہاؤز کا نمبر تلاش کرنے بیٹھی تو میں اپنے لیے اسکاچ کا ایک ڈبل پیگ بنانے کے لیے وائن کیبنٹ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ویرا نے مجھے وھسکی کے استعمال سے روکنا چاہا۔ اس کا خیال تھا کہ معدے میں بننے والی وہ کاک ٹیل اس نازک مرحلے پر میرے اعصاب پر اثر انداز ہو سکتی تھی' مگر میں اپنی استعداد سے پوری طرح آگاہ تھا' اس لیے اس کے مشورے کو اپنی مصروفیت پر اثر انداز نہیں ہونے دیا۔

ویرا دنیا کی بہت سی زبانوں کے ساتھ ہی اپنی آواز تبدیل کرنے پر بھی کامل عبور رکھتی تھی' اس نے نمبر ملا کر چند ثانیوں تک انتظار کیا' پھر بالکل ہی مختلف آواز میں فرنچ میں کسی سے مخاطب ہوگئی۔

ابتدا میں اس کے مکالموں کے درمیانی وقفے مختصر تھے۔ ایسا مح ہو رہا تھا جیسے مخاطب اس کی بات ماننے پر آمادہ نہ ہو رہا ہو اور یہ اسے قائل کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہی ہو۔ اس کے بشرے تناؤ کے آثار تھے اور آنکھوں سے تشویش ہویدا تھی لیکن جب اس نے طویل سکوت اختیار کیا تو وہ ہم دونوں کی طرف دیکھ کر معنی خیز اند میں مسکرائی تھی۔

ویرا کو لائن ہولڈ کرنے کے لیے کہہ کر اس کا مخاطب شاید آدمی کو بلانے گیا تھا۔ میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر آتشیں سیال کا ایک بڑا گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کر لیا۔ اس وقت میرے لیے ایک ایک لمحہ اعصاب شکن ثابت ہو رہا تھا اور ویرا کی طوالت اختیار کرتی ہوئی خاموشی مجھے خطرناک محسوس ہونے لگی تھی۔

خدا خدا کر کے ویرا نے پھر بولنا شروع کیا۔ اس کی گفتگو طویل اور خاموشی کے وقفے مختصر تھے۔ وہ سلسلہ کئی منٹ تک جاری رہا اور جب ویرا نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ موجود ہونے کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"جلدی نکلو۔" اس نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔ "اس نے پند منٹ میں روانہ ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔"

میں نے رائفل اور کارتوسوں کا ڈبا اٹھا لیا۔ ویرا اور سلطان شاہ نے اعشاریہ تین آٹھ کے پستول سنبھال کر گولیاں آپس میں بانٹ لیں۔

ویرا نے فون پر خود کو متوفی جان لی بگ کی گرل فرینڈ بتاتے ہوئے بل سارا ہاؤز کے چیف سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ فون اٹھانے والے نے سرد مہری کے ساتھ کسی جان لی بگ کو جانے سے انکار کیا تھا لیکن ویرا نے معاملے کی اہمیت اور سنگینی پر زور دیا تو وہ فون ہولڈ کرانے کے بعد چند ثانیوں کے لیے غائب ہوگیا۔

دوبارہ فون پر آواز ابھری تو وہ ویرا کے بیان کے مطابق جمی لائیڈ کی سرد، بھرائی ہوئی اور خواب ناک آواز تھی جسے وہ ہزاروں آوازوں کے شور میں الگ پہچان سکتی تھی۔ ویرا نے اسے بتایا کہ جان لی بگ اپنی مہم کے مضمرات سے بہ خوبی واقف تھا' اس لیے جانے سے پہلے اس نے ویرا کو اپنے اوپر نگاہ رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ کیونکہ وہ ایک خطرناک شکار کو گھیر کر بل سارا ہاؤز لے جا رہا تھا۔ ویرا نے اسے بتلائے بغیر اس کے ماتحتوں کو جمع کیا اور جان لی بگ کی کار کا تعاقب کرتے ہوئے اس موڑ تک پہنچ گئی جہاں سے سینٹ فرانسس کی راہ شروع ہو جاتی تھی۔

وہ وہیں ٹھہر گئی۔ اسے معلوم تھا کہ سینٹ فرانسس سے واپسی کے لیے جان لی بگ کو لامحالہ اسی مقام سے گزرنا پڑے گا۔ طویل انتظار کے بعد دوپہر کے قریب جان لی بگ کی کار واپ

ں تواسے ایک زخمی مرد چلا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور
ایک عورت بھی تھی۔ لہٰذا ان لوگوں نے سرخ ٹرائمف
ے علاوہ ایک
ک روک لیا۔ کار کی ڈکی میں تین لاشیں تھیں جن میں ایک
ن بگ تھا۔ ان تینوں نے اپنی بے گناہی کا شور مچایا لیکن
ک کے ماتحت ان تینوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ ویرا نے
پیش کی کہ اگر وہ قیدیوں میں دلچسپی رکھتا ہو تو ان کا سودا کیا
ہے بہ صورت دیگر قیدیوں کو تینوں لاشوں کے ساتھ پولیس
ل میں دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔

تمی لائیڈ نے کسی جوش یا ہیجان کا مظاہرہ کیے بغیر اسی سرد مہری
ساتھ طریقۂ کار دریافت کیا اور ویرا نے ملاقات کے لیے
ت اطمینان کے ساتھ جان لی بگ کے سوفینی گرد کے دفتر کا پتا بتا دیا۔
ئیڈ نے سودے بازی کے لیے چند منٹ بعد روانہ ہونے کا ارادہ
ر کے فون بند کر دیا۔

ویرا سے گفتگو کی وہ تفصیلات سنتے ہوئے ہم کاٹیج کی حدود
نکلے تو اندازہ ہوا کہ وہاں مورچا جمانے کی صورت میں گھومی
سڑک ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتی جبکہ سڑک پار کر کے
ے کھیتوں میں چھپنے کے بعد ہم سڑک پر دور تک نگاہ رکھ سکتے
اس وقت سڑک دور تک ویران پڑی ہوئی تھی اس لیے
طمینان سے چلتے ہوئے اس پار کے کھیتوں میں داخل ہو گئے۔

ان کھیتوں میں پچھلے دس بارہ گھنٹوں میں پانی چھوڑا گیا تھا کیونکہ
ں کی جڑوں میں نرم مٹی نے دلدل کی شکل اختیار کی ہوئی تھی۔
دلدلی مٹی سے بچتے بچاتے ہوئے آخر کار ہم نے ایک ایسا خشک
حفوظ قطعہ تلاش کر ہی لیا جہاں نالیوں میں رکاوٹ کی وجہ سے
ا پانی نہیں پہنچ سکا تھا۔

"تم اتنی آسانی کے ساتھ خود کو کسی بھی اجنبی مرد کی داشتہ قرار
ے دیتی ہو تو تمھیں شرم نہیں آتی؟" وہاں ٹک جانے کے چند
وں بعد سلطان شاہ نے ویرا سے پوچھا۔

"تم بھول رہے ہو کہ میری رگوں میں کسی غیور پٹھان کا نہیں بلکہ
لائیڈ کا خون دوڑ رہا ہے۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "جان لی بگ
بارے میں میں نے صرف زبانی بات کی تھی۔ شی میں رہتے ہوئے
ضرورت کے وقت اپنا سب کچھ داؤ پر لگانا پڑ جاتا ہے۔ سب
ہو کر مقصد حاصل کرنے والے ہی شی میں سرخرو رہتے ہیں۔"

وہ ویرا نہیں بلکہ ڈان مرسیانو کی تربیت بول رہی تھی۔ شاید
ا کا طریقۂ کار وہی رہا ہو لیکن ویرا کے ذہن سے ڈان مرسیانو نے
ی طور پر ایسا ہر احساس کھرچ کر پھینک دیا تھا جو ویرا کو کسی بھی
ت اس کا عورت ہونا یاد دلا سکے۔ مجھے خوشی تھی کہ اب ویرا نے
ا پر جال ڈالا تھا اور وہ اپنی بلٹ پروف گاڑی میں کسی
بھی لمحے ہمارے نشانے پر آ سکتا تھا۔

وقت دھیمے دھیمے گزر رہا تھا۔ ہم تینوں ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن تینوں خاموش اور اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ جب دس منٹ گزرنے کے بعد بھی مرسیڈیز کے آثار نظر نہ آئے تو مجھے تشویش ہونے لگی۔ اگر جمی لائیڈ کو اپنے خلاف کسی سازش کی بھنک مل گئی تھی تو وہ سکوت کسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا تھا۔

"بل سارا ہاؤز میں کتنے فون موجود ہیں؟" آخر میں نے مضطربانہ لہجے میں ویرا سے پوچھ ہی لیا۔

"ڈائریکٹری میں تین نمبر موجود تھے۔" اس کے جواب نے میرے ذہن میں ابھرنے والے بدترین خدشات کی تائید کر دی۔ "لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"شاید ہم غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں۔ جمی لائیڈ جیسے شاطر اور چالاک شخص کو آسانی سے بیوقوف بنانا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت ہم ایک ایسے آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھے ہوئے ہیں جو کسی بھی لمحے پھٹ سکتا ہے۔"

"پہیلیاں بجھوانے کے بجائے کھل کر بات کرو۔" میرے انداز پر وہ کچھ خوف زدہ سی ہو گئی۔ میری گفتگو سے اس کے ذہن میں امکانات تو واضح ہو گئے تھے لیکن میری زبان سے ان کی تصدیق کرانا چاہتی تھی۔

"لائن ہولڈ کرنے کے بجائے تم فون کا سلسلہ منقطع کر کے چند منٹ بعد دوبارہ فون کر لیتیں تو زیادہ بہتر رہتا۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ تمھیں الجھا کر انھوں نے اس وقفے میں دوسرے فون پر ٹیلی فون ایکسچینج سے رابطہ قائم کر کے یہ معلوم نہ کر لیا ہو کہ تم کس نمبر اور پتے سے فون کر رہی تھیں؟ ایسا ہوا تو وہ ہرگز باہر نہیں نکلے گا۔"

ویرا کا رنگ اڑ گیا اور وہ ندامت آمیز لہجے میں بولی "تم اس وقت بھی مجھے فون بند کرنے کی ہدایت دے سکتے تھے، مگر تمھارے سر پر تو اسکاچ سوار تھی جو شاید مارسلیز میں نایاب ہو گئی ہے۔"

"اس وقت مجھے کوئی شبہ نہیں تھا۔ ڈائریکٹری تم نے دیکھی تھی، مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ بل سارا ہاؤز میں کتنے فون نصب ہیں۔ یہ شبہ تو جمی لائیڈ کی آمد میں تاخیر کی وجہ سے سر ابھار رہا ہے۔ خدا کرے کہ میرا یہ قیاس بے بنیاد ہو۔"

"یہ سکوت اور غیر فطری سناٹا اسی وجہ سے ہے۔" وہ اضطراری لہجے میں بولی۔ "وہ کوئی کار یا موٹر سائیکل استعمال کیے بغیر پیدل ہی اس کاٹیج کو گھیرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اب تک وہ کھیتوں کی سمت سے اندر داخل ہو کر سرخ کار اور دونوں بے ہوش قیدیوں کو دریافت کر چکے ہیں۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم کاٹیج میں نہیں ہیں۔" سلطان شاہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "ہمیں نہ پا کر وہ بھی بوکھلا گئے ہوں گے اور

ہماری روپوشی کو کوئی چال سمجھ رہے ہوں گے۔"

" واقعی۔ اگر ہم سڑک کی گولائی کی وجہ سے اس طرف نہ آ گئے ہوتے تو اب تک انھوں نے عقب سے ہمیں چھاپ لیا ہوتا۔" ویرا جھرجھری لے کر بولی۔ " اس وقت ایک اتفاق نے ہمیں موت کے چنگل سے بچایا ہے۔"

" اس وقت کوئی اور نہیں بلکہ شی کا سربراہ بہ نفسِ نفیس ہمارے مقابلے پر ہے۔ جب تک ہم اس بھیانک صورتِ حال سے نکل نہ جائیں، اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے۔" میری تشویش لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ ہم نے اپنی کمین گاہ کے لیے جن کھیتوں کا انتخاب کیا تھا، ان میں، اس مختصر سے قطعۂ زمین کو چھوڑ کر، ہر طرف پانی بھرا ہوا تھا۔ اس دلدلی مٹی میں فرار کی کوشش ہمیں ہر اعتبار سے مہنگی پڑ سکتی تھی۔ دوسری طرف کھیتوں سے باہر نکلنا بھی ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ ہمیں کچھ علم نہیں تھا کہ اس دوران میں ان کے آدمی کہاں کہاں مورچے سنبھال چکے تھے اور ہم کس سمت سے ان کے نشانے کی زد میں آ سکتے تھے۔

ہم تینوں وہاں بیٹھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھیتوں سے باہر چاروں طرف کا جائزہ لے رہے تھے، لیکن وہاں دور دور تک انسان تو کیا، کسی بھی ذی روح کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فضا میں، آنے والے خونی لمحات کی بو محسوس کر کے سارے ہی چرند پرند وہاں سے کسی محفوظ ٹھکانے کی طرف کوچ کر گئے ہوں۔

انتظار اور سنسنی میں لمحات رینگ رینگ کر سرک رہے تھے۔ کہیں سے کوئی پیش رفت نہیں ہو رہی تھی، حالات جہاں تھے، وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، لیکن بے یقینی اور اعصابی تناؤ کے اس مہیب تسلسل نے میری یہ حالت کر دی تھی کہ دل حلق میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اور کنپٹیاں بری طرح چٹخنے لگی تھیں۔

" وہ دیکھو!" اچانک ویرا نے میرا شانہ جھنجوڑ کر ہذیانی انداز میں سرگوشی کی۔ میں نے جھٹکے ہوئے انداز میں، اس کے اشارے پر سڑک کے پار دیکھا تو کاٹیج کے برآمدے میں ایک دبلا پتلا دراز قامت شخص نظر آیا جس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی اور وہ بہت محتاط انداز میں پیش قدمی کر رہا تھا۔

" سوچ کیا رہے ہو، فائر کرو۔" ویرا کی سرگوشیانہ آواز میں بے یقینی کا کرب نمایاں تھا۔

میں نے رائفل شانے سے ٹکا کر جوں ہی نال سیدھی کی، سلطان شاہ نے ہاتھ مار کر نال نیچے گرا دی۔ " اپنے ذہن پر قابو رکھو۔ ویرا کا تو جمی لائیڈ کی دہشت سے دماغ چل گیا ہے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ وہ کس قدر بھونڈے اور غیر محفوظ انداز میں اچانک نمودار ہوا ہے۔ تمھارا پہلا ہی فائر اسے خون میں نہلا دے گا۔"

اس اعصاب شکن ماحول میں سب ہی اضطراری کیفیت وجہ سے آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ لہٰذا میں اسے گھور کر رہ گیا میں نے جیسے ہی دوبارہ نال سیدھی کرنے کا ارادہ کیا، وہ دوبارہ بو " میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ہماری کمین گاہ کا سراغ لگانے کے لیے اسے قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے۔ اس کے گولی لگتے ہی سب یلغار کر دیں گے۔"

اس کی بات قابلِ فہم تھی۔ ہماری عافیت اسی میں تھی سے وہاں دبکے تماشا دیکھتے رہیں۔ جمی لائیڈ کو دیکھے بغیر اس کے کارندے پر گولی چلانا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا برآمدے میں نمودار ہونے والا شخص ایک ڈیڑھ منٹ بعد درختوں کی اوٹ میں ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

" اس وحشی نے اب میرا نام لیا تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر کے منہ پر تھپڑ مار دوں گی۔" ویرا نے غراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

" معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ دیر اور یہی کیفیت رہی تو تم دونوں کو بھول کر ایک دوسرے کو چیر پھاڑ ڈالنے پر تل جاؤ گے۔" میں ملامت آمیز غصیلے لہجے میں کہا اور اپنی توجہ دوبارہ سڑک پر مرکوز

بہ مشکل چند ثانیے گزرے ہوں گے کہ فضا میں ایک ہلکی سی گونج سنائی دی اور میرے بدن کے عضلات میں سختی پیدا ہو گئی۔ وہ یقیناً یا اس جیسی کسی دوسری بیش قیمت کار کے انجن کا دھیما شور تھا جو ہوا کے دوش پر سنائی دے رہا تھا۔ کار ہماری نظروں سے دور تھی لیکن میں پہلے فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ مرسیڈیز بلٹ پروف تھی، مکمل آرمرڈ کار نہیں تھی، اس لیے اس کا صرف کیبن گولیوں سے محفوظ ہو سکتا تھا لیکن انجن اور دوسرے حصے عام گاڑیوں کی طرح ہونا چاہیے تھے اس لیے سامنے سے نمودار ہونے والی کار کے ریڈی ایٹر پر اگر رائفل سے فائر کیا جاتا تو اس کا انجن بری طرح تباہ کر کے مرسیڈیز کو رکوا جا سکتا تھا۔

سڑک کے وسط میں رکی ہوئی بلٹ پروف کار میں محصور جمی لائیڈ کا تصور میرے لیے بہت دل خوش کن تھا۔

" شاید وہ آ رہا ہے۔" ویرا نے سرگوشی کی۔

" انجن کی دھیمی اور طاقتور گونج میں بھی سن رہا ہوں۔ رائفل میرے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے اس پر فائر میں ہی کروں گا۔ تم لوگ جوش میں آ کر کوئی حماقت نہیں کرو گے۔" میں نے بل سارا ہا طرف سے آنے والی سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

خدا خدا کر کے وہ صبر آزما انتظار ختم ہوا اور سڑک کے موڑ پر چمکتی ہوئی کالی مرسیڈیز نظر آ ہی گئی۔ اس کی رفتار خلاف توقع بہت سست تھی۔ میں نے رائفل سیدھی کی۔ ریڈی ایٹر کے علاوہ نے ٹائروں کے بارے میں بھی سوچا، لیکن وہ خیال ذہن سے نکا

ہو گیا کیونکہ جمی لائیڈ جیسے باحیثیت شخص کے لیے اپنی بلٹ پروف کار میں اسٹیل رب والے ٹھوس ٹائر استعمال کرنا بعید از قیاس نہیں تھا۔ اس قسم کے ٹائروں پر گولیاں اثر انداز نہیں ہو سکتی تھیں۔

مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہم آخر کار جمی لائیڈ کو اپنے نشانے پر لانے میں کامیاب ہو گئے تھے، مگر معاً مجھے وہ دُبلا پتلا دراز قامت شخص یاد آیا جو سامنے والے کاٹیج میں نمودار ہوا تھا۔ اس کی بہ حفاظت روپوشی کے بعد ہی مرسیڈیز کے انجن کی آواز سنائی دی تھی جس کا مفہوم خاصا معنی خیز تھا۔

اس دراز قامت رائفل بردار کو دیکھنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ جمی لائیڈ نے ویرا کی فون کال کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کا سراغ لگا کر وہاں تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ جان لی بگ کی سُرخ ٹرائمف کار اور وہاں موجود قیدیوں نے اس کاٹیج میں ہماری موجودگی کی تصدیق کر دی تھی، لیکن وہ ہمیں تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

ایسی صورت میں جمی لائیڈ جیسا زیرک آدمی دو ہی نتائج اخذ کر سکتا تھا۔ اگر کاٹیج کا محافظ اپنی بیوی سمیت بدستور بے ہوش تھا تو اسے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ ٹرائمف چھوڑ کر ہم وہاں موجود کوئی دوسری کار لے بھاگے ہوں اور دوسرا امکان یہ ہوتا کہ ہم وہیں کہیں روپوش تھے۔

وہ بے اندازہ وسائل اور دولت کا مالک تھا۔ اگر چاہتا تو ہماری تلاش میں میلوں کے رقبے میں فصلوں کو تہس نہس کر کے ان زمینوں کے مالکان کو معقول معاوضہ ادا کر سکتا تھا لیکن ایسے کسی انتہا پسندانہ اقدام سے قبل وہ مکارانہ حربوں کے ذریعے ہماری کمین گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اپنے آدمیوں کی ناکامی کے بعد وہ قربانی کے ایک بکرے کو سامنے لایا تھا کہ شاید ہم دشمن کو سامنے دیکھتے ہی اس پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کریں گے۔ بل سارا ہاؤز پہنچتے ہی اسے علم ہو گیا ہو گا کہ اس نے راستے میں جس سُرخ کار کو کراس کیا اس میں اس کے دشمن سوار تھے، پھر سامنے والے کاٹیج میں موجود خالی کار نے ہماری واپسی کی نشاندہی کر دی تھی۔ اس صورتِ حال میں ویرا کی فون کال اس امر کی غماز تھی کہ ہمارے عزائم خطرناک تھے ہم نے سیاہ کار یا جمی لائیڈ کو شناخت کر لیا تھا اور اس سے اُلجھ بیٹھنے پر تُل گئے تھے۔

جب ہم نے دراز قامت رائفل بردار سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی تو وہ اطلاع ملتے ہی جمی لائیڈ آخری حربہ بھی آزمانے کا اہل تھا۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ ہم اس کے آدمیوں کو نظر انداز کر کے صرف اس کے منتظر تھے اس لیے اس نے خود سوار ہوئے بغیر اپنی کار ادھر روانہ کر دی۔ وہ اس کا بہت بڑا نفسیاتی حربہ ہو سکتا تھا۔ ہم کالی مرسڈیز کو دیکھتے ہی اس پر فائرنگ شروع کر دیتے اور پھر ہمارا گھیراؤ شروع ہو جاتا۔

بل سارا ہاؤز کی طرف آتے ہوئے مرسڈیز کی جو رفتار تھی اس کے پیشِ نظر اس کی واپسی میں لمبی تاخیر اور پھر اس کی سُست رفتاری کسی گڑبڑ کی نشاندہی کر رہی تھی۔ اس روز جمی لائیڈ ہم پر جال ڈالنے کے لیے اپنے سارے حربے آزمانے پر تُل گیا تھا۔ وہ خود کہاں تھا، یہ ہمیں معلوم نہیں تھا۔ کار میں اس کی موجودگی کا یقین کیے بغیر محض سیاہ مرسڈیز دیکھ کر مشتعل ہو جانا ہمارے حق میں مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ اگر جمی لائیڈ بذاتِ خود اس گاڑی میں سوار نہیں تھا تو ہمیں اس سے کوئی تعرض نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کی ہر چال کامیابی کے ساتھ اس پر لوٹا کر ہی ہم اسے کسی مہلک اور سنگین غلطی پر مجبور کر سکتے تھے۔

اس وقت میرے تمام حواس پوری صلاحیت کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ ذہن لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے تیزی کے ساتھ فیصلے کر رہا تھا اور نگاہیں بتدریج قریب آتی ہوئی مرسڈیز پر مرکوز تھیں۔

پھر اچانک مرسڈیز کی سن روف والی کھڑکی شاید کھولی گئی اور اس میں سے ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کا صرف اوپری دھڑ چھت سے اوپر نظر آ رہا تھا۔ اس کے گلے میں ایک دوربین جھول رہی تھی۔ شاید وہ اگلے پائیدان پر کھڑا ہو کر دوربین سے گرد و پیش کا جائزہ لینا چاہ رہا تھا۔

میں اسے پہچان کر حیران رہ گیا کیونکہ وہ برونو اشمٹ تھا۔ اس کے چہرے پر خوف اور بدحواسی کے آثار دور ہی سے دیکھے جا سکتے تھے۔ اس خنک اور ابر آلود موسم میں اس کا چہرہ کھلی فضا میں نمودار ہوتے ہی پسینے میں نہا گیا تھا۔ شاید اسے بھی احساس تھا کہ اس کی وہ حرکت خودکشی کی کوشش سے کم نہیں تھی، وہ مکمل طور پر ہمارے رحم و کرم اور نشانے پر تھا۔ جمی لائیڈ سفاک اور مکار ہونے کے ساتھ بلا کا ستم ظریف بھی تھا۔ اس نے برونو اشمٹ کو غفلت کے جرم میں خود موت کے گھاٹ اتارنے کے بجائے اسے سزا کے طور پر مرسڈیز میں سجا کر موت کے آہنی جبڑوں میں دھکیل دیا تھا مگر بات پھر وہیں آ گئی تھی کہ ہمیں جمی لائیڈ کے ٹھکانے کا کوئی علم نہیں تھا۔ ہم برونو کو جوں ہی نشانہ بناتے، جمی لائیڈ کے نمک خوار اپنی ساری توجہ ہماری کمین گاہ پر مرکوز کر دیتے۔

”لیٹ جاؤ! سینے کے بل لیٹ جاؤ، پودے نہ ہلنے پائیں۔“ میں نے بہت دھیمی مگر تیز آواز میں ان دونوں کو ہدایت دی جس پر فوری طور پر عمل کیا گیا۔ اس وقت تک میرے سارے اندازے حرف بہ حرف درست ثابت ہوتے آ رہے تھے اس لیے اب ان میں سے کسی نے زبان کھولنے کی جرأت نہیں کی تھی۔

برونو اشمٹ دوربین لگا کر غور سے سڑک کے دونوں اطراف میں دور تک کا جائزہ لے رہا تھا۔ مرسڈیز کی رفتار کچھ اور کم ہو گئی

تھی۔ جب وہ ہمارے سامنے سے گزری تو میرے خدشات کی تصدیق ہوگئی۔ اس گاڑی میں باوردی ڈرائیور اور برونو اشمٹ کے علاوہ کسی تیسرے فرد کا نام و نشان نہیں تھا۔ شاید جمی لائیڈ بل سارا ہاؤز میں ہی گھسا ہوا تھا اور اپنی ذات کو ہمارا ہدف سمجھتے ہوئے باہر آنے سے گریز کر رہا تھا لیکن میں اس وقت تک اس کا پورا کھیل سمجھ چکا تھا اور اس کے لگائے ہوئے کسی چارے کو کسی بھی قیمت پر نگلنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

مرسڈیز کا ریڈی ایٹر اور انجن کے پہلو پر ہماری طرف والا اگلا فینڈر میرے بہترین نشانے پر آ کر میری زد سے نکل گیا لیکن میں نے کوئی جنبش نہیں کی۔ کاٹیج سے کچھ دور جا کر کار ٹھہر گئی اور فضا میں میگا فون پر برونو اشمٹ کی بھرائی ہوئی آواز گونجنے لگی۔

”اس علاقے میں تم لوگوں کی موجودگی کا سراغ مل گیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم ان ہی اطراف میں کھیتوں میں روپوش ہو۔ تم کو وارننگ دی جا رہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ باہر آ کر ہتھیار ڈال دو۔ تم پر کوئی تشدد نہیں کیا جائے گا۔“ وہ رک رک کر انگریزی میں بول رہا تھا۔ ”ہم صرف پانچ منٹ انتظار کریں گے اس کے بعد یہ پورا علاقہ جہنم میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ تم کو اس پوری زرعی اسٹیٹ پر کہیں امان نہیں مل سکے گی.. صرف پانچ منٹ، پھر ہم اپنی مرحلہ وار کارروائی کا آغاز کر دیں گے۔“

فضا میں سکوت چھا گیا۔ مرسڈیز گھوم کر واپس لوٹی اور کاٹیج سے ذرا پہلے ایسی پوزیشن میں رک گئی کہ سڑک پر وہ ہم سے تقریباً پچاس فٹ پیچھے تھی لیکن ہم اسے بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

میری اور ویرا کی نگاہیں چار ہوئیں اور وہ ہذیانی انداز میں بول پڑی۔ ”ہرگز نہیں، یہ ان کی چال ہے، ہم اس پھندے میں آ گئے تو سمجھ لو کہ یہ ہماری زندگی کا آخری دن ثابت ہوگا۔“

”ہتھیار ڈالنے سے بہتر یہ ہوگا کہ ہم لڑتے ہوئے مر جائیں۔“ ویرا کی سرگوشی کے جواب میں سلطان شاہ کی دھیمی آواز ابھری جس میں خوف یا تشویش کا شائبہ تک نہیں تھا۔

”ان دو کے سوا کوئی تیسری صورت ناممکنات میں سے ہے۔“ ویرا اضطراری لہجے میں بولی۔ ”ہم خود سے موت کے دہانے میں داخل ہوئے ہیں۔ وہ ہمیں پکڑنے یا ہماری لاشیں حاصل کرنے تک یہاں سے نہیں ہلیں گے اور اب ہمارے فرار کی ساری راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ کاش! میں نے ڈان مرسیانو کو نہ دیکھا ہوتا۔“

آرزو ہمیشہ ناممکنات کی ہی کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ ویرا نے ہی جمی لائیڈ کو پہچانا تھا اور ہم ایک کمزور مورچے میں زیادہ دیر تک ان سے اپنا دفاع نہیں کر سکتے تھے لیکن ذہنی طور پر میں نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ اپنی بے بسی کو تسلیم کرنے کا مطلب صرف اور صرف بھیانک انجام ہوتا جب کہ میں تیزی سے کوئی ایسی راہ سوچنے میں مصروف تھا کہ جمی لائیڈ اپنی ناقابلِ شکست برتری کے باوجود ایک بار پھر اپنے زخم چاٹتا رہ جائے۔

برونو اشمٹ نے پانچ منٹ کی مہلت کا اعلان کر کے مجھے سوچنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

صورتِ حال سخت مایوس کن تھی۔ ان کی نظروں میں آئے اور ان سے مقابلہ کیے بغیر، فرار تو درکنار، ہمیں اپنی جگہ بدلنا بھی دشوار نظر آ رہی تھی۔ برونو کو ضرور قربانی کا بکرا بنا کر بھیج دیا گیا تھا لیکن بقیہ افراد ان ہی اطراف میں نامعلوم ٹھکانوں پر ہماری گھات لگائے بیٹھے تھے۔

پھر میرا ذہن ان کی نفری کی طرف مبذول ہو گیا۔ جمی لائیڈ کی وہاں موجودگی کی وجہ سے ان کا جماؤ بہت ہولناک صورت اختیار کر گیا تھا لیکن عملاً ہمارے مقابلے میں نفری وہی تھی جو بل سارا ہاؤز سے فرار کے وقت ہماری راہ میں مزاحم ہو سکتی تھی۔

وہاں کُل سات نفوس میں سے دو مسلح محافظوں کو ویرا نے فرار سے قبل ایکسپلوڈر کا نشانہ بنا دیا تھا۔ اس طرح بل سارا ہاؤز میں برونو سمیت کُل پانچ نفوس رہ گئے تھے۔ ان میں جمی لائیڈ اور اس کے ڈرائیور کی شمولیت کے بعد ان کی تعداد دوبارہ سات ہو گئی تھی۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ تشویش ناک نہیں تھی، مسئلہ صرف یہ تھا کہ انھیں ہمارے خلاف اسلحہ کی برتری حاصل تھی، وہ کئی سمتوں میں پھیلے ہوئے تھے اور انھیں حسبِ مرضی نقل و حرکت کی آزادی حاصل تھی جب کہ ہم تینوں اپنے قلیل اسلحہ کے ساتھ بدقسمتی سے ایک ہی جگہ محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اگر ہم کسی طرح ان پر عارضی برتری حاصل کر کے اس کھیت سے نکلنے میں کامیاب ہو بھی جاتے تو پیدل وہاں سے فرار ہونا ناممکن تھا۔ وہ تھوڑی ہی دور پر ہمیں دوبارہ گھیر لیتے۔

اچانک میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور میری رگ و پے میں سنسنی کی ایک لہر سرایت کر گئی۔

اس وقت تک جمی لائیڈ کا نظر نہ آنا میرے لیے تشویش کا باعث بنا ہوا تھا لیکن اس لمحے مجھے اس کی غیر موجودگی میں اپنی فلاح کا ایک نادر موقع سوجھ گیا۔ شی میں صرف جمی لائیڈ کو ہی علم تھا کہ میرے پاس چرائی ہوئی سلور آئی موجود تھی۔ شی کے اس عظیم اور مقدس شناختی نشان کی توقیر برقرار رکھنے کے لیے جمی لائیڈ نے وہ خبر اپنی ذات تک محدود رکھی ہوئی تھی یا شاید اس کے اعتماد کے مزید دو چار افراد کے علم میں ہو مگر یہ بات یقینی تھی کہ برونو اشمٹ اور اس کے درجے کے دوسرے لوگ اس خبر سے لاعلم تھے۔

جمی لائیڈ شی کا مطلق العنان سربراہ تھا لیکن یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ویرا کے بارے میں برونو اشمٹ کو بے پروائی کا مرتکب

ردہ برونو کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا۔ اس کی لغت میں معافی کا ے موجود نہیں تھا۔ اس نے برونو کو مرسڈیز سے جس یں بھیجا تھا اس کی بنا پر برونو کو بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ موت ت پر اس کا مقدر بن چکی ہے۔ وہ فیصلہ کرنے والی ذات جمی لائیڈ جس کی طرف سے تمام تر خوف کے باوجود برونو کے دل میں نفرت ہونا فطری امر تھا۔

ہمارے بل سارا ہاؤز سے فرار میں ملوث ہر فریق کو یہ اندازہ اس کارروائی میں برونواشمٹ اور اس کے آدمیوں کی غفلت یادہ ہماری مکاری اور چالبازی کا دخل تھا۔ شاید برونواشمٹ لائیڈ کے سامنے اپنی مدافعت میں وہ دلائل پیش کرنے کی کوشش یقین جمی لائیڈ صرف نتائج پرکھنے کا عادی تھا۔ اسے اس بات رض نہیں ہوتی تھی کہ مقصد حاصل کرنے کے لیے دشمن کا خون ڑایا خود اس کے دو چار آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ رف اور صرف مقاصد کا حصول ہی سب سے اہم ہوتا تھا۔ حاظ سے برونواشمٹ ویرا کو قید کر لینے کے باوجود اسے اپنی ں میں رکھنے میں ناکام رہا تھا اور جمی لائیڈ کے نزدیک اس کا وہ ناقابلِ معافی تھا۔

اس معاملے میں برونواشمٹ کی سوچ کھلی کتاب کی طرح میرے نے تھی۔ شاید وہ جمی لائیڈ کی ہیبت کے سامنے دم نہ مار سکا ہو لیکن نے یہ ضرور سوچا ہوگا کہ ویرا کو اس نے اپنی ذاتی کوششوں اور سے پکڑ کر ایک کامیابی حاصل کی تھی۔ اگر اس کی تمام تر کوششوں باوجود ویرا فرار ہو گئی تو محض اس کی کامیابی خاک میں ملی تھی۔ اس ولی جرم سرزد نہیں ہوا تھا جس پر جمی لائیڈ اس کے خلاف کوئی سے لک فیصلہ صادر کرتا۔

دوسری اہم بات یہ تھی کہ بل سارا ہاؤز والی پوری مہم میں برونواشمٹ اری توجہ ویرا کی ذات پر مرکوز رہی تھی۔ مجھے وہ اس کا کوئی جاں نثار ار توہین آمیز انداز میں نظر انداز کرتا رہا تھا۔ نہ اس نے مجھے ڈینی یت میں پہچانا اور نہ ہی مجھے اس پر اپنی اہمیت ظاہر کرنے کی ضرورت ئی تھی۔ اس لیے مجھے یقین تھا کہ اس وقت میں سلو آئی استعمال ے برونواشمٹ کو آسانی کے ساتھ اپنا حلیف بنا سکتا تھا۔ اس بارے ے ذہن میں کچھ شبہات سر ابھارتے تو جمی لائیڈ کے خلاف اور نفرت کے جذبات ان کی نفی کر سکتے تھے۔

پانچ منٹ آہستہ آہستہ گزر گئے۔

پھر اچانک میں نے مرسڈیز کی باڈی کے نچلے حصے میں ایک نی دہانہ نمودار ہوتے دیکھا اور اگلے ہی لمحے فضا مشین گن کی مسلسل تڑتڑاہٹ سے لرز اٹھی۔ کار میں نصب وہ خفیہ اور خودکار عمودی اور افقی دونوں سمتوں میں زاویے بدل کر فائر کر رہی تھی۔

کچھ گولیاں ہم سے چند فٹ اوپر سے بھی گزریں اور پھر یکلخت سناٹا چھا گیا۔

"پانچ منٹ پورے ہو چکے ہیں..." میگافون پر برونواشمٹ کی آواز نے سکوت توڑا۔

"ٹھہرو!" اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی میں پوری قوت کے ساتھ چیخ اٹھا۔ "میں آ رہا ہوں۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" ویرا میرا ہاتھ کھینچتے ہوئے روہانسی آواز میں بولی۔ "وہ تمہیں بھون ڈالیں گے۔"

"اب خاموشی سے تماشا دیکھتی جاؤ۔" میں نے رائفل اس کے حوالے کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "مرنا ہی ہے تو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر موت کا انتظار کرنے کے بجائے کچھ کر گزرنے کی کوشش کیوں نہ کروں؟"

ان فیصلہ کن لمحات میں سلطان شاہ ایک لفظ نہ بولا۔ وہ ترحم آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس نے بحث کے بجائے مجھے اپنی صوابدید پر عمل کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وقت نہیں تھا کہ میں ویرا کو پوری جزئیات سے آگاہ کرتا۔ اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے میں بس اتنا کہہ سکا۔ "وہ مجھے مار دیں یا پکڑ لیں تو تمہیں اپنے فیصلوں کا اختیار ہوگا۔ بس ذرا سلطان شاہ کا خیال رکھنا۔"

اس وقت میرے دل و دماغ کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔

معاشرے کے جراح مقبول ترین مصنف **محی الدین نواب** کی پہلی طویل معاشرتی ناول

اُن لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو پاکیزگی کے بارے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں۔ ہماری اپنی داستان۔ ہم جو ہر پل، ہر لمحہ سوتے جاگتے صرف آدھا چہرہ ہی دکھاتے ہیں۔ ہر چہرہ اپنے کریہہ جذبات پر خوب صورت چہرے کی نقاب چڑھا لیتے ہیں لیکن چہرے جب خود بولتے ہیں تو خوب بولتے ہیں۔ اُن کی آواز کو کوئی نہیں روک سکتا اور پھر محی الدین نواب کا حساس دل جو کچھ محسوس کرتا ہے اور چشم بینا جو کچھ دیکھتی ہے وہ صفحہ قرطاس پر

آدھا چہرہ کے روپ میں بکھر جاتا ہے۔

○ صفحات ۲۹۸ ○ پائیدار جلد ○ خوب صورت گرد پوش ○ قیمت ۲۵۰ روپے [illegible]

محی الدین نواب کے افسانوں کے دو اور مجموعے **ایمان کا سفر** ۱۵۰ اور **کچھ اکھر** ۱۰۰ بھی دستیاب ہیں۔

ایجنٹ حضرات جلد از جلد رابطہ قائم کریں

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس نمبر ۲۳ کراچی نمبر ۱

ذہن میں ہولناک آندھیاں چل رہی تھیں۔ میرے اندازے اپنی جگہ تھے لیکن بردنو اس وقت خود ایک شکستہ انسان تھا۔ اس کا ردِعمل کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ مجھے اپنی بدنصیبی کا ذمّے دار سمجھ کر وہ جنون کے عالم میں مجھ پر گولیوں کی باڑھ مار سکتا تھا کیونکہ جب تک میں اس کے قریب پہنچ کر اسے سلور آئی نہ دکھاتا' وہ مجھے ویرا کا کوئی وفادار ملازم ہی تصوّر کرتا رہتا۔ وہ فاصلہ میرے لیے فیصلہ کن تھا۔

ایک جھٹکے سے ویرا سے ہاتھ چھڑا کر میں نے اپنی جیب سے سلور آئی نکالی اور وہیں سے چلاتا ہوا' دونوں ہاتھ بلند کیے' کھیت سے باہر آگیا "گنیں پھینک دو' میں بھی غیر مسلح ہوں اور تمھارا آئی مین ہوں' میری شناخت میرے پاس موجود ہے' اب بھی تم میرے خلاف صف آرا رہے تو پورا سینٹ فرانسس جہنم بن جائے گا!"

اس وقت میرے پیٹ میں شدید اینٹھن ہو رہی تھی۔ پشت کے اعصاب میں درد کی لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔ بے یقینی کے عالم میں میں کھیتوں سے کئی قدم باہر نکل آیا تو مرسڈیز کی کھلی ہوئی سن روف میں بردنو اشمٹ نمودار ہوا۔ وہ حیرت کے ساتھ میری طرف نگراں تھا۔ اس کے سوا کہیں سے کوئی اور متنفّس سامنے نہیں آیا تو رفتہ رفتہ میری اعصابی حالت اعتدال پر آگئی۔

بردنو بدستور سن روف میں کھڑا رہا۔ وہ جن حالات سے دوچار تھا ان کی دہشت اس کی آنکھوں میں جم کر رہ گئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ آخر کار اسے جمی لائیڈ کے ہاتھوں مرنا تھا لیکن مرتے مرتے بھی وہ اپنے قاتل کے لیے کام کرنے پر مجبور تھا۔

میں نے مرسڈیز کے قریب پہنچ کر سلور آئی بردنو اشمٹ کی طرف بڑھا دی۔ وہ طلسمی سکّہ دیکھتے ہی جذباتی تغیّر سے بردنو کا چہرہ بگڑ گیا۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کار میں گھس کر دروازے کی راہ سے نیچے آگیا اور میرے سامنے سر جھکا کر کانپتی ہوئی آواز میں بولا "یہ کیا ہوگیا۔ میرے خدا! یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیسی غلط فہمیاں ہیں جنھوں نے اپنوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کیا ہوا ہے۔ تم مقدّس آئی مین ضرور ہو مگر میں سپر آئی مین کے احکام پر عمل کر رہا ہوں۔ جمی لائیڈ سر سے پیر تک اپنے روایتی سیاہ لبادے میں ملبوس ہل سلاہاؤ میں اپنے قیدیوں کا منتظر ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور رہو۔ تم اس کے بارے میں اتنے پُریقین کیوں ہو؟" اس کے ردیّے پر میں نے اپنا اعتماد بحال ہوتا ہوا محسوس کیا اور وہ سوال کر ڈالا۔

"یقین نہ کرنے کی وجہ ہی نہیں' اس نے مجھے ایسے دو سکّے دکھلائے ہیں' دو سکّوں والا سپر آئی مین کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ پھر میں بارہا اس کی آواز سُن چکا ہوں' میں دھوکا نہیں کھا سکتا۔"

"پھر تم اب کس کے ساتھی ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"سپر آئی مین کے سامنے کون دم مار سکتا ہے۔" وہ ہچکچاتے بولا۔ "میں مجبور ہوں سر! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں!"

"یہ اوپر والوں کے آپس کے جھگڑے ہیں۔ ان میں تم کے لوگوں کا ملوّث کیا جانا بہتر نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ کلبیا سا ہو رہا ہے۔ تمھاری پچھلی غفلت کو وہ معاف نہیں کرے گا زندہ سلامت' مرغیوں کی فیڈ تیار کرنے والی مشین میں ڈال تھوڑی دیر بعد تمھارے ننھے ننھے' ناقابلِ شناخت ریشے میں تبدیل ہو کر بوریوں میں پیک کر دیے جائیں گے۔ اس نے دیا' تم نے اس کی تعمیل کی مگر اب تم میرے سامنے ہو تو تمھیں پر عمل کرنا چاہیے۔"

میں بہت غور سے اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی کیفیات رہا تھا اور کن انکھیوں سے یہ جائزہ بھی لے لیا تھا کہ جمی لائیڈ کا ڈرائیور' انگریزی میں ہونے والی ہماری گفتگو نہیں سمجھ رہا تھا۔ معاملے کے سر پیر کا پتا رہا ہو گا نہ وہ مجھ سے متعارف تھا اس لیے ساتھ بردنو اشمٹ کا مفاہمانہ رویّہ بھی اس کے لیے کسی حیرت کا نہ بن سکا۔

"میری عقل کام نہیں کر رہی۔" قدرے سکوت کے بعد وہ آواز میں بولا۔

"یہ خالص ذاتی معاملہ ہے۔ میں ویرا سے شادی کرنا چاہتا جمی اس کے خلاف ہے۔ اس جنگ میں میں نے ابھی تک تنظیم کو صبح تم نے ہمیں گھیرا' اس وقت بھی میں نے سلور آئی استعمال نہیں کی کے میدان میں اتر آنے کے بعد اب مجھے بھی اپنے اختیارات استعمال کی آزادی مل گئی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میرا فیصلہ جو کچھ بھی ہو' جمی لائیڈ مجھے اس کی تو کوشش تھی کہ میں تمھاری ہی گولی کا نشانہ بنوں۔"

"میں اس کی فطرت سے واقف تھا اسی لیے تم پر فائر نہیں ہمارے ساتھ تم محفوظ رہو گے۔ وہ تمھارا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔" مضبوط لہجے میں کہا اور پہلی بار اس کی ویران آنکھوں میں چمک

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے ممنونیت سے لبریز

"بہت کچھ چاہتا تھا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ صورتِ حال بدل گئی ہے۔ میں تمھیں اپنے ساتھ اس مرسڈیز سلامت نکال لے جانا چاہتا ہوں تاکہ جمی لائیڈ اس ناکامی پر وہ جائے۔"

"میں تیار ہوں لیکن اس کا ڈرائیور مزاحمت کرے گا۔" اس کا لہجہ دھیما اور سازشی ہو گیا۔

"اس کے سر میں گولی مار کر اسے نیچے لڑھکا دو' ڈرائیونگ

نے اسی لب و لہجے میں کہا۔" اپنی جان بچانے کے لیے دشمن کا خون بہانا ے ہر ملک میں جائز ہے۔"

"تمھارے ساتھی کہاں ہیں؟"

"اسی طرف کھیت میں ہیں جدھر سے میں نکلا تھا۔"

"تم ادھر چلو میں گاڑی گھما کر ادھر لاتا ہوں' اس کا حساب بھی وہیں بے باق ں گے۔"

لمحہ بھر کے لیے مجھے شبہ ہوا کہ کہیں برونواشمٹ میرے ساتھ فریب نہ ا ہو لیکن اس کے حالات بہت ناموافق تھے۔ اس کے لیے زندگی کی آس مجھ سمجھوتے سے مشروط ہو کر رہ گئی تھی۔

میں سور آٹی جیب میں ڈال کر کھیت کی طرف بڑھ گیا۔ برونو کار ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔

مرسڈیز مجھ سے پہلے یوٹرن لے کر کھیتوں کے کنارے رک گئی میں ں پہنچا تو برونواشمٹ ڈرائیور کو کسی بہانے سے ٹال کر کھیت میں لے جا رہا تھا۔

"آ جاؤ" میں نے کہا اور ویرا سلطان شاہ کے ہمراہ سرعت کے ساتھ ر آگئی۔ ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے پیشانیوں پر چڑھی ہوئی تھیں' وہ ر بھی نہیں سکتے تھے کہ بدترین صورتِ حال یوں اچانک ہمارے حق میں ل سکتی ہے۔

میرے اشارے پر وہ دونوں مرسڈیز کی عقبی نشست پر سوار ہو رہے تھے کہ اچانک کھیت میں ایک فائر ہوا' فضا میں ایک کرب ناک مگر ادھوری چیخ لہرائی اور پھر کوئی وزنی وجود پودوں کو گراتے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

"یہ کیا ہوا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔" ادھر تو وہی دونوں گئے تھے۔"

"شاید ان کا قارورہ نہیں مل سکا۔ اب دیکھو ان میں سے کون واپس آتا ہے۔" میں نے بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ مجھے ڈر تھا کہ اس فائر اور چیخ پر کہیں برونو کے ساتھی اپنی خونریز کارروائی کا آغاز نہ کر دیں۔

فوراً ہی برونواشمٹ دوڑتا ہوا پودوں کے درمیان سے نکلا۔ کار کی چابی اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی جو ڈرائیور اترتے ہوئے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر جوں ہی اگنیشن آن کیا میں اس کے برابر میں سوار ہو گیا۔ اس نے خودکار ٹرانسمیشن لیور کو ڈرائیو پوزیشن پر منتقل کر کے تیزی سے کار سڑک پر چڑھا دی۔

"تمھارے آدمی تو مزاحمت نہیں کریں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"میری ہدایت کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کریں گے۔" وہ رفتار بڑھاتے ہوئے بولا۔۔۔۔"مجھے شبہ ہے کہ جمی لائیڈ اب ان چاروں کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ یہ بے چارے بے موت مارے جائیں گے۔"

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ وہ تنظیم کے نہیں' تمھارے ذاتی ملازم ہیں۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"ان کی تنخواہیں تنظیم ادا کرتی ہے لیکن وہ براہِ راست صرف مجھے جوابدہ ہیں۔ ویسے تو بل سارا ہاؤز اور اس سے ملحقہ دو سو ایکڑ زرعی جاگیر بھی تنظیم کی طرف سے جیف ڈارلنگٹن کے نام پر ہے۔"

"جمی لائیڈ اپنے ناپسندیدہ لوگوں کو اسی طرح نوازتا رہتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا تاکہ برونواشمٹ کو میری اصلیت پر شبہ نہ ہو سکے۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے میرے ساتھ سمجھوتا کر کے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ دل سے تنظیم کی دہشت دور ہو جانے کے بعد وہ کسی بھی لمحے مجھ سے بھی بغاوت کر سکتا تھا۔

"خطرات کو ہم دور چھوڑ آئے لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟" عقبی نشست سے ویرا کی کمزور اور بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"خطرات کی اب پروا نہیں۔" برونواشمٹ ڈیش بورڈ پر لگے ہوئے چار یکساں لیوروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں بولا۔" اس بلٹ پروف کار میں آگے' پیچھے' دائیں اور بائیں چار خودکار گنیں پوشیدہ ہیں جنھیں ایک اشارے سے بیک وقت حرکت میں لایا جا سکتا ہے۔ میں نے ڈرائیور سے ان کا استعمال سمجھ لیا تھا۔" بات کرتے کرتے اس نے اچانک ہی چند ثانیوں کے لیے اگلی گن چلا دی اور فضا میں یکے بعد دیگرے متعدد گولیاں مختلف سمتوں میں اوپر اٹھتی چلی گئیں۔

ویرا کے اندازے کے مطابق کار میں ٹرانسمیٹر بھی نصب تھا جو بظاہر اسٹیریو نظر آتا تھا لیکن سامنے ہی ہک میں لگے ہوئے دستی ماؤتھ پیس کی وجہ سے اسے شناخت کرنا دشوار نہیں تھا۔

اس وقت ویرا کی لب کشائی نے مجھے مضطرب کر دیا تھا' وہ نادانستگی میں کوئی ایسی بات کہہ سکتی تھی جو میرے بیانات سے متضاد ہوتی اس لیے میں نے اسے ہوشیار کرنے کے لیے کہا۔" میں نے برونو کو بتا دیا ہے کہ ہم دونوں آپس میں شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن جمی لائیڈ اس کا سخت مخالف ہے اور اس نے ذاتی جھگڑے میں شی کو ملوث کر لیا ہے۔"

"یہ بات تم دوسری بار کہہ رہے ہو۔" برونو سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔" جمی لائیڈ ہی شی کا بانی اور سربراہ ہے' اسے پورا حق حاصل ہے کہ وہ شی کے وسائل کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ تم محترم آئی مین ضرور ہو لیکن تمھارے اختیارات کا منبع اسی کی ذات ہے' اس سے کوئی اپنا موازنہ نہیں کر سکتا۔"

"لیکن پہلی بار تم میری اس بات پر خاموش رہے تھے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"اس وقت کی بات اور تھی۔ سُپر آئی مین نے میرے خلاف ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اس سے بغاوت کر کے ہی اس سزا سے بچ سکتا تھا جس کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ اس سے بغاوت کے لیے مجھے ایک سہارا درکار تھا جو تمھاری ذات نے فراہم کر دیا اور میں آنکھیں بند کر کے تمھارے ساتھ ہو لیا۔"

"پھر تو ہمارا اشتراک بھی شاید زیادہ دیر تک نہ چل سکے؟" میں نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"ہم دونوں کے راستے الگ الگ ہیں۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "ایک حقیقی آئی مین کے لیے جمی لائیڈ کا وفادار ہونا پہلی شرط ہے اور تم اس سے محاذ آرائی پر تلے ہوئے ہو اس لیے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ سلور آئی کسی اتفاق کے تحت تمہارے ہاتھ آگئی ہے۔ تم ویرا لائیڈ کے ساتھ مل کر اسے استعمال کر رہے ہو اور جمی لائیڈ کو کسی معاملے میں بلیک میل کرنا چاہ رہے ہو۔" وہ میری توقع سے کہیں زیادہ ذہین اور چالاک ثابت ہو رہا تھا۔ مجھے خوشی اس بات کی تھی کہ اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے خیالات کا اظہار کر دیا تھا جس کی روشنی میں مَیں اپنے فیصلے کر سکتا تھا۔

"تم اس سے نہ جانے کب تک الجھتے رہو گے جب کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس سے بغاوت کر کے اب میں آزادی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکوں گا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے یورپ، برطانیہ اور امریکا کو بھول جانا ہوگا۔ میں پہلی فرصت میں دنیا کے کسی حسین اور غیر معروف ملک کی راہ اختیار کر کے وہاں نئے سرے سے زندگی گزارنے کی کوشش کروں گا۔ میرے لیے سب سے بڑی آسانی یہ ہے کہ میں ابھی تک تنہا ہوں۔ جنوبی امریکا کے کسی بھی ملک میں کسی مقامی دوشیزہ سے شادی کر کے میں اپنا مستقبل بے فکری کے ساتھ گزار سکوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میں آج ہی یہ سرزمین چھوڑ دوں۔"

"تم کہانیاں اچھی تراش لیتے ہو۔" میں نے دل ہی دل میں اس کی صلاحیت کا اعتراف کرنے کے باوجود چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بہتر ہوگا کہ ہم اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کریں ورنہ بدمزگی پیدا ہو سکتی ہے۔"

"جمی لائیڈ کا حافظہ کسی اونٹ سے بھی زیادہ تیز ہے۔ بل سارا باوَز پہنچ کر میری ناکامی کی کہانی سنتے ہی اس نے پہلا سوال کار کے رنگ کے بارے میں کیا تھا۔ تمہاری سرخ ٹرائمف کو کراس کرتے ہوئے اس کے اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے ایک عورت کو دیکھ کر اس کے ذہن میں شناسائی کی لہر ابھری تھی لیکن وہ ویرا کے عربی لباس سے دھوکا کھا گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ تم تینوں میرے مسلح آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل جاؤ گے۔"

"تم اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ ڈالو، اس اونٹ سے نمٹنا ہم جانتے ہیں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں اس سے باغی ہو ہی گیا ہوں اور اپنی واپسی کا ہر راستہ مسدود کر لیا ہے اس لیے یہ سب تمہیں بتا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان تفصیلات سے تمہیں کچھ مدد مل سکے ــ اور ہاں، یہ بھی بتاتا چلوں کہ وہ ویرا کی سلامتی کے بارے میں بہت فکرمند تھا وہ اسے کوئی نقصان پہنچائے بغیر اپنی قید میں دیکھنا چاہتا ہے۔"

"جوانی کی لغزشیں ادھیڑ عمری میں اسی طرح فکرمند کر دیتی ہیں۔" میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی وقت ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے ٹرانسمیٹر پر جمی لائیڈ کی سرد اور آسیبی آواز گونجنے لگی تھی۔

"وہ رپورٹ طلب کر رہا ہے۔" ویرا ہیجان آمیز لہجے میں بولی۔ "شاید یہ لوگ وقفے وقفے سے اسے پوزیشن سے آگاہ کرتے رہے تھے لیکن اب کافی دیر سکوت کے عالم میں گزر گئی ہے۔"

"بتاؤ میں کیا کہوں؟" جمی لائیڈ کی آواز سن کر برونو اشمٹ پریشان نظر آنے لگا تھا۔

میں نے تحقیر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تار سے منسلک ماؤتھ پیس ہُک سے اتار لیا اور اس کا ٹرانسمیٹنگ بٹن دبا کر انگریزی میں بولا۔ "ڈینی اسپیکنگ.... کیا یہ ممکن نہیں کہ تم انگریزی بولنا شروع کر دو؟ اوور۔"

"اوہ، تو تم پھر غالب آگئے۔" اس کی آواز تحیّر سے عاری، سرد اور سپاٹ تھی۔ "اس کا مطلب ہے کہ مجھے اپنے آدمیوں کی لاشیں بھی اٹھوانا ہوں گی۔ تمہارا مقدر تمہارا ساتھ دے رہا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس بار تم زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکو گے۔ تنظیم سے منہ پھیرنے والوں کا انجام بہت عبرت ناک ہوتا ہے ــ اوور۔"

"تم برونو اشمٹ کو ہمارے ہاتھوں مروانا چاہتے تھے تمہاری سازش کو وہ بھی سمجھ رہا تھا، موقع پاتے ہی اس نے کھلی ہوئی سن روف سے باہر کود کر گھنے کھیتوں میں دوڑ لگا دی، تمہارا ڈرائیور چابی اگنیشن میں چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگا اور ہمیں کار پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اسی بل بوتے پر عبرتناک انجام کی دھمکی دے رہے ہو تو شاید تمہیں ہمیشہ خاک چاٹنا پڑے گی۔ تم ہمارا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے۔ اوور۔"

"عورتوں کی طرح لچر زبان استعمال کرنے کے بجائے تمیز سے بات کرو۔" اس کی آواز درشت ہوگئی۔ "میں اپنے بارے میں تمہارے جذبات سے اچھی طرح واقف ہوں، ان کے مزید اظہار سے تم گفتگو کا یہ موقع کھو دو گے۔ ہمیں شریف دشمنوں کی طرح شائستہ لہجے میں بات کرنا چاہیے۔ اوور۔"

"تم بات کرنا ہی چاہتے ہو تو مجھے یہ شرط قبول ہے۔ بہت دنوں کے بعد تمہاری آواز سننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اوور۔"

"میرے باقی آدمیوں کا کیا انجام ہوا؟ اوور۔"

"ہمارے سامنے کوئی نہیں آیا۔ لیکن یہ سب تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ میں تمہارا ملازم تو نہیں ہوں۔ تم خود باہر نکل کر دیکھ سکتے ہو کہ کیا ہوا ہے؟ اوور۔"

"بل سارا باوَز میں موجود کار اور موٹر سائیکلوں کے ٹائر تم نے پھاڑ دیے تھے، مرسیڈیز خود لے بھاگے ہو، جب تک میرے آدمی تمہاری چھوڑی ہوئی سرخ کار یا کوئی دوسری کار نہیں لے آتے میں پیدل زیادہ دور نہیں جا سکتا۔ تم شی کی تاریخ میں پہلے آدمی ہو جس کے لیے میں دشمن کے ساتھ احترام کے جذبات بھی رکھتا

ون۔ کارتم خود چلا رہے ہو؟ اوور۔" بات کرتے کرتے وہ اچانک رتوقع سوال کر بیٹھا۔

"میرے علاوہ کون چلائے گا؟" میں نے برونو کو آنکھ سے شارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ شدید حیرت کے عالم میں منہ کھولے ری اور جمی لائیڈ کی گفتگو سن رہا تھا' جیسے اسے اپنے کانوں پر قین نہ آ رہا ہو۔

"میں بھی تمہاری صلاحیتوں کا معترف ہوں۔" میں نے ی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "کنگ لائنز اور شی کو تم نے ت کامیابی کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ رکھا ہوا ہے بحری ازرانی کے بھی شہنشاہ ہو اور جرائم کی دنیا کے سرخیل بھی ہو بتم روم میں ڈان مرسیالو بن کر امرا اور مقتدر لوگوں کی دلبستگی ے لوازم فراہم کرتے ہو تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایسی گھٹیا فلیں سجانے والا کنگ لائنز یا شی کا جینئیس سربراہ ہو سکتا ہے۔ اوور۔"

"تم بہت کچھ جان گئے ہو۔" اس کے الفاظ میں تاسّف نپا ہوا تھا لیکن لب و لہجہ اسی طرح سرد اور سپاٹ تھا۔ "چاہو تو میں دوبارہ تمہیں ساتھ لینے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے، اپنے یا تم جیسے دو چار آدمی مل جائیں تو یقین کرو کہ ہم دھوم مچا سکتے ہیں۔ کل ی دنیا میں کوئی بڑا فوجی، سیاسی یا معاشی فیصلہ ہماری مرضی ے بغیر نہ ہو سکے گا۔ اوور۔"

"یہ خواب تم سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے دیکھا ہے۔ جدید عسکری تاریخ میں ہٹلر کا نام زیادہ پرانا نہیں ہے' دہ بھی پوری دنیا کی تسخیر کا پروگرام لے کر اٹھا تھا لیکن بے بسی کی موت مرگیا۔ تم اپنے موجودہ محدود مفادات کا تحفظ نہیں کر سکتے۔ لائیڈز کا ٹیج کو نہ بچا سکے، گن بوٹ کھلے سمندر میں اغوا کر کے بیچ دی گئی، فام کیمپ تمہارے وسائل اور قوت کا قبرستان بن گیا لیکن تم کچھ نہ کر سکے' پھر بھلا بڑے پیمانے پر کیا کر سکو گے۔؟ ی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ تم مجھے اپنا ممتاز دشمن تصور کرتے ہو اور یہ یاد رکھنا کہ اب میں تمہاری راہ پر چل پڑا ہوں۔ آج تمہارے ستارے یاور تھے اس لیے سامنا نہ ہو سکا' آئندہ جلد ہی کہیں بھی غیر متوقع طور پر ملاقات ہو سکتی ہے' اس وقت سارا نیا پرانا حساب برابر ہو جائے گا۔ اوور۔"

"تم بھی انہی سب کاموں کی روزی پر برسوں پروان ڑھے ہو۔" اس کی آواز ابھری۔ "آخر ایک دم مخاصمت پر ر جانے کی وجہ کیا تھی؟ ایسی تبدیلیاں بلاوجہ نہیں آتیں۔ اوور۔"

"اسلحہ کی اسمگلنگ اور دوسری سرگرمیاں بعد میں میرے سامنے ئیں اصل دشمنی منشیات کی ہے۔ میں نے اپنی نگاہوں سے کوکین اور ہیروئن کی تباہ کاریاں دیکھی ہیں۔ اس لعنت کی بدولت ہنستے کھیلتے گھرانے اجڑتے دیکھے ہیں اور اسی دن سے مجھے ہیروئن اور شی سے نفرت ہو گئی ہے۔ تم آج ہیروئن سے اپنا تعلق ختم کر لو تو مجھے اپنا بندۂ بے دام پاؤ گے۔ میں بھی کوئی پارسا نہیں ہوں مگر ہیروئن فروشی کے تصور سے اب میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اوور۔"

"کاروبار میں جذبات نہیں چلتے۔ اس میں طلب اور رسد کا سیدھا سا اصول چلتا ہے۔ جس مال کی طلب ہو وہی بیچا جا سکتا ہے اور پھر ہیروئن دنیا کی وہ واحد جنس ہے جس کی تجارت پر کم از کم ہزار گنا منافع ملتا ہے' اگر اس کی تیاری کے مراکز اور صحیح مارکیٹ میں رابطہ ہو تو راتوں رات کروڑ پتی بننا ممکن ہے۔ اوور۔"

"یہ تم کسی اور کو بتا سکتے ہو، مجھے نہیں۔ پاکستان کی مقامی منڈی میں ہیروئن میرے ہی ہاتھوں سے متعارف کرائی گئی تھی۔ جب وہاں کوئی ہیروئن کے نام اور شکل سے بھی واقف نہیں تھا' تمہارے مقامی بڑوں نے چرس کے بڑے ذخائر تباہ کر کے منڈی میں نشے کا بحران پیدا کیا اور پھر اس خلا کو پُر کرنے کے لیے ہیروئن کی پُڑیاں نشے بازوں میں مفت تقسیم کر کے انہیں نئی لت لگائی گئی۔ اس کے فروغ کے لیے اسے لاگت سے بھی کم نرخ پر بیچا گیا اور پھر رفتہ رفتہ بات منہ مانگے داموں پر آ گئی . . . . یہ سب باتیں میرے دماغ میں نقش ہیں۔ اوور۔"

"پاکستان سے باہر نکل کر تم دیکھ چکے ہو کہ تمہارے ملک میں دام اب بھی کم ہیں۔ دراصل منڈی کے طور پر ہمارے لیے پاکستان کبھی بھی اہم نہیں رہا۔ ہمیں اپنے روٹ قائم کرنے کے لیے وہاں ہیروئن متعارف کرانا پڑی۔ کیوں کہ آزاد افغان کے جنگ زدہ قبائلی علاقوں میں تیار ہونے والی ہیروئن پاکستان کے راستے ہی مغرب کی زرخیز منڈیوں میں پہنچائی جا سکتی تھی۔ تم اس پر غور کرو گے تو حقائق سے سمجھوتا کر لو گے۔ اوور۔"

"ہم ایک دوسرے کے نظریات نہیں بدل سکتے اس لیے اس موضوع پر سر کھپانا فضول ہے۔ کوئی اور بات باقی ہو تو وہ کر لو' مجھے ڈرائیونگ میں دقّت ہو رہی ہے۔ اوور۔"

"ویرا سے میری بات کرا دو۔ اوور۔"

اس وقت ویرا کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ وہ پہلی بار میرے ساتھ بیٹھی، براہ راست اپنے باپ کی آواز سُن رہی تھی۔ اس نے جمی لائیڈ کا پیغام سُن کر کانپتے ہوئے ہاتھ سے ماؤتھ پیس اپنی گرفت میں لے لیا۔

"ویرا اسپیکنگ۔ اوور۔" اس نے بٹن دبا کر بھرّائی ہوئی

آواز میں کہا۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ بہت مشکل سے اپنے آنسوؤں کو ضبط کر رہی تھی۔

”تمہاری سرکشی اب میرے لیے سوہانِ روح بن گئی ہے ویرا! اگر تم اپنی اصلاح نہ کر سکیں تو مجھے سب کچھ بھول کر تمہارے خلاف کچھ سخت فیصلے کرنا پڑ جائیں گے۔ اوور“۔

”کیا بھوگے، تمہارے پاس تو میرے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے پھر مجھے رعایتیں کس لیے دیتے ہو۔ فیصلہ کرو اور پھر مجھے اپنے کسی حقیر ملازم سے ذبح کروا دو، میں تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکوں گی۔ اوور“ بولتے ہوئے ویرا کی آواز رندھ گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔ ان دونوں کے بارے میں حقیقت کچھ بھی رہی ہو، ویرا ہمیشہ سے اسے اپنا باپ تصور کرتی آئی تھی لیکن اس نے کبھی ویرا کو نہیں اپنایا تھا۔

”بھول جانا چاہتا ہوں لیکن آج تمہیں بتاتا ہوں کہ میں اپنی زندگی کی کتاب سے وہ باب نہیں پھاڑ سکتا۔“ جمی لائیڈ کی آواز میں پہلی بار کرب آلود ملامت اُمڈ آئی۔ ”اپنی حرکتوں سے تم میرے لیے ایک روگ بنتی جا رہی ہو۔ مجھے یہ دکھ ہے کہ میرا اپنا خون اب میرے مقابلے پر آمادہ ہے۔ اوور۔“

”پاپا!“ وہ تڑپ کر ہذیانی انداز میں پوری قوت سے چیخ پڑی۔ اس کے وجود پر طاری ہونے والا تشنج دیکھ کر میں اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ ”تم کتنے کمینے اور خود غرض ہو پاپا! کہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے لیے تم نے مجھے دنیا جہان کی ٹھوکریں کھانے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ میں تو جب بھی ڈان مرسیانو کے روپ میں تمہارا تصور کرتی ہوں میرے وجود میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے ہاتھوں سے تمہاری بوٹیاں نوچ کر چیل کوّوں کو کھلا دوں۔ میری زندگی کے بہترین ایّام، تم نے گناہوں کی دلدل میں گزارنے پر مجبور کر دیا۔ تم کس قدر خبیث اور شیطان صفت ہو پاپا! تم سے تو وہ درندے بہتر ہیں جو اپنی اولاد کی زیادتیاں سہہ لیتے ہیں لیکن جب ان کی باری آتی ہے تو سونگھ کر اور اولاد کو پہچان کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی پاپا....!“

وہ بلک بلک کر ٹرانسمیٹر کے ماؤتھ پیس میں چیخے جا رہی تھی۔ برسوں کی تنہائی اور محرومی کے بعد جمی لائیڈ کی طرف سے اچانک اس کی ولدیت کا اعتراف ویرا کے لیے شدید ذہنی جھٹکے کا سبب ثابت ہوا تھا اور وہ اپنی ذات کا سارا بھرم بھول کر اس وقت ایک باپ کی ننھی سی بیٹی بن کر رہ گئی تھی۔

میں نے سختی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے ماؤتھ پیس واپس لے لیا ورنہ وہ نہ جانے کب تک دل کی بھڑاس نکالتی رہتی۔ ہاتھ خالی ہوتے ہی اس نے اپنا منہ دونوں ہتھیلیوں میں چھپایا اور میری نشست کی پُشت گاہ سے ٹکریں مار مار کر رونے لگی۔ سلطان بوکھلائے ہوئے، احمقانہ انداز میں اسے دلاسا دینے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

”تم واقعی بہت ظالم اور سفاک ہو جمی! تم نے سن لیا نا کہ تم کون اور کیسے ہو؟ اختیار اور پیسے کی ہوس میں تم نے ویرا کو نظر انداز کر کے شاید اپنی زندگی کا سب سے بڑا ظلم کیا ہے۔ اوور“۔

چند سیکنڈ تک انسٹرومنٹ کے اسپیکر پر سناٹا رہا پھر جمی لائیڈ کی دل گرفتہ آواز ابھری۔ ”میرا قصور صرف اتنا ہے بیٹی! کہ میں اپنی پوری کوشش کے باوجود تمہارے ذہن کو اس سلیچے میں نہ ڈھال سکا جو میں چاہتا تھا۔ لیکن اب میں ماضی کی کوتاہیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کروں گا۔“ وہ میرے بجائے ویرا سے مخاطب ہوا تھا۔ اس کی زبان سے اپنے لیے بیٹی کا لفظ سن کر برسوں کی ترسی ہوئی ویرا پر ہچکیوں اور سسکیوں کا دورہ پڑ گیا تھا۔ باپ کے ہوتے ہوئے بھی وہ پیدائش سے اب تک شفقتِ پدری اور اس کی آسودہ لذتوں سے ناآشنا رہی تھی۔ اس کے عمر بھر کے گھٹے ہوئے جذبات اس وقت آنسوؤں کے سیلاب میں بہہ نکلے تھے۔ مضافاتی سڑک کسی لمحے بھی ختم ہو سکتی تھی اور مجھے خوف تھا کہ کہیں ویرا کی وجہ سے ہم اچانک ہی لوگوں کی توجہ کا مرکز نہ بن جائیں۔

میں اسے سمجھانے بجھانے لگا اور کار میں جمی لائیڈ کی آواز گونجتی رہی ”لیکن میں ڈینی کو معاف نہیں کر سکتا۔“ اس کا لہجہ خوفناک ہو گیا۔ ”اسی نے تمہیں بہکایا اور تمہارے ذہن میں مجھ سے بغاوت کے جراثیم کو پختہ کیا ہے، اس کا انجام عبرتناک ہو گا۔ کار رُکوا کر تم نیچے اتر جاؤ، ڈینی اپنی سیٹ نہیں چھوڑ سکے گا پھر میری انگلی کے موہوم اشارے پر کار میں نصب طاقتور الیکٹرونک بم ایک دھماکے سے ڈینی سمیت کار کے چیتھڑے اڑا دے گا۔ تمہارے پاس بس پندرہ سیکنڈ ہیں، میں گنتی شروع کر رہا ہوں اور پندرہ کہتے ہی میں کار کو اڑا دوں گا۔ اس دھماکے میں تم بھی مر گئیں تو تمہارا بدنصیب باپ زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکے گا... ایک دو .... تین ...“

اس نے گنتی شروع کر دی لیکن اس سے پہلے ہی برد لو اشمٹ پر دہشت کا دورہ پڑ چکا تھا۔ جمی لائیڈ کو کار میں اس کی موجودگی کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ جمی لائیڈ نے باتوں ہی باتوں میں ڈرائیور کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے اسے بتایا کہ کار میں خود چلا رہا ہوں۔ جوں ہی جمی لائیڈ نے یہ کہا کہ ڈینی اپنی سیٹ نہیں چھوڑ سکے گا، میں چونک پڑا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے برد لو اشمٹ نے چلتی ہوئی کار کا دروازہ کھول کر غالباً باہر چھلانگ لگانے کا ارادہ کیا لیکن دروازہ نہ کھل سکا۔ میں

اپنی سمت کے دروازے پر قوت آزمائی کی تو وہ بھی مضبوطی کے ساتھ مقفل تھا

شاید مرسڈیز کے تمام دروازے ایسے مرکزی الیکٹرونک نظام سے منسلک تھے کہ کار چلتے ہوئے تمام دروازے خود بخود مقفل ہو جاتے تھے اور کار روکے بغیر دروازہ کھولنا ناممکن تھا۔ اس صورتِ حال کا اندازہ لگاتے ہی بردلو اشمٹ نے بریک لگا دیا۔ کار کی رفتار تیزی سے کم ہونے لگی لیکن اسی لمحے ڈرائیونگ سیٹ کی نشست اور پشت گاہ کے کسی خفیہ خلا سے اندر کی طرف مڑے ہوئے متعدد آہنی پنجے نمودار ہوئے اور تیز کھٹکوں کے ساتھ ان کی نوکیلی دھاریں اس کے شانوں، پیٹ اور رانوں میں پیوست ہو گئیں۔ بردلو اشمٹ کرب اور اذیت کے عالم میں بری طرح چیخا اور اپنے جسم میں پیوست آہنی پنجوں کو دونوں آزاد ہاتھوں سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسٹیئرنگ آزاد ہوتے ہی کار لہرائی اور بریک پیڈل پر سے بردلو کا پیر ہٹنے کی وجہ سے کار کے سست ہونے کا سلسلہ بھی جھٹکوں میں تبدیل ہو گیا کیوں کہ ایکسیلریٹر بھی بردلو کے پاؤں کے دباؤ سے آزاد ہو چکا تھا۔

میں نے اسٹیئرنگ تھام کر پوری قوت سے ہینڈ بریک کھینچا تو کار ایک شدید دھچکے سے وہیں رک گئی۔ اس وقت تک جمی لائیڈ کی گنتی پانچ تک پہنچی تھی اور ویرا سکتے کے عالم میں، بھیگی ہوئی ورم آلود آنکھوں سے بردلو کو دیکھ رہی تھی۔

دونوں طرف سے آٹھ آہنی پنجوں نے بردلو اشمٹ کو سیٹ سے چپکا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے زخموں سے بہنے والے خون کی دھاریں نشست اور پائدان کو رنگین کر رہی تھیں اور وہ پوری کوشش کے باوجود کسی ایک پنجے کو بھی ہلانے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا، اس کا چہرہ موت کی دہشت سے زرد ہو گیا تھا۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے کسی درندے کی طرح چیختے ہوئے اپنی گردن اِدھر اُدھر پٹخ رہا تھا۔ خون میں لتھڑی ہوئی انگلیوں سے چہرے پر پڑنے والے نشانات نے اس کا چہرہ بھیانک بنا دیا تھا۔

”بچاؤ۔ مجھے ان خونی شکنجوں سے بچاؤ۔“ بردلو حلق پھاڑ کر چیخا۔

میں نے دروازہ کھولنا چاہا اور میری ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سرد سی لہر سرایت کر گئی تھی۔

”دروازہ مقفل ہے۔“ پیچھے سے سلطان شاہ کی خوف زدہ آواز ابھری اور وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ کار رک جانے کے باوجود تالوں کا میکانزم مقفل تھا اور پندرہ تک گنتی پوری ہونے سے پہلے اس کار کے بلٹ پروف شیشے توڑنا ناممکن تھا۔ بظاہر ان شیشوں کو اتارنے کا کہیں کوئی برقی یا میکانیکی نظام نظر نہیں آ رہا تھا اور گنتی سات تک پہنچ چکی تھی۔

جدید ترین ماڈل کی اس کار کے حساس مگر محفوظ نظام سے عدم واقفیت اس وقت موت کا پھندا بنتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ میں نے آخری کوشش کے طور پر ٹرانسمیشن لیور کو پارکنگ پوزیشن میں تبدیل کر کے دروازے پر ہاتھ ڈالا تو وہ فوراً کھل گیا اور میں نے باہر چھلانگ لگا کر عقبی دروازہ کھول کر ویرا کو بے رحمی سے باہر گھسیٹ لیا۔ اسی لمحے جمی لائیڈ کی آواز میں نو کی آواز فضا میں اُبھری تھی اور کار کا انجن بدستور چل رہا تھا۔

سلطان شاہ نے باہر چھلانگ لگائی تو بردلو اشمٹ کی دہشت زدہ چیخیں زمین آسمان کو ایک کر رہی تھیں کیونکہ اسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔

ہم تینوں نے یکجا ہوتے ہی سڑک سے نیچے درختوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ ویرا شدید جذباتی صدمے کی وجہ سے اس وقت نارمل نہیں تھی لیکن خدا کا شکر تھا کہ وہ اپنے قدموں پر چلنے کے قابل تھی۔ اسے ہم دونوں بغلوں میں ہاتھ دے کر زبردستی اپنے ساتھ دوڑا رہے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ مشینی انداز میں ٹانگیں چلا کر ہماری رفتار کا ساتھ دینے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

میں دل ہی دل میں جمی لائیڈ کے انداز میں رک رک کر بقیہ گنتی دُہرا رہا تھا۔ چودہ تک پہنچتے ہی اچانک فضا ایک ہولناک دھماکے سے گونج اٹھی۔ وہ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ ہمارے قدموں کے نیچے زمین ہل کر رہ گئی اور ہم بمشکل خود کو منہ کے بل زمین پر گرنے سے بچا سکے البتہ ویرا لڑکھڑا کر ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی۔

ہم نے پلٹ کر دیکھا تو سڑک پر کثیف دُھوئیں اور پیٹرول کے خونیں شعلوں میں پُرشکوہ مرسڈیز کار کا ملبہ فضا میں کافی بلندی تک اڑتا ہوا نظر آیا۔ ان ہی شعلوں میں کہیں بدنصیب بردلو اشمٹ کے بدن کے چیتھڑے بھی رہے ہوں گے۔ وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود جمی لائیڈ کے چُنگل سے بچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے جمی لائیڈ سے بغاوت کے فیصلے کے بعد وہ فوری طور پر فرانس کو خیر باد کہہ کر جنوبی امریکا کے کسی ملک میں شادی کر کے آباد ہونے کا منصوبہ بنا رہا تھا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

میں نے ٹرانسمیٹر پر جمی لائیڈ کو بردلو اشمٹ کے فرار کی اطلاع دی تو میرے ذہن کے بعید ترین گوشوں میں بھی یہ امکان موجود نہیں تھا کہ وہ میری جگہ قربانی کا بکرا بن جائے گا۔ میں نے تو درحقیقت اسے عتاب سے بچانے کی کوشش کی تھی، اگر جمی لائیڈ کو یہ بتا دیا جاتا کہ بردلو اشمٹ اس سے خوف زدہ ہو کر کھیتوں میں نہیں بھاگا بلکہ باغی ہو کر ہمارے ساتھ مل گیا تھا تو وہ اسی وقت بردلو کے لہو کا پیاسا ہو جاتا۔

میری اور ویرا کی اور بات تھی۔ ہم جمی لائیڈ کے بہتیرے رازوں سے واقف تھے، اس لیے وہ ہم سے کھل کر بات کر سکتا تھا لیکن اسے پتا چل جاتا کہ ہمارے ساتھ بردلو بھی تھا تو وہ کھل کر بات کرتا نہ ویرا کو اپنی بیٹی تسلیم کرنے کا تاریخی معرکہ سرانجام دیتا بلکہ اس کے برعکس وہ ویرا سے گفتگو کے نتیجے میں محسوس ہونے والی ندامت سے بھی محفوظ

رہتا اور شاید ویرا کی پروا کیے بغیر سب کو ہی کوئی وارننگ دیے بغیر کار کے ساتھ اُڑا دیتا۔

کار کی ڈائیونگ سیٹ میں برولو اشمٹ کو بے بس اور زخمی کرنے والے آسیبی آہنی پنجے بھی بہت بھیانک تھے۔ میرا خیال تھا کہ جمی لائیڈ نے اپنے دشمنوں کو بدترین اذیت سے دوچار کرنے کے لیے شاید اس بلٹ پروف کار کی تمام نشستوں میں ریموٹ کنٹرول سے حرکت میں آنے والے وہ شکنجے نصب کروائے تھے۔ لیکن اس وقت صرف برولو اشمٹ محض اس لیے شکار ہوا کہ جمی لائیڈ کو میں نے اس نشست میں اپنی موجودگی کا یقین دلا دیا تھا۔

مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات انسان جس صورتِ حال کو ٹالنے کے لیے کوئی تدبیر اختیار کرتا ہے، اس تدبیر کے نتیجے میں عموماً زیادہ آسانی سے اسی صورتِ حال میں جا پھنستا ہے۔ جمی سے نجات کے بعد برولو کے ارادے بہت رنگین اور ولولہ انگیز تھے لیکن اس پورے کھیل کا اصل مقصد برولو کو سزایاب کرکے قدرت کو مجھے دردناک موت سے بچانا تھا جو حاصل ہو چکا تھا۔

* * *

ریوڈی الفانسو پر واقع ہوٹل مارٹن کا کمرہ نمبر دو سو دس اس شام مجھے اس قدر حسین لگا کہ زندگی میں کبھی اپنے گھر سے بھی اتنا پیار نہیں ہوا تھا۔

جمی لائیڈ کے ساتھ دور دور کی آویزش میں گزرے ہوئے لمحات نے سارے اعصاب کو چٹخا کر رکھ دیا تھا۔ پھر رہی سہی کسر برولو اشمٹ کی بارودی چتا نے پوری کر دی۔ کچھ دیر تک ہم ان ہی درختوں کے درمیان ویرا کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتے رہے اور پھر کسی قابلِ ذکر دشواری سے دوچار ہوئے بغیر ٹیکسی کے ذریعے ہوٹل واپس پہنچ گئے۔ فائر کیمپ کا واقعہ پرانا ہونے کے ساتھ ہی شہر میں حالات قدرے سنبھل گئے تھے اور شہر میں قائم کی جانے والی ہنگامی چیک پوسٹوں کی تعداد گھٹا دی گئی تھی، ان چوکیوں پر بھی صرف مشتبہ لوگوں کو شناخت اور تلاشی کے لیے روکا جاتا تھا۔ بلا استثنا لگنے والی لمبی لمبی قطاروں کا سلسلہ موقوف ہو چکا تھا۔

چار بجے ہوٹل واپس پہنچ کر ہم تینوں نے باری باری ویرا کے کمرے سے ملحقہ باتھ روم میں ہی غسل کیا اور پھر میں بستر پر دراز ہو گیا۔ ویرا کو واپسی پر مکمل چپ لگی رہی، اس کی خالی خالی آنکھوں میں گہرے صدمے کے تاثرات نمایاں تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جمی لائیڈ سے کھلی کھلی گفتگو کے بعد اب اس کا وہ احساسِ زیاں بھی تازہ ہو گیا تھا جسے ڈان مرسیالو نے تھپک تھپک کر ابدی نیند سلانے کی پوری کوشش کر ڈالی تھی۔

”تم یوں اپنی ذات میں کھوئی رہو گی تو ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ آخر تم اتنی اداس کیوں ہو؟ آج تو تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تمہیں وہ شناخت مل گئی ہے جس کی تمہیں سدا سے تلاش تھی۔“ کافی دیر کی خاموشی کے بعد آخر مجھے ہی ویرا سے بات کرنے میں پہل کرنا پڑ گئی۔

”آج سے پہلے مجھے شبہ تھا کہ میں جمی لائیڈ کی بیٹی ہوں۔“ وہ مغموم لہجے میں بولی۔ ”اس کے بیگانگی کے رویے سے مجھے جھنجلاہٹ سوار رہتی تھی اور میں اس سے اقرار کرانے کی فکر میں لگی رہتی تھی مگر آج اس کی زبان سے اپنے لیے بیٹی کا لفظ سن کر مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں اندر سے خالی ہو گئی ہوں، میرے وجود میں خلا پیدا ہو گیا ہو۔ کیوں کہ میری شناخت بہت شرمناک ہے۔ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میرا پندار جمی لائیڈ کے اقرار میں نہیں بلکہ اس موہوم سی امید میں تھا کہ شاید وہ واقعی میرا باپ نہ ہو۔ آج تک یہ پندار میرے لاشعور میں تھا اور اب میں خود کو اُجڑا اُجڑا سا محسوس کر رہی ہوں۔“

”اُداس رہ کر تم حقیقتوں کو نہیں بدل سکتیں۔ تمہیں تمہارے باپ کے حوالے سے کون طعنہ دے سکے گا؟“

”کسی اور کی بات نہیں، میں خود اپنی نظروں میں گر گئی ہوں۔ ڈینی! تم میرا دکھ سمجھ ہی نہیں سکتے۔“ وہ کرب آلود لہجے میں بولی۔ ”میرا حوصلہ ختم ہو کر رہ گیا ہے۔“

”جس طرح ڈان مرسیالو نے تمہاری بنیاد پر وار کیا ہے، اسی طرح تم پوری قوت سے شی کے خلاف لڑتی رہو۔ اب تو تمہیں پورا یقین ہو گا کہ تم اپنے باپ سے انتقام لے رہی ہو۔“

اس کے ہونٹوں پر مغموم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”میں اس مشن سے دستبردار نہیں ہوئی ہوں لیکن میں بھی ایک انسان ہوں، مجھے اس صدمے سے سنبھلنے میں دو چار دن ضرور لگ جائیں گے۔ میں برولو اشمٹ کی دردناک بے بسی ابھی تک بھولی نہیں ہوں، جب بھی یہ خیال آتا ہے کہ میرے باپ نے اپنی دانست میں وہ وار تم پر کیا تھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں خود درجنوں انسانوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار چکی ہوں لیکن ایسی سفاکی میرے تصور میں بھی نہ آ سکی تھی۔“

”تم ایسا کرو کہ اپنا وہی عرب خاتون والا بہروپ بدل ڈالو، یہ شام ہم شہر کی کسی اچھی تفریح گاہ میں گزاریں گے۔ اس طرح تمہارا بھی دل بہلے گا اور تم جلدی اعتدال پر آ جاؤ گی۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اور میرے بارے میں زیادہ سوچا نہ کرو، میں بہت سخت جان ہوں۔ بارہا اس سے بھی خراب حالات سے بچ نکلا ہوں۔ افسوس اس بات کا ہو سکتا ہے کہ میرے دھوکے میں برولو مارا گیا مگر اس کی گنجائش نہیں کیوں کہ وہ خود لائقِ تعزیر تھا۔“

”نہیں۔“ وہ جلدی سے بولی۔ ”باہر جانے کا خیال دل سے

کال دو۔ میرے باپ نے مجھے عرب عورت کے روپ میں بھی دیکھ لیا ے اس وقت شہر میں میری تلاش کی مہم عروج پر ہو گی۔ میں وٹل یا تفریحی مقامات تو درکنار، اس وقت ہوٹل سے باہر جانا بھی سند نہیں کروں گی، ہو سکے تو ہمیں جلد از جلد مارسیلز بلکہ فرانس ہی ے نکل جانا چاہیے۔ یہاں ہمارے خلاف نہ صرف شی والے بہت زیادہ عال ہو گئے ہیں بلکہ پولیس بھی ہماری طرف متوجہ ہو گئی ہے۔"

"فرانس سے نکلنے کے لیے سلطان شاہ کی سفری دستاویزات کیا ہوگا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔ "جان لی بگ کی موت کے بعد وفینی گروپ تو تمہاری رسائی سے باہر ہو گیا۔"

"یہاں ایسی بہتیری ایجنسیاں مل جائیں گی لیکن تمہارے پاس س سے بھی محفوظ راستہ موجود ہے۔ برولوا شمٹ کی موت کے بعد وری طور پر کسی مقامی چیف کا تقرر نہ ہو سکے گا۔ اس خلا سے فائدہ ٹھا کر تم سائمن بولیتھو سے جو کام چاہو، لے سکتے ہو۔ وہ تم کو ابھی ک آئی مین ہی سمجھ رہا ہوگا۔"

"اور اسی ہوٹل میں الگ کمرہ بھی بُک کرا لوں؟" میں نے تائید لب لہجے میں سوال کیا۔

"ڈبل بیڈ لے لینا۔ سلطان شاہ تمہارا مہمان بن کر تمہارے ساتھ رہے گا۔"

"اور اگر میں اسے تمہارے کمرے میں چھوڑ دوں؟" میں نے س کے مزاج کا جمود توڑنے کی نیّت سے دانستہ شوخ لہجہ اختیار رتے ہوئے سوال کیا۔

"چھوڑ دو ــــ اسے میرے پاس کوئی شکایت نہ ہو گی۔ مرد اور ورت کے رشتے کے بارے میں آج سے میری سوچ بالکل ہی بدل گئی ہے۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "کاش! میری ماں کی سوچ رست ہوتی تو وہ کبھی لائیڈ کے بہلاووں میں آ کر خود کو اس کے حوالے ہرگز نہ کرتی۔ عورت ایک بار بہک جائے تو اسے کھلونا بنا لیا جاتا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم اس نتیجے پر پہنچی ہو لیکن یہ تو مشرق کی عورت کی سوچ ہے جسے پسماندہ اور فرسودہ کہا جاتا ہے۔ مغرب میں ونا تجربہ کار لڑکیوں کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔" میں نے اسے گفتگو میں الجھائے رکھنے کی نیّت سے کہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ باتوں میں الجھ کر اس کا ذہن کچھ تازہ ہو رہا تھا ورنہ وہ مجھے انسپکٹر سائمن بولیتھو کے بارے میں یاد نہ دلاتی۔

"عورت دنیا میں کہیں بھی ہو، صرف عورت ہی ہوتی ہے۔ ر عورت ہی رہتی ہے اور عورت ہی رہنا چاہتی ہے۔ اسے مغرب کے رد نے بہت مکاری کے ساتھ گھر سے باہر نکالا ہے کیونکہ جدید طرزِ زندگی خراجات تنہا پورے کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔" وہ جوش میں آئے ر خیال لہجے میں بولی۔ "اور باہر نکلنے والی عورت نے خود ہی اپنی کچھ آزادیاں بھی متعین کر لیں۔ کُنبے کا تصور بنیادی طور پر کفالت سے وابستہ ہے۔ جب دونوں فریق خود کفیل ہو گئے تو کنبہ کمزور ہو گیا۔ ان دونوں کے درمیان اعتماد کم ہو گیا اور یہ خلیج دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔"

"جدید طرزِ زندگی اب آیا ہے، مغرب کی عورت تو برسوں سے آزاد چلی آ رہی ہے۔"

"صنعتی ترقی میں یورپ کو رہنما بنے ایک صدی سے زیادہ مدت گزر چکی ہے اور عورت کے بند کبھی جب ہی سے کھلے ہیں۔ صنعتیں جو کچھ بناتی ہیں، انہیں اس کی کھپت کے لیے خریدار چاہئیں اسی لیے تشہیری مہمات چلتی ہیں۔ منظم پیمانے پر ترقی کے جھوٹے ڈھکوسلے سند بنا کر پیش کیے جاتے ہیں مثلاً برطانیہ میں آج ایک متوسط گھرانا شمار ہوتا ہے جس کے پاس گھر اور فرنیچر کے علاوہ ہر خواب گاہ میں ایک ٹیلی وژن، پورے گھر میں کم از کم ایک وی سی آر، دوسری الیکٹرونک اشیا اور ایک آدھ پرائیویٹ ٹی وی چینل سے رابطے کے علاوہ گھر کے ہر بالغ فرد کے پاس کار ہو۔ لہٰذا خود کو متوسط شمار کرانے کے لیے ہر شخص ان اشیا کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور ان صنعتوں کی چاندی ہو رہی ہے کیوں کہ اس دوڑ میں عورتیں سب سے آگے ہوتی ہیں۔ مردوں کے مقابلے میں عورتیں اور خاص طور پر کمانے والی عورتیں زیادہ آسانی کے ساتھ پروپیگنڈے کا شکار بن جاتی ہیں۔"

"تم تو اچھی خاصی ماہرِ معاشیات بن سکتی ہو۔" میں نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "یا شاید تم پر اس وقت کوئی خاص معاشی دورہ پڑا ہوا ہے۔"

وہ مضمحل انداز میں ہنس پڑی۔ "مجھے خود یہ باتیں عجیب لگ رہی ہیں جو میں ہمیشہ سوچتی رہی ہوں لیکن ان کے اظہار کی نوبت آج پہلی بار آئی ہے۔"

"تم دونوں کے مذاکرات چلتے رہیں گے، کم از کم اپنا کمرہ تو بُک کرا لو تاکہ میں وہاں جا کر کچھ دیر آرام کر سکوں۔" سلطان شاہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرے ساتھ نہیں رہو گے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"توبہ توبہ! میری یہ مجال۔" سلطان شاہ کان پکڑتے ہوئے بولا۔ "تنہائی سے خوف آتا ہو تو ڈینی کو روک لینا، میں اس کے کمرے پر قبضہ کر لوں گا۔"

ویرا پہلی بار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

مجھے خیال آیا کہ سلطان ہم دونوں سے زیادہ تھکا ہوا تھا۔ اوّل تو وہ زخمی تھا پھر اسپتال اور وہاں سے جان لی بگ کے فراہم کیے ہوئے سستے سے فلیٹ اور پھر بل سارا ہاوز کے کباڑ خانے میں منتقلی کے دوران اسے کہیں بھی آرام نہیں مل سکا تھا اس لیے کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کے آرام کا بندوبست کیا جانا ضروری تھا۔

ہوٹل کے کمرے میں ہماری ساری رقم محفوظ تھی۔ میں نے ایک

گڈی میں سے چند نوٹ کھینچ کر کھلی ہوئی ڈالروں کی گڈی ویرا کی طرف اچھال دی اور اپنا پاسپورٹ لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس سے پہلے میں نے کسی واقعے کی بنا پر آناً فاناً میں کایا پلٹ ہونے کے بارے میں صرف سُنا ہوا تھا لیکن ویرا کے مقابلے میں وہ مثال میں نے سچی ثابت ہوتے دیکھ لی تھی۔ جمی لائیڈ سے گفتگو نے اُسے بدل کر رکھ دیا تھا۔ سلطان شاہ کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسی تو اس کی ہنسی میں طنز اور تضحیک کا شائبہ تک نہیں تھا۔

ویرا کے بارے میں کئی دلچسپ باتیں سوچتا ہوا میں کاؤنٹر پر پہنچا تو مجھے کمرہ حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ کلرک نے میرا پاسپورٹ سرسری طور پر دیکھ کر ایک سادہ فارم دستخط کے لیے میری طرف بڑھایا۔

"ڈبل روم۔" میں نے داہنی آنکھ دبا کر فارم واپس کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کوئی دوسرا بھی تمھارے ساتھ ہے؟" اس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"نہیں ہے تو کسی بھی وقت آسکتا ہے۔" میں نے اسی لہجے میں کہا اور وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"ہمارے ہوٹل کے تمام کمروں میں ڈبل بیڈ ہیں لیکن اکیلے مہمانوں سے ہم سنگل ریٹ چارج کرتے ہیں، تم جیسا چاہو، کیا جاسکتا ہے۔ ڈبل ریٹ دے کر . . . مالی خسارے کے علاوہ تمھیں اپنے ساتھی کے کوائف بھی رجسٹر میں درج کرانے پڑیں گے۔" اس نے میری فرمائش کے فنی مضمرات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

"جیسا چاہو کرلو، میں نے اپنا مدعا بتا دیا ہے۔ ہوٹل کی انتظامیہ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہم اپنے مہمانوں کی خلوت میں خلل انداز نہیں ہوتے۔" اس نے فارم پر کچھ اندراج کرتے ہوئے شریفانہ لہجے میں کہا۔ "تم بے فکر ہو کر رہو، میں سنگل ریٹ ہی چارج کر رہا ہوں۔"

"اس میں دو ڈالر تمھارے ہیں۔" میں نے پیشگی رقم کے طور پر سو ڈالر دیتے ہوئے کہا۔ "فرانک میں تبادلے کا حساب تم خود دیکھ لینا۔ اور ہاں کمرہ اگر دوسری منزل پر ہو تو بہتر رہے گا۔ لفٹ سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میں زیادہ تر سیڑھیاں استعمال کرنے کا عادی ہوں۔"

"کمرہ نمبر دو سو چھ۔" اس نے بورڈ سے چابی اتارتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ پورٹر لپک کر آیا۔ میرے ساتھ کوئی سامان نہ دیکھ کر اُسے مایوسی ہوئی لیکن کمرے تک تو اُسے بہرحال رہنمائی کرنا ہی تھی۔

کمرے کا محلِ وقوع دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ راہداری کے ایک طرف طاق نمبروں والے کمرے تھے اور دوسری سمت جفت نمبروں کی تھی۔

اس طرح میرے اور ویرا کے درمیان صرف کمرہ نمبر دو سو آٹھ حائل تھا۔

بیرے کو ٹپ دے کر رخصت کرنے کے بعد میں اپنا کمرہ مقفل کر کے ویرا کے کمرے میں پہنچ گیا۔

"تمھارے پڑوس میں ہی ہوں۔" ویرا کی استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں مَیں نے اُسے آگاہ کیا۔ پھر سلطان شاہ سے مخاطب ہوگیا۔ "یہ لو چابی اور کمرے میں جا کر آرام کرو۔ میں ذرا باہر جاؤں گا۔"

"کدھر کا ارادہ ہے؟" اس نے چابی لیتے ہوئے کہا۔

"تمھارے کاغذات۔" میں نے کہا۔ "سائمن لوئیتھو کو میں اپنا ٹھکانہ دکھانا نہیں چاہتا۔ اسے کسی پبلک بوتھ سے فون کر کے کسی ہوٹل میں بلاؤں گا۔"

"پھر لگے ہاتھوں اس کی تصویر بھی بنا لو۔" ویرا بستر چھوڑ کر اپنے بیگ کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "تصویر کے بغیر سائمن کچھ بھی نہ کرسکے گا۔ واپسی پر اس کے لیے کچھ کپڑے بھی لیتے آنا تاکہ تمھاری طرح اسے مشکلات سے دوچار نہ ہونا پڑے۔"

ویرا اپنے بیگ سے وہی کیمرہ نکال لائی جو اس نے میکس کے یہاں قیام کے دوران میری تصویر بنانے کے لیے خریدا تھا۔ اس کیمرے میں نئی رنگین پلیٹ موجود تھی۔ سلطان شاہ نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال وغیرہ درست کیے اور ویرا نے ایک پردے کے پس منظر میں اس کی تصاویر بنا لیں۔

"اب یہ رقم اپنے کمرے میں رکھنا۔ میں یہ بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئی ہوں۔" ویرا بولی اور میں نے رقم کا تھیلا خاموشی سے سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا۔

سلطان شاہ پر نیند کا غلبہ ہو رہا تھا اس لیے وہ اپنی تصویر کا انتظار کیے بغیر تھیلا لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"باہر تو جا رہے ہو لیکن ذرا ہوشیار رہنا۔ اکیلا پیرس ہی زیادہ بدنام نہیں ہے۔ پورے فرانس کی پیشہ ور عورتیں اتنے رکھ رکھاؤ کے ساتھ اجنبیوں پر ڈورے ڈالتی ہیں کہ بڑے بڑے گھاگ بھی لٹنے تک خود کو ان کا عاشق تصور کرتے رہتے ہیں۔" ویرا نے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔ "درمیانہ اور اعلیٰ درجے کے شراب خانے ان کے خاص نشانے ہوتے ہیں!"

"میں اتنا ننگا بھوکا نہیں ہوں ویرا خانم!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمھارے زیرِ سایہ میں نے زندگی کے بڑے رمز سیکھے ہیں۔ بس یہ دھیان رکھنا کہ میں واپس تمھارے دروازے پر آؤں گا۔ دو ہلکی دستکوں کے بعد تیسری ذرا تیز ہوگی۔ یہ اشارہ سلطان شاہ کو بھی سمجھا دینا۔"

سلطان شاہ کی رنگین تصاویر کیمرے سے نکالنے کے بعد میں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری سے انسپکٹر سائمن لوئیتھو کے تین نمبروں کے ساتھ گھر کا نمبر بھی نکال دیا اور میں وہاں سے روانہ ہوگیا۔

میں ہوٹل سے باہر نکلا تو مارسیلز کی فضاؤں میں رات کا دھندلا

اُمڈ چلا تھا۔ ریوڈی الفانسو کی دکانوں کی روشنیاں اور روشن اشتہارات نے اندھیری فضا میں کافی بلندی تک رنگ و نور کی دھنک بکھیری ہوئی تھی۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان زمینی روشنیوں کے ختم ہوتے ہی اچانک ستاروں کی حدود شروع ہو رہی ہوں۔ شام خنک تھی مگر ہوائیں نہ ہونے کی وجہ سے وہ علاقہ پُر ہجوم نظر آرہا تھا۔

شاید وہ علاقہ فائر کیپ کی تباہی کے اثرات سے محفوظ رہا تھا اور شہر کے اس حصے کو دیکھ کر مارسیلز پر نازل ہونے والی ہولناک تباہی کا تصور کرنا محال تھا۔

میں سگریٹ کا دھواں اڑاتا ہوا گردوپیش سے لطف اندوز ہوتا آگے بڑھتا رہا۔ سردی کا احساس مٹانے کے لیے میں نے راستے میں ایک بار سے اسکاچ کا لارج پیگ لیا۔ وہاں شوخ و شنگ نوجوان لڑکے لڑکیوں کی کثرت تھی۔ انگلینڈ اور پھر فرانس کی آب و ہوا نے میری کھلتی ہوئی رنگت کو سرخ و سفید بنا دیا تھا جس کی وجہ سے میرا ایک ایشیائی کے طور پر پہچانا جانا ناممکن ہو گیا تھا لیکن پھر بھی میرے وہاں بیٹھنے پر قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لڑکے لڑکیوں نے بُرا سا منہ بنایا تھا جیسے اپنی محفل میں میری مداخلت پسند نہ آئی ہو مگر میں نے انھیں یکسر نظر انداز کر کے عجلت میں اپنا گلاس خالی کیا اور کسی جھڑپ کا آغاز ہونے سے پہلے ہی وہاں سے اُٹھ گیا۔

راستے میں اچانک ہی میری نگاہ بون مارک کے نیون سائن پر پڑی اور مجھے اپنی خریداری یاد آگئی۔

میں اس ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں داخل ہوا تو وہاں ایک نئی دنیا انگڑائیاں لے رہی تھی۔ خریداروں کے لیے ہر شعبہ اور ہر چیز کشش انگیز تھی۔ بنی سنوری خوبصورت لڑکیاں مستعدی کے ساتھ خریداروں کی مدد کرنے کے لیے فلور پر پھرکی بنی ہوئی تھیں۔ خریداروں کی پُرجوش بھنبھناہٹ اور مشینوں کی کھٹا کھٹ نے وہاں ایک سماں باندھا ہوا تھا۔

چرمی ملبوسات کے شعبے کے قریب سے گزرتے ہوئے یک بیک میں ٹھٹک گیا کیونکہ اجنبی زبانوں کے درمیان پہلی بار اُردو سننے میں آئی تھی اور وہ آواز بھی دلکش تھی۔

وہ واضح طور پر کوئی ایشیائی جوڑا تھا۔ عورت کے ہاتھوں پر نفیس چرمی دستانے چڑھے ہوئے تھے اور وہ مرد کو وہاں سے دھکیل لے جانا چاہ رہی تھی جبکہ مرد وہاں سے ہلنے پر آمادہ نظر نہیں آرہا تھا میرے لیے وہ صورتِ حال بہت دلچسپ تھی' اس لیے میں بالکل انجان بن کر ان سے ذرا دور چرمی جیکٹوں کا جائزہ لینے لگا۔ میری پشت ان کی طرف تھی اور میں اُن کی گفتگو صاف سن رہا تھا۔

”میں کہتی ہوں کہ اب نکل چلو!“ عورت بہ اصرار کہہ رہی تھی۔ ”میں نے اپنے پُرانے دستانے ڈسٹ بن میں پھینک دیے ہیں۔ ہاتھوں پر چڑھے ہوئے دستانوں پر کوئی شک نہیں کر سکے گا۔“

”نہیں سرلا' یہ واپس رکھ دو۔“ مرد کا لہجہ سخت تھا۔ ”زیادہ لالچ نہ کرو' ایک وقت میں اتنی چیزیں لے جانا خطرناک ہو سکتا ہے۔ میرے پیر میں نیا جوتا آ چکا ہے' تم ایک میک اَپ سیٹ بھی اپنے پرس میں رکھ چکی ہو۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ یہ دستانے اگلے ہفتے لے جانا۔ ہم دھر لیے گئے تو مُنہ کالا ہو جائے گا۔“

”اوّل تو کچھ نہیں ہو گا۔ دیپتی لول کا گھر بھانت بھانت کی چیزوں سے بھرا ہوا ہے اور وہ آج تک نہیں پکڑی گئی۔“ عورت اُسے قائل کر رہی تھی۔ ”کچھ ہو بھی گیا تو ہاتھ پیر جوڑ لیں گے' ناک رگڑ لیں گے۔ یہ پردیس ہے۔ یہاں کون دیکھنے اور طعنے دینے والا ہے۔ تم تو اوّل درجے کے بزدل ہو اجے! نہ کما سکتے ہو نہ چُرا سکتے ہو۔“

سرلا اجے کے حق میں ڈان مرسیالو بنی ہوئی تھی۔ اس پر حاوی تھی اور اس کی مردانگی کو للکار کر دستانے لے جانے پر تُلی ہوئی تھی لیکن اجے کا دل چھوٹا تھا۔ وہ صبر اور قناعت کے ساتھ چھوٹی چھوٹی چوریوں پر اکتفا کرنے والا آدمی تھا جب کہ سرلا ایک ہی دفعہ میں پورا اسٹور چرا لے جانے والے حوصلے کی مالک تھی۔

وہ پردیس تھا' وہاں سرلا کا طعنہ کام کر گیا۔ اجے اگر کما نہیں سکتا تھا تو چُرا ضرور سکتا تھا۔ سرلا کو خوش رکھنے کے لیے دستانے چرانے ضروری ہو گئے تھے۔ اس کی مردہ سی آواز سُنائی دی۔ ”پھر میں اپنے جوتے اُتارے دیتا ہوں۔ یہ پھر کبھی لے جائیں گے۔“

”دماغ خراب ہوا ہے تمھارا؟“ سرلا شاید آنکھیں نکال کر غرائی تھی۔ ”کیا ننگے پاؤں واپس جاؤ گے؟ تمھارے پُرانے جوتے تو اب تک اٹھا کر کسی برقی بھٹی میں پھینکے جا چکے ہوں گے... چلو! اب یہاں زیادہ وقت برباد مت کرو' ہم خواہ مخواہ لوگوں کی نظروں میں آ جائیں گے۔“

اجے نے ہتھیار ڈال دیے اور وہ دونوں وہاں سے چل دیے۔ میرا دل چاہا کہ مداخلت کر کے انھیں شاپ لفٹنگ جیسے گناہِ بے لذّت سے روکوں لیکن پھر ان کے ناموں کا دھیان آتے ہی میرے اندر کا متعصب انسان بیدار ہو گیا جس کی فطرت میں دشمنوں کی خیر خواہی سرے سے موجود نہیں ہوتی۔

میں نے عجلت میں وہیں سے خریداری کر کے کیش رجسٹر پر رقم کی ادائیگی کی اور تیز قدموں سے ان کے تعاقب میں ہو لیا۔ دور سے میں نے صرف اتنا دیکھا کہ سرلا نے اسٹور سے نکلتے ہوئے محافظ کی طرف خواہ مخواہ شناسائی کے اظہار میں ہاتھ لہرایا اور بون مارک کے مالکان پلک جھپکتے میں زنانہ چرمی دستانوں کی ایک جوڑی، میک اَپ سیٹ اور مردانہ جوتوں کی ایک جوڑی سے محروم ہو گئے۔ میں ان پر نگاہ رکھنے کی نیّت سے تقریباً دوڑ کر دروازے سے نکل جانا چاہتا تھا کہ اسی مردود' زن مرید چوکیدار نے مجھے روک لیا۔ اس کی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ مجھے کوئی اچکا

سمجھ رہا تھا۔

میں نے حقارت سے بون مارک کا خوبصورت شاپنگ بیگ اس کی طرف اُچھال دیا۔ بیگ میں موجود کیش رجسٹر کی رسید کا سامان سے موازنہ کر کے اس نے عاجزانہ انداز میں کچھ کہتے ہوئے بیگ مجھے لوٹا دیا۔ میں تیزی سے باہر نکلا تو سرلا دیوی اُجے کو لے کر انسانوں کے سمندر میں کہیں گم ہو چکی تھی۔

محافظ نے صرف عجلت کی بنا پر مجھے روکا تھا جبکہ چور اطمینان سے گزر گئے تھے۔ اپنی اس توہین کے بعد نہ جانے کیوں مجھے سرلا دیوی پر پیار آنے لگا۔ اس محافظ کو ملازم رکھنے والے اسی سلوک کے مستحق تھے جو سرلا دیوی نے ان سے روا رکھا تھا۔

اس واقعے کے بعد میری طبیعت میں تکدّر پیدا ہو گیا اور میں کچھ دور چلنے کے بعد ہوٹل لوگس ڈی فرانس میں داخل ہو گیا جو بظاہر اعلیٰ درجے کا ہوٹل نظر آ رہا تھا۔

لابی میں پہنچ کر سب سے پہلے میں نے ایک بوتھ سے انسپکٹر سائمن کا نمبر ملایا۔ سکّے ڈالنے کے بعد ایک لڑکی سے بات ہوئی تو پتا چلا کہ وہ گھر جا چکا تھا۔ گھر کا نمبر ملانے پر براہِ راست اسی کی آواز سنائی دی۔

"میں پیٹرواک بول رہا ہوں سائمن!" میں نے دھیمی لیکن دبنگ آواز میں کہا۔ "اور اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں تیار ہوں سر!" اس کے الفاظ سعادت مندانہ، لیکن لہجہ جھجک آمیز تھا۔

"کیا بات ہے؟ تمھارے لہجے سے کچھ مزاحمت کی بُو آ رہی ہے۔" میں نے ترشی سے سوال کیا۔

"نن... نہیں سر!" وہ خوف سے ہکلانے لگا۔ "مجھے کوئی عذر نہیں... بات صرف اتنی سی ہے کہ میں نے کچھ الکحل لی ہوئی ہے۔ اس کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ اس حالت میں ملتے ہوئے میرا سر شرم سے نیچا رہے گا۔"

"یہ یاد رہے تو کافی ہے۔ میں ہوٹل لوگس ڈی فرانس کے بار میں تمھارا انتظار کروں گا۔ تم کتنی دیر میں پہنچ سکتے ہو؟"

"زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں۔" اس کی آواز ابھری۔

"آؤ، میں منتظر ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا اور بون مارک کا شاپنگ بیگ سنبھال کر ہوٹل کے بار کی طرف ہو لیا۔ مجھے یقین تھا کہ ڈنر کے رسمی لباس میں نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اس ہوٹل کے ڈائننگ ہال یا بال روم میں داخلے کی اجازت نہیں ملے گی، اسی لیے میں نے سائمن سے ملاقات کے لیے بار کا انتخاب کیا تھا۔

بار بہت خوبصورت اور گاہکوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں ایک ویٹرلیس کی رہنمائی میں دو نشستوں والی ایک میز پر جا بیٹھا۔ دھیمی دھیمی خواب ناک روشنیوں میں مہذّب لوگوں کا وہ اجتماع بہت رنگین اور دلفریب تھا، اس لیے انسپکٹر سائمن کے انتظار میں دس منٹ گزارنے میرے لیے آسان ثابت ہوئے اور وہ عین مقررہ وقت پر بار میں داخل ہو گیا۔

پابندیٔ وقت انسپکٹر کا قومی مزاج تھا۔ اسی طرح اس نے وہاں آنے کے لیے لباس کا بھی پورا اہتمام کیا تھا۔ ویسے بھی بار میں غیر رسمی لباس میں چند ہی گاہک نظر آ رہے تھے۔

"میں بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں سر!" میرے مزاج پُرسی کرتے ہی وہ پریشان لہجے میں بولا۔ "آج دوپہر سنتھیا کو حوالات میں زہر دے کر ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا۔"

وہ خبر میرے لیے چونکا دینے والی تھی۔ "ہو سکتا ہے کہ اس نے خودکشی کی ہو، وہ بہت حسّاس اور جذباتی لڑکی تھی۔" میں نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"حوالات میں ڈالنے سے پہلے اس کی تفصیلی جامہ تلاشی لی گئی تھی۔ سگریٹ کے علاوہ اس کے پاس کوئی چیز نہیں چھوڑی گئی تھی۔ ماچس تک نہیں دی گئی تھی۔ سنتھیا کو خواہش ہوتی تھی تو سنتری ہی اس کی سگریٹ جلاتا تھا اور اس کے ختم ہونے تک یہ خیال رکھتا تھا کہ وہ کوئی تخریب کاری نہ کرنے پائے۔"

"تم ذہین افسر ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم یہ گتھی سلجھا لو گے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ برونوا شمٹ اچانک کہیں غائب ہو گیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس شہر میں کیا ہو رہا ہے؟"

"بہت تشویش ناک خبر ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بڑبڑایا۔ "آج مارسیلز کے مضافات میں سینٹ فرانسس جانے والی سڑک پر بھی ایک عجیب حادثہ ہوا ہے جس میں ایک کار دھماکے سے جل کر پھٹ گئی۔ ملبے میں کئی گنوں کے جلے ہوئے ڈھانچے بھی ملے ہیں جو کار کے آہنی چیسز سے منسلک تھے...."

"یہ ہوتا رہتا ہے سائمن!" میں نے عارفانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ کبھی معلوم نہ ہو سکے گا کہ وہ کار کس کی تھی اور اسے کس نے تباہ کیا۔"

"تت... تو کیا اس واقعے کا تعلق بھی ہم سے ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہر بڑے واقعے کا تعلق ہم سے ہوتا ہے۔" میں نے کہا پھر فوراً ہی موضوع بدل دیا۔ "میرے لیے اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ برونو لا پتا ہے اور مجھے ایک آدمی کی سفری دستاویزات فوری طور پر درکار ہیں۔"

"معاملہ اتنا ہی اہم ہے تو میں تیار ہوں۔ صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے یہ کام کرا سکتا ہوں۔" اس نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"اتنا اہم نہ ہوتا تو اس وقت تمھیں یہاں نہ بلایا ہوتا۔"

"مجھے اس کی ایک تصویر دے دو۔ اسے کسی خاص ملک کا پاسپورٹ درکار ہوگا یا کوئی بھی ملک چل جائے گا؟" انسپکٹر سائمن اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ کارآمد ثابت ہوتا نظر آتا تھا۔

"کوئی ایشیائی ملک ہو تو بہتر رہے گا۔ خدوخال سے وہ ایشیائی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے جیب سے سلطان شاہ کی تازہ تصویر نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "یہ پاسپورٹ مجھے کب تک مل جائے گا؟"

"صبح پہنچا دوں گا۔ مجھے پتا دے دو۔" اس نے تصویر پر سرسری سی نگاہ ڈال کر اسے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"صبح نہیں، یہ کام آج رات ہی ہونا ہے۔ میں مصروف ہوں اور ٹھکانے بدلتا رہوں گا۔ اس لیے تم کو کوئی ایک نمبر نہیں دے سکتا۔ اس وقت سات بجے ہیں، میں دس بجے تم کو فون کروں گا، پھر ہم ملاقات کا پروگرام طے کرلیں گے۔ یہ دھیان رکھنا کہ یہ معاملہ بہت خفیہ ہے اس شخص کی روانگی کی خبر قبل از وقت کسی غلط آدمی کو مل گئی تو کروڑوں کا خسارہ ہوسکتا ہے۔ محض اسی ڈر سے اس کا اصلی پاسپورٹ نہیں بنوایا گیا ہے۔"

"تم بے فکر رہو، میں ایسے معاملات کی نوعیت سے بہ خوبی واقف ہوں، کام کرنے والوں کے علاوہ کسی کو اس معاملے کی بھنک نہیں مل سکے گی۔" اس نے پورے اعتماد کے ساتھ یقین دہانی کرائی۔

اسے کام مل چکا تھا اور وہ وقت ضائع کیے بغیر کام کا آغاز کرنا چاہ رہا تھا، اس لیے صرف ایک ہی پیگ لینے کے بعد اس نے اجازت چاہی، ویسے بھی وہ گھر سے پی کر آیا تھا۔ اس لیے اس کا مزید رکنا میرے لیے مسائل پیدا کرنے کا سبب بن سکتا تھا۔ اس لیے میں بل ادا کرکے اس کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔

دروازے سے نکلتے ہوئے اس نے مجھ سے میری سواری کے بارے میں پوچھا تو میں نے اطمینان سے اپنی سواری کی موجودگی کا یقین دلا کر اسے رخصت کردیا۔ اور وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

اس وقت تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا اور قرائن بتا رہے تھے کہ انسپکٹر سائمن نے حسب وعدہ اپنا کام سرانجام دے لیا تو ہم تینوں اگلی صبح مارسیلز سے کسی نئی منزل کی طرف روانہ ہوسکتے تھے۔

ہوٹل مارٹن کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میرے ذہن میں خیالات کا ایک سلسلہ چل پڑا۔

سنتھیا بیچ کاک شاید شی کے بارے میں اہم معلومات رکھتی تھی، یا وہ شی کے اہم لوگوں کے لیے کام کرتی تھی، اس لیے انٹرپول والوں کی آمد سے قبل اس کا رہا کرایا جانا ناگزیر ضرورت بن گیا تھا لیکن دوسری طرف جمی لائیڈ نے مارسیلز میں ویرا کی موجودگی کا سراغ ملتے ہی شی کی تمام سرگرمیاں معطل کرا کے پوری افرادی قوت کو پچاس ہزار ڈالر انعام کے لالچ کے ساتھ ویرا کی تلاش پر مامور کردیا تھا۔ اس دوران میں سنتھیا کو بھی نظر انداز کردیا گیا۔

سنتھیا شی سے باہر کی عورت تھی، مگر اس کی آزادی سے شی اور اس کے بعض اہم کارندوں کی سلامتی وابستہ تھی، اس لیے بروناشمڈٹ مقامی سطح پر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں تھا۔ اندازہ یہی ہوتا تھا کہ ویرا کی تلاش پر سارے وسائل مرکوز رکھنے کے لیے جمی لائیڈ نے خود سنتھیا کو زہر دلوانے کا آسان فیصلہ کیا تا کہ شی کے مفادات کے تحفظ کے ساتھ اس کا ذاتی کام بھی کسی تاخیر سے دوچار نہ ہو، شاید بل سارا ہاؤز کی طرف روانگی سے قبل وہ سنتھیا کی تقدیر کا فیصلہ کرچکا تھا۔

مگر حیران کن بات یہ تھی کہ انسپکٹر سائمن بولیھیو کو مرسیڈیز کے حادثے کی اطلاع مل چکی تھی، لیکن جلے ہوئے ملبے میں ایک لاش کی موجودگی کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ اسی طرح وہ سینٹ فرانسس کے علاقے میں ہونے والے زبردست کشت و خون اور فصلوں کی بربادی سے بھی بے خبر نظر آرہا تھا۔

میری دل ہی دل میں دعا تھی کہ ان سب واقعات کے بارے میں کوئی سنسنی خیز اطلاع ملنے سے قبل ہی انسپکٹر سائمن، سلطان شاہ کا پاسپورٹ تیار کرا دے۔ تاکہ ہم اس جہنم سے کسی گوشۂ عافیت کی طرف فرار ہوسکیں محض اسی خیال سے میں نے اسے تین گھنٹے کی قلیل سی مہلت دی تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ ویرا جمی لائیڈ کی زبان سے اس کا اعتراف سننے اور اسے اپنا باپ تسلیم کرنے کے باوجود اس سے بغاوت پر آمادہ تھی۔ اس کا حوصلہ ضرور پست ہوگیا تھا، لیکن ذرا سی محنت کے بعد اسے دوبارہ پہلے کی طرح حرکت میں لایا جاسکتا تھا اور ہم تینوں جمی لائیڈ کو اپنا سر پیٹنے پر مجبور کرسکتے تھے۔

میں انھی خیالات میں کھویا ہوا ہوٹل مارٹن کے ذرا قریب پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس علاقے کو دور تک پولیس نے گھیرے میں لے کر ہوٹل مارٹن جانے والا راستہ مسدود کیا ہوا تھا۔ اور ان کی قائم کی ہوئی رکاوٹوں کے قریب پرتجسس لوگوں کا ایک ہجوم جمع تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں کوئی تازہ اور سنگین واردات رونما ہوئی ہو۔

میرے لیے وہ صورت حال تشویش ناک تھی۔ اس وقت ویرا سے مشورہ کرکے انسپکٹر سائمن سے اگلی ملاقات کی تفصیلات طے کرنا میرے لیے بہت اہم تھا، لیکن میں بلا سوچے سمجھے اس بھیڑ میں گھسنے کی حماقت بھی نہیں کرسکتا تھا۔

مقامیوں کے اس ہجوم میں تھوڑی سی تگ و دو کے بعد میں نے ایک ایسے نوجوان کو ڈھونڈ نکالا جو انگریزی پر عبور رکھتا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے کچھ بدمعاش ایک عورت کو زبردستی اٹھا لے گئے

ہیں۔" میرے استفسار پر اس نے بتایا۔

"سڑک سے لے گئے ہیں؟" میں نے متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"مارسیلز میں قانون کی حکمرانی ختم ہو رہی ہے۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے باغیانہ لہجے میں بولا۔ "پرانی قدریں تیزی سے تباہ ہو رہی ہیں۔ وہ اسے سڑک سے لے جاتے تو ایسا ظلم نہ ہوتا۔ اس عورت کو ہوٹل مارٹن میں اس کے کمرے سے اغوا کیا گیا ہے۔"

میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئیں اور آنکھوں کے سامنے تاریک دھند سی ناچنے لگی۔ "کون تھی وہ عورت؟" میں نے سوال کیا تو مجھے اپنی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

"کوئی عرب تھی اور میری بات لکھ کر رکھ لو کہ وہ کوئی معمولی عورت نہ رہی ہو گی۔ عرب شہزادیاں نجی دوروں پر اکثر اپنی شناخت چھپا کر اوسط درجے کے ہوٹلوں میں رہتی ہیں تاکہ آزادی سے فرانس کی شہری زندگی سے لطف اندوز ہو سکیں، مگر دیکھ لو کہ ہماری شہری زندگی اب یہ رہ گئی ہے کہ ہم اپنے مہمانوں کا بھی تحفظ نہیں کر سکتے۔"

اس دل جلے کی آواز میری سماعت میں معدوم ہوتی چلی گئی اور مجھے اپنے وجود میں ایک ہولناک خلا کا احساس ہونے لگا۔

میں نے بہ مشکل خود پر قابو پاتے ہوئے ایک قریبی ریستوران کی راہ تلاش کی، جہاں پبلک فون موجود تھا۔ ریستوران ویران پڑا ہوا تھا۔ گاہکوں کے ساتھ اس کا بیشتر عملہ بھی تماشائیوں میں ملا ہوا تھا۔

میں نے جیب سے ہوٹل مارٹن کا کارڈ نکال کر نمبر ڈائل کیا تو آپریٹر کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی اور اس نے میرے پہلے ہی سوال کے جواب میں تصدیق کر دی کہ کلثوم احمدی اغوا ہو چکی ہے۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اسے یوں بہ زور لے جانے والے کون ہو سکتے تھے۔

ویرا اغوا ہو چکی تھی تو دنیا کی کوئی طاقت سلطان شاہ کو ناقابلِ تصوّر مصائب اور دشواریوں سے نہیں بچا سکتی تھی۔ کیونکہ وہ ویرا کے قریب ہی ایک ایسے کمرے میں مقیم تھا جو میرے اطالوی نام پر محفوظ تھا۔ اپنی کسی بھی شناخت کی عدم موجودگی میں وہ اس کمرے میں اپنی موجودگی کا کوئی جواز نہیں دے سکتا تھا۔ اس واردات کا سب سے مضبوط اور مشتبہ ملزم وہی ہو سکتا تھا۔

میں لمحوں ہی لمحوں میں ایک بار پھر تنہا رہ گیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مارسیلز میرے قدموں کی زنجیر بن گیا ہو۔ نکلنے کی شدید ترین آرزو اور امیدوں کے باوجود اب پھر وہاں سے نکلنے کے آثار ناپید نظر آ رہے تھے۔

ہوٹل مارٹن کے قرب و جوار میں ہجوم رفتہ رفتہ بڑھتا جا رہا تھا۔ بھرے پرے ہوٹل سے یوں کھلے بندوں ایک غیر ملکی عورت کا اُٹھا لیا جانا مارسیلز کے شہریوں کے لیے ایک انہونا واقعہ تھا لہٰذا ان میں خوف و ہراس اور سنسنی کا پھیلنا فطری امر تھا۔ ان امن پرور شہریوں کے لیے تو درحقیقت فائر کیمپ کے واقعات کا ہی تسلسل جاری تھا اور انھیں وہ سب بھگتنا پڑ رہا تھا جس کا اُنھوں نے گزرے ہوئے برسوں میں شاید تصوّر بھی نہیں کیا تھا۔

ویرا، ہوٹل مارٹن کے کمرا نمبر دو سو دس میں مقیم تھی اور خوش قسمتی سے میں نے ہوٹل چھوڑنے سے قبل اسی فلور پر کمرا نمبر دو سو چھ اپنے اطالوی نام پر بُک کرا لیا تھا اور سلطان شاہ گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کا تھیلا لے کر اُسی کمرے میں چلا گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان صرف ایک کمرا واقع تھا اور یہ بات یقینی تھی کہ ویرا مزاحمت کیے بغیر اغوا کرنے والوں کے قابو میں نہ آئی ہو گی۔ اس کے کمرے میں ہونے والی دھما چوکڑی لامحالہ سلطان شاہ کو بھی اس طرف متوجہ کر سکتی تھی۔ اس اعتبار سے اس ہنگامے میں سلطان شاہ کا ملوث ہونا ناگزیر نظر آ رہا تھا۔

اگر وہ ویرا کو اُٹھا لے جانے والوں سے زیر نہ بھی ہُوا ہو تو واردات کے فوراً بعد وہ ہوٹل کی انتظامیہ اور پولیس کی نگاہوں میں آ سکتا تھا۔ اس کے پاس نہ کوئی شناختی کاغذ تھا اور نہ ہی وہ فرنچ زبان سے واقف تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر پولیس نہایت آسانی کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈال سکتی تھی۔ اپنی مدافعت میں وہ واردات کے وقت ہوٹل مارٹن یا اس کے کمرا نمبر دو سو چھ میں اپنی موجودگی کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ کمرا میرے، پیٹر واک کے اطالوی نام پر بُک تھا۔ ان حالات کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا کہ پولیس، ویرا کو اغوا کرنے والے اصل مجرموں کو فراموش کر کے وہ الزام سلطان شاہ کے سر تھوپ دیتی اور اغوا کی سازش اور اعانتِ جُرم کے الزامات میں اُس کی ذات مقامی پولیس کی مہربانیوں کا مرکز بن جاتی۔

اس کے بارے میں میرے ذہن میں ایک بدترین امکان بھی پرورش پا رہا تھا۔ جو لوگ ہوٹل مارٹن میں ویرا کے اغوا کی نیّت سے داخل ہوئے تھے اُنھوں نے لازمی طور پر، ہر قیمت پر اپنا مقصد حاصل کرنے کا تہیہ کیا ہُوا ہو گا۔ ان کے عزائم بھانپ کر اگر ویرا نے مزاحمت کی ہو اور شور مچایا ہو تو سلطان شاہ اس کے بچاؤ کے لیے مداخلت کر سکتا تھا اور مُجرم اسے اپنی راہ کا روڑا سمجھ کر بے رحمی کے ساتھ ٹھکانے لگا سکتے تھے۔ باہر موجود تماشائیوں کی بھیڑ میں، میں نے صرف اغوا کی واردات کی بازگشت ہی سُنی تھی۔ کسی نے بھی قتل کے بارے میں کوئی لفظ نہیں کہا تھا لیکن میرے ذہن سے وہ امکان معدوم نہیں ہو سکا تھا۔ خون میں نہائی ہوئی لاش کا جب تک اسپتال وغیرہ میں باضابطہ طبی معائنہ نہ کیا جائے اُسے زخمی اور بے ہوش ہی تصور کیا جاتا ہے۔ عین ممکن تھا کہ واردات کے بعد کوئی ڈاکٹر اس وقت وہاں سلطان شاہ کا طبی معائنہ کر رہا ہو اور اسے طبی امداد دے کر اس کی زندگی بچانے کی

کوشش کر رہا ہو۔

یہ سب سوچتے ہوئے میں اس بھیڑ میں کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح چکراتا پھر رہا تھا کہ اچانک عقب سے کسی نے مضبوطی کے ساتھ میرا داہنا بازو تھام لیا۔

میں غول سے بچھڑے ہوئے کسی وحشت زدہ بھیڑیے کی طرح بجلی کی سی سرعت سے پلٹا تھا اور پھر اچانک ہی میرے منہ سے اطمینان کا ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔

سلطان شاہ میرے سامنے موجود تھا اور رقم کا تھیلا اس کے کندھے سے جھول رہا تھا۔ ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور میں مشینی انداز میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس کے یوں اچانک سامنے آ جانے پر اس وقت مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسے پوری قوت سے اپنے سینے سے لگا لوں لیکن اس وقت میری کوئی بھی اضطراری حرکت مجھے گرد و جوار میں موجود لوگوں کی نظروں میں مشتبہ بنا سکتی تھی، اس لیے میں خود پر قابو پا کر اس کے ہمراہ بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا رہا۔ سلطان شاہ کے چہرے پر پہلی نگاہ ڈالتے ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بہت زیادہ پریشان اور خوفزدہ تھا۔ مخدوش حالات میں کسی سفری دستاویز کی غیر موجودگی میں مجھ سے بچھڑنے کے بعد اس کی پریشانی میرے لیے ایسی ناقابلِ فہم نہیں تھی۔

"بہت بُرا ہُوا . . . . وہ اسے میرے دیکھتے ہی دیکھتے اٹھا لے گئے اور میں کچھ بھی نہ کر سکا۔" اس نے بھیڑ سے کٹ کر الگ نکل آنے کے بعد متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "ان کی تعداد کسی بھی طرح دس بارہ سے کم نہیں تھی، وہ سب ہلکی مشین گنوں سے مسلح تھے۔ انھوں نے آتے ہی پورے ہوٹل پر قبضہ کر لیا تھا۔"

"کچھ اندازہ ہُوا کہ وہ کون لوگ تھے؟" میں نے تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ اندازہ نہیں ہو سکا، وہ سر سے پیر تک سیاہ لباسوں میں تھے، ان کے چہروں پر بھی سیاہ نقابیں چڑھی ہوئی تھیں۔ شاید ویرا نے ان کی دستک کے جواب میں دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا تھا جس پر مشتعل ہو کر انھوں نے ہوٹل کے کمرے کا دروازہ ہی اکھاڑ پھینکا۔ میں ان دھماکوں کی آواز سُن کر کمرے سے باہر نکلا تو راہداری میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مسلح نقاب پوش مستعد کھڑے ہوئے تھے، اُن میں سے ایک نے نال سے اشارہ کر کے کچھ کہا اور میں دوبارہ کمرے میں گھسنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے لب و لہجے سے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں نے ذرا بھی حیل و حجت سے کام لیا تو وہ میرا بدن چھلنی کر دے گا۔"

"تمھیں کیسے پتا چلا کہ اُنھوں نے ویرا کو ہی اغوا کیا ہے؟" میں نے ایک موہوم سی اُمید کے تحت سوال کیا۔

"دو نقاب پوش اس کے کمرے کے باہر کھڑے تھے۔ جس وقت میں دوبارہ اپنے کمرے میں داخل ہُوا تو تیسرا نقاب پوش بے ہوش ویرا کو اپنے کندھے پر لادے ہوئے اُس کمرے سے برآمد ہوتا ہُوا نظر آیا تھا، وہ سب بہت مطمئن اور منظم تھے۔ ان کے انداز سے گھبراہٹ کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سب کچھ کسی سوچے سمجھے پلان کے تحت ہو رہا ہو۔ ویرا کی دُرگت دیکھتے ہی مجھے خطرے کا اندازہ ہو گیا تھا۔ میں صرف اتنی دیر تک اپنے کمرے میں رُکا رہا جتنی دیر میں میرے اندازے کے مطابق وہ اس فلور سے غائب ہو جاتے۔ میں باہر نکلا تو میدان صاف تھا، راہداری میں چڑیا کا بچہ تک نہیں تھا۔ میں نے پیک کر دیرا کے تاراج اور خالی کمرے کا سرسری جائزہ لیا اور خطرہ بھانپ کر اپنے کمرے سے رقم کا بیگ لیتے ہوئے نیچے اُتر آیا۔"

"اور تمھیں کسی نے روکنے کی کوشش نہیں کی؟" میں نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"روکتا کون؟" وہ بے ساختہ بولا۔ "میں لفٹ کے بجائے سیڑھیوں سے گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو اسی وقت مجرموں کے فرار ہونے کے بعد ہوٹل کے عملے کو ہوش آیا تھا۔ ان میں شدید انتشار اور خوف و ہراس پھیلا ہُوا تھا۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہوٹل سے باہر نکل گیا۔

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

★ کیا آپ کی آنکھیں کمزور ہیں۔
★ کیا آپ کی آنکھیں بھینگی ہیں۔
★ کیا آپ چشمہ لگاتے ہیں۔
★ یا آنکھوں کے کسی مرض کا شکار ہیں؟

تو کتاب ——————

کم نظری اور اُس کا سدِّباب

قیمت ۲۵ روپے۔ ڈاک خرچ ۲۳ روپے

آپ کو بتائے گی کہ ——————

عینک سے چھٹکارا کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بغیر دواؤں کے اپنی آنکھیں کس طرح صحت مند بنائی جا سکتی ہیں۔ اگر آپ کی آنکھیں صحت مند ہیں تو انہیں ہمیشہ کس طرح صحت مند رکھا جا سکتا ہے

ہر شخص کے لئے یکساں طور پر مفید کتاب

مکتبہ نفسیات پوسٹ بکس ۹۴۴ کراچی ۱

نکاسی کے راستے پر ہوٹل کے باوردی دربان کو زخمی کر کے شاید بے ہوش کر دیا گیا تھا، اس لیے میدان بالکل صاف تھا۔ باہر آ جانے کے بعد بھی میں قرب و جوار میں اس طرح گھومتا رہا کہ ہوٹل کا دروازہ میری نگاہ میں رہے تاکہ میں تمھاری واپسی سے باخبر رہ سکوں۔ پولیس کی آمد کے بعد ہوٹل کے باہر ہجوم جمع ہونے لگا تو مجھے تشویش لاحق ہو گئی۔ میرے لیے یہ تصوّر ہی وحشت انگیز تھا کہ مجھے تمھارے سہارے کے بغیر مارسیلز میں اپنی جدّوجہد جاری رکھنا ہو گی لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں اتنے بڑے ہجوم میں بھی تم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ تمھیں واپس آئے کتنی دیر ہوئی؟"

"دس پندرہ منٹ۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ اس وقت میرا ذہن ویرا کے معاملے میں اُلجھ گیا تھا، اس وقت ویرا کے دو ہی امکانی دُشمن تھے۔ رشی کے ایجنٹ یا پولیس..... پولیس والوں کو سیاہ نقابیں لگا کر اسے اسلحے کے بل پر اغوا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اگر انھیں اس پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا تھا تو وہ جب چاہتے، کھلے بندوں اُسے ہوٹل سے گرفتار کر کے لے جا سکتے تھے، اس لیے غالب امکان یہی تھا کہ اُسے اُٹھا لے جانے والے رشی کے ہرکارے تھے۔

اُس روز ہمارے دن کا آغاز ہی رشی کے ساتھ محاذ آرائی سے ہُوا تھا جس کا انجام کم از کم ویرا کے حق میں خطرناک ثابت ہُوا تھا۔ سوفینی گروپ کے چیف، جان لی بگ کے ذریعے پہلے برونواشمٹ نے ہمیں بل سارا ہاؤز میں قید کیا لیکن ہم وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے پھر ہماری شامت ہمیں دوبارہ ان ہی مضافات میں ہانک لے گئی جہاں اس بار جمی لائیڈ بذاتِ خود بل سارا ہاؤز پہنچا ہُوا تھا۔ اس بار بھی ہم چوہے دان میں پھنستے پھنستے اچانک ہی برونواشمٹ کو شیشے میں اُتار کر بچ نکلے اور اس جرمن نژاد کی بھینٹ دے کر بہ حفاظت اپنے ہوٹل واپس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن محسوس ہو رہا تھا کہ اس دوران میں کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی اور رشی کے خونخوار بھیڑیوں کو ویرا کی کمین گاہ کا سُراغ مل گیا تھا، جب ہی وہ اُسے اُٹھا لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے، یہ بات یقینی تھی کہ ان لوگوں کو ہماری خوش قسمتی سے یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ ویرا کے ساتھ ہم بھی اسی ہوٹل میں مقیم تھے، ورنہ وہ بے صبری سے کام لینے کے بجائے ہم تینوں... یا کم از کم میری اور ویرا کی یکجائی کا انتظار کرتے اور پھر ایک ہی وار میں بھرپور کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میری طویل ہوتی ہوئی خاموشی کو ختم کرنے کی نیّت سے سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"کچھ پتا نہیں کہ اس بار منزل کہاں ہو گی۔" میں نے کھوکھلی آواز میں کہا اور اپنے لہجے کی بے اعتمادی پر خود ہی ہل کر رہ گیا۔ "اب ہمیں بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھانا ہو گا۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جمی لائیڈ کے یہاں پہنچتے ہی رشی والوں کی کارکردگی میں یک بیک اضافہ ہو گیا ہے۔"

"اس نے مارسیلز میں اپنی آمد کا اعلانِ عام تو نہیں کیا ہو گا۔ رشی کے گِنے چُنے لوگوں کے علاوہ کسی کو اس کی آمد کی بھنک بھی نہ مل سکی ہو گی۔" اُس نے کہا۔

"برونواشمٹ کے علاوہ یہاں صرف ایک آئی مین ہی ایسا تھا جسے جمی لائیڈ کی آمد کی اطلاع ہو سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی بیوی کے قتل کے بعد جیف ڈارلنگٹن لندن سے لوٹ آیا ہو لیکن یہ بات طے ہے کہ جمی لائیڈ کی آمد نے رشی والوں میں کام کرنے کی نئی رُوح پھونک دی ہے، ورنہ وہ ہوٹل مارٹن تک نہ پہنچ پاتے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "ویرا کے اغوا کے بعد ہوٹل مارٹن ہمارے لیے مخدوش ہو گیا ہے۔ میں نے کمرا بُک کراتے ہوئے دو دن کی پیشگی کرائے سے زیادہ رقم جمع کر دی تھی، اس لیے پرسوں تک ہوٹل والوں کو میری عدم موجودگی پر کوئی تشویش نہیں ہو گی لیکن شاید پولیس کی توجّہ میری طرف ضرور مبذول ہو جائے گی۔"

"اس معاملے کی تفتیش بھی تمھارا دوست ہی کرے گا۔" سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "کیونکہ کلثوم احمدی بھی عرب نژاد عورت تھی۔ تم نے بتایا تھا کہ غیر ملکیوں کے معاملات کی دیکھ بھال کا شعبہ سائمن بولیتھو کے ذمّے ہے۔"

سائمن بولیتھو کا نام آتے ہی میں چونک پڑا۔ اہم سرکاری اہل کاروں میں وہ رشی کا زرخرید کارکن اور مخبر تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ رشی کی عام تنظیم اور افرادی قوّت سے اس کا کوئی رابطہ نہیں تھا بلکہ وہ براہِ راست رشی کے مقامی چیف کو جواب دہ تھا اور اسی سے اپنا ماہانہ مشاہرہ وصول کرتا تھا۔ گیری ہارٹ کی ہلاکت کے بعد مقامی چیف کے عہدے پر برونواشمٹ کے تقرر کی اطلاع مجھے اسی سے ملی تھی اور اب برونواشمٹ بھی جہنّم واصل ہو چکا تھا۔ اس طرح وقتی طور پر سائمن بولیتھو کو ہدایات دینے والا کوئی بھی ذمّے دار فرد باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے جمی لائیڈ کی بُلٹ پروف مرسیڈیز میں فرار ہوتے ہوئے ڈرائیونگ کی ذمّے داری برونو پر ڈالی تھی لیکن جب ٹرانسمیٹر پر براہِ راست جمی لائیڈ سے بات ہوئی تو میں نے اُسے برونو کی بغاوت کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی بلکہ اسے یہ بتایا تھا کہ برونواشمٹ اچانک ہی خوفزدہ ہو کر کھیتوں میں فرار ہو گیا تھا۔ مرسیڈیز کی ڈرائیونگ سیٹ میں نصب ریموٹ کنٹرولڈ خونی شکنجوں کے ذریعے مجھے بے بس کر کے دھماکے میں ہلاک کرنے کے ارادے سے جب جمی لائیڈ نے رواروی میں ڈرائیور کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے آنے والے خونیں لمحات کا کوئی علم نہ ہونے

کے باوجود محض چھٹی حس کے سہارے اُسے بتایا کہ مریسڈیز میں خود چلا رہا تھا۔

جب جمی لائیڈ نے اپنی دانست میں مجھے ہلاک کرنے کے لیے مریڈیز میں نصب خونی آلات سے کام لیا تو میرے بجائے بردنو شمٹ دردناک موت کا نشانہ بن گیا۔ رہی سہی کسر کار میں ہونے والے طاقتور بارودی دھماکے اور اس کے نتیجے میں بھڑک اُٹھنے والی ہولناک آگ نے پوری کر دی جس کے نتیجے میں بردنو کی لاش کے چیتھڑے تک جل کر نیست و نابود ہو گئے ہوں گے۔ اس طرح جمی لائیڈ کو خوش فہمی رہی ہو گی کہ اس نے ہمیشہ کے لیے میرا قصہ پاک کر دیا۔ دوسری طرف شی کے مارسیلز یونٹ کے مفرور چیف کی تلاش شروع کرا دی گئی ہو گی جس کی بازیابی یا موت کا یقین کیے بغیر جمی لائیڈ اس کے جانشین کی نامزدگی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس اعتبار سے مجھے خوشی تھی کہ عارضی طور پر سائمن بولیتھو اور شی کے درمیان کوئی براہِ راست رابطہ نہیں رہا تھا اور کم از کم اگلے چوبیس گھنٹوں تک وہی صورتِ حال برقرار رہنے کا امکان تھا۔ اس وقت میرے لیے انسپکٹر سائمن بولیتھو کی ذات یک بیک اہمیت اختیار کر گئی تھی کیونکہ مارسیلز کے محکمۂ پولیس میں وہ ایک کلیدی عہدے پر فائز اور دل و جان سے شی کا وفادار تھا۔ شی سے اس کے روابط کی گمشدہ کڑیوں سے فائدہ اُٹھا کر میں اسے اپنے آئی مین ہونے کا اس حد تک یقین دلا چکا تھا کہ ہوٹل مارکوئیس سے میری گرفتاری کے بعد میری رہائی کے لیے اس نے اپنے محکمے کی فیکس مشین خراب کر کے محض ٹیلکس پر میرے کوائف کی تصدیق سے فائل کی خانہ پُری کر لی تھی اور تھوڑی ہی دیر قبل میں نے اپنی آئی مین کی حیثیت استعمال کرتے ہوئے اُسے سلطان شاہ کی سفری دستاویزات تیار کرانے کا کام سونپا تھا جس کے بارے میں مجھے چند گھنٹوں بعد، دس بجے اس کے گھر فون کرنا تھا تاکہ پاسپورٹ وغیرہ وصول کرنے کا طریقۂ کار اور مقام طے کیا جا سکے۔

سلطان شاہ کا کہنا درست تھا کہ مارسیلز میں غیر ملکیوں سے تعلق رکھنے والے جرائم کی تفتیش کرنے والے پولیس سیل کا سربراہ سائمن ہی تھا، اس لیے ویرا کے اغوا کے معاملے کی تفتیش اسی کے دائرہ کار میں آتی تھی، اگر میرے آئی مین ہونے کے بارے میں اس کی غلط فہمی برقرار رہتی تو ہوٹل مارٹن میں مقیم مسافروں کا ریکارڈ دیکھتے ہوئے وہ رجسٹر میں مندرج میرا اطالوی نام پہچان جاتا اور یوں میری اچانک روپوشی کے باوجود وہ میرا نام اپنی فائل پر نہ لاتا اور ہم دونوں بے فکری کے ساتھ مارسیلز میں اپنا باقی وقت کسی بھی ہوٹل میں گزار سکتے تھے، لیکن سائمن بولیتھو کی خوش فہمی دُور ہوتے ہی مجھے پیٹر واک کا اطالوی نام اور پاسپورٹ ترک کرنا پڑ جاتا۔

ان تمام مسائل کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ہمیں دس بجے تک صرف وقت گزاری کرنا چاہیے تھی۔ دس بجے فون پر انسپکٹر سائمن سے گفتگو کے بعد ہم اپنا آئندہ کا لائحۂ عمل طے کر سکتے تھے۔

اس معاملے میں سلطان شاہ میرا ہم خیال ثابت ہُوا اور ہم گزرے ہوئے واقعات پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے پیدل ہی اس علاقے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں مارسیلز کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے والے جہازوں کے غیر ملکی ملاحوں کی تفریح کے بیشتر لوازم یکجا پائے جاتے تھے۔

ریوڈی الفانسو پر ہوٹل مارٹن سے دُور نکل آنے کے بعد وہاں ہونے والے ہنگامے کے اثرات بھی معدوم نظر آنے لگے۔ سڑک پر جا بجا بے پروا ملاحوں کی رنگ رنگ اور بھانت بھانت کی ٹولیاں عجیب و غریب لباسوں میں گھومتی نظر آ رہی تھیں۔ شاید رسمی شہری لباس میں بھی ان کے کچھ ہم پیشہ موجود رہے ہوں مگر وہ عام لوگوں میں گھلے ملے ہوئے تھے لیکن رنگ برنگے چرمی اور سوتی نیکروں، بنیانوں، جینز اور جیکٹوں میں ملبوس تندرست ملاح اور گُدے ہوئے مضبوط بازوؤں والے سارنگ اور خلاصی دُور ہی سے پہچانے جا سکتے تھے۔ میں نے چند روز کے قیام کے دوران محسوس کیا تھا کہ مارسیلز میں اجتماعی زندگی دھیمے آہنگ سے عبارت تھی۔ ہنسنے والی بات پر لوگ مہذب انداز میں دھیمی آواز میں ہنستے تھے، بحث اور تکرار بھی شاید اونچی آواز میں معیوب سمجھی جاتی تھی کیونکہ اس طرح دوسروں کی شخصی آزادیاں مجروح ہوتی تھیں لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ اپنے بازوؤں کی پھڑکتی ہوئی مچھلیوں کی نمائش کرنے والے لمبے چوڑے، سیاہ فام ملاح شاید تعلیم کی کمی کی وجہ سے ان حدود سے ناآشنا تھے جہاں فرد کی آزادی، اجتماعی حق کے سلسلے میں قدرے محدود ہو جاتی ہے، وہ اونچی آوازوں میں اپنی بولیوں میں تبصرے کر رہے تھے، پھیپھڑوں کی پوری قوت سے قہقہے لگا رہے تھے، اونچی آواز میں گنگنا رہے تھے لیکن پھر بھی ان پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی اور ہم اسی بکھرے بکھرے ہجوم کے تعاقب میں ان کے تفریحی علاقے کی طرف جا رہے تھے۔

آخر کار ہم جلتی بجھتی تیز روشنیوں اور روشن اشتہارات سے منوّر اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں سستے شراب خانوں، طعام گاہوں، جُوئے خانوں اور قحبہ گروں کی بھرمار تھی۔ شہر کی زندگی پر چھائی ہوئی اُداسی کی وہاں کوئی رمق نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہمارے وہاں پہنچتے ہی کئی افراد ہماری طرف لپکے تھے لیکن اپنی رنگین دعوتوں کے جواب میں میری زبان سے سخت لہجے میں ’نو‘ سُن کر دوسرے شکاروں کی طرف ہو لیے مگر ان میں سے ایک زیادہ ڈھیٹ اور گھاگ ثابت ہُوا۔ انگریزی میں میرا انکار سُنتے ہی اس نے بھانپ لیا کہ ہم

دونوں انگریزی ہی سمجھ سکتے تھے اور پھر اُس نے تجسس آمیز راز دارانہ لہجے میں عجیب الف لیلوی داستانیں شروع کر دیں جنھیں سُن کر ذہن میں لامحالہ یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ کوہ قاف کی حسین اور نرم و نازک شہزادیوں کی وہ کون سی مجبوری تھی جو انھوں نے اس ڈھیٹ شخص کو اپنا ڈان مرسیانو مقرر کر لیا تھا۔

میں اُسے دھتکارتا رہا لیکن اُس نے ہم دونوں میں نہ جانے کیا دیکھ لیا تھا کہ جونک کی طرح ہمارے پیچھے لگا ہُوا تھا اور جب میں زچ آ کر اُس سے پیچھا چُھڑانے کے لیے ایک بار میں گھُسا تو وہ مردود وہاں بھی سائے کی طرح ہمارے پیچھے لگا رہا بلکہ لپک کر بار کے ایک خالی اور نیم تاریک گوشے کی طرف یوں ہماری رہنمائی کرنے لگا جیسے ہم اسی کی سفارش پر وہاں پہنچے ہوں۔

”ابھی ابھی اس نے کاؤنٹر والے کو آنکھ سے اشارہ کیا ہے“، سلطان شاہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے اُردو میں بولا۔ ”جب تک اسے گریبان سے تھام کر دو چار مُکّے نہیں لگاؤ گے، یہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔“

سلطان شاہ کا مشاہدہ غلط نہیں تھا۔ گھوم پھر کر روزی کمانے والے دلال عموماً گاہک پھانس کر لانے پر تفریح گاہوں اور دُکانوں سے اسی طرح استعاروں میں اپنا کمیشن طے کرتے ہیں جو پیشگی اشارہ مل جانے کی بنا پر مالکان عموماً خریدار ہی کی جیب سے نکلواتے ہیں، اور بعد میں دلال کو ادا کر دیتے ہیں۔

”تم غصہ تھوک دو، اس کا ایک مصرف میرے ذہن میں آ گیا ہے۔“ میں نے اس شخص کی بتائی ہوئی میز کے گرد کرسی سنبھالتے ہوئے مُسکرا کر اُردو میں کہا۔ ”اب اسے میں سنبھال لوں گا۔“

”بس، پھسل گئے“، سلطان شاہ مُنہ پھُلا کر غرّایا۔ ”میں پہلے ہی سمجھ رہا تھا کہ اس مردود نے تمھاری دُکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا ہے۔“

وہ وقت سلطان شاہ سے بحث کے لیے مناسب نہیں تھا، اس لیے میں سر ہلا کر رہ گیا۔ یہ میری بد قسمتی تھی کہ میرے ساتھ ایک طویل مدت گزارنے اور میرے مزاج کو بڑی حد تک سمجھ لینے کے باوجود سلطان شاہ میری رنگین مزاجی کی طرف سے ہمیشہ شاکی رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک سب سے بڑی مجبوری زبان کی تھی جس کی وجہ سے سامنے آنے والی ہر عورت اور لڑکی سے مجھے ہی خوش دلی سے نمٹنا پڑتا تھا اور اس خوش دلی کو وہ ہمیشہ غلط زاویے سے دیکھنے کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ شاید اس کی بڑی وجہ ویرا بھی تھی جو محض اسے چڑانے کے لیے اکثر حقیقت سے بھی زیادہ والہانہ انداز میں مجھ سے اپنا قریبی تعلق جتاتی رہتی تھی اور میں اسے مذاق سمجھتے ہوئے ٹال جایا کرتا تھا لیکن وہ چھوٹے چھوٹے واقعات سلطان شاہ کے ذہن پر اثر انداز ہوتے رہے۔

اُسی وقت ایک ویٹر ہمارے سر پر آ موجود ہُوا۔ اُس کے ہاتھ میں پینسل کاپی دبی ہوئی تھی۔

”شیمپین؟ بیئر؟ وِسکی یا کاک ٹیل؟“ ہمارے بِن بلائے مہمان نے نہایت ڈھٹائی بلکہ بے تکلفی کے ساتھ دریافت کیا۔ ”یہاں کا ہیم برگر بھی لاجواب ہوتا ہے۔“ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہی ہماری میزبانی کرے گا۔

”اسکاچ چلے گی۔ ہیم برگر سے مجھے کوئی رغبت نہیں ہے۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔

”تم مُسلمان تو نہیں ہو؟“ میرا جواب سُنتے ہی اس نے چونک کر سوال کیا۔

”یہ خیال کیسے آ گیا تمھاری معصوم سی کھوپڑی میں؟“ میں نے جواب ٹالتے ہوئے پوچھا۔

میرے تبصرے سے اس نے از خود یہ اخذ کر لیا کہ ہم دونوں مُسلمان نہیں تھے اور بیرے کو فرنچ میں ہدایات دینے کے بعد مجھ سے بولا۔ ”یہ مُسلمان قوم بھی عجیب اور سخت موڈی ہوتی ہے۔ اپنے پیشے کی وجہ سے میں نے ہر مذہب کی موٹی موٹی باتوں کا مطالعہ کیا ہُوا ہے۔ ان کے مذہب میں شراب اور غیر عورت بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح خنزیر کا گوشت مگر یہاں آنے والا ہر مُسلمان شراب شیرِ مادر کی طرح پیتا ہے۔ ہم پیگ ناپ کر پیتے ہیں، وہ گلاس بھر بھر کر چڑھاتے ہیں اور پورے مارسیلز کو اپنا حرم بنانے پر آمادہ نظر آتے ہیں لیکن خنزیر کے گوشت سے سخت اجتناب کرتے ہیں جیسے وہ چھوت کی کوئی بیماری ہو۔ تمھارے ہیم برگر سے انکار پر لمحہ بھر کے لیے مجھے شبہ ہُوا تھا کہ کہیں تم بھی مُسلمان ہی نہ ہو۔ آج کل تو بہت سے لوگ گوشت اور مُرغن غذاؤں سے پرہیز کرنے لگے ہیں۔“

وہ تیسرے درجے کا گھٹیا دلال اپنے تجربات کی روشنی میں مُسلمانوں کے بارے میں جو کچھ کہہ گیا تھا، اس کے بعد مجھ میں اتنی اخلاقی جُرأت نہیں رہ گئی تھی کہ میں اس کے خیال کی تردید کرتے ہوئے اپنے مُسلمان ہونے پر اصرار کرتا۔

”تم یقین کرو کہ میری جھولی نادر و نایاب موتیوں سے مالا مال ہے۔“ قدرے توقف کے بعد اس کی زبان پھر چل پڑی۔ ”حسن تو آدم خور قبیلوں میں بھی مل جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ تہذیب، شائستگی اور ذہانت اس خطۂ زمین کی میراث ہے۔ چند گھنٹے، چند دن یا چند راتیں جو تم یہاں آزادی سے گزارو گے انھیں ہمیشہ اپنی یادوں کا ایک حسین سرمایہ پاؤ گے۔“

”حُسن کے علاوہ باقی سارے خواص تم میں بھی ہیں۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”لیکن تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔“

اس کے چہرے پر حیرت اور بوکھلاہٹ کے آثار نمودار ہوئے

اور وہ تقریباً ہکلاتے ہوئے بولا تھا۔ "خادم کو لوستاں کہتے ہیں۔ لل... لیکن میں تمھاری بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

"اسکاچ پیو گے تو سب کچھ سمجھنے لگو گے۔" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "اپنی رٹی رٹائی تقریریں کرتے ہوئے یہ نہ بھولا کرو کہ انسان کو جنت سے نکلوانے والی عورت ہی تھی۔"

اُس کے مُنہ سے بے ساختہ کچھ ناقابلِ فہم کلمات نکلے تھے جو شاید اُس کی مادری زبان پر مشتمل تھے کیونکہ مشکل وقت میں عموماً ہر شخص مادری زبان کا ہی سہارا لیتا ہے۔ سلطان شاہ اس بدلی ہوئی صورتِ حال سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اُس نے اُردو میں کہا۔ "ہوشیار رہنا، یہ کسی بھی لمحے کُرسی چھوڑ کر نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ لگا دے گا۔"

"تمھیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں مسٹر لوستاں۔" میں نے اُسے پچکارتے ہوئے کہا۔ "ہم تمھارا بار کا بل تو آسانی کے ساتھ ادا کردیں گے لیکن اس سے زیادہ فضول خرچی کے لیے ہمارے پاس رقم نہیں ہے اور اب اس سلسلے میں ہم تمھاری مدد کے طلب گار ہیں۔"

اُس کے مُنہ سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔ "تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ شاید ہم لوگوں نے ایک دوسرے کا غلط انتخاب کیا ہے۔ نہ تم کوئی فضول خرچ اور عیاش اسامی ہو اور نہ میں پیسہ بنانے کی کسی آسان ترکیب سے واقف ہوں۔ مجھے ایسا کوئی ہنر آتا تو میں تم جیسے سیاحوں کی چاپلوسی کرنے کے بجائے اپنا گھر بسا کر بچے پالنے میں اپنی بیوی کی مدد کر رہا ہوتا۔"

"گڈ۔" میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔ "پھر تو ہمارا مسئلہ حل ہوگیا۔ دراصل ہمارے پاس اتنی کم رقم ہے کہ ہم ہوٹلوں کا کرایہ نہیں دے سکتے۔ میں سستی رہائش کے سلسلے میں تمھاری مدد لینا چاہ رہا تھا۔ لیکن تم مجرد ہو تو میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنے مکان میں سونے کی جگہ فراہم کر کے اضافی آمدنی حاصل کرسکتے ہو۔"

وہ دل ہی دل میں کچھ سوچتے ہوئے بے اختیار ہنسا پھر بولا۔ "اس بار بھی تم غلطی کر گئے۔ میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ میں نے تو خود مادام فلورا کے گیسٹ ہاؤس میں رہائش اختیار کی ہوئی ہے۔"

بیرے کی واپسی کی وجہ سے ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں موقوف ہوگیا، وہ لارج اسکاچ کے تین پیگ آئس پاٹ سمیت لایا تھا۔ میں نے دو گلاس اپنے سامنے رکھتے ہوئے سلطان شاہ کے لیے فریش لیمن کا آرڈر دیا تو لوستاں کے چہرے پر حیرت نظر آئی تھی۔ "کیا یہ بالکل ہی الکحل نہیں لیتا؟" بیرے کے چلے جانے کے بعد اُس نے بے اعتباری سے سوال کیا تھا۔

"خود ساختہ اصولوں کا قیدی ہے۔" میں نے مُنہ بنا کر بے پروائی سے کہا۔ "صرف اپنی خواب گاہ میں نپی تلی مقدار میں پیتا ہے۔ اس کے لیے واپسی پر بلیک لیبل کا ادھا لے لیں گے۔"

"لو یور گڈ لک۔" فریش لیمن آنے پر لوستاں نے اپنا گلاس فضا میں بلند کر کے جام تجویز کیا اور ہم نے ہولے سے ایک دوسرے سے گلاس ٹکرا کر تلخ سیال کا ہلکا سا گھونٹ لیا۔ نیٹ اسکاچ میں برف کے ڈلے زیادہ نہیں گھلے تھے، اس لیے مجھے دہانے سے سینے تک ایک خراش سی پڑ جانے کا احساس ہوا لیکن لوستاں دوسرا گھونٹ لیتے ہوئے ندیدے پن سے میرے سامنے رکھے ہوئے دوسرے بلوریں جام کو دیکھ رہا تھا جو ویٹر دراصل سلطان شاہ کے لیے لایا تھا۔

میں نے فوری طور پر مادام فلورا کے گیسٹ ہاؤس کا ذکر چھیڑنے کے بجائے دوسری باتیں شروع کردیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ دو تین

سب رنگ ڈائجسٹ کے مشہور سلسلے کتابی شکل میں دستیاب ہیں

دو حصے مکمل، قیمت ۵۰ روپے فی حصہ
ڈاک خرچ ۲۳ روپے

دو حصے مکمل
قیمت ۵۰ روپے فی حصہ
ڈاک خرچ ۲۳ روپے

قیمت: ۴۰ روپے
ڈاک خرچ ۲۳ روپے
انکا
اقابلا

پیگ ملنے کے بعد میرے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکے گا۔

لوتساں کے آٹکرانے سے پہلے میرا ارادہ دس بجے تک وقت گزاری کا تھا تاکہ فون پر سائمن بولیتھو سے بات کر کے کسی طے شدہ مقام پر اس سے سلطان شاہ کے شناختی کاغذات لے سکوں، اس کے بعد ہم بے فکری کے ساتھ مارسیلز کے کسی بھی ہوٹل میں قیام کر سکتے تھے لیکن لوتساں سے ملاقات ہوتے ہی مجھے یاد آیا کہ شی والوں نے ویرا کی تمام تر احتیاط کے باوجود ہوٹل مارٹن میں اس کا سراغ لگا لیا تھا اور اگر جمی لائیڈ کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ مرسیڈیز میں وہ مجھے ٹھکانے لگانے میں ناکام رہا تھا تو وہ اپنے سارے وسائل یکجا کر کے کسی بھی ہوٹل میں ہمارا پتا چلا سکتا تھا۔

اس خطرے کے پیشِ نظر محفوظ صورت یہی ہو سکتی تھی کہ ہم روایتی ہوٹلوں میں ٹھہرنے کے بجائے لوتساں جیسے کسی شخص کے ساتھ قیام کریں جو ہمارے شریفانہ رویے اور ہوٹل سے کم مگر معقول معاوضے پر ہمیں پناہ دے سکتا تھا۔ ہمیں ویسے بھی مارسیلز سے جلد از جلد نکل بھاگنا تھا لیکن روانگی سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ ویرا کو شی والوں نے ہی اغوا کیا تھا یا وہ افراتفری میں کسی تیسرے فریق کی تحویل میں چلی گئی تھی؟

لوتساں نے مادام فلورا کے گیسٹ ہاؤس کا انکشاف کر کے ہمارے لیے اور آسانی پیدا کر دی تھی، اگر اس گیسٹ ہاؤس میں ذرا بھی گنجائش ہوتی تو لوتساں کی سفارش پر ہمیں وہاں قیام کی اجازت مل سکتی تھی۔ اس اعتبار سے لوتساں یک بیک ہمارے لیے ایک اہم مہمان بن گیا، جس کی میزبانی شایانِ شان طریقے سے ہونی چاہیے تھی۔

اُس نے اپنے پیمانے سے پگھلتی ہوئی الکحل زدہ برف کا آخری قطرہ چُوس کر خالی اور سُوکھا جام میز پر رکھا تو میں نے اپنے سامنے رکھا ہُوا دوسرا پیگ اُس کی طرف سرکا دیا۔ اس وقت میں مصلحتاً سُست رفتار سے پی رہا تھا اور لوتساں کو سہارا دے کر اس بار سے لے جانے کا منصوبہ بنا رہا تھا جس کی آنکھوں میں خمار کے سُرخ ڈورے تیرنے لگے تھے۔

”ابتدا میں مَیں ذرا تیز پیتا ہُوں۔“ وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ ”تم پیگ ختم کر لو پھر دوسرا دَور ایک ساتھ شروع کریں گے۔“

”ہم یار باش لوگ ہیں۔“ مَیں نے اُس کی طرف جُھک کر کہا۔ ”تکلفات میں پڑ کر تم اپنا لُطف غارت کر لو گے، تم شروع ہو جاؤ۔ مجھے تم جیسے بلانوشوں کے ساتھ پی کر خوشی ہوتی ہے۔ مَیں بُرا نہیں مانوں گا۔“

”یہ یاد رکھنا کہ بِل تم ہی کو دینا ہے۔“ اُس نے دوسرے پیگ سے اپنے لب تر کرتے ہوئے گویا مجھے وارننگ دی۔

میں ہنس پڑا۔ ”تم فکر نہ کرو، ہم اتنے قلاش نہیں ہیں۔ پوری بوتل بھی صاف کر گئے تو پیسے کم نہیں پڑیں گے۔ ہاں، کوہ قاف کی سیر کو چل پڑے تو صبح قلاش ہی لوٹیں گے۔“ میرا لہجہ اس وقت بہت فراخ دلانہ ہو گیا تھا۔

”تم بہت نیک اور مہربان آدمی ہو۔“ وہ ایک ہلکی سی ہچکی لیتے ہوئے بولا۔ ”باہر سے آنے والے ملاح تو کبھی اپنے کابُنڈ کو کھانے پینے میں شریک نہیں کرتے۔ کوئی زیادہ فیاض ہو تو ایک آدھ گھٹیا ڈرنک دلوا دیتا ہے۔ تم تو مجھے ڈیلکس اور وہ بھی اپنے سے زیادہ پلوا رہے ہو۔ کاش تم مجھے روز ملتے رہو۔“ اس پر شراب اپنا رنگ جمانے لگی تھی۔

”مل سکتے ہیں۔“ اُس کا دوسرا پیگ ختم ہونے والا تھا اور اس بار میں بھی اسی کے ساتھ نئے پیگ کا آغاز کرنے والا تھا، اس لیے میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔ ”بلکہ تم چاہو تو ہم ساتھ ہی رہ سکتے ہیں۔“

”نہیں رہ سکتے۔“ وہ بچی کھُچی وِسکی اپنے معدے میں انڈیلتے ہوئے اُداس لہجے میں بولا۔ ”میرا گھر نہیں ہے اور مادام فلورا رات کو کسی مہمان کو ٹھہرانے کی اجازت نہیں دیتی۔“ پھر اُس نے آنکھیں پھاڑ کر میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”شاید تمھیں جنسِ مخالف سے کوئی رغبت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں سے مجھے خوف آتا ہے۔“

”ڈرو نہیں۔“ میں نے اس کا شانہ سہلاتے ہوئے ہنس کر کہا۔ ”میں مذاق کر رہا تھا، ایسی کج روی کو تو ہم خود لعنت سمجھتے ہیں اور ہاں، ہمیں تمھارا مہمان بننے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم خود فلورا کے گیسٹ ہاؤس میں کرایہ دے کر ٹھہر سکتے ہیں۔“

”واہ، یہ بات ہوئی نا۔“ وہ جھُومتے ہوئے بولا۔ اُس وقت تک وہ تیسرے لارج پیگ کا افتتاح کر چُکا تھا۔ ”اسے گاہک ملیں تو وہ اپنی خواب گاہ چھوڑ کر سیڑھیوں پر سونے کے لیے تیار ہو جائے گی۔ میں تمھیں اُس سے ملوا دوں گا، مگر اتنا تو بتا دو کہ ڈارلنگ! تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟“ اس نے خلا میں ہاتھ پھیلا کر خوشامدانہ لہجے میں کہا جیسے میری ٹھوڑی چھُو رہا ہو۔

”اس کی خواب گاہ مل جائے تو مزہ آ جائے گا۔“ میں نے اُس کے سوالات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اُس نے دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ کر اپنا سر کلائیوں پر ٹکا لیا اور اٹکتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم فرشتے ہو، اگر وہ تم پر عاشق ہو گئی تو بغیر کرایہ لیے تمھیں رکھ لے گی اور مزے دار کھانے مفت میں کھلائے گی۔“

”یہ یہیں اوندھا ہونے والا ہے۔“ سلطان شاہ مجھے گھُورتے ہوئے اُردو میں غرّایا۔ ”پتا نہیں تم یک بیک اپنے سنگین حالات کو کیسے فراموش کر بیٹھتے ہو؟“ وہ میری اسکیم سے لاعلم تھا، اس لیے

طور پر غصے میں تھا۔

"دیکھتے جاؤ، یہ ان ہی سنگین حالات کا توڑ چل رہا ہے۔" میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ لعنت کی پی کر اتنا ڈاؤن نہ ہوتا تو کبھی بھی میں نہ آتا، کسی بہانے سے ایسا جاتا کہ پھر اس کا سایہ بھی نہ ملتا۔"

"یہ مادام فلورا کیا بلا ہے پیارے لوستاں؟" میں نے پھر ے چھیڑا۔

"بہت گھاگ اور خوبصورت بلا ہے۔" وہ حسرت آمیز لہجے ں بولا۔ "پینتالیس سے کسی طرح کم نہ ہوگی مگر لڑکیاں اس کے سامنے رماتی ہیں۔ اُس نے آج تک صرف اس وجہ سے شادی نہیں کی کہ ے اپنی پسند اور معیار کا کوئی مرد نہیں مل سکا۔" وہ رک رک کر شکستہ لفاظ اور فقروں میں بولا۔ اس کے الفاظ سے جھانکتی ہوئی حسرت ی بنا پر میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ فلورا اسے گھاس نہیں ڈالتی تھی اور وہ اس پر زہریلے تبصرے کر کے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم سے تو گہری دوستی ہوگی اس کی؟" میں نے اُسے چھیڑا۔

اس نے جھومتے ہوئے سر اُٹھایا۔ نیم وا آنکھوں سے میز پر اپنا پیمانہ تلاش کیا اور پھر ایک بڑا گھونٹ اُس کے معدے کے الاؤ میں اُتر گیا۔ "بڑی خود غرض ہے ... میری مالی حالت پتلی رہتی ہے ... کبھی کبھار اس کا ہفتہ وار کرایہ ادا کرنے میں بھی تاخیر ہو جاتی ہے اس لیے وہ مجھے مُنہ نہیں لگاتی ... اب شراب کچھ چڑھ رہی ہے۔" وہ ہچکی لیتے ہوئے بولا۔ "ایک ہیم برگر منگوا دو تو مزہ ہی آجائے گا۔ میں کئی دن سے اس کے لیے ترس رہا ہوں۔"

"اسے خنزیر تم ہی کو کھلانا ہوگا۔" میں نے بیرے کو آرڈر دینے کے بعد رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "دس بج رہے ہیں، میں سائمن کو فون کر کے آتا ہوں۔" اور سلطان شاہ بُرے بُرے مُنہ بناتا رہ گیا۔

میں نے کُرسی چھوڑی تو لوستاں تیسرا پیگ خالی کر کے پھر میز پر مُنہ اوندھائے بیٹھا بے تکے انداز میں سیٹی پر کوئی دُھن گنگنانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے یہ جتانے کی کوشش کر رہا تھا ... کہ شراب اسے چڑھی نہیں تھی حالانکہ اس کی حالت ابتر ہو چلی تھی اور لڑکھڑاتے قدموں پر ٹوائلٹ تک جانے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ میرے مطلب سے اُس نے زیادہ نہیں لی تھی مگر ندیدے پن کی وجہ سے ایسے میں غیر ذمے دارانہ عجلت سے کام لے بیٹھا تھا جس کا خمیازہ اُسے بہرحال بھگتنا تھا۔

میں بار کے پبلک فون بوتھ میں پہنچا تو نمبر ملاتے ہی ریسیور میں انسپکٹر سائمن کی احترام آمیز آواز آئی تھی جیسے وہ میری کال کے انتظار میں فون سے لگا بیٹھا ہو۔ اُس نے پہلی گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ہی دوسری طرف سے ریسیور اُٹھا لیا تھا۔

"میں بہ مشکل وقت نکال کر گھر لوٹا ہوں۔ ہوٹل مارٹن کا واقعہ میری رات کالی کرا دے گا۔" اُس کی تشویش آمیز آواز سنائی دی۔ اُس نے جس انداز میں ہوٹل مارٹن والے قصے کا حوالہ دیا تھا اس سے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس معاملے سے میری واقفیت کی توقع کر رہا تھا۔

"شاید تمھیں رجسٹر میں میرا نام بھی نظر آیا ہوگا۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جارحانہ اور معنی خیز لہجے میں کہا۔

"یہی تو مجھے حیرت تھی اور پھر اغوا ہونے والی وہی تھی جو حوالات میں تم سے ملنے آئی تھی۔"

"یہ بہت لمبا کھیل ہے، تم اس پر زیادہ سر نہ کھپاؤ ..."

میں اپنا بھرم برقرار رکھتے ہوئے تفصیلی مشورہ دینا چاہ رہا تھا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔ "یہی تو پریشانی ہے، معاملہ سنگین ہے مگر مجھے اغوا ہونے والی کے کمرے میں ایسے نشانات ملے ہیں جن کا مطلب ہے کہ مجھے سرسری کارروائی کے بعد معاملہ داخلِ دفتر کر دینا چاہیے۔ اس ہدایت کی تعمیل کی تو مجھ پر فرائضِ منصبی سے روگردانی اور بے پروائی کا الزام آجائے گا۔"

"اپنی گردن بچاتے ہوئے کم سے کم کام کرو اور ہاں، یہ بتا دوں کہ اب میں ہوٹل مارٹن میں نہیں لوٹوں گا۔ دو دن کا پیشگی کرایہ پورا ہونے کے بعد ہوٹل کی انتظامیہ شاید کمرا کھولنے کے لیے تم ہی سے رجوع کرے گی۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اپنی سُرخ روئی کے لیے میں اس بار کلثوم کو برآمد کر لوں، تم دوبارہ اُسے اُٹھوا سکتے ہو، اس طرح محکمے میں میری دھاک بیٹھ جائے گی۔" اس کی جھجکتی ہوئی آواز اُبھری۔

"تم بہک رہے ہو سائمن۔" میں نے غرّا کر کہا۔ "ہم بچوں کا کھیل نہیں کھیل رہے۔ کیا تمھارے سمجھنے کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ اس عورت کو زیر کرنے کے لیے میں خود کام کر رہا ہوں؟ میں اسے کس طرح تمھارے حوالے کر سکتا ہوں؟"

"میں معذرت چاہتا ہوں۔" وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ "تمھارے نرم اور محبت آمیز رویے نے میرے ذہن کی اُڑان کچھ زیادہ ہی اونچی کر دی تھی۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔" اس وقت وہ اپنے الفاظ ہی کی طرح شرم سار نظر آرہا تھا۔

"میں نے اس وقت تمھاری معذرتیں سُننے کے لیے فون نہیں کیا ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"اوہ، وہ کام ہو گیا ہے۔" اس کا جواب سُن کر میرے وجود میں

اطمینان کی ایک لہر سرایت کر گئی ”کاغذات جہاں چاہو، پہنچا سکتا ہوں۔ اس سے فارغ ہو کر مجھے دوبارہ مارٹن پہنچنا ہے۔“

”پھر کاغذات لے کر فوارے والے چوک پر پہنچو۔“ میں نے بوتھ کے سامنے لگے ہوئے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں اسٹور کے عین مقابل تمہارا انتظار کروں گا، کتنی دیر میں پہنچو گے؟“

”صرف دس منٹ۔ وہیں سے میں سیدھا مارٹن نکل جاؤں گا۔“ وہ مجوزہ مقام کے بارے میں خوش ہو گیا تھا۔ میں اُسے پابندیٔ وقت کی تاکید کر کے ریسیور ہک سے لٹکا کر بوتھ سے نکل آیا۔

میں میز پر واپس پہنچا تو سلطان شاہ غصّے اور بیزاری کے عالم میں لوستان کو گھور رہا تھا جو دونوں ہاتھوں میں ہیم برگر تھامے اُسے دانتوں سے کاٹنے میں مصروف تھا۔ میرے پہنچنے پر بھی اس کے انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

”اپنے تاثرات پر قابو رکھو برخوردار۔“ میں نے سلطان شاہ کے قریب پہنچ کر آہستہ سے اُردو میں کہا۔ ”بعض اوقات عاشقی میں اس سے بھی زیادہ ناگوار لمحات آتے ہیں۔ ناک منہ چڑھا کر تم خود کو دوسروں کی نگاہوں کا مرکز بنا لو گے۔“

”تم کیوں نہیں بیٹھ رہے یہاں؟“ اُس نے سر اُٹھا کر مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

”میں تمہارے کاغذات لینے قریبی چوک تک جا رہا ہوں، پندرہ بیس منٹ تک تم ہی کو اسے برداشت کرنا ہو گا۔“ میں نے نرمی سے کہا اور وہاں سے نکاسی کے راستے کی طرف ہو لیا جو اس وقت خالی پڑا ہوا تھا۔

حالات ہمارے حق میں رفتہ رفتہ پیچیدگی اختیار کرتے جا رہے تھے۔ ویرا کے اغوا کے بارے میں اپنے تمام تر اندازوں کے باوجود میں بے یقینی کا شکار تھا اور اس کی قید کا تصوّر میرے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا لیکن سائمن بولیتھو نے ویرا کے کمرے سے ملنے والے شی کے علامتی نشان کا انکشاف کر کے یہ واضح کر دیا تھا کہ ویرا شی یا بہ الفاظِ دیگر جمی لائیڈ کی قید میں تھی جو آخر کار خود کو ویرا کا باپ تسلیم کر چکا تھا۔ وہ کتنا بھی سفاک اور خود غرض رہا ہو لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ ویرا کو کسی مار و تشدد کا نشانہ نہیں بنائے گا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ایک کھلی حقیقت تھی کہ جمی لائیڈ کی نجی تحویل سے ویرا کو آزاد کرانا آسان کام نہیں تھا۔ دوسری طرف، وہ جس طرح ہر آڑے وقت میں ہمارا ساتھ دیتی رہی تھی، اس کا تقاضا تھا کہ ہم بُرے وقت میں اسے بے یار و مددگار نہ چھوڑیں۔ بے شک وہ غزالہ کی گمشدگی کی قصور وار تھی لیکن اس نے اپنے ایک قصور کے ازالے کے لیے اس قدر بے خوفی اور دلیری کے ساتھ ہمارا ساتھ دیا تھا کہ اب اس کے بارے میں بھی اپنائیت سی محسوس ہونے لگی تھی۔

اسی کے ساتھ سائمن بولیتھو بھی شی کا ایک خطرناک رکن تھا۔ یہ میری خوش نصیبی یا سائمن کی بدنصیبی تھی کہ وہ صرف شی کے مقامی چیف کو جواب دہ تھا۔ اس کڑی میں پہلے گیری ہارٹ ہمارے ہاتھوں مارا گیا پھر برونو اشمٹ بھی ہمارے ہاتھ پیر ہلائے بغیر مکافاتِ عمل کے تحت اپنے انجام کو پہنچ گیا لیکن سائمن ان کی ہلاکت سے لاعلم تھا۔ اس کے روابط ٹوٹنے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں عارضی طور پر اسے یہ باور کرانے میں کامیاب رہا تھا کہ میں ان کا [illegible] تھا لیکن میری ذات کا وہ سحر کسی بھی لمحے ختم ہو سکتا تھا۔

ویرا کے ہوٹل مارٹن والے کمرے میں ملنے والے شی کے علامتی نشان سے صاف ظاہر تھا کہ برونو اشمٹ کے مر جانے کے باوجود شی کے کسی رکن یا چند ارکین کو پورے وثوق سے یہ معلوم ہو کہ غیر ملکیوں کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے والے محکمے میں کوئی نہ کوئی ایسا ذمے دار فرد موجود تھا جو شی کی علامتی وارننگ دیکھتے ہی تفتیشی کارروائی کو سمیٹ دینے کا نہ صرف مجاز تھا بلکہ اپنے اس اختیار کو استعمال کرنے پر مجبور بھی ہو سکتا تھا۔ شی کا وہ رکن کسی بھی لمحے انسپکٹر سائمن کو ہوشیار کر سکتا تھا کہ مارسیلز میں اس وقت چیف ڈارلنگٹن کے علاوہ کوئی اور آر آئی مین موجود نہیں تھا اور سارے آپریشن کی نگرانی جمی لائیڈ بہ ذاتِ خود کر رہا تھا۔ اگر انسپکٹر سائمن ویرا کے اغوا کی واردات کے حوالے سے اس میں ایک آر آئی مین کے ملوّث ہونے کی نشاندہی کر بیٹھتا تو وہ معاملہ براہِ راست جمی لائیڈ تک پہنچ سکتا تھا اور اسے خوب معلوم تھا کہ شی سے باہر سلور آئی کس کے قبضے میں تھی۔

ایسی صورت میں مارسیلز میرے لیے موت کا پھندا بن سکتا تھا۔ اس وقت جمی لائیڈ اور شی کے کارندوں کو اپنے ایک دشمن کے طور پر میرا نام تو معلوم تھا لیکن ان کے پاس میری پُرانی اور ناکارہ تصاویر کے علاوہ کوئی نئی شناخت نہیں تھی جس کے سہارے مجھے گھیر کر پکڑنے کی کوئی بڑی کوشش کی جاتی جب کہ انسپکٹر سائمن مجھے بہت قریب سے دیکھ چکا تھا۔ جمی لائیڈ اسے اعتماد میں لے کر ایک سلور آئی کی چوری کے راز سے آگاہ کر سکتا تھا جس کے بعد سائمن اپنی پیشہ ورانہ مہارت اور مجرمانہ ذہنیت کے سہارے دُنیا کے آخری سرے تک بھی میرا پیچھا کر سکتا تھا۔ چند گھنٹے یا چند دن گزرنے کے بعد سائمن بولیتھو، شی میں میرے لیے جمی لائیڈ سے زیادہ مہلک اور خون آشام دشمن ثابت ہو سکتا تھا جس سے پیچھا چھڑانے میں مجھے دانتوں پسینہ آ سکتا تھا۔

اس نئے مسئلے پر مغز زنی کرتے ہوئے میں چوک کے متعلقہ مقام پر پہنچ گیا اور سگریٹ سلگا کر بھیڑ بھاڑ سے الگ ایسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں انسپکٹر سائمن مجھے دور ہی سے دیکھ سکتا تھا جب کہ

راہگیروں کے لیے ذرا بھی قابلِ توجہ نہ ہوتا۔
تت دھیمے دھیمے رینگتا رہا اور سوچوں کے مہیب جالے میں
بھی بڑھتی رہی۔ آخر کار انسپکٹر دیے ہوئے وقت سے ذرا
آ پہنچا۔ اُس نے سڑک کے کنارے گاڑی روک کر میری طرف
تھا اور میں اسے پہچانتے ہی لپک کر پسنجر سیٹ پر سوار

ہیں مکمل کاغذات ہیں۔" وہ ایک لفافہ میری طرف بڑھاتے
والا کار کا انجن بیدار تھا لیکن اُس نے گاڑی آگے نہیں بڑھائی
کے ہر انداز سے عجلت کا اظہار ہو رہا تھا۔ شاید اسے توقع تھی
ت وصول کر کے میں گاڑی سے اُتر جاؤں گا۔
گاڑی چلاؤ انسپکٹر۔" اس کا تردّد محسوس کر کے میں نے خشک
لہجے میں کہا۔ "یہاں گاڑی روک کر تم خود کو بلاوجہ لوگوں کی
ز بنا رہے ہو۔" لفافہ میں نے جوں کا توں جیب میں

یا تھا۔
کدھر چلوں؟" اُس نے بہت سُست رفتاری سے گاڑی
تے ہوئے بے جان لہجے میں سوال کیا۔
کہیں بھی، جہاں سکون اور تنہائی ہو۔" میں نے اسی لہجے میں
اچانک سوال کر بیٹھا۔ "برڈ لو اسمتھ کا کچھ پتا چلا کہ وہ اس
تع پر کہاں مرا ہوا ہے؟" وہ سوال کرتے ہوئے میری نگاہیں
کے چہرے پر مرکوز تھیں۔
"میں خود اُس کی طرف سے فکر مند ہوں۔" وہ گاڑی اپنے صحیح
میں لے جاتے ہوئے بولا۔ "میں نے ایک ایک کر کے اس
سارے ٹھکانوں سے رجوع کیا ہے مگر ہر جگہ سے اس کے
ے میں مکمل لاعلمی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس کی گرل فرینڈ میرے اور
ے خصوصی مراسم سے واقف ہے، وہ بھی بس اتنا بتا سکی کہ برڈ لو
ڈا سمگلے کر صبح سویرے کسی مہم پر نکلا ہوا ہے۔ ہوٹل مارٹن پر
وہ میری واپسی کا انتظار کر رہے ہوں گے، اس لیے میں شارٹ
ٹ ساحلی علاقے کی طرف جا رہا ہوں۔" آخری فقرے اُس نے
ھے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے ادا کیے تھے۔
اندھیرے میں مَیں خود ہی خود اُسے گھور کر رہ گیا۔ "میں تمہارا
ت نہیں لوں گا لیکن فرض کرو کہ کسی مجبوری کی وجہ سے تم
ت واپس نہ جا سکو تو کیا ہوگا؟" میں نے اپنے لہجے میں ڈرامائی
بناتے ہوئے سوال کیا۔
لمحہ بھر کے لیے اسٹیئرنگ پر اُس کا ہاتھ بہک گیا اور وہ
کی خفگی کے ساتھ بولا۔ "یہ ناممکن ہے۔ مجھے ہر حال میں واپس
ر تاخیر ہوگی تو واپسی میں اس کے لیے کوئی معقول بہانہ نہ
ل گا۔ ایک ذمّے دار پولیس افسر کو راستے میں کوئی مشتبہ کار نظر آ سکتی ہے جو کچھ دیر کے تعاقب کے بعد مشتبہ نہیں رہتی اور افسر اپنے معمول کے فرائض کی طرف لوٹ جاتا ہے۔"

"گڈ!" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تم واقعی بہت ذہین ہو لیکن یہ تو بتاؤ انسپکٹر کہ شی کے لیے کام کرتے ہوئے تمہارے ذہن پر کوئی خلش تو سوار نہیں ہوتی؟ یا کسی قسم کا احساسِ جُرم تو کچوکے نہیں لگاتا؟"

"سچ پوچھو تو مجھے لُطف آتا ہے۔ اپنے آدمیوں کی پردہ پوشی کے لیے جب میں اپنے ماتحت عملے کو فرضی واقعات اور کرداروں کی تفتیش پر مامور کرتا ہوں تو مجھے اُن کٹھ پتلیوں پر ہنسی آتی ہے، اپنے تخلیق کیے ہوئے امکانات کا ذکر جب میں ان کی، عرق ریزی سے تیار کی ہوئی رپورٹوں میں پڑھتا ہُوں تو میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔" اس وقت اس کے لب و لہجے میں واقعی فخر و انبساط کا عُنصر شامل ہو گیا تھا۔

اس وقت وہ سرکاری وردی کے بجائے سادہ لباس میں تھا اور حقیقی معنوں میں افسری کے خول سے باہر آیا ہُوا تھا۔ اس کے ذہن کو پڑھ لینے کے بعد میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ منشیات اور جرائم کی دُنیا کے بے تاج بادشاہوں سے کہیں زیادہ قانون نافذ کرنے والے ایسے اہل کار سُولی پر چڑھا دیے جانے کے حق دار تھے، جو اپنے فرائض اور وسیع اختیارات کی آغوش میں بھیانک جرائم اور مجرموں کو نہ صرف پناہ دیتے ہیں بلکہ پروان چڑھاتے ہیں اور جو فرض شناس ہوتے ہیں انھیں اپنے تخلیق کیے ہوئے امکانات اور مفروضوں میں اُلجھا کر صحیح راستے سے ہٹا دیتے ہیں بلکہ غلط راستوں پر بھٹکا دیتے ہیں۔

تعداد کم و بیش ہو سکتی ہے لیکن ہر اُس خطّے میں جہاں جرائم پروان چڑھتے اور پنپتے ہیں، وہاں ایسے غدّار اور منصب فروش اہل کار ضرور موجود ہوتے ہیں جو شہریوں سے اپنے فرائض کا معاوضہ اور مجرموں سے اپنے اختیارات کی قیمت وصول کرتے ہیں۔

جُرم کو اگر ایک بار سازگار ماحول اور فضا میسّر آ جائے تو پھر وہ مدّتوں قابو میں نہیں آتا۔ آکاس بیل کی طرح معاشرے کی جڑوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ نہ کسی کی آبرو محفوظ رہتی ہے اور نہ جانوں کو امان ملتی ہے۔ چار دیواری، خون کی ہولی کھیلنے کا کھُلا میدان بن جاتی ہے، جہاں انسانی روپ میں سفّاک بھیڑیے معصوم جانوں کی بھینٹ دے کر طاغوتی ناچ ناچنے لگتے ہیں۔ جو اُن کی راہ میں مزاحم ہوتا ہے اسے بے دست و پا کر کے خنجروں سے گود دیتے ہیں، زندہ انسانی لہو کی گرم گرم دھاریں اُبلتی دیکھ کر وحشیانہ اور لذّت آمیز انداز میں سسکاریاں لیتے ہیں پھر اُن بدنصیبوں کے بھیجے اُڑا دیتے ہیں یا اپنی آتشِ شوق کو ہوا دینے کے لیے تڑپتے اور بلبلاتے ہوئے داغ داغ جسموں کو زندہ جلا دیتے ہیں تاکہ ان کی آن اور شان باقی رہے، کوئی

کے مفادات پر بُری نگاہ نہ ڈال سکے۔ لوگ گروہوں اور برادریوں میں دشمنوں کو ڈھونڈتے رہ جائیں اور وہ سائمن بولیتھو کی نسل کے اہل کاروں کے کندھوں پر سوار ہو کر اپنی فتح کے ڈنکے بجاتے رہیں۔ یہ نسل، یہ گندی نسل جب فروغ پالیتی ہے تو چادر بس ننگی لاشوں کا کفن بن کر رہ جاتی ہے، نہ کسی سر کو ڈھانپ سکتی ہے اور نہ کسی حیادار کے بدن کو پردہ فراہم کر سکتی ہے۔ بھرے بازاروں میں دن دہاڑے معصوم اور بےگناہ انسان بلا امتیاز، غول در غول خاک و خون میں نہلا دیے جاتے ہیں، تیتروں کی طرح اُن کا شکار کھیلا جاتا ہے لیکن کسی کا ضمیر اُس کو اُس کی کوتاہیوں پر ملامت نہیں کرتا۔ مسند دار جونک بن کر اپنی مسندوں سے چمٹے رہتے ہیں، منصب داروں میں سے کچھ کی ترقیاں اور کچھ کی بدلیاں ہوتی ہیں۔ مسجدوں، مندروں اور کلیساؤں میں سب مل کر اپنے اپنے مُردوں کے لیے ایصالِ ثواب کراتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی موت کے بھیانک جبڑوں سے اس ایک زندگی کو واپس نہیں لا سکتا جو پورے خاندان کی کفالت کرتی تھی اور آخر کار مجرمانہ بالادستی کی بھینٹ چڑھ گئی۔

چند ہی ثانیوں میں، سوچتے سوچتے میرا ذہن جلنے لگا۔ میں پاکستان سے نگر نگر کی خاک چھانتا ہوا مارسیلز پہنچا تھا اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرے وطن میں کوئی مثالی معاشرہ موجود نہیں تھا۔ پچھلے چند برسوں میں ذرا ذرا سی بات پر یوں لرزہ خیز خونریزیاں ہوتی تھیں جیسے لوگ انسانی جان کی حُرمت کو مٹانے کے لیے کسی بہانے کی تلاش میں مدتوں سے بھرے بیٹھے ہوں اور وہ سب

میرے لاشعور میں دفن تھا لیکن فرانس جیسے مہذّب اور امن پرور معاشرے میں پلئے جانے والے انسپکٹر سائمن بولیتھو کے چند فقروں نے میرے ذہن میں برسوں سے دبی ہوئی ان چنگاریوں کو یک بیک بھڑکا دیا تھا۔ میرے نزدیک سائمن محض ایک فرد نہیں رہا تھا بلکہ وہ منصب فروشوں کے غدّار قبیلے کا سرخیل اور نمائندہ نظر آنے لگا تھا جو اپنی برادری کے وجود کی یاد دہانی کرانے کے [illegible] مجھ سے آٹکرایا تھا۔

مجھے کچھ یاد نہیں کہ باقی راستے میں سائمن [illegible] کیا گفتگو ہوئی، بس اتنا یاد ہے کہ سکوت توڑنے کے لیے وہ وقفے وقفے سے کچھ بولتا رہا اور میں خالی الذہنی کے عالم میں ہُوں، ہاں کر کے اُسے ٹالتا رہا، البتہ جب ساحل سے سر ٹکرا کر دم توڑنے والی موجوں کا شور سُنائی دیا تو میں چونکا اور دیکھا کہ کافی فاصلے پر چاند کی روشنی میں سمندر کی لہریں جا بجا پگھلے ہوئے نقرئی سیّال کی طرح چمک رہی تھیں، وہ علاقہ دُور تک ویران پڑا ہوا تھا۔ اسی لمحے میں نے محسوس کیا کہ سائمن کی کار پختہ سڑک چھوڑ کر اس وقت ناہموار زمین پر دوڑ رہی تھی۔ شاید اپنے آئی مین کی خوشنودگی کے لیے وہ دانستہ ایسے مقام پر پہنچا تھا جہاں سکون اور تنہائی کا بیکراں سمندر موجزن تھا۔

"بس سائمن، گاڑی روک لو۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں اُسے ہدایت کی۔ "اس سے زیادہ سکون اور سناٹا تو شاید تمہیں سمندر کی خودسر موجوں پر بھی نہیں ملے گا۔" بات پوری کر کے میں سگریٹ سلگانے لگا۔

اُس نے سمندر کے رُخ کر کے گاڑی روک دی اور اُلجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تمہاری ذات کے لیے سارے ادب اور احترام کے باوجود میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ تم ذہنی طور پر اس وقت کچھ پریشان ہو۔"

"جو گھر تم نے برسوں کی محنت سے بنایا اور سجایا، اسے کوئی درندہ صفت پل بھر میں اُجاڑنے پر تُل جائے تو کیا تم پریشان نہ ہو گے؟" میں نے اُلٹا اُسی سے سوال کر ڈالا۔ اُسے گھیرنے کے لیے مجھے بہت مکاری سے کام لینا تھا۔

"یہ تو بہت فطری ردِّعمل ہوگا۔" اُس نے بلا تردّد جواب دیا۔ "اُس کا نرخرا نوچ لینے کو دل چاہے گا۔"

"بس یہی کیفیت میری ہے۔" میں نے اُسی کی بات پر صاد کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن تمہارا دُشمن کون ہے؟ مجھے بتاؤ، میں شاید تمہارا ہاتھ بٹا سکوں۔" میرے مُبہم رویّے نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"ہاتھ بٹانا چاہتے ہو تو اپنا پستول نکالو، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم نشانے کے کتنے سچّے ہو؟" میں نے اُسے کوئی شبہ کرنے کا موقع دیے بغیر اسی کی گفتگو کے تسلسل میں اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

وہ بہت گھاگ آدمی تھا۔ میرے اُلجھے اُلجھے اندازے [illegible] کچھ چوکنّا ہو گیا تھا لیکن گفتگو جس ڈھب پر چل رہی تھی، اس کے پیشِ نظر اُس کے پاس میری فرمائش کی تعمیل کے سوا اور کوئی مصالحانہ صورت باقی نہیں رہی تھی۔ اُس نے جھکتے ہوئے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے پستول نکالا۔ میگزین چیک کر کے پستول کو دوبارہ لوڈ کیا اور میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "بتاؤ کس چیز کا نشانہ لوں؟"

"اس شاخ کا کوئی بھی حصہ۔" میں نے چاند کی روشنی میں، کچھ دُور، ہوا سے ہلتی ہوئی ایک خودرو شاخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اُس نے دو مرتبہ اپنا داہنا ہاتھ سیدھا کر کے شست کا اندازہ لگایا اور تیسری بار فائر کر دیا۔ دھماکے کی آواز سمندر کی لہروں کے شور میں معدوم ہو گئی مگر وہ شاخ خنک ہوا میں بدستور لہلہا رہی تھی۔ درحقیقت میں نے سائمن کی انا کو اُبھار دیا تھا، ورنہ حقیقت تھی کہ کوئی ماہر نشانچی بھی اتفاقاً اس شاخ کو گرا لیتا تو اور بات تھی ورنہ نشانہ لے کر ایک ہی فائر میں اُسے اُڑانا محال تھا۔

"لاؤ، میں بتاؤں کہ سچّا نشانہ کسے کہتے ہیں؟" میں نے ہاتھ

ما دیا۔
اس کی اندھیرے میں چمکتی ہوئی آنکھوں میں خوف کی لہر دوڑ
غیر ارادی طور پر وہ ایک قدم پیچھے سرک گیا۔ اس کا پستول والا
پہلو پر گر کر یوں قدرے پشت پر چلا گیا تھا جیسے وہ اضطراری
ر پستول کو میری نگاہوں سے بچانا چاہ رہا ہو۔
ملا ڈ" میں نے اسے متردد دیکھ کر نرمی سے اپنی بات دہرائی اور
بادل ناخواستہ پستول میرے حوالے کرنے پر مجبور ہو گیا۔ چاند کی
ی روشنی میں اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں تھے۔ شاید
کی چھٹی حس خطرے کی بو سونگھ چکی تھی۔
"اس سرسبز شاخ کے بجائے میں کسی درندہ صفت کے سر کا
انہ لوں تو تمھیں کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟"
وہ خوفزدہ انداز میں پھیکی ہنسی ہنس دیا "پتا نہیں تم اس
ت کس موڈ میں ہو۔ یہاں دور دور تک ہم دونوں کے سوا کوئی
را موجود نہیں ہے۔ تم آخر کس درندہ صفت کے سر کا نشانہ لینا چاہ
ے ہو؟" اس کے لہجے میں خطرے کا احساس نمایاں تھا۔
"فرض کرو کہ وہ سر تمھارا ہی ہو"۔ میں نے ایک جھٹکے کے ساتھ
تول کی نال سے اس کے سر کا نشانہ لے لیا۔
"ہم... مگر کیوں؟ اس کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے"۔ وہ ہکلاتے
ے بولا۔ شاید اس وقت پہلی بار وہ اپنی چھٹی حس کا مبہم پیغام سمجھ
ا تھا۔ میں نے نہایت مکاری کے ساتھ اسے نہتا کر کے خود کو مسلح
ر لیا تھا اور اس سپاٹ ریتیلے ساحل پر دور دور تک اسے کہیں
پناہ نہیں مل سکتی تھی، وہ اپنے پستول کی مہیب آہنی نال کو خوفزدہ
ظروں سے گھور رہا تھا۔
"ستی میں انقلاب آچکا ہے انسپکٹر سائمن"۔ میں نے تلخ لہجے
ں کہا۔ "سر آئی مین نے اصلاحِ معاشرہ کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ شاید
نی والے جرائم کی دلدل میں اتنے غرق نہ ہوتے لیکن تم جیسے افسروں نے
پنے اختیارات کے سائبان تلے بستی کے جرائم کو پروان چڑھایا ہے۔
تی کی ہیبت اور قوت کا سرچشمہ تم ہی لوگ ہو۔ دوسرے لوگ شاید
ائب ہو جائیں گے مگر تمھارا مارا جانا اٹل ہو گیا ہے، کوئی دعا یاد ہو تو
ڑھ لو، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میرا ساتھی بار میں میرا
تظار کر رہا ہوگا..."

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ سائمن نے پوری قوت سے
جھ پر حملہ کیا تھا۔ اس کے جھکائی دینے کی وجہ سے میں اس پر بروقت
ائر نہ کر سکا لیکن میری ٹھوکر پوری قوت سے اس کے جھکے ہوئے
ہرے پر پڑی تھی۔

وہ میری ٹانگوں میں لپٹ کر مجھے زمین سے اکھاڑ پھینکنے کی
شش سے آگے جھک کر میری طرف آیا تھا لیکن میری لات کے گردش

میں آتے ہی بری طرح بلبلاتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ میں نے بس لمحہ بھر انتظار کیا اور جب وہ اٹھتے ہوئے پہلو بدل رہا تھا تو اس کی بائیں پسلیاں براہِ راست میرے نشانے پر تھیں۔ میں نے ٹریگر دبا دیا اور ایک پُرشور بارودی دھماکے کے ساتھ سیسے کی گولی اس کی پسلیاں توڑتی ہوئی دل میں پیوست ہو گئی۔ اس کے وجود نے طاقت کے نشے میں بدمست کسی سانڈ کے جسم کی طرح پے در پے کئی قلابازیاں کھائیں، اس کے حلق سے کریہہ آوازیں بلند ہوئیں اور پھر اس منصب فروش کا بدن ساکت ہو گیا۔

اتنے بڑے اقدام کے بعد اس کا زندہ رہ جانا میرے حق میں مہلک ثابت ہو سکتا تھا، اس لیے میں نے قریب جا کر اس کی نبض دیکھی، دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی اور پھر مطمئن ہو کر اس کی کار کی طرف بڑھ گیا۔

انسپکٹر سائمن کو ٹھکانے لگاتے ہی مجھے سلطان شاہ کا خیال ستانے لگا تھا۔ شراب کے نشے میں بدمست لوستاں اس کے لیے واقعی بہت سے مسائل کھڑے کر سکتا تھا جن پر قابو پانا سلطان شاہ کے لیے دشوار ہو سکتا تھا۔

انسپکٹر سائمن کے ہمراہ اس طرف آتے ہوئے میرے ذہن میں پورا منصوبہ مرتب ہو چکا تھا، اس لیے میں نے راستے پر گہری نگاہ رکھی تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ واپسی پر رہنمائی کے لیے سائمن میرے ساتھ موجود نہیں ہوگا۔

میں نے سائمن کا پستول اپنی جیب میں رکھ لیا اور اس کی پرائیویٹ کار کا انجن اسٹارٹ کر کے اپنے واپسی کے سفر کا آغاز کر دیا۔

بل سلدا ہاوزر کے بڑوس سے ہم نے جو اسلحہ حاصل کیا تھا وہ افراتفری اور جان کے خوف کے باعث جمی لائیڈ کی تباہ ہونے والی مرسیڈیز میں ہی رہ گیا تھا۔ ایکسپلوڈر ویرا کی تحویل میں تھا اور غالباً اسی کے ساتھ اغوا ہو گیا تھا۔ لے دے کر بس بیم گن باقی بچی تھی جو سلطان شاہ کے پاس رقم والے تھیلے میں موجود تھی، اس لیے سائمن کا پستول اس وقت میرے لیے بہت کارآمد تھا جس کے بھرے ہوئے میگزین میں سے ایک گولی سائمن نے لہلہاتی شاخ پر ضائع کی تھی اور دوسری میں نے اس کے دل میں اتاری تھی جو کارآمد رہی تھی۔

میں پورے پچیس منٹ کی غیر حاضری کے بعد بار میں پہنچا تو وہاں سلطان شاہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ لوستاں اپنی خورد و نوش کی جملہ حسرتوں کی تکمیل کے بعد میز پر سر ٹکائے گنگنائے جا رہا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی آواز اونچی یا ناشائستہ نہیں تھی۔ شاید یہ نکتہ اس وقت بھی اس کے لاشعور میں جاگزیں تھا کہ وہ بالکل ہی تیسرے درجے کے کسی بار میں نہیں تھا۔ میز بالکل صاف پڑی ہوئی تھی۔ غالباً سلطان شاہ نے میری غیر حاضری میں لوستاں کو مزید شراب نوشی کی اجازت دینے سے

صاف انکار کر دیا تھا۔

"کاش! اس وقت میرا کوئی ٹھکانا ہوتا تو کافی دیر پہلے یہاں سے اپنا منہ کالا کر چکا ہوتا۔" میرے بیٹھتے ہی سلطان شاہ غصیلے تیوروں کے ساتھ تیز لہجے میں اردو میں بولا۔ "تمھیں معلوم تھا کہ میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ تم نے ایک مصیبت بھی میرے سر پر مسلط کی ہوئی ہے۔"

"میری کہانی سنو گے تو داد دو گے کہ میں کتنی جلدی واپس آ گیا۔ غنیمت یہ ہے کہ تم دونوں بالکل اسی حالت میں موجود ہو جس طرح میں تمھیں چھوڑ کر گیا تھا۔ مجھے فکر تھی کہ کہیں تم نے اسے باہر نہ نکال دیا ہو۔" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے لوستاں میری آواز سن کر چونکا۔ اس نے کلائیوں پر سے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں نشے سے سرخ ہو رہی تھیں پتلیاں سکڑ کر رہ گئی تھیں۔ ان میں غیر معمولی چمک پیدا ہو گئی تھی اور بوجھل پپوٹے آنکھوں پر جھکے پڑ رہے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ فرنچ بولنا شروع نہ کر دے لیکن اسے یاد تھا کہ فرنچ میں وہ اپنا مافی الضمیر ہمیں نہ سمجھا سکے گا۔

"تم آ گئے میرے عزیز بھائی!" وہ لہک کر والہانہ انداز میں بولا۔ "تمھارا ساتھی بہت سنگدل ہے، یہ رونے کا مقام ہے کہ بیئر ختم کر کے مجھے وسکی نہیں ملی بلکہ ٹھنڈے پانی کے گلاس سے آخری لقمے حلق سے اتارنے پڑے۔ شاید جہنم کا داروغہ اسی کو یا اس کے کسی قریبی رشتے دار کو بنایا جائے گا... کرائسٹ ہم گناہ گار روحوں پر رحم کرے اور اس سے محفوظ رکھے۔"

"سن لیا تم نے اس کا ہذیان۔" سلطان شاہ اردو میں غرایا۔ "برداشت نہ کرتا تو اب تک اس کا گلا دبا چکا ہوتا۔ وقفے وقفے سے مردود اسی قسم کی بکواس کیے جا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے مجھے اس کو شراب پلوانے کے لیے ہی ملازم رکھا تھا۔"

"دھیرج، سلطان مہاراج!" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "یہ بے ضرر مگر بکواسی شرابی ہے۔ نشے میں زیادہ حساس ہو گیا ہے۔ ہوش و حواس ٹھکانے آئیں گے تو شاید تم سے معافی مانگ لے گا۔" پھر میں انگریزی میں لوستاں سے مخاطب ہو گیا۔ "یہ بری بات ہے کہ تم اپنی اوقات سے زیادہ پی گئے ہو۔ اب تمھارے لیے چلنا بھی دشوار ہو جائے گا۔"

"کہاں چلنا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "ابھی اور نہیں پیو گے؟" اسے ہچکی آ گئی۔

"مادام فلورا کے پاس چلنا ہے۔" میں نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "زیادہ پی لو گے تو اس سے بات بھی نہ کر سکو گے۔ خوبصورت عورتیں بہکنے والے شرابیوں سے نفرت کرتی ہیں کیونکہ خلوت میں وہ اذیتیں پہنچانے پر تل جاتے ہیں۔"

"فلورا! ہاں فلورا سے ضرور ملنا ہے۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بولا پھر بہ وقت تمام میز کا سہارا لے کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوا اور چند ثانیوں تک کھڑے کھڑے جھومنے کے بعد اس نے پہلا قدم بڑھایا تو لڑکھڑا کر بہ مشکل اپنا توازن برقرار رکھ سکا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ فضا میں بنی ہوئی کسی نادیدہ سیڑھی پر چڑھنے کی کوشش میں بہک کر ناکام ہو گیا ہو۔

ہمیں اٹھتے دیکھ کر بیرا فوراً بل لے آیا اور میں نے بل کی رقم سے زائد چند نوٹ ٹرے میں ڈال کر لوستاں کا بازو تھام لیا۔ سلطان شاہ منہ پھلائے دور سے وہ کارروائی دیکھتا رہا۔ اس نے اخلاقاً بھی میرا ہاتھ بٹانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید وہ سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت کو میں نے گلے لگایا تھا لہٰذا اس کے ناز نخرے اٹھانا بھی میری ہی ذمے داری تھی۔

لوستاں کی گفتگو سے میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ اس قلاش دلال کے پاس ذاتی سواری کے نام پر سائیکل تک نہ ہوگی۔ اس وقت لوستاں کو اس کے ٹھکانے تک لے جانے کے لیے انسپکٹر سائمن کی پرائیویٹ کار میری تحویل میں تھی جسے میں نے بار سے قریب ایک پارکنگ لاٹ میں چھوڑا تھا لیکن سائمن کے قتل کے بعد اس کی کار کے استعمال سے گریز ہی کرنا چاہ رہا تھا، وہ محکمۂ پولیس کا ایک پرانا اور ذمے دار افسر تھا، اس لیے شہر میں اس کے سیکڑوں شناسا ہو سکتے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی شخص سائمن کی کار پہچان کر ہمیں اس میں سفر کرتا ہوا دیکھے۔ دوسری خرابی یہ تھی کہ ساحل پر سائمن کی لاش دریافت ہونے کے بعد اگر اس کی گاڑی فلورا کے گیسٹ ہاؤس کے قرب و جوار سے دستیاب ہوتی تو وہ علاقہ لامحالہ پولیس کی توجہ کا مرکز بن جاتا جب کہ میں گیسٹ ہاؤس میں قیام کا ارادہ کر چکا تھا۔

یہی سب سوچتے ہوئے میں نے بار سے نکل کر قریبی ٹیکسی اسٹینڈ کا رخ کیا تو چند قدم چلنے کے بعد لوستاں کسی اڑیل گھوڑے کی طرح فٹ پاتھ پر رک کر کھڑا ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر راستے کا جائزہ لینے کے بعد لڑکھڑاتی ہوئی شکستہ آواز میں [illegible] "تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" لہجہ بگڑ جانے کی وجہ سے اس کی آواز میں بھی کوئی تاثر باقی نہیں رہا تھا لیکن سوال کے متن سے شبہے کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اب تم اپنے حواس درست کرو۔" میں نے اسے جھنجوڑتے ہوئے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ہم ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جا رہے ہیں۔ ڈرائیور کو راستہ تم ہی بتا سکو گے کیونکہ ہمارے فرشتوں کو بھی مادام فلورا کے مسکن کا علم نہیں ہے۔"

"میری گاڑی کا کیا ہوگا؟" اس نے اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے، گاڑی کہاں ہے تمھاری؟" میں نے

اف پر خوشی محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

کہیں نہ کہیں ڈھونڈ ہی لیں گے۔" وہ بے پروایانہ انداز میں
لے چار نمبر پارکنگ لاٹ میں چلتے ہیں۔"

میری کھوپڑی بھنا کر رہ گئی۔ روشن اشتہارات کے انعکاس میں
شاہ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔

میں نے ایک راہ گیر سے چار نمبر پارکنگ لاٹ کے بارے
ت کیا تو اس نے معنی خیز انداز میں لوستاں کی طرف دیکھا،
یرے سہارے پر اکتفا کرنے کے بجائے عملاً سارا بوجھ مجھ پر
تھا پھر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں چار نمبر کا محل وقوع سمجھانے لگا۔
ریہ ادا کرتے ہوئے مجھے حیرت تھی کہ میں نے لاعلمی میں سامئن
لاٹ میں پارک تھی جو ٹیکسی اسٹینڈ کی بالکل مخالف سمت
ع تھا اور شاید اسی وجہ سے لوستاں میرے ساتھ چلتے چلتے،
و پر اڑیل ٹٹو کی طرح جم کر کھڑا ہو گیا تھا۔

ایک بڑی پارکنگ لاٹ میں صرف نمبر کے سہارے کسی کار
پنچنا آسان نہیں تھا۔ میں لوستاں کو لیے ایک طرف کھڑا رہا
ان شاہ نے پوری لاٹ کا چکر لگا کر جب مطلوبہ کار کی دستیابی
ی تو میں لوستاں کو لے کر اُس کی بتائی ہوئی سمت میں چل دیا۔
س کی اس سالخوردہ رینالٹ کار کو دیکھتے ہی میرا خون کھول اٹھا۔
ٹ میں شاید اس سے پُرانے ماڈل کی بوسیدہ شکستہ کوئی کار
یں تھی۔ اگر لوستاں نمبر کے ساتھ وہ نشانیاں بھی بتا دیتا تو اُس
تلاش کی مہم خاصی آسان ہو سکتی تھی۔

اُس نے جیب سے چابی نکال کر دی تو میں نے پہلے پسنجر
کا دروازہ کھول کر اسے سوار کرایا۔ سلطان شاہ میرے لون
کے شاپنگ بیگ اور رقم کے تھیلے سمیت عقبی نشست پر
گیا اور میں ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔

سیلف لگانے پر کار کا انجن خلافِ توقع معمولی مزاحمت
آسانی سے اسٹارٹ ہو گیا اور میں احتیاط کے ساتھ رینالٹ
نگ لاٹ سے باہر لے آیا۔ میں نے لوستاں کو ہوش میں رہ کر
ٹ ہاؤس کو جانے والے راستے کی نشان دہی کے لیے ٹوکا
نے مجھے اطمینان دلایا کہ وہ نیند کی حالت میں بھی اپنی قیام گاہ
یری ٹھیک ٹھیک رہنمائی کر سکتا تھا۔

نشے کی وجہ سے اس کے پپوٹوں پر نیند کا شدید دباؤ تھا لیکن
یٹ میں اونگھتے اونگھتے وہ بار بار چونک پڑتا تھا، وہ باوثوق
مجھے راستوں کے بارے میں ہدایات دیتا رہا۔ تقریباً نصف
ائیونگ کے بعد جب کار ایک پتلی سی سڑک سے دوبارہ
والے چوک کے سامنے نکلی تو میرا خون کھول اٹھا۔ ہم جہاں
چلے تھے گھوم پھر کر وہیں آ گئے تھے۔

"جتھے دی کھوتی، اُتھے آن کھلوتی۔" سلطان شاہ نے ایک بے ساختہ قہقہہ لگا کر کہا۔ وہ مردود اس وقت میری بے بسی اور مجبوری سے پوری بے رحمی کے ساتھ لطف اندوز ہونے کے موڈ میں آ چکا تھا، جو بار والی کونت کے بعد شاید اس کا حق بھی تھا۔

"گیسٹ ہاؤس کدھر ہے مونسیور لوستاں؟" میں نے دانت پیستے ہوئے سوال کیا۔

"اوہ! ہم شاید واپس وہیں آ گئے۔" وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "راستے میں کہیں نہ کہیں تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے، ورنہ اب تک ہم فلورا کے جلوؤں سے فیض یاب ہو رہے ہوتے۔"

وہ پیگ میں نے بھی پیے ہوئے تھے، میری کھوپڑی چٹخنے لگی۔ دل چاہا کہ اس کی گردن دبوچ کر اس کا سر ڈیش بورڈ یا ونڈ شیلڈ پر دے ماروں لیکن یوں ہمارے قیام کا مسئلہ جوں کا توں رہ جاتا۔ انسپکٹر سامئن کے قتل کے بعد ہمارے لیے ہوٹل زیادہ مخدوش ہو سکتے تھے۔ اپنی تمام تر مجرمانہ حرکات اور ذہنیت کے باوجود وہ محکمۂ پولیس کا ایک اعلیٰ افسر تھا اور اس کے قتل پر پورے محکمے کا حرکت میں آنا ناگزیر تھا۔

"فلورا کے جلوؤں کو بھول کر گھر کی فکر کرو۔" میں نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی ہوتی تو ہم جہنم میں جا سکتے تھے لیکن نقطۂ آغاز پر ہرگز واپس نہ آتے۔ یہ سراسر تمھارا قصور ہے۔ اس وقت تم شراب خانے کے علاوہ سارے راستے بھولے ہوئے ہو۔"

"ہوا لگنے سے اس وقت نشہ گہرا ہونے کے بجائے اُتر رہا ہے۔" اُس نے آہستگی سے اعتراف کیا۔ "چلو دوبارہ کوشش کرتے ہیں، کہیں غلطی کروں تو فوراً ہی بروقت ٹوک دینا۔ بارہ بجے شب فلورا گھر کا داخلی دروازہ مقفل کر دیتی ہے۔"

میں نے غصے میں اسے ہلا کر رکھ دیا۔ "اگر میں تمھیں غلطی پر ٹوکنے کے قابل ہوتا تو تم سے پوچھے بغیر گیسٹ ہاؤس پہنچا سکتا تھا۔ اس بار تم نے غلطی کی تو یقین کرو کہ تمھیں کسی گندے نالے میں پھینک دوں گا۔"

"ہائے، اتنی سردی ہیں!" وہ دانت کٹکٹا کر رہ گیا اور میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس وقت گیارہ بج رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ گیسٹ ہاؤس کے دروازے بند ہونے میں صرف ایک گھنٹا رہ گیا تھا۔ لوستاں نے جس انداز میں دروازے مقفل ہونے کا ذکر کیا تھا، اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے بعد فلورا کسی قیمت پر بھی دروازہ کھولنے پر آمادہ نہ ہوتی۔

اس بار آغاز ہی سے ہم ایک نئی سڑک پر چلے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے لوستاں چوک سے نکلنے والے تمام راستوں پر باری باری طبع آزمائی کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن میں خاموش ہی رہا۔ زیادہ تنقید سے اس کی آئی عقل بھی خبط ہو سکتی تھی۔ اس اثنا میں، میں نے سامئن کا دیا

ہُوا لفافہ جیب سے نکال کر سلطان شاہ کو دیا اور اُردو میں کہا کہ وہ کار کی اندر کی لائٹ جلا کر پاسپورٹ وغیرہ کے اندراجات دیکھ لے تاکہ اسے اپنے نئے نام اور شہریت وغیرہ سے واقفیت ہو سکے۔ لفافہ ملنے کے بعد مجھے اتنی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ اسے کھول سکتا۔

جب سلطان شاہ نے بتایا کہ اس کا پاسپورٹ ہندوستانی تھا جس پر کسی رامانند کا نام درج تھا تو بے اختیار میرے دل سے سائمن کے لیے کلمۂ خیر آزاد ہو گیا۔ میرا پاسپورٹ اطالوی تھا لیکن میں اطالوی زبان سے نابلد تھا جب کہ ہندوستانی پاسپورٹ کے حوالے سے سلطان شاہ اُردو روانی سے بول سکتا تھا جسے عام طور پر لوگ ہندی بھی کہتے تھے کیونکہ بولنے میں ان دونوں زبانوں میں ٹھیٹ ہندی کے چند گنے چُنے الفاظ ہی کا فرق تھا۔ مجھے بے اختیار وہ ہندی جوڑا یاد آ گیا جو لِون مارک کے عالی شان ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں شاپ لفٹنگ کی نیت سے آیا ہُوا تھا۔ وہ شاید سر لااوجے کی ذات کا کوئی طلسماتی اثر تھا کہ سائمن نے سلطان شاہ کا ہندوستانی پاسپورٹ تیار کرا دیا تھا۔

دوسری خوشی مجھے اس وقت ہوئی جب لوستاں نے مجھے ایک بنگلے کے سامنے گاڑی روکنے کے لیے کہا۔ اس وقت تک اُس کی حالت قدرے سنبھل چکی تھی اور سردی میں گندے نالے کے یخ بستہ، بدبودار پانی میں پھینکے جانے کے ہولناک تصوّر نے اُسے اپنے ذہن پر زور ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا' ورنہ وہ شاید رات بھر ہمیں مارسیلز کی سڑکوں کی خاک چھنواتا رہتا۔

لوستاں نے نیچے اُتر کر آہنی پھاٹک کی سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ اندر ڈال کر بولٹ سرکایا اور باہر کی طرف پھاٹک کھول دیا۔ اندر پورچ میں سیاہ رنگ کی ایک چمکتی ہوئی کار پہلے سے موجود تھی۔ لوستاں نے مجھے اشارہ کیا اور میں نے پُرانی رینالٹ احاطے میں داخل کر کے سیاہ کار کے پیچھے پارک کر دی۔ اس دوران میں اندر سے کسی نے باہر آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ برآمدے کا دروازہ کھُلا ہُوا تھا۔ اندر سے آنے والی تیز روشنیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس مکان کے کچھ مکین اس وقت بھی جاگ رہے تھے۔

ہم دونوں رینالٹ سے اُترے تو لوستاں بھی پھاٹک بولٹ کر کے اپنی ترنگ میں لہراتا ہُوا ہم سے آ ملا۔ "دیکھ لیا تم نے کہ میں ان راستوں سے کتنا واقف ہُوں؟" اُس نے سینہ پُھلا کر فخریہ لہجے میں کہا۔

"جب تک فلورا سامنے آ کر تمھیں پہچان نہ لے' مجھے جُوتے کھانے کا ڈر رہے گا۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا کیونکہ اس کی شیخی میں مجھے اپنے لیے چیلنج پوشیدہ نظر آیا تھا۔ غالباً وہ جتانا چاہ رہا تھا کہ پہلی بار راستہ بھُولنے میں اس کے دماغ کے خلل کے بجائے میری غائب دماغی کا دخل تھا، ورنہ ہم کافی دیر پہلے وہاں پہنچ گئے ہوتے۔ تبصرہ کرتے ہوئے میں نے رینالٹ کی چابی اُسے تھما دی۔

لوستاں کی رہنمائی میں ہم برآمدہ اور عمارت کا داخلی دروازہ [illegible] اندر داخل ہوئے اور خود کو ایک ایسے زینوں والے ہال میں پایا جہاں کئی کمروں کے بند دروازے نظر آ رہے تھے اور دیوار کے ساتھ وزنی صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ایک تپائی پر ٹیلی فون موجود تھا مگر کوئی بھی ایسی چیز نہیں تھی جو اس دو منزلہ بنگلے کو کوئی کاروباری [illegible] ثابت کرتی۔

"میرا کمرا اُوپر ہے، تم یہیں بیٹھو، میں مادام فلورا کو بلاتا ہوں۔" اُس نے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔ ہم صوفوں پر بیٹھے ہی تھے کہ ہمیں مغربی معاشرے کی عمومی اخلاقی اقدار کے مطابق اُٹھنا پڑا کیونکہ سامنے والی راہداری سے گلابوں سے زیادہ تر و تازہ، حسین اور باوقار ایک عورت سیاہ اونی بلاؤز اور لمبے اسکرٹ میں ملبوس ہماری طرف چلی آ رہی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی کشش موجود تھی جسے نظر انداز کرنا شاید کسی زاہد کے بس سے بھی باہر تھا۔

اُسے دیکھ کر میرے دل میں اس کا لمس محسوس کرنے کی خواہش اتنی شدّت سے بیدار ہوئی کہ میرے لیے اسے ضبط کرنا محال ہو گیا اور میں نے لوستاں کے کچھ بولنے سے پہلے اپنا اطلوی نام دُہرا کر آنے والی سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

میرا بڑھا ہُوا ہاتھ دیکھ کر آنے والی کی اُجلی اور کشادہ پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نمودار ہو گئیں۔ تعارف کے بعد کسی اجنبی مرد کی طرف مصافحے میں پہل یورپ میں معیوب سمجھی جاتی ہے۔ عورت سے تعارف کے بعد مصافحہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار عورت کو ہوتا ہے، وہ پہل کرے تو ہاتھ ملا لیا جاتا ہے، ورنہ زبانی مزاج پُرسی کافی سمجھی جاتی ہے۔

یہ بات مجھے معلوم تھی لیکن اضطراری طور پر جو ہو گیا، سو ہو گیا تھا۔ عورت بھی شاید صنفِ مخالف کے لیے اپنی کشش سے اچھی طرح باخبر تھی، اس لیے فوراً ہی معاملے کی تہ تک پہنچ گئی اور مجھے مایوس کرنے کے بجائے میرا سخت، کھُردرا ہاتھ اپنے نرم و نازک ہاتھ میں لے لیا۔ میں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبایا تو میرے وجود میں دوڑتا خون یک بیک تیز ہو گیا اور میں نے بوکھلا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

اُس نے فرنچ میں کچھ خیر مقدمی کلمات کہے اور میں نے فوراً ہی انگریزی شروع کر دی۔ "مجھے افسوس ہے کہ مَیں فرانس میں ہوں مگر فرنچ سے نابلد ہوں، اٹلی میں پیدا ہُوا مگر اطالوی میں کورا ہوں۔ ساری عمر انگلینڈ اور انڈیا میں گزاری ہے، اس لیے انگریزی کے علاوہ تھوڑی بہت ہندی سمجھ لیتا ہوں اور یہ میرا بزنس پارٹنر راما نند ہے، یہ ہندی کے علاوہ تھوڑی بہت انگریزی بول لیتا ہے۔"

"دلچسپ!" وہ مسکرائی تو اس کے دونوں رخساروں میں خفیف ڑھے نمودار ہوگئے "مجھے فلورا کہتے ہیں... مس فلورا شوپین..." نے اپنا نام بتاتے ہوئے اخلاقاً سلطان شاہ سے بھی ہاتھ ملایا وستاں سے بھی جو ابھی تک ایک لفظ بھی نہ بول سکا تھا اس کے ے پر پائے جانے والے خوف کے آثار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ رش دہ کرمے نوشی میں اپنی بے اعتدالی فلورا سے چھپانا چاہ تا۔

"اپنے دوستوں کو بڑے ناوقت لائے ہو لوستاں" وہ مسکراتے ئے کاٹ دار لہجے میں بولی "ذرا تاخیر اور ہوتی تو یہ بے چارے ی رات تمہیں پھاٹک بجاتے دیکھتے رہتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے جی بھر کر پی ہے"

"تھوڑی سی پی ہے مادام" وہ فلورا سے نظریں چراتے ہوئے ۔ اس وقت اس کا نشہ ہرن ہو چکا تھا "بس انھیں شہر کی سیر نے میں دیر ہوگئی، ورنہ ہم سر شام یہاں پہنچ جاتے۔ انھیں مارسیلز ں کسی معقول رہائش گاہ کی تلاش ہے میں نے مشورہ دیا کہ مادام ے بہتر میزبان مارسیلز تو کیا پورے فرانس میں نہیں مل سکے گا۔ ید ہے کہ تم انھیں مایوس نہیں کروگی"

"تم اوپر اپنے کمرے میں جاؤ" میں ان سے معاملات طے کرلوں گی" ورا نے اسے گھورتے ہوئے کہا "تمہارے سانسوں میں الکحل کی تیز بو رچی ہوئی ہے کہ تم کچھ دیر اور یہاں ٹھہرے تو مجھے قے ہو ئے گی"

وہ کسی سدھے ہوئے جانور کی طرح دم دبا کر بے چون و چرا ڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس پر فلورا کی شخصیت کی فت بہت مضبوط اور ناقابل شکست تھی۔ اس نے کثرت مے نوشی ے الزام کی تردید کرنے کی جرأت بھی نہیں کی تھی۔

"یہ مارسیلز کا شاید سب سے پرانا اور تجربے کار گائیڈ ہے لیکن بیوی کے فرار کے بعد اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے..." وستاں کے چلے جانے کے بعد وہ صوفے پر ہمارے قریب بیٹھتے ہوئے مغموم لہجے میں بولی جیسے اندر سے لوستاں کے لیے دکھی رہتی "شراب شہر کی ساری آوارہ لڑکیوں سے اس کی دوستی ہے، ہاتھ تنگ ہے تو یہ دن رات شراب میں ڈوبا رہتا ہے"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے اسے پینے کی پیش کش کی" لک نے ندامت سے کہا "حالانکہ رامانند شراب کو چھوتا بھی نہیں"

"خیر کوئی بات نہیں" وہ وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔ ں اپنے نئے مہمانوں کو کافی کی ایک لذیذ پیالی سے خوش آمدید ہتی ہوں لیکن اس وقت عجلت میں ہوں، باہر سے میرا ایک ملاقاتی آیا ہوا ہے۔ بارہ بجے گیٹ مقفل کرکے اپنے کمرے میں نہ پہنچی تو وہ ناراض ہوجائے گا، یہ بتاؤ کہ تم دونوں ایک ہی کمرے میں گزارا کرسکتے ہو یا الگ الگ کمرے چاہتے ہو؟"

"جس طرح سہولت ہو" میں نے بات اسی پر ڈال دی۔

اس دو منزلہ مکان میں نچلے ہال کی طرح اوپر بھی ہال ہی تھا، جہاں ٹیلی وژن وغیرہ موجود تھا۔ نیچے اور اوپر کل چھ خواب گاہیں تھیں جن میں سے ایک فلورا کے تصرف میں تھی۔ اس کا واحد ملازم جو صبح مہمانوں کو ناشتا فراہم کرتا تھا، مکان سے ملحق سرونٹ کوارٹر میں رہتا تھا۔ ایک کمرا مدتوں سے لوستاں کے پاس تھا۔ باقی دو کمروں میں چار افراد اس طرح مقیم تھے کہ ایک میں دو ملازم پیشہ لڑکیاں اور دوسرے میں مارسیلز آئے ہوئے ایک گشتی سرکس کے دو مرد ملازمین تھے۔ باقی دو کمرے خالی تھے، جن میں سے ایک ہمیں دے دیا گیا، دوسرا کمرا فلورا اپنے ملاقاتی کے لیے احتیاطاً خالی رکھنا چاہتی تھی۔

ہمارے پاسپورٹ وغیرہ دیکھنے کے بعد اس نے تاکید کی کہ ہم کسی سے بھی اپنی کرایہ داری کا ذکر نہ کریں بلکہ خود کو فلورا کا مہمان ظاہر کریں۔ شاید اس طرح وہ جائداد ٹیکس اور انکم ٹیکس والوں سے اپنا پیچھا چھڑائے رکھنا چاہتی تھی۔

مکان کی فرسودہ حالت اور پرانے فرنیچر کے باوجود کرایہ بہت کم تھا۔ فلورا ہم سے ایک ہفتے کا پیشگی کرایہ وصول کرتے ہی گیٹ مقفل کرنے کے لیے اٹھ گئی "اوپر کی سیڑھیاں ختم ہوتے ہی داہنے موڑ پر پہلا کمرا لوستاں کا ہے، وہ تمہارے لیے برابر والا کمرا صاف کردے گا، یہ خیال رکھنا کہ اوپر والے فلور پر تمہارے سامنے لڑکیاں رہتی ہیں۔ امید ہے کہ اس وقت تم میری سرد مہری کو معاف کردوگے، اب صبح ملاقات ہوگی"

خواب گاہ بہت صاف ستھری اور آرام دہ تھی۔ وہاں بنیادی ضرورت اور آسائش کی ہر شے موجود تھی۔ لوستاں ہمارے کمرے میں جھاڑ پونچھ کرکے چلا گیا تو ہم دونوں جوتے اتار کر نرم بستر پر دراز ہوگئے۔

سلطان شاہ نے فوراً ہی روشنی گل کرکے نائٹ لیمپ روشن کردیا لیکن میری آنکھوں میں دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔ کافی دیر تک کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد میں نے سگریٹ سلگائی تو وہ بول پڑا "کیا سونے کا ارادہ نہیں ہے؟"

"نیند آئے جب کی بات ہے۔ میرا ذہن ویرا میں الجھا ہوا ہے، نہ جانے شی کی قید میں اس پر کیا گزر رہی ہوگی!"

"یا فلورا یاد آرہی ہے؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا "وہ بھی چالاک اور دل پھینک معلوم ہوتی ہے، ورنہ بڑی آسانی کے ساتھ

تمھارے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کرسکتی تھی۔" اُس نے دانستہ یا نادانستہ طور پر دیرلکے موضوع سے گریز کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ایسے چہرے کم نظر آتے ہیں، واقعی بہت خوبصورت عورت ہے۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔ "بدن اس قدر متناسب پایا ہے کہ اعضا کے اعتبار سے سراپا شعر نظر آتی ہے، اسی کے ساتھ دل میں گداز بھی رکھتی ہے، ورنہ لوستاں کے لیے کبھی مغموم نہ ہوتی۔"

"اسے بھول کر سونے کی کوشش کرو۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "آج کا سارا دن بھاگ دوڑ میں گزرا ہے۔ پھر فلورا تمھاری ہم عمر بھی تو نہیں، بہت بڑی ہے کسی طرح چالیس پینتالیس سے کم نہیں ہو گی۔ اس وقت ویسے بھی وہ اپنے ملاقاتی کے ساتھ اعضا کی شاعری میں مصروف ہو گی، تم ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پی لو تو آسانی سے نیند آجائے گی۔"

"چالیس!" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے دہرایا۔ "اس عمر کی عورت ایک میل دور سے پہچان لی جاتی ہے۔ لوستاں نے حسد کی وجہ سے اس کی عمر بتانے میں مبالغے سے کام لیا اور اب تم بھی شاید اس پر رشک کر رہے ہو۔"

"تم اُس کے چہرے میں اُلجھ کر رہ گئے۔ غور کرتے تو ٹھوڑی کے نیچے گردن پر وہ ہلکی ہلکی جھریاں ضرور دیکھ لیتے جو عمرِ رفتہ کی یادگار بنتی جا رہی ہیں۔ البتہ یہ مان سکتا ہوں کہ اپنے دور میں واقعی قیامت ڈھاتی ہو گی۔"

میرا جواب زبان پر آتے آتے رہ گیا اور میں چونکنا ہو کر بستر پر اُٹھ بیٹھا کیونکہ باہر سے چوبی دروازے پر دستک کی آواز آئی تھی۔ سلطان شاہ نے بھی عمارت کے اندر سے آنے والی وہ آواز سُنی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ مجھے پہلا خیال یہی آیا تھا کہ کہیں لوستاں نشے کی جھونک میں سامنے والی لڑکیوں کے دروازے پر نہ جا پہنچا ہو۔ قدرے توقف کے بعد دوبارہ دستک کی آواز سُنائی دی اور اس بار میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کسی مدہوش آدمی کی مجنونانہ دستک نہیں تھی بلکہ کوئی محتاط اور شریف شخص پڑوسیوں کی نیند میں خلل ڈالے بغیر گیسٹ ہاؤس کے کسی مخصوص دروازے پر دھیمی سی دستک دے رہا تھا۔

اس بار دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی لوستاں کی آواز آئی۔ اس نے فرنچ بولی تھی جو میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔

جواب میں ایک خوابناک اور سرد سی مردانہ آواز اُبھری جسے سُن کر میرا پورا وجود جھنجھنا اُٹھا، دورانِ خون تیز ہو گیا اور خوفزدہ نہ ہونے کے باوجود اس سرد موسم میں میرے بدن کے مساموں میں پسینے کی نمی محسوس ہونے لگی۔

اس آواز کو میں ہزاروں آوازوں کے شور میں پہچان سکتا تھا کیونکہ وہ شی کے سربراہ، میرے دشمن، جمی لائیڈ کی آواز تھی۔ یہ قدرت کی ستم ظریفی تھی کہ اس نے ایک دوسرے کے لہو کے پیاسوں کو ایک ہی چھت کے نیچے جمع کر دیا تھا اور دونوں ایک دوسرے کی موجودگی سے لاعلم تھے۔ میں نے زیرو واٹ کے نائٹ لیمپ کی روشنی میں سلطان شاہ کی طرف دیکھا لیکن اُس کا چہرہ کسی بھی غیر معمولی تاثر سے عاری تھا۔

جمی لائیڈ، جو شاید مجھ سے چند قدموں کے فاصلے پر موجود تھا، فرنچ میں لوستاں سے کچھ کہہ کر خاموش ہو چکا تھا۔ لوستاں بھی خاموش ہو گیا تھا مگر میرے ذہن میں جمی لائیڈ کی آواز کی بازگشت موجود تھی اور سوچنے سمجھنے یا فیصلہ کرنے کی ہر صلاحیت مفقود ہو چکی تھی، مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی غیر متوقع طور پر سُنائی دے جانے والی آواز نے مجھے ایک شدید اعصابی جھٹکے سے دوچار کر دیا تھا۔

نہ جانے وہ سرکس کے ملازم کے روپ میں وہاں مقیم تھا یا لو کا ملاقاتی بن کر آیا تھا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں وہ لوستاں سے ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرنے نہ آیا ہو لیکن اس وقت ہم بے بس اور مجبور، اس خواب گاہ کے قیدی تھے۔ دشمن ہمارے دروازے پر آزاد کھڑا تھا اور کسی بھی لمحے ہم پر اپنی پسند کا وار کر سکتا تھا۔

اضطراری طور پر میں نے جھک کر نائٹ لیمپ کا بیڈ سوئچ بھی آف کر دیا۔ ان خوفناک حالات میں روشنی کے مقابلے میں اندھیرا ہمارے لیے زیادہ مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ جمی لائیڈ نے لوستاں سے بازپرس مکمل کرنے کے بعد ہمارے دروازے پر دستک دی تو ہمارا ردِعمل کیا ہونا چاہیے، مجھے یقین تھا کہ وہ پہلی ہی نظر میں مجھے ڈینی کی حیثیت سے پہچان لے گا۔

باہر گہرا سکوت چھایا رہا۔ مجھے گمان ہو رہا تھا کہ کہیں لوستاں جمی لائیڈ کو اپنے کمرے میں نہ لے گیا ہو، اسی لمحے ایک بار پھر جمی لائیڈ کی شناسا اور آسیبی آواز اُبھری۔ اُس نے مختصر سا کوئی لفظ کہا تھا، اس کے بعد دروازہ بند ہونے کی آواز آئی اور فضا پر پھر وہی اعصاب شکن سکوت طاری ہو گیا جو اندر ہی اندر مجھے پریشان کیے ڈال رہا تھا۔

اپنے کمرے کی گھور تاریکی میں میں نے ایک انسانی ہیولے کو متحرک دیکھا تو دہل کر رہ گیا۔ اس سے قبل کہ میں اُس پر حملہ آور ہوتا اندھیرے سے مانوس نگاہوں نے سلطان شاہ کا بستر خالی دیکھ لیا، وہ اپنی جگہ چھوڑ کر میرے پاس آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کیا سوچ رہے ہو؟" میرے قریب آکر اُس نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"تم نے نہیں سُنا؟ باہر جمی لائیڈ بول رہا تھا۔" میں نے اس سے بھی دھیمی اور سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ اُس نے نائٹ لیمپ دوبارہ

شن کر دیا اور ہمدردانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم ک گئے ہو۔ ششی ہیروئن، ویرا اور جمی لائیڈ تمھارے سر پر سوار ہو کر رہ گئے ہیں۔ وہ آواز میں نے بھی سنی ہے، تمھیں وہم ہوا ہوگا۔ جمی لائیڈ' لوا کے اس یتیم خانے میں کیوں آنے لگا۔ کہو تو میں لوستاں سے تمھارے لیے کوئی خواب آور گولی لے آؤں، وہ ایسی دوائیں ضرور رکھتا ہوگا۔"

"تمھاری کھوپڑی زنگ آلود ہوتی جا رہی ہے، میں اس آواز کو ہزاروں میں پہچانتا ہوں۔" میں نے بدستور سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

وہ تیزی سے پلٹا اور میرے منع کرنے کے باوجود اس نے دروازہ کھول دیا۔ چوکھٹ سے قدم باہر نکال کر اس نے نیم روشن ہال کا جائزہ لیا اور اندر آ کر دروازہ دوبارہ مقفل کر لیا۔ "باہر کچھ بھی نہیں ہے، تم بلاوجہ سوچ سوچ کر اپنا خون سلگا رہے ہو۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ سرکس کا کوئی مسخرہ ہی لوستاں سے نیند کی گولی لینے آیا ہو۔ لیٹ جاؤ، ورنہ صبح تک اعصابی خلل کا شکار ہو جاؤ گے۔"

اس کے بزرگانہ رویے پر میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ میں اسے کیسے سمجھاتا کہ میں نے جو کچھ سنا اور محسوس کیا وہ سو فیصد درست تھا۔ اس نے باہر کا جائزہ لے کر اس وقت اپنی بات درست ثابت کر دی تھی اور میرے پاس اس سے بحث کرنے کے لیے کوئی نکتہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے مقابلے میں خاموشی اختیار کر لینے کے باوجود میں خود کو کسی بدترین معرکے کے لیے تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ جمی لائیڈ جیسے خون آشام دشمن کی اتنے قریب موجودگی کے باوجود غفلت سے کام لیا تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں دردناک موت سے نہ بچا سکے گی۔

چند ثانیوں کے بعد میں بستر پر دراز ہو گیا۔ سلطان شاہ بھی کروٹ لے کر لیٹ گیا۔ نائٹ لیمپ کی دھندلائی ہوئی زرد روشنی رات کے گہرے سکوت سے مل کر اس وقت بھیانک سماں باندھ ہی تھی اور میرے ذہن میں خیالات کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ حواس ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بیدار اور چوکنے ہو گئے تھے۔ ذرا ذرا سی آہٹ پر میں بھڑک رہا تھا۔ ہر بار یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جمی لائیڈ کسی بھی لمحے موت کا ہرکارہ بن کر اس کمرے کے دروازے پہ آ سکتا تھا۔

سلطان شاہ میری طرف سے متفکر تھا اور مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بستر پر سویا نہیں تھا بلکہ دم سادھے ہوئے میری ہی طرف نگراں تھا۔ اسے اطمینان دلانے کے لیے کچھ دیر بعد میں سوتا ہوا بن گیا حالانکہ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور ہو چکی تھی۔ آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں کیونکہ آنکھیں موندتے ہی خیالات کا تسلسل بھیانک سعار لیتا تھا۔ اسی اعصابی تناؤ کے عالم میں کافی وقت گزر گیا۔

پھر اچانک سلطان شاہ بالکل کوئی آواز پیدا کیے بغیر بستر سے اٹھا اور مجھے اپنی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ میں نے فوراً ہی آنکھیں بند کر لیں۔

آنکھیں بند ہوتے ہی تصور میں فلم چل پڑی۔ سلطان شاہ نے پہلے قدرے فاصلے سے پھر قریب آ کر میرا جائزہ لیا۔ اس کے گرم گرم سانسوں کا لمس میں نے اپنے چہرے پر محسوس کیا، وہ شاید میرے اوپر جھک کر یہ اطمینان کرنا چاہ رہا تھا کہ میں اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے سونے کی کوشش میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میں اتنی دیر تک اسی طرح دم سادھے پڑا رہا جب تک میرے اندازے کے مطابق سلطان شاہ اپنے بستر پر واپس نہیں چلا گیا پھر میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

مسلسل سوچنے کی وجہ سے وقت کی رفتار دھیمی پڑ گئی تھی۔ اس وقت مجھے احساس ہو رہا تھا کہ دن کا اجالا کس قدر مہربان اور شفیق ہوتا ہے۔ دن کی روشنی میں بدترین خطرات میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود انسان نسبتاً مطمئن اور بے خوف ہوتا ہے کیونکہ امکانی خوف اور خطرے کا ہر پہلو اس کی نظروں میں ہوتا ہے۔ انجانی سمتوں سے کسی نادیدہ دشمن کے اچانک حملے کا ڈر کم ہی رہتا ہے۔

پھر سلطان شاہ میری طرف سے مطمئن ہو کر سو گیا۔ میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی اور نائٹ لیمپ کی روشنی گل کر دی۔ اس وقت میں خود بھی اس اعصاب شکن اور صبر آزما صورت حال سے اکتا گیا تھا۔ سب کچھ مقدر کے حوالے کر کے کچھ دیر کے لیے گہری نیند سونا چاہتا تھا مگر وہ میرے بس میں نہیں تھا۔ مجھے سلطان شاہ پر رشک آنے لگا۔ صورت حال اس کے لیے بھی بالکل اتنی ہی سنگین تھی جتنی میرے لیے، فرق بس اتنا تھا کہ میرا ذہن اس کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے کام کر رہا تھا اور ذہن کی اس تیزی نے مجھے سکون کے ان لمحوں سے محروم کر دیا تھا جن سے سلطان شاہ اس وقت پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔

آخر کار میں نے بستر چھوڑ دیا اور پردہ سرکا کر اپنے کمرے کی بند کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سامنے خوابیدہ بستی میں مکانوں کی اکا دکا روشنیاں اور روشن گیٹ لیمپ، اسٹریٹ لائٹس کے ساتھ مل کر اس اندھیری رات میں قدرے خوشگوار سماں پیدا کر رہے تھے۔ آسمان کی گھور سیاہی میں خفیف سے اجالے کی آمیزش شروع ہو چکی تھی، جس کا مطلب تھا کہ وہ رات آخر کار گزرنے ہی والی تھی۔

موسم سرد تھا جب کہ اس خواب گاہ میں لذت انگیز حرارت رچی ہوئی تھی لیکن میرے دل میں تبدیلی سے لطف اندوز ہونے کی خواہش کچھ اتنی شدت سے بیدار ہوئی کہ میں نے سلطان شاہ کی نیند میں خلل ڈالے بغیر اور کوئی آواز پیدا کیے بغیر بولٹ گرا کر کھڑکی کا ایک پٹ کھول دیا۔

سمندر کی نمی میں بھیگی ہوئی سرد مگر تازہ ہوا کا پہلا جھونکا بہت خوشگوار تھا۔ میں تاریکی کا ایک جزو بنا کافی دیر تک یونہی سرد ہواؤں سے محظوظ ہوتا رہا۔ نیچے فلورا کے مکان کا احاطہ ویران پڑا ہُوا تھا اور آہنی پھاٹک پر روشن لیمپوں نے اس حصے کو منور کیا ہُوا تھا، جو مجھے نظر آرہا تھا۔

سرد ہواؤں سے میری ناک سُن ہونے لگی تھی۔ چہرے کی جلد بھی آخرکار جمتی ہوئی محسوس ہونے لگی تو میں نے کھڑکی بند کرنے کا ارادہ کیا مگر اسی لمحے نیچے سے قدموں کی آہٹ کے ساتھ، ڈھلتی ہوئی رات کے سناٹے میں ایک سرگوشیانہ نسوانی آواز اُبھری اور میں چونک پڑا، وہ آواز سو فیصد فلورا کی محسوس ہوئی تھی۔ قدموں کی آہٹ جاری رہی پھر برآمدے سے اُتر کر شب خوابی کے قیمتی اور وزنی گاؤن میں ملبوس ایک نسوانی ہیولا مجھے آہنی پھاٹک کی طرف بڑھتا ہُوا نظر آیا۔ اس عورت کی پُشت میری جانب تھی اور میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اس کی چال اور قامت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا، دشوار نہیں تھا کہ وہ فلورا تھی۔

جس وقت فلورا آہنی پھاٹک کھول رہی تھی، اسی لمحے فضا میں اُبھرنے والی ایک تیز مشینی آواز نے مجھے چونکا دیا مگر پھر میرے اعصاب پُرسکون ہوگئے کیونکہ وہ لوستاں کی رینالٹ کار کے سالخوردہ انجن کے اسٹارٹ ہونے کی مانوس آواز تھی۔ میں اُلجھن میں پڑ گیا کہ رات کے آخری پہر میں یا صبح نمودار ہوتے ہی لوستاں کو کہاں جانے کی ضرورت پیش آگئی تھی جو وہ فلورا کو نیند سے اُٹھا لایا تھا۔

چند ثانیوں بعد رینالٹ ریورس ہوتی ہوئی پورچ سے پختہ روش پر نمودار ہوئی اور جب وہ گیٹ سے نکلی تو گیٹ لیمپس کی روشنی میں مَیں نے ڈرائیو کرنے والے کا مُبہم سا خاکہ دیکھا جو لوستاں سے قطعی مختلف تھا۔

”تم نہیں سوئے؟“ نیند میں ڈوبی ہوئی سلطان شاہ کی جھلّائی ہوئی آواز سُن کر میں چونک پڑا اور اس سے قبل کہ وہ مزید کوئی بے احتیاطی کرتا، میں پنجوں کے بل دوڑتا ہُوا اُس کے قریب پہنچ گیا۔

”اس شدید سردی میں کھڑکی کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟“ میرے بولنے سے پہلے ہی اس نے دوسرا سوال داغ دیا۔

”شش! آواز نیچی رکھو۔“ میں نے اُس کا بازو سختی سے دباتے ہوئے کہا۔ ”باہر کوئی بڑی کارروائی ہو رہی ہے۔“

میرے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ وہ کمبل اُچھال کر فوراً بستر سے اُتر آیا اور پھر ہم دونوں کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ کمرے میں مکمل تاریکی ہونے کی وجہ سے نیچے والوں کے لیے ہمیں دیکھنا ناممکنات میں سے تھا۔

کھڑکی سے میری مختصر سی غیرحاضری کے دوران میں اجنبی شخص رینالٹ کار پھاٹک سے باہر فٹ پاتھ کے کنارے پارک کر کے شاید اندر واپس آچکا تھا۔ فلورا کا شہابی چہرہ، سیاہ مخملی کالر میں دمکتا ہُوا نظر آرہا تھا، وہ بدستور کھلے ہوئے پھاٹک کے سامنے موجود تھی۔

پھر دوسری کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی ہلکی سی آواز آئی تو صورتِ حال میرے ذہن میں واضح ہوگئی۔ رینالٹ کو باہر ہٹا کر صرف راستہ بنایا گیا تھا تاکہ اجنبی پورچ میں موجود نئے ماڈل کی سیاہ کار میں کہیں روانہ ہو سکے۔ اس اثنا میں فلورا نے رینالٹ کی نشست سنبھال لی تھی پھر جونہی سیاہ کار رینگتی ہوئی باہر نکلی تو فلورا نے راستہ صاف ہوتے ہی رینالٹ دوبارہ مکان میں لے لی۔ سیاہ کار باہر نکل کر اس زاویے سے رُکی ہوئی تھی کہ اس بار بھی ڈرائیور کو اچھی طرح دیکھنا ہمارے لیے ناممکن تھا کیونکہ ڈرائیونگ سیٹ ہم سے مخالف سمت میں تھی۔

رینالٹ کار کو اندر پارک کر کے فلورا دوبارہ کھلے ہوئے گیٹ کی طرف آئی تو اجنبی سیاہ کار سے اُتر کر پُراعتماد انداز میں اس کی طرف آیا۔ اُس وقت میں نے پہلی بار دیکھا کہ وہ طویل قامت اور قوی الجثہ اجنبی جو اُونچے کالر والے سیاہ السٹر میں ملبوس تھا، جمی لابہا ہی تھا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال سحر انگیز تھی۔ میں پہلی بار اپنے جانی دشمن کو اپنے سے اتنا قریب دیکھ رہا تھا۔ آگے آکر جمی لابہا الوداعی انداز میں فلورا سے بغل گیر ہُوا اور میں تکیے کے نیچے سے پستول لینے کے لیے بستر کی طرف لپکا۔ سلطان شاہ پر سکتہ طاری ہوگیا تھا، وہ اپنے خوابیدہ ذہن کے ساتھ، جہاں تھا وہیں جم کر رہ گیا تھا۔ میں بجلی کی سی سُرعت سے واپس لوٹا تو منشیات کی دُنیا کے بے تاج بادشاہ کو جہنم واصل کرنے کا موقع ضائع ہوچکا تھا، وہ میری زد سے نکل کر دوبارہ سیاہ کار میں جا بیٹھا تھا اور کار رینگتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

فلورا اُسے ہاتھ ہلاتی رہی، اُس نے بھی اپنی طرف کا شیشہ گرا کر جوابی انداز میں ہاتھ ہلایا اور پھر سیاہ کار تیز رفتاری کے ساتھ رات کے اس بیکراں سناٹے میں معدوم ہوتی چلی گئی۔

فلورا نے آہنی پھاٹک بند کیا اور گزرے ہوئے لمحات کے حسین تصور میں ڈوبی، مستانہ روی کے ساتھ اندر چل دی۔

”ڈراما ختم ہوگیا، آؤ اب آکر دوبارہ گرم گرم کمبل میں دبک جاؤ۔“ میں نے سلطان شاہ کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔ ”یہ غنیمت ہُوا کہ تم نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، ورنہ صبح اُٹھ کر اس واقعے کو بھی

میرا میراثی قرار دیتے۔“

”مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ میں نے جو کچھ دیکھا، وہ خواب

قت تھا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ تو ہو بہو جمی لائیڈ
ی تصویر میڈوسا کے کپتان کے کیبن میں اچانک مل اٹھی تھی۔"
ہو بہو نہیں بلکہ وہی تھا اور یہ فلورا اس کی گرل فرینڈ معلوم ہوتی
رمال، ہم نے آج ایک سُنہرا موقع گنوا دیا۔" میں نے کھڑکی کا
رتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ صحیح معنوں میں اس وقت
طان شاہ پر غصہ آ رہا تھا۔

اس کا مطلب ہے کہ رات کو تمہارا وہم درست تھا۔" وہ
خوردہ لہجے میں بولا۔

بیہودہ ہی وہم!" میں جھلا کر غرایا۔ "میں بتا رہا ہوں کہ رات میں
ی آواز سُنی تھی۔"

ضرور سُنی ہوگی مگر میں وہ آواز نہیں پہچان سکا تھا۔" اس نے
عتراف کیا۔ "لیکن وہ اوپر لوستاں کے پاس کیوں آیا تھا؟"

رفتہ رفتہ بات سمجھ میں آ رہی ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا
ے ہماری موجودگی کا علم نہیں ہو سکا، ورنہ ہم اس وقت تک
ں رہ سکتے تھے، وہ اس پوری عمارت کو کھنڈر بنا دیتا۔ یوں سمجھ لو
ہمارے کان پر سے گزری ہے۔ رات کو جب ہم یہاں پہنچے
س وقت وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آتا تو اُسی وقت فیصلہ کُن
شروع ہو سکتا تھا لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم ادھر کا
رکیں گے۔ اس کے علاوہ وہ جب تک مرسیڈیز کے ملبے سے
لے برونوا شمٹ کی لاش کے باقیات شناخت نہ کر لیے جائیں،
ڈ اسی خوش فہمی میں مبتلا رہے گا کہ اس نے مرسیڈیز کے ساتھ
ی بے بسی کے عالم میں موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ میرے
ہ دوبارہ اُسی وقت سوچ سکے گا جب اُسے میرے بچ
ی اطلاع مل جائے گی۔"

برونو کی لاش کی شناخت کے علاوہ ویرا کو بھی زبان کھولنے
ور کیا جا سکتا ہے۔" اُس کے ذہن سے نیند کا خمار رفتہ رفتہ اُتر رہا
مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ اپنی بیٹی کے اغوا کے وقت وہ سکون
یہاں فلورا کے ساتھ بیٹھا رنگ رلیاں منا رہا تھا۔"

"وہ بہت ٹھنڈے دماغ اور بہترین قوتِ فیصلہ کا مالک ہے۔"
ے جمی لائیڈ سے اپنی نفرت کے باوجود حقیقت کے اعتراف میں تحمل
نہیں لیا۔ "ہو سکتا ہے کہ شام ہی سے یہاں فلورا کے پاس آ گیا
رات کو یہیں ویرا کے اغوا کی خبر ملی ہو۔ اُس نے اپنی محفل
ٹ کر اُسی وقت ویرا سے ملنے کے بجائے رات گزارنے کا
بعد میں ہم آ پہنچے تو ہمارے کمروں میں چلے جانے کے بعد
ے علم ہوا ہوگا کہ اس کی کار کے پیچھے رینالٹ پارک کر دی
جمی لائیڈ کو صبح سویرے نکلنا تھا، اس لیے اُس نے رات
ینالٹ کی چابی حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہو سکتا ہے کہ فلورا

اس وقت نشے میں ہو۔۔ یا کمرے سے باہر نکلنے کے قابل نہ رہی ہو، اس لیے جمی لائیڈ بہ ذاتِ خود اوپر آیا اور لوستاں سے اس کی کار کی چابی لے کر واپس چلا گیا۔ اگر اس وقت تم بے دردی کے ساتھ میری حوصلہ شکنی نہ کرتے تو ہم خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے سے نکل کر حقائق کا سُراغ لگا سکتے تھے۔ اس طرح جمی لائیڈ بالکل بے خبری میں خواب گاہ میں پکڑا جاتا اور یہ قصہ یہیں ختم ہو سکتا تھا۔"

"جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "تمہیں پورا حق ہے کہ چاہو تو اس غلطی پر مجھے جوتے لگا لو لیکن اس طرح جمی لائیڈ واپس نہیں آئے گا۔ چکنی مچھلی کی طرح وہ ہماری گرفت سے نکل چکا ہے، اب تو صرف فلورا کو ہی ٹٹولا جا سکتا ہے۔"

"میں شرط لگانے کے لیے تیار ہوں کہ وہ جمی لائیڈ کی اصلیت سے بے خبر ہوگی، وہ اس سے کسی اور رُوپ میں ٹکرایا ہوگا۔ جو کچھ ہمیں معلوم ہو چکا ہے، اس سے زیادہ فلورا کچھ نہ بتا سکے گی۔"

اس کے بعد ہمیں نیند نہ آ سکی۔ باقی وقت ہم اسی موضوع پر بحث کرتے رہے۔ جمی لائیڈ کی مُنہ اندھیرے پُراسرار روانگی سے مجھے ویرا کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمی لائیڈ نے ویرا کا باپ ہونے کا اعتراف کر لیا تھا لیکن وہ سنگدل، بے مہر اور سفّاک انسانوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جو اپنے مفاد کے سامنے ہر تعلق اور ہر رشتے کو خاک و خون کا بھیانک غسل دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک اپنے مقاصد کا حصول ہر جذبے پر مقدّم ہوتا ہے۔

مارسیلز میں فارکیمپ کی دریافت کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس شہر میں شی کا بڑا آپریشن چل رہا تھا۔ وہاں روایتی تنظیم کے ساتھ ہی جیف ٹارلنگٹن سارے معاملات کی خود مختارانہ دیکھ بھال کے لیے آئی مین کے منصب پر فائز تھا، اس لیے مارسیلز میں شی کے دشمنوں اور باغیوں کے لیے انگلینڈ کے ڈیلٹا کیمپ جیسا قید خانہ ہونے کے قوی امکانات موجود تھے۔

ادھر جمی لائیڈ کی موجودگی کے خوف سے میں ساری رات جاگتا رہا اور دوسری طرف اس کے صبح سویرے روانہ ہونے سے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ اغوا کے بعد شاید ویرا کو کسی تنگ زنداں میں قید کر کے رات بھر تیز روشنیوں اور دوسرے حربوں سے بیدار رکھا گیا ہوگا تاکہ صبح جمی لائیڈ اپنی بیٹی سے ملاقات کرنے پہنچے تو بے خوابی اور اعصابی تناؤ کے نتیجے میں ویرا کے لیے مربوط جھوٹ بولنا ناممکن ہو کر رہ جائے۔

آخر کار وہ رات صبح کے اُجالوں میں ڈھل ہی گئی۔ ہمیں بتا دیا گیا تھا کہ اس عمارت میں ناشتے کی میز سات بجے سے ساڑھے آٹھ بجے تک تیار رہتی ہے، اس سے پہلے اور بعد میں ناشتا کسی بھی

قیمت پر فراہم نہیں کیا جاتا، اس لیے ہم دونوں نے نہایت اطمینان سے باری باری گرم پانی سے غسل کیا اور دل میں فلورا سے ملاقات کی اُمید لیے ٹھیک سات بجے کمرے سے نکل پڑے۔

باہر نکلتے ہی مجھے لونساں کا خیال آیا اور میں نے بلاتوقّف اس کا دروازہ بجا دیا۔ دوسری دستک پر اُس نے عجیب حُلیے میں دروازہ کھولا تھا۔ جسم پر شکن آلود شب خوابی کا لباس تھا، بال بکھرے ہوئے تھے، سُرخ آنکھوں پر پچھلی رات کی مے نوشی کا ورم اس وقت بھی باقی تھا۔ اپنی حالت سے اس وقت وہ کوئی عادی بلکہ پیشہ ور شرابی معلوم ہو رہا تھا۔

ہمیں دیکھ کر وہ معذرت خواہانہ انداز میں مُسکراتے ہوئے بولا۔

"کہو، صُبح سویرے میری کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"یہ دیکھنا تھا کہ تم اسی کمرے میں ہو... یا رات کو فلورا کے کمرے میں بلا لیے گئے تھے۔" میں نے میدان صاف دیکھ کر دھیمی آواز میں کہا۔

"ایسا مقدّر کہاں؟" وہ حسرت بھرے لہجے میں بولا۔ "اس جیسی سیم تن کے بلانے پر تو میں سر کے بل چل کر جا سکتا ہُوں۔"

"پھر رات تمھارے کمرے پر کون آیا تھا؟" میں نے براہِ راست مطلب کا سوال کر ڈالا۔

"رقیبِ روسیاہ۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "فلورا کا چہیتا ملاقاتی تمھاری کار کی چابی لینے آیا تھا کیونکہ اس کو آج صُبح سویرے کسی اہم کام پر جانا تھا۔ اب تک تو وہ ساری بہاریں لُوٹ کر جا چُکا ہوگا۔"

"اوہ!" میں نے متحیّر ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "پھر تو ہم نے بلاوجہ تمھاری نیند خراب کی..."

"اب نہیں سو سکوں گا۔ تم نیچے چلو، میں بھی تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آتا ہُوں۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ میرے نظریے کی تصدیق ہو چکی تھی، اس لیے میں وہاں مزید وقت ضائع کیے بغیر سلطان شاہ کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

نیچے ناشتے کی میز پہ فلورا نے بہ ذاتِ خود ہمارا استقبال کیا۔ نیلے لباس اور ہلکی گلابی لپ اسٹک میں وہ اس وقت بہت تروتازہ اور نکھری ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تکان یا بے خوابی کا موہُوم دُور تک کوئی نشان نہیں تھا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم صُبح سویرے اُٹھنے کے عادی ہو۔" رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد وہ بولی۔ "لڑکیاں کام والے دنوں میں آٹھ بجے نیچے آتی ہیں۔ بقیہ تینوں کا ناشتا تقریباً روزانہ ہی ضائع کرنا پڑتا ہے۔ لونساں کے علاوہ سرکس والے بھی دن چڑھے تک سوتے رہتے ہیں۔"

"شاید تمھارا مہمان چلا گیا، ورنہ تم اس وقت بھی نظر نہ آتیں۔" میں نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے بہت سرسری انداز میں اس نازک ترین موضوع پر گفتگو چھیڑ دی جو مسلسل میرے ذہن پر سوار تھا۔

"بعض مرد بہت زیادہ ملکیت پسند ہوتے ہیں، وہ ان میں شمار ہوتا ہے۔ کبھی کبھی آتا ہے لیکن جب بھی آتا ہے، اپنی موجودگی میں مجھے کمرے سے ہلنے بھی نہیں دیتا۔" وہ ہمارے ساتھ اپنے لیے بھی کافی بناتے ہوئے قدرے فاخرانہ لہجے میں بولی۔

"ایسے احساس کا تعلق علاقے سے بھی ہوتا ہے۔ عورتوں کے معاملے میں شاید سارے فرنچ مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔" میں نے ہوشیاری کے ساتھ گفتگو کو اپنی مرضی کے ڈھب پر لاتے ہوئے کہا۔ "اور وہ تو تمھارا بوائے فرینڈ بھی ہے۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ فرنچ مرد ایسے نہیں ہوتے۔ پورے یورپ میں عورتوں کا سب سے زیادہ احترام فرانس میں ہی پایا جاتا ہے۔ یہاں کے مرد بہت فراخ دل اور کھُلے ذہن کے مالک ہیں۔ ڈان مریسانو اطالوی ہے اور جب بھی ان اطراف میں آتا ہے مجھ سے ملے بغیر نہیں جاتا۔" اُس نے میرے آخری تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اس کی زبان سے ڈان مریسانو کا معروف نام سُن کر میرا دل زور سے دھڑکا تھا لیکن میں نے پوری کوشش کی تھی کہ میرے چہرے پر کوئی ردِّعمل ظاہر نہ ہو۔ میرے لیے یہ حیرت کی بات تھی کہ جمی لائیڈ نے فلورا سے دوستی استوار کرنے کے لیے کسی نئے نام کے بجائے اپنا پُرانا ہی نام استعمال کیا تھا جو دیرا کے لیے ایک گالی بنا ہُوا تھا۔

"اطالوی تو میں بھی ہُوں۔" میں نے شوخ نظروں سے فلورا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کم از کم اس سے میری ملاقات تو کرا دیتیں۔"

"تم اطالوی زبان سے نابلد ہو، اس لیے میں نے دانستہ اس سے تمھارا ذکر نہیں کیا۔" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "زبان کے بغیر علاقہ بے معنی ہوتا ہے۔ تم جیسے لوگوں کے لیے یہ بڑی مشکل ہوتی ہے کہ کوئی بھی قوم تمھیں قبول نہیں کرتی۔ اطالویوں کی بھیڑ میں تم اجنبی بنے رہو گے کیونکہ ان کی زبان سے ناواقف ہو۔ انگریزی جانتے ہو مگر برٹش نیشنل نہیں بن سکتے کیونکہ تمھارا پاسپورٹ اطالوی ہے۔"

"پردیسیوں سے دل لگانے کے بارے میں ہندی میں ایک کہاوت ہے۔" میں نے اس کی گفتگو سے حوصلہ پا کر بے تکلفی سے کہا۔ "تم نے ڈان مریسانو سے دوستی تو کی ہوئی ہے لیکن ضرورت کے لمحات میں جب وہ تم سے دُور اپنے ملک میں بیٹھا ہوتا ہے، تمھیں محرومی کا احساس ضرور ہوتا ہوگا، وہ یہاں کیوں نہیں آ جاتا یا تمھیں اٹلی کیوں نہیں بلا لیتا؟"

"وہ بہت عظیم انسان ہے۔" وہ کافی کا ایک گھونٹ لے کر بولی۔

پنے مسائل وہ بہتر طور پر جانتا ہے میرے لیے اتنا ہی کافی ہے اس کے ذہن میں میرا خیال موجود رہتا ہے۔"

اس وقت میز پر ہم تینوں کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا، اس ے وہ گفتگو جاری رہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فلورا زیادہ چالاک ورت نہیں تھی اور ڈان مرسیانو کے قصے میں خود بھی لُطف لے رہی

ی اس بارے میں اس کی کہانی بہت دلچسپ تھی۔ دو سال پہلے وہ مارسیلز میں جیف ڈارلنگٹن کی ایک تجارتی رم میں اسٹینو کے طور پر ملازم تھی۔ اس وقت تک جیف نے مس سیلز ربیکا سے شادی نہیں کی تھی اور ہاتھ دھو کر فلورا کے پیچھے ڑا ہوا تھا لیکن فلورا محض پیسے کے لالچ میں اپنا مستقبل ایک ازکار رفتہ بوڑھے لکھ پتی کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

ایک دن جیف نے ڈکٹیشن دینے کے بہانے اُسے اپنے رے میں بُلایا اور اس پر شادی کے لیے دباؤ ڈالنے لگا۔ اسی دوران ڈان مرسیانو دستک دیے بغیر اس کے دفتر میں گھس آیا۔ اس کی جیف سے دوستی تھی اور وہ اکثر وہاں آتا رہتا تھا۔ اس نے فلورا کی نکھوں میں آنسو دیکھے تو اس سے بات شروع کر دی۔ ہمدردی کے دو بول سُنتے ہی فلورا رو پڑی اور اُس نے اپنی ملازمت کی پروا کیے بغیر ڈان مرسیانو کو سب کچھ بتا دیا۔ اس نے جیف کو خاصا لتاڑا اور اسی وقت فلورا کو اپنے ساتھ لے گیا۔

فلورا کی کہانی کے مطابق وہ مکان اُسے ڈان مرسیانو نے ی خرید کر دیا تھا اور یوں وہ اس کی مہربانی سے پل بھر میں ایک بے مایہ ملازم پیشہ عورت سے صاحبِ جائداد بن گئی۔ ڈان مرسیانو کے مشورے پر ہی فلورا نے اس مکان میں گیسٹ ہاؤس کا کامیاب سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس مہربانی کے صِلے میں ڈان مرسیانو نے اس ے کوئی مطالبہ نہیں کیا لیکن جب فلورا نے خود اس کی ذات میں لچسپی کا اظہار شروع کیا تو اسے والہانہ انداز میں جواب ملا اور یوں وہ ہر اعتبار سے اس پردیسی کی اسیر ہو کر رہ گئی جو اس سے دور رہتے ہوئے بھی ہر لمحے اس کے دل میں بسا رہتا تھا۔

مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ جیف ڈارلنگٹن کو اپنے اطالوی دوست ڈان مرسیانو کی اصلیت کا ہرگز علم نہ ہوگا۔ جبی لائیڈ کے وہی خوف ز ہے اس کے آدمیوں کو ہر وقت اس سے خائف رکھتے تھے۔ ان کے لیے ایک پُراسرار نام ہوتے ہوئے بھی وہ جب چاہتا ان کے زہ بسارہ کر ان کی کارگزاریوں پر گہری نظر رکھنا شروع کر دیتا تھا ور جب چاہتا، پس منظر سے غائب ہو جاتا تھا۔

"اٹلی میں تو اُس کا کوئی بڑا کاروبار ہوگا؟" میں نے اُس کی پوری کہانی سُن کر سوال کیا۔

"اس کے کام کی نوعیت سُن کر شاید تم اس سے کراہت محسوس کرنے لگو، لیکن اس بارے میں اس کا اپنا ایک مضبوط فلسفہ ہے جو میری دانست میں کسی بھی اعتراض کرنے والے کا مُنہ بند کر سکتا ہے۔"

"ہیروئن بیچتا ہے؟" میں نے بدستور انجان بنتے ہوئے سادگی کے ساتھ دریافت کیا۔

"کوئی اور بات کرو۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "وہ جو کوئی بھی ہے اور جو کچھ کرتا ہے، میرے لیے ہے، تمھیں اس میں دلچسپی لینے کی کیا ضرورت ہے؟ پتا نہیں میں تمھارے سامنے یہ ذکر کیوں لے بیٹھی؟"

"شروع ہی میں موضوع بدل لیتیں تو اچھا تھا۔ اب ایک بات ادھوری چھوڑ کر تم نے میرے دل میں تجسّس پیدا کر دیا ہے۔ ویسے یہ بتا دوں کہ میرے نزدیک صرف ایک ہی کام قابلِ نفرت ہے اور وہ ہے منشیات فروشی۔ ہو سکتا ہے کہ تمھارا ڈان مرسیانو اس کے حق میں بھی مضبوط دلائل رکھتا ہو مگر میں اس پر بحث نہیں کروں گا۔"

"میں کہہ رہی ہوں کہ وہ ہیروئن نہیں بیچتا۔" وہ قدرے چڑچڑے لہجے میں بولی۔

"یہ تم نے اب کہا ہے پھر کیا کرتا ہے وہ؟" میں نے اُسے غصہ دلانے کی نیّت سے کہا۔

"تم بھی بہت ضدی ہو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "تو سُنو کہ وہ روم اور میلان میں کئی بڑے قحبہ خانے اور نائٹ کلب چلاتا ہے، نہ وہ اپنے پیشے پر شرمسار ہے، نہ مجھے بُرا لگتا ہے۔ تمھارا کوئی تبصرہ مجھے اُس سے متنفّر نہیں کر سکے گا۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے تبصرہ کرنے کی؟" میں نے کافی کی دوسری پیالی ختم کر کے سگریٹ سلگاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ "وہ تو بڑا نیک کام کر رہا ہے۔ چاہو تو اُسے سوشل سروس بھی کہہ سکتی ہو۔ جن لوگوں کو کوئی گرل فرینڈ یا بوائے فرینڈ نہیں ملتا، معاشرے پر اُن کا بھی تو کچھ حق بنتا ہے۔"

اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر اس نے بے یقینی کے عالم میں سوال کیا۔ "تم اس کا مضحکہ اڑانے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟"

"قطعی نہیں۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔ "بلکہ تمھیں بھی اس عمارت میں گیسٹ ہاؤس کے بجائے قحبہ خانہ ہی قائم کرنا چاہیے تھا۔"

ایسے ادارے معاشرے کے مایوس اور محروم طبقوں کی بہت بڑی خدمت کرتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ان خدمات کو کھلے دل سے تسلیم نہیں کیا جاتا۔"

"تمہارے خیالات بالکل ڈان سے ملتے جلتے ہیں۔" وہ ستائشی لہجے میں بولی۔ "اس نے گیسٹ ہاؤس کے لیے وہی مشورہ دیا تھا جو تم دے رہے ہو لیکن مجھ میں ڈان کی طرح اپنے معاشرے سے لڑنے کا حوصلہ نہیں تھا، اس لیے یہ گیسٹ ہاؤس بن گیا۔ ڈان تم سے ملتا تو بہت خوش ہوتا۔ اسے تو ہمیشہ اپنے ہم خیال لوگوں کی تلاش رہتی ہے اور وہ ان کی بڑی قدر کرتا ہے۔"

"دوبارہ کب آئے گا وہ؟" میں نے اس سے ملاقات کے امکان پر جوش اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"گیا کہاں ہے وہ ابھی؟" وہ روانی میں بولی۔ "وہ تو مارسیلز میں ہی ہے۔ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر رات میں پھر یہیں، میرے پاس آئے گا۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔" میں نے عقیدت مندانہ مکاری کے ساتھ کہا۔ "وہ یہاں موجود نہ ہوتا تو میں تم سے اس کا پتا لے کر روم یا میلان میں ضرور اس کی قدم بوسی کرتا۔ وہ انسان نہیں، درویش ہے، ورنہ اس دور میں کون محروم لوگوں کا درد محسوس کرتا ہے۔"

"کوئی بھی تمہیں اس کے ٹھکانوں پر پہنچا سکتا ہے۔ دونوں شہروں میں ہر ٹیکسی ڈرائیور اس کے نام سے واقف ہے۔" فلورا خوش تھی کہ اسے کم از کم ایک ایسا آدمی مل گیا تھا جس کے نظریات ڈان مرسیانو سے مماثل تھے، وہ بے وقوف عورت بالکل نہیں سمجھ سکی تھی کہ میں نے چالاکی ..... سے کام لیتے ہوئے اس سے ڈان مرسیانو کے پروگرام سمیت بہتیری باتیں اگلوالی تھیں لیکن خرابی یہ تھی کہ جب بھی ڈان مرسیانو واپس لوٹتا، وہ مجھے اس سے ملوانے پر تل جاتی اور وہی ایک میری سب سے بڑی کمزوری تھی جس کے لیے مجھے تیاری کرنا تھی۔

فلورا کا مسئلہ یہ تھا کہ اس کے نزدیک ڈان مرسیانو اٹلی کا ایک تجربہ گر تھا جس نے اپنی دریا دلی کے باعث اسے باحیثیت بنا دیا تھا لیکن وہ اس کے جمی لائیڈ والے روپ اور اس کے کالے دھندوں سے بالکل لاعلم تھی۔ اس نے شی کے آئی مین جیف ڈارلنگٹن کا تذکرہ بھی ایک لکھ پتی تاجر کے طور پر کیا تھا، جس کا مطلب تھا کہ وہ شی کے وجود اور مقاصد کا کوئی علم رکھے بغیر اس کے اہم ارکان سے قریب رہی تھی اور اس کی تمام ذمے داریاں غیر مجرمانہ نوعیت کے سیدھے سادے کاموں تک محدود تھیں جن کے بارے میں وہ کبھی فکر مند نہیں ہوئی تھی۔

لوستاں سے پہلے فلورا کے گیسٹ ہاؤس میں مقیم دونوں لڑکیاں تیار ہو کر نیچے آئیں تو مجھے اور سلطان شاہ کو ناشتے کی میز پر دیکھ کر ان کی نگاہوں میں خوشگوار حیرت اتر آئی۔ فلورا نے ہم چاروں کا آپس میں تعارف کرایا اور ہم ان کی رسمی مزاج پرسی کے بعد ناشتے کی میز چھوڑ کر ہال میں پڑے ہوئے وزنی اور پرانے صوفوں پر آ بیٹھے۔ فلورا اپنے ملازم کی مدد سے لڑکیوں کو ناشتا سرو کر رہی تھی۔

"اب یہاں سے بھی بھاگو۔" ناشتے کی میز سے ہال میں منتقل ہونے کے بعد سلطان شاہ نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ خوشی کی بات تھی کہ دن بہ دن اس کی انگریزی سمجھنے کی صلاحیت حیرت انگیز تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی تھی۔

"غنیمت ہوا کہ ہمیں اس کی واپسی کا علم ہو گیا، ورنہ رات کو بے خبری میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ اس وقت ہم دونوں اردو میں ہی دھیمی آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔

"اسی کے ساتھ تم نے فلورا کو اپنی طرف سے ہوشیار کر دیا ہے۔" وہ بولا۔ "تم اس پر اپنے گندے خیالات کا اظہار نہ کرتے تو وہ شاید آج بھی اس سے ہمارا ذکر نہ کرتی لیکن اب وہ اسے ضرور بتائے گی اور وہ تم سے ملنا چاہے گا۔"

"کون سے خیالات گندے ہیں میرے؟" میں نے آنکھیں نکال کر سوال کیا۔

"ڈان مرسیانو کے اٹلی والے گھناؤنے دھندے کے بارے میں تم نے کسی شائستہ رائے کا اظہار تو نہیں کیا تھا۔"

"فلورا کی زبان کھلوانے کا اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "تم نے محسوس نہیں کیا کہ میری رائے سنتے ہی اس کا رویہ اچانک تبدیل ہوا تھا، ورنہ وہ بات ختم کرنے پر تل گئی تھی۔"

"کم از کم آج کی رات تو میں یہاں گزارنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔" وہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا۔

"ہماری غیر حاضری ڈان مرسیانو کو شبہات میں مبتلا کر دے گی۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے ذہن میں ایک تجویز جنم لے رہی ہے، اس کے لیے ہمیں لوستاں کو کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ ملانا ہوگا۔"

"تم سمجھ رہے ہو کہ وہ ہمارے داؤ میں آ جائے گا؟" اس نے حیرت سے کہا لیکن میرا خیال تھا کہ میں، لوستاں سے جس مختصر رول کی توقع کر رہا تھا، وہ اسے آسانی کے ساتھ نباہ سکتا تھا۔ لڑکیوں کے فارغ ہونے سے پہلے لوستاں بھی تیار ہو کر آ پہنچا۔ اس کی پیش کش پر ہم دوبارہ کافی پینے پر آمادہ ہو گئے۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ فلورا کی طرف سے مہمانوں سے وقت کی پابندی ضرور کرائی جاتی تھی لیکن اشیائے خورد و نوش کی مقدار پر کوئی پابندی عائد نہیں تھی۔

تاں ناشتے کی میز پر بیٹھا تھا اس کی دونوں لڑکیوں سے خاصی بے تکلفی علوم ہوتی تھی' اس لیے ہم کباب میں ہڈی بننے کے بجائے کافی کی اپنی یاں اُٹھا کر دوبارہ ہال میں آ بیٹھے تاکہ بدلی ہوئی نازک صورتِ حال ہمارا تبادلۂ خیال جاری رہ سکے۔

★

فلورا کے گیسٹ ہاؤس سے لوستاں کے ہمراہ روانہ ہونے تک ں صبح کے اخبارات نہیں آئے تھے۔ باقی لوگوں کو خبروں کے بارے ں نہ کوئی اندازہ تھا اور نہ تجسّس' اس لیے یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ کسی وجہ ے ہاکر بروقت نہیں پہنچ سکا تھا لیکن ہمیں معلوم تھا کہ پچھلا دن ہم نے سی خونریزیوں میں گزارا تھا، اس لیے ہم دونوں ہی اخبارات دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔

لوستاں پر پچھلی رات کی مے نوشی میں بے اعتدالی کے اثرات جود تھے لیکن اس کے باوجود ڈرائیونگ وہی کر رہا تھا۔ اُس نے ستے میں ایک اسٹال سے ایک فرنچ اور ایک انگریزی اخبار خرید کر یری گود میں ڈالا تو میں چونک پڑا کیونکہ انگریزی اخبار کی شہ سُرخی میں ستان کا نام موجود تھا۔ خبر اس ایٹمی منصوبے کے بارے میں تھی جو ابتدا ں فرانس کی امداد اور تعاون سے مکمل ہونا تھا لیکن بعد میں عالمی طاقتوں ریشہ دوانیوں کے باعث فرانس اپنے وعدوں سے منحرف ہو گیا۔ پچھلی بروں کے حوالے سے اخبار میں یہ سنسنی خیز انکشاف کیا گیا تھا کہ ہالینڈ سے م ایٹمی معلومات اور نقشے حاصل کرنے کے بعد پاکستانی ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر قدیر خان نے یورینیم کو افزودہ کرنے کا ایسا نظام کامیابی سے قائم کر یا تھا جس کی مدد سے نام نہاد "اسلامی ایٹم بم" کی منزل ناقابلِ یقین حد تک ریب آ گئی تھی۔ اخبار نے دعویٰ کیا تھا کہ خلا میں موجود مواصلاتی سیاروں ے پاکستان کے ایک مخصوص علاقے میں زمین کی کشش میں رونما ہونے والی تبدیلیاں ریکارڈ کی گئیں تھیں جن کی بنا پر ماہرین کو یقین تھا کہ زیرِ زمین ایٹمی تحقیق اور تیاریوں کے لیے پاکستان اس علاقے میں ناقابلِ نفوذ زیرِ زمین تعمیرات کر رہا تھا تاکہ فضا سے اس کی جوہری تنصیبات کا جائزہ لینا ممکن نہ رہے۔

وہ خبر اور اس کا پس منظر جو کچھ بھی رہا ہو' میں نے اس پر اپنے ل میں فخر کے جذبات محسوس کیے کیونکہ پاکستان اور ایک پاکستانی سے غرب کے ماہرین ان کارناموں کی توقع کر رہے تھے جن میں خود بعض غربی ماہرین کو دسترس حاصل نہیں تھی۔ اسی کے ساتھ میرے دل ں ہوک سی اُٹھی کہ میں کافی عرصے سے پاکستان سے باہر تھا۔ مجھے چھ علم نہیں تھا کہ میرے ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ مجھے اپنا دوست جہانگیر اد آیا جو میرے ساتھ ہی شی کے شکنجے میں پھنسا تھا اور بعد میں شی کے الے دھندوں اور مستقل خطرات سے خوفزدہ ہو گیا تھا مگر پھر بھی نظیم سے چمٹے رہنے پر مجبور تھا کیونکہ تنظیم سے ایک بار رشتہ استوار کر لینے کے بعد اس سے منحرف ہونے والوں کے لیے صرف اور صرف موت کا راستہ باقی رہ جاتا تھا۔

میں نے فیصلہ کیا کہ پہلی فرصت میں کسی پبلک بوتھ سے جہانگیر کو فون کروں گا تاکہ اس سے پاکستان کے حالات کا پتا چل سکے۔ اس بارے میں سوچتے ہوئے میں نے اخبار کے پچھلے حصے میں سینٹ فرانسس جانے والی سڑک پر مرسیڈیز کی تباہی کی خبر دیکھی جس میں ایک نامعلوم شخص ہلاک ہو گیا تھا۔ خبر تفصیلی تھی لیکن اس میں کہیں بھی بل سارا ہاؤز میں ہونے والی خونریزی کا ذکر تھا، نہ جان لی بگ کی سُرخ ٹرائمف اور اس کی ڈکی میں موجود تین لاشوں کا تذکرہ تھا، اسی طرح کھیتوں میں ہونے والے تصادم اور بھاگ دوڑ کا بھی کوئی ذکر نہیں تھا۔ سب سے زیادہ حیرت اس بات کی تھی کہ اس کاٹیج کے محافظ نے بھی کوئی رپورٹ درج نہیں کرائی تھی جہاں ہم نے زبردستی قبضہ کر کے لباس تبدیل کیے تھے۔

بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بل سارا ہاؤز کے مکینوں نے لاشوں کو دبا کر متعلقہ فریقوں کو کسی نہ کسی طرح زبان بند رکھنے پر آمادہ کر لیا تھا تاکہ وہ علاقہ پولیس کی توجہ کا مرکز نہ بن سکے۔ ویرا کے کلثوم احمدی کے رُوپ میں اغوا کی خبر عقبی صفحے پر موجود تھی اور ان دونوں سے نمایاں انسپکٹر سائمن لویتھو کی لاش کا معمّا اُچھالا گیا تھا۔ لاش رات گئے دیر سے ساحل سے برآمد ہوئی تھی' اس لیے بڑی سُرخی کے باوجود متن میں کوئی خاص بات نمایاں نہیں تھی۔

تینوں واقعات پر اخبار نے اپنے انداز میں الگ الگ تبصرے کیے تھے' انھیں ایک ہی کڑی میں پرونے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی بہ ظاہر ان تینوں وارداتوں میں کوئی تعلق نظر آتا تھا۔

”مارسیلز پر شاید بُرے دن آ گئے ہیں“۔ اُن وارداتوں کے بارے میں میری زبان سے خلاصہ سُن کر لوستاں نے کہا۔ ”یہاں مہینوں کوئی حادثہ یا ایسا سنگین جُرم نہیں ہوتا تھا جس میں انسانی جانیں ضائع ہوتی ہوں مگر فائر کیمپ کے بعد تو شہر کی بربادی شروع ہو گئی ہے' یہ انتہا ہے کہ مجرموں نے انسپکٹر سائمن جیسے ایماندار افسر کو بھی ہلاک کر دیا۔“

”تم جانتے تھے اُسے؟“ میں نے سوال کیا۔

”اسے مارسیلز کی ساری مقامی آبادی جانتی ہو گی' وہ برسہا برس سے اسی شہر کی خدمت کر رہا تھا۔“ وہ اداسی کے ساتھ بولا۔ ”مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے باہر سے کچھ مُجرم مارسیلز میں گھس آئے ہوں اور بربادی پر تُل گئے ہوں۔“

”ایسے حالات میں تو اسلحہ ساتھ لیے بغیر گھر سے نکلنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ پتا نہیں کون، کہاں للکار بیٹھے“۔ میں نے موقع پا کر کہا۔

”حالات اتنے نہیں بگڑے لیکن مزید بگڑتے دیر نہیں لگتی۔ ہر گھر میں تھوڑا بہت اسلحہ ضرور ہونا چاہیے“۔ لوستاں نے کہا۔

"تمہارے پاس ہتھیار وغیرہ ہوتا ہے؟" میں نے اُکسانے والے لہجے میں سوال کیا۔

وہ ہنس دیا۔ "ٹنکی خالی ہونے والی ہے، اس میں پٹرول تم ہی کو ڈلوانا ہوگا، میری جیب خالی ہے۔"

"پہلے پٹرول بھروالو، پھر ہم تمھیں ایک پستول بھی دلوا دیں گے۔" میں نے اُسے تسلی دی۔

"لائسنس کے بغیر دلوانا ہوگا۔" اُس نے حریفانہ لہجے میں کہا۔ "میرے پاس لائسنس نہیں ہے۔"

"یہ تو تم پر منحصر ہے کہ کسی ایسے ٹھکانے پر لے چلو جہاں قانون کو نظر انداز کر کے بھی کام بن جاتا ہو۔" میں نے سادگی سے ذمّے داری اُسی پر ڈال دی اور پتا چلا کہ وہ مارسیلز میں ایسے ایک نہیں، کئی ٹھکانوں سے اچھی طرح واقف تھا۔

گیسٹ ہاؤس سے ہم شہر گھومنے اور کچھ خریداری کا ارادہ ظاہر کر کے نکلے تھے لیکن اصل مقصد فلورا سے علیحدگی میں لوستاں کو شیشے میں اُتارنا تھا تاکہ وہ جبی لائیڈر کے خلاف مہم میں ہمارا ساتھ دے سکے۔ ہمارے پاس بیم گن کے علاوہ صرف انسپکٹر سائمن سے حاصل کیا ہُوا اعشاریہ تین آٹھ کا پستول تھا جس کے میگزین میں صرف چھ گولیاں باقی رہ گئی تھیں۔ جبی لائیڈر کے خلاف صف آرا ہونے کے لیے ہمیں کم از کم ایک فاضل میگزین اور کچھ گولیوں کے علاوہ چند دستی بم بھی درکار تھے جو ہم لوستاں کے ساتھ دُکان سے متعارف ہونے کے بعد خود بھی خرید سکتے تھے۔

پٹرول کی ٹنکی بھروانے کے بعد میں نے سو سو ڈالر کے دو نوٹ لوستاں کو دے دیے۔ "یہ اپنی ضروریات کے لیے رکھ لو۔" میں نے اُسے متحیّر پا کر نرمی سے کہا۔ "راستے میں کہیں سے مقامی کرنسی میں بدلوا لینا۔"

"شکریہ، تم واقعی انسان نہیں فرشتہ ہو۔" اُس نے نوٹ لیتے ہوئے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

عملاً لوستاں روزی کمانے کے لیے جو بھی گھٹیا طریقہ اختیار کرتا رہا ہو، اس سے قطع نظر، پیشہ ورانہ طور پر وہ مارسیلز کا ایک تجربہ کار گائیڈ تھا، اس لیے شہر میں اس کی شناسائی کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ راستے میں اُس نے ایک بینک پر گاڑی روک کر جان پہچان کی بنیاد پر اپنے دو سو امریکی ڈالر فرانکوں میں بدلوائے تو میں نے بھی لگے ہاتھوں ایک ہزار ڈالر کا تبادلہ کرا لیا کیونکہ وہاں چھوٹی موٹی ضروریات کے لیے ڈالروں کا بے دریغ استعمال لوگوں کی توجہ ہماری طرف مبذول کرانے کا سبب بن سکتا تھا۔

اگلی منزل اسلحے کے ایک ڈیلر کا شو روم تھی۔ ہمیں گاہک سمجھ کر لوستاں کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا اور لوستاں نے نیچے لہجے میں اس شخص کو اپنے مقصد سے آگاہ کر دیا۔ ڈیلر نے مجھ سے مطلوبہ پستول کا کلیبر دریافت کیا اور میں نے بلا توقّف اعشاریہ تین آٹھ دُہرا دیا کیونکہ اسی طرح میں نئی گولیاں سائمن کے پستول میں استعمال کر سکتا تھا۔

اُس شخص کے اشارے پر دُکان کے ایک ملازم نے اس بور کے کم و بیش ایک درجن پستول اور ریوالور نکال کر کاؤنٹر پر میرے سامنے پھیلا دیے۔ ان میں سے ایک پستول منتخب کر کے میں نے دو فاضل میگزین اور گولیوں کے دو سربند ڈبّے خریدے جس پر دُکاندار قدرے مضطرب نظر آیا۔ اُس نے لوستاں کو الگ لے جا کر کچھ بات کی اور لوستاں اُسے اطمینان دلاتا ہماری طرف لوٹ آیا۔

"تمھاری خریداری اس بے چارے کو خوفزدہ کر رہی ہے۔" لوستاں نے کہا۔ "کہ کہیں یہ اسلحہ قتل یا ڈکیتی کی کسی واردات میں استعمال نہ ہو۔"

"ہماری بات اور ہے لیکن غیر قانونی طور پر خریدا گیا اسلحہ بلا استثنٰی ایسے ہی کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔" میں نے دُکاندار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چُبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اُس نے اعتراف کیا۔ "لیکن پیشہ ور مجرموں کو ہم براہِ راست مال نہیں دیتے، بیچ میں دلال ہوتا ہے، خریدنے اور بیچنے والے کو ایک دوسرے کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ تمھیں ہم نے لوستاں کی وجہ سے واپس نہیں کیا، ہماری دُکان سے براہِ راست اسلحہ خریدنے والا کوئی مہم جُو، اناڑی مجرم پکڑا جائے تو ذرا سے تشدّد میں کھایا پیا تک اُگل دیتا ہے۔ ہم ایسے معاملے میں اپنی ساکھ کا خطرہ مول نہیں لیتے۔"

میں نے بات بڑھانا مناسب نہ سمجھی اور ہم ادائیگی کر کے وہاں سے نکل آئے۔ لوستاں خوش تھا اور اس کی خوشی کی وجہ شاید یہ تھی کہ ایک قیمتی ہتھیار اس کے قبضے میں آنے والا تھا جسے بہ وقتِ ضرورت وہ معقول داموں پنیچ سکتا تھا۔

"فلورا کو نہ بتا دینا کہ پستول ہم نے دلوایا ہے۔" سلطان شاہ نے کار میں سوار ہوتے ہوئے اُس سے کہا۔

"میں اتنا احمق نہیں ہُوں۔ ضرورت پیش نہ آئی تو اُسے پستول کی ہوا بھی نہ لگ سکے گی۔" وہ بولا۔

"کہیں دُھوئیں کے دستی بم وغیرہ ملتے ہُوں تو وہ بھی لے لو۔" سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس وقت پٹیر واک فیاضی پر آمادہ ہے۔ میں ان بموں سے تمھیں کئی شعبدے سکھا دوں گا۔ لوگ حیران رہ جایا کریں گے۔"

"کیا واقعی ان مہلک بموں کا ایسا بے ضرر مصرف بھی ہوتا ہے؟" لوستاں کے لہجے میں تجسّس عود کر آیا۔

"بم لے لو تو خود دیکھ لینا۔" سلطان شاہ بے پروایانہ لہجے میں بولا اور میں اُس کی بکواس پر دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ "دُھوئیں کے بم ویسے بھی بے ضرر ہوتے ہیں۔ پلاسٹک کے ٹکڑے کسی کو زخمی تک

نہیں کرتے۔ بس ایک محدود رقبے میں کچھ دیر کے لیے کثیف دُھواں بھر جاتا ہے۔" سلطان شاہ اُسے دُھوئیں کے بموں کا اصول سمجھا رہا تھا۔

"پھر لگے ہاتھوں ایک دو ایسے بم بھی لے لو۔ ان کا مظاہرہ کہیں باہر ہی کرنا پڑے گا۔ فلورا اپنے گیسٹ ہاؤس میں دھماکے سُننا پسند نہیں کرے گی۔ میں اس سستی اقامت گاہ سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔"

اُس کے ذہن سے ہر شبہ دُور رکھنے کے لیے میں سلطان شاہ پر برس پڑا۔ سلطان شاہ مدافعانہ انداز میں ہکلاتا رہ گیا۔ آخر لوستان کو ہی درمیان میں دخل انداز ہونا پڑا۔ "تم بے چارے راما نند پر بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو۔ اُس نے تو صرف ایک بات بتائی تھی۔ اب تم ناراض ہو رہے ہو تو اس قصّے کو یہیں ختم کر دو۔ ایک مقبول گائیڈ کے لیے نت نئے لطائف اور کچھ شعبدوں سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ لمبی سیاحت پر اس کی خدمات حاصل کرنے والوں کو یکسانیت کا احساس نہ ہو۔ اسی خیال سے میں دُھوئیں کے بموں کا شعبدہ سیکھنا چاہتا تھا۔"

"خیر، اس وقت تو تم جو چاہتے ہو، وہ لے لو۔" میں نے بدستور غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں بھی دیکھوں گا کہ یہ تمھیں کون سے کرتب سکھاتا ہے مگر اصولی طور پر میں گھروں میں بموں وغیرہ کی موجودگی کے خلاف ہوں۔"

لوستان خوش ہو گیا۔ سلطان شاہ بہ ظاہر کچھ منمنا کر رہ گیا اور یوں ایک تنگ و تاریک علاقے کے ایک مکان سے ہم دُھوئیں کے چار بم خریدنے میں کامیاب ہو گئے جو شام کی مُہم میں اہم کردار ادا کر سکتے تھے۔ اس خریداری کے بعد ہم نے لوستان کی سفارش پر شہر کا ایک مشہور پارک اور عجائب گھر دیکھا۔ وہاں سے نکلے تو کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔

ایک اچھے ہوٹل میں کھانا کھا کر ہم تینوں پر ہی کسل مندی طاری ہونے لگی۔ لوستان تو ویسے بھی دیر تک سونے کا عادی تھا۔ اُسے وہ دن اپنے لیے بہت لمبا محسوس ہونے لگا تھا۔ ہم تینوں واپس گیسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئے۔

"تھیلے تم دونوں لے لینا۔" راستے میں لوستان نے کہا۔ "میرے ہاتھ میں ہوئے اور فلورا سے سامنا ہو گیا تو وہ ضرور ان کی تلاشی لے گی۔ تم پر اس کی دھونس نہیں چل سکے گی۔ بعد میں یہ چیزیں مجھے دے دینا۔"

اس کی وہ تجویز نہایت معقول تھی۔ اگر وہ خود پیش کش نہ کرتا تو ہمیں کوئی ایسی تدبیر سوچنا پڑتی کہ کم از کم آنے والی رات تک وہ ہتھیار ہماری تحویل میں رہیں۔ رات خیریت سے گزر جاتی اور اگلی صبح تک ہم وہاں مقیم رہتے تو ساری چیزیں اس کے حوالے کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ ہم نے وہ سارے پاپڑ صرف جی لائیڈ سے مقابلے کے لیے ہی بیلے تھے۔

راستے میں ایک بڑے بس اسٹینڈ پر پبلک فون بوتھ دیکھ کر بے اختیار میرے دل میں پاکستان بات کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور میں نے کار رُکوالی۔ ان دونوں کو کار میں چھوڑ کر میں نے ایک اسٹال سے نوٹ دے کر ریزگاری حاصل کی اور ایک خالی بوتھ میں داخل ہو گیا۔ پاکستان بات کرنے کے لیے وہ مناسب ترین وقت تھا کیونکہ پاکستان کا وقت فرانس سے چار گھنٹے آگے ہوتا ہے۔

پہلی گھنٹی بجتے ہی دوسری طرف سے ریسیور اُٹھا لیا گیا۔ میں نے کال سگنل سُنتے ہی کئی سکّے سلاٹ میں ڈال دیے۔ دوسری طرف سے براہِ راست جہانگیر کی مانوس آواز سنائی دی جسے سُنے مدّت گزر گئی تھی۔

"میں فرانس سے ڈینی بول رہا ہوں، کیا حال ہے تمھارا؟" میں نے اس کی آواز پہچان کر سوال کیا۔

"ڈینی!" اُس کی آواز حیرت اور خوشی سے مغلوب تھی۔ "اوہ، میرے خدا! تم ڈھیٹ آدمی ابھی تک زندہ ہو۔ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ تم کہیں مر کھپ گئے ہو گے۔ تم فرانس میں کب سے ہو اور کیا کر رہے ہو؟"

"یہ لمبی کہانیاں ہیں۔ زندگی رہی تو واپس لوٹ کر سناؤں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ پاکستان میں سب خیریت ہے نا؟"

"خیریت ہی سمجھو، یہاں حالات بہت ابتر ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے خونریزیاں بھی کرائیں لیکن پنپ نہیں سکے۔ کافی عرصے سے کسی اُوپر والے نے مجھ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔ اس دوران میں، میں دل کا مریض ہو چکا ہوں۔"

"شاید تمھاری بیوی حسبِ معمول میکے گئی ہوئی ہے جو کھُل کر بات کر رہے ہو۔"

"ہاں۔" اُس کا لہجہ کھِل اُٹھا۔ "حسبِ معمول نہیں، اس بار خلافِ معمول گئی ہے۔ پچھلے مہینے میں ایک بیٹے کا باپ بن گیا ہوں۔"

"مبارک ہو، آخر کار تم بھی زرخیز ہو ہی گئے، کون سی کھاد کھاتے رہے ہو؟" اس سے گفتگو کرتے ہوئے جہاں مجھے خوشی ہو رہی تھی، وہاں آوازِ دوست سُن کر دل گرفتہ بھی ہوتا جا رہا تھا۔ شاید آنسوؤں کا خوشی سے بھی اتنا ہی گہرا تعلق ہے جتنا غمی سے۔

"تمھارے لیے بھی دو خوشخبریاں ہیں۔" اُس نے میری بکواس کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا۔ "تمھاری فیکٹری میں آتش زنی کا انشورنس کلیم مل گیا ہے لیکن تمھارا سارا عملہ تمھاری طویل غیر حاضری سے سخت پریشان ہے۔ منیجر کئی بار میرے پاس آ چکا ہے۔"

"دوسری بات بتاؤ۔" میں نے اُس کا فقرہ کاٹ کر اضطراری لہجے میں کہا۔

"تمھاری گرل فرینڈ شاید لندن گئی تھی۔ وہاں سے وہ واپس پاکستان آ گئی ہے اور دو ہفتوں سے تمھاری تلاش میں دیوانی ہو

ہی ہے کئی بار مجھے بھی تنگ کر چکی ہے۔ اتنی تند خو ہو گئی ہے کہ ں سے بات کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔"

وہ خبر سن کر خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ شاید میری چھٹی حس خوشخبری سنوانے کے لیے مجھے پاکستان فون کرنے پر اکسا ہی تھی۔ غزالہ جو انسانوں کے اتھاہ سمندر میں ایک بے ثبات بلبلے کی طرح گم ہو چکی تھی، اچانک دریافت کر لی گئی تھی۔ میری عقل پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے کہ اسے ہر طرف تلاش کر رہا تھا لیکن یہ خیال بھول کر بھی نہ آیا کہ اپنی ذات کو درپیش خطرات سے گھبرا کر غزالہ قانونی یا غیر قانونی کسی بھی طریقے سے پاکستان کی طرف لوٹنے کی کوشش کر سکتی تھی۔

ریسیور پر سگنل نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے سلاٹ میں مزید سکے ڈالے اور جہانگیر سے سوال کیا۔ "اس کا کوئی پتا ٹھکانا ہے تمھارے پاس؟"

"وہ کسی پر اعتبار نہیں کرتی، اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔" جہانگیر کی آواز سے اس کی بے بسی عیاں تھی۔

"اسے میرا پیار کہہ دینا۔ میں فارغ ہوتے ہی کسی بھی لمحے پاکستان پہنچ سکتا ہوں۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے زندہ ہونے کی خبر اپنی اور غزالہ کی ذات سے آگے نہ بڑھنے دینا، ورنہ خونی بھیڑیے جو میری بو پر لگے ہوئے ہیں، وہاں بھی پہنچ جائیں گے۔"

"تم کچھ پریشان ہو، کیا کر رہے ہو وہاں؟" جہانگیر کی آواز میں اس بار تشویش نمایاں تھی۔

"کچھ بھی نہیں، بس دعا کرنا۔ آج کی رات میرے لیے بہت اہم ہے۔ ناکام ہو گیا تو شاید تم کبھی میری آواز نہیں سن سکو گے۔" میں اجتناب کرنے کے باوجود اس لمحے یک بیک جذباتی ہو گیا۔

"شاید تم ابھی تک تن تنہا بے رحم چٹانوں سے سر ٹکرا رہے ہو۔" اس کے لہجے میں تشویش بڑھ گئی۔ "میری بات مان لو۔ اس کوشش میں کسی کا بال بھی بیکا نہ ہو گا اور تم خود کو فنا کر لو گے۔ اکیلا آدمی کبھی بھی سنگدل جتھوں کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا اور پھر اس اندھا دھند کوشش میں تم غزالہ کو بھی فراموش کر بیٹھے ہو جو صرف تمھاری یادوں کے سہارے زندہ ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر میں بھی ٹھیک کر رہا ہوں۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "غزالہ کو میرا پیغام ضرور دے دینا۔ زندگی رہی تو جلد ہی پاکستان میں ملاقات ہو گی، اللہ حافظ۔" بات پوری کر کے میں نے اس کا جواب سنے بغیر ریسیور کریڈل سے لٹکا دیا۔

گیسٹ ہاؤس تک کا سفر خاموشی کے ساتھ جاری رہا۔ فون پر جہانگیر سے بات ہونے کے بعد میں نے اپنا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اداسی گویا میری رگوں میں پیوست ہو کر رہ گئی تھی، وہ دونوں بھی میرے موڈ کی تبدیلی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے لیکن غنیمت یہ ہوا کہ انھوں نے کوئی سوال کرنے کے بجائے خاموشی سادھ لی تھی۔

گیسٹ ہاؤس کے پھاٹک کے سامنے میں نے سب سے پہلے اندر جھانکا تھا کہ کہیں سیاہ کار موجود نہ ہو لیکن پورچ خالی تھا۔ میں پھاٹک کھولنے کے لیے کار سے اترا تو سلطان شاہ بھی دونوں تھیلے لیے نیچے آ گیا۔ لوستاں گاڑی مقفل کر رہا تھا۔ ہم دونوں اس سے پہلے گیٹ بند کر کے اندر داخل ہو گئے۔ نچلے ہال میں فلورا سے سامنا ہوا جو شاید گیٹ پر آہٹ سن کر باہر نکلی تھی۔

"بڑی خریداری کر کے آئے ہو۔" اس نے سلطان شاہ کے ہاتھ میں موجود تھیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ہم دونوں رسمی انداز میں مسکراتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ فلورا نے بعد میں آنے والے لوستاں کو وہیں روک لیا تھا۔

"فلورا کو دیکھ کر اس کی کھوپڑی بے قابو ہو جاتی ہے۔ کہیں وہ سب کچھ نہ اگل دے۔ تم کمرے میں چلو، میں ابھی آتا ہوں۔" نصف سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد میں سلطان شاہ کو اردو میں ہدایت دیتے ہوئے واپس پلٹ پڑا۔

فلورا نے مجھے سیڑھیاں اترتے دیکھ لیا لیکن لوستاں کی پشت میری جانب تھی، اس لیے وہ خوشامدانہ لہجے میں فرنچ میں بدستور گھگھیاتا رہا۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو وہ خوف زدہ انداز میں بری طرح اچھل پڑا اور فلورا کے لیے اپنی ہنسی روکنا دشوار ہو گیا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ انگریزی میں کہو تا کہ میں بھی لطف اندوز ہو سکوں۔" میں نے ہنستی ہوئی فلورا کی طرف دیکھتے ہوئے لوستاں سے کہا۔

"کچھ نہیں۔" وہ خفت آمیز لہجے میں بولا۔ "مادام مجھے شرمندہ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتی۔ اس کا خیال ہے کہ میں دوستی کی آڑ میں تم دونوں سے خوب مال اینٹھ رہا ہوں۔ تم ہی بتاؤ کہ یہ الزام کہاں تک درست ہے؟"

"سچی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک لوستاں سے اس کا معاوضہ بھی طے نہیں ہوا۔" میں نے پھولوں کی طرح کھلی ہوئی فلورا سے کہا۔ "اور تم دیکھ رہی ہو کہ آج لنچ میں ہم نے اسے بیئر تک نہیں پینے دی۔ جو تم کہو گی، وہ اسے دے دیں گے۔"

"میں مذاق کر رہی تھی۔" وہ اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "یہ تمھارا اور اس کا معاملہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوستاں میرا پچھلے ہفتے کا کرایہ ابھی تک نہیں دے سکا ہے۔ میں اسی کی یاد دہانی کرانا چاہ رہی تھی۔"

"ہم اوپر اس کا حساب بے باق کر دیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ آج یا کل تمھارا حساب ادا کر دے۔" میں نے لوستاں کی حمایت میں کہا۔ اسے

دیئے ہوئے دو سو ڈالر کا تذکرہ میں نے گول کر دیا تھا جس پر اس کی نگاہوں میں ممنونیت اُمڈ آئی تھی۔

لوستان کی جان چھوٹ گئی اور وہ فوراً سیڑھیوں کی طرف ہو لیا۔ میں نے فلورا سے مخاطب ہو کر تصدیق طلب لہجے میں دریافت کیا۔

”تو پھر آج ملاقات کرا رہی ہو نا ڈان مریسانو سے؟“

”میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ شام یا رات کو آئے گا۔“ وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی ”آ گیا تو ضرور ملواؤں گی۔“

”تو کیا اس کا کوئی فون وغیرہ بھی نہیں آیا؟“ میں نے سوال کیا۔

”وہ نہ آیا تو مجھے بڑی مایوسی ہو گی۔“

”وہ عام طور پر کسی کو مایوس نہیں کرتا میرا خیال ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔“ وہ عجیب سی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ”ویسے تمہارے چلے جانے کے بعد میں تمہاری باتوں پر غور کر رہی تھی تم سچ سچ بتاؤ کہ جو کچھ کہہ رہے تھے، وہ تمہارے حقیقی خیالات تھے یا زبردستی ڈان مریسانو سے ذہنی ہم آہنگی جتانے کے لیے وہ سب کہہ گزرے تھے؟“

”اس کا صحیح فیصلہ تو تم خود ہی کر سکتی ہو۔“ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”ڈان مریسانو کے بارے میں مجھے الہام نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے پہلے تمہیں اپنے خیالات سے آگاہ کیا تھا، تم نے اس کے بارے میں بعد میں بتایا تھا۔“

”بس یہی ایک نکتہ تمہارے حق میں جاتا ہے۔“ اس نے اعتراف کیا۔ ”ورنہ ایسے انوکھے خیالات میں نے تم دونوں کے ہی سنے ہیں جن کو آج کا کوئی مہذب معاشرہ قبول نہیں کر سکتا۔“

”یہی تو آج کے مہذب معاشروں کا کھوٹ ہے کہ غلاظت کو قبول کر لیتے ہیں، پروان چڑھاتے ہیں مگر اسے تسلیم نہیں کرتے۔ تم نے خود کہا تھا کہ ڈان مریسانو میلان اور روم میں اتنا مشہور ہے کہ صرف نام کے سہارے اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔“

”خیر، تم دونوں کی ملاقات میرے لیے دلچسپ ہو گی۔“ اس نے گفتگو کے اختتام کا اشارہ دیتے ہوئے کہا اور میں اسے الوداع کہہ کر زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

لوستان اپنے کمرے میں تھا اور سلطان شاہ ہماری مشترکہ خوابگاہ میں صاف ستھرے بستر پر کسی اداس فلسفی کی طرح منہ لٹکائے ہوئے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بول پڑا۔ ”ہم سب کچھ پھیلا ہوا چھوڑ کر کمرہ مقفل کر گئے تھے۔ بعد میں کسی نے کمرے کی صفائی کی ہے۔ شاید تلاشی لینے کی ناکام کوشش بھی کی گئی ہے۔“

”رقم محفوظ ہے؟“ میں نے متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔

”بیم گن اور پستول بھی اسی میں تھا۔ سب کچھ جوں کا توں موجود ہے کیونکہ بیگ مقفل تھا۔“

”پھر کسی نے تلاشی نہیں لی۔“ میں نے اطمینان سے کہا۔ ”تلاشی لینی ہوتی تو بیگ کسی دُشواری کے بغیر کاٹا یا اُدھیڑا جا سکتا تھا۔ صفائی کرنے والے نے ہی سامان کو اِدھر اُدھر ہلایا ہو گا۔“

”تم پاکستان فون کرنے کے بعد یک بہ یک اداس کیوں ہو گئے تھے؟“ وہ مسئلہ نمٹتے ہی سلطان شاہ نے سوال کر ڈالا۔

”اداس نہیں۔ بس عجیب سے احساسِ بے بسی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ دراصل غزالہ پاکستان پہنچ چکی ہے۔“

”شکر ہے!“ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ”مجھے سب سے بڑی فکر یہی تھی کہ بھابی بھیڑیوں کے جنگل میں کب تک لڑتی رہے گی۔ تمہیں مبارک ہو۔ اب تم کو پہلی فرصت میں پاکستان لوٹ جانا چاہیے۔“

”آج بھی میں فون نہ کرتا تو کچھ معلوم نہ ہوتا۔ ویرا سے لیک ڈسٹرکٹ کے علاقے میں کسی بلیک کوئین کی خونریز سرگرمیوں کی کہانیاں سُن کر مجھے تو ڈر ہو چلا تھا کہ کہیں غزالہ بھی میرے راستے پر نہ چل پڑی ہو۔ لیکن سُنا ہے کہ اس میں بڑی تبدیلیاں آ گئی ہیں۔“

”حالات تو پہاڑوں تک کی ساخت بدل دیتے ہیں جبکہ بھابی ایک مجبور عورت تھی۔ اس سے مل کر ہی تمہیں اندازہ ہو سکے گا کہ وہ اس عرصے میں کن حالات سے دوچار رہی تھی اور وہ تو اب بھی تمہارے لیے تڑپ رہی ہو گی۔“

”فی الحال میں اسے ذہن سے جھٹک دینا چاہتا ہوں۔ اس کے بارے میں بعد میں بھی سوچا جا سکتا ہے لیکن جمی لائیڈ آ پہنچا تو ہم بُری طرح گھر جائیں گے۔ پہلے اس معاملے سے نمٹنے کی تیاری کرو۔“ میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

”میں تیار ہوں۔ تم بتاؤ کہ کیا کرنا چاہتے ہو۔ بیم گن کے علاوہ ہمارے پاس فاضل میگزینوں سمیت اعشاریہ تین آٹھ کے دو پستول اور چار بم موجود ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اکٹھے رہنے کے بجائے بٹ کر کارروائی کرنی چاہیے۔ وہی کامیاب رہ سکے گی۔“

”پہلے میرا ارادہ تھا کہ تم گیسٹ ہاؤس میں رہو۔ میں باہر چُھپ کر اس کی واپسی کا انتظار کروں۔ اس طرح اندر تمہارا اس سے سامنا ہوتا لیکن مجھے یاد آیا کہ ڈیلٹا کیمپ میں ہماری بے ہوشی کے دوران میں جمی لائیڈ بہ نفسِ نفیس وہاں آ کر ہم دونوں کو دیکھ گیا تھا۔ وہ ہم دونوں کو ہی پہچان لے گا اس لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اندر کون رہتا ہے اور باہر کون۔“

”بہت فرق پڑتا ہے۔“ اس نے زور دے کر کہا۔ ”اس کا اصل نشانہ میں نہیں، تم ہو۔ تمہیں وہ دیکھتے ہی گولی مار دے گا اور مجھ سے تمہارے بارے میں کھوج نکالنے کی کوشش کرے گا اس لیے میرا سامنے آنا سود مند رہے گا۔“

اس کی دلیل میں وزن تھا۔ میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ ”یہ سمجھ لو کہ اندر تم محصور ہو کر رہ جاؤ گے۔“

”کیا فرق پڑتا ہے۔“ اس نے بے پروائی سے کہا۔ ”موت تو ایک بار ہی آنی ہے، وہ کسی طرح بھی آسکتی ہے۔ لیکن اس مہم میں تم لوستاں سے کیا کام لینا چاہتے تھے؟ وہ ہمارے ساتھ مل جائے تو ہمارا پلّہ بھاری ہو سکتا ہے۔“

”اس سے جو کام لینا تھا لے لیا۔ اس سے آگے وہ بزدل ثابت ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ فلورا کو ہمارے عزائم سے آگاہ کر دے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جمی لائیڈ گیسٹ ہاؤس میں گھسنے کے بعد باہر اپنے کسی آدمی سے رابطہ قائم نہ کر سکے۔“ میں نے کہا۔

”تم کہیں سے فون کے تار کاٹ سکتے ہو۔ یہاں شاید ایک ہی فون ہے۔“ وہ دھیمی آواز میں بولا۔

”یہ تو سامنے کی بات ہے لیکن مقابلہ جمی لائیڈ سے ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی طاقتور جیبی ٹرانسمیٹر نہ ہوا تو اس کی کار میں ایسے مواصلاتی آلات ضرور موجود ہوں گے۔ میں پہلی فرصت میں اس کی کار تباہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ چاروں طرف سے اس کی راہیں مسدود کیے بغیر اسے زیر کرنا ناممکنات میں سے ہوگا۔ تمہیں خاص طور پر بہت ہوشیار رہنا ہوگا۔ یہ سمجھ لینا کہ وہ ہم سے زچ آیا ہوا ہے۔ ہمیں دیکھتے ہی اسے اپنے سارے زخم یاد آجائیں گے۔ سب سے بڑی شکست اسے کل اٹھانی پڑی ہے، جب میرے دھوکے میں اس نے برونو کو ہلاک کیا تھا۔“

”تم میری فکر نہ کرو۔“ وہ اطمینان سے بولا۔ میرے ہلانے جُلانے کے باوجود اس نے کسی قسم کے خوف کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ”مجھے تو ہر صورت میں اس کا سامنا کرنا ہے اس لیے میرے پاس صرف ایک بھرا ہوا پستول کافی ہوگا۔ موقع مل گیا تو اسی سے کام بن جائے گا۔“

”ضروری نہیں کہ تم نہتّے رہ کر اس کا سامنا کرو۔“ میں نے تیزی سے کہا۔ ”حملہ کرنے میں پہل کا موقع مل جائے تو بے دریغ اسے موت کے گھاٹ اتار دینا۔ وہ کسی قسم کے رحم یا ہمدردی کا مستحق نہیں ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“ وہ سر ہلا کر بہت سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس وقت اس کی آنکھیں آنے والے لمحات کے تصور میں بلور کی طرح چمک رہی تھیں۔ ”موقع مل گیا تو اسے ایک سانس کی بھی مہلت نہیں مل سکے گی۔“

اندر کے حالات غیر یقینی اور خطرناک ہو سکتے تھے جن کی وجہ سے کمرے تک ہماری دوبارہ رسائی ناممکن ہو سکتی تھی جب کہ ہم نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ رقم کے بغیر ہمارے لیے اپنی آزادی کو برقرار رکھنا ناممکن تھا۔ اس لیے ایک بھرا ہوا پستول فاضل میگزین اور گولیوں کے ایک پیکٹ سمیت سلطان شاہ کی تحویل میں چھوڑ کر رقم کا تھیلا اور باقی اسلحہ میں نے اپنے ساتھ لے لیا۔ سلطان شاہ کی مدد سے رقم کا تھیلا میں نے شانوں کے سہارے اپنی پُشت پر کس لیا تاکہ وقتِ ضرورت میری نقل و حرکت میں کوئی رکاوٹ نہ پڑے۔

ہم نے یہ طے کر لیا تھا کہ جاتے ہوئے میرا کسی سے سامنا ہوا یا بعد میں میری غیر حاضری کے بارے میں سلطان شاہ سے کوئی سوال کیا گیا تو یہی جواب دیا جائے گا کہ میں کسی لڑکی سے ملنے کے لیے گیا ہوا تھا۔

آپس میں ساری جزئیات طے کرنے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو گلے سے لگایا اور پھر دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اوپری منزل پر میدان بالکل صاف تھا۔ میں نے زینوں کی ریلنگ پر سے نیچے جھانکا تو وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا اور میں اعتماد کے ساتھ زینے طے کرتا ہوا نیچے پہنچ گیا۔ جہاں فلورا ایک گوشے میں صوفے پر دراز اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی۔

میرے قدموں کی آہٹ سُن کر اس نے چونک کر سر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی۔ ”بڑی تیاریوں کے ساتھ نکلے ہو۔ کہاں کا ارادہ ہے؟“ اس نے چُبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

”مارسیلز میں بھی کوئی ڈان مرسیا نو محروموں کی حاجت روائی کرتا ہوگا، اسی کی تلاش میں جا رہا ہوں۔“ میں نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ذومعنی لہجے میں کہا۔

”یہ کام تو تم لوستاں سے بھی لے سکتے تھے۔ پڑوسی ہونے کے علاوہ وہ تمہارا نمک خوار بھی ہے۔“

”اپنا شکار کھیلنا چاہتا ہوں۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔ ”نیم مردہ شکار پر گولی چلا کر شان جتانا شرفا کا شیوہ ہے۔ لوستاں ان ہی کے کام آسکتا ہے، میرے لیے بے مصرف اور ناکارہ ہے۔“

”لیکن تم تو اپنا سامان بھی لیے جا رہے ہو۔“ وہ کچھ مشکوک نظر آنے لگی تھی۔ ”واپسی کا ارادہ بھی ہے یا وہیں ڈیرہ ڈالو گے؟“

”تمہیں کرایہ پیشگی دیا ہوا ہے۔ میرا ساتھی ابھی کمرے میں موجود ہے، اس لیے واپسی نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر تمہارے ڈان مرسیانو سے بھی تو ملنا ہے۔ تمہارے مقررہ وقت سے پہلے لوٹ آؤں گا۔“

”کوئی مال ٹھکانے لگانے جا رہے ہو؟“ اس نے میرے قریب آکر تجسّس آمیز، رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

میں بے رحمانہ انداز میں ہنس پڑا۔ ”عورتیں واقعی وہمی ہوتی ہیں، چاہو تو بیگ کھول کر دکھا دوں کہ تمہارے گیسٹ ہاؤس کی چیزیں نہیں لے جا رہا ہوں۔ اس میں سب کچھ میرا اپنا ہے۔“ میرے اس زہریلے جواب نے اسے خاموش کر دیا لیکن لحظہ بھر بعد ہی وہ

پھر بول پڑی۔

”لوستاں کی کار لے جاؤ، سہولت رہے گی۔“

”میرے پاس ڈرائیونگ لائسنس نہیں ہے اور میں مارسیلز میں کسی قانون شکنی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے اس کی طرف ہاتھ لہرایا اور برآمدے کی طرف ہولیا۔

میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ فلورا کے گیسٹ ہاؤس آنے والا راستہ صرف ایک ہی سمت میں ایک بڑی سڑک سے ملتا تھا۔ جدھر سے شہر سے آنے والا ٹریفک علاقے میں داخل ہوتا تھا۔ مخالف سمت میں راستہ مسدود تھا یا پھر چھوٹی رہائشی گلیوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا تھا۔ اس لیے جمی لائیڈ کے ادھر سے نمودار ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔

میں سڑک کی سمت میں چل دیا۔ چند منٹ کی مسافت کے بعد داہنی طرف مکانوں کا سلسلہ موقوف ہو جاتا تھا جس سے ذرا آگے ایک وسیع پبلک پارک میری نظروں میں آچکا تھا۔ وہاں پہنچ کر میں کسی لاابالی اور مفلوک الحال سیاح کے انداز میں پارک میں داخل ہو گیا۔ سرد موسم اور شام کے دُھند لکے کے باعث پارک میں اِکا دُکا عمر رسیدہ لوگوں اور چند بچّوں کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ میں نے بہت آرام کے ساتھ ٹہلتے ہوئے اپنے لیے اس تاریک گوشے کا انتخاب کیا جو فلورا کے گھر جانے والی سڑک کے قریب تھا۔ وہاں بیٹھ کر میں گزرنے والی ہر کار پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

منصوبہ تیار تھا، کمین گاہ بھی مل گئی تھی اور مجھے مناسب وقت کا انتظار تھا جو کسی بھی لمحے آسکتا تھا۔

گہرا اندھیرا پھیلنے پر اس پارک میں دور دور ایستادہ کھمبوں پر ناکافی روشنیاں جل اٹھیں جو اندھیرے کی دبیز چادر کے سامنے شرمسار نظر آ رہی تھیں لیکن پارک میں ان کی بھی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس وقت تک پارک خالی ہو چکا تھا۔ گھروں سے بھاگ کر آنے والے تنہائی کے متلاشی نوخیز جوڑے میری طرح کہیں کسی گوشے میں چھپے بیٹھے ہوں تو اور بات تھی ورنہ فضا میں صرف جھینگروں کا تیز شور یا مینڈکوں کی باجماعت ٹرٹراہٹ باقی رہ گئی تھی۔ اس کے ساتھ سرد ہوا کی کاٹ بھی بڑھ گئی تھی۔

ہر چند کہ وہاں مجھ سے کوئی باز پُرس کرنے والا نہیں تھا لیکن اپنے پاس اسلحے کی موجودگی کی وجہ سے میں خود کو کسی کی توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اس لیے اس سرد موسم کے احساس کو مٹانے کے لیے سگریٹ نوشی کی شدید خواہش کو دباتا رہا۔ وقت رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ جب میری رسٹ واچ پر آٹھ بج گئے تو اچانک مجھے احساس ہوا کہ جمی لائیڈ آخری لمحات پر اپنا پروگرام بدل بھی سکتا تھا۔ وہ فون پر فلورا کو اپنے ارادے سے باخبر کر دیتا اور میں اس کے انتظار میں پارک کی سردی میں سکڑتا رہتا۔

گیسٹ ہاؤس سے روانہ ہوتے ہوئے میں نے آخری لمحات میں فون کو ناکارہ بنانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ میری اس حرکت سے فلورا چوکنّی ہو سکتی تھی۔ پھر وہ پاکستان نہیں تھا جہاں فون خراب ہونے پر ہفتوں کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا۔ فلورا کی شکایت پر متعلقہ محکمے کا عملہ فوراً ہی اس کے گھر پہنچ کر ٹوٹے ہوئے تاروں کا سراغ لگا سکتا تھا۔

ساڑھے آٹھ بجے مجھے اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں جمی لائیڈ کی کار آتی نظر آئی اور میں ایک گہرا سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔ کار کی رفتار سست تھی اور وہ گیسٹ ہاؤس کی طرف رواں تھی۔ کار کو اچھی طرح پہچان کر میں نے پارک چھوڑ دیا۔ باہر نکل کر سگریٹ سُلگائی اور تیز مگر ہموار رفتار سے گیسٹ ہاؤس کی طرف واپس چل دیا جہاں ایک خونریز معرکے کے سارے کردار سمٹ رہے تھے۔

جمی لائیڈ کی کار کی عقبی روشنیاں میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھیں لیکن مجھے اس کی منزل کا علم تھا اس لیے میں بے پروائی سے آگے بڑھتا رہا۔ آخر کار میں نے گیسٹ ہاؤس کے سامنے سے گزرتے ہوئے آہنی پھاٹک کی جھرّی سے دیکھا کہ سیاہ کار اندر رینالٹ کے پیچھے موجود تھی۔ گیٹ لیمپس روشن ہونے کی وجہ سے پھاٹک یا اس کے آس پاس سے اندر گُھسنے کی کوشش میں میرے دیکھ لیے جانے کا امکان تھا۔ اس لیے میں مزید آگے بڑھ کر تیزی سے اس مقام پر احاطے کی دیوار کے قریب پہنچ گیا جہاں اندر اُگے ہوئے ایک تناور درخت کی شاخیں باہر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک جُھکی ہوئی شاخ کو تھام کر اس کی مضبوطی کا اندازہ لگایا پھر کسی بندر کی طرح شاخوں پر سے ہوتا ہوا پنجوں کے بل اندر تاریک احاطے میں کود گیا۔ چند سیکنڈ تک میں سانس روکے اندر احاطے کی دیوار سے لگا بیٹھا رہا اور جب کہیں سے کوئی ردِ عمل سامنے نہ آیا تو عمارت کے بغلی اور عقبی حصّے سے چکّر کاٹ کر پورچ میں پہنچنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

پورچ میں ایک طرف دیوار میں بجلی کا بورڈ موجود تھا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ مین سوئچ آف کر کے پورے گیسٹ ہاؤس میں اندھیرا کر دوں لیکن وہ صورتِ حال میرے لیے خطرناک ہو جاتی کیونکہ اندھیرے میں کوئی بھی کہیں سے میری گھات لگا سکتا تھا۔ میں نے بہت محتاط اور چوکنّے انداز میں جائزہ لیا کہ برآمدے اور نچلے ہال کا پورچ سے نظر آنے والا حصہ ویران پڑا ہوا تھا۔ میں نے پورچ سے ذرا آگے لوستاں کے بکھرے ہوئے تیل آلودہ کاٹن ویسٹ اور چیتھڑوں کو جمی لائیڈ کی کار کے پہلو میں رکھ کر دیا سلائی دکھائی پھر ٹھوکر سے ان جلتے ہوئے ٹکڑوں کو پورچ کے فرش پر کار کے انجن

کے نیچے سرکا دیا۔

جدید ساخت کی تمام کاروں میں ایندھن میں کفایت اور قیمت میں رعایت کے بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ سے دن بہ دن آہنی آلات اور پرزوں کی جگہ حتی الامکان مختلف اقسام کے پلاسٹک کا استعمال فروغ پا رہا ہے۔ میری ساری امیدیں پلاسٹک کے ایسے ہی پرزوں سے وابستہ تھیں۔ اگر پٹرول کا پلاسٹک پائپ حرارت سے پگھل جاتا تو آگ آناً فاناً میں پٹرول کی ٹنکی سمیت پوری کار کو اپنی زد میں لے سکتی تھی۔

میں شدید اضطراب اور اعصابی تناؤ کے عالم میں اس آگ کی کامیابی کا منتظر تھا۔ لوڈ کیا ہوا پستول میرے داہنے ہاتھ میں دبا ہوا تھا کہ اچانک ہی گیسٹ ہاؤس سے ایک فائر کا دھماکہ سنائی دیا۔ ایک دم توڑتی ہوئی مردانہ چیخ ابھری پھر نسوانی ہذیانی چیخیں گونجنے لگیں۔ وہ آوازیں یقینی طور پر اوپری منزل سے آئی تھیں۔ شاید جمی لائیڈ نے فلورا کی کہانی سن کر سلطان شاہ کو نیچے بلانے کے بجائے خود ہی اوپر چھاپا مارا تھا اور وہاں موت کا بھیانک کھیل شروع ہو گیا تھا۔

ابتدائی مردانہ چیخ اس قدر ادھوری اور ہیبت ناک تھی کہ میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ سلطان شاہ اور جمی لائیڈ میں سے کون وار میں پہل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ میرے اعصاب چیخ رہے تھے اور میں انتظار کے علاوہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

لمحہ بھر بعد ہی اکلوتی نسوانی چیخوں میں اور بھی کئی ہذیانی، خوفزدہ آوازیں شامل ہو گئیں۔ ساتھ ہی جمی لائیڈ کی کار کے کسی حساس حصے نے تیزی سے آگ پکڑ لی۔ میں نے بائیں ہاتھ میں دھوئیں کا ایک بم نکال لیا تھا اور کسی بھی لمحے اپنے کھیل کا آغاز کرنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے کسی چیتے کی سی عیّاری کے ساتھ جلتی ہوئی کار سے دور سرک کر دیوار کے ساتھ ایسی پوزیشن لے لی کہ کھلے ہوئے دروازے میں سے ہال کا زیادہ سے زیادہ حصّہ مجھے نظر آتا رہے۔ پھر جوں ہی میں نے زینوں سے ایک طویل قامت اور قوی الجثہ سفید فام کو بھاگ کر ہال میں داخل ہوتے دیکھا میں نے اندھا دھند اس پر دو فائر کر دیے۔ دھماکے ضرور ہوئے لیکن اس کا کچھ نہ بگڑا۔ اُسے دیکھ کر بے اختیار میرا دل ڈوبنے لگا۔

میں نے دانتوں سے دھوئیں کے بم کی پن کھینچی اور پھر اُسے کھلے ہوئے دروازے سے ہال میں پھینک دیا۔ ایک فلک شگاف دھماکے کے ساتھ میری آنکھیں جل اٹھیں اور پورا بدن فضا میں اُڑنے والے ذرّات کی زد میں آ گیا۔ آتشیں ذرّات کی بوچھار کم ہوتے ہی میں نے آنکھیں کھولیں تو سامنے کثیف اور سیاہ دھوئیں کی چادر کے بجائے سُرخ سُرخ شعلے ہی شعلے پھیلے ہوئے تھے۔

بارود کی چوربازاری کرنے والے نے یقیناً ہمارے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ پوری قیمت لے کر دھوئیں کے بے ضرر بموں کی جگہ آتش گیر بم دے دیے تھے، جس کے نتیجے میں گیسٹ ہاؤس آگ کے بھیانک شعلوں میں گھر چکا تھا۔

جمی لائیڈ کو زندہ و سلامت زینوں سے اُترتے دیکھ کر مجھے سلطان شاہ کے بارے میں وحشت ہونے لگی، اگر جمی لائیڈ زندہ تھا تو وہ ادھوری چیخ صرف اور صرف سلطان شاہ کی ہو سکتی تھی۔

اچانک شعلوں کے عقب سے ایک فائر ہوا اور گولی میری کھوپڑی سے چند انچ کے فاصلے پر دیوار میں پیوست ہو چکی تھی۔ شاید جمی لائیڈ نے کسی طرح میری پوزیشن دیکھ لی تھی میں بے اختیار زمین پر گرا اور گھسٹتا ہوا کالی کار سے دُور ہٹنے لگا کیونکہ آگ نیچے ہی نیچے اس کی پٹرول کی ٹنکی تک پہنچ چکی تھی اور ٹنکی کسی بھی لمحے دھماکے سے پھٹ سکتی تھی۔

قرب و جوار کی آبادی میں ایک کہرام برپا ہو گیا تھا۔ خوفزدہ لوگ اپنے مکان چھوڑ کر غالباً سڑک پر نکل آئے تھے۔

اگر سلطان شاہ مر گیا تھا تو جمی لائیڈ کو بھی زندہ جل کر مرنا تھا۔ میری رگوں میں لہو کے ساتھ انتقام کی بھیانک چنگاریاں بھی گردش کرنے لگیں اور میں نے دوسرا بم برآمدے میں اُچھال کر جمی لائیڈ کے فرار کی وہ راہ یکسر مسدود کر دی۔

پھاٹک کے قریب میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوا۔ اچانک ایک بند کھڑکی کے شیشے کو توڑتا ہوا ایک فائر ہوا۔ اس بار بھی میں بال بال بچا۔ میں نے جنون اور غصّے کے عالم میں یکے بعد دیگرے کئی گولیاں اس سمت کی کھڑکیوں میں اُتار دیں۔ بھاگتے ہوئے میں نے ذرا آگے ایک اور بند کھڑکی پر دو فائر کرنے چاہے لیکن ایک فائر کے بعد پستول میں صرف گھوڑا چل کر رہ گیا۔

میگزین خالی ہو چکا تھا لیکن میرے پاس اسے لوڈ کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ میں نے خالی میگزین زمین پر پھینک کر بھرا ہوا میگزین لوڈ کیا اور بدستور دوڑتا رہا۔ میں جمی لائیڈ کو ہوش آنے سے پہلے عقبی راستے پر بھی شعلوں کی دیوار کھڑی کر کے اس ننگ انسانیت کے فرار کی ہر راہ مسدود کر دینا چاہتا تھا۔

پچھلا دروازہ اس وقت تک بند تھا۔ آتش گیر بم کے پہلے دھماکے نے دروازے کے چیتھڑے اُڑا دیے۔ چوتھا اور آخری بم میں نے شعلوں کے درمیان اس خلا سے اندر اُچھال دیا اور وہاں بھی آگ سی آگ پھیل گئی۔

اندر سے اکا دکا فائروں کی آواز آتی رہی۔ شاید جمی لائیڈ اندازوں کی بنا پر میری تلاش میں گولیاں برسا رہا تھا۔ میرے پستول کے میگزین میں پوری آٹھ گولیاں موجود تھیں۔ میں، جمی لائیڈ کو دہشت زدہ کرنے کی نیت سے ایک سرے سے کھڑکیوں پر فائر کرتا چلا گیا۔

مجھے اندازہ تھا کہ اندر جمی لائیڈ کے علاوہ اور لوگ بھی آگ اور دھوئیں میں گھرے ہوئے تھے لیکن اس وقت دوسروں کی زندگیاں بچانے کے لیے میں جمی لائیڈ کو فرار کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔

جونہی میں نے نئے میگزین سے آٹھویں گولی فائر کی اچانک ایک کھڑکی کا پٹ کھلا اور شعلوں کے لہو رنگ انعکاس میں جمی لائیڈ اس خلا سے نمودار ہوتا نظر آیا۔ اس کی پیشانی خون سے رنگین ہو رہی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر پستول اس کی طرف اٹھا کر ٹریگر دبا دیا لیکن کھٹ کی آواز ہو کر رہ گئی۔ دوسرا میگزین بھی خالی ہو گیا تھا۔

میں نے پوری قوت سے خالی پستول کھڑکی سے کودتے ہوئے جمی لائیڈ پر دے مارا جو اس کے بائیں پہلو پر پڑا، وہ کسی بھیڑیے کی طرح اذیت سے کراہ کر رہ گیا۔ اس کے قدم زمین سے لگے تو میں اس کے استقبال کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ اس نے پلٹ کر ایک بار قہر، نفرت، خوف اور دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کا بگڑا ہوا چہرہ اور زخمی پیشانی دیکھ کر میرے اندر سویا ہوا درندہ بیدار ہو گیا لیکن جمی لائیڈ نے مجھ سے دست بدست مقابلہ کرنے کے بجائے اچانک احاطے کی عقبی دیوار کی طرف دوڑ لگا دی، شاید وہ بھی نہتا رہ گیا تھا۔

میں چند ثانیوں تک اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا کیونکہ عقبی دیوار میں نکاسی کا کوئی راستہ نہیں تھا لیکن اسے دیوار پر چڑھتے دیکھ کر مجھے ہوش آیا اور میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ شاید میں اس کی ٹانگ پکڑ کر اسے دیوار سے نیچے گھسیٹ لانے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اسی لمحے ایک ہولناک دھماکے سے زمین لرز اٹھی اور میرا توازن خراب ہو گیا۔

شاید جمی لائیڈ کی جلتی ہوئی کار کی ٹنکی دھماکے سے پھٹ گئی تھی۔

فضا میں فائر انجنوں اور پولیس کاروں کے تیز سائرنوں کا شور سنائی دینے لگا تھا، اس لیے میں اس جلتے ہوئے جہنم میں زیادہ دیر تک موجود نہیں رہ سکتا تھا۔ سامنے والے راستے سے نکلنا خطرناک تھا، اس لیے میں نے بھی عقبی دیوار پھاندنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ راستہ استعمال کر کے میں بھاگتے ہوئے جمی لائیڈ کو زیر کرنے کی ایک آخری کوشش اور کر سکتا تھا۔

میں دوسری طرف کودا تو ادھر ویرانے میں دور دور تک جمی لائیڈ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ لمحہ بھر کے لیے میں چکرا کر رہ گیا کہ اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا۔ اس کے غائب ہونے کی ایک ہی صورت ہو سکتی تھی کہ وہ گیسٹ ہاؤس سے باہر نکل کر برابر والے کسی مکان میں کود گیا ہو لیکن وہ نہتا اور زخمی تھا، اس لیے ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

پھر تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں میں میری نگاہ اس پر پڑ ہی گئی۔ وہ مکانات کی دیواروں سے تیس چالیس گز دور ایک کچے برساتی نالے میں اتر گیا تھا اور پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی میرے بدن میں توانائی کی نئی لہر عود کر آئی اور میں نے بھی اس کے تعاقب میں دوڑ لگا دی۔ اس وقت مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے خالی پستول جمی لائیڈ پر نہ کھینچ مارا ہوتا تو اس وقت اطمینان سے اسے دوبارہ لوڈ کر کے اس مفرور بھیڑیے کو بہ آسانی جہنم واصل کر سکتا تھا۔ میرے پاس اس وقت صرف بیم گن رہ گئی تھی جس کی رینج ناکافی تھی، اگر میں کسی طرح اس کے قریب پہنچ جاتا تو اسے بہ آسانی بیم گن کی مہلک شعاعوں کا نشانہ بنا سکتا تھا۔

نالے کی ریتیلی تہ میں دوڑنا میرے لیے دشوار ہو رہا تھا۔ جمی لائیڈ نے مجھے اپنے تعاقب میں آتے دیکھ لیا تھا، وہ زخمی تھا اور نفسیاتی طور پر اس وقت مغلوب بھی، اس لیے اس نے رک کر مجھ سے بھڑنے کا کوئی خطرہ مول نہیں لیا بلکہ سر دھڑ کی بازی لگا کر اس ویران نالے میں دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

میں بھی پوری قوت سے دوڑتا رہا تھا لیکن مسلسل بڑھتے ہوئے درمیانی فاصلے کی بنا پر میں نے اندازہ لگا لیا کہ میری جد و جہد بے سود تھی کیونکہ میں دوڑنے میں جمی لائیڈ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے بری طرح ہانپتے ہوئے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیے اور رفتار ختم ہوتے ہی تھکے ہوئے انداز میں نالے کی ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر بیٹھ گیا۔

پیچھے کافی فاصلے پر گیسٹ ہاؤس کی دو منزلہ عمارت سے اس وقت فلک بوس شعلے اور کثیف دھوئیں کے گہرے بادل امڈ رہے تھے۔

میرا سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ نگاہوں کے سامنے رنگ برنگے گنجان دائرے رقصاں تھے اور ذہن پر ایک لامتناہی سناٹا، ایک بیکراں سکوت طاری تھا جیسے سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت سلب ہو کر رہ گئی ہو۔ میں کافی دیر تک وہاں یوں ہی بیٹھا رہا۔ رفتہ رفتہ میرا ذہن صاف ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ جنگ میں نے جوش اور جنون میں ہار دی تھی جب کہ جمی لائیڈ آخری لمحے تک اپنے ہوش و حواس برقرار رکھ کر وہ معرکہ جیت گیا تھا۔

آخری لمحات میں بھی وہ اندر آگ اور دھوئیں میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود میرے دوسرے راؤنڈ کے فائر گن رہا تھا اور ٹھیک آٹھواں فائر ہوتے ہی پھرتی کے ساتھ کھڑکی سے باہر نکلا تھا تاکہ مجھے نیا میگزین ڈالنے یا پرانا میگزین دوبارہ لوڈ کرنے کی مہلت دیے بغیر مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میں نے اپنا خالی پستول اس پر پھینک کر اس کا کام آسان کر دیا۔

وہ کمپیوٹرز، ٹرانسمیٹرز اور بے شمار دوسری جدید سائنسی ایجادات کے سہارے ہیروئن اور اسلحے کی تجارت اور جرائم کی دنیا کے ایک

بڑے حصے پر راج کر رہا تھا لیکن اس پر میرے ہاتھوں بُرا وقت آیا تو ان میں سے کوئی چیز اس کے کسی کام نہ آسکی۔ وہ زخمی حالت میں پیدل، ایک برساتی نالے کی راہ سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔

وہ میرا اصل نشانہ تھا لیکن جلتی ہوئی عمارت سے وہی نکل بھاگا تھا وہاں موجود کم از کم پانچ دوسرے انسانوں کے بارے میں کوئی قیاس نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ان میں سے کون زندہ تھا، کسے گولیاں چاٹ گئی تھیں اور کسے شعلوں نے راکھ کر دیا تھا لیکن نہیں، ان میں سے کم از کم ایک کے بارے میں مجھے پورا یقین تھا کہ وہ زندہ نہیں بچا تھا۔

میرے لیے وہ عجیب دن تھا کہ ایک طرف پاکستان سے گمشدہ غزالہ کی واپسی کی خوشخبری ملی تھی تو دوسری طرف سلطان شاہ جیسے جاں نثار اور بے خوف ساتھی کی موت کا غم چھاتی پر سوار ہو گیا تھا۔

جمی لائیڈ کا زندہ بچ نکلنا اس بات کا ثبوت تھا کہ فائر کے بعد ابھرنے والی دردناک ادھوری چیخ سلطان شاہ کی تھی، اگر وہ اس مہلک فائر سے صرف زخمی بھی ہُوا تھا تو کوئی مدد پہنچنے سے پہلے یقیناً میری لگائی ہوئی آگ نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا ہو گا۔ کس قدر دردناک تھی اس کی موت کہ اس کی آخری رسوم بھی اس کے مذہب کے مطابق ادا نہیں کی جاسکتی تھیں۔

اگر اس کی لاش ناقابلِ شناخت ہوتی یا گیسٹ ہاؤس کے سارے مکین مر گئے ہوتے تو اس کی آخری رسوم رومن کیتھولک عقیدے کے مطابق ادا کی جاتیں اور فلورا یا لوستاں میں سے کوئی اس کی لاش پہچانتا تو اسے ہندی نژاد رامانند قرار دیتا اور لاش کی باقیات کو چِتا میں ڈال کر آگ دکھادی جاتی۔

اس مخلص اور مہربان دوست کی یاد میں میرا دل بھاری ہونے لگا اور پھر میری آنکھوں سے آنسوؤں کی موٹی موٹی لڑیاں بہہ نکلیں۔

خشک برساتی نالہ تاحدِ نظر ویران پڑا ہُوا تھا، رشی کا بے تاج بادشاہ اور جہاز رانی کی صنعت کا حکمران اپنے زخموں کو چاٹتا رات کے اندھیرے میں کہیں معدوم ہو چکا تھا اور میں نالے کی ٹھنڈی ریت پر بیٹھا سلطان شاہ مرحوم کی یاد میں سسکیوں سے رو رہا تھا۔

مرنے والے، بڑے بڑے نادر الوجود لوگ مر جاتے ہیں، زندہ رہ جانے والے ان کی یاد میں کچھ روز آنسو بہاتے ہیں پھر وقت ان کے دلوں کا زخم دھیمے دھیمے مندمل کر کے انھیں کسی اور راستے پر ڈال دیتا ہے۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور سلطان شاہ کے ساتھ بھی یہی ہونا تھا۔ بھلا مرنے والوں کو عمر بھر کون روتا ہے لیکن جب روتا ہے تو میری طرح روتا ہی چلا جاتا ہے۔

جمی لائیڈ کا دوڑتا ہوا ہیولا میری نگاہوں سے معدوم ہو چکا تھا۔ رات کی کُہرانگیز تاریکی اسے دیکھتے ہی دیکھتے اپنی آغوش میں نگل گئی تھی۔ اس وقت نالے میں دُور دُور تک کسی ذی رُوح کا سایہ تک نظر نہیں آرہا تھا۔ میری آنکھوں میں، سُلطان شاہ کی یاد میں نمی کی گہری دُھندلاہٹ کی چادر تن گئی تھی۔ میں نے پلٹ کر گیسٹ ہاؤس کی طرف دیکھا جو اس وقت دور ہی سے دیکھا اور پہچانا جاسکتا تھا کیونکہ کُہر کے باوجود اس عمارت میں بھڑکتے ہوئے لہو رنگ شعلے اور کثیف دُھواں اُگلتی ہوئی پٹرول کی آگ واضح نظر آرہی تھی۔

سائرنوں کی کئی آوازیں غالباً جائے واردات پر دم توڑ چکی تھی لیکن ان کی کمک میں شہر کے دوسرے حصّوں سے آنے والی گاڑیوں کے سائرنوں کا آسیبی شور اس وقت بھی فضا میں گھٹتا بڑھتا سنائی دے رہا تھا۔ میں اس وقت گیسٹ ہاؤس کے عقب میں اس خشک برساتی نالے میں تقریباً ایک فرلانگ دُور تھا۔ معاً مجھے احساس ہوا کہ میرے لیے وہ فاصلہ غیر محفوظ تھا۔ اس عمارت میں صرف آگ ہی نہیں لگی تھی جو قرب و جوار میں رہنے والے اسے اِتفاقی حادثہ سمجھ لیتے“ وہاں آتشگیر بارودی بموں کے ہولناک دھماکے ہوئے تھے“ دونوں طرف سے بڑے بور کے پستولوں سے دل کھول کر فائرنگ کی گئی تھی۔ اِن حالات کی بنا پر کوئی بھی ذی فہم شخص بآسانی یہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ آتش زنی کسی خون ریز تصادم کے نتیجے میں رُونما ہوئی تھی۔ اِس طرح مکانات کے عقب سے گزرنے والا وہ خشک برساتی نالہ کسی بھی لمحے لوگوں کی توجّہ کا مرکز بن سکتا تھا۔

گیسٹ ہاؤس کی جلتی ہوئی عمارت کے سامنے دہشت زدہ .... پڑوسیوں اور خوف زدہ تماشائیوں کا ہجوم جمع تھا‘ اس لیے محکمۂ پولیس کا ہر افسر سمجھ سکتا تھا کہ اس تصادم اور آتش زنی سے اگر کوئی محفوظ رہا تھا تو اس نے فرار کے لیے سامنے والے راستے کے بجائے عقبی ویرانے کا سہارا لیا ہو گا۔ ذہن میں وہ امکان واضح ہوتے ہی میں اضطراری طور پر ٹھنڈی ریت سے اٹھ گیا اور جیکٹ کی آستین سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اسی طرف چل پڑا جدھر جمی لائیڈ غائب ہوا تھا۔ اس بار میں نے نالے کی تہ میں چلتے ہوئے یہ احتیاط رکھی تھی کہ وسطی حصّہ چھوڑ کر بائیں کنارے کے ساتھ چل رہا تھا تاکہ کہیں سے کوئی نمودار ہو تو پھُرتی کے ساتھ نیچے بیٹھ کر خود کو نالے کی کچی، بغلی دیوار کی اوٹ میں چھُپا سکوں

وہ میری زندگی کا عجیب ترین دن تھا جب میں نے ایک بڑی خوش خبری سننے کے ساتھ ساتھ اپنے دل پر ایک گہرا گھاؤ بھی کھایا تھا۔ پاکستان میں کراچی میرا شہر تھا۔ لاہور میں میرے گھر والوں نے مجھے ٹھکرا دیا تو کراچی کی نرم اور شفیق آغوش نے بڑی محبت سے مجھے اپنا لیا تھا

یہ شہر ہی ایسا غریب پرور ہے کہ اپنے بیگانوں سب کو اپنی وسعتوں میں کہیں نہ کہیں جذب کر لیتا ہے۔ وسیع و عریض بنگلوں اور بلند و بالا عمارتوں سے لے کر فٹ پاتھوں اور ندی نالوں کے کنارے تک ہر وقت نئے آنے والوں کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ یہ آنے والے کی جیب اور ہمت پر منحصر ہے کہ وہ شہر کے کس گوشے میں بستا ہے اور میرا یار جہانگیر اسی شہر کی ایک آسودہ بستی میں رہ کر ہیروئن کا کاروبار چلا رہا تھا۔ اس سے مجھے خبر ملی تھی کہ میری غزالہ سفید درندوں کے غول کو پسپا کرتی ہوئی، آخر کار بخیر و عافیت میرے شہر کی فصیل میں پہنچ گئی تھی جہاں وہ ہر طرح سے محفوظ اور مامون تھی لیکن اسی کے ساتھ میرا ازلی رقیب اور حریف، جمی لائیڈ سلطان شاہ کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سلطان شاہ کی اندوہناک موت کے اندیشوں نے غزالہ کی بازیابی کی خوشی کو نگل لیا تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہو رہا تھا کہ محبت انسان کو کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ یہ پاکیزہ جذبہ جنس اور صورت کا ذرا بھی محتاج نہیں ایسا نہ ہوتا تو ایک ہم نفس دوست اور ساتھی کا صدمہ غزالہ کی بازیابی کی بے حساب خوشی پر کسی طرح غالب نہیں آسکتا تھا۔

فون پر جہانگیر سے گفتگو کے فوراً بعد میرے ذہن میں اِس امکان نے جنم لیا تھا کہ مارسیلز میں وہ میری آخری رات تھی۔ فلورا کے گیسٹ ہاؤس میں جمی لائیڈ سے معرکے کے بعد میں شی اور جمی لائیڈ کے حواریوں پر لعنت بھیج کر پاکستان روانہ ہو جاتا جہاں وفا کی نادیدہ زنجیروں کی اسیر غزالہ میرے اِنتظار میں بے تابی سے دن گزار رہی تھی لیکن جمی لائیڈ بہت عیار اور مکار شخص تھا۔ اس نے نہایت آسانی کے ساتھ میرے تمام اندازوں کو مات دے دی تھی اور کسی چکنی مچھلی کی طرح زیر ہوتے ہوتے صاف نکل گیا تھا۔ اس کی خوبی یہ تھی کہ اس پر اچانک اور ناگہانی ایک اُفتاد نازل ہوئی تھی مگر وہ اپنی حاضر دماغی کی بنا پر اس ہولناک صورتِ حال سے بچ نکلا تھا جب کہ ہم پیشگی تیاریوں اور منصوبہ بندی کے باوجود اسے ٹھکانے لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ وہ زندہ تھا اور زخم کھائے ہوئے سانپ کی طرح مجھ پر کسی بھی وقت مہلک وار کر سکتا تھا۔

ویرا کے ہمراہ جمی لائیڈ کی نیم بکتر بند مرسڈیز کار میں سینٹ فرانسس کے علاقے سے فرار ہوتے ہوئے میں نے برونو اشمٹ کی موجودگی سے انکار کر کے جمی لائیڈ کو یہ تاثر دینا چاہا تھا کہ وہ مجھے اپنے جال میں پھانس کر مرسڈیز کے ساتھ دھماکے میں اُڑانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس تاثر کے بعد وہ یقینی طور پر کم از کم اس وقت تک مجھے بھولا رہتا جب تک کار کے ڈھانچے سے ملنے والے لوتھڑے برونو اشمٹ کی لاش کی صورت میں نہ پہچان لیے جاتے مگر فلورا کے گیسٹ ہاؤس میں مجھے دیکھتے ہی اُس کی غلط فہمی دُور ہو گئی تھی اور اب وہ کسی بھی لمحے، پوری قوت کے ساتھ کسی سمت سے بے خبری میں مجھ پر وار کر سکتا تھا اِس لیے مجھے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

گیسٹ ہاؤس میں ہونے والے بھیانک تصادم میں مَیں نے بہت کچھ گنوایا تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ جمی لائیڈ کی گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کا بیشتر حصہ میری پُشت پر کسے ہوئے تھیلے میں موجود تھا، جس کے سہارے میں بہت سی سہولتیں خرید سکتا تھا۔

چلتے چلتے معاً مجھے خیال آیا کہ جمی لائیڈ کی حالت بہت ابتر تھی۔ سر یا پیشانی کے کسی زخم سے بہنے والے خون نے اس کا چہرہ رنگین کیا ہوا تھا۔ میرے خالی پستول کی آہنی ضرب نے آخر میں اس کی پنڈلی بھی زخمی کر دی تھی۔ اس کا لباس آگ، دھوئیں اور خون کے دھبوں سے آلودہ تھا۔ اس حالت میں وہ خشک نالے میں تو چھپ سکتا تھا لیکن کسی بھی آبادی کا رُخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا جہاں سے اس کے لیے کوئی سواری پکڑ کر اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ممکن ہوتا۔ وہ خیال آتے ہی غیر ارادی طور پر میرے ہاتھ اپنے چہرے پر چلے گئے لیکن وہاں کوئی غیر معمولی جغرافیائی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت مجھے اپنی حماقت پر غصہ آیا کہ میں نے تھکے ہوئے انداز میں ٹھنڈی ریت پر بیٹھ کر کافی وقت ضائع کر دیا تھا۔

وہ خشک برساتی نالہ جمی لائیڈ کے لیے لاکھ محفوظ سہی لیکن اُسے کہیں نہ کہیں ختم ہونا تھا، جس کے بعد جمی لائیڈ کو رُک کر نئی راہ کے بارے میں سوچنا پڑتا۔ اگر میں رُکے بغیر سُست رفتاری کے ساتھ بھی اپنی پیش قدمی جاری رکھتا تو کہیں نہ کہیں اس کو دوبارہ گھیر سکتا تھا۔ جھلاہٹ میں میری رفتار تیز ہو گئی۔ مجھے اس بات کا اطمینان تھا کہ اگر میں نہتا ہو چکا تھا

تو جمی لائیڈ بھی خالی ہاتھ تھا۔ اس سے دوبارہ سامنا ہوتا تو وہی حریف غالب آسکتا تھا جو زیادہ شہ زور ہوتا۔ جمی لائیڈ نے میرے مقابلے سے فرار ہو کر گویا بھی عملاً مجھے اپنی بالادستی کا احساس دلا دیا تھا اور پوری سچویشن کا صحیح اندازہ ہوتے ہی میں اس سے ایک بار پھر ٹکرا جانے کے لیے بے چین ہو گیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جمی لائیڈ کو ہمیشہ کے لیے سرنگوں کرنا رفتہ رفتہ میرے لیے اپنی انا کا مسئلہ بنتا جا رہا تھا جسے نظر انداز کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

نالے کا رُخ رفتہ رفتہ آبادی سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔ گیسٹ ہاؤس کی عقبی دیوار نالے سے چند گز دُور تھی۔ مگر اب دُھند میں مکانات اپنے فاصلے کی وجہ سے معدوم ہو کر رہ گئے تھے۔ بند کھڑکیوں کے شیشوں سے نظر آنے والی کمزور روشنیوں سے ہی یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ میرے بائیں طرف ابھی بھی گنجان آبادی کا سلسلہ موجود تھا۔

پھر یکایک میرے کانوں میں ایک مانوس سی آواز آئی، میرے بدن میں خوف کی سرد لہر سرایت کر گئی، قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے اور میں غیر ارادی طور پر نالے میں آگے کی طرف بڑھے ہوئے مٹی کے ایک ٹیلے کی اوٹ میں ہو گیا۔

اس امر میں کسی شبے کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ کسی ہیلی کاپٹر کے انجن کا شور تھا جو تیزی سے قریب آتا جا رہا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کہر آلود، تاریک آسمان میں ہر طرف دیکھا لیکن اس مشینی آسیب کی نشان دہی میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ شاید تمام روشنیاں بُجھا کر ان اطراف میں پرواز کر رہا تھا پھر اس کی آواز پر کان جمانے سے اندازہ ہوا کہ ہیلی کاپٹر کا ہواباز کُہر اور تاریکی سے جنم لینے والے خطرات کی پروا کیے بغیر خاصی نیچی پرواز کر رہا تھا۔

غالباً گیسٹ ہاؤس کی عمارت میں آتش زنی، بارودی دھماکوں اور فائرنگ کے بعد پولیس کے محکمے کے جو افسران جائے واردات پر پہنچے، وہ بہت زیادہ مُستعد اور ذہین تھے۔ تماشائیوں اور پڑوسیوں نے گیسٹ ہاؤس سے کسی کو باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لہٰذا ان افسران نے عمارت کا سرسری جائزہ لیتے ہی نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ ملزم عقبی دیوار پھاند کر اس برساتی نالے کے ذریعے فرار ہوئے ہوں گے، اسی وجہ سے انھوں نے ذرا بھی مہلت دیے بغیر پورے محکمے کو چوکنا کر دیا تھا جس کے نتیجے میں محکمۂ پولیس کا ہیلی کاپٹر اس خشک برساتی نالے پر نیچی پرواز کر کے فرار ہونے والوں کو تلاش کر رہا تھا۔ اس ہیلی کاپٹر میں کسی روشنی کا نہ ہونا تعجب خیز ہی نہیں بلکہ ہوابازی کی مبادیات کے منافی تھا۔ کُہر اور اندھیرے میں ہیلی کاپٹر کسی بدترین حادثے کا شکار ہو سکتا تھا لیکن میرے ذہن نے فوراً ہی اس سوال کا جواب بھی تلاش کر لیا۔ اس وقت میں پاکستان میں نہیں بلکہ فرانس میں تھا جہاں مجرموں کے ساتھ ساتھ پولیس کا محکمہ بھی جدید ترین ہتھیاروں اور سہولتوں سے لیس تھا۔ عین ممکن تھا کہ ہیلی کاپٹر کے عملے کے پاس اندھیرے میں دُور تک دیکھنے والی خصوصی عسکری عینکیں موجود ہوں جن کی مدد سے وہ نالے کی پوری تہ کا مشاہدہ کر رہے ہوں۔

پلک جھپکتے میں وہ سارے خیالات میرے ذہن میں آ کر گزر گئے۔ اسی دوران میں نادیدہ ہیلی کاپٹر کے انجن اور پنکھوں کا جھٹکے دار شور اور قریب آ گیا تھا پھر اچانک ہی فضا میں نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی ایک تیز سرچ لائٹ روشن ہوئی جس کا رُخ زمین کی طرف تھا اور وہ آہستہ آہستہ زاویہ بھی بدل رہی تھی۔

میرے لیے وہ صُورتِ حال لرزہ خیز تھی۔ میں جہاں موجود تھا، وہ جگہ غیر محفوظ تھی۔ سرچ لائٹ کا رُخ بدلتے ہی ہیلی کاپٹر سے میرا دیکھ لیا جانا یقینی تھا لیکن میں وہاں سے بھاگ کر کہیں اور بھی نہیں جا سکتا تھا۔ میں روشنی کے اِس متحرک مخرج پر نظریں جمائے اپنی جگہ چوکنا بیٹھا ہوا تھا۔ ہیلی کاپٹر والے اگر اس سرچ لائٹ کو قدرے بائیں طرف گھمانے کا اِرادہ کر لیتے تو میں اُن کی نظروں میں آ سکتا تھا۔ اس وقت میری حالت کسی ایسے خوف زدہ چوپائے جیسی ہو رہی تھی جسے چاروں طرف سے خونخوار بھیڑیوں نے گھیر رکھا ہو۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میری لمحہ بھر کی غفلت اس وقت میرے لیے زندگی بھر کا ناقابلِ برداشت عذاب بن سکتی تھی۔

فضا میں کسی اِنسان کے چلانے کی آواز سُن کر میں چونکا۔ غیر ارادی طور پر میری نگاہیں سرچ لائٹ سے ہٹ کر انسانی آواز کے تعاقب میں لگ گئیں اور بے اختیار میرے منہ سے اطمینان کا ایک سانس آزاد ہو گیا۔ وہ اِنسانی ہیولا میری نگاہوں کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

تاریکی سے جمی لائیڈ لنگڑاتا ہوا نمودار ہوا تھا اور فرنچ میں کچھ چلاتے ہوئے دوڑ کر سرچ لائٹ کی زمین پر پڑنے والی روشنی کی زد میں پہنچنا چاہ رہا تھا۔ میرے ذہن پر پڑے ہوئے پردے یک بیک سمٹ گئے۔

وہ پولیس ہیلی کاپٹر نہیں تھا۔ نہ اس کے عملے کے پاس اندھیرے میں دُور تک دیکھنے والی عسکری عینکیں موجود تھیں بلکہ وہ سشی کی مقامی تنظیم کے آدمی تھے جو قانون کے محافظوں سے چوری چھپے، اپنے زخمی باس کو اس خشک برساتی نالے

سے نکال لے جانے کے لیے آئے تھے، اسی لیے انھوں نے ہیلی کاپٹر کی روشنیاں گُل کر رکھی تھیں اور وقفے وقفے سے سرچ لائٹ سے تلاش اور اشاروں کا کام لے رہے تھے، جسے پہچان کر زخمی جمی لائیڈ آخر کار اپنے بھٹ سے باہر نکل پڑا تھا تاکہ ہیلی کاپٹر کی مدد سے کسی کی نظروں میں آئے بغیر وہاں سے فرار ہو سکے۔

اس صُورتِ حال کا اندازہ لگاتے ہی مجھے یقین ہو گیا تھا کہ گیٹ ہاؤس کے معرکے میں میری طرح، اضطرار اور ہیجان کے باعث جمی لائیڈ نہتا ضرور ہو گیا تھا لیکن اس کے قبضے میں کوئی طاقت ور جیبی ٹرانسمیٹر یقیناً رہ گیا تھا جس کے ذریعے اس نے مارسیلز میں شی گے کی ذمّے دار سے اپنے لیے ہیلی کاپٹر کی مدد طلب کی تھی لیکن وہ جس مجنونانہ انداز میں چیختا اور ہاتھ لہراتا ہوا، خشک ریت پر متحرک روشنی کی چادر کی طرف دوڑ رہا تھا اس سے پتا چل رہا تھا کہ جمی لائیڈ کا ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہیلی کاپٹر سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔

جُوں ہی وہ دوڑتا ہوا روشنی کی زد میں آیا، میں نے دیکھا کہ اُس نے اپنے چہرے پر سیاہ نقاب چڑھایا ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ ہیلی کاپٹر والوں کے لیے جمی لائیڈ کے چہرے میں وہ ایک اجنبی شخص ہوتا۔ سیاہ نقاب لگا کر سِلور آئی کے دو سکّوں کے ذریعے وہ اپنی شناخت سُپر آئی مین کے طور پر کرا سکتا تھا۔

جمی لائیڈ کے چہرے پر نقاب دریافت کرتے ہی پُوری صُورتِ حال روزِ روشن کی طرح مجھ پر عیاں ہو گئی تھی۔ نہ وہ ہیلی کاپٹر والوں کو جانتا تھا نہ وہ اسے، اس کی اصلی صُورت میں پہچانتے تھے۔ انھیں تو شاید خشک برساتی نالے سے اپنے سُپر آئی مین کو صحیح سلامت نکال لے جانا تھا جس کی پہچان صرف اور صرف دو طلائی سکّوں پر مشتمل تھی، جن پر چاندی سے انسانی آنکھ ڈھلی ہوئی تھی۔

اس وقت میرے سامنے دو ہی راستے تھے۔ جمی لائیڈ کو ہلاک کر کے اس کی نقاب اور سکّوں پر قبضہ کرتا اور اس کا رُوپ دھار کر ہیلی کاپٹر والوں کی مدد سے وہاں سے فرار ہو جاتا لیکن اسلحے کے بغیر وہ کام بہت کٹھن ثابت ہوتا۔ جمی لائیڈ زخم خوردہ ضرور تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ بے پناہ تجربے اور قوّت کا مالک تھا۔ اُسے زیر کرنے والے کو دانتوں پسینہ آ جانا لازمی تھا۔

دوبدو مقابلے کے طول کھینچنے کی صُورت میں ہیلی کاپٹر والے بھی نیچے دو افراد کو لڑتے دیکھ کر اندازہ لگا سکتے تھے کہ ان میں سے ایک ان کا سُپر آئی مین اور دُوسرا اس کا حریف تھا۔ مقابلے کی شدّت کو دیکھتے ہوئے وہ ہیلی کاپٹر لینڈ کرا سکتے تھے یا اوپر سے ایک دو آدمی سُپر آئی مین کی مدد کے لیے نیچے کُود سکتے تھے۔ میرے لیے وہ دونوں ہی صُورتیں مہلک ثابت ہو سکتی تھیں۔ سب سے بہتر راہ یہ ہو سکتی تھی کہ ہیلی کاپٹر والوں کو کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر جمی لائیڈ کو آناً فاناً میں اتنا بدحواس کیا جائے کہ اس کی جگہ مجھے ہیلی کاپٹر پر سوار ہونے کا موقع مل جائے۔ اُسے ہلاک کرنے کی کوئی بھی کوشش کامیاب یا ناکام تو بعد میں ہوتی، اس سے پہلے ہی میرے لیے بھیانک خطرات پیدا ہو جاتے جن سے بچنا کسی بھی طرح ممکن نہ ہوتا، اس لیے وقتی طور پر جمی لائیڈ کو بھول کر مجھے اپنی کھال بچانی تھی۔

ہیلی کاپٹر والوں نے سرچ لائٹ کی تیز روشنی کی زد میں آئے ہوئے جمی لائیڈ کو دیکھ لیا تھا کیونکہ پرواز کرتے ہوئے، جمی لائیڈ کو اندھیرے میں چھوڑ کر ہیلی کاپٹر تیزی کے ساتھ قلیلے اُوپر اٹھ کر ایک بڑے دائرے کی صُورت میں بائیں طرف مُڑا تھا۔ شاید وہ لوگ چکّر کاٹ کر ہیلی کاپٹر کو بہتر پوزیشن میں جمی لائیڈ کے قریب لانا چاہ رہے تھے۔

جمی لائیڈ کا نقاب پوش انسانی ہیولا ایک بار پھر کُہر آلود اندھیرے میں معدوم ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ صُورتِ حال صرف چند لمحوں کے لیے برقرار رہنا تھی، اتنی دیر میں ہیلی کاپٹر اپنا چکّر پورا کر کے دوبارہ اس علاقے کو منوّر کر دیتا۔ مجھے جمی لائیڈ کی پوزیشن کا اندازہ تھا لہٰذا میں نے پوری قوّت کے ساتھ اس کی طرف دوڑ لگا دی۔

ریت، جو جمی لائیڈ کے تعاقب کے وقت میری رفتار پر بُری طرح اثر انداز ہوئی تھی، اس وقت میری مددگار بن گئی تھی۔ ریت کے اس نرم قالین پر میرے قدموں کی آواز نہ ہونے کے برابر تھی۔ پھر میں نے تاریکی میں جمی لائیڈ کی آواز سُنی۔ وہ تاریکی میں خود کو تنہا اور محفوظ سمجھتے ہوئے فرنچ زبان میں غالباً ٹرانسمیٹر پر کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی سرد اور جذبات سے عاری آواز میں اس وقت جھلاہٹ کا عنصر بہت غیر فطری محسوس ہو رہا تھا۔

جب تاریکی میں اس کا ہیولا نظر آیا تو میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ اس وقت میرے ستارے واقعی یاوری کر رہے تھے کیونکہ نقاب پوش جمی لائیڈ کی پشت میری جانب تھی اور وہ داہنے ہاتھ میں تھاما ہوا آپریٹس منہ کے قریب لا کر اس میں مسلسل غرّائے جا رہا تھا جب کہ دوسری طرف سے ہلکے سے ریڈیائی شور کے علاوہ کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔

اس وقت پہلی بار میں نے اس کی زبان سے جیف کا نام سنا یعنی وہ ٹرانسمیٹر پر مارسیلز میں شی کے آئی مین . . . .

جیف ڈارلنگٹن سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ ڈان مرسیانو کے رُوپ میں جیف کا ایک بے تکلف دوست تھا لیکن جمی لائیڈ یا سپر آئی مین کے نام سے اس کا سخت گیر سربراہ تھا جس سے جیف ہی کیا، شی کا ہر کارندہ لرزتا تھا۔

میں نے ایک غیر محسوس لمحے کے لیے رُک کر اگلے قدموں پر اپنے بدن کا توازن درست کیا اور پھر پوری قوت سے اس پر ٹوٹ پڑا۔ ہیلی کاپٹر کی دُور ہوتی ہوئی آواز مجھے رُخ بدل کر قریب آتی ہوئی محسوس ہوئی مگر انھوں نے سرچ لائٹ گُل کی ہوئی تھی۔ میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں تھا۔ میں نے ایک واضح ارادے اور تیاری کے ساتھ حملہ کیا تھا جب کہ جمی لائیڈ بے خبر اور قدرے مطمئن تھا، اس لیے میرے دونوں ہی نشانے بار آور ثابت ہوئے۔ جسموں کے تصادم کے ساتھ ہی میں نے داہنے ہاتھ سے جھپٹا مار کر اس سے ٹرانسمیٹر چھین لیا اور بائیں ہاتھ سے اس کے چہرے سے سر تک منڈھا ہوا، نائیلون کا غلاف نما نقاب مُٹھی میں جکڑ لیا۔

جمی لائیڈ نے جھکائی دے کر نکل جانے کی کوشش کی۔ میں خود بھی اپنے مخصوص مقاصد کے تحت اس سے زیادہ مار دھاڑ میں اُلجھنا نہیں چاہتا تھا اس لیے ٹرانسمیٹر اور نقاب میرے قبضے میں آ گیا اور جمی لائیڈ دُور جا کھڑا ہوا۔

”میں تمھیں فنا کر دوں گا۔“ وہ پلٹ کر بھاری اور قہر بار لہجے میں بولا۔ ”میرے منہ آنے والوں کو مرنے کے بعد زمین کی گود تک میسر نہیں ہوتی۔ اس وقت تمھاری شامت ہی تمھیں ادھر لائی ہے۔“

”ضرور لائی ہو گی۔“ میں نے اپنے دل کی بے قابو دھڑکنوں کی پروا کیے بغیر بے خوفی کے ساتھ کہا۔ ”مجھے ذرا احتیاط سے فنا کرنا کیونکہ اب میں جمی لائیڈ ہوں اور تم میرے جانی دشمن ....“ اپنی بات مکمل کرنے سے پہلے ہی میں نے پھرتی کے ساتھ وہ چست، مضبوط اور لچک دار نقاب اپنے سر سے گردن تک چڑھا لیا جو لمحہ بھر پہلے جمی لائیڈ کے چہرے پر تھا۔

وہ صورتِ حال کی نزاکت بھانپ گیا اور مجھ پر جھپٹ پڑا۔ اس کی زد سے بچتے بچتے بھی اس کا ایک گھونسا میرا بایاں بازو سہلا گیا۔

”گھٹیا مجرموں کی طرح مار دھاڑ کے بجائے میری بات شرفا کی طرح غور کرو۔“ میں نے ایک بار اسی کی کہی ہوئی بات دُہراتے ہوئے کہا۔ ”ہیلی کاپٹر آنے والا ہے۔ میں آئی مین ہوں اور بہ آسانی سُپر آئی مین ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہوں کیونکہ تم ایک بے ایمان آئی مین ہو۔ تم نے دھوکے سے میری ایک سلور آئی چھین لی ہے۔ تمھارے آدمی نقاب سے مسحور ہوتے ہیں۔ میرے اشارے پر تمھارے ہاتھ پیر توڑ کر رکھ دیں گے اور تم انھیں اپنی حیثیت کا یقین نہ دلا سکو گے۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔“ وہ جھلّاتے ہوئے لہجے میں غرّایا۔ ”میں سُپر آئی مین ہوں۔“

”زیادہ سے زیادہ تمھارے آدمی ہم دونوں کو ہیلی کاپٹر میں ڈال کر لے جائیں گے اور وہاں جیف ڈارلنگٹن گواہی دے گا کہ تم ڈان مرسیانو نامی ایک گھٹیا دلال ہو، جو دوستی کی آڑ میں اس کی اسٹینو مس فلورا شوپن کو لے اُڑے تھے۔ جب تک تم دو سکوں کے ساتھ اپنے روایتی رُوپ میں سامنے نہ آؤ، تمھیں کوئی جمی لائیڈ تسلیم نہیں کرے گا۔ بے نشان ناموں کے جہاں بہت سے فائدے ہیں وہاں بعض نقصانات بھی ہیں۔ فی الحال یہ بازی تم ہار چکے ہو۔ افسوس بس اتنا ہے کہ میں غیر مسلح ہوں اور تمھیں جہنم واصل نہیں کر سکتا۔“

”تم ایک گھنٹے سے زیادہ یہ سوانگ نہ رچا سکو گے۔“ وہ قدرے توقف کے بعد بولا۔ ”میرے وسائل تمھارے تصوّر سے کہیں زیادہ اور لامحدود ہیں۔ ایک نقاب اور سلور آئی کے سہارے تم میری جگہ نہیں لے سکتے۔ اندرونی اور مقامی معاملات سے تمھاری بے خبری جیف سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہ رہ سکے گی اور میں وہیں تمھارے لیے چوہے دان تیار کرا دوں گا۔“

”مجھے تو بس منٹوں کی بالادستی درکار ہے۔“ میں نے پُرسکون انداز میں اس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔ ”میرے اشارے پر ہیلی کاپٹر سے آنے والے ہیں تمھاری ہڈیاں پسلیاں برابر کر کے رکھ دیں گے اور میں اُن کے ساتھ کہیں بھی نکل جاؤں گا۔“

اس وقت بے یقینی کی کوکھ سے جنم لینے والے اندیشوں نے اندر سے مجھے دہلایا ہوا تھا۔ میرے پاس بس اسی وقت تک مہلت تھی جب تک ہیلی کاپٹر واپس نہ لوٹ آتا۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے لیکن آمنے سامنے ہونے کے باوجود اپنی اپنی کمزوریوں سے پوری طرح باخبر تھے۔ میں ویسے تو ہر لحاظ سے کمزور پوزیشن اور خطرے میں تھا لیکن جمی لائیڈ کے مخصوص نقاب پر قابض ہو کر میں نے اس کی بساط بھی اُلٹ دی تھی۔ شی کا سارا ڈسپلن اور نظام اس حقیقت کے گرد قائم تھا کہ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کا کوئی صورت آشنا نہیں تھا۔ وہ محض ایک نام اور آواز بن کر ہزاروں بھانت بھانت کے مجرموں پر حکومت کر رہا تھا۔ میں اسے جتانا چاہ رہا تھا کہ اس کے لیے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ وہ ہار مان کر ہیلی کاپٹر کے

نمودار ہونے سے پہلے خاموشی سے کسی طرف بھاگ نکلتا یا اپنی ذات کے سحر اور طلسم کا راز افشا ہونے کی پروا کیے بغیر میری بیخ کنی پر تل جاتا۔ یوں وہ معرکہ ایک بدترین اعصابی جنگ میں تبدیل ہو کر رہ گیا تھا۔ اشاروں ہی اشاروں میں ہزاروں انسانوں کی زندگی اور موت کا فیصلہ صادر کرنے والا جمی لائیڈ بھی شش و پنج میں پڑا ہوا تھا اور فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کے لیے اپنی سلامتی زیادہ اہم تھی یا میری موت؟

میری کوشش یہ تھی کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے کے بجائے مقابلے پر ڈٹا رہے۔ میں جانتا تھا کہ وہ نقاب کے بغیر مر کر بھی جمی لائیڈ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا، اس طرح اس کی برسوں کی ساکھ پل بھر میں ختم ہو سکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ وہ ایک سلور آئی دکھا کر آئی مین ہونے کا دعویٰ کر سکتا تھا، اس طرح عملاً وہ میرے برابر ہو جاتا کیونکہ ایک سلور آئی میرے پاس بھی تھی لیکن ایسی صورتِ حال رونما ہوتے ہی اپنے نقاب کی بنا پر میں سپر آئی مین ہونے کا دعویٰ کر بیٹھتا اور آنے والے ذرا سی محنت کے بعد جمی لائیڈ کی تحویل سے دوسری سلور آئی برآمد کر کے میرے دعوے پر یقین کر بیٹھتے جس کے بعد جمی لائیڈ کی گلو خلاصی مشکل ہو جاتی۔

کُہر آلود اندھیرے میں جمی لائیڈ کی آنکھیں بلّور کے ڈھیلوں کی طرح چمک رہی تھیں اور وہ خاموش تھا۔ چند ثانیوں کے بعد ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری "ٹھیک ہے، اس بار تم جیت گئے۔ میں جا رہا ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ اب اگلی ملاقات پر تم زندہ نہ رہ سکو گے۔ میں نے اب تمھارے بارے میں صحیح اندازہ لگایا ہے۔ تم میری توقع سے کہیں زیادہ عیّار اور موقع پرست ہو۔ اب تمھاری رسّی زیادہ دراز نہیں ہونے دی جائے گی۔ اس سے...."

"تم کہیں نہیں جا سکو گے، مائی ڈیئر جمی!" میں نے سلطان شاہ کا تصوّر کرتے ہوئے تلخ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "میرے ایک ساتھی کو بے رحمی سے ہلاک کرنے کے بعد تم اتنے اطمینان سے واپس نہیں جا سکتے۔"

میرے لہجے سے اس نے میرے تیوروں کا اندازہ لگا لیا اور اچانک مخالف سمت میں دوڑ لگا دی۔ میں غیر ارادی طور پر اس کے تعاقب میں لپکا لیکن پھر رک گیا کیونکہ اس بھگوڑے کی رفتار کا مقابلہ کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

ہیلی کاپٹر واپس لوٹ چکا تھا اور سرچ لائٹ سے نالے کی تہ کی پوری چوڑائی منوّر کرنے کے لیے اس بار قدرے بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ میں سکون سے اپنی جگہ کھڑا، آگے بڑھتی ہوئی روشنی کی چادر کا انتظار کرتا رہا۔

بگڑتی ہوئی صورتِ حال اس حد تک میرے حق میں بدل گئی تھی۔ جمی لائیڈ کے بھاگ جانے کے بعد نقاب کے ساتھ میں وہاں تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔ ہیلی کاپٹر والوں نے پہلی بار بھی جزئیات کا جائزہ لیے بغیر صرف اتنا دیکھا ہوگا کہ نالے کی ویران تہ میں ایک نقاب پوش ہاتھ میں ٹرانسمیٹر لیے انھیں اپنی طرف متوجّہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لہٰذا واپسی پر جمی لائیڈ کے بجائے مجھے نقاب میں دیکھ کر انھیں صورتِ حال میں تبدیلی کا ذرا بھی احساس نہ ہوتا۔ وہ ہیلی کاپٹر وہیں معلّق کر کے میرے لیے رسّہ نیچے گرا دیتے یا ہیلی کاپٹر وہیں لینڈ کر لیتے۔ مجھے دیکھ لینے کے بعد ان کے آگے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا اس لیے جمی لائیڈ ان کی نظروں سے پوری طرح محفوظ رہتا۔

مگر اس سے آگے میرا کام بہت کٹھن تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ ہیلی کاپٹر میں کتنے افراد تھے اور وہ کس حد تک میری حیثیت سے مطمئن ہوتے تھے۔ ان تمام نکات کا انحصار میری اداکاری کی کامیابی پر منحصر تھا، جس کے لیے میں اندر ہی اندر خود کو تیار کر رہا تھا۔

سرچ لائٹ کی تیز روشنی کے ساتھ ہی میں بری طرح ریت کے طوفان کی زد میں آیا تھا جو ہیلی کاپٹر کی پنکھڑیوں سے ریت پر پڑنے والے دباؤ کی وجہ سے اُٹھ رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ہیلی کاپٹر فضا میں روک لیا گیا اور اسی لمحے اس فضائی مشین کے پہلو سے ہوا میں بُری طرح لہراتا ہوا ایک موٹا رسّہ نیچے پھسلنا شروع ہوا جو تیز ہوا میں بُری طرح لہرا رہا تھا۔

میں ٹرانسمیٹر جیب میں ڈال کر اپنی آنکھوں کو فضا میں اُڑتی ہوئی ریت کے ذرّات سے بچاتا ہوا اس رسّے کی طرف لپکا اور وہ تیزی کے ساتھ نیچے آ کر جوں ہی فضا میں لہراتا ہوا میری زد میں آیا، میں نے مضبوطی کے ساتھ اُسے تھام لیا۔ اوپر والے سرچ لائٹ کی روشنی میں شاید میری حرکات کا جائزہ لے رہے تھے کیونکہ اسی لمحے رسّے کو ڈھیل دینی بند کر دی گئی۔ میں نے اپنے بدن کا بوجھ دونوں ہاتھوں پر منتقل کر کے اندازہ لگایا کہ اوپر والوں نے رسّہ روک کر اس کا اوپری سرا کسی ہک میں پھنسا دیا تھا۔

ہیلی کاپٹر کے انجن کے کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے شور اور ہوا کے تیز جھونکوں کے دباؤ میں میں نے کسی بندر کے سے انداز میں، چاروں ہاتھ پیروں سے اس رسّے پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس وقت میرے ذہن میں جمی لائیڈ کا خیال موجود تھا جو اسی تاریک نالے میں کہیں روپوش تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا کیونکہ وہ غیر مسلّح تھا۔

اس لمحے پہلی بار میرے ذہن میں جھماکا ہوا اور میں دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجنے لگا۔ میں اپنا خالی پستول گیسٹ ہاؤس

میں پھینک آیا تھا لیکن بالکل ہی نہتا نہیں تھا۔ لوستان کے ساتھ اسلحے کی خریداری کے بعد بیم گن رتم کے تھیلے میں رکھ دی گئی تھی اور وہ تھیلا میری پُشت پر کسا ہوا تھا۔ وہ نکتہ مجھے پہلے سُوجھ جاتا تو کسی بھی لمحے تھیلے میں سے بیم گن نکال کر جمی لائیڈ پر نہ صرف اپنی بالادستی قائم کر سکتا تھا بلکہ سامنا ہوتے ہی اُسے کسی خارش زدہ کُتے کی موت مار سکتا تھا۔

واقعات کی ناقابلِ تصور تیز رفتاری اور اعصاب شکن دباؤ نے اس مُہم کی ابتدا سے ہی مجھے اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ میں جُزئیات کے بارے میں اپنے ذہن سے پوری طرح کام لے سکتا ورنہ تھوڑی ہی دیر پہلے میری شاندار کامیابی کے ساتھ اس طویل اور روح فرسا مُہم کا خاتمہ ہو گیا ہوتا جو میں نے ہیروئن کے سب سے بڑے عالمی مجرم کے خلاف شروع کی ہوئی تھی۔

مرے ہوئے سلطان شاہ کو زندہ کرنا میرے بس سے باہر تھا لیکن جمی لائیڈ کو ہلاک کر کے میں اس کے خونِ ناحق کا اِنتقام ضرور لے سکتا تھا۔ دوسری طرف، سب سے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ غزالہ کراچی میں موجود تھی۔ اگر میں جمی لائیڈ کو ہلاک کر کے منشیات فروشوں کی عالم گیر تنظیم بشی کا شیرازہ بکھیرنے میں کامیاب ہو جاتا تو یکسوئی کے ساتھ گھریلو زندگی گزارنے کے دل خوش کُن منصوبوں کے ساتھ میں پاکستان واپسی کا پروگرام بنا سکتا تھا۔

لیکن مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔ انھیں نہ تدبیر بدل سکتی ہے نہ کوئی ترکیب ٹال سکتی ہے۔ فیصلہ کن لمحات گزر چکے تھے۔ جمی لائیڈ اپنی اَنا پر یکے بعد دیگرے کئی زخم کھا کر، تاریک برساتی نالے کے کسی ویران گوشے میں دبکا ہوا تھا اور میں رسّے کے سہارے زمین اور آسمان کے درمیان معلق تھا۔ وہ بس ایک لمحے کی بات تھی کہ مجھے بیم گن یاد آ جاتی مگر نہ آئی۔ شاید ایسے ہی لمحات ہر ایک کی زندگی میں آتے ہیں جو حالات کا دھارا یکسر بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ جسے موقع مل جاتا ہے وہ کامران رہتا ہے اور جو ان لمحات کو گنوا دیں؛ وہ ساری عمر اپنی حماقت کے بارے میں سوچ سوچ کر پچھتاووں کا شکار رہتے ہیں۔

ہیلی کاپٹر کے گرجتے، چنگھاڑتے ہوئے ڈھانچے سے میرا فاصلہ بتدریج کم ہوتا رہا اور میرا ذہن ان ہی گتھیوں میں اُلجھا رہا۔ پھر میں اس وقت چونکا جب میں نے اوپر اپنی کلائیوں پر کسی کی مضبوط گرفت محسوس کی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو میں ہیلی کاپٹر کے کُھلے ہوئے دروازے سے چند اِنچ دور رہ گیا تھا اور ایک توانا آدمی جُھک کر مجھے سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کی مدد سے میں چند ہی ثانیوں میں روشن کیبن میں پہنچ گیا جہاں پائلٹ سمیت کُل تین نفوس موجود تھے۔ میری مدد کرنے والا شخص مجھ سے فارغ ہوتے ہی رسّہ مشینی چرخی پر لپیٹنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کی کمر اور شانوں سے حفاظتی بیلٹ بندھی ہوئی تھی جو ایک چند فٹ لمبی رسّی اور مضبوط ہُک کے ذریعے ایک طرف پھنسی ہوئی تھی تاکہ وہ حادثاتی طور پر، کُھلے ہوئے دروازے سے زمین پہ نہ گر سکے۔

مجھے دیکھتے ہی پائلٹ ہیلی کاپٹر کو حرکت میں لا چکا تھا البتہ تیسرے آدمی نے چبھتی ہوئی متجسّسانہ نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے سرد لہجے میں مجھے خوش آمدید کہا تھا۔ اس کا رویّہ محتاط بلکہ اِشتباہ آمیز نظر آ رہا تھا، وہ غیر ارادی طور پہ بار بار اپنے شانے سے لٹکی ہوئی ہلکی سی سب مشین گن کو چھو رہا تھا، جس سے خاصا بڑا میگزین منسلک تھا۔

اس کے قدرے جارحانہ رویّے کو دیکھتے ہوئے میرے بدن میں خوف کی سرد سی لہر سرایت کر گئی مگر میں بظاہر اسے نظر انداز کرتے ہوئے ایک خالی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس ہیلی کاپٹر میں پائلٹ سیٹ سمیت کُل چار نشستیں تھیں جن کے حساب سے میری شمولیت کے بعد نفری پوری ہو گئی تھی، اس طرح پائلٹ کو نکال کر میرے مقابل دو حریف تھے۔

سب مشین گن والا بدستور میرے سامنے کھڑا میری طرف دیکھتا رہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مجھ سے کسی ردِ عمل یا کارروائی کی توقع کر رہا ہو۔۔۔ یا پھر اُسے معلوم ہو گیا ہو کہ انھوں نے غلط آدمی کو اٹھا لیا تھا۔

اس نے مجھ سے فرنچ میں کچھ کہا۔ لہجہ نرم لیکن نگاہیں سرد اور وجود میں اتر جانے والی تھیں۔ نقاب سے وہ بالکل مرعوب نہیں ہوا تھا۔

”بہتر ہو گا کہ تم مجھ سے انگریزی میں بات کرو۔ میں فرنچ نہیں جانتا۔“ میں نے اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”شناخت موسیو!“ میری مدد کرنے والا سامنے آ کر نرم لہجے میں انگریزی میں بولا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر اس نے ہیلی کاپٹر کا دروازہ گرا کر اپنی حفاظتی بیلٹ اُتار دی تھی اور اس کے بیلٹ ہولسٹر سے ایک وزنی پستول کا دستہ جھانک رہا تھا۔ ”نالے میں صرف تم نظر آئے تھے اس لیے ہم نے تمھیں اُٹھا لیا ہے مگر شناخت کے بغیر ہم تم پر اعتماد نہیں کر سکتے۔“

میں نے خاموشی کے ساتھ جیکٹ کی اندرونی جیب سے سلور آئی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

سلور آئی دیکھتے ہی ان دونوں کی کیفیت بدلی تھی، تیور یک بیک نرم اور خوشامدانہ ہو گئے پھر وہی شخص مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ ”ہمارے لیے تم قابلِ احترام ہو۔ اس نقرئی آنکھ

سان کی مقدس رُوحوں کا سایہ ہے لیکن اس وقت ہمیں ماری نہیں بلکہ سُپر آئی مین کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا جو ہم ں صرف ایک ہے اور تم وہ نہیں ہو۔

. کیا تمھیں یہ عجیب بات محسوس نہیں ہوئی کہ تمھیں برآئی مین کی مدد کے لیے بھیجا گیا ہے؟" انھیں سلور آئی سے لف دیکھ کر میں نے تلخ اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"عجیب ترین۔" اس نے اقرار کیا۔ "یہ ہمارے لیے زندگی کی ب سے بڑی سعادت تھی کہ ہمیں سُپر آئی مین کی ہم نشینی کا شرف مال ہونے والا ہے اسی لیے ہم اس سنہرے موقع کو اپنی کسی پروائی یا غلط فہمی کی بنا پر ضائع نہیں کرنا چاہتے۔"

"ایسے حالات روز روز پیش نہیں آتے۔" میں نے اپنے ہرے پر منڈھے ہوئے نقاب کے عقب سے سرد لہجے میں کہا۔ اپنے بدترین حریف سے لڑتے ہوئے مجھے مجبوراً اس ویران الے میں پسپائی کی راہ اختیار کرنی پڑی۔ وہ بھی باہر کا آدمی نہیں بلکہ میرا ہی ایک باغی آئی مین ہے اور میری دوسری سلور آئی اگر مقابلے میں ضائع نہیں ہوئی تو یقیناً اسی کی تحویل یں ہے۔"

"اوہ! تو اس نالے میں تمھارے علاوہ کوئی اور بھی وجود ہے؟" سب مشین گن والے کے منہ سے تحیر آمیز آواز برآمد ہوئی۔

"تم سُپر آئی مین کے سامنے گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہو روینو!" میری مدد کرنے والے نے تیز لہجے میں اسے تنبیہہ کی اور پھر میرے سامنے بیک وقت دونوں جھکتے چلے گئے۔

"ہم معافی چاہتے ہیں... ہم دلوں کی گہرائیوں سے تمھار غلام ہیں۔ بس انسانی فطرت اور حیرت کی بنا پر زبان سے لغزش سرزد ہو گئی۔ ورنہ بھی ہوں تو ایک سلور آئی ہی تمھیں ہم سے بہت برتر ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔" روینو کی آواز میں پہلی بار خوف سمٹ آیا۔ شاید اپنے ساتھی کے ٹوکنے کے بعد اسے صورتِ حال کا صحیح ادراک ہو سکا تھا۔

"واپسی سے پہلے ہمیں نالے میں اس کو تلاش کرنا ہے" میں نے بزرگانہ شفقت کے ساتھ ان کے سروں پر باری باری ہاتھ پھیرتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اس بدبخت کو میں گلے میں زنجیر ڈال کر مارسیلز کی سڑکوں پر گھوڑوں سے گھسیٹواؤں گا۔"

روینو پھرتی سے سیدھا ہو کر پائلٹ کے برابر والی نشست پر چلا گیا اور ہیڈ فون چڑھا کر پائلٹ کو میری نئی ہدایت سے آگاہ کرنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر منتقل ہوتے ہوئے دوسرے سے کہا اور وہ میرا شکریہ ادا کر کے سہمے ہوئے انداز میں میری خالی کی ہوئی نشست پر بیٹھ گیا۔

ہیلی کاپٹر کی پرواز کا رُخ بدلا تھا اور میں نے اپنی سمت کی کھڑکی سے دیکھا کہ نالے کی تہ روشن نظر آ رہی تھی۔ کہر کی وجہ سے روشنی کا دائرہ کار محدود ہو کر رہ گیا تھا لیکن اس کی زد میں آنے والی کسی بھی زندہ اور متحرک چیز کو بہ آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

"وہ زیادہ دور نہیں جا سکا ہو گا۔ پائلٹ کو بتاؤ کہ میرے سوار ہونے کے مقام سے ہزار آٹھ سو گز کے علاقے پر توجہ مرکوز کرے۔" میں نے اپنے ساتھ والے سے کہا اور وہ اٹھ کر پائلٹ کی طرف چلا گیا۔

واپس لوٹتے ہوئے اچانک وہ گرتے گرتے بچا کیونکہ ہیلی کاپٹر کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ پھر روینو مڑ کر پُرجوش آواز میں چلایا۔ "وہ نظر آ گیا ہے سر! وہ کنارے کی دراڑوں میں گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

اس خوش خبری پر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے اپنی سمت کی کھڑکی سے دیکھا لیکن اس طرف نہ نالے کا کنارا تھا نہ کوئی انسانی ہیولا، میں دوسری طرف پلٹا تھا کہ پستول والے نے ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی مجھے جمی لائیڈ نظر آ گیا۔ وہ ریت میں پوری قوت سے دراڑوں کی طرف دوڑ رہا تھا۔

"گن لاؤ۔" میں نے سرد اور اونچی آواز میں کہا۔ روینو جو قریب ہی آ کھڑا ہوا تھا، اس نے اپنی بھری ہوئی سب مشین گن میری طرف بڑھا دی۔ میں نے لاک کھول کر مشین گن سنبھالی اور ہیلی کاپٹر کے فرش پر پیر پھیلا کر فائرنگ کے لیے پوزیشن لے لی۔

میں نے ہلکے سے زاویے کے ساتھ ایک برسٹ مارا۔ کیبن کی محدود فضا سب مشین گن کی خون آشام گونج سے لرز اٹھی لیکن جمی لائیڈ زد میں نہ آ سکا۔ وہ سب مشین گن کی رینج میں ضرور تھا لیکن کھلے ہوئے دروازے سے ادھر کا زاویہ اختیار کرنا مشکل تھا۔

"آگے بڑھ کر اس کے سر پر پہنچو!" میں نے جمی لائیڈ پر سے نظریں ہٹائے بغیر سرد لہجے میں کہا اور ہیلی کاپٹر ایک ہچکولے کے ساتھ حرکت میں آ گیا۔ اسی کے ساتھ جمی لائیڈ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

"یہ کیا کر رہا ہے؟" میں غصیلی آواز میں غرّایا۔ "اسے نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دو۔"

"مجبوری ہے سر!" روینو معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "پائلٹ کی کوشش بھی یہی ہو گی، میں اسے پوری پوزیشن سے آگاہ کر چکا ہوں مگر ہیلی کاپٹر کا رُخ بدلنے کے لیے کم از کم قطر

کا دائرہ یا قوس بنانا ہی پڑتی ہے۔"

میں خاموشی اور بے چینی کے ساتھ باہر گھورتا رہا جہاں بے آب و گیاہ ریت سرچ لائٹ کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ رات شاید جمی لائیڈ کی زندگی کی آخری رات ثابت ہونے والی تھی۔ وہ فرار کی سر توڑ کوششوں کے باوجود اس وقت تک میری زد سے باہر نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سلطان شاہ کا لہو اپنے انتقام کے لیے جمی لائیڈ کے قدموں کی زنجیر بن گیا تھا اور اسے مسلسل مقتل کی طرف دھکیل رہا تھا۔

چند سیکنڈ اور پھر کئی منٹ گزر گئے لیکن نہ ہیلی کاپٹر فضا میں معلق ہوا، نہ جمی لائیڈ دوبارہ نظر آیا تو میرے اعصاب پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ میں نے سارے خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹک کر پوری توجہ ہیلی کاپٹر کی نقل و حرکت پر مرکوز کر دی اور چند ہی ثانیوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ جمی لائیڈ موت کو سر پر منڈلاتے دیکھ کر کسی چھلاوے کی طرح کہیں روپوش ہو چکا تھا اور بوکھلایا ہوا پائلٹ ہیلی کاپٹر کو چاروں طرف گھما پھرا کر کسی نہ کسی طرح اسے دوبارہ تلاش کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔

"شاید ہم اسے کھو چکے ہیں۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔" روینو مردہ سی آواز میں بولا۔ ان دونوں پر مجرمانہ خفت طاری ہو چلی تھی۔

"پائلٹ سے تصدیق کرو کہ صحیح صورتِ حال کیا ہے؟" میں نے باہر کا جائزہ لیتے ہوئے ڈانٹ کر کہا۔ "فضا میں یوں بے مقصد چکر لگا کر وہ اسے اور دور نکل جانے کا موقع فراہم کر رہا ہے۔"

میری کامیاب اداکاری جاری تھی۔ جمی لائیڈ نچلی سطح کے کارندوں سے براہِ راست رابطہ قائم نہیں کرتا تھا، اِس لیے ان میں سے کوئی اپنے نادیدہ سربراہ کے لب و لہجے تک سے واقف نہیں تھا۔ ان کی وہی لاعلمی اس وقت میرے کام آ رہی تھی لیکن پھر بھی میں انھیں مرعوب کرنے کا کوئی موقع ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اِس لیے دورانِ گفتگو سوچ سمجھ کر مگر بظاہر بے خیالی کی اداکاری کرتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے ٹرانسمیٹر نکالا اور چند ثانیوں کے تذبذب کے بعد دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ وہ یہی سمجھے ہوں گے کہ میں اپنے کسی اور ٹھکانے سے رابطہ قائم کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اس طرح میں نے انھیں اپنی تحویل میں ٹرانسمیٹر کی موجودگی کا یقین دلا دیا تھا جس کی وجہ سے میرے جمی لائیڈ ہونے کے بارے میں ان کے رہے سہے شبہات بھی زائل ہو جانے چاہئیں تھے۔

"وہ خوف زدہ اور پریشان ہے سر!" چند ثانیوں بعد روینو نے اطلاع دی۔ "وہ قسمیں کھا رہا ہے کہ وہ اسی مقام پر منڈلاتا رہا ہے، بس ذرا سی دیر کے لیے وہ روشنی کی زد سے باہر ہوا تھا اور اب دور دور تک کسی ذی روح کا پتا نہیں ہے۔"

"پھر وہ احمقوں کی طرح گونگا کیوں بنا ہوا ہے؟" میں اپنے لہجے میں جھلاہٹ کے اظہار پر قابو نہ رکھ سکا۔ "وہ باغی بدترین مجرم ہے۔ ہیلی کاپٹر اتار دو، ہم اسے چپے چپے پر تلاش کریں گے۔ تم جا کر پائلٹ کی مدد کرو۔"

روینو سر جھکا کر اگلے حصے میں چلا گیا۔ میں نے اس کی سب مشین گن، پستول والے کو تھمائی اور سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جمی لائیڈ کے ساتھ ہونے والی طویل آنکھ مچولی نے اس مرحلے پر یک بیک مجھے تھکا دیا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر اس خشک برساتی نالے میں لینڈ کر گیا۔ ریت کا طوفان چاروں طرف پھیل گیا پھر پائلٹ نے انجن بند کر دیا۔ میں چند ثانیوں تک غبار بیٹھنے کا منتظر پھر کھلے ہوئے دروازے سے باہر ریت پر کود گیا۔ ان تینوں نے جانباز لڑاکوں کی طرح میری پیروی کی تھی۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ پائلٹ بھی غیر مسلح نہیں تھا۔

"دس منٹ!" میں نے انھیں مطلع کیا۔ "دس منٹ میں جتنا علاقہ چھان سکتے ہو، چھان ڈالو۔ اگر ہم صحیح جگہ اترے ہیں تو وہ کسی کونے کھانچے میں دبکا ہوا مل جائے گا۔ دس منٹ بعد ہمیں ہر قیمت پر پرواز کرنی ہے۔"

وہ تینوں بیک وقت تین مختلف سمتوں میں چل پڑے تھے اور میں وہاں تنہا کھڑا رہ گیا۔

گیسٹ ہاؤس میں جمی لائیڈ کی شناخت کے بعد جو کچھ ہوتا آ رہا تھا، وہ میرے لیے بڑی حد تک ناقابلِ یقین ثابت ہو رہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جمی لائیڈ کے فرار ہونے کے بعد میں اتنی آسانی کے ساتھ شی کے ہیلی اور اس کے عملے پر قابض ہونے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اس سے آگے کیا ہونے والا تھا، اس کے بارے میں بے یقینی کا شکار تھا۔

جمی لائیڈ نے دورانِ گفتگو یہ تو ظاہر کر دیا تھا کہ اگر میں نے اس کی جگہ لینے کی کوشش کی تو میرا سامنا جیف ڈارلنگن سے ضرور ہوگا۔ اس بات کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہیلی کو واپس کسی ایسے ٹھکانے پر جانا تھا جہاں جیف ڈارلنگن پہلے سے اپنے باس کے استقبال کا انتظار کر رہا ہوتا۔ میرے لیے اس نازک مرحلے سے نکلنا بھی بہت اہم تھا۔ ربیکا اور

گیری ہارٹ والے معاملے میں مجھے یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ جیف ایک عمر رسیدہ شخص تھا لہٰذا جسمانی طور پر میں اسے آسانی کے ساتھ زیر کر سکتا تھا لیکن سٹی کے ہر بااختیار رکن کی طرح جیف بھی اپنے اڈّے پر معقول نفری اور طاقت کے استعمال پر قادر رہا ہوگا اس لیے اس کا سامنا کرتے ہوئے مجھے بہت محتاط رہنا تھا۔ جیف سٹی کا آئی مین تھا۔ اس منصب کی وجہ سے اس کا جمی لائیڈ سے بارہا سامنا ہوا ہوگا۔ وہ اس کے لب و لہجے کے ساتھ اس بات سے بھی واقف رہا ہوگا کہ جمی لائیڈ فرنچ زبان سے نابلد نہیں تھا، اِس لیے جیف کے سامنے میرا یہ دعویٰ سرے سے چل ہی نہیں سکتا تھا کہ میں نقاب پوش جمی لائیڈ تھا جب کہ ہیلی کاپٹر کے عملے کو میں نے وہی کہانی سنا کر رام کیا تھا۔ اگر وقت حاصل کرنے کے لیے میں جیف کے لیے کوئی اور کہانی تراشتا تو ہیلی کاپٹر کا عملہ میرے جھوٹ کی پول کھول سکتا تھا۔ ان دشواریوں سے نمٹنے کا ایک آسان ترین راستہ یہ تھا کہ جمی لائیڈ میدان چھوڑ کر بھاگ چکا تھا، اس کی دانست میں مَیں اس کے لیے بھیجے ہوئے ہیلی کاپٹر پر قابض ہو چکا تھا، ہیلی کاپٹر کا عملہ میرے حکم پر جمی لائیڈ کی تلاش میں گیا ہوا تھا۔ اگر مجھے ہوا بازی کی ذرا بھی شُدبُد ہوتی تو میں نہایت آرام سے ہیلی کاپٹر اُڑا کر فرار ہو سکتا تھا۔ اس وقت دوسری صُورت یہ رہ گئی تھی کہ میں بھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جمی لائیڈ کی طرح بگٹٹ کسی طرف بھاگ کھڑا ہوتا. دس منٹ بعد ہیلی کاپٹر کا عملہ واپس لَوٹتا تو مجھے غائب پا کر کچھ دیر انتظار کرتا پھر ہیلی کاپٹر سمیت اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو جاتا اور میں کسی دشواری سے دوچار ہونے سے بچا رہتا۔

لیکن مارسیلز میں سٹی کے ایک ٹھکانے تک رسائی کی کوشش میرے لیے ایک چیلنج تھی جسے ٹھکرانا میرے بس سے باہر تھا۔ یہ شروع سے میری فطرت رہی تھی کہ میں آنکھیں بند کر کے خطرات مول لیتا تھا اور دشواریاں پیدا ہونے پر ہاتھوں ہاتھ ان کا توڑ سوچتا تھا۔ اپنے ماضی کے تجربات کی روشنی میں مجھے امید تھی کہ میں جیف ڈارلنگٹن والے معرکے میں بھی کوئی نہ کوئی راہ نکال لوں گا۔

اس وقت تنہائی میں موقع میسّر تھا اور میں غیر مسلح بھی تھا لہٰذا میں نے مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی پُشت پر موجود تھیلے میں سے بیم گن نکال کر اپنی جیب میں رکھ لی جو کسی بھی مرحلے پر فیصلہ کن کردار ادا کر سکتی تھی۔

سوچتے سوچتے اچانک میرے ذہن میں ایک ہولناک خیال نے سر اُبھارا۔ میں سٹی کے باہر کا آدمی تھا اور میں نے محض ایک سلور آئی دکھا کر ہیلی کاپٹر کے عملے کو اپنا مطیع بنا لیا تھا جب کہ جمی لائیڈ سٹی کا حقیقی سربراہ تھا اور اس کے پاس دو سلور آئیز موجود تھیں۔ اگر سنز یا اس کا کوئی ساتھی جمی لائیڈ پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو ہی جاتا تو جمی لائیڈ ان سکّوں کے سہارے کوئی بھی خطرناک جوا کھیل سکتا تھا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ دو کے بجائے ایک سلور آئی دکھا کر آئی مین ہونے کا دعویٰ کرتا اور میرے مقابلے میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا معاملہ ان لوگوں کے بڑوں کے سامنے پیش کرنے کی پیشکش کرتا جسے مسترد کرنا ان کے بس سے باہر ہوتا اور وہ مجھے اور جمی لائیڈ کو برابر کی حیثیت سے اپنے اڈّے پر لے جانے کا فیصلہ کر لیتے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا وہ محض قیاسات تھے لیکن ان میں میرے لیے بہتری یا تحفّظ کا دور دور تک کوئی شائبہ موجود نہ تھا۔

* * *

لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ میرے سارے اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے۔ ٹھیک دس منٹ پورے ہونے سے قبل ہی وہ تینوں یکے بعد دیگرے بے نیل و مرام واپس آ گئے۔ انھیں اس علاقے میں انسان تو در کنار، چوہے کا بچّہ بھی نظر نہیں آیا تھا۔

واپسی کے سفر میں ریڈیو پائلٹ کے برابر والی نشست پر تھا اور دوسرا، جس کا نام ریمی مارٹن تھا، میرے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بشرے پر مسلسل ندامت طاری تھی اور وہ منہ لٹکائے بیٹھا ہوا تھا۔

"باغی دوست، بد ترین دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میں نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ "اسے گھر کے بھید معلوم ہوتے ہیں اس لیے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ بے خبری میں وہ کہاں وار کر گزرے گا۔"

"بس پائلٹ سے ذرا سی چُوک ہو گئی۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ ذرا سا خطرہ مول لینے کی ہمّت کر لیتا تو اسے ہیلی کاپٹر کے نیچے ہی کُچل کر ہلاک کر سکتا تھا اور وہ بھی موقع ملتے ہی چھلاوے کی طرح غائب ہوا ہے۔"

"ہمارے سفر کا اِختتام کتنی دیر میں ہوگا؟" میں اچانک سوال کر بیٹھا۔

دلچسپ ترین سلسلے ۔ کتابی شکل میں
ہمزاد
(مکمل)
جال
کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱

"زیادہ سے زیادہ ہم بیس منٹ میں منزل پر پہنچ جائیں گے۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"تینوں میں تم کچھ زیادہ فرض شناس نظر آتے ہو۔" میں نے اس کی انا کو ابھارتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "میں تمہاری فوری ترقی کے امکان پر غور کر رہا ہوں۔ تمہارا باس کون ہے؟"

"ویسے تو ہر گروپ کا لیڈر ہے لیکن ہم سب براہِ راست موسیو جیف ڈارلنگٹن کو جواب دہ ہیں۔" اس کے لہجے میں بلا کی ممنونیت اُمڈ آئی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس کی ترقی کے لیے وہ معلومات حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔

"بیس منٹ بعد اس سے ملاقات ہوگی؟" میں نے مکاری کے ساتھ الفاظ کا انتخاب کیا تھا۔

"ہم اس کا ریڈیائی پیغام ملتے ہی روانہ ہوگئے تھے، ہوسکتا ہے کہ وہ بعد میں پہنچ گیا ہو۔" مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں واضح طور پر فخر کی علامات اُبھر آئی تھیں۔ وہ میری اس تمام ذومعنی گفتگو کو اپنی ترقی کے معاملے سے منسلک سمجھ رہا تھا۔ میرے ادب اور احترام کا یہ عالم تھا کہ اس نے ایک بار بھی براہِ راست میری طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کی تھی۔

"برونو اشمٹ کا کچھ پتا ہے؟" میں نے اسے کریدنے کی نیت سے سوال کیا۔

"کچھ نہیں معلوم۔ وہ کل سے لاپتا ہے۔ جیف خود اس کی طرف سے فکرمند ہے۔ لڑکی کو اُٹھوانے کی مہم کی نگرانی بھی اسی کو کرنا پڑی تھی۔ کئی آدمی پورے شہر میں اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

لڑکی کا ذکر سن کر میں چونکا۔ غنیمت یہ تھا کہ میرے چہرے پر نقاب منڈھا ہوا تھا جس کی وجہ سے میرے تاثرات میری ذات تک ہی محدود رہے۔ مجھے یقین تھا کہ ریمی ویرا کا ذکر کر رہا تھا اور میری توقعات سے کہیں زیادہ باخبر تھا۔

"وہ بزدل تھا، کام کا دباؤ پڑتے ہی کہیں فرار ہوگیا لیکن وہ مجھ سے نہیں بچ سکے گا۔"

"فرار ہو کر اس نے خودکشی کی ہے۔" وہ تائیدی لہجے میں بولا۔ "دُنیا کا کون سا حصہ ایسا ہے جو تمہارے جاں نثاروں سے خالی ہے؟ وہ جہاں جائے گا دھر لیا جائے گا اور کتے کی سی موت اس کا مقدر بن جائے گی۔"

"لڑکی کا اب کیا حال ہے؟" میں نے بہت محتاط الفاظ میں سوال کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ جمی لائیڈ فلورا سے رخصت ہو کر صبح سویرے اسی سے ملنے گیا تھا۔ اگر وہ وہیں قید کی گئی تھی جہاں سے ہیلی کاپٹر نے پرواز کی تھی تو ریمی مارٹن کو بھی علم رہا ہوگا کہ صبح ان کا سپر آئی مین لڑکی سے ملنے آیا تھا اور میرا کوئی بھی غلط سوال اسے میری طرف سے شبہے میں ڈال سکتا تھا۔

"کسی کو کچھ علم نہیں، اس کے بارے میں سخت رازداری سے کام لیا جا رہا ہے۔"

اس سے آگے اس سے بات کرنا بے سود تھا، اس لیے میں نے خاموشی اختیار کرلی لیکن اس گفتگو کے نتیجے میں یہ امید نظر آنے لگی تھی کہ میری بھاگ دوڑ بالکل ہی رائیگاں نہیں گئی تھی بلکہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے ویرا کی اس کال کوٹھری تک رسائی ہوسکتی تھی جہاں اس کے شقی القلب باپ نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اسے قید کیا ہوا تھا۔

ہیلی کاپٹر ویرانے سے گزر کر چند منٹ کے لیے شہر کے روشن اور آباد حصے پر سے گزرا جسے عبور کرتے ہی ایک بار پھر نیچے کہر اور اندھیرے کے سوا کچھ باقی نہیں رہ گیا جس کا مطلب تھا کہ ہماری منزل سینٹ فرانسس کے بل سارا ہاؤز کی طرح کسی مضافاتی علاقے میں واقع تھی۔ میں نے یہ بات ہمیشہ نوٹ کی تھی کہ شی کے اہم مراکز شہروں سے دور قائم تھے۔

شہر کے مقابلے میں مضافات میں سبزہ زیادہ ہونے کی وجہ سے کھلی فضا میں دھند گہری تھی اس لیے بلندی کم ہونے کے باوجود مجھے کچھ اندازہ نہ ہوسکا کہ ہم کس قسم کے علاقے پر سے گزر رہے تھے اور آخر کار ہیلی کاپٹر ایک پختہ اور مختصر سے نجی ہیلی پیڈ پر اتر گیا جہاں چار نشستوں والا ایک اور ہیلی کاپٹر پہلے سے موجود تھا۔

ہیلی پیڈ کے قریب چند کمروں پر مشتمل ایک مختصر سی پختہ عمارت تھی جس کی کئی کھڑکیاں دور ہی سے روشن نظر آ رہی تھیں۔ ریمی مارٹن نے نیچے اترتے ہی دوسروں کا انتظار کیے بغیر میری رہنمائی کی ذمے داری سنبھال لی اور میں اس کے ساتھ ایک منزلہ پختہ عمارت کی طرف ہولیا۔ ابھی ہم اس عمارت سے دور ہی تھے کہ کہیں کھلتے ہوئے دروازے کے عقب میں پیدا ہونے والا روشن خلا نظر آیا اور پھر ایک بھاری بھرکم انسانی ہیولا ہماری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔

میرے لیے وہ سب سے کٹھن اور دشوار مرحلہ تھا۔ آنے والا یقینی طور پر جیف ڈارلنگٹن تھا جو اپنی دانست میں اپنے باس کا استقبال کرنے آ رہا تھا جس کے لب و لہجے سے وہ خوب واقف تھا۔ میں تنہا ہوتا تو اسے کوئی دوسری کہانی سنا کر الجھانے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن اس طرح ریمی مارٹن میری طرف سے بھڑک سکتا تھا۔

"تم جاؤ ریمی!" لمحہ بھر سوچنے کے بعد میں نے آہستگی سے کہا۔ "جیف سے میں تمہارے مستقبل کے بارے میں بات کر لوں گا۔"

"شکریہ سر!" وہ تعظیماً جھکا اور فوراً ہی راستہ کاٹ کر دوسری سمت میں ہولیا جدھر کسی اور عمارت کی دھندلائی ہوئی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ روبنو پائلٹ کے ہمراہ شاید براہِ راست اسی طرف گیا تھا کیونکہ ان دونوں کا دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ اس وقت میدان میں

ن دونفر لق رہ گئے تھے جو بتدریج ایک دوسرے کی طرف بڑھ ے تھے۔

آنے والا دروازے کے روشن خلا کے سامنے سے ہٹتے ہی کھر میں اب ہو گیا تھا لیکن چند ثانیوں بعد ہی ہم دونوں نے اونچے کھمبوں پر لگی ولی زرد روشنیوں کے انعکاس میں ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ مجھ پر نگاہ تے ہی دوسرے کی رفتار یکلخت تیز ہو گئی۔ مجھ سے چند قدم کے فاصلے ر وہ رک کر رکوع کے انداز میں جھکا تھا ساتھ ہی اس نے فرنچ میں کچھ ر مقدمی کلمات بھی کہے تھے جو میرے پلے نہ پڑ سکے اور میں نے اپنی ب میں ہاتھ ڈال کر بیم گن کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

وہ سیدھا ہوا تو میں تقریباً اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے ں کے چاق و چوبند مگر جھریوں زدہ چہرے کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا ر وہی جیف ڈارلنگٹن ہو سکتا تھا۔

”میرا اندازہ غلط نہیں تو تم ہی جیف ڈارلنگٹن ہو۔“ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں انگریزی میں کہا۔ ”لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں اس لیے میں تمہاری نشانی دیکھنا چاہتا ہوں۔“

میری آواز سنتے ہی وہ بھونچکا رہ گیا اور ہکلاتے ہوئے بولا۔

تت۔۔۔ تم تو۔۔۔ سس۔۔۔ سپر آئی مین نہیں معلوم ہوتے۔“

”نشانی نہیں دکھاؤ گے تو ابھی ٹھنڈا کر دوں گا۔“ میں غصیلی آواز میں غرایا۔ ”اس وقت تنظیم اپنی تاریخ کے بدترین بحران سے دوچار ہے۔ تم اپنی شناخت کروا دو گے تو سب کچھ سمجھا دوں گا۔“

وہ ذہنی طور پر جمی لائیڈ کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو کر آیا ھا اس لیے اس کے اوسان پہلے ہی خطا تھے لہٰذا میری دھمکی نتے ہی اس نے اضطراری طور پر اپنے گلے میں چین کی مدد سے پہنا ہوا وہ پُراسرار طلائی سکہ چین سمیت میری طرف بڑھا دیا جسے میں نے دیکھے ہد بے پروائی کے ساتھ اپنی جیب میں ڈال لیا۔

”یہ مجھے واپس دو!“ وہ بوکھلا کر بولا۔ ”پتا نہیں تم کون ہو اور یہاں یے لئے ہو؟“

”میں سپر آئی مین ہوں اور ہیلی کاپٹر سے یہاں آیا ہوں۔“ میں نے ک ایک لفظ پر زور دے کر سرد لہجے میں کہا۔ ”آج سے پہلے میں ن آئی مین تھا لیکن تھوڑی دیر پہلے ہم بدترین حالات میں پولیس ے گھیرے میں آ گئے۔ میں جمی لائیڈ کے ساتھ تھا۔ پولیس سے مقابلے ں وہ اتنی بری طرح زخمی ہوا کہ نہ میرے ساتھ فرار ہو سکتا تھا، نہ اپنی ت کر سکتا تھا۔ خودکشی کرنے سے پہلے اس نے اپنی تمام نشانیاں ے سونپ کر سپر آئی مین مقرر کر دیا اور اب میں اس کے جانشین کی ت سے تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ اس اڈے کو فوراً چھوڑ دو۔ مارسیلز یہ پولیس فوجی دستوں کے ساتھ کسی بھی وقت یہاں دھاوا بول ی ہے۔“

”تم جھوٹے ہو۔“ وہ حیرت اور بے یقینی کے ساتھ بولا۔ ”سپر آئی مین کبھی نہیں مر سکتا۔۔۔ جب اس نے ہیلی کاپٹر کے ٹرانسمیٹر پر مجھ سے بات کی تو اس کی آواز پُرسکون تھی، اس میں خوف کا یا خطرے کا شائبہ تک نہیں تھا۔“

”وہ صرف اسی لیے سپر آئی مین تھا کہ اسے اپنے اعصاب پر قابو رکھنے میں ملکہ حاصل تھا۔ بدترین حالات میں بھی اس کے سکون میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ اس نے میرے سامنے تم سے بات کی تھی۔ اس وقت ہم صرف محاصرے میں تھے، پولیس نے فائر نہیں کھولا تھا۔ جمی لائیڈ کی خودکشی کے بعد ہی میں اس کی بتائی ہوئی سمت میں فرار ہوا تھا ورنہ آج شی کا شیرازہ بکھر جاتا۔“

”میں نہیں مان سکتا۔“ وہ ضدی لہجے میں بولا۔ ”تم کوئی فراڈ ہو۔ میں تمہیں اسی وقت قابلِ اعتبار سمجھوں گا جب تم مجھے چار سلور آئیز دکھاؤ گے۔ سچے ہو تو تمہیں میرے اطمینان کے لیے یہ ثبوت فراہم کرنا ہوگا ورنہ تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے۔“

”چار سلور آئیز؟“ میں نے حیرت سے سوال کیا۔ ”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے؟ اور ہاں یہ بتا دوں کہ میرا یہاں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تم میں سے جو بھی یہاں ٹھہر رہا وہ واقعی یہاں سے زندہ نہ لوٹ سکے گا۔“

”اگر تم سچے ہو تو اس وقت تمہارے پاس چار طلائی سکے ہونے چاہییں۔“ وہ میرے نقاب پوش چہرے کو گھورتے ہوئے بولا۔ ”ایک میرا، دو جمی لائیڈ سے ملے ہوئے اور چوتھا تمہارا اپنا، کیونکہ تم آئی مین ہونے کے دعوے دار ہو۔“

میرے لیے وہ سنہرا موقع تھا۔ اس کی سلور آئی پر قابض ہونے کے بعد میں اس عمارت میں کسی کو بھی دو طلائی سکے دکھا کر اپنے سپر آئی مین ہونے کا یقین دلا سکتا تھا۔ اس وقت قرب و جوار میں جیف کی مدد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ دو بڑوں کی ملاقات کے موقع پر دوسروں نے نظروں سے اوجھل رہنا ہی بہتر سمجھا تھا۔ میں چاہتا تو بہت آسانی اور خاموشی کے ساتھ اسے بیم گن کا نشانہ بنا سکتا تھا لیکن اس طرح میری دیرا تک رسائی مشکل ہو جاتی۔ جیف ڈارلنگٹن کے رام ہو جانے کے بعد میرا کام سہل ہو سکتا تھا۔

سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ جمی لائیڈ میرے منصوبے کو سمجھ چکا تھا۔ ہیلی کاپٹر کی واپسی کے بعد اس نے یقیناً اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم کرنے کی سر توڑ کوششیں شروع کر رکھی ہوں گی اس لیے میرے پاس بہت قلیل وقت تھا۔ میرے فارغ ہونے سے پہلے اگر جمی لائیڈ کو اپنے وسائل مجتمع کر کے اس اڈے کا رخ کرنے کا موقع مل جاتا تو میری بازی الٹ سکتی تھی۔

”میں تمہیں سب کچھ دکھا دیتا جیف!“ میں نے متاسفانہ لہجہ

اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم نے میرے ساتھ گستاخانہ رویہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ تمھارے لب و لہجے سے شخصیت پرستی کی بُو آ رہی ہے۔ تم شی یا سپر آئی مین کے بجائے جمی لائیڈ کی وفاداری کا دم بھر رہے ہو جو ہم جیسی عالمگیر تنظیم کے لیے بہت خطرناک ہے۔ تمھاری خدمات ناقابلِ فراموش رہی ہیں لیکن مجھے تمھارے خلاف فیصلہ صادر کرتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے۔ تم مر گئے تو شی اپنے ایک بارسوخ عہدے دار کا خلا مدتوں تک پورا نہ کر سکے گی۔"

میری اس قلابازی نے رنگ دکھایا۔ جیف ڈارلنگٹن کے چہرے پر پہلی بار خوف کے سائے منڈلاتے ہوئے نظر آئے۔ اس کے بارے میں تعریفی الفاظ استعمال کر کے میں نے جو دھمکی دی تھی وہ اس پر اثر کرتی نظر آ رہی تھی۔

"شی سے وفاداری میرے خون میں رچی ہوئی ہے۔" کوشش کے باوجود وہ اپنے لہجے میں مدافعانہ رنگ کے اظہار سے نہ بچ سکا تھا۔ "جمی لائیڈ سے میرا برسوں کا ساتھ ہے۔ تم نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا وہ میرے لیے ابھی تک ناقابلِ یقین اور صدمے کا باعث ہے۔ وہ سپر آئی مین ہے۔ چاہے تو اپنی نیابت میں کسی خارش زدہ کتے کو بھی ہم پر مامور کر سکتا ہے۔ تم تو پھر بہت زیرک انسان نظر آتے ہو۔ شاید تمھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ گندی ایشیائی نسل کا ایک باغی ایک سلور آئی چرانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ یہ راز صرف آئی مین جانتے ہیں۔ دوسرے کارکنوں کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر وہ کئی بار ان کو اپنے احکام کی تعمیل پر مجبور کر چکا ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں محتاط ہی رہنا ہوگا۔"

"یہ سب میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "مجھ سے اُلجھ کر تم بھی اپنی نسل کی کسی گندگی کا اظہار کر رہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اب تمھارا فیصلہ کیا ہے؟ میرے پاس تمھیں قائل کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں ہے۔ پولیس کسی بھی وقت آ سکتی ہے۔"

"مجھے نشانیاں دکھا دو تو تم مجھے کسی کُتے کی طرح اپنا وفادار پاؤ گے۔" وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"ہیلی کاپٹر میں موجود تمھارے عملے کو نشانیاں دکھا کر ہی میں یہاں تک آیا ہوں۔ اپنی دوبارہ شناخت کو میں توہین تصور کرتا ہوں جس کی سزا صرف اور صرف موت ہو سکتی ہے۔" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"مم... مگر میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔" وہ ہچکچاتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولا۔ میری زبان سے دوسری بار اپنی موت کا ذکر سُن کر اُس کا چہرہ پھر تاریک پڑ گیا تھا۔

"میرے اختیار کو تسلیم کیے بغیر یہ ناممکن ہے۔" میں نے سرد لہجے میں وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اچانک بیم گن نکال لی۔

وہ ہتھیار اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ میرے ہاتھ میں بیم گن دیکھتے ہی اس نے التجائیہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ آگے فضا میں پھیلا دیے۔ "ٹھہرو! میں تمھاری ہر ہدایت پر بے چون و چرا عمل کرنے کو تیار ہوں۔"

"پھر مجھے ویرا کے پاس لے چلو۔" میں نے بیم گن کی نال اس کے سینے پر ٹکاتے ہوئے کہا۔ "اس بدنصیب لڑکی کو اس کی تیمارداری کے ساتھ ہی مجھے متوفی کا ایک پیغام بھی اس تک پہنچانا ہے جو میں تمھیں نہیں بتا سکتا۔"

وہ خوفزدہ انداز میں کئی قدم پیچھے سرک گیا۔ "مم... میں تمھیں سپر آئی مین تسلیم کر رہا ہوں، پھر یہ بیم گن کیوں دکھا رہے ہو؟ اسے احتیاط سے رکھ لو۔ اب اس اسٹیشن پر میں تمھاری حفاظت کا پورا پورا ذمہ لیتا ہوں۔"

"تم بہت چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو بُڈھے!" میں نے بیم گن جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "اپنی موت کے خوف سے تم نے سمجھوتا کیا ہے ورنہ تمھارے دل کی سیاہی میں شبہات گندے کیڑوں کی طرح رینگ رہے ہیں۔ میں نے بیم گن رکھ لی ہے لیکن میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ میں جب تک یہاں رہوں گا تم میری نظروں کے سامنے رہو گے۔"

وہ مُنہ چلا کر رہ گیا جیسے حلق میں پھنسی ہوئی کوئی چیز معدے میں اتارنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ویرا کہاں ہے؟ مجھے ادھر لے کر چلو۔" میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے جھنجوڑ ڈالا۔

وہ ہیلی پیڈ کے قریب والی اسی عمارت کی طرف چل پڑا جہاں سے برآمد ہوا تھا۔

باہر کے سرد اور کہر آلود موسم کے برعکس عمارت اندر سے آرام دہ حد تک گرم تھی۔ در و دیوار اور آرائش سے مسحور کن ذوق ٹپک رہا تھا۔ دھیمی دھیمی پوشیدہ روشنیوں کی وجہ سے ماحول میں پُراسراریت رچی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

پہلی راہداری میں داہنی طرف شیشے کی شفاف دیوار تھی جس کے پیچھے ریڈیائی آلات کا ایک پیچیدہ جال نظر آ رہا تھا۔ وہاں دو سفید فام لڑکیاں کانوں پر ہیڈ فون پہنے، سر جھکائے اپنے کام میں مصروف تھیں۔ ان کے ہلتے ہوئے ہونٹوں اور مصروف انگلیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گفتگو کے ساتھ ہی کاغذ پر نوٹ بھی لیتی جا رہی تھیں۔

تین راہداریوں میں گھومنے کے بعد جیف ایک خالی چوبی ڈیسک کے قریب رک گیا۔

"کون ہے؟" اس کے رُکتے ہی ڈیسک میں لگے ہوئے

خفیہ اسپیکر پر ایک نسوانی آواز اُبھری جسے سُن کر میرا دل یکبارگی تیزی سے دھڑک اُٹھا کیونکہ دوسری طرف سے بولنے والی سو فیصد ویرا تھی۔

"جیف ڈارلنگٹن ملاوام!" اس نے کسی چیز کو چھیڑے بغیر کہا۔ "میرے ساتھ ایک مہمان بھی ہے جو تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"مہمان کو لوٹا دو، میں اس وقت کسی سے نہیں مل سکتی۔ میں بستر میں جا چکی ہوں۔"

"مہمان دور سے آیا ہے ملاوام!" میں نے آہستہ سے اردو میں کہا۔ "اسے مایوس نہ کرو۔"

کوئی جواب نہیں آیا لیکن لمحہ بھر کے بعد اس راہداری میں ایک دروازہ کھلا اور ویرا لائیڈ شب خوابی کے مہین لبادے میں ملبوس برہنہ پا دوڑتی ہوئی ہماری طرف آئی۔ فرطِ مسرت سے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا اور رُواں رُواں مسکرا رہا تھا۔ وہ جیف ڈارلنگٹن کی پروا کیے بغیر آتے ہی مجھ سے یوں لپٹ گئی جیسے مدتوں سے مجھ سے بچھڑی ہوئی ہو لیکن ان نازک لمحات میں بھی میں جیف ڈارلنگٹن کی طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میری زبان سے نامانوس الفاظ اور ویرا کا رویہ دیکھتے ہی وہ میری اصلیت بھانپ گیا ہوگا۔

اور ہوا بھی یہی۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر بول ہی پڑا: "میرے شبہات بے بنیاد نہیں تھے۔ آخرکار تمہیں ایک بار پھر اپنا گھناؤنا کھیل دُہرانے کا موقع مل ہی گیا لیکن یہ آزادی زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکے گی۔"

"یہ درست کہہ رہا ہے ڈینی!" ویرا الگ ہو کر عجلت آمیز لہجے میں بولی۔ "تم مجھے بہت عزیز ہو لیکن پاپا سے مل کر مجھے احساس ہوا ہے کہ باپ ہر کسی کو زندگی میں ایک بار ہی ملتا ہے۔ یہ رشتہ ایک بار بچھڑ جائے تو دوبارہ کسی قیمت پر نہیں ملتا۔ لڑکی جوان اور خوبصورت ہو تو اسے عاشق اور شوہر زندگی کے ہر موڑ پر بار بار ملتے رہتے ہیں۔ اچھا ہوا کہ تم یہاں تک آ گئے اور تم نے اپنے کانوں سے میری رائے سُن لی۔ مجھے امید ہے کہ اس الوداعی ملاقات کو تم آسانی سے فراموش نہ کر سکو گے۔" ویرا انگریزی میں بولی تھی۔

میں حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ باپ سے ملتے ہی اس کے خیالات ایک دم پلٹ گئے تھے۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس پر نہ تشدد کیا گیا تھا، نہ وہ منشیات کے زیرِ اثر تھی بلکہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، پوری طرح ہوش و حواس کی حالت میں کہہ رہی تھی۔ مجھے یک بہ یک اس سے کراہت محسوس ہونے لگی۔ آخرکار خون نے اپنا رنگ دکھا ہی دیا تھا۔

"اچھا ہوا کہ یہ خلش بھی دور ہو گئی۔" میں نے اپنے حلق میں تلخی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ "جہاں کا خمیر تھا، وہیں پہنچ گئی ہو۔ اپنی آنکھوں سے تمہیں نہ دیکھ لیتا تو میں بلاوجہ تمہاری فکروں میں گرفتار رہتا۔ اب تم صحیح معنوں میں مس لائیڈ کہی جا سکتی ہو۔"

"یہ منطقی انجام تھا۔" ہماری گفتگو میں اب نہ کوئی رمز رہا تھا نہ کنایہ اس لیے ساری گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔ "ایک نہ ایک دن ایسا ہونا ہی تھا۔ خون کے رشتے آسانی سے کبھی نہیں ٹوٹتے۔ چاہو تو جانے سے پہلے میری خواب گاہ بھی دیکھتے جاؤ، یہ آسائشیں شاید شہزادیوں کو بھی میسر نہ ہوں جو پاپا نے میرے لیے ڈھیر کر دی ہیں۔" بات کرتے کرتے نہ جانے اس کی آنکھ پھڑکی تھی یا اس نے جیف کی نظر بچا کر مجھے کوئی اشارہ کیا تھا۔ بات پوری کرتے ہی وہ اپنی خواب گاہ کی طرف مُڑ گئی۔ انداز ایسا تھا جیسے مجھ سے بھی تقلید کی توقع رکھتی ہو۔

"چلو! کاٹھ کے اُلو!" میں نے تلخ لہجے میں جیف کو پچکارا۔ "یہ خلوت تم بھی دیکھ لو۔"

"نہیں!" ویرا مُڑ کر سخت لہجے میں بولی۔ "یہ اندر نہیں آ سکے گا۔ صرف تم چلے آؤ۔"

"یہ میرا یرغمالی ہے۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "ذرا بھی نگاہ چُوکی تو نکل بھاگے گا اور پورے اسٹیشن میں میرے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔ تم فکر نہ کرو، اندر جانے سے پہلے میں اس کی آنکھوں پر رومال باندھ دوں گا۔"

رومال نہیں مل سکا لیکن جیف کے گلے میں سلک کا اسکارف موجود تھا جو میں نے اس کی آنکھوں پر باندھ دیا اور اسے ویرا کی خوابگاہ کی طرف ہانکنے لگا۔ اس دوران میں ویرا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ رقص کرتی رہی۔ اس نے کئی بار مجھے اشارے بھی کیے جن کا مفہوم میرے پلے نہ پڑ سکا اور اسی الجھن میں میں اس کی وسیع و عریض خواب گاہ میں پہنچ گیا جہاں تصور میں آنے والی ہر آسائش موجود تھی۔

"واقعی بہت حسین کمرا ہے۔" میں نے چند ثانیوں کے بعد تبصرہ کیا۔

"کمرا کہہ کر اس کی توہین نہ کرو، اسے خواب گاہ کہو۔" ویرا نے چڑچڑے لہجے میں یہ کہتے ہوئے مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور میں بے یقینی کے عالم میں اس کی طرف بڑھ گیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس پر میرا اعتماد ایک دم متزلزل ہو گیا تھا۔

"یہاں ہر آواز ریکارڈ ہوتی ہے۔" وہ میرے کان کے قریب منہ لا کر سرگوشیانہ لہجے میں اردو میں بولی۔ "میں باہر بھی نہیں نکل سکتی۔ ایک انسٹرومنٹ دے رہی ہوں۔ اسے ہر وقت آن رکھنا، موقع ملتے ہی میں خود تم سے رابطہ قائم کروں گی۔ یہ دو سو کلومیٹر کے دائرے میں کارآمد رہتا ہے بس اتنا دھیان رکھنا۔" اس کا وہ پیغام میرے لیے غیر متوقع اور سنسنی خیز تھا۔

اس نے مجھے سگریٹ کی ڈبیا کے برابر ایک انسٹرومنٹ دیا جو میں نے پُھرتی سے جیب میں ڈال لیا پھر اس انداز میں بولا جیسے اتنی دیر تک خاموشی کے ساتھ اس کی خواب گاہ کے سحر میں ڈوبا رہا ہوں۔ "تم

ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اسے تو سپر خواب گاہ کہنا چاہیے کیونکہ یہاں سپرآئی مین کی بیٹی سوتی ہے اور شاید تنہا سوتی ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہارا باپ کبھی اس بارے میں سوچ سکے۔“

”تم میرے باپ کی طرف سے رقابت کا شکار ہو رہے ہو۔“ ویرا کی آواز میں ترشی پیدا ہو گئی۔ ”کان کھول کر سُن لو کہ میں اس بارے میں اب کوئی بے ہُودہ بات سننا پسند نہیں کرتی، تم چاہو تو واپس جا سکتے ہو۔“

میں نے ایک جھٹکے سے جیف کا بازو تھاما اور ویرا کی خواب گاہ سے نکل کر پُرشور آواز سے دروازہ بند کر دیا۔

”اسکارف کھول لوں؟“ چند قدم چلنے کے بعد جیف خوفزدہ آواز میں منمنایا اور میں نے بے رحمی کے ساتھ وہ اسکارف اس کی آنکھوں سے نیچے کھینچ کر اس کی گردن میں ہار کی طرح چھوڑ دیا۔ میری اصلیت کا اندازہ کر لینے کے بعد جیف بہت خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ شاید میری چیرہ دستیوں کی کہانیاں اس تک خاصے اضافوں کے ساتھ پہنچی تھیں۔

ویرا سے ملاقات کے بعد میرا وہاں رُکنا بے سود تھا بلکہ وہاں وقت ضائع کرنا میرے لیے مہلک ثابت ہو سکتا تھا اس لیے میں نے راستے میں ہی جیف کو ہدایت کی کہ وہ ریمی مارٹن کو چھوڑ کر پائلٹ اور اس کے معاون روینو کو بلالے۔

جیف کسی سدھائے ہوئے کُتّے کی طرح بے چون و چرا شیشے کی دیوار والے کمرے میں داخل ہوا۔ قدموں کی چاپ سُن کر دونوں لڑکیاں چونکیں اور پھر سر جُھکا کر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔ جیف نے ایک سوئچ بورڈ کے سامنے رک کر ایک نمبر دبایا اور میری ہدایت کے مطابق انگریزی میں روینو کو ہدایت کی کہ وہ اپنے ہوا باز کے ساتھ فوراً ہیلی پیڈ پر آ جائے۔

جیف کو ساتھ لیے، میں ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچا تو پائلٹ روینو کے ہمراہ پختہ ہیلی پیڈ پر موجود تھا۔ دروازہ کھول کر وہ دونوں اوپر چلے گئے تو میں نے جیف کو سوار ہونے کی ہدایت کی جس پر وہ بُری طرح خوفزدہ ہو گیا۔

”مم۔۔۔ میں کیا کروں گا؟ مجھے تم کہاں لے جا رہے ہو؟“ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”مارسیلز کی روشنیاں دکھاؤں گا۔“ میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ پھر ڈپٹ کر بولا۔ ”اوپر چلو ورنہ۔۔۔!“ مجھے اپنا جملہ مکمل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ جیف ہڑبڑا کر اوپر جا چکا تھا۔

میرے اوپر پہنچتے ہی انجن بیدار ہوا اور چند منٹ بعد ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو چکا تھا۔ میں نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ جیف اس کے قریب والی نشست پر سکڑا سہما بیٹھا تھا۔

جمی لائیڈ کا نقاب بہت لچکدار اور آرام دہ تھا جس کی باریک بناوٹ میں ہوا کے گزر کا خیال بھی رکھا گیا تھا لیکن نقاب میں اتنا وقت گزارنے کے بعد مجھے امس بہت تنگ تھی۔ اس کی وجہ سے مجھے سگریٹ پیے کافی دیر ہو چکی تھی لہٰذا میں نے آہستگی کے ساتھ وہ نقاب اپنے چہرے سے اتار دیا۔ جیف نے میری اس حرکت کو حیرت کے ساتھ دیکھا تھا۔

”تو تم ہی سارے فساد کی جڑ ہو۔“ میرے خدوخال دیکھ کر وہ خائف لہجے میں بولا۔ ”لیکن نقاب کیوں اتار دی تم نے؟“

”تمہارے دل میں میری صورت دیکھنے کی حسرت نہ رہ جائے۔“ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

وہ خاموش رہا لیکن بار بار میری طرف ایسی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جیسے مجھے کوئی عجوبہ تصور کر رہا ہو۔

میں بظاہر اسے نظر انداز کیے کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر اسے غافل پاکر میں نے بہت احتیاط اور رازداری کے ساتھ اپنی جیب سے بیم گن نکالی اور جیف کو کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر اس کی نال اس کے سینے کے بائیں حصّے پر دل کے مقام پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ نال کا دباؤ محسوس کرتے ہی وہ ذرا سا کسمسایا تھا پھر کوئی آواز نکالے بغیر اپنی نشست میں اسی طرح ساکت ہو گیا۔

ایک لاش کے ساتھ سفر کا احساس خوشگوار نہیں تھا لیکن میری نگاہوں میں شی کا ہر بڑا ایسی ہی بڑی سزا کا مستحق تھا کہ اپنے جذبات کی پروا کیے بغیر مجھے کشت و خون کے لیے تیار رہنا پڑتا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ جیف کی بوڑھی ہڈیوں میں زندگی کی حرارت بہت جلد معدوم ہو جائے گی اور موت کی بے مہر سردی اس کے جوڑوں کو پتھر کی طرح سخت اور بے لچک بنا کر رکھ دے گی لہٰذا میں نے آہستہ آہستہ اس کی وزنی لاش کو نشست سے پائیدان میں اتارا پھر دونوں پیروں سے زور لگا کر اسے آہستہ آہستہ کھلے ہوئے دروازے کے خلا کی طرف دھکیلنے لگا۔

مجھے اعتراف ہے کہ وہ ایک بے مقصد اور وحشیانہ کارروائی تھی لیکن ہیروئن فروشوں کے ساتھ تصادم میں اکثر میری وہی کیفیت ہو جایا کرتی تھی۔ آسمان سے شہر پر لاش ٹپکنے کی خبر کی سرخیاں میرے تصوّر میں مچل رہی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ جیف کا ولدوز انجام شی کے ان گنت لوگوں کو مجھ سے خوفزدہ کر دیتا۔ میں جیف کے سر، دھڑ اور چہرے کی پروا کیے بغیر جوتوں سے اسے دھکیلتا رہا پھر یک بہ یک ہیلی کاپٹر کا توازن قدرے خراب ہوا۔ شاید دو من کے قریب وزن ہلکا ہونے سے رفتار میں بھی قدرے اضافہ ہوا جس پر پائلٹ نے بلند آواز میں جیف کی خیریت دریافت کی۔ روینو بھی چونک کر پیچھے گھوما تھا۔

”خیریت نہیں ہے۔“ میں نے گھبرائی ہوئی، سپاٹ آواز میں کہا۔ ”جیف نیند کی جھونک میں کُھلے ہوئے دروازے سے نیچے گر گیا ہے۔“

دونوں کی تحیّر زدہ چیخیں کیبن میں اُبھریں۔ روینو اپنی نشست چھوڑ کر تیر کی طرح پیچھے آیا اور دروازے سے باہر تاریک دُھند میں دونوں

جھانکنے لگا جیسے جیف فضا میں ٹھہرا اسے الوداع کہنے کا انتظار کر رہا ہوگا۔

تاریک دُھند سے مایوس ہو کر ردنیو میری طرف پلٹا تو مجھے بے نقاب دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ ”ارے! تمہارا نقاب؟“

”وہ بھی گیا،“ میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ ”اتار کر جیف کی جیب میں رکھوایا تھا... آؤ! اب تم یہاں بیٹھ جاؤ۔ جیف کے انجام نے میرا دل خراب کر دیا ہے۔ وہ اتنی تیزی سے گیا کہ میں دیکھتے ہوئے بھی اس کی مدد نہ کر سکا۔“

”وہ تم سے بھاری تھا،“ ردنیو جیف کی خالی نشست سنبھالتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں بولا۔ ”تمہارا توازن خراب ہوتا تو وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ سیکڑوں فٹ نیچے لے جاتا۔ خدا کی پناہ!“ وہ پُھریری لے کر رہ گیا۔

”حیرت یہ ہے کہ اس کی آواز تک نہیں سنائی دی۔“

”بس ہلکی سی ایک چیخ سنائی دی تھی،“ میں نے سادگی سے کہا۔

”وہ بھی انجن کے شور میں دب گئی ہوگی۔“

”مجھے امید ہے کہ وہ اپنی کسی حماقت کی بنا پر سزایاب نہ ہوا ہوگا۔“ ردنیو میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے متجسسانہ لہجے میں بولا۔ ”وہ بہت محتاط طبیعت کا مالک تھا اور ڈسپلن کی سختی سے پابندی کرتا تھا۔“

”ضرور کرتا ہوگا،“ میں نے کہا۔ ”مجھ سے تو اس بے چارے کی یہ پہلی اور آخری ملاقات تھی۔“

”میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم نے نقاب کیوں ہٹا دی؟“ اس نے بے خوفی کے ساتھ وہ چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔ ”تمہاری تو روایت رہی ہے کہ تنظیم میں آج تک کسی نے تمہاری اصلی صورت نہیں دیکھی۔ تم ہمیشہ نقاب میں سامنے آتے ہو۔“

”ٹھیک کہہ رہے ہو،“ میں نے اس کی تائید کی۔ ”یہ سمجھانے کے لیے تمہیں ایک چیز دکھانا ہوگی۔“ بات کرتے ہوئے میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ردنیو پُرتجسس انداز میں کسی نئے انکشاف کا منتظر تھا کہ اس کی توقعات کے برعکس میں نے پھرتی سے بیم گن نکالی اور اس کے بھڑکنے سے قبل ہی موت کی شعاعیں اس کے دل میں سوراخ کر گئیں اور اس کا میری طرف بڑھتا ہوا ہاتھ واپس اسی کی گود میں گر گیا۔ مجھ سے لمحے بھر کی بھی تاخیر ہو جاتی تو اس نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا ہوتا۔ وہ جیف سے زیادہ چالاک اور دلیر تھا۔

جیف کے مقابلے میں وہ دلیر مقتول تھوڑی سی عزت افزائی کا مستحق تھا اس لیے میں نے اسے ٹھوکروں کا نشانہ بنانے کے بجائے بغلوں میں ہاتھ دے کر سیٹ میں سے نکالا اور پھر آہستگی سے باہر سنسناتی ہوئی یخ بستہ ہواؤں کے سپرد کر دیا۔ ایک بار پھر ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ ہیلی کاپٹر کی رفتار میں معمولی سا اضافہ ہوا۔

”پیچھے کیا ہو رہا ہے؟“ اس بار پائلٹ خوفزدہ آواز میں چیخا تھا جیسے اس نے بھی موت کی بُو سونگھ لی ہو۔

”اب ہیلی کاپٹر میں ہم دونوں رہ گئے ہیں۔“ میں نے اس کے قریب جا کر برابر والی نشست سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”ردنیو باہر کا جائزہ لیتے ہوئے پیر پھسل جانے کے باعث باہر گر گیا ہے۔“

”تم جھوٹے اور قاتل ہو۔“ پائلٹ ہذیانی انداز میں چیخ پڑا۔ ”تم نے ان دونوں کو باہر پھینکا ہے۔ کون ہو تم؟ سپر آئی مین کہاں گیا؟“

”سپر آئی مین تمہارے سامنے ہے۔“ میں نے اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ ”لہجہ نیچا اور حواس درست رکھو ورنہ گردن توڑ کر تمہیں بھی نیچے پھینک دوں گا۔ ہیلی کاپٹر اڑانا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔“

اس کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی اور چہرہ تاریک پڑ گیا۔

میں نے اپنی ہوا بازی کا فرضی شوشہ چھوڑ کر اسے یہ جتا دیا تھا کہ پرواز جاری رکھنے کے لیے مجھے اس کے نخرے اُٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسے مار کر بھی میں اپنا سفر جاری رکھ سکتا تھا۔

”کک... کیا... وہ واقعی اتفاقاً باہر گرے ہیں؟“ چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے سہمے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

”وہ میرے وفادار تھے۔ مجھے کیا ضرورت تھی اُنھیں مارنے کی۔“ میں چڑچڑے لہجے میں بولا۔

”سپر آئی مین کبھی بے نقاب نہیں دیکھا گیا مگر تم نے نقاب اتار دیا ہے۔“ وہ آہستہ آہستہ اپنی کھوپڑی پر قابو پاتا جا رہا تھا۔ ”تم پر شبہ کرنے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے۔ آخر تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟“

”بطخ کے انڈوں سے ہاتھی پیدا کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے جھلا کر کہا۔ ”تم اپنے کام سے کام رکھو۔“ پھر چونک کر سوال کیا۔ ”یہ تو بتاؤ کہ تم ہیلی کاپٹر کدھر لے جا رہے ہو؟ روانگی سے پہلے جیف نے تمہیں نئی منزل کے بارے میں کیا ہدایت دی تھی؟“

”مجھے بس وہاں سے پرواز کا حکم ملا تھا۔ اس وقت ہم جنوب

میں سمندر پر پرواز کر رہے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ دونوں سیدھے سمندر میں گئے ہوں گے؟" میں نے اپنے دل میں مایوسی کی لہر دوڑتی محسوس کی کیونکہ اس طرح شہر میں لاشوں کی برسات والی اخباری سرخیاں درہم برہم ہو کر رہ جاتی تھیں۔

"جیف تو یقیناً بازار میں گرا ہوگا۔ رونیو کے بارے میں میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ ساحل پر گر کر مرا ہوگا یا پانی میں ڈوبا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ ان دونوں کے ساتھ جو بھی صورتِ حال پیش آئی ہو وہ زندہ نہیں بچے ہوں گے۔ اس وقت ہم سطحِ سمندر سے تین ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہے ہیں۔ اتنی بلندی سے گرنے والا کنکر بھی ٹنوں کی اسراعی قوت کے ساتھ زمین سے ٹکراتا ہے۔"

"ہیلی کاپٹر شہر کی طرف موڑ لو۔" میں نے سمندر پر پرواز کی خبر سن کر اسے ہدایت کی۔ "اور مارسیلز سے باہر باہر پرواز کرتے ہوئے سینٹ فرانسس کے علاقے کی طرف نکل چلو۔"

"پرمٹ کے بغیر نچلی پرواز کے لیے وہ علاقہ بہت خطرناک ہے۔" وہ ہیلی کاپٹر کا رُخ موڑتے ہوئے بولا۔ "بل سارا ہاؤز سے ملحقہ زمینوں پر کافی اندر ایک اسٹیشن ہے۔ وہاں کے محافظ اپنی فضائی حدود میں آنے والے پرندوں تک کو مار گراتے ہیں۔ ان کی طرف سے پرمٹ اور کلیئرنس ملے بغیر ادھر کا رُخ کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"ہم بل سارا ہاؤز کے قریب اتر سکتے ہیں۔ تمھیں تو ذرا سی مسطح زمین ہی درکار ہوگی۔" میں نے کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔ بل سارا ہاؤز اور اس سے ملحقہ ساری اراضی جیف ڈارلنگٹن کی ملکیت ہے۔ اسٹیشن والوں کو بل سارا ہاؤز میں مداخلت کی اطلاع ملی تو وہ بھیڑیوں کی طرح ادھر لپک پڑیں گے۔ مجھے کھل کر بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو۔ پوری صورتِ حال سے واقف ہو کر شاید میں تمھیں کوئی مناسب مشورہ دے سکوں۔" پائلٹ کے لہجے میں پہلی بار اعتماد پیدا ہوا تھا۔

سلطان شاہ مارا جا چکا تھا، غزالہ کراچی پہنچ چکی تھی، ویرا اپنے باپ سے ملنے کے بعد نہ جانے کن چکروں میں پڑی ہوئی تھی۔ جمی لائیڈ لاپتا تھا اس لیے فوری طور پر میرے پاس کوئی کام باقی نہیں رہا تھا اور اس بے کاری میں اچانک ہی میرے ذہن میں بل سارا ہاؤز نے سر ابھارا تھا۔ وہ شی والوں کی ایک ایسی عمارت تھی جہاں قید ہونے کے باوجود میں اس عمارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔ میرے ہاتھوں وہاں شی کے کئی افراد ہلاک اور زخمی ہوئے تھے لیکن عمارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شہر میرے لیے خطرناک ہو چکا تھا اس لیے کیوں نہ اس ویرانے میں شب گزاری کے ساتھ بل سارا ہاؤز کی بنیادیں ہلانے کی راہ نکالی جائے اور آخر کار مجھے ایک تجویز سوجھ ہی گئی جو ہر اعتبار سے قابلِ عمل تھی بشرطیکہ جمی لائیڈ بہ ذات خود ادھر آ کر میرا کھیل نہ بگاڑ دیتا۔

"تم ہیلی کاپٹر بل سارا ہاؤز کی سپاٹ چھت پر اتار لینا۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔ "اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"بلا اجازت لینڈنگ پر وہ مجھے ذبح کر ڈالیں گے۔" اس نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

"جو کچھ ہونا ہے، میرے ساتھ بھی ہوگا۔ میں تمھیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا — اور ہاں، یہ بتا دوں کہ سُپر آئی مین میں ہی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنے چہرے پر ایک بار پھر نقاب چڑھا لیا۔"

"ایک بار نقاب اتارنے کے بعد میرے لیے اس کی اہمیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر بے خوفی کے ساتھ کہا۔ "ویسے بھی ہر نقاب پوش سُپر آئی مین نہیں ہو سکتا۔ اس کے کچھ اور بھی لوازم ہیں۔"

"وہ بھی دیکھ لو۔" میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر دو سلور آئیز اس کی طرف بڑھا دیں۔

اس نے دونوں سکّوں کا جائزہ لے کر تفہیمی انداز میں سر ہلایا اور بولا۔ "اب بات سمجھ میں آ رہی ہے۔"

"جو کچھ سمجھے ہو، وہ مجھے بھی سمجھا دو تو زیادہ بہتر ہوگا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کم از کم یہ تو طے ہو گیا کہ تم ہم ہی میں سے ہو لیکن تمھارا آئی مین ہونا اب بھی مشکوک ہے۔"

"تم بہت ہٹ دھرم معلوم ہوتے ہو۔ نقاب کے ساتھ دو سکّے بھی تمھارے اطمینان کے لیے ناکافی ہیں؟"

"بالکل۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "اس لیے کہ ایک سلور آئی سادہ ہے اور دوسری چین سے منسلک ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں جیف ڈارلنگٹن کی ہلاکت کا سبب جان چکا ہوں۔ اسے تم نے دانستہ راستے سے ہٹایا ہے۔"

"مگر کس لیے؟" میں نے انجان بنتے ہوئے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔ وہ مردود بالکل صحیح راہ پر چل رہا تھا۔

"سب کو معلوم ہے کہ جیف ڈارلنگٹن سلور آئی سونے کی چین کے ساتھ اپنے گلے میں پہنے رہتا تھا۔ تم خشک برساتی نالے میں ہم سے ٹکرائے تو تم نے رونیو اور ریمی مارٹن کو ایک سکّہ دکھا کر کسی باغی آئی مین کی فرضی کہانی سنائی جب کہ باغی آئی مین تم خود تھے اور سُپر آئی مین بننے کے لیے تمھیں دوسری سلور آئی کی ضرورت تھی۔ تم نے کسی ترکیب سے جیف کے گلے سے سلور آئی حاصل کی اور پھر خاموشی کے ساتھ اسے ٹھکانے لگا دیا تاکہ وہ تمھاری بدنیتی کا راز افشا نہ کر سکے۔"

"پھر اس آدمی کو کس خانے میں فٹ کرو گے جو ندی میں ایک بار نظر آنے کے بعد چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا تھا؟"

ہوسکتا ہے کہ وہی اصلی سُپر آئی مین رہا ہو اور اس نے تم سے
وانے کے لیے ہماری مدد طلب کی ہو لیکن تم نے اسے بھا گنے
رکے ہیلی کاپٹر پر قبضہ کر لیا۔"
غنیمت ہے کہ تم مجھے سُپر آئی مین نہ سہی، آئی مین تو تسلیم کر رہے

ں اس کے باوجود میرے ساتھ تمھارے مخاصمانہ رویّے میں کوئی
نہیں آیا ہے۔ میں اسی ایک نکتے پر تمھیں سزا دینے کا اختیار رکھتا ہوں۔"
سزا کیسی؟ تم چاہو تو مجھے بھی جیف ڈارلنگٹن کی طرح ہلاک کر سکتے

ونکہ اس وقت تمھیں مجھ پر بالادستی حاصل ہے۔" گفتگو آگے بڑھنے
اتھ ساتھ اس کے لب و لہجے میں بے خوفی پیدا ہوتی جا رہی تھی
ی نظروں میں تم آئی مین ضرور ہو مگر تنظیم کے اصولوں سے بغاوت

ر اپنا بھرم کھو چکے ہو۔ اس رائے کے باوجود میں تمھارا حکم ماننے
بور ہوں۔"
"تمھارے مفروضوں سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ
نظریات کا اظہار کر کے تم نے میرے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا قوی امکا

ار لیا ہے۔ مجھے اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔"
"اپنی زندگی کی طرف سے خطرہ میں نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا
ب میں نے تمھیں بے نقاب دیکھا تھا۔ اس لمحے تک مجھے تمھاری

ت پر شبہ نہیں ہوا تھا لیکن میں نے سمجھ لیا تھا کہ تم نے نقاب پہنے
ے کی روایت میرے سامنے اس لیے توڑی تھی کہ تم مجھے بھی مارنے
صلہ کر چکے تھے۔ اگر کوئی قریب المرگ شخص تمھاری اصل صورت

ھ لے تو تم پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
"تم سب کچھ سمجھ گئے ہو تو چلو یوں ہی سہی لیکن تم میرے ساتھ
ون کرنے پر مجبور ہو!"

"قطعی نہیں!" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "مجھے جب مرنا ہی ہے
ں تمھیں بھی ساتھ لے کر مروں۔ میں ہیلی کاپٹر کو کہیں بھی کریش

سکتا ہوں۔ تم مجھے نہیں روک سکو گے۔"
"میں نے تمھیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہوا بازی میں مجھے بھی دسترس
ہے....!" میرا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اس نے اچانک ہذیانی

سی ہنسنا شروع کر دیا تھا اور میں حیرت سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔
"میرا دعویٰ ہے کہ تم ہوا بازی کی ابجد بھی نہیں جانتے۔" ہنسی کا
ختم ہونے پر وہ زہریلے لہجے میں بولا۔ "تمھارے اس نشست
سنبھالنے کے بعد میں نے کئی بار ہیلی کاپٹر کو دانستہ غوطے دیے ہیں۔
ر ہوتے تو فوراً ہی میری حرکت پکڑ لیتے لیکن ان شدید جھٹکوں

کو ہوا کے دباؤ میں کمی کا نتیجہ سمجھ کر تم ایک اناڑی کی طرح بالکل خاموش رہے۔ میں غلط کہہ رہا ہوں تو آؤ! ابھی میری جگہ سنبھال کر دکھاؤ۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ابھی الگ ہو جائے گا۔"

"موت اتنی آسان نہیں ہوتی۔" میں نے اس کی بات ٹالتے ہوئے اس کے ذہن پر چھایا ہوا خوف کم کرنے کے لیے کہا۔ "جیف ڈارلنگٹن کے مارے جانے کی ایک وجہ تھی۔ وہ سلور آئی سے محروم ہو کر ہرگز خاموش نہ رہتا لیکن تم میری ہدایات پر عمل کر کے زندہ رہ سکتے ہو۔ بلاسبب خونریزی سے میں عام طور پر پرہیز ہی کرتا ہوں۔"

"اور رونو کا کیا قصور تھا؟" اس نے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھ کر سوال کیا۔

"وہ جیف کا کٹر حمایتی تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ جیف اتفاقاً ہیلی کاپٹر سے نہیں گرا تھا۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میری ہمدردیاں جیف کے ساتھ نہ ہی ہوں گی۔ میں برسوں سے اس کی ماتحتی میں کام کرتا چلا آ رہا ہوں۔ وہ ہر معیار سے تم سے بہتر آئی مین تھا۔ اپنے آدمیوں کی ضروریات کا خود خیال رکھتا تھا۔" وہ میری طرف سے غیر مطمئن تھا۔

"میں نے اپنی رائے اور فیصلے سے تمھیں آگاہ کر دیا۔ اب انتخاب کرنا تمھارا کام ہے۔" میں نے اس کی بحث سے زچ ہو کر کہا۔

"سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم زمین پر کسی کھلے میدان میں نہیں ہیں۔" وہ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بولا۔ "فضا میں پرواز کرتے ہوئے میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایک بار تمھیں آزمایا جائے۔ ہیلی کاپٹر کو کریش کرنے کے بجائے میں مردانہ وار تم سے مقابلہ کر کے خود کو بچانے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ تم مجھے اپنا آسان شکار نہیں بنا سکو گے۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" میں نے اطمینان کے ساتھ کہا۔ "مرنے والوں کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کر لینا کسی بھی لحاظ سے عقل مندی نہیں ہے۔ تم کو میرے رویّے سے مایوسی نہیں ہوگی۔"

"ہم بل سارا ہاؤز کی طرف جا رہے ہیں۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد اس نے معالمانہ لہجے میں کہا۔

"گڈ! اور ہمیں اس عمارت کی چھت پر لینڈ کرنا ہے۔" میں نے ستائشی لہجے میں اسے یاد دلایا۔

اس کے بعد خاموشی کے ساتھ ہمارا سفر جاری رہا۔ میں اپنے

خیالات میں کھویا سگریٹیں پھونکتا رہا اور وہ باہر کے خراب موسم کے پیشِ نظر اپنی تمام تر توجہ ہیلی کاپٹر کے آلات پر مرکوز کیے رہا۔

اپنے فوری نوعیت کے مسائل سے فارغ ہوتے ہی میرا ذہن ویرا کی ذات میں الجھ گیا۔ اس نے اپنے اضطراری ردِّعمل سے یہ تو ظاہر کر دیا تھا کہ میرے لیے اس کے دل کے نہاں خانوں میں بہتیرے نرم گوشے موجود تھے اور غزالہ سے میری رفاقت سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود بھی وہ مجھ سے دل برداشتہ نہیں ہوئی تھی۔ اپنی اس کیفیت کے اظہار کے لیے اس نے جیف کی موجودگی کی بھی پروا نہیں کی تھی لیکن جمی لائیڈ کے بارے میں اس کا رویّہ بے حد حیرت انگیز ثابت ہوا تھا۔

بظاہر ویرا وہاں قید نہیں تھی۔ اسے جمی لائیڈ کی بیٹی کی حیثیت سے ساری مراعات حاصل تھیں پھر یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ وہ میرے ساتھ اس عمارت سے باہر کیوں نہیں نکل سکتی تھی؟

اس کی گفتگو سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جمی لائیڈ نے اس کے ساتھ بہت زیادہ مہربانی اور شفقت کا سلوک کیا تھا جس کے نتیجے میں ویرا کے اندر سوئی ہوئی بیٹی جاگ اٹھی تھی۔ بچپن اور لڑکپن کے سارے مراحل بے لگام انداز میں طے کر لینے کے بعد اچانک ہی اسے اپنا کھویا ہوا باپ مل گیا تھا اور ویرا نے ذہنی طور پر خود کو اس کی تحویل میں دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

بات وہیں تک رہتی اور ویرا میرے کان میں سرگوشیاں کیے بغیر مجھے لوٹا دیتی تو مجھے کوئی خلش نہ ہوتی لیکن ایک طرف وہ رضاکارانہ طور پر جمی لائیڈ کا دم بھرتی نظر آئی تو دوسری طرف اس نے مجھے خفیہ رابطے کی بھی یقین دہانی کرائی تھی۔

وہ خیال آتے ہی میں نے اپنی جیب سے ویرا کا دیا ہوا آپریٹس نکال کر اس کا سوئچ آن کیا اور اسے دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس لیے کہ ویرا کسی وقت بھی مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر سکتی تھی۔ وہ آپریٹس جیب میں ڈال کر میں نے جمی لائیڈ سے چھینا ہوا ٹرانسمیٹر نکال کر آن کر لیا۔ اس آلے پر اس وقت سکوت طاری تھا۔

میں چند ثانیوں تک وہ ٹرانسمیٹر ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا پھر مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ جمی لائیڈ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے اس طرح یہ بھی معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچنے میں کامیاب ہو سکا تھا یا بدستور مارسیلز کے ویران گوشوں میں قانون کے محافظوں اور مجھ جیسے دشمن سے چھپتا پھر رہا تھا۔

میں نے ٹرانسمیٹر آن کر کے اس کا کال بٹن دبایا اور جمی لائیڈ کے لیے پیغام نشر کر دیا۔ اس پیغام میں میں نے اپنے لیے ایک خیر خواہ کا لقب استعمال کیا تھا۔ خلافِ توقع چند ثانیوں بعد ہی ٹرانسمیٹر پر کسی لڑکی کی دلکش آواز ابھری جو میری مزید شناخت مانگ رہی تھی۔

”خیر خواہوں کا کوئی نام نہیں ہوتا بے بی!“ میں نے جواب میں کہا۔ ”سپر آئی مین موجود ہے تو وہ مجھے اسی حوالے سے پہچان سکے گا۔ اوور!“ میں نے بات کرتے ہوئے نوٹ کیا کہ پائلٹ ہمہ تن گوش ہو کر متوجہ ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کے ٹھیک ٹھیک انداز سے واقف ہونے کے بعد میں نے اس کے سامنے سپر آئی مین کا ڈھونگ رچائے رکھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اس وقت مجھ سے خائف ہو کر میرے احکام پر آمادہ تھا اور اس کے تیوروں میں سرکشی برائے نام ہی باقی رہ گئی تھی۔

”ہولڈ آن۔“ لڑکی نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر پر سکوت چھا گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ میری کال کا جواب اسی عمارت سے دیا گیا تھا جہاں ویرا قید تھی اور شیشے کی دیوار والے ایک کمرے میں مواصلاتی مرکز بنا ہوا تھا۔

”میں اپنے خیر خواہ سے مخاطب ہوں!“ چند ثانیوں بعد جمی لائیڈ کی بھاری اور خواب ناک آواز ٹرانسمیٹر پر ابھری۔ اسے سن کر یہ اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ زندگی اور موت کی جاں گسل جدّوجہد سے گزر رہا تھا۔ اس کی آواز میں ابدی سکون اور اطمینان پایا جاتا تھا جو ہمیشہ سے اس کی مشینی آواز کا خاصہ رہا تھا اور اس کی شناخت بن گیا تھا۔

”اور یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہے۔ اوور!“ جمی لائیڈ نے اپنا فقرہ انگریزی میں مکمل کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ آپریٹس پر میری موجودگی کا اندازہ لگا چکا تھا ورنہ اصولاً اسے فرنچ ہی بولنی چاہیے تھی۔

”صرف تمھاری خیریت درکار تھی۔“ میں نے اشارہ ملنے پر کہا۔ ”آج تمھارے ستارے یاور تھے کہ تم بچ گئے۔ اگلی ملاقات تمھارے حق میں مہلک ثابت ہوگی۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں جو بات سوچ لیتا ہوں وہ ہر حال میں کر گزرتا ہوں ... اوور!“

”اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔ غالباً ایسی گفتگو کر کے تم اپنے ساتھ موجود جیف اور اس کے ساتھیوں کو مرعوب کرنا چاہ رہے ہو ... اوور!“

”میرے ساتھ صرف تمھارا پائلٹ رہ گیا ہے۔ جیف اور روبنز کی لاشیں تمھیں مارسیلز کی ساحلی آبادیوں سے اٹھوانا ہوں گی۔ ان کا وہی حشر ہوا ہو گا جو مرسڈیز میں تم نے میرے دھوکے میں بردونواشن کا کیا تھا۔ اوور!“

”اوہ!“ اس کی ہلکی سی اضطراری غراہٹ سنائی دی مگر اس کے بعد وہ دوبارہ پُرسکون ہو گیا۔ ”تمھارے جرائم کی فہرست دن بہ دن طول پکڑتی جا رہی ہے مگر اب تمھارا خاتمہ قریب ہے۔ میرا اندازہ غلط نہیں تو اس وقت تم مارسیلز کے جنوب میں سمندر پر پرواز کر رہے

۔ اوور!"

جیف [illegible] ینو کے بارے میں میری دی ہوئی اطلاع سے نے وہی نتیجہ اخذ کیا تھا جو میں چاہ رہا تھا مگر میں نے فوراً ہی جینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرے بارے میں اب تک تمہارے ے اندازے غلط ثابت ہوتے آئے ہیں۔ کوشش کر کے دیکھ شاید سمندر کی فضا میں کہیں میرا آسیب تم کو مل ہی جائے۔ اچھا ہے آج کی رات فیصلہ ہو جائے کہ ہم میں سے کون زندہ رہے گا۔ اوور!"

"میں بے مقصد گفتگو میں وقت ضائع نہیں کر سکتا۔" اس کی آواز ابھری۔ "شاید تم یہ جاننا چاہ رہے تھے کہ میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا ہوں یا نہیں۔ اس لیے اب یہ سلسلہ منقطع ہو جانا چاہیے۔ اوور!"

"تم نے بڑی [illegible] سے ویرا کی برین واشنگ کی ہے لیکن کان کھول کر سن لو کہ میں [illegible] وقت اسے تمہاری تحویل سے نکال لے جاؤں گا۔ اوور!" میں نے دانستہ اسے چھیڑتے بلکہ سلگانے کی نیت سے کہا۔

"اس نے اپنی مرضی سے فیصلہ کیا ہے۔ میں خود کو اس پر مسلط نہیں کروں گا۔ اوور!"

"تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ مجھے دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہے۔ اوور!"

"چاہا کرے۔ وہ کسی لنگڑے لولے محتاج کو بھی چاہ سکتی ہے۔ اس کی فطرت میں رحم کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ اسی سے محبت کر سکتی ہے جس پر رحم کر سکے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری ظاہری شخصیت میں بھی ویرا کی [illegible] دل کو [illegible] نے والی کوئی شرمناک کمزوری پوشیدہ ہو۔ ایسا ہوا تو میں اس کا راستہ نہیں روکوں گا۔ اور ہاں! شاید تم نے پائلٹ کو بھی آخر کار مارنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ اوور!"

"تم اسے اکسانے کی کوشش نہ کرو۔ اس کی وفاداریاں اب میرے ساتھ ہیں۔ اوور!" میں نے پائلٹ کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کا جائزہ لیتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔

"میری اور تمہاری بات مختلف ہے لیکن پائلٹ ہماری گفتگو سن کر زندہ رہے گا تو میں مزید بات نہیں کر سکتا۔ اوور!" اس کی آواز میں ایک بیک اکتاہٹ اور بیزاری عود کر آئی جیسے وہ واقعی پائلٹ کی موت کا خواہاں ہو۔

"تم نے گیسٹ ہاؤس میں میرے ساتھی کو مار دیا اس لیے میں نے تمہارے پائلٹ کو اب اپنا داہنا بازو بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اوور!" میں نے پائلٹ کے دل میں پیدا ہونے والا خوف دور کرنے کی نیت سے کہا۔

"کاش میں اسے مار سکا ہوتا!" جمی لائیڈ کے سنسنی خیز جواب [illegible] خون اچانک تیز ہو گیا۔ "وہ کسی وحشی سانڈ کی طرح [illegible] مجھ پر فائر نہ جھونک مارتا تو میں اسے بڑی نرمی سے اپنا مہمان بناتا۔ نشانہ خطا ہونے پر میں اس کی طرف لپکا تو اس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔ وہ میرے ہاتھوں سے ضرور بچ گیا لیکن آگ کے شعلے ضرور اسے چاٹ گئے ہوں گے۔ اوور!"

میرے لیے وہ اس دن کی سب سے بڑی خبر تھی۔ جمی لائیڈ کو اس بارے میں مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس لیے سلطان شاہ کے بارے میں اس کی دی ہوئی اطلاع مستند تھی۔ میں اپنے جس عزیز دوست کو مردہ سمجھ کر اس کا ماتم کر چکا تھا وہ زندہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان شاہ اتنا احمق نہیں رہا ہو گا کہ تیزی سے پھیلتی ہوئی آگ کا خطرہ بھانپ لینے کے باوجود اسی کمرے میں محبوس رہا ہو جہاں اس نے جمی لائیڈ سے بچنے کے لیے پناہ لی تھی۔

اس خبر پر میرے وجود میں ایک نیا جوش اور ولولہ انگڑائیاں لینے لگا۔ اس وقت پورے مارسیلز میں جمی لائیڈ ہی سلطان شاہ کے بارے میں سب سے زیادہ مستند خبر دے سکتا تھا۔ گو وہ سلطان شاہ کے زندہ بچ رہنے کے بارے میں پر امید نہیں تھا لیکن میں جانتا تھا کہ جمی لائیڈ کو ناکام بنانے کے بعد اس نے موت کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا ہو گا۔

"میرے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ تم ناکام رہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسے کھو کر میں فی الحال اکیلا رہ گیا ہوں اور میں نے تمہارے پائلٹ کو اپنا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے کیونکہ یہ دلیر ہی نہیں ذہین بھی ہے۔ اوور!"

"نہیں۔ تم میرے بارے میں ایسا کوئی یک طرفہ فیصلہ نہیں کر سکتے۔" ٹرانسمیٹر کے بٹن سے انگلی ہٹتے ہی پائلٹ الجھن آمیز لہجے میں بول پڑا۔ "ساتھی زبردستی نہیں بنائے جاتے۔ میں شی کے فراہم کیے ہوئے بھرپور تحفظ کے سائے میں زندگی گزارنے کا عادی ہوں جب کہ تم مجھے کوئی تحفظ فراہم نہیں کر سکتے۔ تم تو خود اپنی جان بچاتے پھر رہے ہو مجھے شی کے چنگل سے کیسے بچا سکو گے؟"

ٹرانسمیٹر پر جمی لائیڈ کی تلخ اور استہزائیہ ہنسی ابھری۔ "پہلے اس کی رائے معلوم کر لو۔ جو لوگ ایک بار شی سے وابستہ ہو جاتے ہیں ان پر باہر کی دنیا کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ عمر بھر شی میں رہتے ہیں یا کہیں بھی نہیں رہتے۔ جہنم میں پہنچا دیے جاتے ہیں۔ گیلوانی ابھی جوان ہے۔ وہ اتنی جلدی دنیا سے کوچ کرنے کی تیاری نہیں کر سکتا۔ وہ چاہے تو اس وقت بھی صرف ایک بٹن دبا کر پیراشوٹ سمیت لمحہ بھر میں باہر کود سکتا ہے اور تم اکیلے فضا میں پرواز کرتے رہ جاؤ گے۔ ایندھن ختم ہونے کے بعد تمہارا جو انجام ہو گا اس کا سہرا گیلوانی کے سر ہی بندھے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت بھی میری آواز سن رہا ہو... اوور!"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ خاموشی سے گیلوانی کو گھورتا

رہا جس کی پیشانی پر اعصابی تناؤ کے باعث پسینے کی بوندیں نمودار ہو چکی تھیں۔ اس نے مجھے اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھا تو اضطراری طور پر بول پڑا۔ ”وہ تم سے گفتگو نہیں تھی بلکہ میرے لیے حکم تھا لیکن میں نہ تمھاری پیشکش قبول کر سکتا ہوں' نہ اس ہدایت پر عمل کر سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مسلح ہو اور میرے حرکت کرتے ہی مجھے گولی مارنے سے بھی دریغ نہیں کرو گے۔ میں صبر اور قناعت کے ساتھ کسی بہتر موقع کا انتظار کر سکتا ہوں۔“

”کیا بات ہے؟ جواب نہیں دیا تم نے؟ اوور!“ چند ثانیوں کے انتظار کے بعد دوبارہ جمی لائیڈ کی آواز سنائی دی۔

”میں پیچھے بیٹھ کر تم سے بات کر رہا تھا۔“ میں نے کہا۔ ”تم نے ایک امکان کی نشان دہی کی تو اب اگلی نشست پر آ گیا ہوں۔ وہ سب میرے مسائل ہیں۔ تمھیں ان سے کوئی غرض نہ ہونی چاہیے اوور۔“

”اتفاقاً یہ ٹرانسمیٹر تمھارے قبضے میں آ گیا ہے تو جب چاہو مجھ سے بات کر سکتے ہو۔ شاید آنے والے چند گھنٹوں میں تم اپنی ہٹ دھرمی سے باز آنے کا فیصلہ کر لو۔ بصورتِ دیگر میں تمھارے خلاف بہت بڑا آپریشن شروع کرا دوں گا۔ اوور!“

”نہ میں تمھارا پابند ہوں نہ تم میرے ماتحت۔ وقت خود فیصلہ کر دے گا کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔ اوور اینڈ آل!“ میں نے بات پوری کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں باتوں ہی باتوں میں جمی لائیڈ گیلوانی کو بھڑکانے میں کامیاب نہ ہو جائے۔

”اب بات واضح ہوتی جا رہی ہے۔“ چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد گیلوانی بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ کسی زمانے میں تم ہم میں سے رہے ہو لیکن اب باہر کے آدمی ہو۔ ایک سلور آئی تو تم نے جیف سے حاصل کر لی مگر دوسری سلور آئی تمھارے پاس کہاں سے آئی؟ یہ معمّا میری سمجھ سے باہر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم وہی ڈینی ہو جسے پچھلے دنوں ہمارے آدمی تلاش کرتے رہے ہیں۔“

”اب تم صحیح لائن پر آئے ہو۔“ میں نے اس سے گھماؤ پھراؤ کو بے سود سمجھتے ہوئے کہا۔ ”میں ڈینی ہی ہوں۔ اتنا جانتے ہو تو تمھیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ شی کے لیے میرا نام دن بہ دن ایک بڑے مسئلے کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔“

”میں جانتا ہوں لیکن شی سے بغاوت پھر بھی نہ کر سکوں گا۔ باس ٹھیک کہہ رہا تھا کہ میں ابھی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“

وہ اپنی جگہ اٹل تھا اور میں اس کے بارے میں اپنے ذہن میں ایک نقشہ جما چکا تھا اس لیے میں نے اس پر مزید توانائی ضائع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اِدھر اُدھر کی گفتگو کرتے ہوئے ہمارا سفر جاری رہا۔

کچھ دیر بعد اس نے خوش خبری سنائی کہ سینٹ فرانسس کے علاقے میں دھند بہت ہلکی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم کوئی خطرہ مول لیے بغیر بل سارا ہاؤز کی چھت پر لینڈ کر سکتے تھے۔ دھند گہری ہوتی تو ہماری وہ کوشش کسی حادثے کا شکار بھی ہو سکتی تھی۔

فضا میں پرواز کرتے ہوئے جب ہیلی کاپٹر کی بلندی کم ہوئی تو تاریکی میں میں کچھ بھی نہ پہچان سکا لیکن چند ہی ثانیوں بعد ہیلی کاپٹر ایک تاریک عمارت کی چھت پر نیچا ہونا شروع ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہم منزلِ مقصود پر پہنچ چکے تھے۔

یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ جمی لائیڈ بل سارا ہاؤز میں نہیں تھا لیکن عمارت اور احاطے میں روشنیوں کے انعکاس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ عمارت غیر آباد نہیں تھی۔ میرے پچھلے معرکے میں بل سارا ہاؤز کے کچھ مکین میرے ہاتھوں مارے گئے تھے جو زندہ بچے تھے ان کے بارے میں مجھے شبہ تھا کہ ہمارے فرار میں ان کو غفلت کا مرتکب ٹھہرا کر جمی لائیڈ نے ٹھکانے نہ لگا دیا ہو۔ اس جیسے منتقم اور سرد مزاج شخص سے کسی بھی وقت ایسے بھیانک اقدامات کی توقع کی جا سکتی تھی۔

گیلوانی کو خود اپنے لوگوں سے کسی بد ترین اضطراری ردِعمل کا خدشہ تھا اس لیے وہ خود بہت محتاط تھا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کے چھت سے لگتے ہی انجن بند کر دیا اور گرجتی چنگھاڑتی فضا میں یک لخت سنّاٹا چھا گیا جو غیر فطری محسوس ہو رہا تھا۔

گیلوانی اپنے ساتھیوں کی فکر میں پڑ کر مجھے بالکل بھولا ہوا تھا لیکن مجھے اس کے بارے میں اپنا منصوبہ اچھی طرح یاد تھا۔ بل سارا ہاؤز میں پیش آنے والی کسی بھی ہنگامی صورتِ حال کی وجہ سے میں اس سے نہتا ہونے کا مطالبہ نہیں کر سکتا تھا اور اس کے پاس اسلحے کی موجودگی کسی بھی لمحے میرے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی کیونکہ وہ واشگاف الفاظ میں شی سے اپنی وفاداری کا اظہار کر چکا تھا۔ ان حالات میں میرے لیے بہت زیادہ راستے نہیں رہ گئے تھے۔ یا تو اپنی جان کا خطرہ مول لے کر اسے کسی مناسب وقت کے لیے زندہ رکھتا یا فوراً ہلاک کر دیتا۔

انجن بند کر کے وہ ہیلی کاپٹر سے اترنے کی تیاری کر رہا تھا کہ میں نے اس کو ہوشیار ہونے کا موقع دیے بغیر بیم گن کی مہلک نیلی شعاع اس کی کھوپڑی کے عقبی حصے میں گزار دی کیونکہ میری معلومات کے مطابق انسانی ذہن کے حساس ترین حصے اسی سمت میں پائے جا سکتے ہیں۔ لمحہ بھر کے لیے گیلوانی کا جوان جسم انتہائی پُرہیبت اور غیر انسانی انداز میں اکڑا۔ موت کے کرب میں ڈوبی ہوئی اس کی آنکھیں میری طرف اٹھیں اور پھر وہ ایک بھیانک آواز کے ساتھ منہ کے بل ہیلی کاپٹر کے انسٹرومنٹ پینل پہ گر گیا۔

میں اس کا انجام دیکھنے کے لیے نہیں ٹھہرا۔ مجھے پورا یقین

تھا کہ بیم گن اپنا کام دکھا چکی تھی۔ وہ مر چکا تھا یا مرنے ہی والا تھا۔ نصف گھنٹے کی قلیل سی مدت میں وہ شی کا تیسرا موذی اہل کار تھا جو میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوا تھا مگر جمی لائیڈ پھر بھی میری دسترس سے باہر تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میرے ہاتھوں اپنے آدمیوں کے خون کی بھینٹ لے رہا تھا اور ان کی ایک مقررہ تعداد پوری ہونے سے پہلے ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔

ہیلی کاپٹر سے پختہ چھت پر اترتے ہی سب سے پہلے میں نے اوپر آنے والے زینے تلاش کیے جن کے اختتام پر اوپر کوئی دروازہ وغیرہ نہیں لگایا گیا تھا۔ زینے بالکل تاریک اور سنسان پڑے ہوئے تھے۔

زینوں پر نگاہ رکھتے ہوئے میں نے دیوار کے عقب میں جھانک کر ایک ایسے مقام کا تعین کیا جہاں سے میں ضرورت پڑنے پر پختہ چھجے پر کود کر زینوں کا رخ کیے بغیر چھت سے فرار ہو سکتا تھا اور پھر بیم گن سنبھال کر اندھیرے میں وہیں دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ وقت دھیمے دھیمے رینگتا رہا۔ چھت پر موجود ہیلی کاپٹر کا وسیع و عریض ڈھانچا ماحول کو گمبھیر بنا رہا تھا لیکن میرے لیے سب سے زیادہ تشویش کی بات یہ تھی کہ بل سارا ہاؤز پر ہیلی کاپٹر لینڈ کرنے کے باوجود عمارت میں یا اس کے گرد و پیش میں نہ کوئی آہٹ پیدا ہوئی تھی اور نہ ہی کسی اور ردِعمل کے کوئی آثار نظر آئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے عمارت ویران پڑی ہو یا پھر اس کے سارے مکین افیم کھا کر گہری نیند سو رہے ہوں۔ میرے لیے وہ دونوں ہی امکانات ناقابلِ قبول تھے۔

جان لی بگ کے ہمراہ ادھر آ کر میں نہ صرف وہاں زندگی کے جملہ آثار دیکھ چکا تھا بلکہ وہاں مسلح محافظوں کا بندوبست بھی بھگت چکا تھا اس وجہ سے وہ خاموشی مجھے بہت بھیانک محسوس ہو رہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے اوپر اعصابی تناؤ طاری ہوتا جا رہا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ گزر جانے کے بعد میں پوری احتیاط کے ساتھ زینوں کی طرف بڑھا۔ ہر طرف اتھاہ سناٹے کی حکمرانی تھی۔ چند ثانیوں تک اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے بعد میں دھڑکتے دل کے ساتھ زینوں پر اترا اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے آخر کار نیچے پہنچ ہی گیا جہاں عمارت میں پھیلی ہوئی روشنی کے انعکاس نے نچلے زینوں کو بھی روشن کیا ہوا تھا۔

کسی ذی روح کا سامنا کیے بغیر نیچے پہنچ جانے کے بعد مجھے یقین سا ہونے لگا کہ بعض نامعلوم وجوہ کی بناء پر عمارت خالی کر دی گئی تھی۔ رفتہ رفتہ میں نے پوری عمارت کا جائزہ لے ڈالا لیکن کہیں متنفس نہ مل سکا لیکن آخر میں کچن میں گھستے ہی مجھے ایک شدید ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔ وہاں فرش پر چار لاشیں پڑی ہوئی تھیں جن میں سے ہر ایک کی پیشانی کے وسط میں پستول کی گولی کا سوراخ موجود تھا۔ لاشیں کافی پرانی تھیں کیونکہ زخموں سے چہرے اور پھر فرش پر بہنے والا خون خشک ہو کر جم چکا تھا۔ جہاں خون کی زیادہ مقدار جمع ہو گئی تھی وہاں لوتھڑے بن گئے تھے۔ مرنے والوں کی کھلی ہوئی بے نور آنکھوں میں بے بسی کی ایسی کیفیت جمی ہوئی تھی کہ میں پھریری لے کر رہ گیا۔

جمی لائیڈ نے بل سارا ہاؤز کے بارے میں بھی میرے اندازوں کو غلط ثابت نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ چاروں کڑیل اور توانا جوان تھے جنھیں کچن میں گھیر کر ایک ہی انداز میں گولی مارنا جمی لائیڈ کے علاوہ کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ ہمارے فرار کے بعد وہ ان چاروں کو مار کر اطمینان سے وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس بارے میں اس نے کسی کو خبر دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی ورنہ لاشیں وہاں سے ہٹائی جا چکی ہوتیں۔

یہ اتفاق تھا کہ جیف ڈارلنگٹن میرے ہاتھوں مارا گیا تھا اور اپنی موت تک وہ یہی سمجھتا رہا ہو گا کہ بل سارا ہاؤز میں شی کے چار آدمی عمارت کی دیکھ بھال کے لیے موجود ہیں جب کہ وہ عمارت عملاً ویران اور لاوارث پڑی ہوئی تھی۔

بل سارا ہاؤز کے ایک کمرے میں میں جدید ترین ساخت کا اتنا اسلحہ دیکھ چکا تھا کہ عمارت میں دو چار روز محصور رہ کر بھی خاصی بڑی نفری کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا اس لیے بیم گن کو دوبارہ تھیلے میں ڈال کر میں نے اسلحے خانے سے ٹامی گن میگزین سمیت حاصل کی اور اپنی تسلی کے لیے دوبارہ عمارت کی تلاشی لے ڈالی۔ اس بار میں نے اپنے آرام کے لیے ایک پُرتکلف خواب گاہ کا بھی انتخاب کر لیا جہاں دو عدد ٹیلی فون موجود تھے۔ اس کے بعد باہر کا جائزہ لینے کی بات رسمی سی رہ گئی تھی۔ باہر کوئی موجود ہوتا تو ہیلی کاپٹر کی آواز سن کر کبھی کا اندر آ گیا ہوتا کیونکہ عمارت کے تمام ذیلی دروازوں میں ایسے مخفی قفل تھے جو دروازہ بند ہونے پر مقفل ہو جاتے تھے اور صرف اندر ہی سے کھولے جا سکتے تھے لیکن نکاسی کے بڑے دروازے پر چابی والا قفل تھا جو کھلا ہوا تھا۔ شاید جمی لائیڈ نے ادھر سے جاتے ہوئے پٹ ملا کر بند کرنا ہی کافی سمجھا تھا۔

بڑے دروازے کی چابی دستیاب نہیں تھی اس لیے میں نے اسے اندر سے بولٹ کیا اور اطمینان سے اپنی منتخب کی ہوئی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ بھاگ دوڑ اور جدوجہد کا خاتمہ ہوتے ہی مجھے اچانک تھکان کا احساس ستانے لگا تھا اور دل میں بے اختیار نرم نرم بستر کی حرارت آمیز آغوش کی خواہش جاگ اٹھی تھی۔

یہ بڑی عجیب بات تھی کہ محض ایک روز پہلے جو عمارت

شی کے خونخوار کارندوں کے تصرف میں تھی اور جہاں میں کئی گھنٹوں تک قیدی رہ چکا تھا، وہ آج بلا شرکت غیرے میرے تصرف میں تھی اور اس کے اصل قابضین کے بے گور و کفن، بے روح جسم کچن میں اپنے ہی خون میں نہائے ہوئے پڑے تھے۔ ان کے مالکوں کو بھی ان کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے کی کوئی فکر نہیں تھی۔

اس خواب گاہ میں داخل ہو کر میں تکان اتارنے کے لیے وائن کیبنٹ سے بوتل اتار کر، اپنے لیے اسکاچ کا پیگ تیار کر رہا تھا کہ اچانک مجھے ایک کمرے کی کھڑکی کی وہ گرل یاد آئی جسے میں نے ہیم گن سے کاٹ کر الگ کیا تھا اور پھر اسی راستے سے میں ویرا اور سلطان شاہ کے ہمراہ فرار ہوا تھا۔ میں نے زینوں کے اختتام پر لگا نچلا دروازہ بند کر کے مکان میں داخلے کی ہر راہ مسدود کر دی تھی لیکن جمی لائیڈ کا بھیجا ہوا کوئی بھی چالاک آدمی تمام دروازوں کو بند پا کر ذرا سی کوشش کے بعد اس مخدوش کھڑکی تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ جب ہمیں اس کمرے میں قید کیا گیا تھا تو اندر سے دروازہ کھولنا ممکن نہیں ہو سکا تھا۔ شاید اس دروازے میں خاص طور پر باہر کے رُخ پر بولٹ موجود تھے۔

اپنا گلاس تیار کر کے میں نے سکون سے اپنا حلق تر کیا، سگریٹ سلگا کر چند گہرے اور پُرسرور کش لیے اور پھر گلاس اٹھا کر اپنے سابقہ قید خانے کی طرف چل دیا۔ وہاں دروازے پر باہر کے رُخ پر نہ صرف کنڈی بلکہ نیچے اوپر چار لمبے بولٹ بھی لگے ہوئے تھے جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کمرے کو عمارت میں خاص طور پر قید خانے میں تبدیل کیا گیا تھا۔ میں نے اندرونی راہداری میں کھلنے والے اس دروازے کے سارے بولٹ لگائے اور پھر پورے اطمینان سے خواب گاہ میں واپس پہنچ گیا۔

بے دھیانی میں بستر پر لیٹتے ہوئے اچانک مجھے احساس ہوا کہ میری پشت پر رقم کا تھیلا کسا ہوا تھا جسے اتارے بغیر بستر پر لیٹنا ناممکن تھا۔ میں نے تھیلا الگ کر کے اپنی جیبوں سے دونوں ٹرانسمیٹر نکالے اور آن کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے۔ ویرا نے تو کہا ہی تھا کہ وہ موقع پاتے ہی مجھ سے بات کرے گی لیکن مجھے جمی لائیڈ کی طرف سے بھی رابطے کی اُمید تھی۔

بستر بہت نرم اور آرام دہ تھا، اُس کی آغوش میسر آتے ہی میرا ذہن گزرے ہوئے واقعات کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ جمی لائیڈ کی زبانی سلطان شاہ کے زندہ بچنے کی جزوی خبر ملنے کے بعد میرا اندازہ تھا کہ اس بھاگ دوڑ میں میں نے کچھ کھوئے بغیر جمی لائیڈ اور شی کو ناقابل تلافی جانی اور مالی نقصان پہنچایا تھا جس کا آسانی سے ازالہ نہیں ہو سکتا تھا۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ شی کے ساتھ متواتر تصادم کے نتیجے میں جمی لائیڈ کو میرا سراغ مل چکا تھا اور اسی تسلسل میں وہ کسی بھی وقت مجھ کو بدترین زک پہنچا سکتا تھا اس لیے مناسب یہی تھا کہ میں سلطان شاہ کو تلاش کرتے ہی فوری طور پر کچھ عرصے کے لیے روپوشی اختیار کر لیتا تاکہ مجھے نئی مہم کے آغاز کے لیے محاذ کے انتخاب کا موقع مل جاتا ورنہ اس وقت تک میں بس جمی لائیڈ کے قدموں کے نشانات پر ہی چل رہا تھا اور وہ چالاکی کے ساتھ مجھے کہیں بھی اپنے جال میں پھانس سکتا تھا۔

ویسے شاید روپوشی میرے لیے دشوار ہوتی لیکن کراچی میں جہانگیر سے فون پر بات کرنے کے بعد میرا وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔ میں پیٹروواک کے اطالوی پاسپورٹ پر کچھ عرصے کے لیے پاکستان جا کر وہاں اپنے معاملات سلجھا سکتا جن میں غزالہ سے ملاقات اور فیکٹری کے مالی مسائل سرفہرست تھے۔

میں ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک جمی لائیڈ سے چھینے ہوئے ٹرانسمیٹر سے ایک نسوانی آواز ابھرنی شروع ہو گئی جو آواز کم ہونے کے سبب سے میرے لیے ناقابلِ فہم بھنبھناہٹ تک محدود تھی۔ میں نے تجسس کے عالم میں آواز بڑھائی تو الفاظ واضح ہو گئے۔ وہ اپنا کوئی نام یا کوڈ بتلائے بغیر کسی خیر خواہ کو پکار رہی تھی۔ وہ ایک ہی فقرہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے دہراتی جا رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھ سے بات کرنا چاہ رہی تھی کیونکہ پچھلی بار میں نے اپنے لیے خیر خواہ کا لفظ ہی استعمال کیا تھا۔

اس وقت میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کال کا جواب دوں یا گول کر جاؤں۔ جواب دینے کا مطلب ہوتا کہ میں اس وقت ٹرانسمیٹر آن کیے جمی لائیڈ کی طرف سے کسی رابطے کی توقع کر رہا تھا جب کہ خاموش رہنے کی صورت میں مجھے یہ خلش ستاتی رہتی کہ نہ جانے جمی لائیڈ کیا بات کرنا چاہ رہا تھا۔

اسی سوچ بچار میں کئی منٹ گزر گئے لیکن دوسری طرف سے بولنے والی لڑکی نے ہمت نہ ہاری۔ وہ لگے بندھے وقفے سے، شیریں لہجے میں مسلسل وہی ایک پیغام نشر کیے جا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں نے جواب نہ دیا تو وہ اگلے کئی دن تک رٹے ہوئے طوطے کی طرح وہی الفاظ دہراتی رہے گی کیونکہ اس کے لیے وہ جمی لائیڈ کا حکم تھا۔

آخر کار میں نے بات کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا اور انسٹرومنٹ کا کال بٹن دبا کر بھرّائی ہوئی غنودہ آواز میں بولا۔ ”بول رہا ہوں۔ تم کون ہو؟ اپنی شناخت دو۔ اوور!“

”میرا باس تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔ ہولڈ آن پلیز!“ لڑکی کی عجلت آمیز آواز سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا کیونکہ کافی دیر کی کوشش

کے بعد آخر کار وہ رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔

"ہاں، خیر خواہ! کیا ہو رہا تھا؟ اوور!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جمی لائیڈ کی سرد اور سپاٹ آواز ابھری۔

"سو رہا تھا!" میں نے اسی غنودہ لہجے میں کہا۔ "تم کیسے جاگ رہے ہو؟ اوور!"

"کہاں سوئے ہوئے تھے؟ اس وقت ہیلی کاپٹر کے انجن کا شور نہیں سنائی دے رہا۔ اوور!"

"ہیلی کاپٹر اب تک مسلسل پرواز کرتا رہتا تو ایندھن ختم ہونے پر ضرور سمندر میں گر گیا ہوتا۔ تمھارے گیلوانی نے مجھے ایک نیم آباد جزیرے میں پہنچا دیا ہے۔ اس کے ایندھن کا بندوبست ہوگا تو وہ واپس چلا جائے گا۔ اوور!"

"جزیرہ؟" جمی لائیڈ کی آواز میں میں نے پہلی بار حیرت محسوس کی۔ "ان اطراف میں ایسا جزیرہ کہاں سے آگیا؟"

"اس موضوع پر میں مزید بات نہیں کر سکتا۔" میں نے اسے گمراہ کرنے کی نیت سے کہا۔ "اصولاً تو مجھے ذکر ہی نہیں کرنا چاہیے تھا کہ میں کہاں مقیم ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمھارے ہاتھ بہت دراز ہیں۔ کوئی دوسری بات کرو۔ اوور!"

"یہ درست ہے کہ مجھے تمھارا ٹھکانا معلوم ہو جائے تو میں تمھیں نہیں بخشوں گا لیکن جزیرے کے بارے میں میرا سوال اضطراری تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں مارسیلز کے نواح میں کسی نیم آباد جزیرے کے وجود سے لاعلم ہوں۔ اوور!"

"تمھارا لاعلم رہنا ہی فی الحال میرے حق میں بہتر ہے۔ کیا تم کو صرف یہی معلوم کرنا تھا؟ اوور!"

"میری اصل دشمنی تم سے ہے۔" اس کی آواز ابھری۔ "میں تمھاری طرح شاخوں پر وار کر کے اپنی توانائی ضائع نہیں کرتا بلکہ جڑ پر وار کرنے کا عادی ہوں۔ تمھارا آدمی میری نظروں میں آگیا ہے۔ چاہو تو اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ اوور!"

مجھے معلوم تھا کہ وہ اوّل درجے کا فریبی تھا لیکن اس کی زبان سے وہ الفاظ سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ "فوری طور پر ناممکن ہے۔ جزیرے سے نکلے بغیر میں اس سے نہیں مل سکتا۔ اگر وہ واقعی زندہ ہے تو اپنا راستہ خود تلاش کرے گا۔ اسے میری مدد کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہو سکے تو اسے پاکستان واپس روانہ کرا دو۔ اوور!"

"یہ سب تمھارا کام ہے۔ میں نے تو تمھیں آگاہ کر دیا ہے۔ اوور!"

"میں اتنا احمق نہیں ہوں جتنا تم سمجھتے ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم اسے چارا بنا کر مجھے پکڑنا چاہتے ہو تو یہ کبھی نہ ہو سکے گا۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں کہ تم محض میری ہمدردی میں میرے ساتھی پر نگاہ رکھو۔ اوور!"

"تم مجھے اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کر رہے ہو۔ تمھارے ساتھی نے گیسٹ ہاؤس میں مجھ پر فائر کیا تھا۔ اس لیے اصولاً مجھے اس کا خاتمہ ہی کرا دینا چاہیے تھا لیکن میں بے مقصد خونریزی سے گریز کرتا ہوں، اس لیے امانند کے بارے میں تمھیں مطلع کر رہا تھا ورنہ وہ میری نگاہ میں ہے جب چاہوں اسے مروا سکتا ہوں۔ اوور!"

میرا دل چاہا کہ اس سے بل سارا ہاؤز کے کچن میں پڑی ہوئی چار لاشوں کی تخلیق کا مقصد دریافت کروں لیکن اس طرح میرا وہ چالا دشمن فوراً سمجھ لیتا کہ میں نے جزیرے کی کہانی اسے بہکانے کے لیے بنائی تھی ورنہ حقیقت میں میں نے ویران بل سارا ہاؤز میں پناہ لی ہوئی تھی اس لیے اپنی خواہش کو دل میں دبا کر بولا۔ "تمھاری بات درست ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے اس کا نام بھی دریافت کر لیا۔ تم مجھے بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔ میں جزیرے سے واپسی کے بعد ہی اس سے مل سکوں گا۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس کے گرد و پیش میں تمھارے کسی آدمی کا سایہ بھی نظر آیا تو میں ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔ اوور!"

"تم اس سے ملو یا نہ ملو، یہ تمھارا ذاتی فعل ہے۔ میرا اسے استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ جواب میں تم بھی میرے آدمیوں کی خون ریزی سے باز آجاؤ گے۔ تم اب تک بے مقصد بہت خون بہا چکے ہو۔ اوور!"

"مشکل یہ ہے کہ براہِ راست نہ تم مجھے ڈرانے میں کامیاب ہو سکے ہو، نہ میں تمھیں مرعوب کر سکا ہوں۔ اس لیے سارا نزلہ تمھارے آدمیوں پر گرتا ہے کیونکہ وہ آسانی سے میرے قابو میں آجاتے ہیں۔ اب میرا ایک اہم ساتھی تمھاری نگاہوں میں آگیا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے اُس کا سر دھڑ سے علیحدہ کرنے کے بجائے مجھے اطلاع دی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم کم از کم مارسیلز میں اپنے ساتھیوں کے خون کی ارزانی سے بوکھلا گئے ہو اور مجھ سے سمجھوتا کرنا چاہتے ہو۔ آج کل آدمی تو بہت مل جاتے ہیں مگر تجربے کار آدمی کا بدل مشکل سے ملتا ہے۔ اوور!"

"تم اس معاملے کو غلط زاویے سے دیکھ رہے ہو۔" میرے تلخ تبصرہ پر بھی اس کے لب و لہجے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ شی ایک بہت مضبوط تنظیم ہے اور بڑی تنظیموں میں کسی فرد کے آنے یا چلے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے آدمیوں کے نقصان کے بارے میں تمھاری سوچ بالکل بے بنیاد ہے۔ تم سے جو جھڑپ چل رہی ہے، اس سے میں بھی لطف اندوز ہونے لگا ہوں۔ بڑے عرصے کے بعد کوئی ایسا حریف ابھر کر سامنے آیا ہے جس کے سدِباب کے لیے مجھے ذاتی طور پر توجہ دینی پڑ رہی ہے۔ اس لیے میں تم کو تمھارے ہی انداز میں انجام کو پہنچاؤں گا۔ تم جو چاہو سمجھ لو لیکن میں تمھارے آدمی کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ شاید اُس کے کاغذات

تمھارے پاس ہیں اِس لیے وہ کسی ہوٹل کے بجائے شہر میں کوئی خفیہ ٹھکانا تلاش کر رہا ہے اور فی الحال گمنام سپاہی کی یادگار والے پارک میں مالیوں کے سامان کی کوٹھری میں چھپا ہوا ہے۔ بھوک پیاس نے نہ ستایا تو وہ ہفتوں اُس گندے اسٹور میں چھپا رہ سکتا ہے۔ اوور۔"

"میں تمھارے اِن جذبات کی قدر کرتا ہوں۔" میں نے اُسے مزید اشتعال دلانے سے گریز کرتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں کہا۔ "جزیرے سے واپسی تک وہ وہیں رکا رہا تو میں ضرور اُس سے ملوں گا۔ اوور۔"

"لیکن یہ جزیرہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آرہا۔" میرے لب ولہجے کی تبدیلی محسوس کرتے ہوئے وہ پھر پرانے موضوع پر آگیا۔ "تم یقین کرو کہ میں وہاں تم کو گھیرنے کی کوشش نہیں کروں گا لیکن یہ ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ مارسیلز کے نواح میں ایسا کون سا جزیرہ ہے جس کے وجود سے میں اور میرے آدمی آج تک لاعلم ہیں۔ اوور۔"

"تم نہیں لیکن تمھارے آدمی ضرور واقف ہیں۔ مجھے گیلوانی نے یہاں پہنچایا ہے۔ واپسی پر اس سے ساری تفصیل معلوم کرلینا۔ وہ ان علاقوں کے بارے میں شاید قابلِ رشک معلومات رکھتا ہے۔ اوور۔"

جواب میں اُس نے کچھ کہنا شروع کیا تھا کہ اچانک میری توجہ دوسرے ٹرانسمیٹر کی طرف مبذول ہوگئی جس پر ویرا کی آواز اُبھر رہی تھی۔ میں نے فوراً ہی اس انسٹرومنٹ کی آواز بالکل بند کردی تاکہ جمی لائیڈ کی بات کا اختتامی جواب نشر کرتے ہوئے ویرا کی آواز دوسری طرف نہ سُنی جاسکے۔

"کیا گیلوانی تمھارے قریب موجود نہیں ہے؟ اوور۔" جمی لائیڈ دریافت کر رہا تھا۔

"میرے نزدیک وہ قابلِ اعتماد آدمی نہیں ہے۔ اس لیے میں نے ایک ہی چھت کے نیچے اُس کے ساتھ رات گزارنا پسند نہیں کیا۔ جزیرے پر لینڈ کرتے ہی میں اس سے الگ ہوگیا تھا اور اب مجھے نیند آرہی ہے۔ تم نے اس وقت مجھے سوتے سے جگایا ہے۔ سکون سے گیلوانی کا انتظار کرو اور پھر تمھارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ اوور اینڈ آل۔"

میں نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا اور جھپٹ کر ویرا کے دیے ہوئے انسٹرومنٹ کی آواز بڑھا دی۔ اس وقت بھی ویرا میرے لیے کال کر رہی تھی۔ اُس نے اپنا پیغام مکمل کر کے جوں ہی لائن مجھے اوور کی، میں فوراً ہی بٹن دبا کر بول پڑا۔

"ڈینیا سپیکنگ . . . تم نے تسلی کرلی ہے کہ اس وقت تمھاری آواز کوئی اور نہیں سُن رہا ہوگا؟ اوور۔" میری آواز میں تجسس آمیز اشتیاق اُبھر آیا تھا کیونکہ اس وقت میں ویرا کے اصل خیالات سے آگاہی حاصل کرسکتا تھا۔

"جہاں تمھیں لایا گیا تھا وہ عمارت بلکہ وہ سارا اڈا اسپیں نائٹین کے نام سے پہچانا جاتا ہے اور یہاں عقل کو دنگ کر دینے والے آلات اور شعبدے یکجا ہیں۔ اِن کو دیکھنے کے بعد مجھے مقدر پر یقین آگیا ہے۔ تمھارے نصیب میں آزادی نہ لکھی ہوتی تو تمھارے یہاں سے بچ نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جیف کو موقع مل جاتا تو تمھیں مفلوج کر کے کسی بھی کونے میں ڈال سکتا تھا . . . میں یہاں کے ریڈیو سینٹر سے ایک ایسا آلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہوں جو اپنے گردوپیش میں دس فٹ کے فاصلے میں پیدا ہونے والی ہر آواز اور صوتی ارتعاش کو مکمل طور پر جذب کر لیتا ہے۔ تمھاری آواز میں نے ہیڈ فون پر سنی ہے۔ میں تم سے بات کر رہی ہوں۔ ٹرانسمیٹر کے اندر ہونے والے برقی ارتعاش سے تم میری آواز سُن رہے ہوگے مگر اپنی آواز خود مجھے نہیں سُنائی دے رہی۔ یہ بہت حیرت ناک اور کمال کا آلہ ہے۔ اوور۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے لیکن یہ دھیان رکھنا کہ وہ آلہ خاص طور پر تمھاری آواز کہیں اور نہ پہنچا رہا ہو۔ ویسے بھی فکر کی کوئی بات نہیں، تمھیں اپنا باپ مل گیا ہے اور باپ کو بیٹی مل گئی ہے۔ اوور۔"

"بس آگئے اپنی اصلیت پر۔" اُس کی آواز قدرے چڑچڑی ہوگئی۔ "تم مشرقی مرد، عورت کو ہمیشہ اپنا مطیع اور دست نگر دیکھنا چاہتے ہو۔ اسے اپنے فیصلے کی آزادی دے ہی نہیں سکتے۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں، سوچ سمجھ کر کر رہی ہوں۔ پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ مجھ پر تمھارا کیا اختیار ہے؟ کس رشتے سے تم مجھے اپنی مرضی کا پابند بنانا چاہتے ہو؟ اوور۔"

"تم جذباتی ہو رہی ہو مائی ڈارلنگ بے بی!" میں نے اُس کی بات مکمل ہوتے ہی کہا۔ "پتا نہیں تم نے اس وقت مجھ سے کس ارادے سے رجوع کیا ہے۔ میں تمھیں صرف امکانات سے آگاہ کر رہا تھا۔ تمھارے فیصلوں پر اثر انداز ہونے کا نہ میرا کوئی ارادہ ہے نہ حق بنتا ہے۔ تم سے میرے قریبی دوستانہ مراسم ضرور رہے ہیں، لیکن روایتی مفہوم میں تم میری گرل فرینڈ بھی کہی نہیں جا سکتیں۔ اس لیے تمھیں جذبات کی رَو میں بہے بغیر اپنے دل کی بھڑاس نکال لینی چاہیے۔ اوور۔"

"اسے تم بھڑاس نہیں کہہ سکتے۔" اُس کے لہجے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم مجھے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ میں تم سے تعاون کرنا چاہتی ہوں، تمھارا ہاتھ بٹانے کے لیے آمادہ ہوں لیکن کٹھ پتلی بننے کے لیے آمادہ نہیں ہوں۔ یہ شرائط تسلیم کرسکتے ہو تو میں آگے بات کروں گی ورنہ وقت ضائع

رنا بے سود ہوگا۔ اوور۔"

"اگر تمھارے دل میں یک بیک اپنے باپ کی محبت جاگ اُٹھی ے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم مجھ سے کس طرح تعاون کرسکوگی۔ تم ابھی تک غزالہ کا سراغ لگانے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکی ہو، ب کہ اس معاملے کی اخلاقی ذمے داری تم نے خود قبول کی تھی۔ اس ے مجھ سے ذرا کھل کر بات کرو، ورنہ یوں ہی الجھتی رہوگی۔ اوور۔"

"تو سنو کہ مجھے اسپیس نائین میں وی آئی پی قیدی بنا لیا گیا ے۔ اس کی ایک عمارت کی حدود میں میں اپنی مرضی سے جہاں چاہوں ا سکتی ہوں اور جو چاہوں، کرسکتی ہوں۔ اس سے آگے میری آزادی لب کرلی گئی ہے۔ اگر میں جذباتی صدمہ اور اس کے بعد باپ ے اپنی محبت کا ڈھونگ نہ رچاتی تو میرے ساتھ بُرا سلوک کیا جا سکتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ برین واشنگ کی نوبت آجاتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شی اور اس کے سربراہ کے لیے میرے خیالات میں ئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی ہے۔ شی کی مکمل تباہی کے لیے مجھے تمھاری مدد درکار ہے۔ اگر تم مجھ سے کنارہ کشی کرنا چاہ رہے ہو تو پھر غزالہ کے ارے میں بھی میری کوئی ذمے داری نہیں رہے گی۔ میرے اور تمھارے استے الگ ہوجائیں گے۔ فیصلہ تم کو کرنا ہے کہ اب کیا چاہتے ہو۔ اوور۔"

س کا لہجہ قدرے تیز اور تلخ ہوگیا تھا۔

"اب تم نے اپنی پوزیشن واضح کی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہمیں ہر قیمت پر ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہوگا ورنہ الگ الگ رہ کر ہم شاید کچھ بھی نہیں کرسکیں گے اور ہاں غزالہ کے بارے میں اگر تم اپنے وعدوں سے پھرنا چاہتی ہو تو اس کے لیے کسی عذر کی ضرورت نہیں۔ اُس کا سراغ میں خود نکال لوں گا۔ ہمارا اشتراک بس شی کے خاتمے تک محدود رہے گا۔ اوور۔"

"بُرا مان گئے۔" اُس کی ہنسی کی آواز ابھری۔ "خیر وہ بعد کی بات ہے۔ جب تک مجھے رہائی نہ ملے اس وقت تک میں کچھ نہیں کرسکتی۔ اس وقت تم سے بات کرنے کا صرف اتنا مقصد تھا کہ میری طرف سے تمھارے ذہن جو شبہات پیدا ہو رہے ہیں، اُن کا ازالہ کرسکوں۔ ایک ر ہمارے درمیان اعتماد اور دوستی کی فضا بحال ہوجائے تو ایک دوسرے کے لیے سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اوور۔"

"خدا کے لیے میرے لیے اب کچھ نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے ہا۔ "ایک بار تم نے کچھ کرنا چاہا تھا تو میں غزالہ سے محروم ہوگیا تھا۔ اب ں کوئی نیا صدمہ اٹھانے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ مجھ پر اب رحم رنا۔ اوور۔"

"ویسے تم ہو کہاں، اوور؟" اُس نے موضوع بدل کر اچانک ہی وال کیا اور میں چونک پڑا۔

مجھ سے وہی سوال جمی لائیڈ پوچھتا رہا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں جمی لائیڈ ہی نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ویرا کو مجھ سے بات کرنے پر مجبور نہ کیا ہو لیکن اس حقیقت نے میرے اندیشے کی تردید کردی کہ ویرا کی کال جمی لائیڈ سے میری گفتگو کے دوران ہی نشر ہوئی تھی اس لیے ان دونوں کو ایک دوسرے سے منسلک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

پھر بھی میں نے احتیاط کا دامن نہ چھوڑا۔ "جیف ڈارلنگٹن کے ہوا باز نے مجھے مارسیلز سے کچھ دور ایک نیم آباد جزیرے پر اُتار دیا ہے اور خود واپسی کے لیے ایندھن کی تلاش میں نکل گیا ہے۔ یہاں سے نکلنے کے لیے مجھے اپنے طور پر ہی کچھ کرنا ہوگا۔ گیلوانی کے واپس پہنچتے ہی ہر ایک کو اس جزیرے پر میری موجودگی کی خبر مل جائے گی۔ اوور!"

"اُس نے تمھیں بے وقوف بنایا ہے۔" ویرا اپنے باپ سے زیادہ چالاک ثابت ہوئی۔ "مارسیلز کے قرب و جوار میں ایسے کسی جزیرے کا وجود نہیں ہے۔ وہ تمھیں دھوکے میں رکھ کر کمک لینے گیا ہوگا۔ میری مانو تو فوراً ہی کسی طرف دوڑ لگا دو۔ سمندر کی مخالف سمت اختیار کی تو تھوڑی ہی دیر میں تم کسی شاہراہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ اوور!"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اس امکان سے غافل نہیں ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تمھاری شی مین سے ملاقات بھی ہوئی یا بس اُس کی آواز پر ہی گزارا کر رہی ہو؟ اوور!"

"ہوٹل سے میرے اٹھائے جانے کے بعد وہ صبح سویرے میرے پاس آیا تھا۔ تنہائی میں اس نے مجھے اپنے سینے سے بھی لگایا تھا لیکن اُس کا رویہ سرد اور رسمی سا تھا۔ اپنے قول و فعل سے وہ پکا مشینی روبوٹ معلوم ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر تک سپاٹ لہجے میں ناصحانہ تقریر کرنے کے بعد واپس چلا گیا۔ . . اوور!"

"تقریر کا خلاصہ کیا تھا، اوور!" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"سارا زور صرف ایک نکتے پر تھا۔ میں نے اپنی ساری عمر گمراہی میں گزاری تھی اور اب مجھے من و عن اس کی ہدایات پر عمل کرنا چاہیے، ورنہ زندگی کے گزرے ہوئے دن کسی بھی قیمت پر واپس نہیں لوٹا کرتے . . . اوور!"

"یہ تو کھلی دھمکی ہے!" میں نے حیرت سے کہا۔ "اور تم نے اُس کا منہ نوچنے کے بجائے یہ تلقین سر جھکا کر سن لی؟ اوور!"

"تم میرے حالات کو نظر انداز کر رہے ہو، مائی ڈیئر ڈینی!" وہ شاید تڑپ کر بولی تھی۔ "میں تو اس سے یہ بھی پوچھنا چاہ رہی تھی کہ روم اور میلان میں وہ ڈان مرسیانو کے روپ میں نوجوان اور بے سہارا لڑکیوں میں کس مسلک کی تبلیغ کرتا ہے لیکن میں چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ پوچھ سکی۔ اس کی شخصیت میں عجیب سا سحر ہے۔ اس سے نظریں چار کرکے بات کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے جس سے کم از کم میں بالکل

ہی محروم ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تمھارا اس سے سامنا ہوا یا نہیں . . . مجھے کسی سے بھی تمھارے اسپیس نائین پہنچنے کی تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں وہ ہیلی کاپٹر کہاں سے تمھارے قبضے میں آگیا تھا؟ اوور۔"

"چند گھنٹے قبل تمھارے باپ سے میرا خون ریز تصادم ہوا ہے جس میں وہ لنگڑا ہو کر اپنی محبوبہ کے مکان سے نکل کر فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے ایک خشک برساتی نالے میں پناہ لے کر لینے لیے ہیلی کاپٹر منگوایا تھا لیکن میں نے پھر اُسے گھیر لیا۔ اپنی نقاب سے محروم ہونے کے بعد وہ میرے ساتھ سمجھوتا کرنے پر مجبور ہو گیا کیونکہ اپنی اصل صورت میں وہ جیف ڈارلنگٹن کے لیے ڈان مرسیانو نامی ایک گھٹیا دلال سے زیادہ حیثیت کا مالک نہیں تھا جو دوستی کی آڑ میں اُس کی اسٹینو کو لے اُڑا تھا۔ وہ لپنے زخم سہلاتا اندھیرے میں روپوش ہو گیا اور میں ہیلی کاپٹر کے ذریعہ اسپیس نائین پہنچ گیا۔ اس وقت تک میں مشکل میں تھا۔ کیونکہ میں سپر آئی مین ہونے کا دعویدار تھا مگر میرے پاس صرف ایک سلور آئی تھی۔ پھر میں نے مکاری کے ساتھ جیف ڈارلنگٹن کی سلور آئی بھی حاصل کر لی . . . اوور!"

"تم تو ناقابلِ یقین خبریں سنا رہے ہو۔ ان ناکامیوں نے تو اُسے باؤلا بنا دیا ہو گا . . . کیا اس دوران میں سلطان بھی مسلسل تمھارا دُم چھلا بنا رہا ہے؟ اوور!" اُس نے بے یقینی کے ساتھ پوچھا۔

"اتنی بے دردی سے اُس کا ذکر نہ کرو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "پہلے معرکے میں جمی لائیڈ کو زخمی کر دینے کے باوجود میں دل گرفتہ تھا کیونکہ میری دانست میں سلطان شاہ مر گیا تھا لیکن تھوڑی دیر پہلے جمی لائیڈ نے خود بتایا ہے کہ وہ زندہ ہے اور گمنام سپاہی کی یادگار والے پارک میں مالیوں کے سامان کی کوٹھڑی میں چھپا ہوا ہے . . . میرے خلاف یہ اُس کی چال بھی ہو سکتی ہے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ سلطان شاہ واقعی زندہ ہے یا اپنے مقصد کی خاطر اپنی جان کی قربانی دے چکا ہے . . . اوور۔"

"مجھے افسوس ہے۔" ویرا کا لہجہ پرخلوص تھا۔ "میں تو خود کو ہی مظلوم سمجھ رہی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم دونوں بھی اس قدر بھیانک حالات سے گزر چکے ہو لیکن اتنا بتا دوں کہ سلطان شاہ کی محبت میں پارک کا رُخ کرنے کی حماقت نہ کرنا۔ تمھیں ختم کرنے کے لیے جمی لائیڈ میلوں وسیع اس علاقے کو جہنم بنا دے گا۔ جہاں اُسے تمھاری موجودگی کا ذرا بھی شبہ ہو گا۔ میں اُس کی کینہ پرور طبیعت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ زندگی میں شاید پہلی بار اُس کے کسی دشمن نے اُس کے بدن سے لہو گرایا ہے اب صحیح معنوں میں اس پر تمھیں ختم کرنے کا جنون سوار ہو گیا ہو گا۔ وہ مسلسل تمھاری گھات میں لگا رہے گا۔ اوور۔"

"یہ میرے حق میں اور بہتر ہو گا۔ اشتعال میں آدمی کی کھوپڑی کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ وہ غلطی کرے گا اور میں پھر اُسے لہولہان کر دوں گا۔ مجھے موقع مل گیا تو اس کی دونوں ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔ اب شاید وہ وقت قریب ہی آگیا ہے۔ اس دوران میں تم اپنی پرتعیش قید جھیلتی رہو . . . اوور!"

"اپریٹس آن رکھنا . . ." بولتے بولتے وہ خاموش ہوئی پھر چونک کر بولی: "یہ اپریٹس صرف دو سو کلومیٹر کے دائرے میں کام کرتا ہے۔ تمھاری صاف اور واضح آواز سے پتا چل رہا ہے کہ تم مجھ سے خاصے قریب ہو۔ اوور!"

"مجھے فاصلے کا کوئی اندازہ نہیں۔ بس یہ معلوم ہے کہ کسی جزیرے پر ہوں۔ اوور۔" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

اُسے میرے جواب پر شبہ نہیں ہوا۔ "میرا خیال ہے کہ تم مارسیلز کی ہی کسی کھاڑی میں ہو۔ میری بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کرو گے تو کسی سے لفٹ لے کر بہت جلدی شہر پہنچ جاؤ گے لیکن پارک کی طرف جانے کی حماقت نہ کرنا۔" وہ ناصحانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "مجھے جب بھی موقع ملا، میں بات کرتی رہوں گی۔ کبھی اچانک سلسلہ منقطع ہو جائے تو پریشان نہ ہونا۔ یہاں کسی وقت بھی کوئی نمودار ہوا تو میں سلسلہ منقطع کر کے اپریٹس چھپا لوں گی۔ اوور!"

"اور اگر میں بات کرنا چاہوں؟ اوور!" میں نے سوال کیا۔

"صبر کرنا پڑے گا۔ تمھاری طرف سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش مجھے دشواری میں ڈال سکتی ہے اس لیے میں اپنا اپریٹس صرف ضرورت کے وقت ہی آن کروں گی۔ اوور!"

"وہ آئے تو اُس کی لنگڑاہٹ پر ضرور غور کرنا۔ ہمت ہو تو سوال بھی کر سکتی ہو۔ اوور!"

"اُس نے خود کو اپنے ماتحتوں کا آئیڈیل بنایا ہوا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ پوری طرح صحت یاب ہونے سے پہلے وہ کسی کے سامنے نہیں آئے گا۔ یہ اُس کی ایک نفسیاتی کمزوری ہے۔ اوور!"

"اب مجھے نکاسی کی راہ تلاش کرنی ہے اس لیے اوور اینڈ آل۔"

"لیکن اپریٹس آن رکھنا۔ اوور اینڈ آل۔" اُس نے تاکید کی اور پھر کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

بہت سی مجبوریوں اور ناکامیوں کے باوجود میرا مقدر اس حد تک یاور تھا کہ میں زندہ اور آزاد تھا لیکن اس سے آگے حالات بالکل ہی بے لگام ہوتے جا رہے تھے جس کی وجہ سے میرے لیے اپنا کوئی پروگرام بنانا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

گیسٹ ہاؤس والے معرکے میں سلطان شاہ کی موت کا بھیانک المیہ ایک ڈراؤنے خواب کی طرح قبول کر کے میں نے خود کو پاکستان واپسی کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اوّل تو وہاں غزالہ موجود تھی اس کے آشیاں کے سارے تنکے ایک ایک کر کے بکھر چکے تھے اور وہ خود اپنی بقا کی خونریز جنگ لڑتی ہوئی نجانے کیسے پاکستان پہنچی

میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس لیے اُسے فوری طور پر ایک مضبوط سہارے کی ضرورت تھی ورنہ وہ جذباتی لڑکی مایوسی کے عالم میں خود اپنی زندگی کا خاتمہ کرسکتی تھی۔

اُس نے میری ذات سے جو جذبات اور توقعات وابستہ کی ہوئی تھیں اُن کی بناء پر میں اُسے مضبوط سہارا دے کر زندگی کی تلخ حقیقتیں برداشت کرنے کے لیے آمادہ کرسکتا تھا۔ اس لیے سلطان شاہ کی ناگہانی موت کے بعد میں نے خودکوشی کے مقابلے سے عارضی طور پر ہٹانے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ پاکستان واپس جا کر غزالہ کی دلجوئی کرسکوں۔ اس دوران میری غیر حاضری کی بنا پر جمی لائیڈ اور اُس کے حواری میری طرف سے غافل ہو جاتے اور میں کچھ عرصے بعد یورپ واپس لوٹ کر اُن کی صفوں میں اچانک ابتری پیدا کرسکتا تھا۔ رہ جاتی ویرا، تو اُس کے بارے میں مجھے اُمید تھی کہ باہر سے کوئی حوصلہ افزائی نہ ہونے کے باعث آخرکار وہ عارضی طور پر اپنے باپ کی خواہشات کے سامنے سر جھکا دے گی اور اس کی پناہ میں پوری طرح محفوظ و مامون رہے گی لیکن یہ ذہنی خاکہ مکمل ہوتے ہی جمی لائیڈ نے سلطان شاہ کے زندہ ہونے کی نوید دے کر میرے دل و دماغ میں ہیجان برپا کر دیا۔

غزالہ میری محبوبہ تھی اور سلطان شاہ میرا جاں نثار دوست۔ دونوں کا مقام الگ اور منفرد تھا دونوں میرے دل میں بستے تھے اور میں اُن میں سے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دے سکتا تھا۔

جہانگیر سے فون پر ہونے والی گفتگو کے بعد غزالہ کا پاکستان بلکہ کراچی میں ہونا مستند تھا جب کہ سلطان شاہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ اس کے بارے میں خبر جمی لائیڈ سے ملی تھی۔ وہ محض اُلجھانے اور پھانسنے کے لیے بھی ایک جھوٹی خبر تخلیق کرسکتا تھا۔ مگر میرے دل میں سلطان شاہ کا جو مقام تھا اُس کے پیشِ نظر میں اس اطلاع کو نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی تصدیق یا تردید کے بعد ہی میں اپنے اگلے اقدام کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرسکتا تھا۔

میں اس دوراہے پر معلق ہو کر رہ گیا تھا۔ میری پاکستان روانگی کے نتیجے میں سلطان شاہ کسی بھی قسم کے شناختی کاغذات کے بغیر دیارِ غیر میں بالکل بے یار و مددگار رہ جاتا۔ فرنچ زبان سے لاعلمی کسی بھی لمحے اُسے قانون کے آہنی شکنجے میں پہنچا دیتی اور اگر میں اُس کا کھوج نکالنے کے لیے گمنام سپاہی کی یادگار والے پارک کا رُخ کرتا تو مجھے سو فیصد سے زیادہ یقین تھا کہ سلطان شاہ وہاں ملتا یا نہ ملتا، شی کے خون آشام درندے ہولناک بارودی ہتھیاروں سے آتش و آہن برساتے مجھ پر ٹوٹ پڑتے۔

رات دھیمے دھیمے سرکتی رہی۔ میری نیند اچاٹ ہو چکی تھی اس لیے میں پے در پے سگریٹیں سلگا کر اس گتھی کا کوئی حل تلاش کرنے کی ناکام کوششیں کرتا رہا۔

میں گیسٹ ہاؤس خشک برساتی نالے اور پھر اسپیس نائین سے فرار ہو کر بحفاظت بل سارا ہاؤز میں پناہ گزین ہو چکا تھا جو دو روز پہلے تک شی والوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا لیکن اس وقت اُس کے کچن میں جمی لائیڈ کے چار مقتول اپنے ہی خون میں غلطاں ابدی نیند سو رہے تھے اور پانچویں گیلوانی کی لاش تھی جو عمارت کی چھت پر کھلے آسمان کے نیچے ہیلی کاپٹر میں پڑی ہوئی تھی۔

میں ہوا بازی کی مبادیات تک سے ناواقف تھا۔ اس لیے ہیلی کاپٹر سے فائدہ اُٹھانے کا خیال ہی بے سود تھا۔ پھر مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ پچھلے معرکے میں شی والوں کی قید سے فرار ہوتے ہوئے ہم نے بل سارا ہاؤز کے احاطے میں موجود موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کے ٹائر ناکارہ کر دیے تھے اس لیے دن طلوع ہونے پر یا اس سے پہلے مجھے پیدل ہی وہاں سے روانہ ہونا تھا کیونکہ شی والے اپنے اس اہم مضافاتی ٹھکانے کو زیادہ عرصے تک نظرانداز نہیں کر سکتے تھے بل سارا ہاؤز اور اس سے ملحقہ جاگیر کے نام نہاد مالک جیف ڈارلنگٹن کی موت کا علم ہوتے ہی جمی لائیڈ یقینی طور پر کسی اور کو اس زرعی جاگیر کا نگراں مقرر کر دیتا جو حکم ملتے ہی ادھر آتا اور پھر عمارت کی چھت پر ہیلی کاپٹر دیکھ کر بھونچکا رہ جاتا۔

ہیلی کاپٹر کا سراغ ملتے ہی جمی لائیڈ سمجھ لیتا کہ وہ رات میں نے بل سارا ہاؤز میں گزاری تھی پھر وہ اس کے گرد و پیش میں وسیع علاقے کی ناکابندی کرا سکتا تھا۔ میرے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ ایسی کوئی کارروائی ہونے سے قبل اس عمارت سے جتنی دور ممکن ہو سکے نکل جاؤں۔

* * *

رات کے تین بجے کا عمل تھا۔ ہر طرف سکوت اور گہرے سناٹے کا راج تھا جسے کبھی کبھار، باہر سے آنے والا جھینگروں کا شور مجروح کر جاتا تھا۔ اس ماحول میں میرے لیے بستر پر پڑے رہ کر صرف سوچتے رہنا دشوار ہو گیا تھا اور میں نے اسی وقت روانگی کے ارادے سے ہاتھ مُنہ دھو کر رقم سے بھرا ہوا تھیلا اپنی پشت پر کسنا شروع کر دیا۔

اس سناٹے کے تسلسل میں معاً ایک موہوم سی گونج سن کر میں چونک پڑا۔ میرے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا اور اعضا ساکت ہو گئے۔ چند ثانیوں تک اپنی پوری توجہ اس طرف مرکوز رکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ کسی اعلا ساخت کی طاقتور کار کے انجن کی آواز تھی جو ڈھلتی رات کے اُن لمحات میں کسی آسیبی گونج کی طرح قریب آتی جا رہی تھی۔

میں دن کی روشنی میں وہ علاقہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا اور کسی حد تک ان زرعی وڈیروں کے رہن سہن کا اندازہ بھی لگا سکتا تھا۔ کسی کی موت یا بیماری جیسی ہنگامی صورتِ حال کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی اتنی رات گئے، سردی میں باہر نکلنا پسند نہ کرتا۔ ڈھلتی رات کے عیش و نشاط میں ڈوبی رونقیں ان اطراف میں صرف ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات جنم لیتی تھیں۔ اس لیے میں کار کے انجن کی اس آواز کو

آسانی سے نظر انداز نہ کرسکا۔

وہ کہیں اور جا رہے تھے تو بات مختلف تھی لیکن وہ بل سارا ہاؤز آرہے تھے تو معاملہ بہت نازک تھا۔ اس عمارت میں اسلحہ وافر مقدار میں موجود تھا لیکن مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ ان سے ابتدا سے ہی مزاحمت کی جائے یا ان پر بے خبری میں وار کیا جائے۔

مزاحمت کی ابتدا کرنے کے لیے تو اتنا ہی کافی تھا کہ عمارت میں داخلے کا راستہ اندر سے مقفل تھا۔ ان لوگوں کو یقینی طور پر بتا دیا گیا ہوگا کہ عمارت خالی ہے اور کھلی ہوئی تھی، اس لیے بند دروازے انھیں چونکانے کے لیے کافی ہوتے۔ ایسی صورت میں وہ دو راستے اختیار کرسکتے تھے۔ اوّل تو دروازے پیٹ کر یا گھنٹی بجا کر اندر سے ہونے والے ردِ عمل کا انتظار کرتے اور مکمل خاموشی کے نتیجے میں زور آزمائی کرکے دروازے اکھاڑنے پر آمادہ ہوجاتے۔ دوسرا امکان یہ تھا کہ دروازے بند پاکر وہ اپنی دانست میں اندر والے کو ہوشیار ہونے کا موقع دیے بغیر خاموشی کے ساتھ اندر گھسنے کی کوشش کرتے۔ ایسی صورت میں مکان کی چھت پر پہنچ کر اندر رسائی حاصل کرنا بظاہر سب سے آسان نظر آتا لیکن چھت پر ہیلی کاپٹر اور اس میں پڑی ہوئی گیلوانی کی لاش انھیں بہت کچھ سمجھا سکتی تھی۔ دونوں صورتوں میں وہ خود کو کسی بھی بدترین صورتِ حال کے مقابلے کے لیے تیار کرسکتے تھے اور میرے لیے دشواریاں کھڑی ہوسکتی تھیں، اس لیے بہتر یہی تھا کہ میں دروازہ کھول کر مکان میں کسی ایسی جگہ روپوش ہوجاتا جہاں سے بوقتِ ضرورت فرار ہونے میں آسانی رہتی۔

اس طرح آنے والے کسی بھی خطرے کا ادراک کیے بغیر بے خبری میں اندر گھس آتے جس کے بعد پہل کا انتخاب میرے پاس ہوتا۔ وہ میری زد میں آجاتے تو میں انھیں للکار کر اپنے نشانے پر لے سکتا تھا اور اگر کسی بھی اعتبار سے صورتِ حال مخدوش نظر آتی تو آنے والوں سے بچ کر خاموشی سے باہر فرار ہوسکتا تھا۔

رات کے سناٹے میں کار کے طاقت ور انجن کی گونج بتدریج واضح ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے آناً فاناً میں صورتِ حال کا تجزیہ کرکے اپنا لائحہ عمل طے کیا اور ایک کمرے سے ہلکی سی مشین گن اور اس کے کئی بھرے ہوئے میگزین اپنی تحویل میں لے کر عمارت میں داخلے کا بڑا چوبی دروازہ اندر سے کھول دیا۔ اسی ہال میں ایک گوشے میں ہینگروں پر کئی اوورکوٹ لٹکے ہوئے تھے۔ میں اسی اسٹینڈ کی آڑ میں آسانی سے چھپ گیا۔ وہاں سے میں آنے والوں کو دیکھ سکتا تھا لیکن لمبے لمبے وزنی اوورکوٹوں کے درمیان میرا دیکھا جانا آسان نہیں تھا۔ جمی لائیڈ سے چھینی ہوئی نقاب میں نے اپنے چہرے پر منڈھ لی تھی۔

رقم سے بھرا ہُوا تھیلا میری پشت پر کسا ہوا تھا۔ بم گن جیب میں موجود تھی اور میں بھری ہوئی سب مشین گن لیے اپنی اس کمین گاہ میں دُبکا ہوا تھا۔ میرے کان باہر سے آنے والی گونج پر لگے ہوئے تھے۔ لمحہ بھر کے لیے یوں محسوس ہُوا جیسے آنے والی گاڑی کا رُخ تبدیل ہوا ہو اور وہ بل سارا ہاؤز سے دُور جا رہی ہو لیکن اگلے ہی لمحے میں وہ غلط فہمی دور ہوگئی۔

وہ یقیناً جمی لائیڈ کے آدمیوں کی گاڑی تھی اور جیف ڈارلنگٹن کی موت کے بعد بل سارا ہاؤز کے نئے نگہبانوں کو لے کر ادھر آرہی تھی۔ میں ایک فیصلہ کرکے اپنی تمام تر قوت اور صلاحیتوں کے ساتھ اس پر عمل کرنے کے لیے تیار تھا مگر ذہن کے کسی گوشے میں آنے والوں کی نفری کے بارے میں ایک دھڑکا موجود تھا، اگر ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو میرے لیے ان سے اُلجھنا اور بیک وقت ان سب کو زیر کرنے کی کوشش کرنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

مجھے بہرحال ایک بات کی خوشی تھی کہ بل سارا ہاؤز سے میری پیدل روانگی کا سدِّ باب ہوتا نظر آرہا تھا۔ اگر مقدر ساتھ دیتا تو میں آنے والوں کی کار لے کر بہت تیزی کے ساتھ اس علاقے سے دور نکل سکتا تھا۔ اس طرح جمی لائیڈ کے وسائل کے حرکت میں آنے سے قبل میں مارسیلز کی وسیع و عریض آبادی میں کہیں بھی مدغم ہوسکتا تھا۔

ذہنی تناؤ اور اعصابی کشیدگی کے عالم میں وقت کی رفتار مجھے بہت سست محسوس ہو رہی تھی لیکن آخر کار قیامت کی وہ گھڑیاں گزر ہی گئیں۔ بل سارا ہاؤز کے احاطے میں کسی کار کے رُکنے کی آواز آئی، انجن بند کردیا گیا اور پھر کئی آدمیوں کے زور زور سے بولنے کی آوازیں اُبھرنے لگیں۔ وہ فرنچ بول رہے تھے، اس لیے ان کی گفتگو میرے پلّے نہ پڑسکی لیکن ان کے اونچے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بل سارا ہاؤز کے بارے میں ان کے ذہنوں میں کوئی شبہ نہیں تھا، ورنہ یوں غیر محتاط انداز میں گفتگو نہ کرتے۔

بجری پر بیک وقت کئی افراد کے چلنے کی آوازیں سُنائی دیں پھر وہ آہٹیں چند سیڑھیاں طے کرکے برآمدے کے پختہ فرش پر منتقل ہوگئیں۔ بند دروازے پر باہر سے دباؤ ڈالا گیا اور دیوہیکل چوبی پٹ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف کُھل گیا۔

پھر جونہی ان میں سے پہلا دراز قامت شخص اندر داخل ہُوا، بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اس کے پیچھے مزید تین افراد تھے جو بادی النظر میں اس کے ماتحت معلوم ہو رہے تھے۔

ان میں سے دو کے جسموں پر اوورکوٹ موجود تھے لیکن غنیمت یہ ہُوا کہ ان میں سے کسی نے بھی ہینگر اسٹینڈ کی طرف آنے کی زحمت نہیں کی بلکہ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اپنے اوورکوٹ اتار کر بے پروائی سے اسٹینڈ کی طرف اچھال دیے۔

مجھے خوف ہُوا کہ کہیں اس جھٹکے سے کوئی ہینگر یا اوورکوٹ اسٹینڈ سے نیچے نہ گر جائے۔ ایسی صورت میں میری وہاں موجودگی کا راز فاش ہو سکتا تھا لیکن دونوں اوورکوٹ بالکل ٹھیک نشانے پر آئے اور اسٹینڈ پر جھول گئے جس کے نتیجے میں وہ جھری معدوم ہو گئی جس کے ذریعے میں آنے والوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے بہت احتیاط کے ساتھ سب مشین گن کی نال سے ملبوسات کو دھیمے دھیمے سرکا کر دوبارہ ایک جگہ پیدا کی مگر اس وقت تک وہ چاروں ہال میں آگے بڑھ چکے تھے۔

یہ بات یقینی تھی کہ انھیں بل سارا ہاؤز کے کچن میں چار لاشوں کی موجودگی کا علم تھا اور وہ اس عمارت میں اپنے قدم جمانے سے پہلے ان لاشوں کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کرتے جبکہ میری حکمتِ عملی میں انھیں ذرا بھی مہلت دینے کی گنجائش نہیں تھی، اس لیے میں نے وزنی اونی ملبوسات کی اوٹ میں تیزی سے پہلو بدلا اور اس بار وہ چاروں نظر آ گئے۔

وہ چاروں سگریٹیں سلگا کر ہال کے وسط میں سنجیدگی کے ساتھ کسی موضوع پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ مسلح تو شاید وہ چاروں ہی تھے لیکن دو کے شانوں سے بھرے ہوئے چرمی ہولسٹرز لٹکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

میں سب مشین گن سیدھی کر کے ہینڈز اپ کا نعرہ لگاتا ہوا اضطراری طور پر اپنی کمین گاہ سے باہر نکل آیا۔ دراز قامت کا چہرہ میری طرف تھا، اس لیے سب سے پہلے اس کی تحیر آمیز نگاہیں میری طرف اٹھیں۔ بقیہ تینوں بھی بجلی کی سی سرعت سے میری طرف گھومے تھے۔ وہ چاروں شی کے گرگے تھے۔ اس لیے شرفا کے برعکس آدابِ مجرمانہ سے خوب واقف تھے۔ مشین گن جیسے مہلک ہتھیار کو اپنے مقابل دیکھ کر ان چاروں نے سمجھ لیا تھا کہ ان میں سے کسی نے بھی اپنے ہتھیار تک ہاتھ لے جانے کی کوشش کی تو وہ چاروں ہی چھلنی کیے جا سکتے تھے۔ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں انھوں نے نیم دلی کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھا لیے۔

دراز قامت نے اسی کے ساتھ بھاری آواز میں مجھ سے کچھ کہا جس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہ پڑ سکا۔

"انگریزی میں بات کرو!" میں نے غرا کر درشت لہجے میں کہا۔ "اور اس سے پہلے تم چاروں شانے ملا کر قطار بنا لو تاکہ میں بیک وقت تم سب کو دیکھ سکوں۔ کوئی بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو سب کو بھون ڈالوں گا۔"

مشہور مصنفین کی منتخب کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۲۵ روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۲۵ روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے، جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۲۵ روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ۔ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۲۵ روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو پاکیزگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت ۲۵۰ روپے ڈاک خرچ ۲۵ روپے

کالی کہانیاں
جرائم، جادو، شیطان ازم، ارواح، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت ۳۰۰ روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

نک ویلوٹ کی چوریاں
مشہور سپورنک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چراتا ہے۔
قیمت جلد اول ۶۰ جلد دوم ۶۰/-
ڈاک خرچ فی جلد ۲۳ روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۱۳۳ [illegible] آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

وہ سرعت کے ساتھ میری ہدایت کے مطابق صف آرا ہو گئے۔ اپنی حرکات و سکنات سے وہ چاروں ہی حیرت زدہ اور بڑی حد تک مرعوب نظر آ رہے تھے جس کی وجہ شاید میرے چہرے پر چڑھی ہوئی سپر آئی مین کی مخصوص نقاب تھی۔

"تم کون ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟" دراز قامت نے انگریزی میں مجھ سے سوال کیا۔ خلافِ توقع اس کا لہجہ نرم، دھیما اور مؤدبانہ تھا۔ شاید اُسے میرے روپ میں اپنے سربراہِ اعلیٰ کی موجودگی کا قوی گمان ہو رہا تھا لیکن وہ اس بارے میں براہِ راست کوئی سوال کرنے کے بجائے میری زبان سے انکشاف سننے کا خواہاں تھا۔

"سُپر آئی مین!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ "تم اس عمارت میں کس کی اجازت سے داخل ہوئے ہو؟"

میرے ابتدائی الفاظ پر ان چاروں نے رکوع کے انداز میں اپنے سر کو خم دیا تھا پھر دراز قامت ہی بھرائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔ "میری عقل کچھ کام نہیں کر رہی۔ تھوڑی دیر پہلے تم اسپیس مائین کے کنٹرول روم میں موجود تھے۔ میرا خیال تھا ہم کو تمھاری ہی ہدایت پر یہاں بھیجا گیا ہے۔ ہم ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر پوری رفتار سے یہاں پہنچے ہیں لیکن تم ہم سے پہلے یہاں موجود ہو۔"

"میں نے بل سارا ہاؤز کے بارے میں کسی کو کوئی ہدایت نہیں دی تھی بلکہ ہیلی کاپٹر سے خود یہاں آیا تھا۔ شاید تم کو باہر سے اس عمارت کی چھت پر موجود ہیلی کاپٹر نظر نہیں آیا؟" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"واقعی ہیلی کاپٹر نظر نہیں آیا!" اس کا لہجہ یک بیک طنزیہ ہو گیا۔ "کہر کی وجہ سے فضا دھندلائی ہوئی نہ ہوتی تو ہم یوں بے محابا مُنہ اُٹھائے اندر نہ گھس آتے بلکہ تمھیں گھیرنے کی کوشش کرتے۔"

"کیا بک رہے ہو، ہوش میں رہ کر بات کرو۔" میں نے سب مشین گن کی نال کو جنبش دے کر غصیلے لہجے میں کہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بدلے ہوئے انداز نے مجھے بوکھلا دیا تھا۔ اس کے تینوں ساتھی بھی اس کے جواب کے ساتھ ہی بے خوف نظر آنے لگے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میری کس بات نے ان کا خوف اور احترام زائل کر دیا تھا۔

"شاید ہم تمھیں سپر آئی مین سمجھتے رہتے اور تم ہمیں اپنی مرضی کے مطابق ہانکنے میں کامیاب ہو جاتے لیکن تم نے ہیلی کاپٹر سے اپنی آمد کا ذکر کر کے خود اپنا بھانڈا پھوڑ دیا۔" وہ میری طرف گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہنے لگا۔ "جب ہم اسپیس مائین سے روانہ ہوئے تو ہیلی پیڈ پر کوئی ہیلی کاپٹر موجود نہ تھا۔ جیف ڈارلنگٹن کے جانے کے بعد چھ ہیلی کاپٹر مشن پر روانہ ہو گئے تھے جن کی واپسی کے وقت کا کوئی اندازہ نہیں تھا اور ساتواں ہیلی کاپٹر جیف کا دشمن لے بھاگا تھا، اسی لیے ہمیں کار سے آنا پڑا ہے۔ اگر تم واقعی ہیلی کاپٹر سے یہاں پہنچے ہو تو تم وہی دشمن ہو اور تمھیں جیف، روزمیو اور گیلوانی کے بارے میں جواب دہی کرنا ہو گی۔ سب کو علم ہے کہ چھ ہیلی کاپٹر موت کے سایوں کی طرح تمھارے تعاقب میں نکلے ہوئے ہیں۔ تمھارا مقدر یاور تھا کہ اسپیس مائین کے ریڈیو روم میں سُپر آئی مین کا پیغام تمھاری روانگی کے چند منٹ بعد موصول ہوا ورنہ تمھیں پرواز سے پہلے ہی وہاں جہنم واصل کر دیا جاتا۔ تمھارے فرار کی اطلاع ملتے ہی سُپر آئی مین اسپیس مائین پہنچا تھا اور ساری مہم کی نگرانی وہ خود کر رہا ہے۔"

وہ معاملے کی تہ تک پہنچ چکا تھا، اس لیے اس بارے میں اُسے یقین دلانے کی کوششیں بے سود تھیں لیکن اسے چھیڑ کر مزید کچھ معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں، اس لیے میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "تمھاری معلومات ناقص اور نامکمل ہیں۔ جیف ڈارلنگٹن اور روزمیو کو ہلاک کر کے میں نے اُن کی لاشیں ہیلی کاپٹر سے مارسیلز کے ساحلی علاقے میں گرا دی تھیں۔ گیلوانی ابھی تک مجھے سُپر آئی مین سمجھ رہا ہے اور یہیں ایک خواب گاہ میں آرام کر رہا ہے۔ وہی مجھے ہیلی کاپٹر سے واپس لے جائے گا۔"

"چھ ہیلی کاپٹر مستقل فضا میں منڈلا رہے ہیں اور ان کا آپس میں لاسلکی رابطہ ہے۔ فضا میں پہنچتے ہی تم کسی نہ کسی کی نظروں میں آ جاؤ گے اور تمھیں کسی ننھے سے پرندے کی طرح مار گرایا جائے گا۔" اس کا لہجہ تضحیک آمیز ہو گیا۔

اس کے لہجے پر میں اچانک مشتعل ہو گیا اور ان میں سے سرے والے شخص کو اچانک ہی سب مشین گن کے برسٹ سے چھلنی کر ڈالا۔ اس کے حلق سے ایک کریہہ چیخ نکلی۔ اس کے سر سے پیروں تک سارے بدن پر سوراخ ہو گئے تھے جن سے خون کی دھاریں ابل پڑی تھیں۔ وہ اُچھل کر فرش پر گرا اور آناً فاناً میں ٹھنڈا ہو گیا۔

دراز قامت نے اس واقعے پر اپنے دانت اتنی سختی سے بھینچے تھے کہ اس کے جبڑوں کی وریدیں تک جلد پر اُبھر آئی تھیں۔ بقیہ دونوں افراد کے چہروں پر خوف اور تشویش کے سائے منڈلانے لگے تھے۔

زندگی اور موت کے فلسفے پر گھنٹوں بحث یا تقریر کرنا بہت آسان ہوتا ہے لیکن اجل کی دیوی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رقص کناں دیکھ کر اعصاب پر قابو رکھنا اتنا سہل نہیں ہوتا۔ اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر ان تینوں کو اپنی زندگی کی بے ثباتی کا یقین آ گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ پتھر کے مجسّموں کی طرح اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے تھے۔

"میرے ساتھ جو کچھ ہو گا، وہ بعد میں ہو گا لیکن تم اپنے ہر سانس کے لیے اس وقت میرے محتاج ہو۔" میں نے غصے سے ہنکارتے ہوئے کہا۔ "میں یقیناً تمھارا نقاب پوش خدا نہیں ہوں لیکن میرے قہر سے وہ بھی پناہ مانگتا ہے۔"

"ہمیں تم سے تصادم کی اُمید نہیں تھی لیکن پھر بھی ہم بندوبست سے آئے تھے۔" دراز قامت کے اعصاب اس وقت بھی دم خم سے عاری

یں ہوئے تھے۔ ”پھر آئی مین کسی بھی لمحے ہماری مدد کو پہنچ سکتا ہے۔“

موت کی آغوش میں جھولتے ہوئے ایک حریف کی وہ ہرزہ سرائی یرے ذہن میں ایک دھماکا کر گئی۔ اس کے لہجے میں اعتماد تھا جس کا طلب تھا کہ مجھ سے ایک بار پھر کوئی لغزش ہو رہی تھی جس کا فائدہ ان ینوں کو پہنچ سکتا تھا۔

”کیا ہے تمہارے پاس؟“ میں اپنی جگہ سے چند قدم آگے بڑھ کر دہاڑا۔ ”اسے کیا معلوم کہ تمھیں مدد کی ضرورت ہے؟ بتاؤ، ورنہ میں ابھی تم تینوں کو جہنم واصل کر دوں گا۔“

دراز قامت کی آنکھوں میں تحقیر آمیز چمک نمودار ہوئی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ زبان نہیں کھولے گا لیکن اس کے ساتھی میری جنونی کیفیت سے خوفزدہ ہو چکے تھے، اس لیے ان میں سے ایک اچانک ہی بول پڑا۔

”اس کی جیب میں آٹو ٹرانسمیٹر ہے۔“ وہ دراز قامت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولا۔ ”اگر اس کا سوئچ آن ہے تو شروع سے اب تک کی تمام گفتگو اسپیس نائمن کے ریڈیو روم میں سُنی جا رہی ہوگی۔“

دراز قامت کو اپنا انجام نظر آگیا۔ وہ اپنے ساتھی کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی دیوانہ وار میری طرف لپکا مگر میں اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ میں نے پہلو بدل کر سب مشین گن کا رُخ درست کیا اور اور جب وہ مجھ پر جست لگا رہا تھا تو فضا ہی میں اُس کے جسم سے خون کی دھاریں پھوٹ نکلیں۔ بارود کی بُو اور گن کے بے رحم نغمے کی گونج میں فضا ہی میں دراز قامت کی رفتار کم ہوئی، اس کی آنکھوں کی پتلیاں دھندلائیں اور وہ کسی بے جان وزنی بورے کی طرح وہیں زمین پر آرہا۔

اس کے گر جانے کے بعد میری توجہ دوسری چیخوں کی طرف مبذول ہوئی تو اس کے باقی ماندہ دونوں ساتھی بھی خون میں غلطاں بُری طرح تڑپتے ہوئے نظر آئے۔ شاید میرے مہلک برسٹ کی کچھ بھٹکی ہوئی گولیاں ان دونوں کو بھی چاٹ گئی تھیں۔ مجھے اپنے اس غیر ارادی اقدام پر ذرا ملال نہیں ہوا کیونکہ میرے لیے وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ ان کا آخرکار وہی انجام ہونا تھا جو ہو چکا تھا۔ میرا ان پر رحم کھانے یا انھیں معاف کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

میں نے بڑھ کر پھرتی کے ساتھ دراز قامت کی جیبوں کی تلاشی لی تو ایک جیب میں ٹرانسمیٹر مل ہی گیا لیکن وہ فائرنگ کی زد میں آکر چکنا چور ہو چکا تھا۔ آٹو ٹرانسمیٹر کی تصدیق کے بعد میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ دراز قامت کے دونوں ساتھیوں کو تڑپتا چھوڑ کر میں دوڑتا ہوا عمارت سے باہر نکلا اور یہ دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی کہ باہر موجود امریکن فورڈ مستانگ کار کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ میں نے بلا تامل ڈرائیونگ سیٹ میں چھلانگ لگا کر انجن اسٹارٹ کیا اور تیز رفتاری کے ساتھ کار کو گھما کر بل سارا ہاؤز سے واپس روانہ ہو گیا جہاں اب چار کے بجائے اکٹھی نو لاشیں موجود تھیں۔ پُشت پر موجود تھیلے کی وجہ سے میں نے پُشت گاہ کو پیچھے گرا دیا تھا۔

سیدھے راستے پر آتے ہی میں نے اپنے چہرے سے نقاب اتار کر جیب میں اڑس لیا۔ کار کا ہیٹر پہلے سے آن تھا، اس لیے سفر کرتے ہوئے باہر کی سردی کا ذرا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا البتہ راستے میں جا بجا زمین پر اُتری ہوئی دھند کے دھبّوں کے باعث مجھے کار کی رفتار کم کرنا پڑ رہی تھی، ورنہ وہ کار حقیقی معنوں میں بغیر پیروں والے زمینی طیارے سے کم نہیں تھی۔

اس وقت حکمتِ عملی کا تقاضا یہ تھا کہ میں جمی لائیڈ کو جل دینے کے لیے مارسیلز کے بجائے کسی اور شہر کی سمت نکل جاتا اور اس کار سے چھٹکارا حاصل کر کے ٹرین یا کسی دوسرے ذریعے سے مارسیلز واپس پہنچ سکتا تھا۔

اچانک مجھے اپنی جیب میں موجود ٹرانسمیٹر پر ویرا کی آواز سُنائی دی اور میں نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر ایرپیس جیب سے نکال لیا۔ اس وقت مجھے ڈرائیونگ میں خاصی دقت ہو رہی تھی کیونکہ پُشت پر کسے ہوئے رقم کے تھیلے کی وجہ سے میں نے سیٹ کی پُشت گاہ نیچے گرائی ہوئی تھی۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کب اور کہاں اچانک کار چھوڑنی پڑ جائے۔ ایسے کسی نازک موقعے پر میں رقم کے تھیلے سے محروم ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کیونکہ غریب الوطنی اور خون آشام معرکوں کے اس دور میں گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی وہ رقم ہی مجھے تحفظ اور ٹھکانے فراہم کرا رہی تھی۔ پُشت گاہ نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اپنا توازن کار کے حسّاس پاور اسٹیئرنگ پر برقرار رکھنا پڑ رہا تھا اور اس معاملے میں ذرا سی غلطی مجھے سڑک سے نیچے ناہموار کچی زمین اور کھیتوں میں پہنچا سکتی تھی۔

”ڈینی کالنگ۔۔۔ اوور!“ میں نے ایرپیس پر ویرا کا پیغام مکمل ہوتے ہی اپنا جواب نشر کیا۔

”تم اس وقت کہاں ہو اور کن حالات سے دوچار ہو؟ اوور؟“ ویرا کی آواز میں تشویش اور تجسّس کا پرتو موجود تھا۔

”کہیں چین نہیں ہے۔ اس وقت بھی بھاگ رہا ہوں۔ رشی کے چار آدمی بل سارا ہاؤز آ پہنچے تھے، انھیں ٹھکانے لگا کر ابھی ابھی روانہ ہوا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کہاں جاؤں۔۔۔ اوور!“ میں نے کہا۔

”اوہ! تو تم بل سارا ہاؤز میں تھے؟ مجھے تو تم نے کسی جزیرے کی کہانی سنائی تھی؟ اوور!“ اس کی تحیّر آمیز مگر جھلّائی ہوئی آواز اُبھری تھی۔

”محض احتیاطاً۔“ میں نے نرمی سے کہا۔ ”مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں ہماری گفتگو سُنی نہ جا رہی ہو۔ میں نے جمی لائیڈ کو کسی جزیرے

کا ہی چکر دیا ہوا تھا، ورنہ وہ آسانی سے مجھ تک پہنچ جاتا، اوور!"

"پھر اب کیوں بتا رہے ہو؟ اوور!" وہ چڑ کر غرائی تھی۔

"اس لیے کہ اب میں وہ ٹھکانا چھوڑ چکا ہوں کیونکہ ان چاروں میں سے ایک کے پاس آٹو ٹرانسمیٹر تھا جس کے ذریعے جمی لائیڈ کو میری کمین گاہ کا علم ہو گیا تھا، یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت کیوں رابطہ قائم کیا ہے؟ اوور!"

"چند منٹ پہلے مجھے بھی اسپیس مائین سے نکال کر شہر میں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میرے ساتھ کس قسم کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ مجھے بغیر کچھ بتائے ایک کار میں بٹھا کر بلائنڈ فولڈ کیا گیا اور پھر شہر میں ایک جگہ مجھے اتارنے کے بعد میرے کچھ کہنے یا سمجھنے سے پہلے کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھولی تو خود کو شہر کے ایک غیر معروف علاقے میں موجود پایا جو اس وقت عملاً بالکل ویران پڑا ہوا ہے۔ وہیں سے تم سے بات کر رہی ہوں، اوور!"

"بڑی سیدھی سی بات ہے کہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے تمھیں چارا بنایا گیا ہے۔ ایک طرف سلطان شاہ کا قصہ چل رہا ہے۔ میں نے تم دونوں میں سے جس سے بھی ملنا چاہا گھیر لیا جاؤں گا۔ جمی لائیڈ میرے خلاف اپنے سارے کارڈز بیک وقت کھیلنے پر تل گیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ انھیں تمھارے پاس ٹرانسمیٹر کی موجودگی کا علم تو نہیں ہوا تھا، اوور!" میں نے ایک فوری خیال کے تحت آخری سوال کیا۔

"نہیں، وہ مجھے عزت اور احترام سے لائے تھے۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے انھوں نے میری تلاشی بھی نہیں لی، ورنہ میں اس اکلوتے اپریٹس سے بھی محروم ہو جاتی جو اس وقت تم سے رابطے کا واحد ذریعہ ہے... اوور!"

"تم تیزی سے جگہیں بدل کر اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ تمھاری نگرانی تو نہیں کی جا رہی۔ اس کے بعد مجھ سے بات کرنا، اوور!" میں نے اپنے ذہن میں اگلی حکمتِ عملی کا ایک نیا خاکہ مرتب کرتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔

"میں کوشش کرتی ہوں لیکن اتنا بتا دوں کہ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ اس وقت بازار اور سڑکیں ویران ہیں۔ بھیڑ بھاڑ ہوتی تو کسی نہ کسی کو الو بنا کر ہزار پانچ سو فرانک اینٹھ سکتی تھی... اوور!"

"میرے ساتھ چلنا ہے تو یہ گھٹیا اور بازاری باتیں سوچنا چھوڑ دو" میں نے چڑ کر کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم اس وقت گمنام سپاہی کی یادگار والے پارک سے کتنی دور موجود ہو؟ وہاں تک جا سکتی ہو یا اس میں بھی کوئی دشواری ہے؟ اوور!"

"دو ڈھائی میل دور ہوگا، مگر میں اتنی دور تو جا سکتی ہوں کیا تم مجھے سلطان شاہ کے پاس بھیجنا چاہ رہے ہو؟ اوور!" آخری لمحات میں اس کے لب و لہجے میں حیرت اُمڈ آئی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہ فوراً ہی میرا مقصد سمجھ گئی تھی۔

"جمی لائیڈ نے اپنی دانست میں میرے لیے دو طرف چارا لگایا ہے لیکن تم وہاں پہنچ جاؤ۔ اس طرح یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ سلطان شاہ کے بارے میں اس کی دی ہوئی اطلاع میں کہاں تک صداقت ہے۔ مالیوں کے سامان کی کوٹھری کا جائزہ لینے کے بعد مجھ سے بات کرنا پھر میں اگلے پروگرام کے بارے میں کچھ بتا سکوں گا۔ اوور!"

"سلطان شاہ کے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا گیا جب کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہوگی۔ میں وہاں پہنچوں گی تو شی کے کارندے اوپر والوں کو خبر دیں گے اور جمی لائیڈ سمجھ لے گا کہ میرا تم سے کوئی نہ کوئی رابطہ برقرار ہے، اوور!"

"سمجھنے دو!" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "اگر سلطان شاہ زندہ مل جائے تو اس کے ساتھ نگرانی کرنے والوں کو جل دینے کی کوشش کرنا۔ اس دوران میں، میں دوبارہ مل بیٹھنے کی کوئی تدبیر سوچتا ہوں، اوور...!"

"ٹھیک ہے، اوور اینڈ آل۔" خلافِ توقع اس نے جلد ہی میری جان چھوڑ دی۔

اپریٹس جیب میں ڈال کر میں نے کار کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ میری کوشش تھی کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے، سینٹ فرانسس سے شہر جانے والی سڑک سے نکل جاؤں کیونکہ اس سڑک پر میں بہ آسانی گھیرا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ جمی لائیڈ کے آدمی اگر گاڑیوں میں مل سلداؤز کی طرف دوڑ لگاتے تو اس سڑک پر اپنی مخالف سمت سے آنے والی کسی بھی کار کو تفصیلی دیکھ بھال کیے بغیر آگے نہ بڑھنے دیتے جب کہ شہر کے راستے میں ایسا کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔

میں سنسنی اور بے یقینی کے عالم میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے آخر کار اس شاہراہ پر نکل آیا جو شہر سے جا ملتی تھی۔ وہاں پہنچ کر اچانک مجھے خیال آیا کہ میں ایسی مضحکہ خیز پوزیشن میں ڈرائیونگ کر رہا تھا کہ کوئی بھی سپاہی بلا تامل مجھے روک سکتا تھا۔ پشت پر تھیلا لدا ہوا تھا۔ سیٹ کی پشت گاہ گری ہوئی تھی اور حفاظتی بیلٹ باندھنے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

میں نے شاہراہ پر پہلا موقع ملتے ہی کار روک کر تیزی کے ساتھ تھیلا اتار کر پشت گاہ سیدھی کی اور حفاظتی بیلٹ باندھ کر مارسیلز کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ویرا تذبذب اور بے یقینی کے عالم میں ایک اہم مورچے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

میں نے اسٹریٹ لیمپس کے تیزی سے گزرتے ہوئے انعکاس

میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور فضا پر کہر کی چادر قدرے گہری ہو چلی تھی۔ میں دل ہی دل میں ویرا کی رفتار اور اس کی منزلِ مقصود کے فاصلے کا اندازہ لگاتا رہا۔ میرے حساب سے وہ پارک سے چند قدم دور ہی رہی ہوگی کہ اچانک ایئر پیس پر اس کی آواز اُبھری۔ وہ میری توقع سے بڑھ کر بھی تیلی اور باحوصلہ ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے پھُرتی کے ساتھ ٹرانسمیٹر نکال لیا۔

"سلطان شاہ واقعی زندہ اور صحیح سلامت ہے" میرا جواب سُن کر ویرا نے پُرجوش مگر دھیمی آواز میں اطلاع دی اور میرے وجود میں سکون کی ایک ناقابلِ بیان لہر سی دوڑ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے کوئی بچھڑی ہوئی عزیز ترین شے ملنے کی خبر سنائی گئی ہو۔

"اور اس وقت میرے ساتھ ہے" ویرا میرے جذباتی ہیجان سے بے خبر اپنی بات پوری کر رہی تھی "دو آدمی میرا پیچھا کر رہے تھے اور چار افراد پارک کی نگرانی پر مامور تھے۔ اب ہم کسی طرح ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کریں گے، اوور!"

"سلطان شاہ سے بات کراؤ میری، اوور!" میرا لہجہ یک بیک جذباتی ہو گیا۔

"گھاس کھا گئے ہو" اس کی غصیلی آواز اُبھری "میں اس وقت ایک ویران پبلک ٹوائلٹ سے بول رہی ہوں اور وہ باہر پہرا دے رہا ہے۔ کوئی بھی اِدھر آتا نظر آیا تو وہ سیٹی بجائے گا اور میں سلسلہ منقطع کر دوں گی۔ اس سے کیسے بات کرا سکتی ہوں تمھاری، اوور!"

"معاف کرنا، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس وقت خلوت میں ہو" سلطان شاہ کے زندہ ہونے کی اطلاع ملتے ہی میری زندہ دلی لوٹ آئی تھی "وہ تو تنہائی میں ویسے بھی تم سے گھبراتا ہے، اوور!"

"بالکل جنگلی اور غیر مہذب ہے۔ عورتوں کی دلجوئی تو کسرِ شان سمجھتا ہے" وہ چڑچڑے لہجے میں بولی "میں اُسے دیکھتے ہی اضطراری طور پر گلے لگا بیٹھی تھی تو وہ فوراً ہی مجھے جھٹک کر الگ ہو گیا۔ اسے دفع کرو، یہ بتاؤ کہ اب کیا پروگرام ہے؟ اوور!"

"تمھیں یقین ہے کہ ان کی تعداد چھ سے زیادہ نہیں ہے؟ اوور!"

"ان میں سے کسی نے خود کو چھپانے کی کوشش نہیں کی البتہ ہم سے دور دور رہے ہیں۔ ان کے تیوروں سے پتا چل رہا ہے کہ وہ پوری طرح مسلح اور پُراعتماد ہیں۔ وہ سب ایک دوسرے کے شناسا ہیں اور کئی بار پوزیشنیں بدل چکے ہیں، اوور!"

"میں اس وقت شاہراہ پر ہوں اور میرے پاس بھری ہوئی سب مشین گن بھی موجود ہے۔ یہ بتاؤ کہ میں تم تک کس راستے سے پہنچ سکتا ہوں۔ چوہے بلی کا یہ کھیل جلدی ختم ہونا چاہیے، اوور!"

"تم تو براہِ راست اُن سے ٹکرا جانا چاہتے ہو؟ اوور!" ویرا کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"اس کے علاوہ کوئی متبادل راستہ سمجھ میں نہیں آتا" میں نے کہا "انھیں زیادہ مہلت دی گئی تو نفری میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اب تم دونوں یکجا ہو چکے ہو اور جمی لائیڈ یہ خبر ملتے ہی ہمارا کھیل سمجھ جائے گا، اوور؟"

ویرا نے تفصیل کے ساتھ مجھے پارک تک پہنچنے کا راستہ سمجھایا اور پھر رابطہ منقطع کر دیا۔

میں اس کی بتائی ہوئی نشانیوں کے سہارے کار ڈرائیو کرتا رہا۔ جب میرے اندازے کے مطابق چند منٹ کا فاصلہ باقی رہ گیا تو میں نے سب مشین گن کا میگزین چیک کر کے سیفٹی کیچ ہٹایا اور گن گود میں رکھ لی۔ ڈالروں سے بھرا ہوا تھیلا میرے برابر والی نشست پر موجود تھا پھر بھی میں نے احتیاطاً زِپ کھول کر بڑے نوٹوں کی چند گڈیاں اپنی جیب میں ڈال لیں تاکہ کسی ہنگامی صورتِ حال میں ویرا کی طرح بالکل تہی دستی کے عالم میں نہ بھاگنا پڑے۔

جب مجھے فضا میں کہر میں لپٹا ہوا کنکریٹ کا ایک سربلند ستون نظر آیا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں نے کار کو پارک کے قریب موڑتے ہوئے طے شدہ اشارے کے مطابق دو مرتبہ ہارن بجایا اور رفتار تیز کر دی۔ چند سیکنڈ کی برق رفتار ڈرائیونگ کے بعد پارک کا دوسرا کونہ نظر آیا تو میں نے بریک لگا دیے۔ دیوہیکل فورڈ مستانگ جہاں تھی، اپنے مضبوط سسپنشن پر وہیں جھُول کر رہ گئی۔ اسی لمحے دھند میں دو انسانی ہیولے دوڑتے ہوئے نمودار ہوئے۔ میں نے پسنجر سیٹ کا وسیع و عریض دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں شاید دو دروازوں والی کار کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے اگلی نشست پر ہی ایک دوسرے پر آ گرے۔ پھر اس سے قبل کہ دروازہ بند کیا جاتا، فضا فائرنگ کے شور سے لرز اُٹھی۔

گولیاں کئی سمتوں سے آئی تھیں۔ فائر کرنے والے بلا کے نشانہ باز تھے کیونکہ کار کی باڈی سے کئی گولیاں ٹکرائی تھیں۔ ویرا اچھل کر عقبی نشست پر چلی گئی اور سلطان شاہ نے میری گود میں سے مشین گن اٹھا لی۔ اسی اثنا میں مَیں نے کار کو نہایت تیزی سے دوڑا دیا۔ سڑک پر ٹائر چیخ اُٹھے۔ دروازہ پُرشور آواز کے ساتھ بند ہوا اور سلطان شاہ نے حیرت ناک سرعت کے ساتھ شیشہ گرا کر اندازے سے سب مشین گن کا فائر کھول دیا۔ اس کا اندازہ اتنا درست تھا کہ پہلے ہی برسٹ کے نتیجے میں فضا دو دلدوز انسانی چیخوں سے لرز اُٹھی۔ اسی کے ساتھ کار کا ایک پچھلا ٹائر کان پھاڑ دینے والے دھماکے سے پھٹ گیا۔

پچھلا ٹائر ناکارہ ہونے کی وجہ سے اسٹیئرنگ پر ایک جھٹکے کے علاوہ کوئی اثر نہیں پڑا البتہ باڈی کو جھٹکے لگنے شروع ہو

گئے لیکن اس وقت رُکنا یا رفتار کم کرنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ سلطان شاہ مختصر وقفوں سے سمت بدل بدل کر ہلکے برسٹ مار رہا تھا تاکہ میگزین بدلے بغیر ہم اس محاذ سے نکل جائیں۔

"رفتار بڑھاؤ" اچانک ویرا حلق کے بل ہذیانی انداز میں چیخی اور میں نے رفتار والا پیڈل پوری قوت کے ساتھ کار کے پائیدان میں گھسیڑ دیا۔ انجن غضبناک آواز میں غرّایا اور کار اُچھلنے کے ساتھ ہی رفتار یک بیک تیز ہو گئی۔ اسی وقت داہنی جانب سے کوئی شے اڑتی ہوئی ہمارے پیچھے سڑک پر گری اور ہولناک دھماکے سے پوری کار لرز کر رہ گئی۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے شدید زلزلہ آ گیا ہو۔ عقب نما آئینہ میں پیچھے کثیف دھواں اور شعلے نظر آ رہے تھے۔

آئینے میں وہ منظر دیکھ کر میں اپنی جگہ پر لرز کر رہ گیا، اگر ویرا نے بروقت وارننگ نہ دی ہوتی تو پل بھر کی تاخیر سے ہم تینوں کے چیتھڑے اُڑ گئے ہوتے کیونکہ پھٹنے والا آتش گیر بم بہت زیادہ طاقتور ثابت ہُوا تھا۔

پھر میرے کانوں میں سب مشین گن کے کھٹکے کی آہنی گونج آئی اور میں مضطرب ہو گیا کیونکہ گن کا میگزین خالی ہو چکا تھا۔ ویرا بھی اس صورتِ حال کو سمجھ گئی اور اُس نے عقبی پائیدان سے نیا بھرا ہوا میگزین اٹھا کر سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا۔

ہماری کار پر فائرنگ جاری تھی لیکن ہم ان کی زد سے تقریباً باہر آ چکے تھے۔ پیچھے پھر اسی شدّت کا ایک اور دھماکا ہُوا۔ ان دولوں کی نگرانی کرنے والے مایوسی اور بے بسی کے عالم میں اپنا اسلحہ برباد کرنے پر تُل گئے تھے تاکہ اپنے آقاؤں کو یقین دلا سکیں کہ اپنی پوری قوت صرف کر ڈالنے کے باوجود اپنے حریفوں کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

"تھیلے میں رقم ہے اسے اپنی کمر سے باندھ لو" فائرنگ کے شور سے دور نکل آنے کے بعد میں نے سلطان شاہ سے کہا۔

"اسے تو تم نے گیسٹ ہاؤس میں بُری طرح گھیر لیا تھا پھر وہ نکل جانے میں کیسے کامیاب ہو گیا؟" سلطان شاہ نے تھیلا سنبھالتے ہوئے حیرت آمیز لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"میری حماقت کہہ لو" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"لمبی کہانی ہے، ذرا فرصت سے سناؤں گا"

"پیچھے ایک کار آ رہی ہے" ویرا کی آواز پر میں نے سر اٹھایا تو عقب نما آئینے میں دھندلائے ہوئے دو عدد ہیڈ لیمپس تیزی سے قریب آتے ہوئے نظر آئے۔

ہمارے لیے وہ نازک لمحات تھے۔ پھٹا ہُوا پچھلا ٹائر کار کی رفتار پر بُری طرح اثر انداز ہوا تھا۔ اس میں سفر جاری رکھ کر ہم کسی بھی لمحے بے موت مارے جا سکتے تھے۔ اس وقت پیچھے آنے والی کار خاصی دور تھی، میں نے سوچا کہ اپنی کار روک کر ہم نیچے چھلانگ لگا دیں کہ اسی وقت سلطان شاہ اپنی نشست کی پُشت گاہ نیچے گرا کر پیچھے پہنچ گیا۔

"رفتار کم کرو" سلطان شاہ کی آواز حلق سے غراہٹ کی طرح آزاد ہوئی تھی پھر اُس نے سب مشین گن کے آہنی دستے کی طاقت ور ضرب سے مستانگ کی عقبی ونڈ شیلڈ چکنا چور کر دی۔ شیشہ ٹوٹتے ہی بھیگی ہوئی یخ بستہ ہوائیں میرے جسم کے کھلے ہوئے حصّوں سے ٹکرائیں اور میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اس وقت سلطان شاہ کا حوصلہ بہت بڑھا ہوا تھا اور وہ انہونی کر گزرنے پر تُل گیا تھا۔ میرے نزدیک وہ مرحلہ کچھ کرنے یا خاموشی سے مر جانے کی حد تک ٹل گیا تھا، اس لیے میں نے بے چون و چرا سلطان شاہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کار کی رفتار کم کرنا شروع کر دی۔

"کیا دیوانگی ہے؟ وہ بم مار کر ہمیں فنا کر دیں گے" ویرا جھلا کر چیخی تھی۔

"چُپ چاپ تماشا دیکھتی جاؤ" سلطان شاہ کی آواز سخت، سرد اور تحکم آمیز تھی "ہاتھ سے گولہ اتنی دور نہیں پھینکا جا سکتا جتنی دور اس مشین گن کا فائر کمال دکھاتا ہے۔ مجھے اس کی رینج کا اندازہ ہو چکا ہے، وہ ہمارے قریب بھی نہ پھٹک سکیں گے۔ آئے تو ان کے چیتھڑے اڑا ڈالوں گا"

وہ ٹوٹی ہوئی عقبی ونڈ شیلڈ کے سہارے نال ٹکا کر وہیں جم گیا، جب میں نے اپنے ساتھ ان کی رفتار بھی کم ہوتی ہوئی محسوس کی تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ شاید وہ براہِ راست مقابلے کے بجائے صرف ہمارے تعاقب پر اکتفا کرنا چاہ رہے تھے تاکہ جب تک ان کی مدد کے لیے اسپیس نائین یا کسی دوسرے اڈّے سے کمک نہ آئے وہ ہمیں اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں لیکن میری تشویش زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ رفتار میں کمی شاید ان کے اضطراری ردِّ عمل کا نتیجہ تھی کیونکہ چند ثانیوں بعد ہی وہ ہیڈ لیمپس پھر قریب آنے لگے۔ اپنے بڑوں کی بے رحمی کے خوف اور گھبراہٹ نے شاید ان کی عقلیں بالکل ہی ماؤف کر دی تھیں کہ وہ مرنے کے لیے خود بڑھے چلے آ رہے تھے۔

وہ رات میری زندگی کی چند بھیانک ترین راتوں میں سے ایک تھی جمی لائیسٹر اپنی خوش نصیبی کی بنا پر میرے ہاتھ سے بچ گیا تھا لیکن اندھیرا پھیلنے کے بعد رونیو، جیف ڈارلنگٹن اور گیلوانی سمیت میرے ہاتھوں سات افراد مارے جا چکے تھے۔ سلطان شاہ کی مشین گن سے ہلاک یا زخمی ہونے والے ان کے علاوہ تھے۔ تصادم جاری تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ سلسلہ کہاں موقوف ہوتا۔

پھٹے ہوئے ٹائر کی وجہ سے کار کا پچھلا حصّہ جھٹکے کھا رہا تھا جس کی وجہ سے سلطان شاہ کو سب مشین گن کی نال ایک جگہ جمائے رکھنے میں

دشواری ہو رہی تھی لیکن پھر بھی وہ اپنی جگہ ڈٹا ہوا تھا پھر جونہی پچھلی کار اس کے اندازے کے مطابق رینج میں آئی اس نے ان پر جہنم کا دہانہ کھول دیا۔ چیخوں کی تعداد چار سے کہیں زیادہ تھی۔ کرب ناک آوازوں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ سب ہی بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ سہل موت ان میں سے کسی کا مقدر نہ بن سکی تھی۔

سلطان شاہ کسی وقفے کے بغیر تسلسل کے ساتھ میگزین خالی ہونے تک فائر کرتا رہا اور آخر کار پیچھے آنے والی کار کی روشنیاں ڈگمگا کر یکلخت ایک طرف گھوم گئیں۔ شاید ان میں سے کوئی بھی اسٹیرنگ یا کار کو سنبھالنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

"کمال کر دیا۔" بارود کی بو اور گمبھیر فضا میں ویرا کی تحسین آمیز آواز ابھری۔ "جی چاہتا ہے کہ تمہارے ہاتھ چوم لیے جائیں۔"

"میرے ہاتھوں پر رحم کرو۔" سلطان شاہ کی کھردری آواز سنائی دی۔ "تم نے ایک بار انہیں چوم لیا تو پھر زندگی بھر کسی دشمن پر نہ اٹھ سکیں گے۔ میں عورتوں کی انہی عادتوں سے گھبراتا ہوں۔"

"پتا نہیں اپنی ماں کو کیسے برداشت کرتے ہو گے تم؟" ویرا اپنی توہین پر بجا طور پر سلگ اٹھی۔

"عورت!" سلطان شاہ بھی بپھر گیا۔ "دوبارہ ایسے معاملات میں میری ماں کا نام لیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

"وہ تو اب بھی کوئی نہیں ہے۔" ویرا زہریلے لہجے میں بولی۔ "بالکل ہی نادر الوجود ہو۔"

"بس آپس میں نہ الجھو۔" مجبوراً مجھے دخل انداز ہونا پڑا۔ "دونوں میں سے ایک آگے آ جاؤ۔"

چند ثانیوں تک ان دونوں میں سے کسی نے پیش قدمی نہیں کی پھر سلطان شاہ کی نرم آواز ابھری۔ "جاؤ تم آگے چلی جاؤ۔ یہ فن ڈینی ہی کو آتا ہے کہ وہ محبت ایک سے کرتا ہے لیکن دل ہر ایک کا رکھنا جانتا ہے۔" وہ واضح طور پر ویرا سے مخاطب تھا۔

"نہیں جاتی، کیا میں تمہارے باپ کی نوکر ہوں؟" ویرا تنک کر بولی۔

میری توقع کے برعکس سلطان شاہ بے اختیار ہنس پڑا۔ "میرے باپ نے کیا بگاڑا ہے تمہارا جو اسے یاد کر رہی ہو۔ جاؤ آگے چلی جاؤ۔ یہاں بیٹھی غصے سے بل کھاتی رہو گی اور سیٹ پر پڑے ہوئے ونڈ شیلڈ کے ٹکڑے تمہیں زخمی کر دیں گے۔ اس وقت ہم تینوں کو ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہنے کی ضرورت ہے۔"

سلطان شاہ کی ہنسی کارگر ثابت ہوئی اور ویرا خاموشی کے ساتھ میرے برابر والی نشست پر آ گئی۔

"ہمیں جلد از جلد اس کار سے نجات حاصل کرنا ہے۔ اس بارے میں تمہیں رہنمائی کرنا ہو گی۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے جمود توڑنے کی نیت سے ویرا کو مخاطب کیا۔ "پھٹے ہوئے ٹائر کے ساتھ ڈرائیونگ کرتے دیکھ کر کہیں بھی کوئی سپاہی روک سکتا ہے پھر شاید شی والے بھی اس مستانگ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔"

"اگلے چوراہے سے گاڑی داہنی طرف موڑ لینا۔ کار چھوڑ کر تھوڑی دور چلیں گے تو ٹیکسیاں نظر آ سکتی ہیں۔" وہ بولی۔

"اتنی رات گئے مارسیلز جیسے شہر میں ٹیکسیاں؟" سلطان شاہ اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکا۔

"اسے بتاؤ کہ مارسیلز فرانس کی ایک مصروف بندرگاہ ہے اور یہاں ہر وقت ہزاروں غیر ملکی ملاح مختصر سی مدت کے لیے موجود رہتے ہیں۔" ویرا براہِ راست اسے جواب دینے کے بجائے مجھ سے بولی۔ "ان کی دل بستگی کے لیے یہیں کہیں ریڈ لائٹ ایریا ہے جہاں رات بھر چہل پہل رہتی ہے اور ٹیکسیاں بھی ملتی ہیں۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ ٹیکسی لے کر ہم جائیں گے کہاں؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔ "اس شہر میں ہم شی والوں سے کہیں بھی نہیں بچ سکتے۔ آج جمی لائیڈ نے شاید اپنی زندگی کا بدترین دن گزارا ہے مچھلی اس کے ہاتھ آئے بغیر کانٹے سے چارا نکال لے گئی۔ وہ ہماری تلاش میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔"

"کیوں نہ ہم قانون کی پناہ لے لیں؟" سلطان شاہ نے رائے دی۔

"اوّل تو خود ہمارے ہاتھ صاف نہیں ہیں، شہر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ ہم آرام سے کسی نہ کسی واردات میں ملوث کر دیے جائیں گے۔" میں نے کہا۔ "پھر تم انسپکٹر سائمن بولیتھو کو بھی بھول رہے ہو۔ نہ جانے شہر کے اور کتنے افسر شی کے تنخواہ دار ہوں گے۔ شی کے ایما پر وہ ہمیں قانون کی تحویل سے اٹھا کر جمی لائیڈ کے قدموں میں ڈال دیں گے۔"

"قانون کی ایسی بے بسی تو ہم نے اپنے ملک میں بھی نہیں دیکھی۔" وہ بڑبڑایا۔ "یہ تو پھر یورپ ہے۔"

"چھوٹے مجرموں کے لیے یہاں کا قانون اور اس کے نگہبان بہت سخت ہیں۔" ویرا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "منظم جرائم کے لیے یہاں برسوں محنت اور منصوبہ بندی کی جاتی ہے، اس لیے سب دھرا رہ جاتا ہے۔ پتا نہیں سائمن جیسے نیک نام اور ہر دل عزیز پولیس افسر کو کن حالات میں اور کیسے خریدا گیا ہو گا۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اعلیٰ افسروں اور سرکاری اہلکاروں کو بلیک میل کرنے کے لیے شی میں ایک علیحدہ سیل قائم ہے جو ہر اہم افسر کی کمزوریوں کا تصویری اور دستاویزی ریکارڈ رکھتا ہے۔ ضرورت پیش آنے پر متعلقہ افسر کو اس مواد کے سہارے جھکنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔"

"ان باتوں کا تجزیہ بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔ فی الحال جو مسئلہ درپیش ہے اس کا کوئی حل سوچو۔" میں نے ویرا کا فقرہ مکمل ہوتے ہی اس کی

بات اچک لی، ورنہ وہ اس وقت تقریر کے موڈ میں آچکی تھی۔

”ہوٹل مخدوش ہیں، شہر میں کوئی شناسا نہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ کدھر جائیں“، ویرا تشویش آمیز لہجے میں بولی ”بس ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ فائر کیمپ کے حادثے کے نتیجے میں جو متعدد عمارات تباہ ہوئی ہیں، ان میں سے کسی کے ویران کھنڈرات میں پناہ لی جا سکتی ہے لیکن وہاں ہمیں قرب و جوار میں رہنے والوں کی نظروں سے بچنے کے لیے بہت محتاط رہنا ہوگا۔“

”یونہی قید رہنا ہے تو اس سرد اور بے رحم موسم میں بے ردیولہ اور غیر محفوظ کھنڈرات سے کہیں بہتر جیف ڈارلنگٹن کا فلیٹ رہے گا، وہاں زندگی کی ساری آسائشیں بھی موجود ہیں۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

”اور تمہارا خیال ہے کہ جیف ڈارلنگٹن ہمارے اس تصرف پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا؟“ ویرا نے سوال کیا۔

”مرنے والے کسی پر اعتراض نہیں کیا کرتے۔“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

”کیا مطلب؟“ ویرا بُری طرح چونکی ”تو کیا وہ بھی اب اس دُنیا میں نہیں ہے؟“

”اسپیس نائین سے میں اُسے یرغمال کے طور پر اپنے ساتھ ہیلی کاپٹر میں لے کر فرار ہوا تھا۔ پائلٹ کے علاوہ رونیو نامی ایک آدمی اور بھی تھا۔ میں نے راستے میں ہی ان دونوں کو مار کر ان کی لاشیں ہیلی کاپٹر سے نیچے گرا دی تھیں۔“

”اوہ! جب ہی تمہاری روانگی کے بعد وہ نظر نہیں آیا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اُسے لے گئے ہوگے۔“

”اس کی سلور آئی میرے پاس ہے۔“ میں نے پُرسکون لہجے میں کہا، ”دوستوں کی موجودگی میں، میں کہیں بھی سُپر آئی مین بن سکتا ہوں۔ جمی لائیڈ کی نقاب بھی میری جیب میں موجود ہے۔“

”ربیکا پہلے ہی مر چکی، اب جیف بھی اس دُنیا میں نہیں رہا۔“ وہ خود کلامی کے انداز میں بولی ”اگر ہم پڑوسیوں کی نظروں میں آئے بغیر چند روز کے لیے وہاں قابض ہو سکیں تو جمی لائیڈ کے فرشتے بھی وہاں کے بارے میں نہیں سوچ سکیں گے اور ہم ان کی ناک کے نیچے دندناتے رہیں گے۔ تمہاری تجویز واقعی بہت معقول ہے۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ تم نے خاموشی کے ساتھ جیف ڈارلنگٹن کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا، وہ واقعی بہت خبیث آدمی تھا۔“

ٹیکسی اسٹینڈ نظر آنے تک ہم اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے پھر مستانگ کو سڑک کے کنارے روک کر نیچے آ گئے۔ رقم ساتھ لے لی گئی تھی۔ راستے میں میرے مشورے پر چند گڈیاں ویرا اور سلطان شاہ نے اپنی تحویل میں لے لی تھیں۔ مشین گن خالی اور بھرے ہوئے میگزین سمیت کار کے عقبی پائیدان میں چھوڑ دی گئی تھی۔

ویرا کا خیال تھا کہ اس علاقے میں مستانگ کی موجودگی کی بنا پر ٹیکسی ڈرائیوروں وغیرہ سے باز پرس کر کے ہمارا کھوج نکالنے کی کوشش کی جا سکتی تھی، اس لیے ہم نے وہاں سے براہِ راست جیف ڈارلنگٹن کے فلیٹ کا رُخ کرنے کے بجائے تین مقامات پر ٹیکسیاں بدلیں اور جب ہم ائیرپورٹ سے واپس آ رہے تھے تو اچانک ہی سلطان شاہ کو ایک انوکھی تجویز سوجھ گئی۔

”میرے پیٹ میں شدید درد ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اپنڈکس کی تکلیف شروع ہو گئی ہے۔“ اس نے زبان کھولی تو میرے ساتھ ہی ویرا بھی بُری طرح چونک پڑی کیونکہ اس وقت ہر غیر معمولی بات ہمارے لیے دُشواری کا سبب بن سکتی تھی۔

”تکلیف ابھی شروع ہوئی ہے یا پہلے سے چل رہی ہے؟“ ویرا نے تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا۔

”ابھی ابھی دریافت ہوئی ہے۔“ وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا ”میرا خیال ہے کہ تم دونوں بھی کسی تکلیف میں مبتلا ہو۔ تم دونوں کے چہرے اُترے ہوئے اور زرد نظر آ رہے ہیں۔“

”پھر تو شاید تمہیں یرقان بھی ہو گیا ہے، جب ہی ہر چیز زرد نظر آ رہی ہے۔ کم از کم میں تو پوری طرح صحت مند اور چاق و چوبند ہوں۔ پچھلے دس برس سے کوئی بیماری مجھے چھو کر نہیں گزری۔“ ویرا، سلطان شاہ کے بارے میں یک بیک بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگی تھی کیونکہ اس مرحلے پر ہم تینوں میں سے کسی ایک کی مجبوری بقیہ دونوں کے لیے بھی مسئلہ بن سکتی تھی۔

”میں بھی بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔“ میں نے کچھ سمجھے بغیر کہا ”تم کیا محسوس کر رہے ہو؟“

”کچھ بھی نہیں۔“ وہ بولا ”کافی سوچنے کے بعد اپنڈکس دریافت کر سکا ہوں۔ تم دونوں بھی غور کرو تو اپنے لیے بیماریوں کا انتخاب کر سکتے ہو۔ اس طرح کہیں قید ہونے کے بجائے ہم آرام سے دو تین دن کسی اسپتال میں گزار سکیں گے۔“

اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہی ویرا خوشی سے اُچھل پڑی لیکن ٹیکسی ڈرائیوروں کی موجودگی کی وجہ سے اپنے لب و لہجے کو قابو میں رکھتے ہوئے بولی ”بہت آسان اور لاجواب تجویز ہے لیکن تمہیں اپنے لیے کسی اور بیماری کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اپنڈکس کا نام لیا تو فوراً ہی تمہارا آپریشن کر دیا جائے گا۔ یورپ میں سرجری اس قدر رائج ہو گئی ہے کہ معالج اپنے مریض کو عام طور پر زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ ہمیں ایسی بیماریوں کے بارے میں سوچنا

ے گا جن میں آپریشن کا دخل بھی نہ ہو اور ہمارا جھوٹ بھی نہ
ا جا سکے۔"

داس ترکیب میں کسی خطرے کا امکان تو نہیں ہے لیکن ہم
ن کا یکجا ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ یادگاری پارک والے واقعے کے
جمی لائیڈ کے آدمی تین کی سرٹولی کو پرکھنے کی کوشش کریں گے۔"
نے سوچتے ہوئے کہا۔

"بیمار تم دونوں ہی بنو گے۔ ہمارے پاس رقم کی کوئی کمی نہیں
ے اس لیے تمھیں رئیس زادے ظاہر کرکے میں تمھاری خدمت گار
بکتی ہوں۔ مارسیلز میں ایسے کئی نجی اسپتال ہیں جہاں سوئٹ مل جاتے
...!" ویرا کہنے لگی۔

"تم فائر کیمپ کا واقعہ بھول رہی ہو" میں نے اس کی بات
ٹ کر کہا۔ "اسپتالوں میں زخمیوں کے لیے جگہ باقی نہیں رہی تھی
انھیں دوسرے شہروں میں بھیجا گیا تھا۔ ہمیں آسانی سے جگہ نہیں
ا سکے گی۔"

"وہ ہنگامی اور وقتی صورتِ حال تھی۔" ویرا بولی۔ "بیشتر زخمیوں
و اسی وقت یا دوسرے دن چھٹی دے دی گئی تھی۔ اسپتال میں جگہ
اصل کرنا میرا کام ہے۔ تم ایک بار تجویز کے بارے میں اپنا فیصلہ
دو۔ باقی کام میں خود دیکھ لوں گی۔"

یوں ہم نے مارسیلز کے کسی اسپتال میں پناہ لینے کا فیصلہ کر
لیا اور اسی ٹیکسی میں جیف ڈارلنگٹن کے فلیٹ سے تھوڑے فاصلے
پر واقع ایک اسپتال میں پہنچ گئے۔ راستہ تبدیل نہ کرنے کی وجہ سے
ٹیکسی ڈرائیور کو ہم پر کوئی شبہ نہیں ہوا اور وہ ڈالروں کی صورت میں
کرایہ اور بخشش لے کر ممنونیت کا اظہار کرتا ہوا روانہ ہو گیا۔

اسپتال میں ویرا نے ترجمانی کے بہانے ساری ذمے داری اپنے
سر لی اور وہاں فی البدیہہ جو کچھ جھوٹ بولتی رہی اس کے متن سے
ترجمانی کے بہانے ہم دونوں کو آگاہ کرتی رہی۔ اسپتال میں اس نے
سلطان شاہ کو اس کے پاسپورٹ کے مطابق ہندی نژاد ظاہر کیا
ھی یہ اضافہ کر دیا کہ وہ ایک سرپھرا مہم جُو تھا جو خاندانی دولت برباد
رنے کے لیے یورپ کی خاک چھانتا پھر رہا تھا۔ میں یعنی پیٹر واک
س کا مقامی معاون تھا اور ویرا کا کام سلطان شاہ کے مشاہدات کو
ز بند کرنا تھا جنھیں وہ واپسی پر کتابی صورت میں شائع کرنا چاہتا تھا۔

اس نے مجھے اختلاجِ قلب کا مریض ظاہر کیا تھا جب کہ
سلطان شاہ کو موسم کی بنا پر اعصابی درد میں مبتلا بتایا۔ یہ دونوں تکالیف
یسی تھیں جن کا اپنے طور پر سراغ لگانا مشکل تھا۔ بیشتر مریض کے بیان
پر تھا انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اختلاجی کیفیت طاری ہو تو مشینوں کے
ذریعے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے قبل یا دورے کی
یفیت گزر جانے کے بعد کوئی سراغ لگانا مشکل ہوتا ہے یہ خال خال
اور شدید دوروں کی صورت میں ہوتا ہے کہ بعد میں بھی دل کی حرکات و
سکنات میں ماہر معالج موہوم یا واضح بے ترتیبی دریافت کر لیتے ہیں۔
اس لیے ہم دونوں ہی ویرا کے دیے ہوئے امراض کے بارے
میں مطمئن تھے۔

وہ کوئی مفت یا سرکاری اسپتال نہیں تھا بلکہ خدمت برائے
دولت کے اصول پر چلایا جانے والا نجی ادارہ تھا جہاں مرض کی نوعیت
کے بجائے سہولتوں کے حصول کا انحصار مریض کی جیب کے وزن پر
تھا۔ ابتدائی معائنے اور چند تجزیوں کے بعد ہمیں اسپتال میں دو ایسے
آراستہ کمرے مل گئے جو درمیانی دروازے کے ذریعے ایک دوسرے
سے منسلک تھے اور ہر کمرے میں نجی خدمت گار کے لیے علیحدہ بستر
موجود تھا جس پر ویرا آرام سے رہ سکتی تھی۔

سلطان شاہ نے تنہا رہنے کو ترجیح دی تھی، اس لیے ویرا میرے
کمرے میں آ گئی۔ چند منٹ بعد دو نرسیں اسپتال کا مخصوص سفید لباس
لے آئیں جسے پہن کر مجھے یک بیک آرام کی ضرورت کا احساس
ہونے لگا۔ ان کے جانے کے بعد ایک نرس دوائیں لے کر آئی
درجۂ حرارت اور خون کا دباؤ وغیرہ دیکھا اور چلی گئی۔ ویرا نے بتایا
کہ اس کی درخواست پر ہسٹری شیٹ بنانے کا کام صبح تک ملتوی
کر دیا گیا کیونکہ اس کے لیے مجھے کسی جونیئر ڈاکٹر کے بہت سے سوالوں
کے جواب دینے پڑتے اور رات یونہی کالی ہو جاتی۔

میں نے درمیانی دروازے سے سلطان شاہ کے کمرے میں
جا کر جائزہ لیا تو وہ بھی اسپتال کے لباس میں آ چکا تھا۔ مجھے دیکھ کر
وہ احمقانہ انداز میں مسکرایا اور بستر سے اتر کر صوفے پر دراز ہو گیا۔
"یہاں کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہمیں اپنا لباس چھوڑ کر اسی سفید کفن میں
بھاگنا پڑے گا اور ہم ہر طرف تماشا بن جائیں گے۔" وہ میرا جائزہ
لے کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"وہ بعد کی بات ہے، یہ تو بتاؤ کہ گیسٹ ہاؤس میں کیا ہوا
تھا؟ میں نے تو تمھاری فاتحہ پڑھ لی تھی۔" میں نے اس کے برابر میں
بیٹھتے ہوئے کہا اور اسی وقت ویرا بھی میرے تعاقب میں اسی کمرے
میں آ گئی۔

"گیسٹ ہاؤس میں سب کچھ توقع کے عین مطابق ہوا۔ جب
جمی لائیڈ اوپر آیا تو میں نے اسے دیکھتے ہی فائر کر دیا۔ میرا نشانہ خطا
ہونے پر وہ میری طرف لپکا لیکن میں نے دروازہ بند کرکے اندر سے
بولٹ کر لیا۔ وہ کچھ دیر تک دروازے پر زور آزمائی کرتا رہا۔ اسی
دوران میں عمارت میں آگ پھیلنے لگی اور وہ دروازے سے ہٹ گیا۔"

"پھر تم کہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے؟" میں نے سوال کیا۔

"دروازے سے نکلنے میں جمی لائیڈ سے دوبارہ ٹکراؤ کا خدشہ
تھا، اس لیے میں کھڑکی سے چھجے پر اترا اور پھر باہر پھیلی ہوئی بھیڑ

میں شامل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔" وہ بتانے لگا۔ "مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ اس معرکے کا انجام دیکھنے کے لیے میں وہیں رُکا رہا جب پولیس اور فائر بریگیڈ کے عملے نے راستہ بنانے کے لیے بھیڑ ہٹائی تو میں بھی وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اس وقت میرے ذہن میں کوئی ٹھکانا نہیں تھا نہ ہی پروگرام کے مطابق تم نظر آئے تھے، اس لیے میں بے مقصد چلتا رہا۔ اس دوران میں ایک جگہ میرا تعاقب شروع ہوگیا اور میں نے اپنی دانست میں جدوجہد کے بعد پیچھا کرنے والوں کو جُل دے کر پارک کی کوٹھری میں پناہ لے لی۔ میں بہت دیر تک وہاں رہا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے اپنے دشمنوں کو دھوکا دے دیا تھا مگر پھر اچانک ویرا وہاں آ پہنچی۔"

"اور تم مجھے بھوت سمجھ کر بوکھلا گئے!" ویرا کو ایک بار پھر اپنی توہین یاد آگئی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" سلطان شاہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "ہمارے معاشرے میں غیر عورت کو شجرِ ممنوعہ سمجھا جاتا ہے۔ میری تربیت اسی ماحول میں ہوئی ہے، اس لیے تمھارے لمس سے وحشت زدہ ہوگیا تھا۔"

"شاید ڈینی کسی اور معاشرے سے آیا ہے۔" ویرا نے دوبارہ طنزیہ لہجے کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"شہری اور دیہی علاقے کے علاوہ ہم دونوں کے علاقوں میں ایک ہزار میل سے زیادہ کا فرق ہے . . ." سلطان شاہ نے وضاحت کرنا چاہی لیکن ویرا نے تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے یہ سب نہ بتاؤ۔ میں نے خود پاکستان کا چپہ چپہ دیکھا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں رہی ہوں لیکن مجھے کہیں بھی تم جیسا کوئی عورت گریز شخص نہیں ملا۔ خوبصورت اور نامحرم عورتوں کو عام طور پر ایک خوشگوار حیرت کے ساتھ قبول کرلیا جاتا ہے۔ پختہ کردار کے لوگ بھی خوش دلی کے ساتھ یوں پیش آتے ہیں کہ توہین کے احساس کے بجائے اپنی پیش قدمی پر خود ندامت ہونے لگتی ہے۔"

"محض تمھاری دلجوئی کے لیے میں اپنی تربیت فراموش نہیں کر سکتا۔" سلطان شاہ نے چڑ کر کہا۔

"بہتر ہوگا کہ اب آرام کیا جائے۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔ "ورنہ اس بحث میں رات بھی گزر سکتی ہے۔"

"درمیانی دروازہ اپنی طرف سے بولٹ کرلینا۔" ویرا نے میرے ساتھ چلتے ہوئے چڑانے والے لہجے میں اس سے کہا۔ "ورنہ میرے خوف سے تمھیں رات بھر نیند نہیں آسکے گی۔"

سلطان شاہ نے ویرا کے اس تضحیک آمیز تبصرے پر زیرِ لب کچھ کہا تھا جو میرے پلّے نہ پڑ سکا۔

* * *

اسپتال میں ہم دونوں کی بے بنیاد بیماریوں کا علاج ہوتا رہا۔ گولیاں اور شربت نالی میں بہتے رہے۔ اگلا دن ویرا نے شہر میں مصروف رہ کر گزارا۔ سردی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اونچے کالر والے اونی کوٹ، ہیٹ اور لمبے چرمی جوتوں کی مدد سے نہ صرف اپنا حلیہ بلکہ چال تک اتنی تبدیل کرلی تھی کہ بادی النظر میں اسے پہچاننا مشکل ہوکر رہ گیا تھا لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ جو لوگ اسے کلثوم احمدی کے روپ میں پہچان کر اغوا کرسکتے تھے، ان سے بچنا ویرا کے لیے آسان نہیں تھا۔

واپسی پر اس نے بتایا کہ کافی بھاگ دوڑ کے بعد وہ شہر کے پسماندہ علاقے میں کرائے پر ایک کمرا حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی جہاں کوئی آسائش تو میسر نہیں تھی لیکن بنیادی ضرورت کی تقریباً ہر شے موجود تھی۔ اس کمرے کا بندوبست کرنے کے بعد ویرا نے ہم دونوں کے لیے کچھ سامان خرید کر وہاں پہنچا دیا تھا تاکہ ہم اپنے حلیے تبدیل کرسکیں۔

باہمی مشورے کے بعد طے کیا گیا کہ ہمیں اسی شام اسپتال چھوڑ دینا چاہیے تاکہ شام کے اندھیرے میں ہماری منتقلی کا عمل بے خوف و خطر مکمل ہوسکے لیکن جب ویرا نے ہمارے ڈسچارج کے سلسلے میں کاؤنٹر سے رجوع کیا تو پتا چلا کہ حسابات کا شعبہ پانچ بجے بند ہوچکا تھا اس لیے اگلے دن تک انتظار کرنا ضروری تھا۔ اسپتال کا عملہ مناسب ڈپازٹ لے کر نئے مریضوں کو داخل کرنے کا مجاز ضرور تھا لیکن شعبۂ حسابات کی اجازت کے بغیر انھیں کسی مریض کو چھوڑنے کی اجازت نہیں تھی۔

اس بارے میں ویرا کافی دیر مصروف رہی آخرکار اسپتال کے منتظم سے اس کے گھر فون پر بات کرنے کے بعد بہ مشکل یہ طے پایا کہ مزید پانچ سو ڈالر جمع کراکے ہم اسپتال چھوڑ سکتے تھے۔ حساب صاف کرنے کے لیے ویرا کو اگلی صبح نو بجے اسپتال آنا پڑتا۔ ایک رات کے لیے دو مریضوں پر سات سو ڈالر کا خرچ بہت زیادہ تھا لیکن ہمارے پاس رقم کی کوئی کمی نہیں تھی، اس لیے پانچ سو ڈالر دے کر ہم نے وہاں سے روانگی کی تیاری شروع کردی۔ اسپتال چھوڑنے کے لیے ویرا نے سلطان شاہ کے ایک اہم انٹرویو کا بہانہ تراشا تھا جو یورپ کے ایک گمنام مگر باحوصلہ کوہ پیما کے ساتھ اچانک ہی طے ہوگیا تھا۔

"جانے سے پہلے کیوں نہ ایک بار جمی کو چھیڑ لیا جائے . . . ؟" سلطان شاہ نے رائے ظاہر کی۔ "ہوسکتا ہے کہ نئے ٹھکانے پر یہاں جیسی آزادی میسر نہ ہو، کم از کم اندازہ تو ہوجائے گا کہ وہ کیا کرنا چاہ رہا ہے۔"

"یہ اس کے زخم کرید کر اسے اشتعال دلانے کے برابر ہوگا۔" ویرا بولی۔ "بہتر یہی ہے کہ اسے نہ چھیڑا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ یہ نتیجہ

رے کہ ہم اس سے خوفزدہ ہو کر مارسیلز سے بھاگ گئے ہیں۔"

وہ دونوں اس موضوع پہ بات کرتے رہے اور میں اپنی غلطی سوں کرتا رہا۔ میرے پاس جمی لائیڈ سے چھینا ہوا ٹرانسمیٹر موجود تھا۔ کو اگر آن رکھا جاتا تو جمی لائیڈ کا کوئی پیغام وصول کرنے کے علاوہ سے رابطہ بھی قائم کیا جا سکتا تھا۔ میں یہ تو دیکھ چکا تھا کہ اس اپریشن ستعمال کے نتیجے میں جمی لائیڈ کے لیے ہمارے ٹھکانے کا سُراغ لگانا نہیں تھا۔ میں نے اپنی حماقت سے جو وقت گزار دیا وہ بہت اہم مجھے یقین تھا کہ اس دوران میں جمی لائیڈ نے مجھ سے بات کرنے شش ضرور کی ہوگی۔

تم کیوں نہیں بولتے، کیا سوچ رہے ہو؟" ویرا کی بحث سے آکر سلطان شاہ نے میرا سہارا لینے کی کوشش کی۔

میں بات کروں گا۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے ہم پر غالب نہ آنے کے باوجود جمی لائیڈ اپنی حکمتِ عملی میں کامیاب رہا ہے اور ہم اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے ہیں۔"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہو تم؟" ویرا نے حیرت سے سوال کیا۔ وہ مجھے را گھور رہی تھی جیسے میرا دماغ چل گیا ہو۔

"اُس نے خود سامنے آ کر ہمیں اپنے راستے سے ہٹا دیا ہے۔ ہماری ل ہم ہیروئن کے خلاف تھی جو شی کا اصل کاروبار ہے۔ اسی میں اسلحے سمگلنگ بھی آ جاتی ہے لیکن اس وقت ہم اپنے نشانوں کو بھول کر وری قوت سے جمی لائیڈ کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ کشت و خون میں تھا کہ وہ کسی بھی وقت ہم پر ہاتھ ڈال دے گا کیونکہ ہم اسے انا کی جنگ جو کر لڑ رہے ہیں۔"

"تجربہ کار اور وفادار ساتھیوں کی ہلاکت سے بھی وہ دن بہ دن کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ آدمی تو بہت مل جاتے ہیں لیکن ان کی وفاداری اور صلاحیت آزمانے کے لیے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ طرح ہم اسے زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب کے لیے کام کرنے والوں کے لیے تمہارا نام ہوا بن جائے گا اور وہ سے کنارہ کشی ہونے لگیں گے۔ شی کی بیخ کنی کے لیے اس سے یادہ موثر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے؟" ویرا کے ذہن میں میری متعلق طرح ممکن نہیں ہماری تھی ہو تم نے جمی لائیڈ کو بھی عملاً بے دست و پا دیا تھا۔ اگر اس کے ستارے اس کا ساتھ نہ دیتے تو اس کی موت ساتھ ہی شی کا شیرازہ بکھر گیا ہوتا۔"

"وہ ایک اتفاق تھا کہ جمی لائیڈ نرغے میں آ گیا تھا۔" میں نے کہا۔ ہمارا اصل نشانہ اٹلی میں ہے جہاں شی کی مرکزی قیادت جمی لائیڈ کی ربوں ڈالر کی غیر قانونی عالمی تجارت کو کنٹرول کرتی ہے لیکن لائیڈ نے پیش قدمی کر کے ہمیں یہاں مارسیلز میں بُری طرح الجھا لیا ہے اور وہ ہمیں ہمارا قصہ ختم کر دینے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"اگر تم گفتگو کرنا چاہ رہے ہو تو اتنی بحث کا کیا فائدہ، بات کر ڈالو۔ ہمیں یہاں سے نکلنا بھی ہے۔" سلطان شاہ نے ہم دونوں کی گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بے فائدہ بحث نہیں ہے۔" میں نے تھیلے میں سے جمی لائیڈ والا ٹرانسمیٹر نکال کر آن کرتے ہوئے کہا۔ "مقصد اور حکمتِ عملی طے کیے بغیر اگر ہم اپنی توانائیاں برباد کرتے رہے تو ہم بوڑھے ہو جائیں گے لیکن شی کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔"

ٹرانسمیٹر پر دوسری طرف سناٹا تھا۔ میں نے بٹن دبا کر دھیمی آواز میں خیر خواہ کے نام سے جمی لائیڈ کے لیے کال نشر کی۔ جواب میں دوسری طرف سے فوراً ہی ایک نسوانی آواز ابھری تھی جسے شاید خیر خواہ والے حوالے کے بارے میں بتا دیا گیا تھا۔

"سپیر آئی مین موجود نہیں ہے، چاہو تو اس کے لیے پیغام چھوڑ سکتے ہو۔ اوور!" کھنکتی ہوئی نسوانی آواز نے باوقار لہجے میں کہا۔

"میں خود اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کب تک مل سکے گا؟ اوور!" میں نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" لڑکی کی آواز سپاٹ تھی۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی لوٹ آئے، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مہینوں اِدھر کا رُخ نہ کرے۔ پیغام ہو تو وہ دُنیا کے کسی بھی حصے میں اُس تک پہنچایا جا سکتا ہے... اوور!"

"تو کیا وہ فرانس سے باہر ہے؟ اوور!" میں اُسے اچھی طرح کریدنے پر تُلا ہوا تھا۔

"وہ دُنیا کے کسی بھی حصے میں ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس کے پروگراموں کا علم نہیں ہوتا لیکن یہ ضرور بتا سکتی ہوں کہ آج صبح اس نے تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی جو بے سود ثابت ہوئی۔ اس کے بعد وہ چلا گیا، اوور!"

لڑکی کا جواب سنسنی خیز اور خیال انگیز تھا۔ ہر لاسلکی ریڈیائی آلے کی طرح جمی لائیڈ سے چھینا ہوا ٹرانسمیٹر بھی ایک مخصوص حد کے اندر موثر ہو سکتا تھا۔ اس کی ساخت اور سائز کی بنا پر میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ چند سو کلومیٹر سے زیادہ فاصلے پر کارآمد نہیں رہا ہوگا اور جمی لائیڈ نے مجھ سے رابطہ قائم کرنے میں ناکامی کا سامنا کرنے پر شاید یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہو کہ ہم تینوں فرانس کی حدود سے ہی فرار ہو گئے تھے اور ہماری امکانی منزل اطالوی سرزمین ہو سکتی تھی جہاں اس کا مرکز قائم تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ فوری طور پر اٹلی روانہ ہوا ہوگا جہاں اسے ہماری طرف سے کسی بڑی تخریبی کارروائی کا خدشہ رہا ہوگا۔

"وہ جہاں بھی ہو، اسے پیغام دے دینا کہ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں، اوور!"

"تم بے فکر رہو، یہ پیغام پہلی فرصت میں پہنچا دیا جائے گا۔ اس دوران میں تم اپنا اپریٹس آن رکھنا تاکہ رابطہ قائم کرنے میں دشواری نہ ہو۔ آج صبح شاید تمہارا اپریٹس آف تھا، اوور!" لڑکی کی آواز ابھری۔ وہ خود گفتگو آگے بڑھا رہی تھی، اس لیے میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ "میرا اپریٹس آف نہیں تھا بلکہ میں اس کی رینج سے باہر تھا، کتنی رینج ہے اس کی؟ اوور!"

"دو سو کلومیٹر، تم کہاں گئے ہوئے تھے؟ اوور!" اس نے میرے سوال کا جواب دے کر کہا۔

"فرانس سے باہر تھا۔" میں نے یہ سوچ کر شوشا چھوڑا کہ وہ لڑکی اپنی حاصل کی ہوئی تمام معلومات اپنے آقا تک ضرور پہنچائے گی۔ "ابھی ابھی مارسیلز واپس لوٹا ہوں، اوور!" گفتگو کے اختتام کا موقع میں اسے دینا چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، ضرورت پیش آئی تو میں خود تم سے رابطہ قائم کر لوں گی، میرا کوڈ ہنی بال ہو گا، اوور!"

"بڑا خوبصورت کوڈ ہے تمہارا۔" میں نے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے منہ میں مصری کی ڈلی گھل رہی ہو۔ ڈیوٹی کے بعد تم کہاں ہوتی ہو؟ میرا خیال ہے کہ تم میں اپنے کوڈ کی تاثیر ضرور ہو گی، اوور!"

"میں ہر وقت ڈیوٹی پر ہوتی ہوں تم باہر کے آدمی نہ ہوتے تو میں تمہاری جسارت پر شٹ اپ ضرور کہتی۔ ہمارے کام میں خیانت کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اس لیے اوور اینڈ آل۔" اس کی آواز سخت اور حوصلہ شکن تھی۔

"گالیاں کھا کر بے مزہ نہ ہوا۔" سلطان شاہ میری طرف دیکھ کر گنگنایا۔ "اچھی صورت یا آواز پر تو تم ریشہ خطمی ہو جاتے ہو۔ آخرکار اس نے گھما پھرا کر تمہیں شٹ اپ کہہ ہی دیا اور تم مسکرا رہے ہو۔"

"یہ بہت چالاک ہے۔" میرے بجائے ویرا میرا دفاع کرتے ہوئے بولی۔ "اس نے لڑکی سے کئی کام کی باتیں معلوم کی ہیں، اس لیے اسے مسکرانا ہی چاہیے۔ اس پر ڈورے ڈالنے میں کامیابی ہو جاتی تو آج میں ڈینی کی شاگردی اختیار کر لیتی۔"

"شاگردی کی کیا ضرورت ہے، تم تو خود اس کی استاد بنی ہوئی ہو۔" سلطان شاہ منہ کر بولا۔

اسی نوک جھونک میں تیاری مکمل کر کے ہم اس اسپتال سے نکل کھڑے ہوئے۔

ویرا سمجھ چکی تھی کہ جی لائیڈ نے میری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر فوراً ہی مارسیلز چھوڑ دیا تھا کیونکہ اسے اپنے گھر کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ ہنی بال نے بالواسطہ طور پر بتا دیا تھا کہ جی لائیڈ دو سو کلومیٹر سے کہیں زیادہ فاصلے پر تھا، اس اعتبار سے حالات میرے قائم کیے ہوئے نظریات کی مکمل کر تائید کر رہے تھے۔ جی لائیڈ اس مقابلے میں اب واضح طور پر اپنی کمزوری کا اظہار کر رہا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ
کے مہرے اس وقت تک ذہنی یا جسمانی سطح پر میرے معیار
بہت کم تر ثابت ہوتے آئے تھے اور میں ان سے من مانا
کرنے یا ان کی زبان سے ناگفتنی اگلوانے پر قادر رہا تھا جبکہ
خلاف جی لائیڈ کو صرف اپنے وسائل پر انحصار کرنا پڑ رہا تھا۔

اسپتال سے روانہ ہونے کے بعد ہم ٹیکسی کے
کے جس رہائشی علاقے میں پہنچے، وہ پاکستانی معیار سے ایک
علاقہ نظر آ رہا تھا لیکن شہر کے اپنے معیار کے مطابق وہ نسبتاً کم
والے افراد کا علاقہ معلوم ہو رہا تھا کیونکہ وہاں مکانات کا سائز
تھا اور باہر نظر آنے والے لوگوں کے لباس سے بھی تمول کا
نہیں ہو رہا تھا۔

ٹیکسی چھوڑنے کے بعد ویرا ہمارے ساتھ ایک
میں داخل ہوئی، جس کے ایک طرف مکانات کی قطار تھی اور
کے سامنے دوسری قطار کے مکانوں کے سامنے سرسبز
پھیلے ہوئے تھے۔ ایک مکان کے قریب رک کر ویرا نے جیب
چابی نکال کر تالا کھولا اور اگلے ہی لمحے ہم تینوں اس صاف
کمرے میں داخل ہو چکے تھے، جس پر دن میں ویرا خاصی
کر چکی تھی۔

اندر مناسب روشنی والے بلب کے ساتھ دو ٹیبل لیمپ
تھے۔ کمرے میں دو سنگل بیڈ لگے ہوئے تھے اور صوفہ کسی تیسرے
فرد کے لیے کافی تھا۔ وسطی میز پر ویرا کے لائے ہوئے سامان
تھیلے رکھے ہوئے تھے۔

"اُدھر باتھ روم ہے۔" ویرا نے سلطان شاہ کو مخاطب کر کے
ایک گوشے میں بند دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
سلطان شاہ اُسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور کر
اور ویرا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

میں نے ویرا کے جمع کیے ہوئے تھیلوں کا جائزہ لیا تو دل
دل میں اس کی عقل مندی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ موسم کی
سے وہ چرمی جیکٹوں کے ساتھ ایسی جینز لائی تھی جنہیں ہم
کے ساتھ مسلسل کئی دن تک استعمال کر سکتے تھے۔ شوٹنگ
ہیٹ اور بڑے فریم والے پولارائیڈ شیشوں والی عینکیں اس کے
علاوہ تھیں۔ حقیقت یہ تھی کہ ہم تینوں کو شہر میں قدرے آزادانہ
نقل و حرکت کے لیے حلیے بدلنا ناگزیر ہو گیا تھا ورنہ
ہم پر وار کر سکتے تھے۔

اس وقت میرے چہرے پر داڑھی موجود تھی جو خاصی
اور بڑی ہو چکی تھی۔ پہلے میں نے اسے کتر کر مختصر کرنا چاہا لیکن
آسان کام نہیں تھا، اس لیے ویرا کے مشورے پر میں نے

صاف کر دیا۔ منہ ہاتھ دھو کر میں نے ویرا کا لایا ہوا لباس زیب تن کر کے سر پر ہیٹ جمایا، سیاہ فریم والی عینک لگائی اور ڈریسنگ کارنر میں آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو خود حیران رہ گیا۔ مجھ میں اتنی واضح تبدیلی آ چکی تھی کہ خود اپنا عکس اجنبی نظر آ رہا تھا۔ میں ان دونوں کے سامنے آیا تو ان کے چہرے مسرت سے کھل اٹھے۔

"اب تمھیں کوئی نہیں پہچان سکتا" ویرا نے اپنی محنت کو بار آور دیکھ کر پُرجوش لہجے میں کہا۔

"تم اپنا سر مونڈ کر بھی خود کو اتنا تبدیل نہیں کر سکتیں" سلطان شاہ کو تبصرہ کرنے کا سنہرا موقع ہاتھ آ گیا۔

"یہ شوق تم ہی پورا کر لینا۔ مجھے مزید کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں" ویرا ترش لہجے میں بولی۔

"جنس بدلنے کے علاوہ اب رہ بھی کیا گیا ہے تمھارے لیے۔ اپنے ترکش کے سارے ہی تیر ایک ایک کر کے آزما چکی ہو" اس وقت میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ پاکستان سے باہر نکلنے کے بعد سلطان شاہ کی اردو قابلِ رشک حد تک بہتر ہو چکی تھی۔

"چلو! میں تمھارا ہی سر مونڈ دوں" ویرا نے جھلا کر اس کا کالر دبوچ لیا اور مجھے مجبوراً دخل انداز ہو کر سلطان شاہ کو تیاری کے لیے باتھ روم کی طرف دھکیلنا پڑ گیا، ورنہ ویرا اپنے ارادے میں سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

جی لائیڈ کا ٹرانسمیٹر آن کیا ہوا میز پر رکھا ہوا تھا۔ میں صوفے پر دراز سگریٹ پی رہا تھا اور ویرا دیوار گیر سروس بورڈ پر برقی کیتلی میں چائے کے لیے پانی کھولا رہی تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور ہم دونوں ہی چونک پڑے۔

یہ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ اصل مکان سے ملحق اس کمرے کے دروازے پر ڈور بیل کا کوئی بٹن وغیرہ موجود نہیں تھا لیکن اس بات پر حیرت ضرور تھی کہ ہمارے وہاں پہنچتے ہی کون سا ملاقاتی نازل ہو گیا تھا۔

ویرا جھجکتے ہوئے دروازہ کھولنے کے لیے بڑھی تو میں نے ہیم گن جیب سے نکال کر اپنی گود میں چھپا لی تاکہ خطرے کی صورت میں بلا تاخیر جوابی کارروائی کر سکوں۔ عافیت اور بے فکری کا وہ ٹھکانا میسر آنے کے بعد میں فوری طور پر کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

دروازہ کھولنے سے پہلے ویرا نے دستک دینے والے سے کوئی سوال کیا اور اس کا جواب سن کر سر کی جنبش سے مجھے مطمئن رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ باہر ایک ادھیڑ عمر شخص موجود تھا جو ویرا کی دعوت کا رسمی انتظار کیے بغیر اندر گھس آیا۔ اس کی زرد اور بے رونق آنکھوں میں روح کو لرزا دینے والی بھیانک سی اداسی موجود تھی، جیسے وہ زندہ انسان کے بجائے کسی مُردے کی کھلی ہوئی حسرت زدہ نگاہیں ہوں۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ شخص مدتوں سے کسی طاقت ور نشے کا عادی چلا آ رہا تھا۔

اندر آ کر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ویرا سے فرنچ میں کچھ کہا جس پر ویرا انگریزی میں بولی "موسیو کاویل! تم انگریزی جانتے ہو اس لیے میں اسی زبان میں بات کروں گی تاکہ میرا مہمان اجنبیت محسوس نہ کرے، تمھیں اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

اس شخص نے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں لہرایا اور انگریزی میں بولا "زبان سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اعتراض تو مہمان کی موجودگی پر ہے، تم نے ابھی تک اس کا جواب نہیں دیا۔"

"میں مانتی ہوں کہ کمرا تم نے مجھے دیا تھا لیکن یہ مہمان مل گیا تو میں اسے کہاں لے جاتی؟"

"ایک اور بھی تو ہے" وہ کسی مُردار گدھ کی طرح کمرے میں چاروں طرف نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولا "مجھے اطلاع ملی تھی کہ اس کمرے میں تین افراد آئے ہیں، تیسرا کہاں غائب ہو گیا؟" اس کے

توجہ کیجیے
اُن کے لیے جو دستِ شناسی کے فن کی تہہ میں اُترنا چاہتے ہیں
دست شناسی کے نئے رُخ
فرسودہ اور پُرانی کتابوں سے بالکل مختلف
ماضی حال اور مستقبل کی اسرار کشا
دنیا کے عظیم پامسٹوں کی تازہ ریسرچ کا نچوڑ
اور ساتھ میں
دست شناسی کی لغت
جس کے ذریعے کوئی بھی اپنے ہاتھ کو فوراً پڑھ سکتا ہے
قیمت:- ۲۰ روپے ڈاک خرچ: ۳ روپے
مکتبہ نفسیات، پوسٹ بکس ۹۴۴ کراچی

انداز سے میں نے سمجھ لیا کہ وہی مالک مکان تھا۔

"وہ باتھ روم میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں رات کو میرے ساتھ یہیں قیام کریں۔"

"یہ ناممکن ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "تم فاضل کرایہ ادا کرکے صرف ایک کو اپنے ساتھ سلا سکتی ہو لیکن اس چھوٹے سے کمرے میں تین آدمی نہیں رہ سکتے۔ ہیلتھ انسپکٹر کو بھنک بھی مل گئی کہ میں نے یہاں تین کرائے دار ٹھہرائے ہیں تو مجھے چار گنا جرمانہ ادا کرنا پڑ جائے گا۔ میں یہ خطرہ کبھی مول نہیں لے سکتا۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے قانون سے زیادہ رقم اینٹھنے کی فکر تھی اور وہ گفتگو کے معاملے میں بدتمیزی کی حد تک بے پروا نظر آ رہا تھا جس کی وجہ سے اس کو برداشت کرنا خاصا صبر آزما کام تھا۔

"انسپکٹر رشوت لیتا ہے؟" میں نے دخل انداز ہوتے ہوئے لٹھ مار انداز میں براہِ راست سوال کر ڈالا۔

"لیتا بھی ہو تو اس کا منہ کون بھرے گا؟" وہ کام کی بات سن کر ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"ظاہر ہے کہ یہ جرمانہ ہم ہی ادا کریں گے۔" میں نے اس کے حریصانہ رویے پر اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اور دو فاضل آدمیوں کا کرایہ بھی۔" اس کی آنکھوں میں دھندلی سی چمک پیدا ہو گئی۔

"اکٹھی رقم بتا دو تو بہتر ہوگا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"تیس فرانک فی آدمی فی رات سمجھ لو۔" اس نے اپنی دانست میں ایک بڑا مطالبہ پیش کر دیا۔

"رشوت سمیت؟" بڈھے کی اوقات سمجھ لینے کے بعد میں نے اسے دانستہ شہ دی۔

"اتنے ہی رشوت کے سمجھ لو۔" موقع ملتے ہی وہ پھیل گیا۔ "کل ساٹھ فرانک فی آدمی فی رات ہوئے۔"

"یہ تو کرائے سے زیادہ پورے مکان کی قسط معلوم ہو رہی ہے۔" میں نے اسے چھیڑا پھر ایک دم موضوع بدل دیا۔ "یہاں مال کون سا ملتا ہے؟"

"سب کچھ مل سکتا ہے لیکن پہلے رقم کی بات طے کرو۔" وہ اپنے پسندیدہ موضوع سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"رقم مل جائے گی تم اس کی فکر نہ کرو۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور میز پر رکھا ہوا اپریٹس آف کر دیا۔

"تم بھی پورا ہفتہ یہاں رہو گے؟" اس نے میرے قریب آ کر پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

"ضروری نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں کل ہی واپس چلے جائیں۔" مجھے معلوم تھا کہ ویرا ایک ہفتے کا پیشگی کرایہ ادا کر چکی تھی اور وہ اسی حوالے سے ہمارے قیام کی مدت جاننا چاہ رہا تھا۔

"جتنے دن چاہو رہو لیکن مجھے ہر دن کا معاوضہ پیشگی دینا ہوگا۔" وہ پھر مطلب کی بات پر آ گیا۔ "اس لیے آج کی رقم تو دے ہی دو۔"

اس مرحلے پر ویرا نے اپنے پاس سے مقامی کرنسی میں اسے مطلوبہ رقم ادا کر دی جو اس نے گنے بغیر جیب میں اڑس لی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اسے ہم لوگوں پر اعتماد تھا بلکہ وہ ویرا کو نوٹ گنتے ہوئے اتنے غور سے دیکھ رہا تھا کہ عملاً خود بھی اس گنتی میں شریک تھا۔

"اب بتاؤ کہ تم کو کیا مال چاہیے؟" کاویل نے نوٹ اپنی جیب میں اڑسنے کے بعد کہا۔

"یہاں شوگر مل جاتی ہے؟" میں نے قدرے رازدارانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"براؤن شوگر بہت مہنگی ملتی ہے۔" اس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر کہا۔ "لیکن میں تمھیں سستی دلوا سکتا ہوں۔"

اس کے جواب پر ویرا کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے تھے۔ شاید اسے امید نہیں تھی کہ کاویل اتنی آسانی کے ساتھ مجھ سے اس موضوع پر کھل کر گفتگو کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

"کیا تم بھی شوگر استعمال کرتے ہو؟" میں نے اس کی بے رونق آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔" اس نے سختی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "میں مارفین کے انجکشن لیتا ہوں۔ میری بیٹی شوگر ٹریڈ میں ہے، اسی کے مال میں سے موقع پا کر میں تھوڑی تھوڑی مقدار نکالتا رہتا ہوں پھر اسے بیچ دیتا ہوں۔ میرے پاس اب بھی آٹھ دس گرام سے زیادہ مال ہوگا۔ چاہو تو صرف دس ہزار فرانک میں پوری تھیلی لے سکتے ہو۔ بہت منافع بخش سودا رہے گا۔"

بات واضح ہو چکی تھی۔ کاویل کی بیٹی ہیروئن فروش تھی لیکن شاید اپنے باپ کے اخراجات کے معاملے میں فراخ دل نہیں تھی، اس لیے وہ اپنی بیٹی کے پیکٹوں میں سے تھوڑی تھوڑی مقدار چرا کر بیچتا رہتا تھا تاکہ اپنے مارفین کے اخراجات پورے کر سکے۔ اسی تنگ دستی کی وجہ سے اس نے اپنا ایک کمرا کرائے پر چلایا ہوا تھا اور جب اسے ہم لوگوں سے کچھ اضافی آمدنی کی امید پیدا ہوئی تو وہ ہیلتھ انسپکٹر اور قوانین کا سہارا لے کر بے دھڑک ہمارے سروں پر آ موجود ہوا۔

"میں بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا کیونکہ اس کے بارے میں مجھے اپنے قائم کیے ہوئے نظریے کی تصدیق سے زیادہ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے بلا حیل و حجت اعتراف کر لیا تھا

وہ مارفین کا عادی تھا اور اس کی بیٹی ہیروئن بیچتی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہیں اس کی بیٹی نچلی سطح پرشی کے لیے کام نہ کرتی ہو۔ اس لیے اس کا سامنا کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

جب چاہو بتا دینا۔ پیسہ دیتے ہی مال مل جائے گا اور ہاں، بھی آجائے تو خود کو کرائے دار ہرگز ظاہر نہ کرنا۔ یہ بتانا کہ تم مہمان ہو اور دو چار دن میں چلے جاؤ گے۔" وہ عادی نشہ باز تھا لیکن ہر بات صاف صاف کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔

"فاضل رقم دے کر بھی ہمیں جھوٹ بولنا پڑے گا؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے نزدیک اس بے ضرر جھوٹ سے مجھے کچھ رقم مل جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ دراصل یہاں کے رہائشی قوانین بڑے عجیب ہیں۔ مالکان چھوٹے ڈربوں میں ایک دوسرے پر سوار رہیں، تو قانون کوئی تعرض نہیں کرتا لیکن مکان کرائے پر دینے کے لیے بہت کی ضروریات اور نفری کے مطابق کم از کم مقررہ رقبہ ہونا ضروری ہے۔ ان شرائط کو پورا کرتا پھروں تو کرائے کی مد میں ملنے والی رقم سے زیادہ اخراجات اٹھانے پڑیں گے۔ تم نے ہیلتھ انسپکٹر یا اس کے عملے سے سچ بولا تو نہ صرف مجھے جرمانہ ادا کرنا ہو گا بلکہ تم تینوں میں سے کم از کم ایک کو فوری طور پر یہ کمرا چھوڑ کر اپنا بندوبست کہیں اور کرنا ہو گا جو تمہارے لیے تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔"

"تم بے فکر ہو کر جاؤ۔ ہماری وجہ سے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔" ویرا اس کی طول پکڑتی ہوئی مداخلت سے اکتائی ہوئی نظر آنے لگی تھی اس لیے زبان پر قابو نہ رکھ سکی۔

"میری بیٹی آجائے تو اسے کرائے کے علاوہ کچھ نہ بتانا۔ یہ رقم میں اپنے ذاتی مصرف میں لاؤں گا۔" وہ جاتے جاتے مڑ کر اپنی ہنسی چھپاتے ہوئے بولا۔ "اسے بھنک مل گئی تو وہ میرے پاس ایک کوڑی بھی نہیں چھوڑے گی۔"

"بے فکر رہو۔" ویرا اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر آہستگی کے ساتھ اسے دروازے سے باہر نکالتے ہوئے بولی۔ "تم چاہو تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ تم نے ترس کھا کر ہمیں اپنی چھت کے نیچے پناہ دی ہوئی ہے۔"

میں کاویل کا جواب نہ سن سکا اور ویرا دروازہ بند کر کے سر ہلاتی ہوئی واپس آگئی۔ پانی تیار تھا لیکن ویرا شاید بڈھے کی تواضع ہی کرنا چاہتی تھی، اس لیے اس کے جاتے ہی چائے تیار کر کے لے آئی اور مجھ سے بولی۔ "تمہیں کاویل سے اتنی لمبی چوڑی گفتگو کی کیا ضرورت تھی؟"

"اسے چھیڑے بغیر کچھ معلوم کرنا ناممکن تھا۔ ہم یہاں ٹھہرے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں کس قسم کے خطرات پیش آسکتے ہیں۔ ہمیں اس کی بیٹی کی طرف سے محتاط رہنا ہو گا۔ وہ ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

"ضروری نہیں کہ ہر چھوٹا موٹا ہیروئن فروشی کے لیے کام کرتا ہو۔" وہ گرم گرم چائے کا ایک لمبا گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ "کاویل جیسے ٹوٹے ہوئے لوگ فاضل آمدنی کے لیے اپنے طور پر ایسے دھندوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔"

"سلطان شاہ درست کہہ رہا تھا۔ سر مونڈ لو تو تم زیادہ گہرائی تک سوچ سکو گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایک طرف اس کی بیٹی اتنی کنجوس ہے کہ باپ سے ہر رقم ہتھیانے کے چکر میں رہتی ہے یعنی اس کے مالی حالات اچھے نہیں ہیں۔ دوسری طرف وہ سونے سے زیادہ مہنگی ہیروئن کی ایسی مقداروں کا لین دین کرتی ہے کہ اس کے باپ کی چوری اس کے علم میں نہیں آتی، یہ مال اسے کوئی مضبوط پارٹی ہی دے سکتی ہے جو اپنا مال یا رقم وصول کرنا اچھی طرح جانتی ہے۔ بڑے کام وہ عورت اپنے طور پر نہیں کر سکتی۔"

"وہ یہاں آ ہی گئی تو ہم کیا کر سکیں گے؟" ویرا لاجواب ہو کر بولی۔

"ہمیں گفتگو میں احتیاط کرنا ہو گی، تم مل چکی ہو اس سے؟"

"میری ملاقات کاویل سے ہی ہوئی تھی۔" وہ بولی۔ "اس وقت بھی اس نے اپنی بیٹی کا ذکر کیا تھا۔"

"اب ہم اصل ناموں کے بجائے ایک دوسرے کو پاسپورٹ والے ناموں سے مخاطب کریں گے۔ تم نے کاویل سے اپنا تعارف کس نام سے کرایا تھا؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"مرینا... مس مرینا ہمفرے کے نام سے!" اس نے بتایا۔ "میں پیرس سے آئی ہوئی ہوں۔"

"نام اچھے تلاش کرتی ہو۔" اچانک سلطان شاہ تیار ہو کر باتھ روم سے بولتا ہوا باہر آگیا۔ "کبھی مس کی جگہ مسز بھی بن جاؤ تو تمہارے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بہتیری شادی شدہ عورتیں کنواریوں سے زیادہ دلکش ہوتی ہیں۔"

"تم بھی اب قابلِ شناخت نہیں رہے ہو۔" میں نے اس کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے تعریفی لہجے میں کہا۔ "شاید ہماری گفتگو تم سنتے رہے ہو اس لیے تمہاری بریفنگ کی ضرورت نہیں رہی ہے۔"

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب ہم مارسیلز میں کیا کر رہے ہیں؟" وہ میرے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کچھ بھی نہیں، بس یہ روانگی کی تیاریاں ہیں۔" میں نے میز پر رکھا ہوا ایریٹس دوبارہ آن کرتے ہوئے کہا۔ "کاویل کی آمد پر اسے اس لیے آف کر دیا تھا کہ کہیں ہنی بال اسی وقت لائن پر پیغام نہ دے بیٹھے۔ ایسی صورت میں کاویل ہماری طرف سے شبہے میں پڑ سکتا تھا۔"

میں نے سلطان شاہ کو جو جواب دیا اس میں کوئی مبالغہ نہیں تھا۔ میں نمایاں ظاہری تبدیلیوں کے بعد اس طرح اٹلی کی طرف روانہ ہونا چاہتا تھا کہ جمی لائیڈ یا اس کے کسی آدمی کو ہمارے سائے کا بھی سُراغ نہ مل سکے۔ ان کی نظروں سے دور اور محفوظ رہ کر ہی ہم اپنے مشن میں کوئی بڑی کامیابی حاصل کر سکتے تھے، ورنہ ہر لمحے اپنے دفاع کی کوششوں میں کشت و خون میں اُلجھے رہتے اور شی کا کچھ بھی نہ بگڑتا بلکہ اس کے برعکس کسی وقت ہم ہی ناقابلِ تصوّر دشواریوں میں گھر سکتے تھے۔

"بھابی کی بھی کوئی خبر ملی یا نہیں؟" اچانک سلطان شاہ وہ نازک سوال کر بیٹھا جسے میں ٹالتا چلا آ رہا تھا۔

میرے ساتھ ویرا کے تعلق اور تعاون کی نوعیت بہت عجیب تھی۔ اسے معلوم تھا کہ میں دل کی گہرائیوں سے غزالہ کو چاہتا تھا پھر بھی وہ میری ذات میں بے پناہ دلچسپی رکھتی تھی۔ انگلینڈ میں غزالہ کے غائب ہونے کے بعد ویرا بہت تیزی کے ساتھ میرے قریب آئی تھی۔ شاید اس کے لاشعور میں یہ بات جم گئی ہو کہ میں غزالہ کا خلا اس کی ذات سے پورا کرنے کی عارضی کوششوں میں اسی کا اسیر ہو کر رہ جاؤں گا۔ غزالہ کے بارے میں وہ بارہا اپنی ذمّے داری کو تسلیم کر چکی تھی اور اس نے غزالہ کی تلاش کے سلسلے میں بہتیرے وعدے بھی کیے تھے لیکن عملاً وہ اس بارے میں کچھ بھی نہیں کر سکی تھی کیونکہ شی کی جانب سے بار بار اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی جاتی رہی تھیں۔

یہ بات نہ ویرا کے وہم و گمان میں تھی نہ میں سوچ سکا تھا کہ غزالہ ہماری مدد کے بغیر آخر کار اپنی راہ خود تلاش کر لے گی اور پاکستان پہنچ جائے گی لیکن جہانگیر سے فون پر مجھے معلوم ہوا کہ ایسا ہو چکا تھا —— وہ پاکستان میں تھی اور میری تلاش میں سرگرداں۔ وہ ساری تفصیل سلطان شاہ کو معلوم تھی لیکن ویرا کو میں نے اس حقیقت کی بھنک بھی نہیں ملنے دی تھی۔ اس کے برعکس، جب وہ اسپیس نائیٹ میں قید تھی تو میں نے اس پر دباؤ ڈالنے کی نیّت سے غزالہ کے بارے میں اسے اس کے وعدے یاد دلائے تھے اور صحیح صورتِ حال سے لاعلمی کی بنا پر اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر میں جمی لائیڈ کے معاملے میں اس سے تعاون نہیں کروں گا تو وہ غزالہ کے بارے میں اپنی ذمے داریوں سے بَری ہو جائے گی۔ اگر اسے علم ہو جاتا کہ غزالہ خیریت سے پاکستان واپس پہنچ چکی تھی تو میرے ساتھ اس کے تعاون میں نمایاں فرق پڑ سکتا تھا، جب کہ میری کوشش تھی کہ کسی بھی قیمت پر جلد از جلد اس قصّے کو ختم کر کے پاکستان واپس پہنچوں جہاں غزالہ میری منتظر تھی۔

"اس بارے میں مرینا ہی کچھ کر سکے گی۔" میں نے بے جان لہجے میں کہا۔ میں سلطان شاہ کو کوئی اشارہ نہیں کر سکا کیونکہ ویرا غزالہ کے تذکرے پر میرے تاثرات کا اندازہ لگانے کے لیے میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"مگر تم نے تو..." سلطان شاہ نے اضطراری طور پر تحیّر آمیز لہجے میں حقیقت یاد دلانا چاہی لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ محض ایک اندازہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فرانس میں رہتے ہوئے ہم اپنے طور پر کبھی بھی غزالہ کا سراغ نہیں لگا سکتے۔ اس بارے میں ہمیں ویرا کے ذرائع اور وسائل پر انحصار کرنا ہی پڑے گا۔"

اس مرتبہ سلطان شاہ سنبھل گیا" اور ویرا بے چاری خود ہماری طرح مجبور ہو گئی ہے۔"

"یہ صورت زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکے گی۔" ویرا نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "جلد ہی میں پوری آزادی کے ساتھ کام کر سکوں گی۔ اس وقت غزالہ کی بازیابی میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہو گی۔ اس کے بارے میں میرا ضمیر مجھے اکثر ملامت کرتا رہتا ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ ضمیر سے تمہارے مراسم خراب ہیں۔ تم اسے اپنے پاس پھٹکنے ہی نہیں دیتیں۔" سلطان شاہ نے موضوع بدلنے کے لیے موقع پاتے ہی اس پر پھر ایک فقرہ جڑ دیا۔

"آج میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ بے ضمیر آدمی کبھی جرائم کی طرف مائل نہیں ہوتا۔" ویرا ایک دقت بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی۔ "اپنے ساتھ ہونے والی معاشی یا معاشرتی زیادتیوں کو خاموشی سے سہ لینے پر ضمیر انسان کو ملامت کرتا ہے۔ تیسرے درجے کی زندگی سے سمجھوتا کرنے پر اسے بزدل قرار دیتا ہے اور اندر کے ان کچوکوں سے پریشان ہو کر آخر کار انسان اپنی دانست میں اپنا حق چھیننے اور اپنی دلیری ثابت کرنے کے لیے جرائم کی طرف پہلا قدم بڑھاتا ہے جو کبھی واپس نہیں لوٹتا۔ یہ اور بات ہے کہ بیشتر مجرم بعد میں انتہا پسند ہو کر اپنے ضمیر کو بھی سلا دیتے ہیں لیکن ابتدائی اور بنیادی طور پر ہر مجرم باضمیر اور غیرت مند ہوتا ہے۔ بے غیر لوگ دوسروں کے ٹکڑوں پر پل کر بھکاریوں کی طرح اپنی پہاڑ جیسی زندگی گزار دیتے ہیں۔ جس میں عزّتِ نفس کا کوئی تصوّر نہیں ہوتا۔"

"یہ تمہاری اپنی رائے ہے جسے میں نہیں مان سکتا۔ تمہارا نظریہ درست ہوتا تو دنیا کا ہر محروم انسان جرائم کا ارتکاب کر رہا ہوتا اور غریب ملکوں میں تو قانون کا کوئی تصوّر باقی نہیں رہتا کیونکہ وہاں اکثر لوگ محرومی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اس طرح تم قانون پرور مفلسوں کو بے ضمیر قرار دینے کی کوشش کر رہی ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی گرفت کرتے ہوئے کہا۔

"محرومی غربت نہیں بلکہ ایک ایسا عذاب ہے جس کا تم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔" ویرا ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی۔ "غریب کی جیب خالی ہوتی ہے لیکن بیوی بچّوں میں آ کر وہ آسودگی محسوس کرتا ہے۔ گلاب کا پھول سونگھ کر آسودگی مل سکتی ہے۔ اسے تم محروم نہیں کہہ سکتے۔ محروم وہ ہوتا ہے جسے زندگی میں کہیں خوشی کا سراغ نہیں ملتا۔ جس کے لطیف جذبوں کو حالات فنا کر کے رکھ دیتے ہیں اور آخر کار وہ اپنی ہی نظروں میں...

کتا ہے۔ ایک کروڑپتی بھی مجرم ہو سکتا ہے۔ اگر اس کے بچے ہوں، بیوی بے وفا نکل جائے، رشتہ دار اور دوست اسے بزدل بےغیرت کہنے لگیں تو وہ بھی بڑھ کر اپنی بیوی کی گردن کاٹ سکتا ہے اور رم کی بنیاد ہوتی ہے۔ جب آدمی ایک بار جرم کر کے قانون کی گرفت سے رہتا ہے تو وہ دوسرا قدم اٹھاتا ہے اور یہ سلسلہ چل پڑتا ہے۔"

"یہ سلسلہ رکے تو ہمیں خوراک کے بارے میں بھی سوچنا ہوگا۔" میں یرا کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی سنجیدگی سے کہا۔ "ورنہ ہم ساری رات ے پر غراتے رہیں گے اور صبح تک پاگل ہو چکے ہوں گے۔"

ویرا محفوظ کی ہوئی غذا کے کچھ ڈبے لے آئی تھی لیکن طے یہی ہوا کر کل کر کھانا کھایا جائے۔ اس طرح ہم اپنی وضع قطع میں کی گئی نئی . . . یوں سے بھی مانوس ہو سکتے تھے۔ ویرا پہلے ہی تیار تھی لیکن پھر اس مزید چند چٹکلے آزمائے اور ہمارے ساتھ روانگی کے لیے تیار ہو گئی۔

دوران میں رقم کی جتنی گڈیاں ہماری جیبوں میں سما سکیں وہ ہم نے ٹھونس لیں اور باقی پیکٹ سلطان شاہ نے ایک بستر کے نیچے اس ح پھیلا دیے کہ بادی النظر میں ان کا سراغ لگانا ناممکن تھا، ہم نے اپنے پاسپورٹ بھی اپنی تحویل میں لے لیے تھے تاکہ کسی ہنگامی صورتحال میں ایک دوسرے پر انحصار نہ کرنا پڑے۔ بیم گن میرے قبضے میں تھی۔

ہم روانہ ہونے ہی والے تھے کہ اچانک دروازہ پہ تیز دستک ہوئی۔ ہم تینوں سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ قدرے توقف کے بعد دروازے کی طرف بڑھی تھی کہ اچانک سے ر بہنی بال کی آواز ابھرنے لگی۔ وہ اپنی دلکش اور شیریں آواز میں میرے ے کال نشر کر رہی تھی۔

وہ آواز سن کر ویرا واپس گھومی، اسی لمحے دروازہ پہ بے تابی کے ساتھ دوسری بار دستک دی گئی۔ میں نے ہاتھ سے ویرا کو رکنے کا اشارہ یا اور پرنکس سنبھال کر آہستگی سے بولا۔ "میں خیر خواہ بول رہا ہوں۔ چند منٹ بعد دوبارہ بات کروں گا۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے اس کا جواب پرنٹس آف کر دیا اور اسے جیب میں ڈال لیا۔

ویرا نے دروازہ کھولا تو باہر فربہ جسم والی ایک معنک خاتون تھی جس کے خدوخال میں اس کے سوا کوئی قابلِ ذکر بات نہیں تھی کی چھوٹی اور چمکدار آنکھیں ضرورت سے زیادہ متجسس نظر آ رہی تھیں۔ اس کے محدب عدسے بھی اس کی آنکھوں کی جسامت میں کوئی قابلِ اضافہ نہیں کر سکے تھے۔

"میرا نام مس کاڈیل ہے۔" وہ نیم مردانہ آواز میں اپنا تعارف کراتے اندر آ گئی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اس کا باپ بھی اس کے پیچھے تھا۔ شاید اس نے بیٹی کو بتا دیا تھا کہ گفتگو انگریزی میں ہی کرنی ب ہوگی۔

"اخاہ! تو تم مسٹر کاڈیل کی بڑی بہن ہو۔" میں نے آگے بڑھ کر گرمجوشی کے ساتھ کہا۔ "ہمیں تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔"

میرے خیر مقدمی کلمات پر اس کا برا سا منہ بن گیا اور وہ خشک لہجے میں بولی۔ "میں نہ مسٹر کاڈیل سے بڑی ہوں، نہ ان کی بہن ہوں بلکہ ان کی اکلوتی بیٹی سارا کاڈیل ہوں۔ تم لوگ شاید ہمارے نئے کرائے دار ہو۔"

"مسٹر کاڈیل خوش نصیب ہیں کہ انہیں تم جیسی بیٹی کی ولدیت کا شرف حاصل ہے۔ کہو ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"کیا تم ہمارا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہو؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا اور مجھے ماننا پڑا کہ وہ اپنے باپ کی طرح عقل سے بالکل ہی کوری نہیں تھی بلکہ ذہن سے کام لینے کی عادی نظر آ رہی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ کسی وجہ سے تمہیں ایسا گمان ہوا۔ میں تو ایسی بدتمیزی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"میں مداخلت کے لیے معذرت خواہ ہوں لیکن آپس کی بے اعتمادی کی وجہ سے مجھے کرائے کی رقم کی تصدیق کے لیے یہاں آنا پڑا۔" وہ شائستہ انداز میں بات مجھ سے کر رہی تھی لیکن اس کی تیز نگاہیں آہستہ آہستہ ہم تینوں سمیت کمرے کی ہر شے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ "دراصل میرے باپ کو چند بری عادات ہیں جن کی وجہ سے میں اس کے پاس فالتو پیسہ نہیں چھوڑتی۔ تم نے اسے کتنی رقم دی ہے؟"

"پورے ہفتے کے آٹھ سو فرانک پیشگی دے دیے ہیں۔" ویرا نے اپنی دی ہوئی رقم دہراتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں میرے مہمان ہیں۔ ملنے آئے ہیں اور ابھی تھوڑی دیر میں واپس چلے جائیں گے۔ یہ یہاں نہیں رہیں گے۔"

"ہمیں اس سے غرض نہیں کہ یہاں کون کون رہتا ہے۔ یہ تمہاری اپنی سہولت کی بات ہے۔" سارا کاڈیل نے کہا اور میں اس کے باپ کی دیدہ دلیری پر ششدر رہ گیا۔ "ہمیں کرائے سے مطلب ہے اور ڈیڈ نے آٹھ سو فرانک مجھے دے دیے ہیں۔۔۔!"

"ہم نے سنا تھا کہ یہاں کرائے داری کے لیے کچھ مقامی قانونی پابندیاں عائد ہیں۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے کہا اور سارا کے پیچھے کھڑے ہوئے بڈھے کے چہرے پر زلزلے اور بیچارگی کے آثار امڈ آئے۔ وہ بیٹی کی پشت پہ دونوں ہاتھ جوڑے مجھے اشارے کر رہا تھا کہ میں ویرا کو اس کی افترا پردازی کا پردہ چاک کرنے سے روک لوں۔

"نہیں۔" سارا نے پورے یقین سے کہا۔ "یہ سب بکواس ہے۔ تم چاہو تو اس کمرے میں چھ مہمان رکھ سکتی ہو۔ انتظامیہ تمہارے اس حق میں کیسے مداخلت کر سکتی ہے۔ کرایہ ادا کرنے کے بعد مخصوص حدود میں تم اس کمرے کی مالک ہو۔ غالباً کسی مکار اور لالچی مالک مکان نے تمہیں اجنبی سمجھ کر یہ کہانی تراشی ہوگی اس طرح ہوٹلوں کے سلیمنٹ کی . . . . طرح وہ مہمانوں کا کرایہ اینٹھنے کی فکر میں ہوگا۔ یہاں تم پر ایسی کوئی نا روا

پابندی نہیں ہوگی۔ البتہ کمرے کی ہیٹنگ صبح سات بجے سے شام سات بجے تک بند رہے گی کیونکہ گیس بہت مہنگی ہوگئی ہے۔ دن میں ویسے بھی لوگ عموماً گھروں سے باہر ہی رہتے ہیں اس لیے بوائلر میں گیس بلاوجہ جلتی رہتی ہے۔"

سارا کے جواب پر ویرا کی نظریں فطری طور پر اس چھوٹے بڑھے کی طرف اُٹھی تھیں جو بیٹی کے پیچھے ہاتھ جوڑے کانپ رہا تھا۔ اس لیے اس نے موضوع بدل دیا۔ "ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ ہماری وجہ سے تمہیں کوئی زحمت نہیں ہوگی۔"

"ویسے تمہارے یہ دونوں مہمان کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟" سارا خطرناک حد تک ہم دونوں میں دلچسپی لے رہی تھی۔

"وہ کسی ہوٹل میں رُکتے لیکن تمہاری وضاحت کے بعد شاید آج رات میں انھیں یہیں روک لوں۔ یہ آج دوپہر ہی باہر سے آئے ہیں۔" ویرا نے بات بناتے ہوئے کہا۔ وہ سارا کی طرف سے مطمئن نظر آرہی تھی۔

"انہیں ضرور روکو۔" سارا نے پہلی بار اپنے ناہموار دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے پُراخلاق لہجے میں کہا۔ "صبح کے ناشتے پر تم تینوں میرے مہمان ہوگے۔ ڈیڈی کی بنائی ہوئی فرینچ فروٹ سلاد کھا کر تم انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے۔"

میں نے اس کی پیشکش کو خوبصورتی سے ٹالنا چاہا لیکن وہ ہم تینوں سے ناشتے کا وعدہ لینے پر اَڑ گئی۔ ہمارے رضامند ہونے کے بعد وہ واپس روانہ ہوئی تو ہمارے تعلقات بڑی حد تک خوشگوار اور دوستانہ ہوچکے تھے اور یہی بات میرے ذہن میں شبہات کو جنم دے رہی تھی۔ میرے تجربے کے مطابق سارا کاویل ان عورتوں میں سے نہیں تھی جو آسانی کے ساتھ دوسروں سے گھل مل جاتی ہیں۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" سارا اور کاویل کے چلے جانے کے بعد میں نے ویرا سے سوال کیا۔

"چلو! کھانا کھانے چلتے ہیں۔ ان کا آپس کا معاملہ تھا، اچھا ہوا کہ خوش اسلوبی سے طے ہوگیا لیکن مجھے حیرت ہے کہ کاویل نے کس دیدہ دلیری کے ساتھ جھوٹ بولا تھا۔" ویرا نے تعجب کے ساتھ کہا۔ "دیکھنے میں مسکین نظر آتا ہے لیکن اس قدر مربوط انداز میں جھوٹ بولا تھا جیسے کرایہ داری کے سارے مقامی قوانین اسی کے مشورے سے بنائے گئے ہیں۔"

"اور صبح کی ناشتے کی دعوت کے بارے میں کیا رائے ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا تو اپنے لہجے کی چبھن پر پوری طرح قابو نہ پاسکا۔

"ظاہر ہے کہ سارا معقول عورت ہے۔ اس وقت کی زحمت کے ازالے کے لیے اس نے صبح ہماری دعوت رکھ دی ہے لیکن تمہارا لہجہ کیوں بدلا ہوا ہے؟" ویرا کے لیے میرے لہجے کی تبدیلی ناقابلِ فہم ثابت ہوئی تھی۔

"سارا ہمارے حق میں بہت خطرناک ثابت ہوسکتی ہے" ۔۔۔نے سرد لہجے میں کہا۔ "شاید اسے شی کے تین مطلوبہ دشمنوں کے بارے میں معلوم تھا۔ وہ بہت غور سے ہمارا جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے تم سے اصرار بھی کیا ہے کہ ہمیں رات کو یہیں روکا جائے۔ رات کو یہاں ہمارے قیام کو یقینی بنانے کے لیے اس نے صبح کو ناشتے کا پروگرام رکھ لیا ہے۔"

"اوہ! شاید تم درست سمجھ رہے ہو۔" ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "وہ جانے سے پہلے یہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ تم رات کو واپس جانے کے بجائے یہیں قیام کرو گے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کو تین افراد کے قیام کی خبر دے کر رات میں کسی وقت اس کو بلانا چا ہوتا کہ ہمارے بارے میں یقین کرسکے کہ ہم تینوں شی کو مطلوب نہیں ہیں۔"

"ذرا دیر سے بات سمجھی ہو۔ مجھے یہاں خطرہ نظر آرہا ہے، اس لیے اس وقت باہر جانے کا پروگرام منسوخ کر کے ہمیں اس کے سدِباب کی کوئی قابلِ عمل راہ نکالنا ہوگی ورنہ رات میں ہم گھیرے جاسکتے ہیں۔"

"دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔ "یہ مکان چھوڑ کر بھاگو یا سارا کو موقع دیے بغیر اسی وقت گھیرنے کی کوشش کرو تاکہ وہ اپنے مطلوبہ آدمیوں سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔"

سلطان شاہ کی تجویز مناسب تھی۔ سارا جو کچھ کر رہی تھی، بظاہر اس کا صرف ایک ہی مقصد نظر آرہا تھا کہ اس طرح وہ اپنی مالی ضروریات پوری کرنا چاہتی تھی۔ اس سے آگے وہ کسی تشدد آمیز جرم میں ملوث ہونے پر شاید ہی آمادہ ہوسکتی تھی۔ ہمارے بارے میں کسی کو مخبری کرتے ہوئے شاید اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوتا کہ خبر حاصل کرنے والے ہم تک صرف رسائی حاصل کرنے کے خواہاں نہیں تھے بلکہ ہمارے لہو کے پیاسے ہو رہے تھے۔

سارا کو رقم کا لالچ دے کر یا کسی اور طرح ہمارے خلاف مخبری کرنے سے روکنا ممکن نظر آرہا تھا کیونکہ وہ شی کے ان باقاعدہ ملازم میں سے نہیں معلوم ہوتی تھی جو اپنی جان کی پروا کیے بغیر تنظیم کے مفادات کا عَلم بلند رکھتے تھے۔ وہ نچلی سطح کی آخری کڑی میں فری لانسر کے طور پر کام کرتی تھی اور اس دھندے میں اس کا مفاد شاید اپنے مقررہ کمیشن سے زیادہ کچھ نہیں تھا ورنہ کمرے کے کرائے وغیرہ جیسی معمولی باتوں پر اپنے باپ کے پیچھے نہ لگی رہتی۔

میں احتیاطاً ہیم گن ساتھ لے کر فوراً ہی اُٹھ گیا۔ سلطان شاہ کو وہا کمرے میں چھوڑ کر میں نے ویرا کو ساتھ لے لیا تھا تاکہ کہیں کوئی پیچیدگی پیدا ہو تو وہ مقامی زبان سے واقفیت کی بنا پر اپنا مصالحانہ رول ادا کرسکے۔

"ہنی بال تمہاری منتظر ہو گی۔" چلتے چلتے سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"اس سے بعد میں بھی بات ہو سکتی ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "اس وقت سارا کا معاملہ اہم ہے۔ اگر وہ نکل گئی تو پھر ہم کچھ بھی کر سکیں گے۔ یہاں سے سر پہ پیر رکھ کر بھاگ پڑ جائے گا۔"

"جاتے ہوئے اس کے فون کی لائن کاٹ دینا۔" سلطان شاہ نے مشورہ دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں جانے کے بجائے فون پر کسی کو اطلاع دینے کی کوشش کرے۔"

"اسے بکنے دو۔" ویرا میرا ہاتھ تھام کر مجھے دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے بولی۔ "یہ سمجھ رہا ہے کہ اس وقت تم پاکستان میں ہو۔ یہاں فون کے تاروں کا سارا سلسلہ زیرِ زمین ہے۔ تمہیں فون کے تار عمارت سے باہر کہیں نظر نہیں آئیں گے۔"

اپنے کمرے سے نکل کر ہم لان سے گزرتے ہوئے کاڈیل فیملی کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ڈوربیل کے جواب میں بوڑھا کاڈیل کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح ہانپتا ہوا دروازے پر آیا تھا اور ہمیں اپنے مقابل دیکھ کر حیران رہ گیا۔

میں نے اسی کی طرح قدرے جارحانہ رویّہ اختیار کرتے ہوئے باہر رک کر اس کی دعوت کا انتظار کرنے کے بجائے اندر داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ ویرا نے میری تقلید کی تھی۔

"تم لوگ اس وقت کیسے آ گئے؟" کاڈیل نے ہمیں راستہ دیتے ہوئے تحیّر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"مس سارا کاڈیل سے ملنا ہے۔" میں نے اندر کی سن گن لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ مکان میں پھیلے ہوئے سنّاٹے کے باعث میرا دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا تھا۔ مجھے خوف آ رہا تھا کہ کہیں سارا نکل ہی نہ گئی ہو۔

"تم اپنی دی ہوئی فاضل رقم تو لینے نہیں آئے؟" کاڈیل نے گھگھیا کر مجھ سے سوال کیا۔

"تم اوّل درجے کے جھوٹے آدمی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔ "لیکن فی الحال ہم نے تمہاری مکّاری کا معاملہ التوا میں رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس وقت تو یہ بتاؤ کہ سارا کہاں ہے؟"

گلو خلاصی کی نوید سن کر وہ میرا سخت تبصرہ نظر انداز کر گیا اور صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "تم بیٹھو، وہ ابھی آ جاتی ہے۔ ذرا نہانے میں مصروف ہے وہ اس وقت۔"

"فون کس طرف ہے تمہارا؟ مجھے ایک مقامی کال کرنا ہے۔" ویرا سرسری انداز میں اس سے پوچھ بیٹھی۔

"ہمارے یہاں فون نہیں ہے۔" وہ خوشامدانہ انداز میں بولا۔ "مرضی ہو تو میں پڑوس سے فون کرائے دیتا ہوں۔"

"نہیں، اتنا بھی ضروری نہیں ہے۔" ویرا یہ کہتے ہوئے میرے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی۔

اس نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اس بات کا سراغ لگا لیا تھا کہ سارا اگر غسل کر رہی تھی تو ہمارے بارے میں کوئی اطلاع باہر نہیں گئی تھی۔ گھر میں فون ہونے کی صورت میں سارا واپس لوٹتے ہی کسی کو بھی ہمارے بارے میں خبر دے سکتی تھی۔ اس وقت تک تیر کمان سے نہیں نکلا تھا۔ میں نے اطمینان کے ایک گہرے احساس کے ساتھ اپنے لیے سگریٹ سلگا لی۔

سارا کا غسل ہماری توقع سے کہیں زیادہ طویل ثابت ہوا۔ شاید وہ غسل سے فارغ ہو کر تیاری میں مصروف ہو گئی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ ہماری آوازوں کی بنا پر اس نے گھر میں ہماری موجودگی کا پتا چلا لیا ہو گا۔

کچھ دیر بعد وہ اندر سے برآمد ہوئی تو اس کی شخصیت خاصی نکھر آئی تھی۔ چہرے پر شگفتگی آ گئی تھی۔ سنورے ہوئے بالوں اور نئے لباس نے بھی اس کی شخصیت کو ابھارنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں تجسّس اور دلچسپی کی ساری علامات موجود تھیں۔ غالباً وہ ہماری آمد کا مدعا سمجھ کر اندرونی ہیجان میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"صبح کے ناشتے سے پہلے، ہم نے سوچا کہ تمہیں اپنے ساتھ رات کے کھانے پر مدعو کر لیں۔" رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے محتاط انداز میں اپنے مطلب کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ یہ بات ہمیں اس وقت نہ سوجھ سکی جب تم ہمارے کمرے میں آئی ہوئی تھیں لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ تم اس وقت باہر جانے کے لیے پوری طرح تیار ہو۔"

"لیکن مجھے کسی سے بہت ضروری ملاقات کے لیے جانا ہے۔" میری پیش کش پر وہ قدرے بے آرام ہو گئی تھی۔

"کاروباری ملاقات ہے؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"کاروباری ہی سمجھ لو۔ اس وقت میں تمہاری پیش کش قبول نہیں کر سکتی۔" وہ بولی اور کاڈیل کو اشارہ کیا جو فوراً ہی وہاں سے اندر چلا گیا۔

"کاروبار کا مطلب مالی مفاد ہوتا ہے۔ ہمیں اندازہ ہے کہ تمہارے حالات ایسے نہیں ہیں کہ تم کوئی قابلِ ذکر نقصان دانستہ برداشت کر سکو، مگر ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم کل کسی بھی وقت روانہ ہو سکتے ہیں اور آج کی رات تمہارے اعزاز میں ڈنر دینے کی سعادت حاصل کرنی چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم تمہارے اس نقصان کا ازالہ کر سکیں جو ملاقات پر نہ جانے سے ہو سکتا ہے۔"

"دوسرے معنوں میں تم اس وقت مجھے باہر جانے سے روکنا چاہ رہے ہو۔" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"تم بہت ذہین خاتون ہو۔ شاید میں تم پر اپنا مدعا واضح کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا ہوں۔ دراصل شہر میں کچھ لوگوں سے ہماری

پرانی دشمنی چل رہی ہے۔ انھیں ہمارا سراغ مل گیا تو آج کی رات اس علاقے کے باسیوں کے لیے ہنگامہ خیز بلکہ خونریز ثابت ہو سکتی ہے۔ ہم ایسی خطرناک صورتِ حال سے ہر حال میں گریز کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرا اندازہ درست تھا۔ تم وہی تینوں ہو جن کی مارسیلز میں کچھ لوگوں کو شدت سے تلاش ہے اور جو تمہاری نشاندہی کرنے والے کو بھاری انعام دینے کے لیے تیار ہیں۔" اس کے لہجے میں فخر کا احساس نمایاں تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ تم درست کہہ رہی ہو۔ اس معاملے میں تم کن لوگوں کے لیے کام کر رہی ہو؟"

"اپنے دشمنوں کو مجھ سے زیادہ تم جانتے ہو گے۔ میں نے تو صرف ایک شخص کی زبانی یہ قصہ سنا تھا اور انعام کی امید میں اب اسی سے ملنے جا رہی تھی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ہاتھ نکالا اور میں چونک پڑا کیونکہ اس میں پستول موجود تھا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ میرے بدلے ہوئے تاثرات دیکھ کر جلدی سے بولی۔ "اگر تم سیدھے چلتے رہے تو میرا تم سے اُلجھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ پستول میں نے احتیاطاً نکالا ہے تاکہ تم اپنے راز کی حفاظت یا رقم بچانے کے لیے مجھ پہ کوئی مہلک وار نہ کر سکو۔ اپنی زبان بند رکھنے کے لیے میں تم سے سودا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

شاید تم اسی سے ملنے جا رہی تھیں جو تمہیں ہیروئن سپلائی کرتا ہے؟" ویرا نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

وہ غصے میں دانت پیس کر رہ گئی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ڈیڈی سے تم بہت کچھ اگلوا چکے ہو۔" پھر پُرسکون ہوتے ہوئے بولی۔ "لیکن میں جو کچھ کرتی ہوں اس سے میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔ وہ بہت بارسوخ اور مالدار آدمی ہے۔ مجھے ہیروئن کی فروخت پر معقول کمیشن دیتا ہے۔ اپنی کم تعلیم کی وجہ سے میں کسی اور ملازمت میں اتنی رقم نہیں کما سکتی کہ گھر کے اخراجات چلا سکوں۔"

"وہ یقیناً کسی بڑے گروہ سے منسلک ہو گا؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے اس سے ہرگز کوئی غرض نہیں۔ میں تو صرف اسی کو جانتی ہوں۔ ایک بار افواہ اُڑی تھی کہ وہ شی نامی کسی بڑی تنظیم کے لیے کام کرتا ہے۔ بعد میں اس بارے میں کچھ سننے میں نہیں آیا۔" سکوں سے بات کرتے کرتے اچانک اسے دھیان آگیا کہ اس وقت تک اس نے اپنے کام کی بات نہیں کی تھی۔ "یہ سب باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔ تم نے ابھی تک رقم کی بات نہیں کی۔ یہ یاد رکھنا کہ میں رات کے دو بجے بھی اس سے رابطہ قائم کر کے اسے مطلوبہ اطلاعات فراہم کر سکتی ہوں۔"

"اس نے تمہیں کتنے پیسوں کے بارے میں بتایا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے کہا تھا کہ اگر میں اسے دو مردوں اور ایک عورت کے بارے میں کوئی صحیح اطلاع دے سکوں تو میری تیس ہزار فرانک کی لاٹری نکل آئے گی۔ میرے استفسار پر اس نے کچھ تفصیل بتائی تھی جس پر تم تینوں بڑی حد تک پورے اترتے ہو۔"

"یہ کب کا قصہ ہے؟" میں نے پہلو بدلتے ہوئے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"آج واپسی سے پہلے کی بات ہے اور اب تم جب تک سودا طے نہیں کرتے، میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔" میرے پے در پے سوالات پر چڑ کر اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تمہیں پانچ ہزار ڈالر دے دیے جائیں تو تم ہمیں بھول سکتی ہو؟" میں نے ٹٹولنے کی نیت سے سوال کیا۔

"رقم تو زیادہ بنتی ہے لیکن میں پانچ ہزار بھی قبول کر لوں گی۔" اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آئے تھے۔

"ہم تمہیں زبان بند رکھنے کی قیمت ادا کریں گے جب کہ ہمارے دشمنوں کو اطلاع دینے کے بعد تمہارے گھر پہ جو کشت و خون ہوتا اس کے نتیجے میں تم پولیس کیس میں ملوّث ہو جاتیں اور تمہاری ہیروئن فروشی کا راز بھی فاش ہو سکتا تھا۔ اپنا کوئی نقصان کیے بغیر ان تمام خطرات سے بچنے کے لیے تمہیں ہمارے کچھ اور سوالات کے جواب دینے ہوں گے۔"

"اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی جس کے لیے میں کام کرتی ہوں۔" وہ مکارانہ لہجے میں بولی۔ "اسے کوئی گزند پہنچا تو میری مستقل آمدنی میں خلل پڑ جائے گا۔ جب تم اسے اپنے خون کا پیاسا سمجھتے ہو تو تم بھی اسے زندہ نہیں چھوڑو گے۔ میں ایسے کسی معاملے میں فریق نہیں بن سکتی۔ تمہارے پانچ ہزار ڈالر کتنے دن میرا ساتھ دے سکیں گے؟"

اس بارے میں میں نے اسے مزید رقم کی پیشکش کی لیکن وہ اپنے مؤقف میں لچک پیدا کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ اس دوران میں سارا کا باپ بھی طویل انتظار سے اکتا کر واپس لوٹ آیا جسے سارا نے مطلب کی بات شروع کرنے سے قبل اشارہ کر کے مکان کے اندرونی حصے میں بھیج دیا تھا لیکن سارا نے دوبارہ سختی کے ساتھ اسے اندر واپس لوٹا دیا۔

ہماری بات کھل جانے کے بعد ہمیں کسی آڑ موڑ کی ضرورت نہیں رہی تھی لیکن سارا کو سلطان شاہ کے بارے میں تجسس پیدا ہو گیا تھا جو ہمارے ساتھ نہیں آیا تھا۔ میں نے اس کے پستول کے حوالے سے بتایا کہ جس طرح وہ ہماری طرف سے کسی امکانی کارروائی کے پیشِ نظر محتاط تھی اسی طرح ہم بھی پوری تیاری کے ساتھ اس کے پاس آئے تھے اور اگر وہ ہمارے ساتھ کوئی چالبازی کرنے کی کوشش کرتی تو سلطان شاہ شہر میں ہمارے ہمدردوں کو یکجا کر کے اس کے مکان پہ دھاوا بول دیتا۔

سارا کے مطالبے پر میں نے اسے وہیں پانچ ہزار ڈالر ادا کر دیے جو اس نے بغیر گنے اپنی جیب میں اڑس لیے۔ وہ رقم اس کے لیے بڑی اور غیر متوقع تھی۔ اس لیے وہ اپنی کامیابی پر بہت زیادہ مسرور نظر آ رہی تھی

ہم دونوں اس معاملے سے فارغ ہو کر واپس اپنے کمرے میں ئے تو سلطان شاہ بہت بے چینی کے ساتھ ہمارا منتظر تھا۔ اس نے ے کمرے کو باقی مکان سے ملانے والی درمیانی بند دروازے سے نگا کر دوسری طرف کی آوازیں بھی سننے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا نے بتایا کہ انتظار کے اضطراری لمحات میں اس نے جمی لائیڈ والا ٹر چند منٹ کے لیے آن کر دیا تھا تو اس پر میرے لیے ہنی بال مسلسل نشر کر رہی تھی۔

"میں ابھی اس سے بات کیے لیتا ہوں لیکن گفتگو کے دوران دونوں کو بالکل خاموش رہنا ہوگا۔ اب میں جمی لائیڈ کو خود سے دور ہی چاہتا ہوں ورنہ وہ میرے لیے دوبارہ دشواریاں کھڑی کر دے گا۔" نے کہا۔

"تم نے خود ہی اسے چھیڑا ہے ورنہ وہ تو غالباً فرانس سے ہی چلا گیا تھا۔" ڈیرا بولی۔

"میں نے چھیڑا تھا تو اب میں ہی اسے غلط راستے پر ڈالوں گا۔ تم سنتی رہنا۔" کہہ کر میں نے ایریٹس آن کیا لیکن اپنا پیغام نشر کرنے ے پہلے ہی مجھے ہنی بال کی آواز سنائی دی۔ ناکامی کے باوجود اس نے کوششیں ترک نہیں کی تھیں۔

"خیر خواہ بول رہا ہوں، اوور!" میں نے ہنی بال کی طرف سے منتقل ہوتے ہی سگنل دیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئے۔" ہنی بال کی تھکی ہوئی آواز میں میرا ب سنتے ہی تازگی آ گئی۔ "میں بہت دیر سے کوشش کرتے کرتے ب بالکل ہی مایوس ہو گئی تھی۔ تم نے تو چند منٹ بعد کال کرنے کا وعدہ یا تھا مجھ سے۔ اوور۔"

"میری اپنی بھی کچھ مصروفیات ہیں سویٹ لیڈی!" میں نے خوش لہجے ساتھ کہا۔ "اچانک ہی مجھے کہیں جانا پڑ گیا اور اب میں دوسرے میٹر سے تم سے بات کر رہا ہوں۔ اوور۔"

"پیرا آئی مین تک تمہارا پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ اسی ایریٹس پر تین بجے کے آس پاس تم سے بات کرے گا۔ اسے خود بھی تمہاری تلاش ہے جتنا تم اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ اوور۔"

"تین بجے!" میں نے ڈیرا کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے ایش ایز لہجے میں دہرا دیا لیکن اس وقت تک تو میں ایریٹس کی رینج سے نکل چکا ہوں گا۔ اس وقت بھی میں مارسیلز سے ساٹھ ستر کلومیٹر آ چکا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اب اس سے میری بات نہ ہو سکے گی۔ ا ہے اس وقت؟ اوور۔"

"اس کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ شاید تم کار سے رہے ہو؟ اوور!" میری بات سے اس نے بالکل وہی نتیجہ اخذ جو میں چاہ رہا تھا۔

"کار اور ہوائی جہاز کے چکر چھوڑو۔ میں کسی بھی طرح سفر کرنے کے وسائل رکھتا ہوں۔" میں نے اس کے آخری سوال پر اسے اپنی بوکھلاہٹ کا تاثر دیتے ہوئے کہا۔ "ٹرانسمیٹر کے علاوہ اس کا کوئی اور رابطہ ہو تو مجھے بتا دو۔ موقع ملتے ہی میں اس سے بات کرنے کی کوشش کروں گا۔ تین بجے والی بات بنتی ہوئی نظر نہیں آ رہی، اوور!"

"مجھ سے اڑنے کی کوشش نہ کرو مسٹر خیر خواہ۔" اس کی آواز ابھری۔ "تم نادانستگی میں بتا گئے ہو کہ کار میں سفر کر رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ سپر آئی مین صرف تم سے بات کرنے کے لیے کوئی طویل فاصلہ طے کر کے مارسیلز آ رہا ہے ورنہ وہ تین بجے کا وقت نہ دیتا۔ تم چلے گئے تو اسے سخت مایوسی ہو گی۔ تم جانتے ہو کہ وہ جو بات سوچ لے اسے ہر قیمت پر کر گزرتا ہے۔ وہ مارسیلز سے نکلنے والے تینوں راستوں پر اپنے آدمی چھوڑ دیں گے اور پھر ان میں سے کوئی نہ کوئی تمہیں روک کر واپس لوٹنے پر مجبور کر دے گا۔ کیا تم اس وقت تک اپنا سفر ملتوی نہیں کر سکتے؟ اوور!"

"مجھ سے یہ سوال کرنے کے بجائے اپنے سپر آئی مین سے پوچھو کہ وہ جلدی آ سکتا ہے یا نہیں؟ ویسے یہ میرے لیے ایک نیا تجربہ ہوگا کہ کوئی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میرا راستہ روکنے کی کوشش کرے۔ اوور۔"

"خیر خواہ ہو کر دشمنوں جیسی بات کر رہے ہو۔" پہلی مرتبہ میری بے تکلفی کے نتیجے میں ہنی بال کا حوصلہ اس بار بڑھا ہوا تھا۔ عین ممکن تھا کہ جمی لائیڈ کی طرف سے بے تکلفانہ اندازِ گفتگو اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہو۔ "اگر میرے فرائض میری راہ میں حائل نہ ہوتے تو مجھے خود بھی تم سے ملنے اور تفصیلی تعارف حاصل کرنے کا بہت اشتیاق تھا۔ اوور!"

"تعارف کے لیے اتنا کافی ہے کہ میرا نام ڈینی ہے۔ اس حوالے سے تمہارے بہتیرے ساتھی میرے بارے میں بہت کچھ بتا سکیں گے۔ اس بار میں شہد میں لپٹی ہوئی زہر کی کسی گولی کا شکار نہیں ہو سکتا۔ میری روانگی اٹل ہے، کیونکہ میرے دو ساتھی فرانس سے باہر میری واپسی کے منتظر ہیں۔ اس کا کوئی فون نمبر ہو تو دے دو۔ اس وقت میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اوور!"

"اس کا کوئی نمبر میرے پاس نہیں ہے نہ اس کا ٹھکانا معلوم ہے۔ ایسا کرو کہ تم ہی اپنا کوئی ٹھکانا بتا دو۔ وہ خود تم سے رابطہ قائم کرے گا۔ اوور!" وہ مسلسل مکاری سے کام لینے پر تلی ہوئی تھی۔

"کل دس بجے کے بعد پیرس کے ہالیڈے اِن میں فون کر لینا وہاں میرا نام راڈنی کالاہان ہوگا۔ اوور!" میں نے اس سے جان چھڑانے کی نیت سے ذہن میں آنے والا پہلا انگریزی نام دہراتے ہوئے کہا۔

"مجھے امید ہے کہ تم نے صحیح اطلاع دی ہو گی جو میں نے نوٹ کر لی ہے۔ اوور۔"

"میں تمہاری دلکش آواز کا منتظر رہوں گا۔ اوور اینڈ آل۔" فقرہ

مکمل کر کے میں نے اپریٹس آف کر دیا۔

"یہ بہت اچھا کیا تم نے۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "وہ یتی کے بجائے وہ صرف تمھاری تلاش میں بھٹکتے رہ جائیں گے۔ یہاں سے پیرس جانے والی سڑک پر اب ہر اُس کار کو روکا جائے گا، جس میں اکلوتے مسافر ہوں گے۔"

"ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں ڈرائیور کے ساتھ سفر کر رہا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی ہو، تم نے انھیں گمراہ کر دیا ہے۔ اب ہم مارسیلز سے سکون کے ساتھ روانہ ہو سکیں گے۔"

"بشرطیکہ ہماری آج کی رات خیریت سے گزر جائے۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔ "سارا اگر لالچی عورت ہے تو وہ اپنے دہرے فائدے کے بارے میں بھی سوچ سکتی ہے۔ تم نے اسے رقم دے کر غلطی کی۔ یہاں سے چلتے ہوئے رقم اس کے حوالے کرتے تو اس دوران میں وہ رقم کے لالچ میں اپنی زبان بند رکھتی۔ اس وقت وہ تمھاری طرف سے کوئی خطرہ مول لیے بغیر مخبری کر سکتی ہے۔ اسے وہاں سے بھی انعام کی رقم مل جائے گی۔" اس کا لہجہ تشویش آمیز تھا۔

"وہ رقم فوری طور پر وصول کرنے پر مصر تھی۔" ویرا نے میری صفائی پیش کی۔

"تم کھانے کے لیے کچھ تیار کر لو۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم سارا کو ایک بار پھر چیک کر لیں گے۔ بدنیت ہوئی تو وہ سرے سے گھر پر موجود ہی نہیں ہو گی۔" میں نے ویرا سے کہا۔

اس وقت حالات اس قدر مخدوش اور پیچیدہ ہو چکے تھے کہ موہوم سے امکانات بھی ہمیں بھیانک خطرات کی صورت میں نظر آ رہے تھے۔ سارا سے ملاقات کے دوران میں نے پوری طرح اپنا اطمینان کر لیا تھا لیکن سلطان شاہ کے ایک تبصرے نے میرے اعتماد کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ اس وقت میں کوئی بھی امکان نظر انداز کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا خواہ ہمیں ساری رات جاگ کر گزارنی پڑتی لیکن ہم غافل نہیں رہ سکتے تھے۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ان دونوں کو وہیں چھوڑا اور خود سارا کی طرف چل دیا۔ گھنٹی بجانے پر دروازہ کھلا تو کاویل مجھے دیکھ کر کچھ پریشان ہو گیا۔ میں حسبِ معمول اس کی دعوت کا انتظار کیے بغیر اندر داخل ہوا اور مڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے گھورنے لگا۔

"سارا کہاں ہے؟" وہ دروازہ بند کر کے پلٹا تو میں نے اس پر سوال داغ دیا۔

"آ رہی ہوں۔" اندر سے سارا کی بھاری آواز گونجی۔ "دو منٹ انتظار کرو۔"

"کیا چکر چلایا ہوا ہے تم نے؟" کاویل نے میرے ساتھ بیٹھتے ہوئے سہمے ہوئے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔ "تمھیں شکایت ہو تو میں تم سے لی ہوئی فاضل رقم لوٹانے کے لیے تیار ہوں لیکن سارا سے میری ملاقات ہوئی۔ اس بیچارے کی پوری کائنات اس ہی رقم پر خرچ ہو کر رہ گئی تھی جو اس نے ایک جھوٹی کہانی کے سہارے ہم سے وصول کی تھی اور اس وقت اچانک ہی مجھے اس کے خوف سے فائدہ اٹھانے کا خیال آ گیا تھا۔

"نہیں کروں گا، لیکن اس شرط پر کہ تم مجھے سارا کے باس کا نام بتاؤ جس سے وہ ہیروئن لاتی ہے۔" میں نے دھیمے مگر دھمکی آمیز لہجے میں اس کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"دریام... سب سے زیادہ سارا اسی سے ڈرتی ہے۔" اس نے اندر سے سارا کے قدموں کی آہٹ سن کر گھبرائی ہوئی آواز میں وہ نام اگل ہی دیا جو شاید مارسیلز میں شی کے لیے خاصی اہمیت کا حامل تھا۔

ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ میں نے خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے سگریٹ سلگانی شروع کر دی۔

"تم پھر آ گئے!" سارا نے چند ثانیوں کے بعد کمرے میں داخل ہوتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "شاید تمھیں بھروسا نہیں ہے کہ میں تم سے اپنے وعدے کی پاس داری کروں گی۔"

"کیا وعدہ کیا ہے تم نے ان لوگوں سے؟" کاویل نے جھجکتے ہوئے سارا سے سوال کیا۔

"اوہ! تم ابھی تک یہاں رکے ہوئے ہو؟" سارا نے چونک کر اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "جا کر کچن کی خبر لو، کہیں روسٹ جل کر کوئلہ ہی نہ بن جائے۔ میں بات کر لوں گی۔" بیٹی کی ہدایت کے مطابق کاویل نے بے بسی کے عالم میں اپنی جگہ چھوڑ دی اور سر جھکا کر مکان کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا جو زیادہ وسیع نہیں تھا۔

"ہماری جگہ تم ہوتیں تو تمھاری کیفیت زیادہ مختلف نہ ہوتی۔" میں نے خاصے توقف کے بعد اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "یہ رات ہمارے لیے زندگی اور موت کا معاملہ بن چکی ہے کیونکہ ہم خود کو تمھاری نگاہوں سے محفوظ رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور بدقسمتی سے تمھارا براہ راست ہمارے دشمنوں سے واسطہ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ساری رات ہمارے گھر کے چکر کاٹتے رہوگے۔ نہ خود سو گے نہ ہم کو سونے دو گے۔"

"تمھاری نیت میں فتور ہوتا تو تم اب تک جا چکی ہوتیں۔ اس بار میں واپس جا کر اطمینان سے سو سکوں گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ میں تمھارے سو جانے کا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ ناکارہ اور نشے باز باپ اپنی اولاد سے کس قدر خوف زدہ رہتا ہے۔ میں رات کو جب چاہوں باہر جا سکتی ہوں۔"

"مگر مجھے امید ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گی۔ مجھ سے تمہارا ٹاپ سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔"

"فی الحال تم ایک پیگ پیو۔" وہ اُٹھ کر ایک دیوار گیر طاق سے گھٹیا وہسکی کی ایک نیم خالی بوتل اور دو گلاس اٹھاتے ہوئے بولی۔ "اس سے بھڑکے ہوئے اعصاب کو خاصا سکون ملتا ہے۔ اس کے بعد میں آج رات کے لیے تمہارے کمرے کو اپنے مکان سے ملانے والا دروازہ کھول دوں گی۔ تاکہ تم جب چاہو باہر سردی میں نکلے بغیر یہ دیکھ سکو کہ میں گھر میں موجود ہوں یا تمہاری مخبری کرنے چلی گئی ہوں۔"

دروازے کے بارے میں اس کی تجویز بہت عمدہ تھی جو ہم میں سے کسی کے ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔ اس لیے میں نے اخلاقاً بھی اس سے اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ بات کو دوسری ہی طرف گھما دیا۔ "یہ بہت اچھا رہے گا۔ اپنی بوتل کے بجائے میری طرف سے بلیک لیبل کی ایک بوتل منگوا لو پھر ہم اکٹھے محفل جمائیں گے۔"

"نکالو بیس ڈالر۔" اس نے بے تکلفی سے کہا کیونکہ وہ پانچ ہزار ڈالر وصول کرتے ہوئے میرے پاس ڈالروں کی بقیہ گڈی دیکھ چکی تھی۔ "مگر صرف میں ہی تمہارا ساتھ دے سکوں گی۔ ڈیڈی مارفین کے علاوہ کوئی نشہ نہیں لیتے۔ گیارہ بجے اپنا ڈوز لے کر اس شخص کو صرف بستر کی سوجھتی ہے جہاں دلفریب خواب بڑھاپے کا سہارا بنتے ہیں۔"

"بڑی بے رحم ہو تم اپنے باپ کے حق میں۔" میں نے اسے بیس ڈالر دیتے ہوئے کہا۔

"وہ میرا باپ ضرور ہے، لیکن اس نے میری زندگی تباہ کر دی۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "جوانی سے مارفین کا عادی ہے۔ ہمارے گھر میں ہمیشہ تنگ دستی کا راج رہا۔ میں اس کی اکلوتی اولاد ہوں، لیکن وہ نہ مجھے تعلیم دلا سکا، نہ میری تربیت پر وقت دے سکا۔ ماں کے مرنے کے بعد سے میں ہی اپنا اور اس کا خرچ چلا رہی ہوں۔ اسے زیادہ پیسے مل جائیں تو دن میں بھی نشے میں دھت ہو کر بستر میں پڑا رہتا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ اسے گھر سے نکال کر میں اس کے ساتھ بہت مہربانی کر رہی ہوں۔"

"تمہاری ماں کو اس میں کیا نظر آیا تھا جو اس سے شادی کر بیٹھی؟"

تلخیوں کے بعد دوستانہ رنگ دھار لینے والی اس ملاقات میں مجھے بھی اس کے گھریلو حالات کے بارے میں تجسس ہو گیا تھا جو غیر فطری نہیں تھا۔

"شادی؟" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں قہقہہ لگایا پھر بولی۔ "یہ واقعہ تو سرے سے ہوا ہی نہیں۔ وہ ساری عمر میرے باپ کی گرل فرینڈ بن کر رہتی رہی۔ جب میں آٹھ برس کی ہوئی تو اس نے گھریلو حالات سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔"

مجھے یک بیک اس سے ہمدردی ہونے لگی۔ اس جیسے حالات سے گزرنے کے بعد کسی کا زمانہ شناس نہ ہونا محال تھا۔ وہ اپنی عمر سے زیادہ تجربہ کار اور خرانٹ نظر آتی تھی۔ جس میں اس کا قصور نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ قدرت نے اسے بھی حسن اور نزاکت سے نوازا ہوتا تو وہ بھی اپنا گھر بسا لیتی، لیکن وہ ان مواقع سے محروم رہی تھی۔

"میری عمر صرف اٹھارہ سال ہے۔" اس نے اصرار کے ساتھ دو پیگ بناتے ہوئے وہ انکشاف کر کے مجھے حیران کر دیا۔ "لیکن میرے تھائی رائیڈ گلینڈز میں خرابی کی بنا پر میرا جسم بے طرح پھیل گیا ہے اور میں اپنے باپ کی بھی ماں نظر آنے لگی ہوں۔ ورنہ میں بھی کسی لڑکے کو پھانس کر اپنا گھر آباد کر سکتی تھی۔ میں جانتی ہوں کہ نمود و نمائش کے اس دور میں ساری عمر مجھے اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا پڑے گا۔ میری طرف خود سے کوئی راغب نہیں ہوگا اور خود کو کھلونا بنانے سے مجھے نفرت ہے۔"

ہم نے گلاس فضا میں لہرا کر ایک دوسرے کا جامِ صحت تجویز کیا تو اس سے محسوس ہونے والی ابتدائی کراہت کی بنا پر میرا دل مجھے ملامت کر رہا تھا اور ہمدردی کے جذبات اس کے ہر فقرے کے ساتھ بڑھتے جا رہے تھے۔

میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا اور بارہا خوبصورت چہروں کے پیچھے چھپے ہوئے بھیانک روپ دیکھے تھے، لیکن وہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ایک موٹی اور بھدی لڑکی میں ایک حسین اور قابلِ محبت شخصیت دریافت کی تھی۔ اگر کوئی سرپھرا اس لڑکی کو اپنا لیتا تو مجھے یقین تھا کہ وہ اپنی بے پناہ چاہت اور محبتوں سے اس کی زندگی کو ناقابلِ رشک بنا دیتی۔

دوسرا گھونٹ لے کر میں نے خاموشی کے ساتھ اپنی جیب سے ڈالروں کی ایک سربمہر گڈی نکالی جو سو ڈالر والے نوٹوں پر مشتمل تھی اور خاموشی کے ساتھ اس کی گود میں ڈال دی۔

"یہ کیا؟" اتنی بڑی رقم سامنے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا

"رکھ لو۔ یہ تمہاری ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "ہو سکے تو اس سے اپنا آپریشن کرا لینا۔ تھائی رائیڈ گلینڈز کا علاج زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ میری کسی بات سے تمہاری دل آزاری ہوئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔"

وہ اسی حالت میں منہ کھولے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ مجھے دیکھتی رہی، پھر موٹے موٹے عدسوں کے پیچھے اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں تیزی کے ساتھ نمی پھیلنے لگی۔ "تت... تم مجھے خیرات تو نہیں دے رہے؟" اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا تو اس کے ہونٹوں کے گوشے ہولے ہولے کپکپا رہے تھے۔

"میں قسم کھا سکتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ دوستی کا ایک حقیر سا نذرانہ ہے۔" میں نے اس کی انا کا خیال کرتے ہوئے پُرزور لہجے میں کہا۔ دیکھ کر اچانک میرا دل بھی بھاری ہونے لگا تھا۔

وہ ضبط نہ کر سکی اور اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان چھپا کر کسی ننھی سی بچی کی طرح بلک کر رو پڑی۔ شاید اپنی زندگی کے بے رحم سفر میں اس کا کبھی سچی ہمدردی سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اس لیے میرا پُرخلوص رویّہ وہ برداشت نہیں کر سکی تھی۔

میری کافی کوششوں کے بعد وہ اعتدال پر آئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس خود غرض دنیا میں کوئی اس سے بے لوث انداز میں ہمدردی کر سکتا ہے۔ اس کے چہرے پر اعتماد کی ایک نئی چمک عود کر آئی تھی اور آنکھوں میں تابناک مستقبل کی ہلکی سی روشنی در آئی تھی جو کسی بھی انسان میں زندگی کی امنگوں کا پیمانہ کہی جا سکتی ہے۔

ہم نے اسی کی بوتل سے دوسرا پیگ بھی لیا۔ اس دوران میں کاویل نے اندر سے روسٹ تیار ہونے کی اطلاع دی اور سارا اسے انتظار کرنے کی ہدایت کر کے بوتل لینے بازار چلی گئی۔ تنہائی اور ہلکے سے سرور کے عالم میں مجھے خیال آیا کہ کاویل سے سوال کروں کہ اپنی بیٹی کی زندگی میں عذاب بننے کے بجائے تم مر کیوں نہیں جاتے تاکہ وہ ہر بوجھ سے ہلکی ہو کر پوری توجہ اپنی ذات اور اپنے مستقبل پر صرف کر سکے لیکن میں اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہ کر سکا۔ سارا نہ جانے اپنے کس جذبے کی تسکین کے لیے بوڑھے باپ کو اولڈ ہاؤس یا محتاج گھر بھجوانے کے بجائے اس کی پرورش کر رہی تھی۔

سارا واپس آئی تو کھانے کا کچھ سامان بھی ساتھ لائی۔ اس نے گھر میں چکن روسٹ بنایا ہوا تھا۔ اس کی رائے تھی کہ درمیانی دروازہ کھولنے کے بعد پانچوں مل کر کھانا کھائیں تاکہ اس دوستی کا جشن منایا جا سکے۔ میں اس کی خواہش کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو گیا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر فوراً ہی اندر گئی۔ دو کمروں کے بعد عقبی دالان میں اسٹور کے برابر میں وہ بند دروازہ تھا جو ہمارے کمرے میں کھلتا تھا۔ اس کے سامنے ایک سالخوردہ میز جمی ہوئی تھی جس پر پرانے اخبارات اور رسائل کا انبار جمع ہو رہا تھا۔ ہم دونوں نے پھرتی کے ساتھ اس میز کو وہاں سے ہٹانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ سارا کے ہمراہ مجھے اس دروازے سے برآمد ہوتے دیکھ کر میرے ساتھی ششدر رہ جائیں گے کیونکہ اس کے بارے میں کسی کی بھی رائے اچھی نہیں تھی۔

میز خالی کر کے وہاں سے ہٹوانے کے بعد سارا نے بولٹ گرانے اور ہینڈل پر زور ڈالا تو برسوں سے بند دروازہ پُرشور آواز کے ساتھ ہماری طرف کھلتا چلا گیا۔ اس آواز پر میں نے ویراور سلطان شاہ کو جارحانہ انداز میں اچھل کر کھڑے ہوتے دیکھا تو بوکھلا کر سارا کو دھکیلتا ہوا ان کے سامنے پہنچ گیا۔ ”آرام سے بیٹھو سب خیریت ہے!“ میں نے اُردو میں اونچی آواز میں کہا تو ان کے چہروں پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کسی وقت درمیانی دروازہ بھی کھل سکتا تھا۔ میرے پیچھے سارا دوستانہ انداز میں مسکراتی ہوئی کمرے میں آئی تو ان کی حیرت دوچند ہو گئی۔

”یا خدا!“ سلطان شاہ اُردو میں بڑبڑایا۔ ”تو کیا اب تم نے اس قتالۂ عالم سے عشق شروع کر دیا ہے؟“

”بکواس مت کرو۔“ میں نے سرد لہجے میں اسے ڈانٹ دیا۔ ”یہ بہت مظلوم اور نیک دل لڑکی ہے۔“

”لڑکی!“ حیرت سے سلطان شاہ کی آنکھیں اس کے ماتھے پر چڑھ گئیں۔ ”اسے لڑکی کہہ رہے ہو تم...!“

”میں سمجھ رہی ہوں۔“ سارا اُردو نہ سمجھنے کے باوجود ہنستے ہوئے انگریزی میں بول پڑی۔ ”شاید تمھارے ساتھیوں کو یقین نہیں آرہا کہ ہمارے تعلقات اتنے خوشگوار بھی ہو سکتے ہیں کہ درمیانی دروازہ کھول دیا جائے۔“

”تم ٹھیک سمجھ رہی ہو۔“ میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”ان دونوں کو...“

یہ فقرہ ادھورا رہ گیا اور سب کی نگاہیں بیک وقت اس بند دروازے کی طرف اٹھ گئیں جو باہر کھلتا تھا کیونکہ اس پر اچانک دستک کی آواز سنائی دی تھی۔ چاروں اپنی جگہ دم بخود رہ گئے تھے اور حیرت سے بار بار ایک دوسرے کو تک رہے تھے جیسے نظروں ہی نظروں میں اس دستک کا سبب جاننا چاہتے ہوں لیکن وہاں سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

”اس وقت کون آگیا؟“ سارا سرگوشیانہ لہجے میں بڑبڑائی۔ اس معاملے میں وہ ہم سب سے زیادہ پریشان نظر آرہی تھی۔

آنے والا ضرورت سے زیادہ عجلت میں معلوم ہوتا تھا کیونکہ مختصر سے انتظار کے بعد دوبارہ زیادہ زور سے دستک دی گئی تھی۔ اس بار سارا دروازے کی طرف بڑھی۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

”کون ہے؟“ سارا نے دروازے کے قریب پہنچ کر محض ہم لوگوں کو باخبر رکھنے کے لیے انگریزی میں سوال کیا۔

”پولیس۔ دروازہ کھولو!“ باہر سے ایک کھردری اور تحکمانہ آواز ابھری جسے سنتے ہی میرا دورانِ خون اچانک تیز ہو گیا اور دل کنپٹیوں میں دھڑکنا شروع ہو گیا کیونکہ جو امکان ہم نے سرے سے سوچا ہی نہیں تھا وہ اچانک رونما ہو گیا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ پولیس کی آمد سارا کی ہیروئن فروشی کے بارے میں نہ ہو لیکن وہ خیال مجھے اپنے ذہن سے فوراً ہی جھٹک دینا پڑا۔ اس مکان کا اصل راستہ وہ تھا جو سارا کے گھر جاتا تھا اور وہیں ڈور بیل بھی موجود تھی اس لیے پولیس والوں کو اصولاً اسی دروازے پر گھنٹی بجانی چاہیے تھی لیکن وہ گھوم کر اس عقبی دروازے پر آئے تھے جو ہمارے کمرے میں کھلتا تھا۔ وہاں

گھنٹی نہ ہونے کے باوجود ان کی دستک سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انھیں وہاں کسی نہ کسی کی موجودگی کا پورا یقین تھا۔

وہ دونوں سارا کو کینہ توز نظروں سے گھور رہے تھے پھر ویرا نے پنجوں کے بل اپنی جگہ چھوڑی اور تقریباً دوڑتی ہوئی درمیانی دروازے سے گزر کر سارا کے مکان میں غائب ہو گئی۔

سارا شش و پنج میں تھی اس لیے میں نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا کیونکہ پولیس سے نہ مزاحمت کی جا سکتی تھی نہ تاخیر کر کے ان کی مخاصمت مول لینی مناسب تھی۔

دروازہ کھولتے ہی نبضوں کی رفتار یکلخت سست پڑ گئی اور ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ باہر کی کہر آلود فضا میں میرے سامنے چار مسلح اور باوردی پولیس والے پوری طرح تیار کھڑے ہوئے تھے۔ ان سے ذرا دور ایک پولیس کار موجود تھی جس میں ڈرائیونگ سیٹ پر ان کے پانچویں ساتھی کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔

”اگر ہم انگریزی میں بات کریں تو زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ میرے مہمان فرنچ نہیں جانتے۔“ ایک پولیس افسر کے ابتدائی کلمات کے جواب میں سارا نے کہا اور پھر میری طرف مخاطب ہو گئی ”یہ بتا رہے ہیں کہ مقامی پولیس اسٹیشن سے آئے ہیں اور ان کا نام ویلری چیس ہے۔“

میں نے خوش دلی کے ساتھ دانت نکالتے ہوئے ویلری سے ہاتھ ملایا اور پھر اخلاقاً اس کے ساتھیوں سے بھی وہ رسم پوری کرنا پڑی۔ ویلری نے گفتگو کی ابتدا کی تھی، اس لیے اس کے چہرے پر قدرے شائستگی ابھر آئی تھی لیکن بقیہ تینوں کے چہرے انتہائی سنگلاخ اور غیر دوستانہ نظر آ رہے تھے۔ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اُن تینوں نے ہی بلا استثنیٰ طاقت کا مظاہرہ ضروری سمجھا تھا۔

”باہر سردی ہے، اندر آ جائیں آپ لوگ۔“ سارا نے ان چاروں کو راستہ دیتے ہوئے کہا اور لمحہ بھر میں اس چھوٹے سے کمرے میں آزادانہ نقل و حرکت کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ویلری اور اس کے ساتھیوں نے اندر داخل ہوتے ہی تجسّسانہ انداز میں ہر چیز کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا، جیسے انھیں وہاں کسی خاص، مشتبہ چیز کی تلاش ہو۔

”میں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟“ سارا نے ان کو اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے سوال کیا۔ ”مجھے سارا کاڈیل کہتے ہیں اور میں یہاں اپنے باپ، مسٹر کاڈیل کے ساتھ رہتی ہوں۔“

”ہمیں بھی یہی بتایا گیا تھا۔“ ویلری نے جھینکتے ہوئے خفّت آمیز لہجے میں کہا۔ ”دراصل میں اپنی ناوقت مداخلت پر شرمندہ ہوں لیکن ہمیں اطلاع ملی تھی کہ اس کمرے میں آج شام کچھ مشکوک لوگ قیام پذیر ہوئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اطلاع بے بنیاد رہی ہو گی لیکن شہر کے حالات کے پیشِ نظر ہمیں رسمی کارروائی کے لیے یہاں آنا پڑا . . .“

”میں احتجاج کرتی ہوں۔“ سارا، ویلری کے چہرے پر نظریں گاڑ کر بولی۔ ”اوّل تو یہ کوئی کمرا نہیں، بلکہ ایک مکمل رہائشی یونٹ ہے، البتّہ اس عقبی کمرے کو میں مہمانوں کے قیام کے لیے استعمال کرتی ہوں پھر یہ کہ میرے مہمانوں پر کسی کو شبہ ظاہر کرنے کا حق کس نے دے دیا؟ تم لوگ بھی اس اطلاع پر پوری نفری کے ساتھ یہاں آ گئے۔ اس وقت میرے دروازے پر باوردی پولیس اہلکاروں کی بھیڑ اور پولیس کار کی موجودگی میرے پڑوسیوں میں ہر قسم کی بدگمانیاں پیدا کر سکتی ہے۔ آنا ہی تھا تو اس عقبی دروازے پر دستک دینے کے بجائے تمھیں سامنے کے دروازے پر آ کر گھنٹی بجانا چاہیے تھی، یہ طریقہ تو بہت ناشائستہ ہے۔“

”حالانکہ میں نے شائستہ رہنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔“ ویلری نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ”ہم محض تمھارے پڑوسیوں کی توجہ سے بچنے کے لیے اس عقبی دروازے پر آئے ہیں، ورنہ میرے ڈرائیور نے پہلے اگلے دروازے پر ہی کار روکنی چاہی تھی۔ ہمیں تم صرف اپنے مہمانوں کے شناختی کاغذات دکھا دو، ہم لمحہ بھر میں یہاں سے واپس لوٹ جائیں گے۔ عام حالات میں ہم گمنام فون کالز کو سرے سے نظرانداز کر دیتے ہیں لیکن آج کل ہمیں ایسی شکایات پر بھی دوڑ لگانا پڑتی ہے۔ ہم خود اس صورتِ حال سے نالاں ہیں لیکن مجبوری ہے۔“

”ہم دونوں مس سارا کاڈیل کے مہمان ہیں۔“ سارا کے بولنے سے پہلے ہی میں نے بولنا شروع کر دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ تین کا ذکر کر بیٹھی تو اس وقت ویرا کی شناخت مسئلہ بن جائے گی۔ غنیمت یہ تھا کہ ویرا موقع کی نزاکت بھانپ کر پہلے ہی مکان کے اندرونی حصّے میں غائب ہو چکی تھی۔ ”میرا نام پیٹر واک ہے اور میرا ساتھی راماند ہے۔“

”شاید تم دونوں ہی غیر ملکی ہو؟“ ویلری نے تصدیق طلب لہجے میں براہِ راست مجھ سے کہا۔ ”اگر تم دونوں اپنے پاسپورٹ چیک کرا دو تو ہماری کارروائی مکمل ہو جائے گی۔“

”میں پاسپورٹ لینے کے لیے مُڑا ہی تھا کہ سارا نے نہایت مکاری کے ساتھ جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”تم چاہو تو پورے گھر کی تلاشی بھی لے سکتے ہو . . .“

ویلری نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”مس کاڈیل! بات نہ بڑھاؤ، ہمیں معلوم ہے کہ ہماری مداخلت تمھیں گراں گزری ہے لیکن ہم نے تمھیں زیادہ پریشان نہیں کیا ہے۔ پاسپورٹ دیکھ کر ہم چلے جائیں گے۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی تھی کہ ہم ایک قاصد بھیج کر تمھیں اپنے مہمانوں اور ان کے شناختی کاغذات سمیت

تھانے میں طلب کر لیتے لیکن ہم لوگوں کو بے جا طور پر پریشان کرنے سے خود ہی گریز کرتے ہیں۔ تمھیں ہمارے فرائض اور مجبوریوں کا بھی احساس ہونا چاہیے۔" اس کا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا تھا۔

"نہیں مسٹر ویلری، کوئی بات نہیں۔" میں نے بحث کو ختم کرانے کی نیّت سے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "شاید مس سارا ہماری وجہ سے شرمندگی محسوس کر رہی ہے لیکن ہم خود قانون کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے سلطان شاہ سے دونوں پاسپورٹ لے کر اس کی طرف بڑھا دیے جو اُس نے بدمزگی کی وجہ سے سرسری ورق گردانی کے بعد واپس لوٹا دیے۔

"ہماری طرف سے ایک ایک پیگ ہو جائے، آج سردی کافی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے ویلری کو پیش کش کی۔

"ڈیوٹی پر ہم نہیں پیتے... بہت بہت شکریہ۔" ویلری انکار کرتے ہوئے واپسی کے لیے مُڑ گیا۔

"جانے سے پہلے اتنا تو بتاتے جاؤ کہ تمھیں ہماری طرف سے کس نے بدگمان کیا تھا؟" سارا نے دروازہ کھولتے ہوئے سوال کیا۔

"گمنام فون کال۔" وہ مُنہ بنا کر بولا۔ "تمھارا کوئی شناسا یا محلّے دار ہی ہو سکتا ہے جو سامنے آ کر تمھاری ناراضی مول لینا نہیں چاہتا، اسی کے ساتھ قانون کی مدد بھی کرنا چاہتا ہے۔"

ان چاروں کو رخصت کر کے سارا نے دروازہ بولٹ کیا تو ویرا درمیانی دروازے سے فوراً ہی اندر آ گئی۔ شاید وہ قریب ہی کسی اوٹ میں چھپ کر شروع سے آخر تک تمام کارروائی سُنتی رہی تھی اور میدان صاف پاتے ہی واپس آ گئی تھی۔

"اچھا ہُوا کہ یہ مرحلہ بھی گزر گیا۔" سارا سر جھٹکتے ہوئے بولی۔ "اب ہم کسی کی مداخلت کے بغیر اپنی محفل جما سکیں گے۔"

"کیسی محفل؟" ویرا نے حیرت سے براہِ راست سارا کا دل سے ہی سوال کیا۔

"آپس کی غلط فہمیاں دور ہونے کی خوشی میں ہم رات کا کھانا اسی کمرے میں ایک ساتھ کھائیں گے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "بلیک لیبل کی ایک بوتل کے علاوہ سارا کا بنایا ہُوا چکن روسٹ بھی دوسری طرف موجود ہے۔"

"یہاں جگہ تنگ ہے، اُدھر ڈائننگ ٹیبل پر ہی آ جاؤ، وہاں آرام سے بیٹھ سکیں گے۔" سارا نے درمیانی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"تم چلو، ہم ابھی آتے ہیں۔" ویرا نے نرم لہجے میں کہا۔

"میرے بارے میں اپنے دل صاف رکھنا۔" سارا جاتے جاتے ہنستے ہوئے بولی۔ "پولیس والوں کی آمد سے میرا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا، کہیں تم اسے میری کارگزاری نہ سمجھ بیٹھنا۔"

"یہ معصوم بن رہی ہے لیکن ساری شرارت اسی بدمعاش عورت کی معلوم ہوتی ہے۔" سارا کے چلے جانے کے بعد ویرا نے ہیجان آمیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "یہ ہر قیمت پر ہمیں پھنسوانے پر تُل گئی ہے۔ پتا نہیں اب کیا گُل کھلائے گی؟"

"ضرورت سے زیادہ چالاک بلکہ مکار معلوم ہوتی ہے۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔

وقت کم تھا کیونکہ زیادہ تاخیر ہونے کی صورت میں سارا ہماری طرف واپس بھی آ سکتی تھی، اس لیے میں زیادہ وضاحت تو نہ کر سکا لیکن انھیں عارضی طور پر سارا کے بارے میں خاموش رہنے پر آمادہ کر لیا۔

ہمارے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا اور پُرشور آوازیں پیدا کیے بغیر اسے اکھاڑنا یا توڑنا ممکن نہیں تھا۔ رقم کی گڈیاں ترتیب اور قرینے سے بستر کے نیچے چھپی ہوئی تھیں۔ تینوں ٹرانسمیٹر بھی چھپا دیے گئے تھے جن میں سے ایک جمی لائیڈ سے چھینا ہوا آپریٹس تھا۔ دوسرا ویرا نے باہمی رابطے کے لیے اسپیس نائین میں میرے حوالے کیا تھا اور تیسرا وہ خود اپنے ساتھ لائی تھی۔ ان میں سے پہلا صرف جمی لائیڈ سے رابطے کے کام آ سکتا تھا جبکہ باقی دونوں آپریٹس ایک ہی فری کوئنسی پر کام کرتے تھے اور انھیں کسی بھی وقت باہمی رابطے کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میرے منع کرلے کے باوجود سلطان شاہ بیم گن ساتھ لے جانے سے باز نہیں آیا تھا۔

خورونوش کے دوران میں ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی پھر ہم اسکاچ کے گلاسوں کے ساتھ ڈرائنگ رُوم میں اُٹھ آئے۔ بوڑھا کادیل بیٹی کی ہدایت پر سونے کے لیے جا چکا تھا۔ سارا نے اسے بُلا کر سلطان شاہ کے لیے اسکواش کی بوتل منگوانے کی پیش کش کی تھی جسے اُس نے خود سختی سے مسترد کر دیا اور پانی پر ہی گزارا کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمارے درمیان اب مکمل دوستی کی فضا بحال ہو چکی ہے، اس لیے ہمیں اپنے بارے میں ایک دوسرے کو پوری طرح اعتماد میں لے لینا چاہیے۔" سارا نے دوسرے گلاس کے اختتام پر کہا۔

"اچھا ہُوا کہ یہ بات تم نے ہی چھیڑی ہے۔ اب تمھیں بتا دینا چاہیے کہ تم کس کے لیے کام کرتی ہو؟" میں نے اُسے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر اُس پر سوال داغ دیا۔

اُس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا پھر دھیمے لہجے میں بولی۔ "مارسیلز کا ایک بدنام لکھ پتی ہے۔ لیزلی درہام کے نام سے ہر جرائم پیشہ شخص واقف ہے۔ منشیات کے بڑے اڈے شہر میں اسی کی پُشت پناہی کے بل پر چلتے ہیں۔"

"اور وہ شی کے لیے کام کرتا ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"ایک زمانے میں افواہ اُڑی تھی لیکن وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" سارا نئے گلاس تیار کرتے ہوئے بولی۔

"قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب ہیروئن کی نکاسی کے لیے اسے شہر کے بڑے ٹھکانے دستیاب ہیں تو وہ تم جیسے لوگوں سے چھوٹی موٹی سپلائی کا کام کیوں لیتا ہے؟ جب کہ تم اس کے باقاعدہ گروہ میں بھی شامل نہیں ہو۔"

"اس نکتے پر میں نے آج تک غور نہیں کیا۔" اس نے ایمانداری کے ساتھ اعتراف کیا۔ "اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ لیزلی درہام شی کا ایجنٹ ہے اور اسی کے مقاصد کے لیے پوری قوت سے میدان میں سرگرمِ عمل رہتا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" سلطان شاہ نے اپنے گلاس سے سادہ پانی کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"ایس، ایچ، ای یعنی شی دراصل سنڈیکیٹ فار ہیروئن ایڈکشن کا مخفف ہے۔" سارا اُسے سمجھانے لگی۔ "اس تنظیم کا بنیادی مقصد ہی عالمی پیمانے پر ہیروئن کے استعمال اور تجارت کا فروغ سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ بڑے اڈوں کے ساتھ ہی چھوٹے ٹھکانوں کو بھی نظرانداز نہیں کرتے۔ بہت سے کیمسٹ اور فاسٹ فوڈ سینٹرز نئے لوگوں کو ہیروئن کا عادی بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آخر کار یہی سب گاہک مل کر کسی بھی شہر میں ہیروئن کی کھپت میں اضافہ کرتے ہیں۔ ایسے ہی بہت سے ٹھکانے میرے دائرۂ کار میں شامل ہیں۔"

"یعنی تم بالواسطہ طور پر شی کے لیے کام کرتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت سے پہلے میں نے لیزلی درہام سے آگے کچھ سوچا ہی نہیں تھا لیکن اب کڑیاں ملتی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں سے تمہاری دُشمنی کیسے ہو گئی؟"

بات واضح ہو رہی تھی۔ شی کا اپنا ایک مخصوص تنظیمی ڈھانچہ تھا جس میں سپر آئی مین کے بعد چند مراکز کے لیے ایک آئی مین اعلیٰ اختیارات کے ساتھ مامور تھا پھر ہر مرکز کا ایک مقامی چیف ہوتا تھا جو اپنی حدود میں تنظیم کی تمام سرگرمیوں کا ذمّے دار اور اپنی کارکردگی کے لیے آئی مین کو جواب دہ ہوتا تھا۔ ناجائز اسلحے کا سارا کاروبار براہِ راست چیف کی نگرانی میں چلتا تھا جب کہ ہیروئن کی تقسیم اور ترسیل کے لیے مقامی ضروریات کے مطابق ایک ذیلی ڈھانچہ ہوتا تھا۔ لیزلی درہام شاید مارسیلز کے اسی ذیلی ڈھانچے کا سربراہ تھا اور برونو اشمٹ اور گیری ہارٹ کے احکام کے تحت کام کرتا تھا۔

پاکستان میں شی کی سرگرمیاں بہت پھیلی ہوئی تھیں لیکن تنظیمی معاملات کے لیے پورے ملک کو ایک ہی مرکز تصور کیا گیا تھا جس کا سربراہ نادیدہ اے ٹو ہوا کرتا تھا جو لاہور کے محفوظ ترین لائیڈز کاٹیج میں محصور رہ کر محض آواز کے سہارے اپنے کارندوں پر حکمرانی کرتا تھا۔ ان لوگوں سے باغی ہونے سے پہلے تک کراچی میں شی کی منشیات فروشی کا براہِ راست ذمّے دار میں ہوا کرتا تھا اور مجھے بھنک بھی نہیں مل سکی تھی کہ تنظیم اسلحے کی غیر قانونی تجارت میں بھی ملوّث تھی مگر پھر لائیڈز کاٹیج کے زیرِ زمین تہ خانوں میں رسائی کے بعد مجھ پر اچانک انکشاف ہوا کہ تنظیم ملک میں بڑے پیمانے پر ہلکے مگر مہلک ہتھیار اور ان کا گولا بارود اسمگل کر رہی تھی جو عالمی مفادات رکھنے والوں کے اشارے پر مقامی تخریب کاروں اور دہشت گردوں میں تقسیم کیا جاتا تھا اور عالمی مفادات کے لیے مقامی جوڑ توڑ، ریشہ دوانیوں اور سیاسی دباؤ کے کھیل میں تنظیم سیاسی دہشت گردی کی خفیہ مگر بھرپور سربراہی کرتی تھی۔ ان زیرِ زمین گوداموں میں میں نے بچشمِ خود بہت سی ایسی پیٹیاں دیکھیں جو مغربی بندرگاہوں سے افغان مزاحمتی تحریکوں کے لیے بھیجی گئی تھیں لیکن منظم رابطوں کے ذریعے سرحدوں کے پار منزلِ مقصود پر پہنچنے کے بجائے لائیڈز کاٹیج کے تہ خانوں میں چھپا دی گئیں اور وہ ساری کارروائی براہِ راست اے ٹو کے تابع تھی جو پاکستان میں تنظیم کا مقتدرِ اعلیٰ بنا ہوا تھا۔ اس کی نگرانی میں مخدوش سرحدوں کے دونوں طرف بااثر قبائلی باشندوں کو ان کی محرومیّت کا احساس دلا کر انھیں مالی اور غیر ملکی فنّی امداد فراہم کی گئی تھی تاکہ پاکستان اور افغانستان کے ریاستی قانون سے ماورا ان دُشوار گزار پہاڑوں کی آغوش میں ہیروئن تیار کرنے کی جدید ترین لیبارٹریز قائم ہو سکیں۔ ان ہولناک کارخانوں کی پہلی کڑی مومن خان کی لیبارٹری تھی، جس میں ایک جرمن ماہر نے سن ۱۹۷۸ء میں پہلی بار افیون کی مقامی پیداوار سے ہیروئن کی پہلی کھیپ کشید کی تھی۔ اس پائلٹ پروجیکٹ کو بروئے کار لانے میں ویرا نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ جدید ترقّی اور مواصلاتی رابطوں سے نا آشنا خیبر کے پہاڑوں میں مومن خان کی لیبارٹری کو ریموٹ کنٹرولڈ ویڈیو کیمروں اور اسکرین کا تحفّظ حاصل تھا جن کی مدد سے ان اطراف میں پھٹکنے والے پرندوں اور چوپایوں تک پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی پھر مومن خان کی تیزی سے بڑھتی ہوئی خوشحالی نے دوسروں کو بھی اس راہ پر ڈال دیا۔ رہی سہی کسر سرحد کے پار لڑنے والے بے سرو سامان گروپوں نے پوری کر دی، جنھیں ہتھیاروں اور گولا بارود کے لیے مالی وسائل کی سخت ضرورت تھی۔ ان کے لیے افیون سے اعلیٰ درجے کی ہیروئن بنا کر سرمایہ حاصل کرنے کا تصوّر سنسنی خیز تھا کیونکہ اس سرمائے سے وہ اپنی روزمرّہ جنگی ضروریات پوری

کر سکتے تھے، اس طرح شی نے ان پہاڑوں میں ہیروئن کی پیداوار کی ایک زرخیز منڈی تیار کر لی تھی جہاں سے حاصل کی ہوئی ہیروئن ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے امریکا اور یورپ کی منڈیوں میں مُنہ مانگے داموں فروخت کی جا رہی تھی۔ یہ ہولناک زہر منزل کے ساتھ ساتھ اپنی گزرگاہوں میں بھی تیزی سے سرایت کرتا رہا۔ خیبر سے کراچی تک، پاکستان کے ہر شہر میں ہیروئن پُراسرار اور حیرت ناک طریقے پر متعارف اور پھر مقبول ہوئی تھی۔

موت کے ان قابلِ نفرت سوداگروں کا اندازِ واردات بھی بہت منطقی اور دل میں اُتر جانے والا تھا، جس کے نتیجے میں افیون کی کاشت کو ختم کرنے کی کوشش کبھی بھی پوری طرح بار آور نہیں ہو سکی تھی۔ انھوں نے طلب اور رسد کے معاشیاتی اصول کے تحت افیون کو زمین سے اُگنے والی دوسری بے ضرر فصلوں کے برابر لا کھڑا کیا تھا اور بہتیرے مُحبِ وطن اور دیندار لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ اگر وہ اپنی زرخیز زمینوں پر کوئی ایسی فصل کاشت کرتے ہیں جس کا معاوضہ خطیر اور پیشگی مل سکتا ہے تو یہ ان کا معاشی حق ہے جس پر کوئی ڈاکا نہیں ڈال سکتا — برسوں پیشتر، جب ان علاقوں میں متبادل روزگار کی فراہمی کے لیے کارخانوں اور صنعتوں کے قیام کے لیے سڑکوں اور دوسرے مواصلاتی ذرائع کی تعمیر کا آغاز کیا گیا تو ان سادہ لوح لوگوں میں یہ افواہیں پھیلا کر مزاحمت کی دیوار کھڑی کر دی گئی کہ رسل و رسائل کے مضبوط ذرائع میسر آتے ہی پوری قوّت کے ساتھ ان کی لہلہاتی فصلوں اور گُل رنگ آبادیوں کو تہس نہس کر کے انھیں معاشی طور پر تباہ کر دیا جائے گا اور افیون کے ذریعے علاقے میں آنے والی خوشحالی ایک خواب بن جائے گی۔ سرکاری سطح پر ایسے پروپیگنڈے کا مقابلہ ہمیشہ بُری طرح ناکام ہُوا تھا کیونکہ ان علاقوں کے مخصوص ماحول اور وسائل کی وجہ سے سرکاری آواز ہر گھر تک پہنچانا ممکن نہیں تھا۔

پیشگی ادائیگیوں پر افیون کی لہلہاتی فصلیں کاشت ہو رہی تھیں، ان کا جوہر، ہیروئن کی صورت میں کشید ہو کر عالمی منڈیوں میں کالے دھن کو فروغ دے رہا تھا۔ خستہ حال اور بے سروسامان مہاجرین کے جتھے اپنی زندگی کی ایک نئی ابتدا کی خاطر پہاڑوں سے چند کلو ہیروئن لا کر شہروں میں فروخت کر رہے تھے جو مشینی زندگی سے اکتائے ہوئے ذہنوں کے لیے خوابناک سرور کی ایک انوکھی جنّت فراہم کر دیتی تھی جس میں زندگی کے زندہ مسائل کا دُور دُور تک کوئی گزر نہیں تھا۔ سارا کا ویل نار سیلز میں بالکل وہی کام سرانجام دے رہی تھی۔ نئے لوگوں کو ہیروئن کی طرف راغب کرنے میں اس کا کردار بہت اہم تھا۔

”دشمنی اُن سے نہیں، اُن کے کام سے ہے۔“ میں نے پُرخیال لہجے میں سارا کی بات کا جواب دیا۔ ”وہ ہر ایک کو ہیروئن کا غلام بنانے کی ایک ہولناک سازش کر رہے ہیں اور ہم انھیں ناکام کرنا چاہتے ہیں۔ بس اسی لیے وہ ہمارے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں اور ہر قیمت پر ہمیں موت کے گھاٹ اُتار دینا چاہتے ہیں۔“

اُس کی چھوٹی چھوٹی چمک دار آنکھوں میں بے اعتباری اُبھر آئی۔ ”بُرا نہ ماننا، میں تمھاری اس کہانی پر یقین نہیں کر سکتی، کم از کم مجھے تو اندر کی بات بتانے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔“

”یہ حقیقت ہے سارا ڈارلنگ!“ ویرا نے میری حمایت میں مداخلت کی۔

”اس دَور میں کون دوسروں کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈالتا ہے؟“ اُس نے بدستور بے اعتباری سے کہا۔ ”میرا تو خیال ہے کہ تم لیزلی ورہام کی کسی مخالف پارٹی کے لیے کام کر رہے ہو اور تمھارے درمیان مفادات کی جنگ جاری ہے۔“

”ہم تمھیں اپنی بات ماننے پر مجبور نہیں کر سکتے لیکن [illegible] کی تباہ کاریاں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ نہ جانے کتنے ہی ہنستے کھیلتے گھرانے ان درندوں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔“ میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”ہیروئن ہشت پا سے زیادہ خوفناک بلا ہے جو ایک بار اس کے چنگل میں آ جائے، زندگی بھر اس کے عذاب سے نہیں نکل سکتا۔ گھربار، نفس، اَنا اور بیوی بچّوں تک کو بھول کر اس کا غلام ہو جاتا ہے۔ تمھارا باپ تمھارے سامنے ہے، وہ مارفین لیتا ہے جو اتنی ہولناک نہیں لیکن پھر بھی وہ تمھارے گھر کی ایک زندہ مثال ہے۔“

سارا پھریری لے کر رہ گئی۔ ”میرے باپ کی بات نہ کرو، وہ تو ایک عذاب میں مُبتلا ہے.....“

”اور شاید تم لاشعوری طور پر انتقاماً دوسروں کو ہیروئن کے عذاب میں مُبتلا کر رہی ہو!“ میں نے اُس کی بات کاٹ کر پُرزور لہجے میں کہا۔ ”تمھارا گھر نہ بس سکا، اس لیے تم بسے بسائے گھر اُجاڑنے پر تُل گئی ہو۔“

”نہیں!“ اُس نے اپنی دونوں کنپٹیاں اپنی ہتھیلیوں سے دباتے ہوئے کہا۔ ”میں ہیروئن کے بارے میں اخبارات اور رسائل میں بہت کچھ پڑھتی رہی ہوں لیکن ایسا خوف میں نے کبھی محسوس نہیں کیا۔ تم نے تو مجھے دہلا دیا ہے۔“

”یہ حقیقت ہے سارا،“ میں نے لوہا گرم دیکھ کر اصرار کیا۔ ”شاید تم سوچ رہی ہو کہ تم تنہا لیزلی ورہام سے الگ ہو کر کیا بگاڑ لو گی۔ وہ تم جیسی درجنوں لڑکیوں کو رکھ لے گا لیکن یہ سوچ غلط ہے۔ [illegible] بھی بس ایک آدمی اور اس کی سوچ کا نام ہے اور اُس کی باغی بیٹی آج میرے ساتھ، تمھارے سامنے بیٹھی ہوئی ہے۔“

میرے اشارے پر اُس نے یوں آنکھیں پھاڑ کر ویرا کو دیکھا

جیسے اس کے سر پر یک بیک سینگ نکل آئے ہوں پھر سراتی ہوئی آواز میں بولی "تت . . . تو . . . یہ مس سرینا ہمفرے نہیں ہے؟"

"نہیں"، میں نے مسکراتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم شی کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔"

"بہت کچھ نہیں، بس اتنا ہی جانتی ہوں جتنا زیرِ زمین دنیا سے وابستہ لوگوں کو عام طور پر معلوم ہے۔" میری بات کا جواب دیتے ہوئے، وہ ویرا کو یوں گھورے جا رہی تھی جیسے وہ کسی دوسرے سیارے سے آئی ہوئی مخلوق رہی ہو "سب جانتے ہیں کہ شی کا سربراہ جمی لائیڈ ہے جسے آج تک کوئی نہیں دیکھ سکا حتیٰ کہ شی میں کام کرنے والی اس کی بیٹی نے بھی کبھی اپنے باپ کی صورت نہیں دیکھی، اگر میری یادداشت دھوکا نہیں دے رہی تو تمھاری ساتھی کا نام' ویرا لائیڈ ہونا چاہیے۔"

"تمھاری یادداشت قابلِ رشک ہے"، میں نے تعریفی لہجے میں کہا "یہ ویرا لائیڈ ہی ہے اور اب شی سے باغی ہو کر ہمارے ساتھ اس کی بیخ کنی پر تل گئی ہے، اس لیے یہ بھی لیزلی درہام کی ہٹ لسٹ پر آ چکی ہے۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو" وہ پُرخیال لہجے میں بولی "ہمیں زندہ رہنے کے لیے چند بنیادی آسائشوں کے ساتھ پیٹ بھرنے کے لیے خوراک، تن ڈھانکنے کے لیے معقول لباس اور سر چھپانے کے لیے ایک ٹھکانا ہی تو درکار ہوتا ہے پھر ہم اپنی خواہشات اور ہوس کا دامن کیوں اتنا وسیع کر لیتے ہیں کہ برے اور بھلے کی تمیز چھوڑ کر بس کمانے اور کمانے ہی کے چکر میں لگے رہتے ہیں؟"

"کمانے کی آرزو بری نہیں لیکن یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس آمدنی کی کیا قیمت ادا کی جا رہی ہے" میں نے کہا "تم میں تعلیم کی کمی ہے لیکن تم چاہو تو تھوڑی سی کوشش سے کئی ڈھنگ کے کام تلاش کر سکتی ہو۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ یہ ذلیل کام چھوڑ دوں گی" وہ سر جھکا کر شرمسار لہجے میں بولی پھر اچانک ہی ویرا سے مخاطب ہو گئی "تم لوگ واقعی بہت نرم دل معلوم ہوتے ہو۔ شاید تمھیں علم نہ ہو لیکن پیٹر نے مجھے بیس ہزار ڈالر کی خطیر رقم صرف اس لیے دی ہے کہ میں اپنے موٹاپے کا علاج کر کے احساسِ کمتری سے عاری زندگی گزار سکوں۔ اتنے ہمدردانہ انداز میں تو شاید میرے باپ نے بھی کبھی میرے لیے نہ سوچا ہو گا۔ علاج کے بہانے میں لیزلی درہام سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنی موجودہ زندگی کو خیرباد کہہ دوں گی، اگر ہم اگلی بار کبھی مل سکے تو تم مجھے ایک شریف اور گھریلو لڑکی پاؤ گے۔"

وہ بول رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو اندر سے باہر تک سراپا شیطان بن جاتے ہیں اور اپنے مکروہ دھندوں کے من مانے جواز بھی پیدا کر لیتے ہیں ورنہ ہر برے آدمی کے اندر کم یا زیادہ گہرائی میں اس کی فطری شخصیت ضرور موجود ہوتی ہے جسے تھوڑی سی کوشش سے کرید لیا جائے تو اسے سیدھی راہ پر ڈالا جا سکتا ہے لیکن مغرب کے اس مادیت پرست معاشرے میں ہر شخص اپنی ہی دنیا میں گم تھا حتیٰ کہ باپ کو اولاد کی اور بیوی کو شوہر کی پروا نہیں رہ گئی تھی۔ ایک دوسرے پر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ سہل پسند لوگ بعض اوقات اذیت ناک سمجھوتوں کے تحت بھی زندگی گزارنا گوارا کر لیتے تھے۔

"واقعی ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا" سارا کی بات مکمل ہونے پر ویرا نرمی سے کہہ رہی تھی "تم چاہو تو نئے سرے سے آغاز کے لیے کچھ رقم اور بھی لے سکتی ہو" سارا نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مزید رقم لینے سے انکار کر دیا۔

وہ محفل دیر تک جاری رہی۔ سارا اپنے کام، لیزلی درہام اور شی سے پوری طرح برگشتہ ہو چکی تھی۔ اس نے ہمیں پیش کش کی کہ اگر ہم اپنے دشمن لیزلی درہام کا خاتمہ کرنا چاہیں تو وہ پوری طرح ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار تھی۔ اس پر ویرا جوش میں آ گئی تھی لیکن میں مارسیلز میں مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا، اس لیے وہ بات وہیں رہ گئی اور رات گئے ہم تینوں درمیانی راستے سے اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔ سارا نے ویرا کو اپنی خواب گاہ میں سلانے کی پیش کش کی تھی لیکن ویرا اس سے ہمدردی کے باوجود اس کے ساتھ شب بسری کے لیے آمادہ نہ ہو سکی۔

اس وقت میرا ارادہ تھا کہ اگلی صبح ہمیں مارسیلز بلکہ فرانس کی سرزمین کو خیرباد کہہ دینا چاہیے لیکن اس خیال کو عملی جامہ پہنانے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ ویرا کے پاس کوئی پاسپورٹ نہیں تھا، جس کی تیاری میں ایک دو دن صرف ہو سکتے تھے۔ دوسری طرف مارسیلز کی پولیس کی سارا کے مکان پر آمد کے باعث میرا اور سلطان شاہ کا پاسپورٹ والا نام ریکارڈ پر آ گیا تھا اور جمی لائیڈ اس بات سے واقف ہو چکا تھا کہ ہم دونوں ہی فرضی ناموں کے تحت اپنی شناخت کراتے پھر رہے تھے۔ گیسٹ ہاؤس والی مادام فلورا کے ذریعے ہمارے حلیہ کوائف اس کے علم میں آ چکے تھے اور اگر بدقسمتی سے پولیس ریکارڈ اس کے علم میں آ جاتا تو پھر سارا کا مکان میدانِ کارزار میں تبدیل ہو سکتا تھا، اس وجہ سے میں وہاں رات گزارنے کے بعد بالکل بھی نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔

میری دوسری کوشش یہ تھی کہ ہم تینوں مارسیلز سے الگ الگ روانہ ہو کر اٹلی کے کسی مقام پر یکجا ہو جائیں تاکہ راستے میں تین کی نفری کے باعث ہمارا گروپ کسی کی نظروں میں نہ آ سکے۔

روم، اٹلی کے تقریباً وسط میں فرانس سے بہت فاصلے پر واقع تھا جب کہ فرانس کی سرحد سے قریب ترین بڑا اطالوی شہر

میلان تھا جو ہمارے لیے ایک بہتر ٹھکانا ثابت ہو سکتا تھا۔ ویرا کا خیال تھا کہ اگر وہ سلطان شاہ کے ساتھ ٹرین کے ذریعے میلان روانہ ہو تو سرحد عبور کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی چکر چلا کر سرحدی حکام کو جُل دے سکتی تھی۔ ناکامی کی صورت میں سلطان شاہ میلان پہنچ کر میرا انتظار کر سکتا تھا اور میں اس سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں اپنا پروگرام طے کر سکتا تھا۔ مجھے یہ آزادی ہوتی کہ میں جس طرح چاہوں، میلان کا سفر اختیار کروں اور وہاں طے شدہ ہوٹل میں ان دونوں سے جا ملوں۔

* * *

ویرا، سلطان شاہ کے ہمراہ مُنہ اندھیرے روانہ ہو گئی۔ انھوں نے اپنی ضروریات کے لیے رقم ساتھ لے لی تھی۔ باقی رقم میری ہی تحویل میں تھی، اسی کے ساتھ بیم گن بھی میں نے رکھ لی تھی۔ اعصاب پر خمار طاری ہونے کے باوجود میں اس رات ایک پَل کے لیے بھی نہیں سو سکا تھا۔ ان دونوں کے چلے جانے کے بعد بھی اندھیرے میں بستر پر پڑا دیر تک سگریٹیں پھونکتا رہا پھر جب صُبح کا اُجالا پھیلنے پر مکان کے اندرونی حصّے سے آہٹیں سُنائی دیں تو میں نے بھی بستر چھوڑ دیا۔

تیار ہونے کے بعد میں نے اپنے کمرے سے سارا کو آواز دی تو اُس نے مجھے اپنی طرف آنے کے لیے کہا لیکن پھر مجھے دیکھ کر چونک پڑی ”وہ دونوں شاید دیر تک سونے کے عادی ہیں؟“ اُس نے تجسّس آمیز لہجے میں کہا۔

”بہت زیادہ سحر خیز ہیں“ میں نے مُسکراتے ہوئے کہا ”وہ صُبح سویرے ہی اپنے نئے سفر پر روانہ ہو گئے ہیں۔ میں اپنی کاہلی کی وجہ سے بستر پر پڑا رہ گیا، اب بعد میں اُن سے جا ملوں گا۔ . . .“

”انھیں مجھ سے مل کر جانا چاہیے تھا“ وہ میری بات کاٹ کر شکایتی لہجے میں بولی۔

”تمھاری طرف گہرا سکوت تھا اس لیے تمھاری نیند میں خلل ڈالنا مناسب نہیں سمجھا، ورنہ ویرا تو تمھیں الوداع کہنے کے لیے خاصی مضطرب تھی۔ اب تم جلدی سے گرما گرم کافی پلاؤ کیونکہ میں بہت دیر سے جاگ رہا ہوں۔“

”وہ لوگ کس طرف گئے ہیں؟“ اُس نے برقی کیتلی کا سوئچ آن کرتے ہوئے سوال کیا۔

”پیرس۔“ میں نے اس خیال سے جھوٹ بولا کہ وہ ہمارے کسی حریف کے شکنجے میں پھنس جائے تو تشدد سے مجبور ہو کر ہماری نئی منزل کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی نہ کر بیٹھے۔ اسے متاثر کرنے کے لیے پچھلی رات میں نے ویرا کا اصل نام ضرور بتا دیا تھا لیکن اسی احتیاط کے پیشِ نظر اپنا یا سلطان شاہ کا اصل نام نہیں بتایا تھا ”اُن دونوں کا الگ جانا ضروری ہو گیا تھا تاکہ ہماری تعداد کی وجہ سے لیزلی ڈرہام کے آدمی ہماری طرف متوجہ نہ ہو سکیں۔“

”چاہو تو میں پیرس تک تمھارا ساتھ دے سکتی ہوں“ اُس نے نیک نیتی کے ساتھ کہا۔

”تمھارے معمولات میں رونما ہونے والی کوئی بھی تبدیلی تمھارے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی ہے، اس لیے میں تمھیں اس وقت شہر چھوڑنے کا مشورہ نہیں دوں گا، ورنہ اس سے اچھی کیا بات ہو سکتی تھی کہ مجھے ہمسفر مل جاتا“ میں نے اسے خوبصورتی کے ساتھ ٹالتے ہوئے کہا ”تمھاری طرف توجّہ مبذول ہوتے ہی ہماری سلامتی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔“

”میرے لیے یہ تجربہ بہت عجیب اور سنسنی خیز ہے۔ اب تک میں ہیروئن کی سپلائی کا کام بے خوف و خطر کرتی رہی ہوں۔ کبھی بھی کسی غیر معمولی صورتِ حال سے دوچار نہیں ہونا پڑا لیکن تم سے ملاقات کے بعد اچانک ہی مجھے خود کو درپیش خطرات کا ادراک ہو چلا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اپنے تجربے کے باوجود میں ایسے پُرخطر کاموں کے لیے نہایت ناموزوں ہوں۔“

مجھے گرم گرم کافی کی ایک پیالی دے کر وہ ناشتے کی تیاری میں مصروف ہو گئی اور میں اپنے آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں غور کرنے لگا۔ ناشتے سے فارغ ہونے تک میں فضائی سفر کے ذریعے میلان پہنچنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں سارا کے گھر سے تنہا ہی روانہ ہونا چاہتا تھا لیکن وہ مجھے ایئرپورٹ تک پہنچانے پر بضد ہو گئی تو اس کے خلوص کو دیکھتے ہوئے مجھے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔

وہ تیاری کے لیے غسل خانے میں گئی تو میں اپنا مختصر سا سامان سمیٹنے کے لیے اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس وقت تک سارا کا باپ بستر پر دراز گہری نیند کے مزے لے رہا تھا۔

اپنے نسبتاً ہلکے بیگ کے ساتھ میں وہاں سے روانہ ہُوا تو گردوپیش کے بارے میں بہت محتاط تھا لیکن وہاں میدان صاف تھا۔ سارا نے بتایا کہ میرے لیے شہر سے ٹکٹ خریدنا ضروری نہیں تھا۔ مارسیلز ایئرپورٹ ہی پر کسی باضابطہ یا چارٹرڈ پرواز کا ٹکٹ بہ آسانی حاصل کیا جا سکتا تھا، اس لیے ہم ٹیکسی میں براہِ راست ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہو گئے۔

ایئرپورٹ پر ایئر فرانس کے سیلز کاؤنٹر پر معلوم ہُوا کہ میلان کے لیناتے ایئرپورٹ کے لیے اگلی پرواز گیارہ بجے روانہ ہونے والی تھی لہٰذا میں نے فوراً ہی ٹکٹ خرید لیا اور سارا روایتی یورپی انداز میں

مجھے الوداع کہہ کر دل گرفتہ انداز میں واپس چلی گئی کیونکہ راستے میں میں نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ ایئرپورٹ کی حدود میں ہمیں زیادہ دیر تک یک جا نہیں رہنا ہوگا۔ میں نے شی والوں کو اپنی دانست میں یہ فریب دیا ہوا تھا کہ میں کار کے ذریعے پیرس کی طرف محوِ سفر تھا لیکن یہ خطرہ بدستور موجود تھا کہ ان کی طرف سے اس وقت تک ایئرپورٹ اور ریلوے اسٹیشن کی نگرانی نہیں ہٹائی جاتی، جب تک کہیں سے کامیابی کی خبر نہ ملتی۔

چیک اِن کاؤنٹر کی طرف بڑھتے ہوئے معاً مجھے بیم گن کا خیال آیا جو میں اپنے ساتھ طیارے پر نہیں لے جا سکتا تھا۔ الیکٹرانک آلات کی مدد سے جامہ تلاشی کے مرحلے سے بیم گن سمیت گزرنا ناممکن تھا جبکہ سلطان شاہ ریل کے ذریعے سفر کرتے ہوئے اُسے آرام سے ساتھ لے جا سکتا تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ بیم گن کو کسی ڈسٹ بن میں پھینکنا پڑے گا لیکن اس خیال کو عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی مجھے ایک دوسری راہ سوجھ گئی۔

میرے پاس رقم کے ہلکے پھلکے تھیلے کے علاوہ کوئی سامان نہیں تھا لیکن بیم گن نکال لے جانے کے لیے میں نے وہ ہتھیار اسی تھیلے میں ڈال کر تھیلا کاؤنٹر پر چیک اِن کرا دیا اور خود خالی ہاتھ امیگریشن اور سیکورٹی والوں کی طرف بڑھ گیا۔

مختلف پروازوں کے مسافروں کے ساتھ اس قطار میں سرکتے ہوئے میں نے پہلی بار خاکستری بالوں والے اس وجیہہ شخص کو دیکھا جو بہت غور سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پاتے ہی وہ بے پروایانہ انداز میں سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔ وہ مسافروں کی قطار سے الگ وسیع ہال میں اس طرح کھڑا ہوا تھا جیسے کسی کا منتظر ہو لیکن میری دانست میں روانگی والے راستے پر کسی کی آمد کا انتظار کرنا احمقانہ فعل تھا، اس لیے میرے ذہن میں فوراً ہی اس کی طرف سے شبہے نے سر اُبھارا تھا۔

میرے ڈیپارچر لاؤنج میں جانے تک وہ وہیں کھڑا کن انکھیوں سے مسلسل میرا جائزہ لیتا رہا۔ اسے دریافت کر لینے کے بعد میں خود بھی اس کی طرف سے فکرمند ہو گیا تھا لیکن اس بات پر اطمینان تھا کہ وہ باہر رہ گیا تھا اور میں تھوڑی دیر میں ایئر فرانس کی پرواز سے اٹلی روانہ ہونے والا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے میری طرف متوجہ تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ میں چوکنا ہونے کے باوجود بروقت اس کی موجودگی سے آگاہ نہیں ہو سکا تھا۔

ڈیپارچر لاؤنج میں کئی پروازوں کے مسافروں کا ہجوم تھا، جو روانگی کے اعلانات کے ساتھ کئی بار کم ہوا لیکن رفتہ رفتہ نئے آنے والوں نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ میں قبل از وقت وہاں پہنچ گیا تھا اس لیے ایک گوشے میں آرام کرسی پر نیم دراز وہ تماشا دیکھتا رہا۔ بیٹھنے کے لیے مجھے ایسی جگہ مل گئی تھی جہاں سے نئے آنے والوں پر بہ آسانی نگاہ رکھی جا سکتی تھی لیکن اس وقت نہ مجھے ایسی کسی نگرانی کی ضرورت تھی نہ میں آنے والوں کی طرف سے کسی تشویش کا شکار تھا۔

میری رسٹ واچ کے مطابق پرواز کی روانگی میں اس وقت بھی آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت باقی تھا، اس لیے میں وقت گزاری کے لیے بار کی طرف چل دیا۔ میں نے کاؤنٹر کے سرے پر اُونچا اسٹول سنبھال کر اپنے لیے اسکاچ کا ایک منی ایچر بنوایا ہی تھا کہ یونیفارم نما لباس میں ملبوس ایک شوخ لڑکی، اٹھلاتی ہوئی میرے قریب آ کھڑی ہوئی۔ وہ ڈیپارچر لاؤنج کے عملے سے ہی متعلق معلوم ہوتی تھی کیونکہ اس کے آتے ہی نوجوان بارٹینڈر نے داہنی آنکھ دبا کر جو کچھ کہا وہ میری سمجھ میں تو نہ آ سکا لیکن اس کے لہجے اور انداز سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ اس لڑکی سے بہت زیادہ بے تکلف تھا۔

لڑکی مجھ سے بولتے بولتے رُکی، اس نے بارٹینڈر کو کوئی چبھتا ہوا جواب دیا اور پھر مسکراتے ہوئے، خلیقانہ انداز میں مجھ سے کچھ بولی جو میری سمجھ سے بالکل باہر تھا۔

گرہ سے کچھ خرچ کیے بغیر اجنبی مردوں کے ساتھ کچھ وقت ہنس بول کر گزارنے کی شوقین خواتین کے بارے میں مجھے خاصا علم تھا، اس لیے میں نے اشارے سے اُسے مے نوشی میں شرکت کی دعوت دیتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ”میں صرف انگریزی سمجھ سکتا ہوں، تم چاہو تو تمہاری میزبانی کر کے مجھے خوشی محسوس ہوگی۔“

”میں دن میں اسکاچ نہیں پیتی۔“ اس نے شکستہ انگریزی میں کہا۔ ”تمہارے بارے میں ایک لڑکی سے میری شرط لگی ہوئی ہے میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ تم کہاں جا رہے ہو؟“

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس اجنبی دیس میں میری اتنی انفرادیت تھی کہ دو لڑکیاں میری منزل پر شرط لگائے بیٹھی تھیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”مجھ پر لگائی ہوئی شرط تمہیں جیتنی چاہیے۔ جو چاہو اسے جا کر بتا دو، میں پورے خلوص کے ساتھ تمہارے دعوے کی تائید کروں گا۔“

وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ ”بہت بہت شکریہ۔ تم واقعی دلچسپ آدمی ہو مگر میں شرط میں بے ایمانی نہیں کرتی۔“

اس کا لہجہ استفسار طلب تھا جیسے مجھ سے جلد از جلد جواب سننا چاہتی ہو مگر میں ان خوشگوار لمحات کو طول دینا چاہ رہا تھا، اس لیے جواب دیے بغیر گلاس ... ہونٹوں سے لگا لیا مگر نگاہیں اسی کے چہرے پر مرکوز رہیں۔

”بتاؤ نا۔“ وہ نظریں تیکھی کر کے ٹھنکی۔ ”یہ بعد میں پیتے رہنا۔“

”میلان۔“ میں نے اس کی طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ میرا جواب سنتے ہی وہ واپسی کے لیے پلٹی تھی لیکن میں نے پھرتی

سے اس کا بازو تھام لیا۔ "چند منٹ ٹھہرو، پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

"میں شرط جیت گئی ہوں، تم یہیں ٹھہرو، وہ خود میرے ساتھ تمہارے پاس آئے گی۔ وہ بدذات لڑکی تصدیق کیے بغیر شرط کا ایک فرانک بھی مجھے نہیں دے گی۔" اس نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

میں نے محسوس کیا کہ میری وہ حرکت ناشائستہ تھی، اس لیے میں نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ بارٹینڈر نے بظاہر میری طرف متوجہ ہوئے بغیر بیئر کا ایک خالی مگ زور سے چوبی کاؤنٹر پر پٹخ کر جھلاہٹ کا اظہار کیا، اسی اثنا میں وہ ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی مجھ سے دور نکلتی چلی گئی۔ میں نے ایک لمبا گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کر دیا۔

میں نے بارٹینڈر سے دوسرے منی ایچر کی فرمائش کی لیکن وہ میری سُنی اَن سُنی کر کے شیشے کے ایک مگ کو کپڑے سے چمکاتا ہوا کاؤنٹر کے دور افتادہ سرے کی طرف چلا گیا۔ شاید اس طرح وہ لڑکی کے ساتھ میرے رویے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہ رہا تھا جس میں پوری طرح کامیاب رہا تھا۔

اس کا توہین آمیز رویہ محسوس کرتے ہی میری کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلی اور معاً مجھے سلطان شاہ کے الفاظ یاد آ گئے، وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ میں کسی دن کسی خوبرو عورت کے ہاتھوں ہی اپنے انجام کو پہنچوں گا۔ اسی لمحے میری طبیعت اچانک مضطرب ہو گئی اور میں اسٹول سے اتر کر فرش پر کھڑا ہو گیا اور اس لڑکی کی تلاش میں اس سمت کا جائزہ لینے لگا جدھر وہ گئی تھی لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔

لڑکی غائب ہو چکی تھی۔ اس کا چڑھایا ہوا خمار کافور ہو چکا تھا اور میری چھٹی حس کسی انجانے خطرے کا الارم دینے لگی تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس لڑکی نے سارا چکر صرف میری منزل کا پتا لگانے کے لیے چلایا تھا اور میں نے اُسے صحیح جواب دے کر ایک سنگین غلطی کا ارتکاب کیا تھا جس کا ازالہ ناممکن تھا۔

تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ بورڈنگ پاس لینے کے بعد میں ڈپارچر لاؤنج میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ چاق و چوبند حفاظتی عملے کو جُل دے کر یا کسی اور طرح واپس جانا ناممکن تھا۔ اس ہال سے میرا بس ایک ہی راستہ تھا جو مارسیلز سے گیارہ بجے میلان کے لیے روانہ ہونے والے ایئر فرانس کے طیارے تک جاتا تھا، اس لیے آنے والے ناگہانی لمحات کا انتظار کرنے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

اس اثنا میں بارٹینڈر ایک اور گاہک کو سرو کرنے کے لیے میرے قریب آیا تو میں نے اس سے اپنی فرمائش دہرائی۔

بارٹینڈر نے چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر انگریزی میں سوال کیا۔ "تمہیں اپنی پرواز کا نمبر بھی یاد ہے؟" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ لڑکی سے میری گفتگو کے دوران میں وہ سمجھ چکا تھا کہ میں فرنچ سے نابلد تھا۔

"سب یاد ہے۔" میں نے دس فرانک اس کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔ "تم سے جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔"

میرے جارحانہ لہجے پر وہ سنبھل گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں، مجھے تو تنخواہ کے علاوہ سیل پر کمیشن بھی ملتا ہے لیکن میں تمہارے ہی بھلے کے لیے پوچھ رہا تھا۔ کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ لوگ نشے میں دُھت یہیں بیٹھے رہے اور پے در پے اعلانات کے بعد رن وے پر سامان کی شناخت کرانے کے بعد مسافروں اور سامان سمیت جہاز روانہ ہو سکا۔ آج کل بورڈنگ کارڈ والا ایک بھی مسافر کم ہو تو ڈر رہتا ہے کہ کہیں وہ اپنے سامان میں کوئی تباہ کُن مواد کارگو ہولڈ میں بھجوا کر غائب نہ ہو گیا ہو۔" بات کرتے ہوئے اس نے اسکاچ کی ننھی سی بوتل گلاس میں انڈیل کر اس میں برف کے چند ڈلے ڈالے اور گلاس میرے سامنے رکھ دیا۔

میں گلاس لے کر اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا جہاں سے اندر آنے والوں پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی اور جو خوش قسمتی سے اس وقت تک خالی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس پر دراز ہو کر گلاس گود میں رکھا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دُھواں اُگلتے ہوئے سر اٹھایا تو بھونچکا رہ گیا کیونکہ داخلے کے راستے سے خاکستری بالوں والا وہی وجیہہ شخص سیدھا میری طرف آ رہا تھا جو ڈپارچر لاؤنج سے باہر میری نگرانی کر رہا تھا۔ میں خود کو اس کے استقبال کے لیے تیار کر رہا تھا کہ اچانک اس نے رُخ تبدیل کیا اور مجھے نظر انداز کرتا ہوا کچھ دور ایک خالی کُرسی پر جا بیٹھا۔

میں نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی جس کے مطابق پرواز کی روانگی میں صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔

لاؤنج میں اس لڑکی کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا جو اپنی کسی سہیلی سے لگائی ہوئی شرط کے بہانے مجھ سے میری منزل کے بارے میں دریافت کر گئی تھی، اس کے بجائے خاکستری بالوں والا مشتبہ شخص اندر آ چکا تھا۔ کچھ دیر قبل میں نے اُسے باہر دیکھا تو اس کے کسی انداز سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کسی سفر پر روانہ ہونے والا تھا لیکن پھر وہ یک بیک مسافروں کے لیے محفوظ اُس حصے میں آ گیا جہاں مجاز عملے اور مصدقہ مسافروں کے علاوہ کسی کا بھی داخلہ عموماً ممنوع ہوتا ہے۔ دیکھنا یہ تھا کہ وہ مجھ سے پہلے یا بعد میں کسی پرواز سے روانہ ہونے کے ارادے سے وہاں آیا تھا یا میرے ساتھ ہی میلان جانے والا تھا۔

میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ خاکستری بالوں والے کا اس لڑکی سے ضرور کوئی تعلق تھا، وہ میرے دُشمنوں کی جانب سے ایئرپورٹ

پر کسی مشتبہ شخص کی نگرانی پر مامور تھا اور میرے حلیے میں نمایاں تبدیلیوں کے باوجود میری طرف سے کھٹک گیا تھا۔ وہ شاید اپنے اُوپر والوں سے میرے بارے میں رابطہ قائم نہیں کر سکا یا پھر اسے ان کی طرف سے کوئی واضح ہدایت نہیں مل سکی مگر وہ میرے بارے میں اپنے شبہے کی تصدیق کرنے پر تُلا ہُوا تھا، اس لیے اس مقامی نے ایئرپورٹ کے عملے سے کسی لڑکی کو رشوت دے کر یا انعام کا لالچ دے کر میری طرف بھیجا اور اسی اثنا میں کسی طرح اپنا پاسپورٹ ایئرپورٹ پر منگوا لیا یا شاید پاسپورٹ اس کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ جونہی اسے لڑکی کے ذریعے میری منزل کا پتا چلا، وہ پہلی پرواز سے میلان کا ٹکٹ اور پھر بورڈنگ پاس لے کر اندر آگیا تاکہ میلان تک میرا تعاقب کر کے اپنے شبہات کی تصدیق کر سکے۔

پیجنگ سسٹم پر میلان کے لیے ایئرفرانس کی پرواز کا اعلان ہُوا تو میرا ذہن بہت زیادہ اُلجھا ہُوا تھا۔ خاکستری بالوں والے پر اس اعلان کا کوئی اثر نہیں ہُوا تھا، اس لیے مجھے اپنے شبہات غلط ہوتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ میلان جانے والوں میں ہلچل کے باوجود وہ اتنے سکون سے اپنی جگہ پہ بیٹھا ہُوا تھا جیسے اس کی پرواز کی روانگی میں کافی دیر ہو۔

طیّارے میں اپنی نشست سنبھالنے تک مجھے وہ شخص دوبارہ نظر نہیں آیا اور میں نے حفاظتی بیلٹ کا بکل لگاتے ہوئے اس کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

میری نشست طیّارے کے عقبی حصّے میں تمباکو نوشی کی اجازت والے حصّے میں تھی لیکن پارکنگ، ٹیکسی اور ٹیک آف کے دوران یہ اجازت موقوف رہتی ہے، اس لیے میں نے وقت گزاری کے لیے کھانے کی فولڈنگ ٹرے کے نیچے والی باسکٹ سے ایئرفرانس کا تازہ شمارہ نکال لیا۔

طیّارہ تیزی سے بھر تا رہا لیکن پھر بھی آخری وقت پر کئی نشستیں خالی تھیں جن میں میرے برابر والی نشست بھی شامل تھی۔ آخر کار طیّارے کی روانگی کا اعلان ہُوا۔ فرنچ اور انگریزی میں جہاز کی گزرگاہ اور میلان کے موسم کے بارے میں بتایا جانے لگا۔ اسی اثنا میں جہاز کے طاقتور انجن بیدار ہوئے اور پھر طیّارہ رینگتا ہُوا، پارکنگ بے سے نکل کر رن وے کی طرف بڑھنے لگا۔

رن وے پر طیّارے نے سمت درست کر کے پوری قوت سے دوڑنا شروع کیا اور پھر فضا میں اُٹھتا چلا گیا۔ چند ثانیوں بعد تمباکو نوشی کی ممانعت کے روشن حروف بُجھنے کے ساتھ ہی مائیکروفون پر ان حصّوں اور قطاروں کی یاددہانی کرائی گئی جہاں تمباکو نوشی کی اجازت نہیں تھی۔ میرے قرب و جوار میں بیک وقت کئی لائٹر ول کے کھٹکے ہوئے اور نشستوں سے جا بجا سُرمئی دھویں کے مرغولے اُٹھنے لگے۔

طیّارہ فضا میں سیدھا ہونے کے بعد راہداریوں میں فضائی میزبان حرکت میں آگئے پھر انہی کے درمیان سے مجھے خاکستری بالوں والا جہاز کے اگلے حصّے سے عقب میں آتا ہُوا نظر آیا۔ اس کی عقابی نظریں ہر قدم کے ساتھ مسافروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس مرحلے پر میں نے خود ہی اس کی طرف پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اُس نے دور ہی سے مجھے دیکھ لیا، لمحہ بھر کے لیے ہماری نظریں چار ہوئیں اور اس کے سُرخ و سفید چہرے پر طمانیت کا ایک رنگ آکر گزر گیا۔ اگلے ہی ثانیے میں وہ ہر طرف سے بے پروا نظر آنے لگا لیکن جب وہ راہداری میں میرے قریب سے گزرا تو میں نے بے تکلفانہ انداز میں اسے ٹوک دیا۔ ”ہیلو۔۔ سگریٹ پینا چاہو تو یہ سیٹ خالی ہے“ میں نے اسے پیش کش کی۔

میرا رویّہ اُس کے لیے تعجب انگیز ثابت ہُوا اور وہ ٹھٹک کر بولا۔ ”نہیں شکریہ! میں ٹوائلٹ میں جا رہا ہوں“

”زحمت نہ ہو تو واپسی پر میں تمھارے چند منٹ لوں گا“ میں نے براہِ راست اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جارحانہ مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اس بار اُس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی ”غالباً ہم آپس میں متعارف نہیں ہیں“ اُس نے تیز لہجے میں کہا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہ بہت صاف

دُنیا کے حیرت انگیز فنِ تحریر شناسی کی مدد سے
دوسروں کی شخصیت کو کھلی کتاب کی طرح پڑھیں۔

تحریر شناسی کے فن پر ایک نادر رہنما کتاب

تحریر اور شخصیت

قیمت ۲۵/- روپے
ڈاک خرچ ۴۴ روپے

○ آپ کو بتائے گی کہ آپ کیا کچھ کر سکتے ہیں۔
○ آپ کن صلاحیتوں کے مالک ہیں ○ تحریر کے ذریعے اپنی کمزوریاں اور خامیاں کیسے دور کی جا سکتی ہیں

ملنے کا پتہ
مکتبہ نفسیات پوسٹ بکس ۹۴۴ کراچی

ستھری اور نکھری ہوئی انگریزی بول رہا تھا۔

"تم نے جس لڑکی کو بھیجا تھا، وہ مجھے تمہارے بارے میں بتا گئی تھی۔" میں نے اس کے اعتماد کو ملیامیٹ کرنے کی نیت سے جھوٹ بولا۔ "البتہ تمھیں میری منزل کے سوا کچھ معلوم نہ ہو سکا ہو گا۔ بیٹھو گے تو تفصیلی تعارف کرا دوں گا۔"

اُس نے اپنے سر کی جنبش سے میرے برابر میں بیٹھنے پر آمادگی ظاہر کی اور میں نے کھڑکی کے ساتھ والی نشست سنبھال کر اسے اپنے برابر میں جگہ دے دی یوں ہماری گفتگو میں دوسروں کو کوئی دلچسپی لینے کا موقع نہیں مل سکا۔

"پتا نہیں تم کس لڑکی کی بات کر رہے ہو، شاید میرے ۔۔۔ میں تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ بہت چالاک عورت تھی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں انگریزی کا لفظ شی استعمال کیا جو اس کے لیے ذو معنی ثابت ہو سکتا تھا اور وہ واقعی چونک پڑا۔

"کھل کر بات کرو۔ تم کس عورت کی بات کر رہے ہو؟" وہ سارا تکلف فراموش کر بیٹھا تھا۔

"شی کسی عورت اور سلطنت دونوں کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "ویسے تمہاری بھیجی ہوئی لڑکی بھی بہت شوخ اور گھاگ تھی۔ مردوں کو اپنی اداؤں سے گھائل کرنا خوب جانتی تھی۔ اُس نے آتے ہی مجھے بتا دیا تھا کہ ایک شخص نے معاوضہ دے کر اسے میرے پاس بھیجا ہے لیکن مجھے یہ اُمید نہیں تھی کہ مطلوبہ سوال کا جواب ملتے ہی تم بھی اسی جہاز کا ٹکٹ کٹوا لو گے۔"

اُس نے سمجھ لیا کہ مجھ سے جھوٹ بولنا آسان کام نہیں تھا، اس لیے ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "تو میرا شبہ درست ہی تھا؟ اچھا ہوا کہ تم نے لمبی آنکھ مچولی کھیلنے کے بجائے خود ہی پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا۔"

"ذرا میں بھی تو سنوں کہ شبہ کیا تھا؟" میرا لہجہ نادانستہ طور پر تضحیک آمیز ہو گیا۔

"میلان ایئرپورٹ پر دیکھ لو گے۔ لیناتے تمہارے لیے چوہے دان ثابت ہو گا۔" اُس نے دھمکی دی۔

"چشمے کے بغیر مجھے دھندلا نظر آتا ہے، زبانی بتا دو تو بہتر رہے گا۔" میں نے فوری طور پر ایک حکمتِ عملی سوچتے ہوئے کہا۔

"شی کے منہ آنے والوں کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے۔" اُس نے بھنّا کر جواب دیا۔

"کس شی کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اُسے مزید سُلگاتے ہوئے کہا۔

"وہی، جس کے بارے میں تم غلط فہمیوں کا شکار ہو۔۔۔ تم خود میرے منہ نہ لگتے تو شاید محفوظ رہتے۔ میں اپنے مشاہدے کے بارے میں پوری طرح پر یقین نہیں تھا لیکن تم نے مجھ سے اُلجھ کر میرے شبہات کی تصدیق کر دی ہے۔ تم یقیناً ان ہی تین میں سے ایک ہو جن کی تلاش کی مہم ہر طرف پورے زور و شور سے جاری ہے۔"

"یہ نتیجہ کیسے اخذ کر لیا تم نے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا

"اوّل تو تم کسی بھی طرح فرینچ نظر نہیں آتے۔" اُس نے قدرے توقف کے بعد کہنا شروع کیا۔ "پھر تمہارا سفری تھیلا اس قدر مختصر ہے کہ اس میں ایک گرم سوٹ سے زیادہ کپڑے نہیں سما سکتے۔ اتنے مختصر بیگ کے ساتھ بین الاقوامی چیک اِن کاؤنٹر پر جانے والا لامحالہ کسی بھی محتاط شخص کی نظروں میں آ سکتا ہے۔"

"بہتیرے کاروباری لوگ یورپ میں صبح شام صرف ایک بریف کیس کے ساتھ ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرتے رہتے ہیں۔"

"ان کی وضع قطع کاروباری ہوتی ہے اور وہ روایتی لباس میں ہوتے ہیں۔ کاروبار کرنے والے جینز اور جیکٹ نہیں پہنتے، یہ لباس غیر ذمے داری اور لاابالی پن کی علامت سمجھا جاتا ہے پھر کاروباری دستاویزات وغیرہ بے ہودہ سفری تھیلوں میں نہیں رکھی جاتیں۔ ان کے لیے بریف کیس ضرورت بھی ہوتا ہے اور فیشن بھی۔ تم نے بے پروا سیاحوں جیسا لباس تو پہن لیا لیکن ان جیسا سامان اپنی پشت پر نہ لاد سکے، اسی وجہ سے فوراً ہی نظروں میں آ گئے تھے۔" اُس نے داد طلب نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاید یہ اسباب بعد میں تمہاری نظروں میں آ گئے ہوں، میں ابتدائی سبب جاننا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں جو مجھ سے ایسے لہجے میں اپنی خواہشات کا اظہار کر رہے ہو۔" وہ برہم ہو کر بولا۔ "اصل بات یہ ہے کہ تم مجھے دھوکا نہیں دے سکے اور اب جلد ہی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جاؤ گے۔"

"بکواس مت کرو۔" میں نے غرا کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ مارسیلز میں سب کی کھوپڑیوں پر کُھرپلٹی ہوئی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے کس کی اجازت سے اپنی جگہ چھوڑ کر میلان جانے کا فیصلہ کیا ہے؟"

لمحہ بھر کے لیے اُس کی آنکھوں میں تذبذب کے آثار نظر آئے، میرے بدلے ہوئے لہجے پر وہ سٹپٹا کر رہ گیا تھا مگر فوراً ہی سنبھالا لے کر بولا۔ "یہ سب پوچھنے کا اختیار جن لوگوں کو ہے، وہ میرے فیصلے کی تائید کریں گے، تم کون ہوتے ہو جرح کرنے والے؟"

میں نے کچھ کہے بغیر جیب سے ایک سلور آئی نکال کر اس کے سامنے کر دی۔ "بیٹھے رہو، خود کو تماشا بنانے کی ضرورت نہیں!" اسے

اپنی سیٹ میں بے آرام ہوتے دیکھ کر میں نے جلدی سے کہا۔ ”میں چاہتا تو اطمینان سے اس لڑکی کو زیورچ، فرینکفرٹ یا لندن کا نام بتا سکتا تھا لیکن میری یہ خواہش تھی کہ تم میرے ساتھ سفر کرو۔ ایرپورٹ پر تم کسی یتیم کی طرح یوں سب سے الگ تھلگ کھڑے تھے کہ تمھارے شکار نے ہرگز بھی تمھارے سامنے آنے کی غلطی نہیں کی ہوگی۔“

”میں شرمندہ ہوں سر!“ وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”دراصل میں اُس موٹی لڑکی سے دھوکا کھا گیا جو فری لانسر کے طور پر لیزلی ڈرہام کے لیے کام کرتی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمھارے جیسے عظیم رُتبے کا حامل شخص اس معمولی لڑکی کے ساتھ ایرپورٹ پر آئے گا۔ مجھے وہ موٹی کبھی بھی قابلِ اعتماد نظر نہیں آسکی۔“

”تو یوں کہو کہ محض سارا کاویل کی وجہ سے تم میری طرف متوجہ ہوئے تھے؟“ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”اسے کیسے جانتے ہو تم؟“

”باقاعدہ تعارف نہیں ہے لیکن اسے کئی بار ڈرہام کے پاس دیکھا ہے، وہ شاید مجھے نہیں پہچانتی۔“

”تم نے ڈرہام سے میرے تعاقب کی اجازت لی تھی؟“ میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

”شہر میں کوئی ذمّے دار آدمی نہیں ہے۔ رات گئے سب لوگ مختلف ٹکڑیوں کی صورت میں ہائی وے کی طرف نکل گئے تھے۔ سُنا ہے کہ مطلوبہ ٹولی سڑک کے راستے پیرس کی طرف سفر کر رہی ہے۔ اُسے راستے میں گھیرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔“

”پھر تم ایرپورٹ پر کیوں جھک مار رہے تھے؟“ میں نے اس کے انکشاف پر دل ہی دل میں خوشی محسوس کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”مجھے کوئی نئی ہدایت نہیں دی گئی تھی....“ وہ بے چارگی کے ساتھ بولا۔

اُسی وقت ناشتے کی ٹرالی وہاں تک آپہنچی اور خوش اخلاق ایئرہوسٹس نے ہم دونوں کے سامنے ناشتے کی ٹرے رکھ دی۔ وہ خاصی عجلت میں تھی کیونکہ مارسیلز سے میلان تک کی مسافت بہت کم تھی اور لینڈنگ کی تیاری شروع ہونے سے قبل ان لوگوں کو پلاسٹک کے خالی برتن بھی واپس سمیٹنے تھے۔

ہم دونوں خاموشی کے ساتھ ہلکے ناشتے سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ مجھے خوشی تھی کہ کشتی والوں کی بھرپور مخاصمانہ مہم کے باوجود اس وقت تک سلور آئی کا بھرم برقرار تھا اور اس پُراسرار سکے کے ذریعے وہ لوگ میرے ہاتھوں بار بار نقصان اُٹھانے کے باوجود نچلی سطح کے لوگوں کو یہ بتانے کی ہمت نہیں کر سکے تھے کہ چند سکے کشتی سے باہر دُشمنوں کی تحویل میں چلے گئے ہیں۔

”نام کیا ہے تمھارا؟“ اس طویل ملاقات میں آخرکار مجھے اس نکتے کا خیال آگیا۔

”چارلس ڈولین۔“ وہ مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ ”میں لیزلی ڈرہام کی سیلز فورس کو نادہندوں کے خلاف تحفظ فراہم کرتا ہوں۔ منڈی میں پچھلے سات ماہ سے مجھے کہیں بھی دخل انداز ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

”اس کا مطلب ہے کہ بازار پر تمھاری دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔“ میں نے اُسے پھونک دیتے ہوئے کہا۔ ”ان سات مہینوں سے پہلے مارسیلز میں کیا صورتِ حال رہی تھی؟“

”آئے دن تنازعے کھڑے ہوتے رہتے تھے۔ مجھے یہ شعبہ سنبھالے ہوئے نو ماہ ہوئے ہیں۔ میں نے آتے ہی چند بڑے بے ایمانوں پر بھرپور ہاتھ ڈالا تھا۔ ایک کا بازو توڑنا پڑا، دوسرے کو پانچ دن تک بھوکا پیاسا قید رکھ کر دن رات ٹھکائی کی گئی۔ اس کے بعد سے ہر طرف سکون ہی سکون ہے لیکن میں اس بیکاری سے اُکتا گیا ہوں۔“

”میلان میں میرے بارے میں تمھارا کیا پروگرام تھا؟“ میں نے قدرے توقّف کے بعد پوچھا۔

اُس کے چہرے پر خفّت کے آثار اُبھر آئے۔ ”میں معافی چاہتا ہوں، مجھ سے اندازے کی بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔“

”جو ہونا تھا، وہ ہوگیا، اب میں تمھارے طریقۂ کار کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔“

”روانگی سے پہلے میں نے پورتوگوریرو ٹیلی فون کر دیا تھا۔“ اُس نے جھجکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”میں وہاں کے چیف کارلو موریرو اور اس کے چھوٹے بھائی پالو موریرو کے علاوہ اٹلی میں کسی کو نہیں جانتا۔ وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک میری مدد کے لیے لینلتے ایرپورٹ پر موجود ہوگا۔ وہ دونوں بھائی بہت چالاک اور بارسوخ ہیں۔ سُنا ہے کہ ان کی مافیا کے اعلیٰ حلقوں میں بھی گاڑھی چھنتی ہے۔“

”پورتوگوریرو میلان سے کتنی دُور ہے؟“ میں نے دل ہی دل میں حساب لگاتے ہوئے سوال کیا۔

”میلان سے مشرق میں ایک ساحلی شہر ہے۔ فاسٹ ٹرین سے تین گھنٹے کی مسافت ہوگی۔“ اُس نے کہا۔

”پھر وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے لینلتے کیسے آجائیں گے؟“ میں نے ترش لہجے میں پوچھا۔

”ان کے پاس دو انجنوں والا ذاتی جہاز ہے۔ کارلو نے کہا تھا کہ وہ مجھے امیگریشن سے پہلے ملے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ ”تم میرے بارے میں کارلو کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔“ میرے ذہن میں یہ خیال اُبھرا تھا کہ کہیں کارلو کشتی میں ایسے منصب پر فائز نہ ہو کہ اسے اعتماد میں لے کر سلور آئیز کی چوری کے بارے میں بتا دیا گیا ہو۔ ایسی صورت میں نہ صرف میرے جھوٹ کی پول کھل جاتی بلکہ مجھے سنگین ترین صورتِ حال

بھی پیش آسکتی تھی جس کا توڑ آسان نہ ہوتا۔

"وہ بدتمیزی کر بیٹھے گا۔" چارلس ڈولین بوکھلا کر بولا۔ "میرا ارادہ تھا کہ میں اس سے ملتے ہی اپنی غلط فہمی پر معذرت کر کے اسے رخصت کر دوں گا۔ ایک بار وہ درمیان میں پڑ گیا تو میرا دل رہے سہے ختم ہو کر رہ جائے گا۔"

"ہونے دو، وہ سب دیکھنا میرا کام ہے۔" میں نے وہ موضوع وہیں ختم کر دیا۔

لینڈنگ تک چارلس ڈولین سعادت مندانہ انداز میں میرے پاس بیٹھا رہا تھا لیکن ہمارے درمیان اس موضوع پر کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی۔ اس کی گفتگو سے میں یہ نتیجہ اخذ کر چکا تھا کہ اس نے کارلو موریرو کو میرے بارے میں وہی کچھ بتایا ہوگا جو ابتدا میں خود اُس نے محسوس کیا تھا، اس لیے مجھے کارلو سے کسی بہتر سلوک کی اُمید نہیں تھی۔

میلان، اٹلی کا صنعتی اور تجارتی مرکز ہے لیکن یورپ کے دوسرے بین الاقوامی ہوائی اڈے کے مقابلے میں لینائتے واضح طور پر ان سے پیچھے نظر آتا ہے۔ طیّارے سے اُتر کر مسافر بس کے ذریعے ٹرمینل کی عمارت میں داخل ہوئے اور ہال میں تھوڑی سی پیش قدمی کے بعد چھوٹے کیبنوں میں بیٹھے ہوئے امیگریشن افسران کے سامنے قطاریں مرتب ہوگئیں۔

میری ہدایت کے مطابق چارلس ڈولین مجھ سے آگے تھا تاکہ میں اُس پر نگاہ رکھ سکوں۔ قطار بنتے بنتے میں نے ایک امیگریشن بوتھ کے قریب کھڑے ہوئے ایک پستہ قامت اور قوی الجثہ شخص کو پُرتپاک انداز میں چارلس ڈولین کی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس شخص کا چہرہ پُرانے زخموں اور ٹانکوں کے کئی لمبے لمبے نشانات کے باعث کافی خوفناک نظر آرہا تھا۔ اُس نے چارلس ڈولین سے گلے ملتے ہوئے بے تکلفانہ انداز میں قہقہہ لگایا تو اس کے انداز میں درندگی کی ساری علامات واضح تھیں، جن کی بنا پر تعارف کے بغیر مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہی پورتوگوریرو میں غنی کا چیف کارلو موریرو ہو سکتا تھا۔ سُرخ چیک کے کوٹ کے اندر اس کے بائیں پہلو سے پستول جھول رہا تھا جسے کارلو نے چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے وزنی چرمی ہولسٹر اور امیگریشن ایریا میں اس کو دندناتے ہوئے دیکھ کر اٹلی کے بارے میں سُنے ہوئے وہ پُرانے فقرے میرے ذہن میں تازہ ہو گئے جن میں اٹلی کو مافیا کی سرزمین کہا جاتا ہے۔

کارلو، چارلس ڈولین کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے قطار سے الگ ایسی جگہ لے گیا جہاں وہ دونوں سرگوشیوں میں بات کر سکتے تھے۔ پھر شاید چارلس ڈولین نے مُڑے بغیر اُسے میرے بارے میں کچھ بتایا اور کارلو کی بڑی بڑی، للکارتی ہوئی نگاہیں میری قطار کے چند مسافروں پر پھسلتی ہوئی میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

اُس کے لبوں میں جنبش ہوئی شاید اس نے چارلس ڈولین سے کچھ دریافت کیا تھا۔ پھر اس نے خوفناک انداز میں اپنے سر کو تفہیمی جنبش دی اور چارلس کو وہیں چھوڑ کر اس امیگریشن افسر کی طرف بڑھ گیا جو میرے آگے والی قطار کو نمٹا رہا تھا۔ میں نے واضح طور پر دیکھا کہ اس امیگریشن افسر نے اپنا اندراجات اور مُہر لگانے کا کام روک کر پوری توجہ سے کارلو کی بات سُنی تھی پھر اُس نے کارلو کے ہاتھ میں موجود شاید چارلس کے پاسپورٹ کا جائزہ لیا اور وہ اُسے لوٹا دیا۔ کارلو نے ہاتھ کے اشارے سے چارلس ڈولین کو اپنی طرف بُلایا اور اُسے ساتھ لے کر رکاوٹ کے درمیان بنی ہوئی مختصر سی جگہ سے دوسری طرف نکل گیا۔ امیگریشن افسر کی اس جانبدارانہ کارروائی پر قطار میں کھڑے ہوئے کئی مسافروں کے چہروں پر ناپسندیدگی کی علامات اُبھریں۔ کئی افراد نے استہزائیہ نگاہوں کا تبادلہ کیا لیکن زبان سے کوئی کچھ نہ بول سکا۔ شاید اس لیے کہ اس وقت ہر ایک اٹلی کی سرزمین پر تھا۔ اطالوی نژاد مسافر ایسی باتوں کے عادی تھے اور غیر ملکی مقامی طور طریقوں پر اعتراض کا کوئی حق نہیں رکھتے تھے۔

کارلو موریرو کے لیے اس خصوصی رعایت کے علاوہ امیگریشن افسر اپنے کام میں بہت مستعد تھا۔ بلا کسی غیر ضروری استفسار کے قطار تیزی سے آگے سرکتی رہی اور جب میری باری آئی تو اُس نے پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے گہری نظروں سے میری طرف دیکھا پھر پاسپورٹ بند کر کے نچلی دراز میں رکھتے ہوئے مجھ سے کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہ آسکا۔

"ادھر انتظار کرو۔" اُس نے مجھے اپنی جگہ دیکھ کر خشک لہجے میں انگریزی میں کہا اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔ مجھے ڈر ہوا تھا، کہیں میرے پاسپورٹ کی جعل سازی اس نے نہ پکڑ لی ہو۔

"کیا بات ہے؟ مجھے کیوں روکا جا رہا ہے؟" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے احتجاج کیا۔

"چند منٹ انتظار کرلو۔" میرے بعد والے بوڑھے مسافر نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "قطار ختم ہونے کے بعد تمہاری باری آئے گی۔ تمہاری وجہ سے دوسروں کو زیادہ دیر تک نہیں روکا جا سکتا۔"

میں اس امتیازی سلوک کی بنا پر کسی مجرم کی طرح سارے مسافروں کی نظروں کا نشانہ بن گیا۔ مجھے یقین تھا کہ بعض لوگ میری کسی امکانی جعل سازی پر بھی تبادلۂ خیال کر رہے ہوں گے۔ میں نے اضطراری طور پر اپنے لیے سگریٹ سُلگا لی تاکہ اس دوران میں خود کو مصروف رکھ سکوں۔ میرا خیال تھا کہ کارلو سے میرے مقابلے کا آغاز ایئرپورٹ کی سرکاری حدود سے باہر نکلنے پر ہوگا۔ شاید وہ مجھے زبردستی اُٹھا لے جانے کی کوشش کرتا لیکن وہاں صورتِ حال ہی مختلف تھی۔

اٹلی کی حدود میں داخلے کا باضابطہ اجازت نامہ ملنے سے پہلے ہی کارلو نے مجھ پر اپنا جال ڈال دیا تھا۔ امیگریشن افسر سے اس کی گفتگو سے صاف ظاہر تھا کہ مجھے کارلو کی سازباز کے نتیجے میں روکا گیا تھا۔

جو شخص جرائم کی دُنیا سے وابستہ رہتے ہوئے اپنا ذاتی جہاز رکھ سکتا تھا اور سرکاری حلقوں میں اتنا مقبول تھا کہ بلا روک ٹوک ممنوعہ علاقوں میں آ کر افسران کو اپنی مرضی کی ہدایت دے سکتا تھا، اس سے میرا مقابلہ آسان نہیں تھا لیکن مجھے اُمید تھی کہ چارلس ڈولین مجھے آئی مین سمجھ کر مجھ سے مرعوب ہو چکا تھا اور میں اس کی مدد سے اپنی گلو خلاصی کی کوئی نہ کوئی راہ نکال سکتا تھا۔

قطار آگے سرکتی رہی اور پھر آخری آدمی بھی فارغ ہو گیا۔ امیگریشن افسر اپنی مہریں وغیرہ سمیٹ کر میری طرف متوجّہ ہوا اور میرا پاسپورٹ نکال کر طنزیہ لہجے میں بولا „تم اطالوی ہو کر بھی اپنی مادری زبان سے ناواقف ہو، یہ بہت بُری بات ہے۔“

„مجھے افسوس ہے لیکن میرا بیشتر وقت انگلینڈ میں گزرا ہے، ویسے مجھے روکا کیوں گیا ہے؟“ میں نے اس سے اُلجھنے کے بجائے نرم لہجے میں سوال کیا کیونکہ میرا پاسپورٹ جعلی تھا اور اگر وہ اس کی چھان بین پر تُل جاتا تو میرا پکڑا جانا یقینی ہو جاتا۔

„تمہیں کسی شخصی ضمانت پر اٹلی میں داخلے کی اجازت دی جا سکتی ہے، اگر تم ایسی کوئی ضمانت فراہم نہ کر سکے تو تمہیں اگلی پرواز سے فرانس واپس بھیج دیا جائے گا۔“ اس نے کہا۔

„لیکن اس کا سبب کیا ہے؟“ میں نے اپنے سوال پر اصرار کرتے ہوئے کہا۔

„پہلے میں نے تمہیں اپنے اختیاراتِ خصوصی کی بنا پر روکا تھا لیکن اب اس کا جواز موجود ہے۔ تم اطالوی زبان سے ناواقف ہو، اس لیے مجھے تمہارے پاسپورٹ پر شبہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تم تحقیقات مکمّل ہونے تک ہماری حراست میں رہو۔“

„میں اپنا ضامن کہاں سے پیدا کروں گا؟“ میں اُس کی بدنیتی سے واقف ہونے کے بعد اُلجھن میں پڑ گیا۔

„ٹھہرو! میں ابھی دیکھے لیتا ہوں۔ اس وقت ایئر پورٹ پر ایک معزز شخص موجود ہے جو شاید تمہاری مدد کرنے پر آمادہ ہو جائے۔“ اس نے یہ کہتے ہوئے مُڑ کر دوسری طرف بیگج ہال میں دیکھا اور کسی کو اشارہ کیا جس کے نتیجے میں چند ثانیوں بعد ہی پستہ قامت اور قوی الجثہ شخص تنہا وہاں آ موجود ہوا جو چارلس ڈولین کو اپنے ہمراہ نکال لے گیا تھا۔

„مسٹر کارلو موریرو! میری نظروں میں یہ مسافر مشتبہ ہے۔ تم اس کی ضمانت لے لو تو میں اسے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے سکتا ہوں۔“ امیگریشن افسر نے مجھے سُنانے کے لیے اُس سے کہا۔

„میں ایک اجنبی کی ضمانت کیسے لے سکتا ہوں؟“ کارلو نے بے پروائی سے شانے اُچکا کر کہا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ „میں کسی بدمعاشی سے نہیں گھبراتا، اس لیے کچھ جانے بُوجھے بغیر اس شرط پر تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں کہ امیگریشن سے کلیئرنس ملنے تک تمہیں میرا مہمان رہنا ہو گا۔ پاسپورٹ واپس ملتے ہی تم آزاد ہو جاؤ گے۔“

„نہیں۔“ امیگریشن افسر نے جلدی سے اس کی تصحیح کی۔ „مسٹر پیٹر کا پاسپورٹ بھی تمہاری تحویل میں رہے گا، میں نمبر نوٹ کر کے ہر بات چیک کراؤں گا اور پھر فون پر تمہیں مطلع کر دوں گا، تم پیٹر کو بتا دینا۔“

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ طاقت استعمال کرنے کے بجائے کارلو اپنے مراسم کے سہارے مجھے براہِ راست اپنا قیدی بنانا چاہ رہا تھا۔ میرے لیے کسی جرائم پیشہ شخص کے گہرے رسوخ کا وہ انوکھا تجربہ تھا۔ وہ افسر اپنے محکمے کو ملوث کیے بغیر ذاتی سطح پر کارلو کی فرمائش پوری کر رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس افسر کو میرے پاسپورٹ پر کوئی شُبہ نہیں ہوا تھا، اسی لیے اُس نے کارلو کو فون پر مطلع کرنے کی بات کی تھی تاکہ میرا مستقبل پوری طرح کارلو کی مرضی پر منحصر ہو کر رہ جائے۔ جب تک وہ میرا پاسپورٹ واپس نہ کرتا، میرے لیے اُسے چھوڑنا ناممکن ہوتا۔

„یہ تو بڑی اچھی تجویز ہے مسٹر کارلو۔“ میں نے احسان مندانہ لہجے میں کہا۔ „ضمانت کے ساتھ ہی مہمان داری میرا خاصا بوجھ کم کر دے گی، ورنہ مجھے ہوٹل میں جگہ لینا پڑتی۔ تم چاہو گے تو میں اس مدّت کا معاوضہ ادا کر دوں گا۔“

امیگریشن افسر نے کارلو کو آنکھ ماری۔ اس کی وہ حرکت میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی پھر اُس نے میرا پاسپورٹ کارلو کو تھما دیا۔ یوں میں اس کے ساتھ بیگج ہال میں داخل ہو گیا، جہاں بہت سے مسافر کنویئر کے گرد سامان کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ کارلو راستے میں چارلس ڈولین کو نظرانداز کرتے ہوئے مجھے ہال کے آخری گوشے میں لے گیا جہاں ریلنگ کے پیچھے سیکڑوں ٹرالیوں کی قطاریں موجود تھیں اور آگے ایک شخص اُونچی سی ڈیسک کے پیچھے بیٹھا قطار میں پھنسی ہوئی ٹرالیاں نکال کر مسافروں کو دے رہا تھا۔

„ایک ہزار لیرا، ایک امریکی ڈالر یا آدھا برطانوی پاؤنڈ۔“ مجھے دیکھتے ہی ڈیسک والے نے مشینی انداز میں ٹرالی کے کرائے کا مطالبہ کر دیا تھا۔

„سامان کے لیے ٹرالی لے لو۔“ کارلو موریرو نے مجھے ہدایت کی۔

„مگر میرے پاس تو ایک بیگ کے علاوہ کوئی سامان نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔

"پھر یہاں تک کیوں دوڑے چلے آئے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں تو بس تمہارے ساتھ چلا آیا۔ مجھے کیا معلوم کہ تم ٹرالی کے لیے اس طرف آئے ہو۔" میں نے اس کے ہمراہ واپس لوٹتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار لینیاتے آئے ہو؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اطالوی ہو کر بھی یہاں بالکل اجنبی ہو۔"

میں نے اس کے تبصرے کا کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس دوران میں چارلس ڈولین ہال سے نکل چکا تھا۔ کنویئر پر مسافروں کا سامان آنے لگا تھا۔ میرا بیگ پہلی کھیپ میں موجود تھا۔ میں اسے اٹھا کر پلٹا تو کارلو نے مجھے نزاکت کا طعنہ دیا اور پھر مجھے اپنے ہمراہ لے کر باہر سڑک کی طرف نکل گیا، جہاں فٹ پاتھ کے کنارے اس کی چمکتی ہوئی سرخ رنگ کی الفا رومیو کار موجود تھی۔

اس کار کی اگلی نشستوں پر ڈرائیور کے ساتھ چارلس ڈولین براجمان تھا۔ کارلو میرے ساتھ عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس بار میں نے چارلس کو دیکھتے ہی چونکنے کی اداکاری کی تھی۔ "اوہ! تم تو شاید ایئر فرانس کی پرواز پر میرے ہم سفر تھے؟"

"حافظہ اچھا ہے تمہارا۔" کارلو نے مضبوطی کے ساتھ میرا بازو تھام کر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "چارلس کو صرف تمہاری وجہ سے مارسیلز سے یہاں تک دوڑ لگانا پڑی ہے اور اب تمہیں اپنا پورا شجرہ بتانا ہوگا۔" اس اثنا میں کار حرکت میں آ چکی تھی۔

"شاید مجھے اغوا کیا جا رہا ہے؟" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "سیدھی سی بات ہے کہ میرا نام پیٹر واک ہے اور میں مارسیلز سے یہاں آیا ہوں، اس کے علاوہ تم میرے بارے میں اور کیا جاننا چاہتے ہو؟"

"صرف اور صرف حقیقت۔" کارلو زہریلے لہجے میں بولا۔ "یہ یاد رکھنا کہ میرے سامنے مردے بھی سچ بولنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"اگر سچ وہ ہے جو تم میری زبان سے سننا چاہتے ہو تو مجھے بتا دو، میں وہی سب لفظ بہ لفظ دہرا دوں گا۔"

"میلان میں مجھ پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔" کارلو نے پرغرور لہجے میں کہا۔ "یہاں سے میں تمہیں پورتو گوریرو لے جاؤں گا۔ راستے میں تمہارے سارے کپڑے اتار کر آٹھ دس ہزار فٹ کی بلندی پر تمہیں رسی کے سہارے جہاز سے باہر ٹھنڈی اور تیز ہواؤں میں لٹکایا جائے گا تو تمہاری عقل خود بہ خود ٹھکانے پر آ جائے گی۔ ایسے کاموں کے لیے میں اپنے ہاتھ پیروں کو زیادہ زحمت نہیں دیتا۔"

اس کی تجویز بہت خوفناک تھی۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ فوری طور پر اس کے عزائم کا سدباب نہ کیا گیا تو وہ عین وقت پر شاید میری کوئی بھی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا۔ اس لیے میں نے چارلس کو مخاطب کیا۔ "تم سن رہے ہو کہ کارلو کیا کہہ رہا ہے؟"

"میں تم دونوں کی ساری گفتگو سن رہا ہوں۔" وہ مڑے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "جو کچھ ہو رہا ہے اس کی پوری ذمے داری تم پر ہے۔ میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کارلو بہت سخت گیر اور بارسوخ آدمی ہے۔ دیکھ لو کہ تمہیں کتنی آسانی کے ساتھ امیگریشن کے مرحلے سے ہی اپنی تحویل میں نکال لے آیا۔ فرانس کے مقابلے میں اٹلی میں ہم زیادہ منظم اور طاقت ور ہیں۔"

"کیا مطلب؟" کارلو بری طرح غرایا تھا۔ "تم دونوں میں پہلے بھی بات ہو چکی ہے؟" اس نے زور سے چارلس کی نشست کی پشت گاہ پر ہاتھ مارا تھا جیسے اس انکشاف پر جھلا گیا ہو۔

"تم ٹھیک سمجھے ہو کارلو۔" میں نے نرم اور مصالحانہ لہجے میں کہا۔ "تنظیم کے دشمن بری طرح ہمارے اعصاب پر سوار ہو کر رہ گئے ہیں اور ہمارے آدمیوں کو اپنے عکس پر بھی دشمنوں کا شبہ ہونے لگا ہے۔"

"تو تم نے مجھے بلاوجہ ہی پورتو گوریرو سے یہاں تک دوڑ لگوائی ہے؟" کارلو، چارلس پر برس پڑا۔

"یہ ساری تبدیلیاں دوران پرواز رونما ہوئی ہیں۔" چارلس مدافعانہ لہجے میں بولا۔ "میں نے پیٹر کو مشتبہ سمجھا تھا اور میرے مارسیلز سے روانہ ہونے تک صورت حال بالکل وہی تھی جو میں نے تمہیں فون پر بتائی تھی....."

"پھر پرواز کے دوران میں کیا کایا پلٹ ہوئی کہ اب میں خود کو پرلے درجے کا احمق محسوس کر رہا ہوں۔" کارلو دہاڑا۔

"میرا خیال ہے کہ تم خود ہی بتا دو۔" چارلس نے مڑ کر مجھ سے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"میں صرف اپنے آدمیوں کی مستعدی جانچنے کے مشن پر نکلا ہوں۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "ورنہ میری شناخت کچھ اور ہی ہے۔" بات مکمل کرتے ہوئے میں نے سلور آئی اس کی طرف بڑھا دی۔

سلور آئی دیکھتے ہی اضطراب کی وجہ سے کارلو کا خوفناک چہرہ مسخ ہو گیا۔ "تت... تم نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے سینور!" وہ کمزور لہجے میں کراہ رہا تھا۔ "مجھے تو اس ملعون نے فون کر کے لینیاتے ایرپورٹ پر بلایا تھا۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ یہاں میری جڑیں کتنی گہری ہیں۔ کاش تم نے یہ مقدس سکہ پہلے ہی دکھا دیا ہوتا تو میں نے ہذیان نہ بکا ہوتا۔"

اس نے بلا چون و چرا میری سلور آئی کی اہمیت تسلیم کر کے اپنے مرتبے کے بارے میں میرے سارے خدشات کی نفی کر دی تھی اور میں اپنے وجود میں اعتماد کی نئی لہر موجزن محسوس کر رہا تھا۔

"وہ ہذیان نہیں تھا۔ تمہاری گفتگو سن کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔ میں اپنے سارے آدمیوں سے اسی مستعدی کی امید کرتا ہوں۔ چارلس اگر تم کو نہ بلاتا تو شاید میں خود تم سے رجوع کرتا۔ تم سے ملاقات کے بعد

میں میلان والوں کو اپنی آمد سے آگاہ کیے بغیر، بالا ہی بالا ان کی کارگزاری کا جائزہ لے سکتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ مجھے اپنا کام کہاں سے شروع کرنا چاہیے؟"

میرے الفاظ پر کارلو کی نگاہوں میں حیرت اور بے یقینی اُمڈ آئی۔ اُس نے اعتماد سے عاری کمزور لہجے میں سوال کیا۔ "تم مجھ پر طنز تو نہیں کر رہے؟ مجھے یقین نہیں آرہا کہ کوئی آئی مین اتنا مہربان بھی ہو سکتا ہے۔"

"تمہیں یقین کرنا چاہیے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "کوتاہیوں پر سزا کے ساتھ اچھی کارکردگی پر تعریف بھی ضروری ہو جاتی ہے، ورنہ محنتی کارکنوں میں بہت جلد بددلی پھیلنے لگتی ہے۔ یہ اصول ہر اُس تنظیم، گروہ اور کارخانے پر لاگو ہوتا ہے جہاں دس بیس آدمی مل کر کام کرتے ہیں تو اس ادارے کی کارکردگی سامنے آتی ہے۔ میں طنز اور طعنوں کے بجائے براہِ راست سزا دینے پر یقین رکھتا ہوں۔"

اُس نے ادب اور احترام کے ساتھ میرا پاسپورٹ اپنی جیب سے نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"امیگریشن افسر نے جو کوائف نوٹ کیے ہوں گے، ان کا کیا بنے گا؟" میں نے پاسپورٹ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ سب زبانی دھمکیاں تھیں۔" کارلو شرمسار لہجے میں بولا۔ "اگر اُس نے کچھ نوٹ بھی کیا ہوگا تو وہ پھاڑ دے گا۔ اس کا اصل مقصد میری ہدایت پر تمہاری راہ روکنا تھا۔ اگر تم مزاحمت یا اپنے قانونی حقوق کا سہارا لینے کی کوشش کرتے تو وہ یقیناً کوئی سرکاری ریکارڈ تیار کرتا لیکن توقع کے عین مطابق سارا معاملہ ذاتی سطح پر نمٹ گیا۔"

"میرے پاس وقت کم ہے۔ یہاں کے معاملات کی جانچ پڑتال کر کے مجھے آج رات یا زیادہ سے زیادہ کل صبح تک مارسیلز واپس جانا ہے۔" میں نے بزرگانہ لہجے میں کہا۔ "تم نے ابھی تک میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"ڈاکٹر گوسیپی بہت کینہ پرور شخص ہے۔" کارلو نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "اُسے پتا چل گیا کہ میں نے میلان کے معاملات پر رائے زنی کی ہے تو وہ مجھ سے بدلہ لینے پر تل جائے گا۔ کسی نے اس کے کان بھر دیے ہیں کہ میں اس کی جگہ اپنے چھوٹے بھائی پالو کو میلان کا چیف بنوانا چاہتا ہوں حالانکہ وہ میرے ساتھ بہت خوش ہے۔ میں بھی کسی قیمت پر پالو کو کھونا نہیں چاہتا۔"

ڈاکٹر گوسیپی کا نام سُن کر میں چونکا تھا کہ نہ جانے وہ کیا بلا ہو۔ میں آئی مین ہونے کا دعویٰ تو کر بیٹھا تھا لیکن اٹلی بلکہ میلان میں شی کی تنظیم سے سراسر بے خبر تھا۔ کارلو نے پھر خود ہی واضح کر دیا کہ ڈاکٹر گوسیپی میلان کا چیف تھا تو میں نے سوال کیا۔ "یہ ڈاکٹر کیوں کہلاتا ہے؟ میں اس سے کبھی نہیں ملا لیکن اس کے بارے میں مجھے متضاد خبریں ملتی رہی ہیں۔ اپنا کام بہرحال ٹھیک ہی چلا رہا ہے۔"

کارلو نے ڈاکٹر گوسیپی کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا پہلے ہی اظہار کر دیا تھا، اس لیے میرے تبصرے سے اُسے فطری طور پر شہ ملی اور میرے سوال پر وہ مزید کھل گیا۔ "اس نے معاشیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہوئی ہے۔ اپنے کیریئر کی ابتدا میں ہی وزارتِ خزانہ سے ایک غبن کے الزام میں برطرف کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے زیرِ زمین دُنیا کے لوگوں سے اس کے روابط بڑھتے چلے گئے۔ چالاک اور دلیر ضرور ہے لیکن اوّل درجے کا سازشی بھی ہے۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے بھی اس کی سازشوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔"

"شاید اُسے تھوڑے سے سبق کی ضرورت ہے۔ میں اُسے ضرور دیکھوں گا۔" میں نے کہا۔

"پچھلے دنوں اُس نے شہر کے وسط میں اپنا ایک نائٹ کلب کھولا ہے۔ عام طور پر وہ وہیں ہوتا ہے۔" کارلو نے مجھے آگاہ کیا۔

"یہاں کی کوئی خاص خبر۔۔۔؟" میں نے بتدریج کارلو کو ذہنی طور پر پوری طرح رام کر لیا تھا، اس لیے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اس سے شی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات اُگلوانا چاہتا تھا۔

"اپنی طرف تو سکون ہے لیکن اپنے کچھ پُرانے دوستوں کی وجہ سے مافیا کے بڑوں میں میری تھوڑی سی راہ و رسم ہے۔ پچھلے دنوں ایک پارٹی میں ان لوگوں سے سُنا تھا کہ شی کے ایک پُرانے آدمی نے تنظیم سے بغاوت کر کے اس کی راہ میں جگہ جگہ روڑے اٹکانے شروع کر دیے ہیں۔ وہ شخص جہاں جاتا ہے، بہت چالاکی کے ساتھ شی کے مفادات کو نقصان پہنچا کر ایک ہیجان پھیلا دیتا ہے۔" وہ بتانے لگا۔ "اس شخص کی وجہ سے شی کی ساکھ پر بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے اور مافیا والے اس صورتِ حال میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ چارلس ڈولین نے مجھے فون کیا تو میں یہی سمجھا تھا کہ شاید اس بار وہی نابکار باغی میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس سے کبھی میرا سامنا ہو سکے۔"

"وہ واقعی ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "میرے سفر کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس کی بدمعاشیوں کے سدِباب کے لیے میں یہاں تنظیم کا جائزہ لے سکوں کیونکہ وہ کسی بھی وقت اٹلی کا رُخ کر سکتا ہے۔"

"اوہ!" کارلو کے ہونٹوں سے تحیر آمیز آواز نکلی۔ "شاید جب ہی ہمارے ہیڈ کوارٹرز روم سے وینس منتقل کر دیے گئے ہیں۔ مجھے پچھلے ہفتے بتایا گیا تھا کہ اب ہدایات رُوم کے بجائے وینس سے جاری کی جائیں گی۔ یوں تو گو یہ رذ وینس سے بہت قریب ہے، اس کا مطلب ہے، ہیڈ کوارٹرز کو اس باغی کی ریشہ دوانیوں سے بچانے کے لیے شی کو بھی بہت چوکنا رہنا ہوگا۔ ابھی تک تو میں نے ہیڈ کوارٹرز کے

معاملے کو انتظامی تبدیلی تصور کرتے ہوئے اس پر زیادہ غور ہی نہیں کیا تھا۔"

میرے لیے وہ انکشاف سنسنی خیز تھا لیکن میں ان لوگوں پر اپنی خوشی کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت میرے لیے اہم ترین مسئلہ یہ بن گیا تھا کہ میں نے رازدارانہ طور پر اٹلی پہنچنے کی کوشش کی تھی لیکن بدقسمتی سے شی کے تین اراکین میری آمد کے راز سے واقف ہو گئے تھے۔ کارلو کے علاوہ چارلس اور الفارومیو کا ڈرائیور میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں آئی مین کی حیثیت سے ان تینوں کو زبان بندی کے بارے میں جو بھی ہدایت دیتا وہ وقتی طور پر ضرور موثر ثابت ہوتی لیکن آخر کار ان تینوں کے ذریعے ممی لائیڈ کو کسی نہ کسی طرح میری اٹلی آمد کا راز معلوم ہو جاتا جو میرے مفاد میں نہ ہوتا۔ وہ تینوں شی کے سرگرم کارندے تھے' اس لیے مجھے ایسی کوئی راہ نکالنی تھی کہ خود کسی دشواری سے دوچار ہوئے بغیر خاموشی سے ان کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔

میں نے محض اسی خیال کے تحت کارلو کو اپنی اگلی صبح واپسی کے بارے میں بتایا تھا تاکہ اس کا ذہن میرے بارے میں کوئی منفی بات نہ سوچ سکے دوسری طرف وقت کی کمی کا دباؤ ڈال کر میں شی کے بارے میں اس کی زبان کھلوا کر کئی ایسی باتیں معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جو آسانی کے ساتھ میرے علم میں نہیں آ سکتی تھیں۔

کم از کم ویرا اور سلطان شاہ کی میلان آمد تک مجھے سخت رازداری سے کام لیتے ہوئے اپنی ساری آزادیاں برقرار رکھنا تھیں تاکہ میں ہوٹل وینیٹی میں ٹھہر کر ان دونوں کا انتظار کر سکوں۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے کار کی نشست پر پہلو بدلتے ہوئے کارلو سے سوال کیا۔

"میرا ارادہ میلان کے مضافات میں اس ہوائی اڈے پر جانے کا تھا جہاں میرا جہاز کھڑا ہوا ہے۔ میں خود بھی جہاز اڑا لیتا ہوں لیکن عام طور پر میرا یہی ڈرائیور ہوابازی بھی کر لیتا ہے لیکن اب ہمارے پروگرام کا انحصار تمہاری مرضی پر ہے۔ جہاں چاہو چلنے کا حکم دے سکتے ہو۔" کارلو نے عاجزانہ لہجے میں پیش کش کی۔

"میری تو ساری بھاگ دوڑ ہی بے سود ثابت ہوئی۔" چارلس ڈولین نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "اگر میری ضرورت نہ ہو تو میں اگلی کسی پرواز سے مارسیلز واپس چلا جاؤں؟ اگر وہ شخص ہوائی اڈے سے نکل گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔"

"تم میرے ساتھ رکو گے۔" میں نے چارلس کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "میزلی کو میں مطلع کر دوں گا۔" پھر میں نے اپنے بیگ کو کھول کر اس میں بیم گن ٹٹولتے ہوئے کارلو سے کہا۔ "فی الحال ائیرپورٹ کی طرف سفر جاری رکھو۔ راستے میں پروگرام طے ہو جائے گا۔"

کارلو ڈرائیور سے مخاطب ہوا اور میں نے موقع پاتے ہی اس کی آنکھ بچا کر بیم گن بیگ سے نکال لی۔ اس وقت کار ویا سفورزا پر پولی کلینک کی وسیع و عریض عمارات کے سامنے سے گزر رہی تھی' جہاں خاصا ٹریفک تھا' اس لیے میں نے فوری طور پر کارلو پر وار کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا لیکن میں ان تینوں سے ان کی منزل سے پہلے چھٹکارا پانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

سفر جاری رہا میں خاموش تھا' اس لیے وہ تینوں بھی تقریباً خاموش بیٹھے ہوئے تھے پھر جونہی کار ایک ویران سڑک پر گھومی' میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے بیم گن نکال کر کارلو کی بائیں پسلیوں پر فائر کر دیا اس سے قبل کہ وہ کچھ سمجھتا ٹرائیگر دبتے ہی مہلک نیلگوں شعاعیں اس کی پسلیوں کو چھیدتی ہوئی اس کے دل میں اتر گئیں اور وہ جس حالت میں تھا' اسی حالت میں سیٹ پر بیٹھا رہ گیا۔

"واپسی کے سفر میں جہاز تم اڑاؤ گے۔" میں نے بیم گن جیکٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے بظاہر کارلو کو مخاطب کیا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔ "جواب نہیں دیا تم نے؟"

اس کا بے جان بدن ایک طرف ڈھلک گیا۔ چارلس پھرتی سے پیچھے گھوما تھا۔ میں نے کارلو کے بدن کو سہارا دینے کے بجائے اس کے کوٹ کا سوراخ والا حصہ چھپاتے ہوئے کہا۔ "اوہ! یہ تو شاید بے ہوش ہو گیا۔"

ڈرائیور نے ایک دم بریک لگانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے جلدی سے کہا۔ "یہاں سے نکلو اور کار کسی ویرانے میں روکو' کارلو کو شاید ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ اسے بیٹھے بیٹھے سکتہ ہو گیا ہے' کسی قسم کے دورے تو نہیں پڑتے اسے؟"

"پتا نہیں۔" ڈرائیور کی آواز ابھری۔ "پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ ہم برسوں سے ایک ساتھ ہی سفر کرتے آئے ہیں۔"

"ابھی ہم پولی کلینک کے سامنے سے گزرے تھے۔" چارلس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔ "گاڑی واپس گھما لیں تو بہتر ہو گا کوئی دورہ ہوا تو کارلو کو فوراً ابتدائی طبی امداد مل سکے گی۔ ایسا نہ ہو کہ تاخیر اس کے حق میں مہلک ثابت ہو۔ ویسے گاڑی میں عجیب سی چرائند پھیلی ہوئی ہے' جیسے کپڑا یا چمڑا جل رہا ہو۔" اس نے کئی گہرے گہرے سانس لے کر کہا تھا۔

"ہاں' جلنے کی بو تو مجھے بھی آ رہی ہے۔" ڈرائیور نے فوراً اس کی تائید کی تھی۔

"قیاس آرائیاں بعد میں کرنا۔" میں نے غراتے ہوئے انہیں حکم دیا۔ "پہلے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں' اس پر عمل کرو۔ یہ مرگی کا کوئی دورہ معلوم ہوتا ہے' میں دو منٹ میں اس کی حالت معمول پر لے آؤں گا۔"

میرا بدلا ہوا لہجہ سنتے ہی ڈرائیور نے رفتار اچانک تیز کر دی چارلس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے گہرے ہو گئے۔ "مرگی دورے کی ابتدا تشنج سے ہوتی ہے، یہ تو اچانک ہی بے سُدھ ہے.....!"

"غیر ضروری طور پر اپنی حکمت جھاڑنے کی کوشش نہ کرو۔" میں اعصابی ہیجان کے عالم میں چارلس کی بات کاٹ کر اسے ڈانٹ مجھے توجہ کے ساتھ اس کی نبض تلاش کرنے دو۔" بات پوری تے ہوئے میں نے کارلو کی بائیں کلائی میں نبض تلاش کرنے کی نش شروع کر دی جب کہ وہ سلسلہ قفسِ عنصری سے کب کا ہو چکا تھا۔

ڈرائیور نے کار تیزی سے ایک پتلے سے داہنے راستے پر ڈال تھی اور چند ہی ثانیوں میں الفارومیو ہچکولے کھاتی ہوئی اونچے چے بے برگ و بار درختوں کے درمیان سے گزر کر ایک ویران ہن کے میدان میں داخل ہو گئی۔

"گاڑی آخری سرے کی طرف بڑھا لے جاؤ۔" میں نے داخلے ت میں موجود عمارات کی وجہ سے ڈرائیور کو ہدایت کی اور پھر مانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے چارلس کو کارلو کی نبض دیکھنے کا اشارہ کیا۔

چارلس نے اگلی دونوں نشستوں کے درمیان سے آگے ک کر کارلو کی خاموش نبض کو ٹٹولنے کی ناکام کوشش کی پھر بے ساختہ بولا تھا "ارے! یہ تو بیٹھے بیٹھے ہی مر گیا۔"

"گاڑی روک دو۔" میں نے بھاری لہجے میں ڈرائیور کو حکم دیا پھر تینوں ہی تقریباً بیک وقت کار سے نیچے اترے تھے۔ میں ڈرائیونگ سیٹ کے پیچھے تھا، اس لیے ڈرائیور کے پیچھے اترا بے خبری میں وہ بھی بیم گن کے مہلک وار سے نہ بچ سکا۔ نیلگوں عاعیں فضا میں تیرتی ہوئی اس کی پشت میں سے گزرتی ہوئی راست اس کے دل میں پیوست ہوئی تھیں کیونکہ اس کے منہ سے ایک ہلکی سی دردناک کراہ نکلی تھی اور پھر وہ کسی کٹے ئے شہتیر کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

"بیم گن!" چارلس کے حلق سے پھنسی پھنسی اور ڈراؤنی آواز بلند ہوئی تھی۔ اس نے نہ صرف میرے ہاتھ میں بیم گن دیکھ لی تھی شاید ڈرائیور کو اس کے نوزل سے نکلنے والی شعاعوں کا شکار ہوتے دیکھا تھا، اس لیے اس نے اضطراری آواز نکالتے ہی نفرت کے ساتھ میدان میں اس طرف دوڑ لگا دی جدھر سے اس مقام تک پہنچی تھی۔

ڈرائیور کی موت کا منظر دیکھتے ہی شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کار کو دیدہ و دانستہ آبادی سے دور ویرانے میں لایا تھا تاکہ اطمینان سے ان دونوں کا تیا پانچا کر سکوں۔ اس کی عافیت اسی میں تھی کہ وہ اپنی ساری جسمانی توانائیاں صرف کر کے مجھ سے دور اور آبادی کے نزدیک پہنچ جائے تاکہ اس کی چیخ و پکار کے نتیجے میں قرب و جوار کے لوگوں کی مداخلت میرے عزائم کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔

اس کی کامیابی میرے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی تھی، وہ زندہ بچ نکلتا تو نہ صرف شی والوں کو میری وہاں موجودگی کی خبر مل جاتی بلکہ میرے ہاتھوں کارلو اور اُس کے ڈرائیور کی ہلاکت کی اطلاع ان کو میرے خلاف اپنے سارے وسائل کے استعمال پر مجبور کر دیتی جس کے نتیجے میں میرا، ویرا اور سلطان شاہ سے مل بیٹھنا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا۔

"ٹھہرو چارلس!" میں نے اس کے تعاقب میں دوڑتے ہوئے آواز لگائی "یہ دونوں دشمن کے انفارمر تھے، تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے، تمہیں مجھ سے خوف زدہ ہونے یا بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ہم سب دھوکا کھا گئے، تم یقیناً وہی بدنام خونی ہو، جس کی ہمیں تلاش تھی۔" فضا میں اس کی خوف اور دہشت سے بگڑی ہوئی آواز اُبھری "مجھ پر تمہارا سایہ بھی پڑ گیا تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ تم اب مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔"

وہ اپنی جان بچانے کے لیے دوڑ رہا تھا، اس لیے اُس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ میرے ساتھ براہ راست جہاز سے اُترنے کے بعد آیا تھا اور اس کے ساتھ کوئی سامان نہیں آیا تھا، اس لیے یہ بات یقینی تھی کہ وہ تنہا تھا۔ اس وقت رُک کر میرا مقابلہ کرنے کا تصور بھی اس کے لیے ناقابلِ قبول تھا۔ میں بھی کہر آلود سرد موسم میں اپنے دہانے سے بھاپ کے بادل اُڑاتا اُس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

"میں تمہاری گردن توڑ دوں گا، تم بہت بزدل اور کم ظرف ثابت ہوئے ہو۔" میں نے اُس کے اوسان خطا کرنے کے لیے غرّا کر کہا۔ "بس چند سیکنڈ میں پیچھے سے تم پر آ پڑوں گا اور پھر تمہیں روئے زمین پر کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔"

میرا وہ حربہ کارگر رہا۔ چارلس نے بھاگتے بھاگتے خوفزدہ ہو کر پیچھے میری پوزیشن دیکھنے کی کوشش کی، وہ اس کی زندگی کی شاید آخری لغزش تھی کیونکہ گردن پیچھے گھماتے ہی اُسے زور کی ٹھوکر لگی اور وہ اپنے ہی زور میں لڑکھڑا کر کچی زمین پر منہ کے بل دور تک گھسٹتا چلا گیا۔ اس کی کراہوں اور اضطراری آوازوں میں ایسی دہشت اُتر آئی تھی جیسے گرتے ہی اُسے اپنی موت سامنے نظر آ گئی ہو۔

اس نے گرتی ہوئی تلوار کی زد میں آئے ہوئے کسی شکار کی طرح گھٹنوں اور ہتھیلیوں پر خود کو سنبھالا اور پھر اٹھ کر بھاگ نکلا۔ اس

وقت میں اُس سے بس دو تین ہی قدم دور رہ گیا تھا۔ میں نے بیم گن اُس کے بدن کی طرف سیدھی کر کے دوڑتے دوڑتے ٹرائیگر دبا دیا۔ اُس کی داہنی ران پر شعاع پڑی اور اُس نے تڑپ کر راہ بدل لی۔ اُس کی گھُٹی گھُٹی چیخ بہت دردناک تھی۔ مرنے سے پہلے وہ اپنی موت کے تصوّر سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا مگر زخمی ہونے کے باوجود اُس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

زندگی اور موت کی وہ بھیانک دوڑ جاری تھی۔ میرے اعصاب پر تکان طاری ہونے لگی تھی اور میں اُسے جلد از جلد گرا لینا چاہتا تھا۔ میں نے اُس پر دوبارہ بیم گن سے فائر کیا۔ ہاتھ کو دائیں سے بائیں حرکت دیتے ہوئے اُس کی ایک اور پھر دوسری پنڈلی ان ہولناک شعاعوں کی زد میں آگئی اور وہ دوڑتے دوڑتے اچانک گر پڑا جیسے اس کے دونوں پیر کاٹ دیے گئے ہوں اور شاید ہُوا بھی یہی تھا کہ بیم سے جل جانے والی پنڈلیوں کی کمزور ہڈیاں چارلس کے دوڑتے ہوئے توانا جسم کا بوجھ پڑتے ہی ٹوٹ گئی تھیں اور وہ زمین پر گر کر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگا تھا۔

میں نے ایک فاتح حریف کی طرح اس کی بھیک مانگتی ہوئی آنکھوں میں دیکھا اور پھر اس کا سینہ بیم گن سے چھلنی کر دیا۔

چارلس کے دم توڑتے ہی فضا پر ہولناک سکوت طاری ہو گیا۔ میں نے چند ثانیوں کے لیے وہیں رک کر گرد و پیش کا جائزہ لیا لیکن کہیں سے مداخلت کے کوئی آثار نہ دیکھ کر میں نے چارلس ڈولین کی لاش کو اپنے کندھے پر لادا اور واپس الفا رومیو کی طرف ہو لیا۔

پوری کوشش اور منصوبہ بندی کے باوجود یہ سارا دن خون خرابے کے بغیر نہیں گزر سکا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میرے ہاتھ یکے بعد دیگرے تین قابلِ نفرت افراد کے لہو سے رنگین ہو چکے تھے لیکن ان کا صرف مرجانا میرے لیے کافی نہیں تھا۔ ان کی لاشیں دریافت ہوتے ہی جمی لائیڈ اور اس کے حواری یہ سمجھ لیتے کہ ان کے خون کا پیاسا ان کے سرحدوں پر دستک دے رہا تھا، اس لیے اس واردات کو الجھانا ضروری ہو گیا تھا۔

کارلو موریرو کی لاش کار کی عقبی نشست پر ڈھلکی ہوئی تھی۔ میں نے چارلس ڈولین کے بے جان مگر نرم بدن کو پسنجر سیٹ پر ڈالا اور ڈرائیور کی لاش کار کے اسٹیئرنگ وھیل کے پیچھے ٹھونس دی۔

اس کارروائی سے نمٹ کر میں نے عقبی نشست سے اپنا رقم کا تھیلا نکالتے ہوئے کارلو کی لاش سے چرمی ہولسٹر اور فاضل گولیوں سمیت اس کا پستول نکال لیا۔ اس کے بعد میں نے ذرا سی کوشش کے بعد پیٹرول کی ٹنکی کی صفائی کے لیے دیا ہُوا ڈرین پلگ کھول دیا، جو اتفاقاً ہی مجھے نظر آگیا، ورنہ میری معلومات کے مطابق عام طور پر پیٹرول کی ٹنکیوں میں حفاظتی نقطۂ نظر سے ایسی کوئی چوڑی دار فٹنگ نہیں دی جاتی۔

ڈرین کھلتے ہی سوراخ سے پیٹرول کی دھار زمین پر بہ نکل
نے ایک وھیل کیپ نکال کر اس میں پیٹرول بھر بھر کر تینوں لاشو
انڈیلنا شروع کر دیا۔ جب وہ تینوں اچھی طرح پیٹرول میں تر ہو گئے
نے آبادی کی مخالف سمت میں اس بیش قیمت نئی کار سے دُور ہٹ
ایک دیا سلائی جلا کر اُدھر اُچھال دی۔ فاصلہ زیادہ تھا اس
دیا سلائی درمیان ہی میں گر کر بُجھ گئی۔ قریب سے آگ دکھلانے میں
اندیشہ تھا کہ کہیں شعلوں کی لپک مجھے بھی لپیٹ میں نہ لے لے
لیے میں نے دوبارہ قریب جا کر کار میں سے صفائی والا ڈسٹر نکالا
اُسے پیٹرول میں تر کر کے نچوڑتے ہوئے، گرہیں لگا کر اسے ایک
گولے میں تبدیل کیا پھر ہاتھ خشک ہو جانے پر اس گولے کو آگ لگ
ایک جھٹکے سے کار کی طرف پھینک دیا۔ بھق کی تیز آواز کے سات
دُھویں کی چادر میں سُرخ شعلے لپکے اور ان تینوں کی وہ قیمتی چتا
جلنا شروع ہو گئی۔

کار کے آگ پکڑنے کے بعد میں ایک لمحے کے لیے بھی وہا
نہیں رُکا۔ میرا رُخ ویرانے کی طرف تھا اور میرا خیال تھا کہ صورت حال
میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما ہونے سے قبل میں اپنا راستہ تلاش کرنے می
کامیابی حاصل کر لوں گا۔

میں تقریباً نصف گھنٹے تک محض اندازے کی بنا پر اس ویرانے
میں بھٹکتا رہا۔ اس دوران میں وہ علاقہ فائر انجنوں یا پولیس کی گاڑیو
کے کسی بھی سائرن کے شور سے محفوظ رہا تھا، جس کے دو ہی مطلب
ہو سکتے تھے کہ اوّل تو کسی نے اس آگ پر توجہ نہیں دی تھی یا پھ
اطالوی پولیس اپنے کام میں ضرورت سے زیادہ مستعدی دکھلانے ک
قائل نہیں تھی۔

نصف گھنٹے بعد رونق کے آثار نظر آتے ہی میں نے کارلو ک
لاش سے حاصل کیا ہوا پستول، بیم گن سمیت رقم کے تھیلے میں رکھ لی
اور جب میں قریبی بازار میں داخل ہوا تو مجھے پورا یقین تھا کہ میں عام
لوگوں سے کسی طرح مختلف نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے پاس ڈالروں کی
صورت میں خطیر رقم موجود تھی لیکن خود کو میلان کے ماحول سے ہم آہنگ
رکھنے کے لیے مقامی کرنسی بہت ضروری تھی۔ اس وقت میرے ستا
مہربان تھے کہ چند منٹ کی مسافت کے بعد ہی مجھے ایک بینک نظ
آگیا۔

بیرونی چوبی دروازے سے گزرنے کے بعد میں نے خود کو
شیشے کے ایک بند کیبن میں پایا۔ شیشوں کے پار بینک میں لین دین
جاری تھا اور اس کیبن میں بیرونی دروازے کے مقابل شیشے کا ہی
ایک بند دروازہ تھا جو میرے دبانے اور کھینچنے پر بھی نہ کھلا تو
میری نگاہ چوکھٹ میں لگے ہوئے بٹن پر پڑی۔ میں نے بٹن دبایا
تو بینک کے کسی حصے میں بزر کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ میری کال

کے جواب میں کسی نادیدہ سیکیورٹی افسر نے کوئی اور بٹن دبایا ہوگا، جس کے جواب میں دروازے میں کھٹکا ہوا اور میرے ہاتھ کے ذرا سے دباؤ سے دروازہ باہر کی طرف کھل گیا۔ میں نے بینک میں داخل ہوتے ہوئے غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اس کیبن کے تمام شیشے بلٹ پروف تھے تاکہ کوئی چور ڈاکو وہاں سے بینک کے عملے یا گاہکوں کو نہ دھمکا سکے۔ اسی کے ساتھ اندر والے پوری طرح تخریب کار پر گہری نظر رکھ سکیں۔

اٹلی میں بینکوں میں ڈاکے زیادہ پڑتے تھے یا پھر منفی امکانات کا انتہائی سدِباب کرنا اس قوم کا مزاج بنا ہوا تھا، میں یہ فیصلہ نہ کر سکا کیونکہ مجھے زرِ مبادلہ کا کاؤنٹر فوراً ہی نظر آگیا۔ میں نے سو سو ڈالر کے پانچ نوٹ لڑکی کو تھمائے تو اُس نے غور سے میری طرف دیکھا پھر یکے بعد دیگرے تمام نوٹ چیکنگ مشین میں ڈالے جو شاید فوراً ہی اصلی اور جعلی کرنسی کا سُراغ لگا لیتی تھی۔ اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اُس نے ایک فارم پر چند اندراجات کیے۔ فارم پر دستخط کرتے ہوئے پہلی بار مجھے اطالوی کرنسی کی بے توقیری کا اندازہ ہُوا کیونکہ اس فارم پر پانچ سو ڈالردل کے بدلے چھ لاکھ لیرا سے زائد رقم درج کی گئی تھی۔

مجھے یاد آیا کہ ایئرپورٹ پر ٹرالی والا بھی کرائے کی مد میں ایک ڈالر یا ایک ہزار لیرا طلب کر رہا تھا لیکن اس وقت مجھے شرح تبادلہ کا ذرا بھی دھیان نہیں آیا تھا۔

ایک لاکھ، پچاس ہزار، دس ہزار، پانچ ہزار اور ایک ہزار لیرا کے نوٹوں کے بعد جب اُس لڑکی نے ریزگاری میرے حوالے کی تو میں چونک پڑا کیونکہ اس میں پانچ سو لیرا کا ایک سکہ بہت خیال انگیز تھا۔ اس گول سکے کا وسطی حصہ تانبے کا ڈھلا ہُوا تھا جس کے گرد بقیہ ڈھلائی نِکل سے مشابہ کسی دھات سے کی گئی تھی۔ دو دھاتوں پر مشتمل وہ سکہ مجھے شی کی سلور آئی کا مرکزی خیال نظر آرہا تھا کیونکہ اُس میں بھی دو متضاد رنگوں والی قیمتی دھاتیں استعمال کی گئی تھیں۔

میں بینک سے نکلا تو مقامی کرنسی میں لکھ پتی ہو چکا تھا۔ شہر میرے لیے نیا تھا، اس لیے میں نے بس، ٹرام یا میٹرو پر انحصار کرنے کے بجائے ایک ٹیکسی روکی۔ ڈرائیور نے میری طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرا کر میری زبان سے ہوٹل وِنیتی کا نام سُنتے ہی میٹر گرا دیا۔ میرے سوار ہونے پر ٹیکسی روانہ ہوگئی۔ میں غور سے شہر کے باسیوں اور بازاروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ جدید عمارات کے دوش بہ دوش میلان میں جا بجا رومن طرزِ تعمیر کے پُرانے شاہکار بکھرے ہوئے تھے، جن میں منقش اور کٹاؤ دار پتھر سے بنی ہوئی پُرشکوہ عمارات قابلِ دید تھیں۔ جب ٹیکسی کوائن اسٹور کی ایک بڑی عمارت کے سامنے سے دوبارہ گزری تو میرا چونکنا لازمی تھا۔

"تم سیدھے راستے کے بجائے مجھے کہاں چکر دے رہے ہو؟"

میں نے ڈرائیور سے قدرے ترش لہجے میں سوال کیا۔ اس نے اطالوی میں کچھ جواب دیا جو میرے پلّے نہ پڑ سکا لیکن اس کے بعد ڈرائیور نے مجھے مزید چکر دینے کا ارادہ ترک کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں دیا وِنیتی نامی سڑک پر ٹیکسی ہوٹل وِنیتی کے سامنے رُک گئی۔

میٹر میں بارہ ہزار لیرا بنتے تھے۔ میں نے ڈرائیور کو پندرہ ہزار دیے اور اُس نے مجھے ایک ہزار لیرا تھما دیے۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے میٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا "دو ہزار اور نکالو۔"

"دو ہزار!" اُس نے انگلی سے اپنا سینہ ٹھونکتے ہوئے آگاہ کیا "ٹو ڈے فیسٹیول۔" اُس نے دو ہزار لیرا ہتھیانے کے جواز میں بتایا کہ اس دن کوئی تہوار تھا، اس لیے اس نے خود ہی اپنے انعام کا فیصلہ کر لیا تھا۔

غیر مذہب اور غیر قوم کے کسی فرد کو کسی تہوار پر بخشش دینے کا تصور خاصا فرحت انگیز تھا، اس لیے میں فیاضانہ انداز میں سر ہلاتا ہُوا ٹیکسی سے اُترا اور سرد ہواؤں سے بچنے کے لیے جلدی سے ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ راہداری میں قدم رکھتے ہی فضا میں فرحت انگیز حرارت کا احساس ہوا۔ راہداری کا اختتام مختصر سے کاؤنٹر پر ہُوا، جہاں عینک لگائے ایک دُبلا پتلا نوجوان موجود تھا۔ بائیں طرف ہوٹل کی مختصر سی نشست گاہ تھی جہاں ایک اونچی تپائی پر رکھا ہُوا رنگین ٹیلی وژن چل رہا تھا۔ ایک گوشے میں مختصر سا چوبی بار کاؤنٹر تھا، جس کے عقب میں بھانت بھانت کی شراب کی بوتلیں سجی ہوئی تھیں۔

اس نوجوان نے مجھے دیکھتے ہی آگے جھک کر اطالوی میں کوئی فصیح و بلیغ بات کی جو ایک سے زیادہ فقروں پر مشتمل تھی۔

"انگلش؟" میں نے مختصر ترین فقرے میں اُس سے سوال کیا۔

اس کی آنکھوں میں غم ناک اُداسی پھیل گئی۔ اپنے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے اس نے پھر چند ناقابلِ فہم فقرے ادا کیے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ لکھی ہوئی اطالوی میرے لیے پھر بھی قابلِ فہم تھی کیونکہ بہتیرے الفاظ کا تلفظ مختلف ہونے کے باوجود مخرج سمجھ میں آجاتا تھا جیسے انگریزی کے اسٹیشن کے مقابلے میں اطالوی لفظ استازیون تھا لیکن بولی جانے والی زبان خاصی ناقابلِ رسائی ہو جاتی تھی۔

میں نے اپنا پاسپورٹ نکال کر اس کے سامنے رکھا اور اُس نے اپنی پُشت پر دیوار سے لٹکا ہوا ٹیرف کارڈ نکال کر میرے سامنے ڈال دیا۔ وہ کسی محکمے سے منظور شدہ ہوٹل کا نرخنامہ تھا، جس میں سنگل رُوم کا کرایا اٹھاون ہزار لیرا تھا۔ ہمراہی کے لیے مزید بائیس ہزار تاوان ادا کرنا پڑتا۔ اس وقت مجھے صرف اپنے لیے کمرا درکار تھا، اس لیے میں نے اٹھاون ہزار پر انگلی رکھ دی۔

”سی، سی!“ نوجوان نے اپنے سر کو تفہیمی جُنبش دی اور کی بورڈ سے ایک چابی نکال کر میرے آگے ڈال دی۔ اسی کے ساتھ اُس نے مجھ پر یا میری غریب الوطنی پر ترس کھا کر ہوٹل کا چھپا ہوا کارڈ بھی مجھے دے دیا جس پر فون نمبر وغیرہ کے علاوہ پُشت پر ہوٹل کے محلِ وقوع کا خاصا تفصیلی نقشہ بنا ہوا تھا۔ اس کے اندراجات کے مطابق ہوٹل چار نمبر ٹرام کی گزرگاہ پر واقع تھا اور چند منٹ کی مسافت پر زیرِ زمین چلنے والی میٹرو نامی ٹرین نمبر ایک کا پاسیتور نامی اسٹیشن واقع تھا۔

کاؤنٹر کے عقب میں تنگ سی جگہ میں اوپر جانے کے لیے لفٹ موجود تھی۔ کمرا نمبر دو سو تیئس کے لیے دوسری منزل پر پہنچ کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی باقاعدہ ہوٹل نہیں تھا بلکہ ایک نجی رہائشی عمارت کو معمولی ردّ و بدل کے بعد ہوٹل کا نام دے دیا گیا تھا۔ میرا کمرا خاصا وسیع تھا۔ اس میں تین سنگل بیڈ، ڈریسنگ ٹیبل اور ایک الماری کے علاوہ ملحقہ باتھ روم بھی تھا۔ ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے کمرے کا درجۂ حرارت خوشگوار تھا لیکن آرائشی اشیاء کی غیر موجودگی کی وجہ سے ماحول اُداس اُداس لگ رہا تھا۔

کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے اچانک خیال آیا کہ میں اپنا پاسپورٹ کاؤنٹر پر ہی چھوڑ آیا تھا۔ میں نے فون اُٹھا کر نیچے کا نمبر ملایا۔ نوجوان سے کئی منٹ تک میری بات ہوتی رہی لیکن ہم دونوں میں سے کوئی کسی کو کچھ نہ سمجھا سکا۔ آخر میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر خود ہی نیچے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں کمرا مقفل کر کے نیچے پہنچا تو نوجوان اپنی مدد کے لیے ایک باریش شخص کو طلب کر چکا تھا جس نے انگریزی میں میرا استقبال کیا اور بتایا کہ میرا پاسپورٹ رجسٹر میں اندراج کے لیے روکا گیا تھا، اگر میں چند منٹ کے لیے بیٹھ کر چائے کی ایک پیالی پیتا تو اتنی دیر میں وہ میرا پاسپورٹ لوٹا سکتا تھا۔ اس نے خوبصورتی کے ساتھ مجھے پیشگی ڈپازٹ کے بارے میں یاد دلایا تو میں نے فوراً دو لاکھ لیرا اس کے حوالے کر دیے۔

اس اثنا میں عینک والا نوجوان بار کاؤنٹر کے پیچھے میرے لیے چائے تیار کرنے میں مصروف ہو چکا تھا۔ ادائیگی کے بعد ٹیلی وژن کی طرف پلٹتے ہوئے اچانک مجھے ٹیکسی ڈرائیور کی جبری ٹِپ یاد آ گئی اور میں نے داڑھی والے سے سوال کر ڈالا ”آج یہاں کون سا تہوار ہے؟“

”کوئی بھی نہیں“ اس نے حیرت سے کہا ”یہ خیال کیسے آ گیا آپ کو؟“

”ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا تھا“ میں نے مُسکراتے ہوئے اُسے آگاہ کیا اور اس پر خفت طاری ہو گئی۔

”یہاں کے ٹیکسی ڈرائیور سیاحوں کو لوٹنے کی ہر کوشش کرتے ہیں۔ ٹیکسیوں والے پھر بھی ذرا شریف ہوتے ہیں“ اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ”ویسے چاہو تو یہ کتاب لے لو۔ اس میں ٹرام اور میٹرو کے دس ٹکٹ ہیں، چھ ہزار لیرا میں تم کئی دن تک پورا میلان گھوم سکتے ہو۔“

میں نے وہ کتاب اس کے ہاتھ سے لے لی۔ ہر ٹکٹ پر بڑے ہندسوں میں پچھتر چھپا ہوا تھا۔ مجھے گمان ہوا کہ کہیں وہ بھی مجھے نہ لوٹ رہا ہو، اس لیے اس سے نرمی سے سوال کیا ”یہ ہندسہ کیسا چھپا ہوا ہے؟“

وہ ہنسا ”یہ بڑی عجیب بات ہے۔ ہر ٹکٹ چھ سو لیرا کا ہے لیکن اس پر مالیت درج نہیں ہوتی، یہ بسوں اور ٹراموں پر فروخت نہیں ہوتے بلکہ ہاکروں وغیرہ سے ملتے ہیں۔ ٹرام یا بس میں سوار ہوتے ہی ٹکٹ پر وقت پنچ کرنا ہوتا ہے، یہ ٹکٹ اس وقت سے پچھتر منٹ تک سفر کے لیے کارآمد رہتے ہیں۔ ٹکٹوں پر یہی مدت چھپی ہوئی ہے، یہ ٹکٹ میٹرو پر صرف ایک سفر کے لیے کارآمد ہوتا ہے۔ کام والے دنوں میں میٹرو اسٹیشنوں پر ٹکٹ فروخت ہوتے ہیں۔ چھٹیوں میں کاؤنٹر بند ہوتے ہیں البتہ مشین میں رقم ڈال کر ٹکٹ حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ پبلک ٹرانسپورٹ کے اسی پیچیدہ نظام کی وجہ سے سیاح ٹیکسیوں میں سفر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ڈرائیور مختلف حیلے بہانوں سے کرائے سے زائد رقم اینٹھنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، اسی لیے ہم اپنے گاہکوں کی سہولت کے لیے یہ ٹکٹ رکھتے ہیں۔ تم چاہو تو کتاب کے بجائے ایک یا دو ٹکٹ بھی خرید سکتے ہو۔“

میرے لیے اس کی وہ تقریر بہت معلومات افزا تھی۔ میلان میں چند روز گزارنے کے لیے پبلک ٹرانسپورٹ کے بارے میں وہ نکات بہت اہم تھے، ورنہ بغیر ٹکٹ سفر کرنے کے جُرم میں کہیں بھی دُشواریوں کا سامنا ہو سکتا تھا۔

میں مختصر سی نشست گاہ میں بیٹھا تو عینک والے نے چائے کی پیالی میرے سامنے رکھ دی۔ بار کاؤنٹر سے چائے کی سروس عجیب سی بات تھی لیکن میرے لیے اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس وقت ٹیلی وژن پر کاروں کی ریس کا ایک مقابلہ دکھایا جا رہا تھا جس میں دوڑنے والی کاروں سے زیادہ وہ لڑکیاں کیمرے کا نشانہ بنی ہوئی تھیں جو نہانے کے لباس یا اس سے بھی آدھے لباس میں اپنے اپنے پسندیدہ ڈرائیور کی حوصلہ افزائی کے لیے ریسنگ ٹریک کے کنارے کھڑی جوش و خروش سے چلّا رہی تھیں۔ میرے لیے اس موسم میں وہ تماشا دلچسپ تھا، اس لیے میں ٹیلی وژن دیکھنے میں منہمک ہو گیا۔ داڑھی والا بھی اندراجات مکمل کر کے میرے پاسپورٹ سمیت میری میز پر آ بیٹھا۔ وہ ریس اس کے لیے یقیناً نئی چیز نہیں تھی لیکن وہ بھی اتنی توجہ سے وہ نظر فریب پروگرام دیکھ رہا تھا جیسے میرے ساتھ ٹرونکا بونگا سے پہلی بار میلان پہنچا ہو۔

چار بجے کھڑکی سے باہر فضا میں تیزی سے اندھیرا پھیلنے لگا، میں نے سرہانے موجود بیڈ سوئچ سے کام لینے کی زحمت نہیں وقت میرا ذہن بری طرح ویرا اور سلطان شاہ میں الجھا ہوا ے اندازے کے مطابق انھیں اس وقت تک میلان پہنچ ہیے تھا۔ اس بارے میں میں مختلف امکانات پر طبع آزمائی کر کہ دروازے پر کھٹ پٹ کی کچھ آوازیں آئیں۔ میں نے اپنی توجہ ان آوازوں پر مرکوز کر دی اور جلد ہی اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ شخص میری کمرے میں روشنی نہ دیکھ کر دروازے کا قفل کھولنے شش کر رہا تھا۔ وہ اندازہ لگاتے ہی یک بیک میرا دورانِ تیز ہو گیا۔ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ میرے ذہن میں پہلا یہ آیا تھا کہ اپنے واحد تھیلے سمیت خاموشی سے باتھ روم میں چھپ اور وہیں سے جائزہ لوں کہ نامعلوم شخص میرے دروازے پر طبع آزمائی کر رہا تھا لیکن اس وقت کی اعصابی کیفیت میں کا تناؤ برداشت کرنا میرے بس سے باہر تھا، اس لیے میں ابھرا ہوا پستول لے کر ننگے پاؤں بستر سے اترا اور کوئی آہٹ ے بغیر اچانک اپنے کمرے کا دروازہ پوری طرح کھول دیا۔ ہی لمحے مخمل کے سیاہ گاؤن میں ملبوس ایک جواں سال لڑکی ے پستول کی زد میں تھی۔

جب میں نے دروازہ کھولا تو وہ قفل پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کے ں صرف ایک چابی تھی۔ کھلے ہوئے دروازے میں میری جینز جامے دیکھ کر اس نے نظریں اٹھائیں پھر اس کی بڑی بڑی سیاہ نوں میں خوف ابھر آیا۔

اس نے سہمی ہوئی، تحیر زدہ آواز میں کہا اور میں نے پستول کی نال کو جنبش دیتے ہوئے سرد لہجے میں کہا: "شرافت سے ؤ اور میرے ساتھ تمہاری کوئی چال یا اداکاری کامیاب نہیں سکے گی۔"

"ت... تم یہاں میرے کمرے میں کیا کر رہے ہو؟" اس رت آمیز اور خوفزدہ لہجے میں انگریزی میں سوال کیا۔ "میں جاتی، تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"خوب!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا: "چوری کے بعد اب ندری کا بھی ارادہ ہے؟"

اس نے اپنا سر جھٹک کر اوپر میرے دروازے کی چوکھٹ والی اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولی: "معاف کرنا نشے کی وجہ ے غلطی ہو گئی۔ میں سمجھی تھی کہ یہ تیسرا فلور ہے۔ میں تمہاری نمبر تین سو بارہ میں ٹھہری ہوئی ہوں، یہ تو دو سو بارہ ہے۔ لت بے جا کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

"ر آ جاؤ۔" میں نے سخت لہجے میں اپنی بات دہرائی۔ "تمہارا بیان درست ثابت ہوا تو ہوٹل والوں کی تصدیق کے بعد تمہاری خلاصی ہو جائے گی ورنہ میں پولیس کو طلب کر لوں گا۔"

"تم میری چابی دیکھ سکتے ہو۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے چابی سے منسلک لمبی سی پلاسٹک شیٹ میری طرف بڑھائی جس پر اس کے بیان کے مطابق اس کے کمرے کا نمبر نظر آ رہا تھا۔

میں دروازہ بند کر کے اس کی طرف   وہ خوفزدہ ہو کر الٹے قدموں پیچھے سرکنے لگی۔ "وہیں ٹھہرو، ورنہ میں ابھی شور مچا کر لوگوں کو جمع کر لوں گی۔ تمہارے تیور خطرناک نظر آ رہے ہیں۔"

"تمہاری جامہ تلاشی لینے کے بعد ہی میں مطمئن ہو سکوں گا۔" میں نے کہا۔ "تم شور مچاؤ گی تو میرے کمرے میں اپنی موجودگی کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکو گی، تمہیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، تم تلاشی لے سکتے ہو۔ اس مردود زونی موریزیو نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔" وہ روہانسے لہجے میں بولی۔

وہ دلکش اور خوش اندام تھی۔ ایک چور کی طرح رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی، اس لیے میں نے خاصی بے رحمی کے ساتھ اس کی جامہ تلاشی لی، وہ خاموشی کے ساتھ میرا رویہ سہتی رہی اور جب میں نے تلاشی ختم ہونے کے بعد اسے بیٹھنے کی ہدایت کی، وہ غصیلے لہجے میں پھٹ پڑی: "نوچ کھسوٹ کے بعد اب کیا چاہتے ہو مجھ سے؟ اتنی ذرا سی غلطی پر تم تل کر تو نہیں کھا سکتے مجھے۔"

میں بے اختیار زور سے ہنس پڑا۔ "تم خاصی خوبصورت ہو اور واقعی تل کر کھائے جانے کے لائق ہو۔ اب میں تمہاری تواضع کروں گا، یہ بتاؤ کہ کیا کھانا پسند کرو گی؟"

"تم جیسے وحشی آدمی کے ساتھ میں زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتی، یہ بتاؤ کہ اب کیا چاہتے ہو مجھ سے؟"

"دوستی!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "مجھے بتاؤ کہ زونی کون ہے جس نے تمہیں تباہ کیا ہوا ہے۔"

"تاکہ میری مجبوری سے واقف ہو کر تم مجھ پر پوری طرح حاوی ہو جاؤ؟" وہ خاصی دلیر معلوم ہونے لگی تھی۔

"میں ایک شریف آدمی ہوں اور میلان میں تنہا ہوں۔" میں نے اپنے پیکٹ سے اسے سگریٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ تمہارے کسی کام آ سکوں۔ تمہاری دوستی میں اپنا وقت شاید بہتر طور پر گزار سکوں۔"

اس نے تنک کر میرے پیکٹ سے ایک سگریٹ کھینچ لی اور میں اس کی سگریٹ جلاتے ہوئے اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"زونی میرا بوائے فرینڈ ہے اور اس وقت بھی اوپر کمرے میں پڑا بستر توڑ رہا ہوگا۔" وہ ایک گہرا سا کش لے کر ناک سے دھواں اگلتے ہوئے بولی۔ "وہ مجھے سبز باغ دکھا کر نیپلز سے یہاں لایا تھا۔ ہمارا میلان

سے عالمی سیاحت پر مشرق کی طرف روانہ ہونے کا پروگرام تھا لیکن یہاں آ کر اچانک پتا چلا کہ زوتی کی جیبیں خالی تھیں۔ سیاحت کے لیے پہلے ہمیں پیسہ جمع کرنا تھا۔"

"اور شاید یہ کام تم کو کرنا پڑ رہا ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مجھے کوئی بھی مضبوط سہارا مل گیا تو میں زوتی کو لات مار دوں گی۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "اس کا پروگرام تھا کہ سیاحت کے دوران وہ پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر واقع کسی اڈے سے دو چار کلو ہیروئن لے کر واپس آئے گا جسے بیچ کر ہم بقیہ زندگی عیش و عشرت کے ساتھ گزار سکیں گے لیکن یہ سب خواب و خیال کی کہانیاں ہیں۔ فی الحال تو ہم نیپلز بھی واپس نہیں جا سکتے۔"

"تمہاری انگریزی قابلِ رشک ہے۔ میلان میں ابھی تک اچھی انگریزی بولنے والا کوئی اطالوی نہیں ملا تھا۔"

"میں اینگلو اٹالین ہوں۔ میرے باپ نے ایک انگریز لڑکی سے شادی کی تھی، وہ مجھے بہت کچھ بنانا چاہتا تھا لیکن میں نے زوتی کے چکر میں پڑ کر خود کو تباہ کر لیا۔ وہ دیکھنے میں بہت وجیہہ اور شاندار ہے لیکن مردانہ غیرت سے بالکل عاری ہے۔"

"ایسی خستہ حالی میں تم دونوں کو اس ہوٹل میں ٹھہرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میلان میں اس سے سستے ٹھکانے بھی مل سکتے تھے۔"

"زوتی کہتا ہے کہ گھٹیا ہوٹلوں میں ٹھہرنے والوں کے ملاقاتی ان سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتے۔ چور اور لفنگے بھی اگر فائیو اسٹار ہوٹلوں میں مقیم ہوں تو معزز اور باوقار سمجھے جاتے ہیں۔"

"رقم کمانے کی اُس نے کوئی ترکیب تو بتائی ہو گی تم کو؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ کوششوں میں لگا ہُوا ہے کہ مجھے کسی بڑے مقابلۂ حسن میں اسپانسر کر اسکے۔ اُسے اُمید ہے کہ میں کوئی نہ کوئی بڑا انعام جیتنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ کوئی اسپانسر نہ مل سکا تو پھر وہ میرے ساتھ ویڈیو کے لیے کوئی تیسرے درجے کی فلم بنوائے گا۔ اٹلی میں ایسی فلموں میں کام کرنے کا کافی معاوضہ ملتا ہے اور پروڈیوسر بھی آسانی سے مل جاتے ہیں۔"

"اگر ساری کوششیں وہی کر رہا ہے تو تم اس وقت کہاں سے آ رہی ہو؟"

"دن میں میں آوارہ گردی کرتی ہوں۔ شام کو زوتی اپنی مہم پر نکلتا ہے۔ آج ایک فوٹوگرافر سے ملنے گئی تھی۔ اس نے اپنے اسٹوڈیو میں سارا دن مختلف زاویوں سے میری ٹرانسپیرنسیز بنائی ہیں۔ ان میں سے دو چار بھی کسی بڑے رسالے میں شائع ہو گئیں تو مجھے خود بخود آفرز ملنا شروع ہو جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ میں سیاحت کا ارادہ ترک کر کے یہیں ماڈلنگ کا پیشہ اختیار کر لوں۔"

میں نے غور سے اُس کی طرف دیکھا اور ناقدانہ جائزے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ کھرے کھرے خدوخال اور دلکش رنگ و روپ کے ساتھ وہ واقعی عام لڑکیوں سے ممتاز نظر آتی تھی کیونکہ اسے ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے کی خواہش ضرور دل میں سر اُبھارتی تھی اور وہی اس کی دلکشی کا راز تھا۔

"اس فوٹوگرافر نے تو تمہیں تھکا دیا ہو گا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ورنہ میں یہ شام تمہارے ساتھ گزارنے کی فرمائش ضرور کرتا۔"

"چھ بجے زوتی بی ایم ڈبلیو کار کے مقامی ڈیلر سے ملنے جا رہا ہے۔ اس کے بعد میں فارغ ہوں۔" ابتدائی بدمزگی کے بعد وہ بھی مجھ سے مانوس ہونے لگی تھی اور وہ میرے لیے ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ "باہر چلیں گے؟" میں نے کہا۔ "تم یہیں آ جانا، میں انتظار کروں گا۔"

"چاہو تو ابھی اوپر چلو، زوتی کو تم سے مل کر خوشی ہو گی۔" اُس نے کہا۔ میرے لیے وہ پیش کش خاصی دلچسپ تھی۔ زوتی سے تعارف ہو جانے کے بعد میں جب چاہتا اوپر جا کر اس لڑکی سے مل سکتا تھا۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا اب تک۔" میں نے اس کے ساتھ زینے طے کرتے ہوئے سوال کیا۔

"نادیہ... پورا نام نادیہ بنگالا ہے اور تمہارا نام کیا ہے؟" اُس نے مترنم ہنسی کے ساتھ کہا۔

"بڑا لذیذ نام ہے تمہارا۔ مجھے پیٹروا ک کہا جاتا ہے۔ تم صرف پیٹر کہہ سکتی ہو۔"

"یہ نام کب سے لذیذ ہونے لگے؟" وہ رفتہ رفتہ میرے ساتھ بے تکلف ہوتی جا رہی تھی۔

"تمہارے نام کا دوسرا حصہ سُنتے ہی بنگالی رس گلّے یاد آ گئے جو بہت لذیذ ہوتے ہیں سو ویسے بھی میرے لیے تمہاری جامہ تلاشی کا مرحلہ بہت کٹھن اور صبر آزما تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھے خاصے معقول آدمی ہو لیکن اس وقت بالکل وحشی نظ آ رہے تھے۔"

"ورق گردانی کر رہا تھا نا، سلیقے کا اظہار اُسی وقت ہوتا ہے ج مطالعہ کیا جائے۔"

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات چھٹے حصے میں ملاحظہ فرمائیں